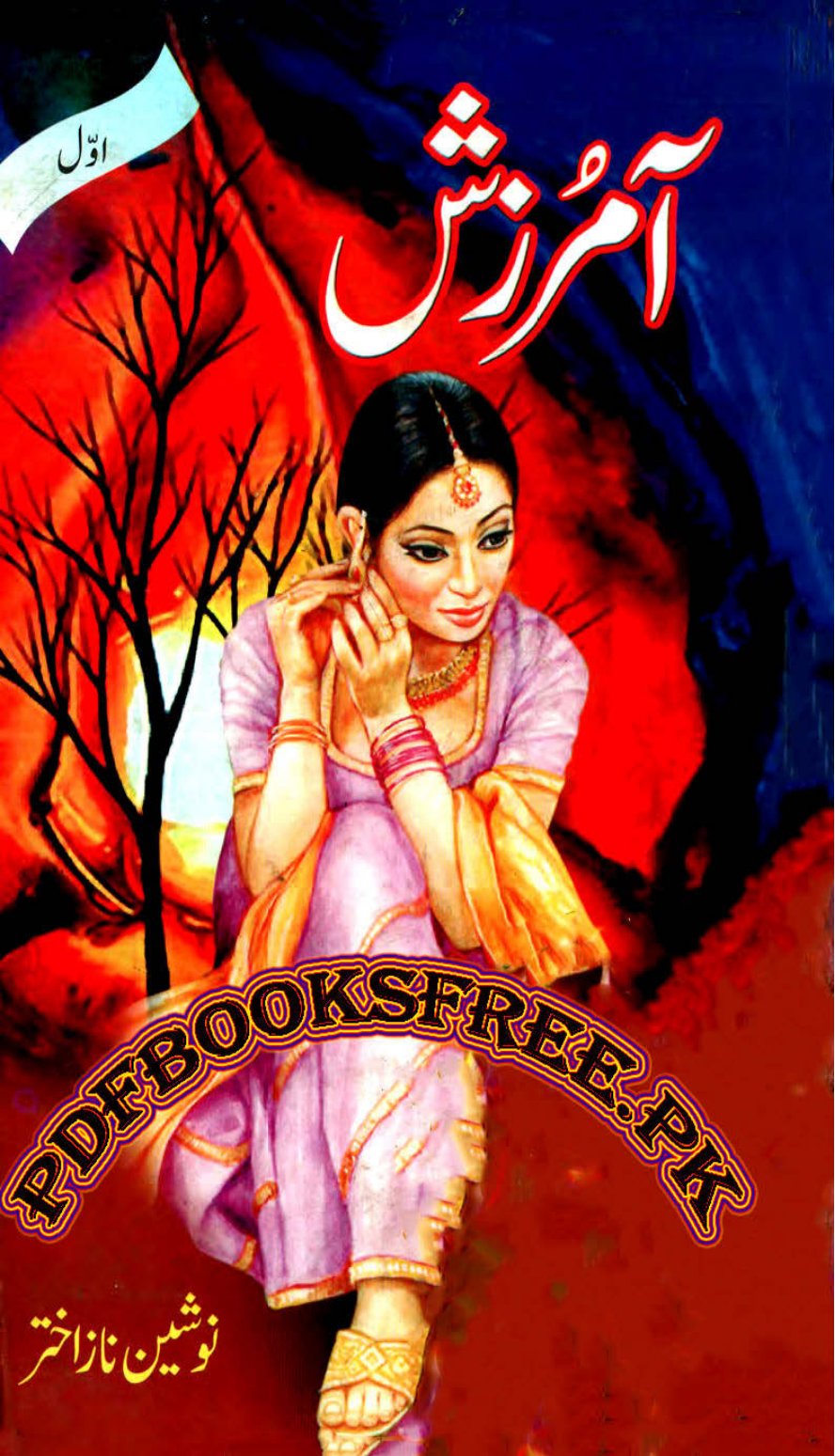

اوّل
آمرزش
PDFBOOKSFREE.PK
نوشین ناز اختر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آمیزش

(اوّل)

نوشین ناز اختر

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
فون: 042-37652546 , 042-37668958
www.alqurash.com E.mail:info@alqurash.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معیاری اور خوبصورت کتابیں

بااہتمام محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

باراوّل 2010ء

مطبع .... نیئر اسد پریس لاہور

کمپوزنگ .... کلاسکس گرافکس

قیمت .... [redacted]/- روپے

اپنی بڑی سرکار، پیارے اللہ جی کے نام!

کہ مجھے زندگی کا سارا سکھ اور پیار،

تمام اچھے لفظ اور سارے خوب صورت رشتے

انہی سے ملے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ........

میرے رب نے یہ کائنات بہت حسین بنائی ہے۔ وہ حُسن جو دیکھتی آنکھوں کو مسحور کر دے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ حُسن، یہ رعنائیاں سب عارضی ہیں، ایک دن مٹ جاتی ہیں، فنا ہو جاتی ہیں۔ لیکن ایک شے ہے اس کائنات میں، جو کبھی نہیں مٹتی۔ وقت کے ساتھ جس کی آب و تاب میں اضافہ ہوتا ہے اور جو رہتی دنیا تک یاد رہ جانے والی صفت ہے۔ اور وہ صفت کسی انسان کے اندر چھپا حُسن ہے، جسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جو آپ کو خود اپنے ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ اور مختلف صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ اور نوشین ناز اختر نے اپنے باطن کے حُسن کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر کے ہمیشہ کے لئے امر کر دیا ہے۔

نوشین ایک ایسی ہستی کا نام ہے، جو آپ سب کے سامنے ایک افسانہ نگار یا ناول نگار کی حیثیت سے آئی ہے۔ مگر میرے لئے وہ ایک اچھی دوست اور بہن اور سب سے بڑھ کر ایک اچھی انسان ہے۔

کیا عجب بات ہے کہ میں آج تک نوشین سے ملی نہیں، اُسے دیکھا نہیں، مگر ہمارے درمیان جو ربط ہے، وہ صدیوں کے رشتے بھی نہیں بنا پاتے۔ آج سے تقریباً پانچ سال قبل جب میں ''ماہنامہ نازنین ڈائجسٹ'' کی مدیرہ کے فرائض سرانجام دے رہی تھی تو نوشین سے ٹیلی فونک گفتگو ہوئی تھی اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

نوشین سے گفتگو سے بہت پہلے سے میں اُس کی تحریروں کی مداح تھی۔ اُس کی تحریروں میں زندگی کے جو رنگ دوڑتے ہیں، احساسات کی جو خوب صورتی نظر آتی ہے، وہ اسے اپنی دوسری ہم عصر تحریر نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اُس نے کبھی بھی اپنے افسانے یا ناول کی بنت کے لئے بناوٹی باتوں کا سہارا نہ لیا، نہ ہی کبھی اس نے اپنے ناول یا افسانے کو طول دینے کے لئے لفظوں میں رنگینیاں پروئی ہیں۔ وہ لکھتی ہے زندگی کا سچ، رشتوں کی خوب صورتی، ٹوٹتے اور جڑتے تعلقات کی کسک اور آسودگی........ اس کا کینوس وسیع ہے، جس میں وہ زندگی کے سبھی اتار چڑھاؤ کو سمو دیتی ہے۔ اس کا قلم نہ صرف زندگی کی حقیقتیں بیان کرتا ہے بلکہ اس کا سامنا کرنے کی جرأت بھی عطا کرتا ہے۔

''آمرزش'' نوشین کا وہ ناول ہے، جس کے ابتدائی مراحل نوشین نے میرے ساتھ طے کئے۔ وہ اس طرح کہ میں، نازنین ڈائجسٹ میں تھی اور میری پہلی درخواست پر ہی اُس نے اس ناول کی ابتداء کی تھی اور یہ میرے لئے ایک اعزاز ہے۔ اور پھر اس کے بعد جب تک میں، نازنین سے منسلک رہی، ''آمرزش'' کی سطر سطر میری نظروں سے گزر کے طباعت کے مراحل کو پہنچی۔ اور شاید اسی لئے اس ناول سے میری گہری وابستگی اور اپنائیت کا ایک رشتہ ہے، جسے نوشین کی محبت نے مزید مضبوط کر دیا ہے۔

''آمرزش'' انسانی رشتوں میں گندھا ایک ایسا احساس ہے، جو پڑھنے والے کو لحہ بہ لحہ مختلف کیفیات سے دوچار کرتا ہے۔ نوشین نے اس ناول میں انسان کی فطرت اور جبلت کی اچھی طرح عکاسی کی ہے۔ ناول کے دو مرکزی کردار ولی اور نگینہ زندگی کی قدروں اور محبت کی پاکیزگی کے علمبردار ہیں، جن کے ذریعے نوشین نے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ بدی خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، زندگی کی سچی اقدار اور محبت کے پاکیزہ جذبوں سے نہیں جیت سکتی۔ اس ناول میں رشتوں کے جو رنگ ہیں، وہ ان خودغرض اور بے حس لوگوں کے لئے ایک مثال ہے، جو مادیت پرستی میں رشتوں کو روند کے گزر جاتے ہیں، لیکن ان کا انجام ایک بھیانک تنہائی اور بے نام و بے وقار زندگی ہوتی ہے۔ لیکن جو رشتوں کی پاکیزگی کو سمجھتے ہیں اور ان کی پاس داری کرتے ہیں، ان کے لئے زندگی جنت ہوتی ہے اور وہ دوسروں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ ایک مثال بن کے رہتے ہیں۔

نوشین کی تحریروں میں اُس کے اندر کا حُسن جھلکتا ہے، جو اُسے مزید حسین بناتی ہے اور میں سمجھتی ہوں، فنکار خواہ کوئی بھی ہو، کیسا بھی ہو، اگر اس کا باطن حسین ہے تو وہ ہمیشہ ایک خوب صورت، جاندار، باوقار اور بے مثال تخلیق کا مالک بنے گا۔ اور نوشین اس تعریف میں بلاشبہ پوری اُترتی ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ.........

نزہت سمن
جرنلسٹ، ڈرامہ رائٹر
سابق مدیرہ نازنین ڈائجسٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوشین ناز اختر کا اندازِ تحریر

گذشتہ 22 سال سے پاکیزہ کی مدیرہ ہونے کے باعث مجھے ہر طرح کے افسانے پڑھنے کو ملتے ہیں۔ شوخ، چنچل، سنجیدہ، ڈرامائی، اصلاحی، علامتی...... غرض رنگا رنگ اندازِ تحریر کی کہانیاں پڑھنا میرا روزمرہ کا ایک کام ہے، جسے میں خوشی خوشی کرتی ہوں کہ پڑھنا اور لکھنا میرے شوق و ذوق بھی ہیں۔

نوشین ناز اختر نے آج سے پانچ یا چھ سال پہلے ماہنامہ پاکیزہ میں لکھنا شروع کیا اور میں ان کا اندازِ تحریر اور پیغام تحریر دیکھ کر خاصی متاثر ہوئی۔

نوشین کے افسانے ہوں، ناولٹ ہوں یا ناول...... تمام اس سچائی کا مظہر ہیں کہ اچھی بات کو آگے بڑھایا جائے اور بری بات، رسم یا عادت کی سرزنش کی جائے۔ اور یوں بھی ہر اچھا خیال اور اچھی فکر امانت ہوتی ہے اور اسے عام کرنے سے معاشرے میں روشنی پھیلتی ہے اور ذہن کے جالے صاف ہوتے ہیں۔

کسی بھی ناول کا پہلا وصف بیانیہ کو دلچسپ انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے کیونکہ اگر ناول دلچسپی سے جب تک پڑھا نہیں جائے گا تو بقیہ اوصاف اس میں دب کر رہ جائیں گے۔

لکھنے والے میں یہ مقناطیسی قوت ہونی چاہئے کہ وہ اپنے قلم کے زور پر اپنے بنائے ہوئے ماحول میں پہنچا دیں، اور یہ ہنر نوشین ناز اختر کو بھی حاصل ہے کہ وہ منظر نگاری اس خوب صورتی سے کرتی ہیں کہ پڑھنے والے بھی اس منظر کا حصہ بن جاتے ہیں۔

نوشین ناز اختر معروف و مقبول ادیب اختر عباس کی بیگم ہیں، جو دانشور، استاد اور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے ادیب بھی ہیں۔ اُن کی شخصیت اور تحریروں کے اثرات بھی نوشین کی تحریروں میں نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مثبت امید اور نیک جستجو اُن کی تحریروں کی شناخت ہیں۔

''آمرزش'' نوشین ناز کا بے حد خوب صورت ناول ہے۔ اس کی کہانی اور کردار زندگی اور سچائی سے بھرے ہوئے ہیں۔ آمرزش اصل میں معافی اور بخشش ہے۔ جہاں نام میں جدت ہے، وہیں یہ الفاظ بھی دل کو چھوتے ہیں۔

''آمرزش'' اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے دلی اُمید ہے کہ اس کو پڑھ کر آپ اسے بہت دیر تک یاد رکھیں گے۔ کیونکہ نوشین اپنی ہر تحریر میں مقصدیت کو مقدم رکھتی ہیں۔

دلی دعا ہے کہ وہ اسی طرح اپنی تحریروں سے سماجی مسائل حل کرتی رہیں۔

دعا گو
انجم انصار
مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ

''اے اللہ! تُو ہی مدد کر۔ تُو ہی بچانے والا ہے۔''

عائشہ بی بی نے فکرمندی سے چاروں جانب دیکھا تھا۔ ''آگ لگ گئی...... آگ لگ گئی......'' ہر طرف یہی چیخ و پکار تھی۔ حویلی عبداللہ کے لوگ خوف و ہراس سے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ چاروں جانب سے آگ نے گھر کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

تب ہی ولی کا ہاتھ تھامے اور نگینہ کو گود میں اُٹھائے اُن کی بوڑھی کمزور اماں چھت کی طرف بھاگیں۔

جوں جوں وہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر جا رہے تھے، واپسی کا راستہ ختم ہو رہا تھا۔ آگ اُن کا پیچھا کرتے ہوئے اوپر آ رہی تھی۔

چھت پر جب وہ تینوں پہنچے تو حویلی چاروں طرف سے جل رہی تھی۔ تب ہی اماں نے آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا۔

''سائیں! تیری رضا میں ہم راضی ہیں۔ اے ربّ سچے! جو تیرا حکم، سر آنکھوں پر۔ سائیں! اس حویلی کے مالک اور مالکن جس قدر نیک روح تھے، تُو جانتا ہے۔ بی بی نے ان کو مجھے تھماتے ہوئے کہا تھا کہ یہ اس حویلی کی آخری اولاد اور وارث ہیں۔ پر ہم چھوٹے لوگ، ہماری کیا مجال کہ اپنے نام اور وارث کو بچانے کی کوشش کریں، بس رہے اللہ کا نام اور اس کے محبوب کا نام، اس رہتی دنیا تک!...... بے شک! تُو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اے اللہ سائیں! یہ معصوم ابھی بالکل پاک ہیں، تیری فطرت کی طرح! تُو ان کی حفاظت کرنا اور ان کی زندگی بچالینا۔''

''جائیں اماں! ان کو کوشش کر کے یہاں سے نکالنے کی کوشش کریں۔''

بی بی (عائشہ عبداللہ) نے بچے ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔

چاروں جانب آگ اور سیّد سرفراز علی کے آدمیوں نے حویلی کو گھیر رکھا تھا، اُن کا خوف۔ ایسے میں کوئی کیسے مدد کو آتا؟

''آیا اماں!...... امی کہاں ہیں؟'' معصوم ولی نے آیا اماں سے پوچھا تھا۔

''جاؤ ولی!'' آیا اماں نے بڑھتی آگ کی لپٹوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ولی میرے چاند!'' ساتھ ہی اماں نے اس کی طرف دیکھا...... ''نگینہ کو اُٹھالو۔''

سات سالہ معصوم ولی نے حیرانگی کے باوجود اپنی بہن کو تھام لیا۔

تب ہی آیا اماں اسے ایک کنارے کی طرف لے آئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جاؤ ولی! نیچے کود جاؤ۔ اور یاد رکھنا، اپنی بہن کو نہ چھوڑنا۔ یہ تمہاری امی نے کہا تھا۔ اللہ کی امان، میری آنکھوں کے نور! جاؤ......" آپا اماں نے لپکتے شعلوں کے آگے ڈھال کی طرح کھڑے ہو کر بچوں کو بچایا تھا......لیکن پھر بھی تپش سے ولی کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے۔

"جاؤ......!"

ولی نے حیرانگی سے اماں کو دیکھا، بھڑکتے شعلوں نے ان کی جانب لپکنا شروع کر دیا تھا۔ ویسے ہی جیسے امی کو نیچے شعلوں نے گھیر رکھا تھا۔ اور وہ تینوں اتفاق سے اماں کے ساتھ تھے۔ جب وہ وہاں آئے تو آگ نے ہر جگہ کو گھیر لیا تھا۔ اندر امی بابا تھے، لیکن انہوں نے بھی وہاں سے چلے جانے کو کہا تھا۔

"آپا اماں!" ولی نے نیچے دیکھ کر خوف زدہ ہو کر اُنہیں پکارا۔ وہ اُسے اتنی اُونچائی سے کودنے کو کیوں کہہ رہی تھیں۔ "آپا اماں!" ولی کی آواز میں خوف اور حیرانگی دونوں موجود تھے۔

"ولی! جاؤ......... تجھے سب سے بڑی اور رحمٰن ذات کے سپرد کیا۔"

"آپا اماں......! آپ امی بابا کو بھی بچا لو گی ناں؟" ولی نے معصومیت سے سوال کیا تھا۔

"ہاں...... جاؤ.......اب تم کو اپنی امی جان کا کہا ماننا ہے۔"

اور وہ اپنی امی جان کا کہنا ماننے والا پیارا بیٹا تھا۔

دھک دھک کرتے دل کے ساتھ نگینہ گڑیا کو تھامے اُس نے آنکھیں بند کر کے چھلانگ لگا دی تھی۔

اندھیرے میں گم ہوتے ہوئے ذہن کے باوجود اُس نے نگینہ گڑیا کا وجود مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ ہر طرف اندھیرے نے اُسے گھیرا تو وہ آنکھیں بند کرتا چلا گیا......!

❖❖○❖❖

سارے گاؤں میں دکھ اور تاسف کی لہر پھیلی ہوئی تھی۔ حویلی میں موجود ہر فرد جل کر مر چکا تھا۔ نہ مالک، نہ نوکر، نہ ہی کوئی جانور بچا تھا۔

سب راکھ میں مل گیا تھا۔

ظالموں نے زندہ وجودوں کو آگ لگا کر بڑا ظلم کمایا تھا۔ کتنے اچھے اور نیک لوگ تھے۔ سائیں عبداللہ، کیسا جوان اور کردار کا پکا سچا آدمی تھا۔

حق...... ہاہ! ایسے اچھے لوگوں کے ساتھ اتنا برا کیوں ہوا؟ گاؤں کا ہر فرد سوگ میں تھا...... ہر شخص کا دل اس ظلم پر پھٹ رہا تھا۔ لیکن سیّد سرفراز کے ڈر سے کوئی کچھ کر نہ سکا تھا۔

آہ......سب ختم ہو گیا...... ہر جانب سرگوشیاں تھیں۔ سب ختم ہو گیا!

کیا؟ واقعی سب ختم ہو گیا؟ ہوا نے چلتے چلتے رُک کر حیرت سے پوچھا تھا۔

ارے نہیں!......وہ مسکرا کر آگے چل دی۔

سب کچھ اتنی جلدی اور ایسے ہی تو ختم نہیں ہو جاتا۔

❖❖○❖❖

جب اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے اپنے آپ کو مٹی کے ڈھیر پر پایا۔

اُس کے کپڑوں میں کانٹے گھسنے کی وجہ سے جسم میں زخم ہو گئے تھے۔ سارا جسم بری طرح دُکھ رہا تھا۔ پھر بھی اُس نے آنکھیں کھولتے ہی نگینہ کو تلاش کیا......وہ بے سُدھ اوندھی پڑی تھی۔

"نگینہ گڑیا!"

اُس نے بہن کو بہ مشکل گھسیٹ کر اُٹھایا۔ نگینہ کو رُک رُک کر سانس آ رہی تھی۔

سات سالہ ولی ایک دم سے گھبرا گیا تھا۔ اماں نے کہا تھا کہ بہن کو نہ چھوڑنا، خیال رکھنا۔ لیکن اب میں کیا کروں......اس کی سانسوں کو کیا ہو رہا ہے؟ ......تب ہی وہ اُسے لئے بھاگتا چلا گیا۔ نہ کسی راستے کی اسے خبر تھی، نہ علم تھا۔ یہ حویلی کی پچھلی طرف واقع ایک پگ ڈنڈی تھی، جو جنگل کی طرف جاتی تھی۔ وہاں مکمل ویرانی تھی۔ ایسی اُجاڑ جگہ، انسانی وجود کہاں سے نظر آتے؟

سوکھا بھورا گھاس بڑھ کر سرکنڈے بن چکا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھنے پر کوئی نظر نہ آیا۔ لیکن وہ بھاگتا چلا گیا۔ جب بہت دیر تک بھاگنے کے باوجود اُسے کوئی نظر نہ آیا تو وہ پتھر پر بیٹھ کر اونچی آواز میں رونے لگا۔ اپنے وجود کے زخموں کی تکلیف اور بہن کی پریشانی کی وجہ سے اُس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

تب ہی پودوں کی سرسراہٹ اُسے سنائی دی۔ لیکن وہ اس قدر معصوم اس ویرانی میں موجود کسی خطرے کو محسوس بھی نہ کر سکتا تھا۔ کوئی جانور، کوئی بے رحم انسانی وجود اُسے کس قدر نقصان دے سکتا تھا۔ وہ غیر محفوظ ہونے کے احساس سے ہی بے نیاز تھا۔

ولی کو تو بس رونا آ رہا تھا۔

نہ امی ہیں، نہ ہی بابا جانی کہ میں اور گڑیا بیمار ہیں......کون ہم کو دوا پلائے گا؟ کون ہمارا خیال کرے گا؟ امی!......اماں!"" وہ سسک رہا تھا۔

"کون ہے؟" ایک دم سے ولی کو اپنے پیچھے سے آواز آئی۔

ولی نے سسکیاں لیتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"میں...... میں، ولی!"

"ولی؟......... تُو ولی ہے؟......... تُو اگر ولی نہ ہوتا تو کون ہوتا؟" انہوں نے ولی کے معصوم چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تُو واقعی ولی ہے۔" تجھ سے قریب "دوست" اور کون ہو گا؟" اب اُن کی نظر اُس کی کم عمری پر تھی۔

"اے اللہ کے دوست (ولی)! اے معصوم اور پاکیزہ روح! اے بخت والے! تُو یہاں کیسے؟"

وہ آگے بڑھے۔ "پیارے بیٹے! تیرا نام ولی ہے؟" پاس آ کر اُس کے قد کے برابر آ کر بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"ہاں جی! میں ولی ہوں...... میں عبدالولی ہوں نا۔ اور یہ میری بہن نگینہ گڑیا۔ یہ بیمار ہے......"

ولی کی سوچ اتنی معصوم تھی کہ وہ صرف یہی سوچ سکتا تھا کہ بہن بیمار ہے۔ ولی نے اُن کی آواز کے اندر مہربانی اور شفقت کو محسوس کرتے ہوئے فوراً اُن کو اپنا مسئلہ بتایا تھا۔

"اے اللہ کے دوست! آ جاؤ.........تُو تو میرے لئے ہی آیا ہے ناں؟......... تیری مہربانی، میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے اعزاز ہے، اور........"

وہ ادھوری بات کر کے اس کے ہاتھوں سے گڑیا کو لے کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

کوئی پریشان کن بات ضرور تھی جو ایک دم سے ولی کو ان کے مہربان چہرے پر نظر آئی تھی۔

"بابا جی! گڑیا ٹھیک ہو جائے گی ناں؟" ولی نے پریشانی سے پوچھا۔

"میری کیا مجال جو کہہ دوں اور بولوں کہ "کام ہو جائے گا........ بات بن جائے گی........ یہ تو ہونے کی بات تو صرف اُس کے بس میں ہے۔ وہ ہی کہہ سکتا ہے۔ انہوں نے دھیمے سے کہا۔

"آؤ! میرے پیارے مہمان!........ آؤ دیکھتے ہیں کہ اُس کی، اُس اللہ جی کی کیا رضا ہے........ وہ کیا چاہتا ہے۔ ہم کو تو بس اُس کی رضا میں راضی رہنا ہے۔"

وہ اُسے تھامے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

❖❖○❖❖

موسم سارے ہی اُترے تھے
رنگ، خوشبو، روشنی
سب ہی تھے
رنگ برنگی تتلیاں
مسکراتے پھول!
ان رنگوں، خوشبو کو
اس روشنی، تتلیوں کو
ان سب پھولوں کو
میں اپنی جھولی میں
بھر لینا
چاہتی ہوں
لیکن........
وہاں........
اب کچھ نہ تھا
بس ہر جانب........
سسکیاں تھیں
موسم، رنگ، پھول، خوشبو، تتلیاں!
سب........
اُڑ گئے تھے!
کہ
میری تو

اپنی جھولی میں
چھید تھے!

"شاہ جی! آپ کے لئے بہتر یہ ہی ہوگا کہ آپ کوئی بچہ گود لے لیں۔ آپ بیگم صاحبہ کی بات مان لیں، ورنہ وہ یوں ہی دھیرے دھیرے زندگی سے دور ہوتی جائیں گی۔" لیڈی ڈاکٹر نے روشن آراء کے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر کو ملازم کے ساتھ رخصت کر کے جب وہ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئے تو ایک دم گہرے تاسف نے ان کو گھیر لیا تھا۔ ان کے دل و جان کی روشنی بے سُدھ پڑی تھی۔

"روشن آرا!!"

جس کو وہ ہمیشہ روشنی ہی کہا کرتے تھے، ان کی زندگی کی پہلی اور آخری محبت اور عشق تھا۔

بے پناہ حُسن کی مالک روشن آرا جس کی رنگت ایسے تھی جیسے میدے میں سیندور گھلا ہو۔ آنکھوں کی گہرائیوں میں کہیں ان کا اپنا وجود بھی تو ڈوب گیا تھا۔

لمبے گھنے، سیاہ بال جو ڈبل بیڈ پر آخری کونے تک بکھرے ہوئے تھے، بے پناہ خوب صورت وجود جو سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، یوں جیسے کوئی پرستان کی پری راستہ بھول کر اس دنیا میں آ گئی ہو۔

جتنی وہ خوب رو تھی، اس سے کئی گنا وہ خوب سیرت تھی۔ ایسا اخلاق کہ بیگانے کو اپنا کرے۔ اور اتنی حیادار کہ کبھی اپنے سسر کے سامنے بھی بے پردہ نہ گئی تھی۔

روشن آرا نے جہاں ان کی زندگی کو مکمل کیا تھا، وہاں وہ اس کو مکمل کرنے سے قاصر تھے۔ بلڈ گروپ ان کا ایسے اختلاف کر رہا تا کہ بچہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی یا پھر اگر آ جاتا تو بھی وہ ابنارمل ہوتا تھا۔

ان ساری حقیقتوں کو جانتے ہوئے بھی روشن آرا نے بڑے سے بڑا رِسک لیا۔

تیسری بار جب وہ خوش تھی کہ چھ ماہ گزر گئے ہیں، ٹھیک ٹھاک! اب وہ صحت مند، نارمل بچے کی پیدائش کے لئے دن رات اپنے سجدے لمبے کرتی جا رہی تھی........ تو ایک دن نوکرانی بھاگتی ہوئی آئی۔

"بی بی جی........ بی بی جی! وہ، بڑے شاہ جی اور بڑی بی بی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

وہ بے خود، بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اُتری۔ بس ذرا سا پاؤں خم کھا گیا تھا۔ اور پھر اُن کی تو دنیا ہی خم کھا گئی تھی۔

ساس، سسر کے جنازے اُٹھے، لیکن وہ ہسپتال میں بے ہوش پڑی تھیں۔ ایک ننھی زندگی کو کھو دینے کے بعد ان کے اندر اس دنیا میں دوبارہ ہوش میں آنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔

'آہ! میری جھولی میں چھید۔'

روشن آرا بے ہوش ہو چکی تھیں اور خطرے کی حدود میں جا کھڑی ہوئیں۔ زندگی سے ناراض ی، احمد شاہ کے لئے تینوں صدمے بڑے تھے۔ لیکن رضائے الٰہی سے کوئی منکر کیسے ہوا؟

جو زندہ تھی، وہ اہم تھی!

جو چلے گئے، اُن کو جانا ہی تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماں باپ کے جنازے کے بعد وہ ہسپتال میں موجود تھے۔

"روشن!........روشن!........پلیز، اب تم مجھ کو اکیلا چھوڑ کر نہ جانا۔ میں بہت کمزور ہو گیا ہوں........ یوں، جیسے میری جڑیں ہی کٹ گئی ہوں اور میں کھوکھلے درخت کی طرح ڈھے جاؤں گا۔"

احمد شاہ آنکھوں کو مسلتے ہوئے کراہ رہے تھے۔ اُن کے آنسو بھی اب ختم ہو گئے تھے، اُن کے غم پر رونے کے لئے۔ اتنے بڑے غم کے لئے اُن کے آنسو کم پڑ گئے تھے۔

ہسپتال کے کوریڈور میں بیٹھے بیٹھے ان کی کمر کے ساتھ ساتھ اعصاب بھی شل ہو رہے تھے۔

دور کہیں مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔

یوں لگا، جیسے اس طوفان میں کہیں کوئی پکڑنے والا، سہارا دینے والا موجود ہو........تب ہی وہیں، فرش پر اپنی چادر بچھا کر وہ اس بڑی پاک ذات کے آگے جھک گئے تھے۔

اور وہ، جو بے نیاز ہے! وہ ہی سب سے بڑا رحمٰن بھی تو ہے۔ احمد شاہ دعا کے لئے جب سجدے میں گئے تو ان کو یوں لگا جیسے کسی "دوست" نے بڑھ کر ان کا سر اپنے کندھے پر رکھ لیا ہو، ان کے آنسو چن لئے ہوں۔ اسی وقت نرس باہر نکلی۔

"مبارک ہو شاہ صاحب! یور وائف اِز ناؤ آؤٹ آف ڈینجر۔ (اب آپ کی بیوی خطرے سے باہر ہے) اُن کی بلیڈنگ بھی بند ہو گئی ہے۔ ہارٹ بیٹ بھی نارمل ہو گئی ہے........کوئی دو گھنٹے وہ انتہائی نگہداشت میں رہیں گی، پر ہم ان کو روم میں شفٹ کر دیں گے۔"

احمد شاہ نے وہیں شکرانے کے نفل ادا کئے۔ احمد شاہ کا صبر اللہ پیارے کو بھی بھایا........جس شخص نے صبح اپنے والدین اور بچے کو قبر میں لٹایا تھا، اسے اس طرح اپنی جانب صبر سے جھکنے پر نوازا گیا تھا۔

احمد شاہ ہر چیز کھو کر پھر بھی پا گئے تھے۔ نواز دیئے گئے تھے۔

❖❖○❖❖

لیکن روشن آرا کے دل میں تو ہر وقت ہوک اُٹھتی رہتی تھی۔ اُسے ہر جانب بچوں کے ہنسنے، رونے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

"شاہ جی!........یہ........یہ آوازیں میرے وجود کو آ کر چھوتی کیوں نہیں؟........یہ کیوں مجھ سے دُور بھاگتی ہیں؟........شاہ جی! میرے ہاتھ دُکھنے لگے ہیں۔ دیکھیں، کوئی زندگی کا لمحہ پھسل گیا ہو، کوئی ایسے میری طرح خالی دامن ہوتا ہے؟" وہ اپنی جھولی آگے پھیلا کر دیکھتیں۔

"شاہ جی! میں بہت منحوس ہوں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روتیں۔ "کوئی بچہ مجھے ماں کہنے کے لئے راضی ہی نہیں........مجھے ماں ہونے کا احساس نہیں دیتا۔ لیکن یہ جو ممتا کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے!" انہوں نے اپنا سینہ مسلا۔

"شاہ جی! میرے بچے کہاں ہیں؟ شاہ جی! میرے بچے........تین بار وہ آنا چاہتے تھے، تینوں بار وہ مجھ سے ناراض ہو گئے۔ آپ اللہ جی سے کہیں ناں کہ وہ مجھے معاف کر دے، میرے بچے مجھے واپس کر دے۔"

روشن آرا نیم پاگلوں کی طرح بی ہیو کرنے لگی تھیں۔

"اللہ اللہ لوری!
دودھ کی کٹوری!
دودھ میں بتاشا
اللہ اللہ لوری!"

"سو جا میرے منے!" وہ بڑے سے Stffed گڈے کو تھپک تھپک کر سلاتیں۔

شاہ جی نے بہت مشکل سے ان کو پکڑ کر نیند کی گولی کھلا کر لٹایا اور ڈاکٹر زارا کو کال کیا۔

وہ ابھی ابھی چیک اپ کر کے گئی تھیں۔ انہوں نے روشن آرا کے لئے بچہ اڈاپٹ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ورنہ وہ اس کیفیت سے پاگل ہو سکتی تھیں، یا اس اعصابی تناؤ سے موت واقع ہو سکتی ہے۔ ویسے بھی وہ کون سا زندہ معلوم ہوتی تھیں۔

روشن آرا کا علاج صرف بچہ ہی تھا۔

احمد شاہ وہیں روشن آرا کے پاس کرسی پر بیٹھ گئے۔

ذہن کسی فیصلے کی جانب یکسوئی دے رہا تھا........

❖❖○❖❖

نگینہ نے بہت دیر بعد آنکھیں کھولی تھیں۔ بچی ہوش میں آتے ہی رونے لگ گئی۔

"آہ! ہم ظالم ہیں۔ بے شک ہم ظلم کرتے ہیں۔ اللہ! تیری رحمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اے میری پیاری بیٹی! تُو غم نہ کر۔ "وہ" مہربان ہے........لے، یہ دودھ پی۔ تیرے نصیب کی یہ نعمت ہے۔"

بابا جی نے، جن نے........جن کو ولی نے بابا جی پکارا تھا........نگینہ کے منہ میں چمچ سے گرم دودھ ڈال رہے تھے۔ بابا جی کے ہاتھوں کی نرمی اور ان کے وجود کی محبت نے بے قرار بچی پر اثر کیا تھا۔ بچی پُرسکون ہو کر سونے لگی تھی۔

"تیری تو نیند میں بھی "عبادت" شامل ہے۔ ہم تیری عبادت میں خلل کیوں ڈالیں؟" وہ بچی کے پاس سے دھیرے سے بے آواز اُٹھ کر ولی تک آ گئے تھے۔

"اے میرے اللہ کے پیارے دوست!" انہوں نے پیار سے اسے پکارا۔

"میں پیارا دوست نہیں ہوں۔ میں ولی ہوں........میرا نام عبدالولی ہے، بابا جی!" ولی نے بہن کو پُرسکون سوتے دیکھ کر ہشاش بشاش ہو کر بتایا۔ گرم گرم دودھ اور رات کی روٹی نے اُس کے اندر توانائی بھر دی تھی۔

بابا جی دھیرے سے مسکرائے۔

"تُو ہی سچا ولی ہے........سچ بولنے والا........یہ ہم ہی ہیں، جو ساری عمر جھوٹے رہتے ہیں۔"

"بابا جی! کیا کوئی بڑی سیڑھی ہے آپ کے پاس؟" ولی نے ساری جھونپڑی میں نظر دوڑائی کہ اُسے بڑی سی سیڑھی مل جائے، لیکن اُسے سارے منظر میں ایک چارپائی، دو چوکیاں، چند برتن، جانماز اور کتابوں کی ایک الماری نظر آئی تھی۔

"کیا کرو گے بیٹا! سیڑھی کا؟" بابا جی نے سوال کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ، میں........ میں اپنی اماں اور بابا جانی کو لے کر آؤں گا........ وہاں ہمارے گھر میں آگ جو لگی ہے۔''

''کہاں؟'' بابا جی نے سوال کیا۔

''وہ ناں، وہاں پر........'' اور دھیرے دھیرے ولی نے اپنی سوچ کے لحاظ سے بات سمجھائی تھی۔

جوں جوں وہ بتاتا گیا، بابا جی کے چہرے پر تفکر کی لہریں نمودار ہوتی گئیں۔

''اے اللہ کے پیارے دوست! تم آرام کرو........ تم ذرا فکر نہ کرو۔ وہ ذات ہے ناں۔ اللہ جی کی سب سے بڑی ذات۔ وہ ذات ستر ماؤں سے بھی زیادہ چاہنے والی ہے۔ وہ کبھی تم کو اکیلا اور بے آسرا نہ کرے گا۔''

❖❖○❖❖

''السلام علیکم بابا جی!''

رحیم خان نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''وعلیکم السلام! اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنی رحمت کی نگاہ رکھے۔'' بابا جی نے دونوں بکریوں کا دودھ نکال لیا تھا۔ اب برتن کو ڈھانپ کر، سائیڈ پر رکھ کر بکریوں کے آگے چارہ ڈال رہے تھے۔

''اس بار اللہ نے مجھے اپنی نعمت سے نوازا ہے، بابا جی!'' رحیم خان کے چہرے پر خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

''شکر الحمدللہ! اُس اللہ کی سب مہربانی ہے۔'' بابا جی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ ہے تیرے صبر کا انعام و اکرام۔ تُو نے اللہ کی دی ہوئی رحمت کو سر آنکھوں پر رکھا تو تیری بیٹی کے بعد اُس نے تجھے اپنی نعمت سے بھی نواز دیا........ بس اتنا یاد رکھنا، اللہ سوہنے کو بیٹیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اتنے پسند ہیں کہ جنت جیسی مشکل چیز آسان بنا دی ہے۔ اچھے والدین کے لئے یہ نعمت حاصل کرنا بہت آسان ہے۔''

''جی بابا جی! مجھے آپ کی بات کیسے بھول سکتی ہے........ دوسری بیٹی کی پیدائش پر بچی کی پھوپھی اور دادی جب پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں تو آپ نے کیسی پیاری بات بتائی تھی اُن کو اور مجھے بس سکون ہو گیا تھا کہ رحیم خان! اللہ بڑے دل والوں اور اپنے پسندیدہ بندوں کو بیٹیاں دیتا ہے۔ چھوٹے دل والوں کو نہیں دیتا، کمینوں کو نہیں دیتا!........ آہ! کیسے میرے دل کی چبھن ایک دم سے نکل گئی تھی۔ میرا دل اپنے بڑے مرتبے پر خوش ہوا تھا........ پر اللہ نے فاطمہ بی بی، آمنہ بی بی کے بعد مریم بی بی سے مجھ جیسے بندے کو نوازا۔ مجھے شہر میں شاہ جی کے ہاں نوکری ملی، میری تنخواہ اتنی تھی کہ میں نے دو بہنوں کو بیاہا اور آج اللہ نے بیٹا بھی دے دیا۔'' رحیم خان بہت خوش تھا۔

ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو تین بیٹیوں کو اچھا پال پوس کر اچھی جگہ ان کی شادی کرے گا، وہ قیامت کے روز میرے اتنا قریب ہو گا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو کھڑا کر کے دکھایا۔

''بابا جی! اگر آپ جیسا استاد ہم کو نہ ملتا تو ہمارا سارا گاؤں صدیوں کی جاہلیت والی سوچ میں پڑ[ا رہت]ا۔ آپ نے نہ صرف سارے گاؤں کے بچوں کو قرآن پاک پڑھایا بلکہ ہر ذہن میں اچھائی کا بیج بھی [بویا]۔ آج ہمارے گاؤں میں جو بہتری کی فضا ہے، صرف اور صرف آپ کی وجہ سے ہے۔'' رحیم خان نے [اعتر]اف کیا تھا۔

''یہ سب صرف اور صرف اللہ کا کرم ہے۔ وہ جسے چاہے، ہدایت دے دے۔''

بابا جی نے پاس ہی پڑے چھوٹے سے برتن میں دودھ نکال کر رحیم خان کو دیا۔

''لو رحیم خان! تمہاری قسمت کی نعمت ہے۔ اللہ کا شکر ادا کر کے لے لو۔''

دودھ نیم گرم اور میٹھا تھا۔ بابا جی نے ابھی تازہ دوہا تھا۔

''شکریہ بابا جی!'' رحیم خان نے برتن منہ کو لگاتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کے لئے یہ گھر کے بنے [ہوئے] لڈو لایا ہوں۔ میری گھر والی نے بڑے شوق سے آپ کے لئے بنا کر دیئے ہیں۔'' رحیم خان [نے] اسٹیل کا بند منہ والا بڑا سا ڈبہ آگے کرتے ہوئے کہا۔

''تم جانتے ہو میں اتنی ثقیل غذا کھاتا نہیں ہوں۔'' بابا جی نے نرم مسکراہٹ سے جواب دیا۔ ''لیکن [آج] میرے ہاں مہمان آئے ہیں، اسی لئے اللہ نے ان کی قسمت کا رزق بھیجا ہے۔'' بابا جی نے دودھ کا [برت]ن اُٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''مہمان؟'' رحیم خان نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، رحیم خان!........ میرے بہت معزز اور بخت والے مہمان۔'' بابا جی نے قدم تیزی سے [بڑھ]ائے تھے۔

رحیم خان نے حیرت سے ساتھ چلتے چلتے سوچا، کون ہو سکتا ہے؟ بابا جی کو تو ہم سالوں سے اکیلا [دیک]ھتے آ رہے ہیں۔

''رحیم خان! سنا ہے، گاؤں میں بہت افسوس ناک واقعہ ہوا ہے۔'' بابا نے چلتے چلتے رُک کر پوچھا۔

''جی، بابا جی! کوئی بارہ تیرہ دن پہلے بہت افسوس ناک واقعہ ہوا۔ سارا گاؤں ان دنوں سوگ میں [ڈوب]ا رہا۔ اب بھی زندگی معمول پر نہیں آئی۔ لوگ ڈرے سہمے پھرتے ہیں........ آہ! بڑی حویلی تو جل کر [بھسم] ہو گئی۔ ایسا ظلم! کوئی نہ بچ پایا........ اتنی زمینیں، کوئی وارث نہ بچا۔ ظالموں نے بہت ظلم کمایا........ [سب] جل........''

رحیم خان کا جملہ اُس کے منہ میں رہ گیا۔ بابا جی نے اس مٹی سے بنے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا، [جہ]اں دو حقیقتیں دنیا کے بے خبروں کو اس سب سے بڑی ذات کی بڑائی کا یقین دلا رہی تھیں۔

''کہ میں واحد ہوں........ میرا کوئی شریک نہیں........ میں جسے چاہتا ہوں، زندگی اور رزق عطا کرتا [ہو]ں۔''

مارنے والوں سے بڑی ذات، بچانے والے کی ہے!

ولی اور نگینہ بے خبر سو رہے تھے۔

''یہ...... یہ........'' رحیم خان کو الفاظ نہ مل رہے تھے۔

یہ گاؤں چھوٹا سا تھا۔ آس پاس بھی جو گاؤں تھے، چھوٹے چھوٹے تھے۔ اور یہ سب گاؤں سیّد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ کی جاگیر میں آتے تھے۔ اوران کے بچوں کو سب ہی پہچانتے تھے۔ خاص کر ولید کو۔

"ہاں، یہ عبدالولی ہی ہے۔ عبداللہ حویلی سے بچ جانے والے دو بچے۔" بابا جی نے رحیم خان کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

"یہ........ یہ معجزہ ہے!" رحیم خان نے حیرت اور بے یقینی سے ہونٹ پھڑپھڑائے تھے۔

"ہاں! اللہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اُس کو کچھ کرنے کے لئے کسی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اُس کی دنیا ہے۔ وہ جو چاہے، وہ کرے گا......"

بابا جی نے ململ کی اپنی چادر کو پھاڑ کر چار ٹکڑوں میں تقسیم کیا تھا۔ اب وہ نگینہ کے نیچے بچھے گیلے کپڑے کو نکال کر چادر کا خشک ٹکڑا بچھا رہے تھے۔

"بابا جی! آپ یہ سب...... یہ سب کیسے کر رہے ہیں؟ بچوں کی گندگی میں ہاتھ ڈال رہے ہیں۔" رحیم خان تڑپ ہی اٹھا تھا۔ اس کی نظر میں بابا جی کا مقام بہت بڑا تھا۔

"یہ تو معصوم، پاک جانیں ہیں۔ ہم بڑوں کے عملوں کو جو نجاستیں لگی ہوتی ہیں، ان کو ہم بھول جاتے ہیں اور ان معصوموں کے کام کرنے کو حقیر جانتے ہیں۔ یہ سامنے نظر آنے والی نجاست، دل کی نجاست کے سامنے کچھ نہیں........ رحیم خان! تم کو نہیں لگتا کہ تمہیں ان بچوں کی حفاظت اور کسی مناسب ٹھکانے کی تلاش میں اس بوڑھے آدمی کی مدد کرنی چاہئے؟"

بابا جی کی نظروں اور زبان پر پہلی بار سوال تھا۔ اور رحیم خان ان کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔

"بابا جی! وہ سیّد سرفراز بہت بڑا آدمی ہے۔" رحیم خان کے ڈر کو زبان ملی تھی۔

"نہ، رحیم خان........ نہ!........ بڑا لفظ صرف اور صرف اُس ذات کے ساتھ سجتا ہے۔ ہم کمی کمین لوگ ہیں........ عملوں کے چھوٹے، حوصلوں کے چھوٹے اور دلوں کے چھوٹے! سب سے بڑا صرف اللہ ہے........ پر کیا کہتے ہو، رحیم خان! ان اللہ کی پیاری رحمتوں کے متعلق؟........ بے شک اُس مولا کی نظرِ کرم ہے ہم پر، تب ہی تو ان معصوموں کی میزبانی کا شرف ہم کو حاصل ہوا۔" بابا جی نے آہستگی سے کہا۔

"بابا جی! آپ کا کہا سر آنکھوں پر........ میرا تو اپنا دل ان معصوموں پر ہونے والے ظلم پر رو رہا ہے۔ کیا زمانہ ہے! ظلم کی انتہا ہے۔ بھائی نے بھائی کو مار ڈالا۔" رحیم خان نے افسردگی سے کہا۔

"نہ رحیم خان! نہ۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہر عمل کی جواب دہی ہے۔"

سرع الخیر ثوابا البرد صلة الرحمه واسرع الشرعقوبة البقی و قطیعة الرحمه

"اگر نیکوکاری اور صلہ رحمی کا ثواب واجر دوسری نیکیوں سے بہت جلد مل جاتا ہے تو "ظلم" اور قطع رحمی کی سزا دوسرے گناہوں کی نسبت بہت جلد مل جاتی ہے۔"

"کوئی ظلم کرے تو وہ یہ نہ بھولے کہ اللہ رحمٰن، اللہ جبار بھی اور قہار بھی ہے۔ یہ ایسے غضب روپ ہیں اس کے کہ زمین دیکھے تو ریزہ ریزہ ہو جائے........ یہ تو انسان ہی سرکش ہے، جو جانتے بوجھتے بھی خود کے لئے آگ کے بڑے بڑے گڑھے کھود لیتا ہے۔" بابا جی نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اب وہ مٹکے سے پانی لے کر ہاتھ دھو رہے تھے۔

"بابا جی! ابھی تو سیّد سرفراز اور اُس کے آدمی ان بچوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، اگر خدانخواستہ ان کو کوئی سن گن مل گئی۔ ہم کو بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ ویسے تو یہاں تک آنا اُن کے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن شیطان کے مکر کی اور ظالم کے ظلم کی کوئی حد جو نہیں ٹھہری۔ احتیاط لازم ہے۔ آج میں واپس شاہ جی کے پاس جا رہا ہوں۔ شہر جاتے ہی ان سے ذکر کروں گا........ وہ بڑے رحم دل مالک ہیں۔ کوئی نہ کوئی تو سبیل نکلے گی۔ بچوں کا اس علاقے سے نکلنا بہت ضروری ہے۔ کسی کی بھی نظر پڑتی ہے تو بہت مشکل ہو گی۔ خطرہ ان کی جانب ہر لمحے کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔" رحیم خان نے آہستگی سے کہا۔

"رحیم خان! اللہ نے تیرے اوپر بڑا کرم کیا ہے۔ تُو اپنے نام کی طرح زندگی کے لئے خوش قسمتی کا عنوان بن سکتا ہے۔" بابا جی نے اُس کے کندے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بابا جی! میں پوری کوشش کروں گا۔" رحیم خان بولا۔

"فی امان اللہ!........ تم خیر سے جاؤ اور خیر سے واپس آؤ۔ جس مالک نے ان کو چاروں جانب بھڑکتی آگ سے بچا کر اس ویرانے میں زندگی دی، وہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ بے شک وہ ہی اُن کی حفاظت کرے گا۔ تم بس ان بچوں کے لئے کوئی مستقل ٹھکانہ دیکھو۔ جو ان کے شایانِ شان ہو۔ یہ بہت معصوم اور اللہ کا تحفہ ہیں۔ ہم کو ان کی قدر کرنی ہے۔" بابا جی نے سوئے ہوئے بچوں کو شفقت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

❖❖O❖❖

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ بیگم صاحبہ کا علاج صرف بچہ ہے۔" ڈاکٹر زارا نے احمد شاہ سے کہا۔ وہ ابھی ابھی روشن آرا کو نیند کا انجکشن دے کر باہر آئی تھیں۔

"جی، جی! میں اس معاملے میں......" احمد شاہ پریشان گہرا سانس لے کر بولے۔ "میں سوچ رہا ہوں، اس مسئلے کے بارے میں، اللہ نے چاہا تو کچھ نہ کچھ حل تو نکلے گا۔" ڈاکٹر زارا کو گیٹ تک چھوڑتے ہوئے احمد شاہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"یہ جتنا جلد ہو جائے، اتنا ہی بیگم صاحبہ کے لئے بہتر ہوگا۔" ڈاکٹر زارا نے کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

"السلام علیکم، شاہ جی!" رحیم خان نے احمد شاہ کو مخاطب کیا، جو نہ جانے کن سوچوں میں گم، بت بنے کھڑے تھے۔

"وعلیکم السلام، رحیم خان! کیسے ہو؟ مبارک ہو اللہ نے تمہیں، تمہاری خواہش کو نوازا۔" احمد شاہ کو صرف ایک پل لگا تھا، اپنی پہلی حالت میں واپس آتے۔ یہ ان کی بہت ساری خوبیوں میں سے نمایاں خوبی تھی۔

"شاہ جی! آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" رحیم خان نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"خیر ہے، تمہارا بچہ ٹھیک تو ہے؟ اور رقم تو نہیں چاہئے؟" احمد شاہ سب ملازموں کے لئے مہربان مالک تھے۔

"جی، اللہ کا کرم ہے........ مجھے کچھ اور کہنا تھا۔" رحیم خان کا حوصلہ بڑھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چلو، پھر اندر چل کر تسلی سے سنتے ہیں تمہاری بات۔" احمد شاہ کی ہمیشہ سے عادت تھی، وہ اپنے ہر ملازم کی بات اور مسئلے پر ذاتی توجہ دیتے تھے۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے شاہ جی! آپ ہم غریبوں کو بھی اتنی عزت دیتے ہیں۔" رحیم خان کا دل خوش ہوا تو دل سے دعا نکلی۔

"شاہ جی! وہ، میرے گاؤں میں......" رحیم خان جوں جوں بتاتا جا رہا تھا، احمد شاہ کے چہرے پر سوچ کی لکیریں نمایاں ہو رہی تھیں۔

"بابا جی کا کہا میرے لئے حکم کی طرح ہے۔ آپ کی مہربانی ہو گی، اگر آپ ان معصوموں کو وہاں سے نکالنے اور کسی اچھے ادارے میں رکھوانے میں مدد کریں گے۔" رحیم خان نے گزارش کی۔

"رحیم خان! اولاد صرف اولاد ہوتی ہے۔ سگی، سوتیلی نہیں۔ کیا تم ہماری اس بات کی لاج رکھو گے کہ کبھی اس راز سے پردہ نہ اُٹھے؟"

اور رحیم خان نے بہت عقیدت سے اس انسان کو دیکھا تھا جو فرشتوں جیسا دل رکھتا تھا۔

ان بچوں کے متعلق ساری تفصیل سن کر احمد شاہ نے رحیم خان سے صرف یہ جملہ کہا تھا۔ جس میں ان بچوں کے مستقبل کی روشنی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

❖❖○❖❖

جانے کیوں، احمد شاہ کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ بچے ان کے گھر کی خوش بختی بنیں گے۔

تب ہی تو وہ روشن آرا کی طبیعت کے بہانے سے کوئی دو مہینے سے یہیں سے تھے۔ ورنہ وہاں ابوظہبی میں اُن کا شپ پندرہ دن سے پھنسا پڑا تھا۔ اور وہ چاہتے ہوئے بھی جا نہ پا رہے تھے۔

"رحیم خان! ہم ابھی گاؤں چلتے ہیں...... لیکن تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا، تا عمر رازداری کا۔ میں ان بچوں کو اپنی اولاد کی جگہ دینا چاہتا ہوں۔ بولو، کیا کہتے ہو؟" احمد شاہ نے فیصلہ کن انداز میں پوچھا۔

رحیم خان نے بے یقینی سے دیکھا کہ ایسی خوش قسمتی کی وہ توقع بھی نہیں کر رہا تھا۔

"شاہ جی! ہماری تو جان بھی آپ پر قربان۔ اس ناچیز کی زبان کبھی نہ کھلے گی۔" رحیم خان کی باچھیں کھل رہی تھیں۔ "لیکن ایک مسئلہ ہو گا، شاہ جی! وہ بچے خطرے میں ہیں۔ بہتر ہو گا ایسے میں نہ کسی کو معلوم پڑے گا نہ خبر ہو گی، اگر ہم رات کے اندھیرے میں سفر کر کے ان کو لائیں۔" رحیم خان نے تشویش کو سنبھالتے ہوئے مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے۔" احمد شاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور اندر کی جانب بڑھ گئے۔

❖❖○❖❖

"وہ سامنے......" رحیم خان نے جیپ ایک کچے سے گھر بلکہ جھونپڑی کے آگے روکتے ہوئے کہا۔

"یہیں بابا جی رہتے ہیں...... اس طرف گاؤں ہے کچھ اونچائی پر۔ اس کے پیچھے جنگل شروع ہو جاتا ہے اور یہاں گھنے جنگل میں بڑے جانور بھی ہیں اور گاؤں کے پاس کم گھنے جنگل سے نیل گائے اور رات کو سؤر زیادہ آتے ہیں۔ اکثر فصلوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ مرحوم عبداللہ صاحب نے جنگل کی طرف بڑے بڑے نوکیلے لوہے کی باڑ لگوائی تو خاصا تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔" رحیم خان، احمد شاہ کو ساتھ ساتھ

تفصیل بتاتا آگے بڑھنے لگا۔

"آ جاؤ!" دستک دینے پر ایک مہربان آواز سنائی۔ "آؤ! دروازہ کھلا ہے۔"

احمد شاہ حیران ہوئے کہ بچے اتنے خطرے کے باوجود کھلے دروازے کے گھر میں کیسے محفوظ رہ گئے؟ لیکن جلد ہی ان کو اپنے خیال کا جواب مل گیا تھا۔

کوئی نہ سمجھ میں آنے والی کشش تھی، ان بزرگ میں۔ وہ نظریں جھکا کر اپنا مدعا بیان کرنے لگے۔

"ہوں! تو کیا صرف دل کا اصرار ہے یا دماغ نے بھی ساتھ دیا اس نیک کام کے لئے؟" بابا جی نے خاصا عجیب سا سوال کیا تھا۔

احمد شاہ جو چوکی پر کچھ فاصلے پر بیٹھے تھے، ایک دم ان کے قریب ہو کر بیٹھ گئے۔

"محترم بزرگ! گو کہ یہ میرے دل کی شدید آرزو ہے، لیکن دماغ نے بھی آمادگی دی ہے تو یہ فیصلہ کیا ہے۔ یہ دنیا کی دولت دنیا میں رہ جانی ہے۔ ہماری کیا مجال کہ کسی مال یا اولاد کو اپنا وارث جانیں۔ لافانی صرف وہ ایک اللہ کی ذات ہے۔ صرف اس کا نام باقی رہے گا، اُس کی مرضی اور اُس کی حکومت رہے گی۔ پھر بھی وہ ہی نوازنے والا ہے۔ اُس مالک نے ہر نعمت عطا کی۔ دنیا کی کسی آسائش سے دور نہیں رکھا۔ لیکن یہ دولت، یہ مال میری بیوی کی گود نہیں بھر سکتے...... وہ ادھوری ہے۔ یہ دکھ اسے دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ میں اپنی دولت، اپنی اچھائی، اپنا نام جو باری تعالیٰ نے مجھے دے رکھا ہے، اس دل کی ساری محبت کے ساتھ میں ان بچوں کو دینے کا عہد کرتا ہوں...... آپ اگر اجازت دیں تو یہ دو پھول میرے گھر کی خوش بختی بنیں۔ ممتا کی ماری ماں کے دل کا سکون بنیں۔ اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہ ہو گی، جو اللہ کی مرضی سے اسے میسر نہ ہوئی ہو۔ بس اولاد کے معاملے میں اللہ کی رضا ہے ناں! بے شک ہم بے بس ہیں۔ لیکن وہ بے نیاز کتنا بھی ہو...... وہ مہربان سب سے بڑا ہے۔ میں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا، آخر بشر ہوں۔ لیکن جتنی میری ذات کی سچائی ہے اور ظرف ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی آپ کو شرمندہ نہ کروں گا۔"

احمد شاہ نے اتنی لمبی چوڑی بات کر کے بہت آس سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"پیارے بیٹے! اللہ رحمٰن تمہارے رزق، اخلاق اور دین کے فہم میں اضافہ کرے، تمہیں اپنی رحمت میں رکھے۔ میں بھلا کون ہوں، گارنٹی مانگنے والا؟ یہ تو اُس کا مال ہے، وہی حفاظت کرے گا۔" بابا جی دھیمے سے بولے۔ "لیکن کل کو یہ جوان ہوئے اور کیونکہ سچ کسی نہ کسی طرح سامنے آ ہی جاتا ہے، یہ اپنی پہچان کے لئے بے صبرے اور بے قرار ہوئے تو تم کو بہت حوصلے سے کام لینا ہو گا۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

العارية مؤداة والمنحة مردودة

(مستعار لی ہوئی چیزیں لوٹا دی جاتی ہیں)

پیارے بیٹے! اولاد چاہے سگی ہو یا پرائی، لیکن خون کے رشتے سے بندھی ہو یا پرائے خون کی، اس کے لئے ماں باپ...... صرف ماں باپ ہوتے ہیں۔ کسی امتیاز کے بغیر۔ دوسرے یہ اللہ کی امانت ہوتی ہے، وہ جب چاہے واپس لے لے، اس کی رضا پر خوش ہونا چاہئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر اس اندھیری رات میں اک ستارہ جگمگایا تھا، مسکرایا تھا......اس خوش بختی کے ستارے کو سب نے مبارک باد دی تھی کہ ابھی بھی اس دنیا میں انسان بستے ہیں، اپنے ہونے کے معنی کو پورا کرتے ہیں کہ ابھی زندگی کی اُمید باقی تھی۔

❖❖○❖❖

کوئی لکھت پڑھت کے بغیر ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جس کے گواہوں میں رحیم خان اور وہ مہربان بزرگ تھے یا پھر اُس جنگل کی سرسراتی ٹھنڈی ہوائیں تھیں۔

سوتے ہوئے بچوں کو اُٹھا کر گاڑی میں لٹایا تو احمد شاہ نے ایک دم بابا جی کے ہاتھ عقیدت سے تھام لئے۔

''محترم بزرگ! شکریہ کا کوئی لفظ نہیں ملتا۔ آپ تو بڑے ہیں......میرے لئے دعا کیجئے گا کہ میں سرخرو ہوں۔''

تب ہی پچھلی سیٹ پر لیٹے ولی کی آنکھ کھلی تھی، سوتے سے اُٹھ کر اُس کی سمجھ میں پہلے تو کچھ نہ آیا......لیکن حواسوں میں آتے ہی اُس نے اپنی بہن کو تلاش کیا جو کہ احمد شاہ کی گود میں میٹھی نیند سو رہی تھی۔ احمد شاہ نے ننھے وجود کو اپنی گرم چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔

''بابا جی!...... بابا جی!...... بابا جی!'' ولی نے بوکھلا کر شور مچا دیا تھا۔

تینوں نفوس نے چونک کر گاڑی کے اندر بے چین ولی کی جانب دیکھا تھا۔

''بابا جی! ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ولی نے بابا جی کے پاس آتے سوال کیا۔

''پیارے بیٹے! اللہ تمہارا سفر مبارک کرے۔ خیر سے جاؤ! تمہاری ماں تمہارا راستہ تک رہی ہے۔''

بابا جی نے شفقت سے ولی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''اماں......اماں کو آگ سے نکال لیا کیا سب نے؟'' ولی نے ایک دم پُرجوش ہو کر ان سے پوچھا تھا۔

''احمد شاہ بیٹے! بچہ اپنوں کی پہچان رکھتا ہے۔ اُمید ہے کہ تم اس معاملے کو معاملہ فہمی کے سپرد کرو گے۔ زبردستی کی گئی تو یہ معصوم ہے، یہ عمر ہی ایسی کچی ہوتی ہے۔ ذرا سا دباؤ پڑے تو وجود چٹخ جاتا ہے۔ ٹوٹے نہ بھی تو......تو پھر بھی بال آ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسے پیار سے سمجھانا۔ بچہ پیار اور توجہ کا بھوکا ہوتا ہے۔ اس کی بھوک کو مٹانا، اس کی بھوک کا خاطر خواہ انتظام کرنا۔'' بابا جی نے دھیمے دھیمے اُن کو زندگی کا کتنا قیمتی راز بتایا تھا۔

احمد شاہ نے ان کا ہاتھ تھام کر یقین دلایا۔

''ولی......!'' وہ ولی کی جانب متوجہ ہوئے۔ ''ولی بیٹا! یہ احمد شاہ ہیں۔ میں اللہ رحمٰن اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کے بعد تم کو ان کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ بہت اچھے انسان ہیں۔ ان کی ہمیشہ عزت کرنا، پیار اور مان کے ساتھ رہنا۔ تم بہت پیارے بیٹے ہو، ہر بات مانتے ہو۔ کہو اپنے بابا جی کی بات مانو گے ناں؟''

ولی جو اُن سے بہت مانوس ہو گیا تھا، کسی مسمریز ہوئے وجود کی طرح خاموشی سے پہلے احمد شاہ کو

دیکھا۔ کچھ چہروں میں ان کی ذات کی نرمی کا اتنا عکس ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ اُن کی بات ماننے کو دل چاہتا ہے۔

''جی بابا جی! میں آپ کی بات مانوں گا۔'' ولی نے ایک دم بہت سنجیدگی سے حامی بھری۔

''بیٹا! تم کو بتاؤں کہ اُس مہربان ذات نے تمہارے لئے کتنے اچھے دوست بھیجے ہیں......بس اتنا یاد رکھنا کہ تمہاری اماں تمہاری راہ تک رہی ہے اور تمہارے بابا جانی تم کو لینے آئے ہیں۔ ابھی تمہارا معصوم ذہن بہت سوال اُٹھائے گا، تم ان کو دوست جانو۔ یہ تم کو ان شاء اللہ ہمیشہ محبت ہی دیں گے۔''

''بابا جی! آپ ہمارے ساتھ نہیں آئیں گے؟'' ولی نے بہت آس سے اُن کی جانب دیکھا تھا۔

''دیکھو پیارے بیٹے! ابھی تم کو اکیلے جانا ہو گا۔ تمہاری اور تمہاری بہن کی زندگی کو محفوظ کرنا ضروری ہے۔ تم نہیں جانتے کہ انسان کتنا بڑا ظالم ہے۔ اپنے ہی ہاتھوں اپنا (انسانیت) کا خون کر دینے والا اور ظلم کمانے والا۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ دنیا ایک پل کا سودا ہے......بس، پل میں ختم ہو جانے والی۔ پیارے بیٹے! تم کو اس ماحول سے دور جانا ہو گا۔ ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ اُس کا حکم یہی ہے کہ ہم تنہائی میں رہیں۔ تم کبھی کبھی ہم سے ملنے آ جایا کرنا۔ کیوں احمد شاہ! آپ ہم پر اس مہربانی کا بوجھ تو نہ لیں گے؟'' بابا جی نے مدھم لہجے میں کہا۔

''کیسی بات کرتے ہیں، محترم بزرگ! میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپ سے ملواتا رہوں گا۔'' احمد شاہ نے جواب دیا۔

''جیتے رہو......خیر سے جاؤ......اللہ تمہارے سب رستوں کی خیر کرے۔''

بابا جی نے ولی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

معصوم ولی کو یہ سب بڑی بڑی باتیں پوری سمجھ تو نہ آئیں لیکن وہ احمد شاہ سے مانوسیت محسوس کر رہا تھا۔

رات کے اندھیرے میں جیپ بہت تیزی سے اُونچائی، اُترائی پر بھاگتی جا رہی تھی۔ بہت اندھیرا تھا۔ لیکن وہاں اِک تارے نے چمک کر اندھیرے میں ملاوٹ کر دی تھی۔ روشنی کی ابتداء کر دی تھی۔

❖❖○❖❖

صبح کی روشنی ہر طرف آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی، جب وہ ''روشن وِلا'' پہنچے تھے۔

روشن آرا اپنے کمرے میں جانماز پر لمبے سجدے میں بیٹھی تھیں...... جب احمد شاہ نے دروازہ کھولا تو بھی اپنی محویت سے نہ نکل پائی تھیں۔

''روشنی! روشنی! دیکھو، تمہارے لئے کون آیا ہے۔''

احمد شاہ نے ایک بازو میں نگینہ کو تھاما ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ولی کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

روشن آرا نے آنسوؤں سے تر اپنا چہرہ اُٹھایا تو بے یقینی سے دیکھتی رہ گئیں......دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

یا اللہ ......اُن کا دل پکار رہا تھا۔

کیا...... یہ یہ منظر میرے ہی لئے ہے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''روشنی! دیکھو، تمہارا بیٹا اور بیٹی آئے ہیں۔ کیا تم ان کو ملو گی نہیں؟''
احمد شاہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے یقین دلایا۔
''شاہ جی!'' روشن آرا کی آنکھیں بے یقینی اور خوشی سے بھر آئی تھیں۔ احمد شاہ مسکرائے تھے۔
اب وہ دیوانہ وار ولی اور نگینہ کو پیار کر رہی تھیں۔ ولی نے اپنے سامنے موجود خوب صورت سی اس پری کو دیکھا۔ وہ بالکل اماں کی طرح پیار کر رہی تھیں۔
کچھ تھا اُن کے لمس میں، جو اُس کو اُن کے سینے سے الگ نہ ہونے دے رہا تھا۔ ہاں، یہی تو وہ لمس تھا، جو وہ کئی دنوں سے تلاش کر رہا تھا۔
''شاہ جی! یہ تو .... یہ تو واقعی میرے ہی بچے ہیں۔'' روشن آرا کبھی ہنستی اور کبھی روتی تھیں۔
''روشن آرا!........ اللہ رحمٰن کی ذات بہت مہربان ہے۔ دیکھو، یہ سب اس کی رحمت ہے۔'' احمد شاہ، روشن آرا کے چہرے پر زندگی دیکھ کر شکر ادا کر رہے تھے۔

◆◆○◆◆

''لیکن ہم سب پاکستان چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں؟'' روشن آرا نے کپڑے کو تہہ لگاتے ہوئے سوال کیا تھا۔
''چھوڑ کر نہیں، کچھ عرصے کے لئے جا رہے ہیں۔ ان بچوں کو اچھا مستقبل دینے کے لئے ان کے ماضی کو یہیں چھوڑ کر جانا ہو گا........ میرے خاندان میں کوئی نہیں ہے جو آ کر سوال کرے۔ البتہ تم اپنے چچا زاد بھائی اور اپنی بہن کو کیا جواب دو گی؟ ہم کو فوراً نکلنا ہو گا۔ وہاں جا کر تم بچوں کی پیدائش کا بتا دینا۔'' احمد شاہ ضروری کاغذات سمیٹ رہے تھے۔
''لیکن ولی اور نگینہ تو کافی بڑے بچے ہیں۔ کیا راز کھل نہ جائے گا؟'' روشن آرا نے سوال کیا۔
''جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو ایک سے لگتے ہیں۔ پھر جو ہم بتائیں گے، وہی اُن کو ماننا پڑے گا۔ اس لئے تو اتنی احتیاط سے یہاں سے جا رہے ہیں۔ باقی اللہ کی ذات مالک ہے۔ وہ ہی ہر بات کا پردہ رکھنے والا ہے۔'' احمد شاہ نے روشن آرا کو تسلی دی تھی۔
''جیسے آپ کی مرضی۔'' روشن آرا تو اولاد جیسی نعمت پا کر ہر قربانی دینے کو تیار تھیں۔

◆◆○◆◆

''یہ تمہاری آپا کو کیا سوجھی، وطن چھوڑ کر پرائے دیس میں بسنے کی؟'' انور جاوید نے حُسن آرا سے سوال کیا تھا۔ ''اور ہم کو بتائے، ملے بغیر چل دیئے۔ ٹھیک ہے، بڑے لوگ ہیں۔ روشن آرا اتنے رئیسوں میں بیاہی گئی، لیکن بھائی سے تو مل کر جانا چاہئے تھا ناں۔''
انور جاوید صاحب نے چائے کا کپ رکھ کر اپنی اس خاموش طبع بیوی کو بولنے پر اُکسایا۔ لیکن وہ پھر بھی نہ بولیں، خاموشی سے اُون سلائیوں میں گم تھیں۔
''میں محترمہ! آپ سے بات کر رہا ہوں........ ان دیواروں سے نہیں۔'' انور جاوید صاحب نے چڑ کر کہا۔
''میں اب آپ کی باتوں کا کیا جواب دوں؟'' حُسن آرا نے اُون سلائیاں گود میں رکھ کر بہت تحمل

سے پوچھا۔
''میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہاری آپا یہ اچانک سات سمندر پار کیوں جا بسیں؟'' انور جاوید صاحب بہت مشکل آدمی تھے، بہت مشکل سے ہی کسی کی جان اور بات چھوڑا کرتے تھے۔
''آپا پھر سے دوسرے جی سے تھیں۔ آپ تو جانتے ہیں، ہر بار کیا قیامت گزرتی ہے۔ اس بار وہ وہاں کے ڈاکٹروں کی زیرِ نگرانی علاج اور بچے کی پیدائش کروانا چاہتے تھے۔'' حُسن آرا نے رٹا رٹایا سبق سنا دیا۔
وہ انور جاوید صاحب کو کبھی بھی مطمئن نہ کر پائی تھیں۔ ویسے بھی اُس نے سچ ہی کہا تھا۔ جو آپا نے کہا وہ آگے بتا دیا تھا۔
''اچھا........ لیکن میں نے تو سنا تھا کہ اب اُن کے ہاں اولاد مشکل سے ہو گی۔ مطلب، اب ممکن نہیں تھا۔ لیکن یہ پھر سے کیا نیا سلسلہ ہے؟'' انور جاوید صاحب کو واقعی مطمئن کرنا ناممکن تھا۔
''انور صاحب! اوپر اللہ بیٹھا ہے۔ یہ آپ ہر بار کیسے بھول جاتے ہیں۔'' حُسن آرا نے غصے سے کہا۔ ناممکن کو ممکن کرنا صرف اللہ کے ہی بس میں ہے ناں........ اور پھر وہ اگر میری بہن ہے تو آپ کی بھی تو چچا زاد بہن ہے۔ اُن کے غم اور خوشی سے تعلق صرف میرا تو نہیں ہے۔ ہر وقت مجھے کیوں کٹہرے میں کھڑا رکھتے ہیں؟''
حُسن آرا کی اپنی حالت ٹھیک نہ تھی۔ پانچ سال میں تین بچے آ چکے تھے اور اب چوتھے کی آمد تھی۔ چڑچڑی نہ ہوتیں تو کیا کرتیں۔
''ارے تم سے تو بات کرنا بیکار ہے۔'' وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ''لیکن مجھے دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔'' وہ واپس مڑ کر بولے۔
''جن کی آنکھوں اور دلوں پر کالی پٹی بندھی ہو، اُن کو تو ویسے بھی ہر چیز کالی دکھائی دیتی ہے۔'' یہ بات حُسن آرا کہہ نہ سکی تھیں۔ ہاں، منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھیں۔
''اب دیکھنا کیسے ہمیں وہاں جا کر بھول جائیں گی، تمہاری وہ پیاری بہنا۔ بس منہ دیکھے کی ساری محبت تھی۔'' انور صاحب نے اب اصل میں اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔
روشن آرا کی طرف سے ہر مہینے جو ہزاروں میں رقم بطور تحفہ مل جاتی تھی، اب اُس کے ملنے کے امکان کم تھے۔
''آپ فکر نہ کریں، ہماری محبت ایسی کچی نہیں ہے۔ وہ میری بہن ہیں۔ پھر اپنی اکلوتی بہن کو وہ کیسے بھول سکتی ہیں؟'' حُسن آرا نے انور صاحب کو کچھ تسلی کرائی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اللہ جانے یہ آدمی کس مٹی سے بنا ہے۔'' مسکان نے زِچ ہوتے ہوئے کہا۔

''کیوں، تم کو کیا کرنا ہے، اس کی مٹی سے؟ تم تو غالباً ٹیکسٹائل میں ماسٹر کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ سکلپچر (Sculpture) رکھا ہوتا تو یہ مٹی اور مٹی کی خاص قسم پر تڑپتی سلگتی تو تمہاری بات سمجھ میں بھی آتی تھی۔'' سائرہ نے مسکراتے ہوئے اُس جلتی پر اور تیل چھڑکا۔

''سائرہ، پلیز! میں پہلے سے تنگ بیٹھی ہوں۔'' مسکان نے غصے اور بے بسی سے کہا۔ ''اچھا تو یہ بات ہے۔ پہلے بتایا ہوتا، میں تھوڑا اُدھر کھسک کر بیٹھتی ہوں......لو، اب تو تم تنگ نہیں بیٹھی ناں؟'' سائرہ نے مسکان کو مزید ستاتے ہوئے کہا۔

''سائرہ! دیکھو، تم تو مجھ کو نہ ستاؤ۔ دیکھو میں......میں......میرا وجود اندر تک سُلگ رہا ہے۔ ایک دنیا میرے حُسن، ذہانت اور اسٹیٹس سے متاثر ہے اور وہ......ولی کا بچہ مجھے کیسے اگنور کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ آخر اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟'' مسکان نے مٹھیاں ایک دم غصے سے بھینچ لیں۔

''مسکان ڈیئر! دنیا تو اس کے کیریکٹر اور ذہانت کی بھی دیوانی ہے......تم مان جاؤ کہ مسٹر عبدالولی ہے تو کمال کا بندہ۔ میرا تو ایسے مشکل بندے سے فرسٹ ٹائم واسطہ پڑا ہے۔'' سائرہ نے تعریفی انداز میں کہا۔

مسکان نے بے بسی سے سائرہ کو دیکھا......وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔

مسکان جب سے کالج آئی تھی، تب سے صرف ایک ہی بندے کا نام سنا تھا۔

وہ تھا، ولی!

فائن آرٹ کے اسپیکشن میں ڈرائنگ کا ذکر ہے تو عبدالولی کی زبردست ''لائن'' کی دھوم تھی۔

''کمال کی ''لائن'' ہے، ایسی ڈرائنگ کرتا ہے کہ مزہ آ جاتا ہے۔ تم اُس کے اسکیچز دیکھو۔ اس قدر میچوز ہیں کہ سرفراز نے اس بار گیلری میں صرف اُس کے اسکیچ ہی ماؤنٹ کروا کر لگائے تھے۔ ارے، لوگ اچھے کلرز، اچھا آرٹ پیپر، اسکالرز شیٹ ڈھونڈ کر ڈرائنگ کرتے ہیں کہ اُن کی ڈرائنگ اچھی لگے۔ اس کا تاثر اچھا پڑے۔ ایک یہ ولی کی ڈرائنگ ہے۔ اس کی ڈرائنگ اس قدر اچھی ہے کہ خالی نیوز پیپر پر اُس کا کام بولتا ہے۔ سر بٹ نے گیلری میں کھڑے ہو کر پارٹ ون کے طالب علموں کو تحریک دینے کے لئے ایک ایک اسکیچ کو ڈسکس کیا تھا۔''

اُس روز بھی پہلی بار مسکان چونکی، جب Sculpture (مجسمہ سازی) کی ورکشاپ میں سر وحید بھی عبدالولی کے گرویدہ نظر آئے۔

(Realistic) حقیقی اور (Abstraction) ایبسٹریکشن ہے۔ یہ لڑکا ایسی فارم (شکل) نکالتا ہے
لہ نظر آتا ہے کہ کسی بورن آرٹسٹ کا کیا ہوا کام ہے۔''

سر وحید نے عبدالولی کا بنایا اسکلپچر طالب علموں کو بطور نمونہ دکھایا۔

''اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ چاروں جانب سے اپنی فارم کو برقرار رکھتا ہے۔ اس کو ہر جانب سے یکھا جا سکتا ہے۔''

''واؤ......!'' سائرہ نے مسکان کو بھی متوجہ کیا۔ ''یہ والا دیکھو، کس قدر حسین ہے۔'' سائرہ نے ایک اور مجسمے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''مائی گاڈ! اس قدر بڑا ہے۔ جانے کتنے عرصے میں بنا ہوگا۔'' لڑکے لڑکیوں کی اُس کے کام سے تاثر آوازیں باقاعدہ سنائی دے رہی تھیں۔

سلک پرنٹنگ، بلاک پرنٹنگ ہر شعبے میں اُس کے کام کا نام تھا۔ کئی طالب علم تو ایک دم جیلس ہو جاتے کہ آخر یہ کام اتنی جلدی اور عمدہ کیسے کر لیتا ہے۔

حالانکہ عبدالولی کا شعبہ تو ڈیزائننگ تھا لیکن پہلے دو سالوں میں ہر طالب علم ہر شعبے میں تھوڑا تھوڑا کام ضرور کرتا ہے۔ پھر تھرڈ ایئر میں اپنے مین سبجیکٹ میں تھیسز کرنا ہوتا ہے۔ عبدالولی نے تو ہر ہر شعبے میں اس قدر نمایاں کام کیا تھا کہ وہ کالج کا مشہور طالب علم بن چکا تھا۔

اور مسکان! جو خود بہت ذہین طالب علم تھی، اپنے ساتھیوں میں اُس کا کام سب سے اچھا تھا، اُسے پہلے تو کام کے سلسلے میں ہر مرحلے پر عبدالولی کی مثال کا سامنا تھا۔ اور پھر جانے کب اُس کے دل پر لاب لگی تھی۔ اور اب اُسے ولی کے تصور اور اپنے دل کی سرکشی کا سامنا تھا۔

ایسے میں عبدالولی کی بے نیاز اور لئے دیئے رہنے والی شخصیت اس کو بہت متاثر کرتی تھی۔

''مجھے ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے......؟'' مسکان اپنے آپ میں کھوئی کھوئی خود سے بولی۔ ''میرا دل اس کی جانب کیوں مائل رہتا ہے؟......یہ احساس کیا ہے؟......اس احساس کا کیا مطلب ہے؟'' وہ خود سے سوال بنی بیٹھی تھی۔

''مسکان! سائرہ! تم لوگ ادھر بیٹھی ہو؟'' عرفان اُن کا کلاس فیلو اُن کے پاس آیا۔ ''اُدھر سر بٹ نے نیا ٹاپک دے دیا ہے، السٹریشن کا۔'' عرفان نے خبر دی۔

''اوہ مائی گاڈ!'' سائرہ نے لپ اسٹک بند کر کے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ''میں تو بھول ہی گئی تھی۔ اور کان! تم نے بھی یاد نہ دلایا۔'' سائرہ نے اپنی لاپروائی کو کوستے ہوئے غائب الدماغ مسکان کی بھی خبر لی۔

''اچھا، کیا ٹاپک دیا ہے؟'' مسکان نے عرفان سے پوچھا۔

''از ہر چہ ہست محبت دگر ہر چہ ہست لا''

یعنی ''جو کچھ بھی ہے، محبت ہے۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں!''

عرفان نے نوٹ بک سے پڑھ کر بتایا۔

''ذرّہ سے لے کر صحرا تک، قطرہ سے لے کر دریا تک، گُل سے لے کر گلستان تک، ستاروں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے کر کہکشاں تک، زمین سے لے کر آسمان تک، شجر سے لے کر حیوان تک، حشرات سے لے کر انسان تک! ہر چیز محبت کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ جو چاہے بناؤ۔ کام اچھا ہونا چاہئے۔ سر کا آج کا لیکچر۔"

عرفان نے مسکراتے ہوئے مسکان کے کھوئے کھوئے چہرے کا طواف کیا۔

از ہر چہ ہست محبت دگر ہر چہ ہست لا!

جو کچھ بھی ہے، محبت ہے۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں........تو کیا میرے اندر کے اس سرکش احساس کا نام محبت ہے؟

مسکان کے اندر بجلی کی رو گزری۔

تو کیا مسکان کو ولی سے واقعی محبت ہوگئی ہے؟

❖❖○❖❖

رات کے پچھلے پہر
سب جہانوں کا خدا
دے رہا تھا یہ صدا
کوئی پکارے مجھے
دوڑ کر اس کی سنوں
کوئی مانگے تو سہی
جھولیاں بھر بھر کے دوں
کوئی "توبہ" تو کرے
معاف میں جھٹ سے کروں
اور ہم سب نیند میں
اس صدا سے بے خبر
اس خدا سے بے خبر
جنتوں کی چاہ میں
خواب دیکھتے رہے
اور سورج کی تپش
اپنے گھر تک آگئی
اپنے سر تک آگئی

"ترنم!........اور ترنم!" چاندنی بائی نے دروازہ کھول کر لائٹ آن کی۔ لیکن سارا کمرہ خالی تھا۔

"اُفوہ! کہاں ہے یہ لڑکی؟........ چندا! پارٹی کا ٹائم ہوگیا ہے۔" چاندنی بائی نے ڈریسنگ کا دروازہ بجایا۔

ترنم نے جلدی جلدی چادر لپیٹ کر الماری میں چھپائی کہ کہیں چاندنی بائی کو بھنک پڑ گئی کہ وہ نماز پڑھ رہی تھی تو وہ اُس کی چمڑی اُدھیڑ کر رکھ دیتی۔

"ترنم!........اتنی دیر چندا؟........کمال گورمانی باہر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

چاندنی بائی نے اپنے لہجے میں شیرینی گھولتے ہوئے اسے دوبارہ آواز دی۔

"آ رہی ہوں آپا!" ترنم کو بولنا دُشوار ہو رہا تھا۔

ہونہہ........آ گیا، گِدھ!

پہلے شراب میں ڈوبے گا، پھر بندروں کی طرح ناچے گا اور پھر میری بوٹی بوٹی نوچے گا۔

یا اللہ! تُو کہاں ہے؟........کیا میری توبہ کے پَر ٹوٹے ہیں جو کبھی تم تک آ نہیں پاتی؟

اے اللہ! تُو مجھے موت ہی دے دے۔" ترنم نے صدقِ دل سے دُعا کی تھی۔

پھر جب کمال گورمانی کا منحوس ہاتھ اُس کے نازک سنگِ مرمر جیسے بدن پر پھر رہا تھا، جیسے کوئی سانپ رینگ رہا ہو۔

آہ! پچھتاوے نے آہ بھری تھی۔

ابھی اِس سانپ کا ڈسنا اُس کو سہنا تھا۔ آہ، مر جانا میری قسمت میں کہاں؟........ترنم نے سسکاری بھرتے ہوئے سوچا۔

رات بھر سانپ اُسے ڈستا رہا اور پچھتاوے کے زہر نے اُس کے بدن کو نیلوں نیل کر دیا۔ کسی کے اندر زہر پھیل جائے تو وہ مر جاتا ہے۔ آہ، میری قسمت! میں تو زہر پھیلنے کے بعد بھی مری نہیں۔

سسکیاں اُس کے اندر بین کرنے لگیں۔

❖❖○❖❖

"چھوٹے شاہ صاحب آئے ہیں۔" ماسی نذیراں پھولے سانس کے ساتھ روشن آرا کے کمرے میں اطلاع دینے آئی۔

"اللہ سوہنے کا کرم! اللہ کی امان میرے بچے کو........کدھر ہے نذیراں! میرا بچہ؟" روشن آرا نے بےتابی سے پوچھا۔

اُسی لمحے ولی کمرے میں داخل ہوا آتے ہی اُس نے روشن کے ہاتھوں پر بوسہ لیا اور اُن کو آنکھوں سے لگائے سیدھا کھڑا ہوا تو روشن نے لپک کر اُس کو سینے سے لگا لیا۔

"اماں صدقے!" روشن آرا کے لہجے میں بے انتہا پیار تھا۔

"کیسی ہیں، اماں جانی؟" ولی اُن کو ساتھ لگائے لگائے بیڈ تک آیا اور اُن کو بٹھا کر خود اُن کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"کیا کرتے ہو بچے؟ اوپر آ کر بیٹھو۔" روشن آرا نے پیار سے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میری پیاری اماں جان! پلیز، اتنے دنوں بعد تو آیا ہوں........مجھے میری جنت سے دُور کیوں کرتی ہیں؟" وہ اُن کے پاؤں دبانے لگا۔

"پگلا۔ ابھی تک بچوں کی طرح کرتا ہے۔" روشن آرا کی آنکھوں میں اپنے بیٹے کی تابعداری پر بے انتہا روشنی بھر آئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اماں جانی! میں نے آپ کو بہت مس کیا۔'' ولی نے لاڈ سے کہتے ہوئے اپنا سر اُن کی گود میں رکھ دیا۔

''میری جان! میں بھی تو تم دونوں بہن بھائی کے بغیر بولائی بولائی پھرتی ہوں۔ ہر لمحہ، ہر پل تم دونوں میں دل اٹکا رہتا ہے۔'' روشن آرا نے جواب دیا۔ ''کہو، کیسی جارہی ہے پڑھائی؟ اور یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اتنے کمزور ہوتے جارہے ہو۔'' روشن آرا نے اس پر دکھ، پیار اور فکر بھری نظر ڈالی۔

ہلکی ہلکی شیو اُس کی سفید رنگت پر بہت نمایاں ہو رہی تھی۔ اُس کی ہلکی نیلی سرمئی آنکھوں میں رت جگے کی سرخی تھی۔ وہ اپنے ڈھیلے ڈھالے حلیے میں بھی اپنی خوب صورتی اور مردانہ وجاہت کی وجہ سے بہت بھلا لگ رہا تھا۔

روشن آرا نے اپنی نظر جھکا لی۔ مائیں تو اپنے باپ کے لئے انعام کی طرح ہوتی ہیں اور یہ وہ جانتی تھیں کہ ان کا بیٹا کیسے ان کے لئے کسی انعام سے کم نہ تھا۔

''اماں جانی! بابا سائیں کا فون آیا تھا؟'' ولی نے کسی خیال سے چونک کر پوچھا۔

''ہاں! وہ آج شام آئیں گے۔ نگینہ کی فلائٹ بھی ڈائریکٹ نہ تھی۔ لندن کی فلائٹ کچھ دیر کے لئے کویت رُکی تھی اور وہیں سے دونوں کا اکٹھے پروگرام سیدھا کراچی کا بنا۔ صبح جب وہ پاکستان پہنچی ہے تو تب سے اب تک کوئی پانچ فون کر چکی ہے۔ تمہارے بابا کو تو وہاں کوئی ضروری کام تھا، جبکہ نگینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُڑ کے یہاں پہنچ جائے۔ اب باپ بیٹی دونوں کراچی سے اسلام آباد، شام کی فلائٹ سے آرہے ہیں۔''

''واہ، زبردست! اس بار تو میرا وِیک اینڈ شاندار گزرے گا۔'' ولی کے چہرے پر بڑی جاندار مسکراہٹ اور خوشی کی روشنی در آئی تھی۔ ''اماں جانی! نگینہ تقریباً آٹھ ماہ بعد واپس آرہی ہے ناں؟'' ولی نے پوچھا۔

''ہاں!........ مجھ سے پوچھو، میں نے کیسے تم لوگوں کے بغیر دن گزارے ہیں۔''

روشن آرا نے بہت محبت سے اُس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہا۔

❖❖○❖❖

''تم وِیک اینڈ پر اپنے گھر جانے کا پروگرام رکھتی تھیں نا؟........ پھر گئیں کیوں نہیں؟'' سائرہ نے فون اپنی گود میں رکھا اور اپنی ٹانگیں سمیٹ کر صوفے پر ہی بیٹھ گئی۔

''بس، دل نہیں کر رہا تھا۔'' مسکان نے سستی سے کہا۔

''اوکے، پھر شام میں ملتے ہیں۔'' سائرہ نے کہا۔

''اوں، ہوں........ آج نہیں۔ آج موڈ نہیں ہے۔'' مسکان بہت بیزار تھی۔

''اللہ تم کو ہدایت دے۔ اور جب تم کو ہدایت حاصل ہو جائے تو مجھے فون کر دینا۔'' سائرہ نے کھٹاک سے فون رکھ دیا۔

'افسوس مسکان بی بی! آپ ہیرو سے زیرو ہو گئیں۔' مسکان نے خود کو، کوسا۔ 'کہاں گیا آپ کی اپنی ذات کا غرور؟ کہاں گیا آپ کا ٹیلنٹ، مسٹر ولی کے آگے؟'

مسکان تو خود اپنے پیچھے اچھا ریکارڈ چھوڑ کر آئی تھی۔

جن دنوں داخلے کے ٹیسٹ کی تیاری کے لئے وہ سر جواد کی اکیڈمی میں پریکٹس کر رہی تھی تو روز ہی سر سے اپنے کام کی تعریف سننا اور سب طالب علموں کو حسد اور فکر میں مبتلا کرنا اُسے بہت پسند تھا۔

پھر ٹیسٹ میں اُس کا اے پلس تھا تو انٹرویو میں جیوری نے اُس کے آئی کیو کے ہی بیس میں سے اٹھارہ نمبر دیئے تھے۔ حالانکہ ہر طالب علم نے تقریباً جو ایوریج لیا تھا، وہ بارہ نمبر تھے۔ اس چیز نے مسکان کو اوور کانفیڈنس کر دیا تھا۔

لیکن یہاں آکر اُسے اندازہ ہوا کہ یہاں اُس سے بھی بڑے بڑے ''جن'' موجود ہیں۔ ہر کوئی، کسی نہ کسی فیلڈ میں ہیرو ضرور تھا۔ لیکن ان سب میں جو ٹاپ پر تھا، وہ ان جنوں کا بھی سردار لگتا تھا۔ کیونکہ ہر چیز میں اُس کا کام ری مارک ایبل تھا۔ وہ اُس کے شعبے میں نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے لئے چیلنج تھا۔

پہلی بار جب وہ اُسے اور اُس کی تعریف کو نظر انداز کر کے صرف تھینکس کہتے ہوئے آگے نکل گیا تو مسکان کو ایک دم بہت ساری انسلٹ فیل ہوئی تھی۔

اور پھر آئندہ دنوں میں اُس پر انکشاف ہوا کہ اُس کا یہ انداز ہر خاص اور عام کے لئے تھا۔ سوائے (ٹی۔ٹو) کے جو کہ کالج کا سب سے پرانا طالب علم تھا۔ اُس کے ساتھ کے طالب علم پڑھ کر یہاں کالج میں پڑھا رہے تھے، جبکہ وہ آج تک اپنا گریجویشن ہی مکمل نہ کر پایا تھا۔

(ٹی۔ٹو) اُس کا لقب تھا، جس کا مطلب بہت پرانا مجسمہ تھا۔ نام تو اصلی اُس کا افضل خان تھا، جس کا کم ہی کسی کو پتہ تھا۔ وہ ڈیپارٹمنٹ کے بینچ پر بیٹھا رہتا تھا۔ ہر لڑکی کو لفٹ دینا اور اُن کی اسائنمنٹ میں مدد کرنا ہی اُس کا مقصد تھا۔ اُس کی عبدالولی جیسے جینئس کے ساتھ کس طرح دوستی ہوئی، ہر ایک کے لئے حیران کن بات تھی۔

اور مسکان ہر بار خود سے عہد کرتی کہ عبدالولی اُس کے راستے میں نہ آئے۔ لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی، جو بار بار ولی ہی رستے میں آ کھڑا ہوتا تھا۔ ایسے میں وہ خود کو بہت بے بس محسوس کرتی تھی۔ یک طرفہ پسندیدگی اُس کے لئے مشکلات کھڑی کر رہی تھی۔

''از ہر چہ ہست محبت دگر چہ ہست لا!'' کوئی اُس کے اندر سرگوشی کر رہا تھا۔ (جو کچھ بھی ہے، محبت ہے۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔)

❖❖○❖❖

رات کے پچھلے پہر سب جہانوں کا خدا دے رہا تھا یہ صدا۔ کوئی پکارے مجھے، دوڑ کر اس کی سنوں۔ کوئی مانگے تو سہی، جھولیاں بھر بھر کے دوں۔ کوئی توبہ تو کرے، معاف میں جھٹ سے کروں۔ اور ہم سب نیند میں، اس صدا سے بے خبر، اس خدا سے بے خبر جنتوں کی چاہ میں، خواب دیکھتے رہے۔

اور سورج کی تپش........ اپنے گھر تک آ گئی۔

اپنے سر تک آ گئی۔

''آہ! میں جاگ ہی نہ پاتی، اور اب........ اب تو نیند ہی نہیں آتی ہے۔'' ترنم نے کہا۔

''ترنم! فار گاڈ سیک، مجھے نیند آرہی ہے۔ اگر یہ تمہارا روز کا سبق پورا ہو گیا ہو جو کہ تم نے کوئی پچاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار با آواز بلند دوہرایا ہے تو کیا میں دو گھڑی نیند لے لوں؟ اُف، سارا بدن ٹوٹ رہا ہے۔ یہ نیو ایئر پارٹیاں بھی ناں........تھکا دیتی ہیں۔'' ماہ رخ نے لمبی جمائی لیتے ہوئے ترنم سے کہا۔

''اور پلیز، تم بھی سو جاؤ۔ تم تو رات کا پرندہ ہو........ جانے سوئے بغیر تمہارا گزارا کیسے ہو جاتا ہے۔'' ماہ رخ نے بیزاری سے کہا۔

ماہ رخ وہاں رہنے والی لڑکیوں میں سب سے زیادہ نخریلی تھی۔ جانے کیا وجہ تھی، وہ ترنم کو اپنے کمرے میں برداشت کرتی تھی۔ ورنہ وہاں رہنے والی باقی لڑکیوں کے ساتھ روز اُس کی کسی نہ کسی بات پر جھڑپ ضرور رہتی تھی۔

کم بخت حسین اتنی تھی کہ شعلہ ہی تو تھی، جو جھلسائے بغیر دم نہ لیتی تھی۔

اُس کے حُسن، اُس کی خوب صورت اداؤں کی ٹکر کا یہاں سوائے ترنم کے، کوئی دوسرا فی الحال نہ تھا۔

ترنم کے حُسن میں سوز اور اُداسی، جبکہ ماہ رخ کا حُسن پارہ تھا، شریر و شوخ تھا۔

''ماہ رخ! کیا تم اس زندگی سے خوش ہو؟'' ترنم نے ماہ رخ کی جانب منہ موڑ کر پوچھا۔

ماہ رخ نے اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ اُس کا نیند سے برا حال تھا، جبکہ ترنم کا سونے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔

''ایک تو یہ جو تمہیں کبھی نیک پروین بننے کا دورہ پڑتا ہے ناں، زہر لگتا ہے مجھے۔ خود بھی ڈسٹرب ہوتی ہو اور اس رات میرا سونا بھی محال کر دیتی ہو۔'' ماہ رخ نے چڑ کر جواب دیا۔ ''اور اس زندگی اور اُس زندگی سے کیا مراد ہے، تمہاری؟........اب بس، یہ ہی زندگی ہے۔ ہماری ماؤں کی بھی یہی زندگی تھی۔ ہماری بھی ایسی ہی گزرے گی۔'' ماہ رُخ نے لمبی سی جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں........نہیں........نہیں، ماہ رخ!........ میری ماں کی زندگی ایسی نہ تھی۔ بالکل بھی ایسی نہ تھی۔'' ترنم کا سانس پھولنے لگا۔

دُور کہیں دھیرے دھیرے کلامِ پاک پڑھنے کی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی تو اُس کی روح تک کو جھنجھنا کر رہ گئی۔

''نہیں ماہ رخ!'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ ''میری ماں ایسی نہیں تھی۔'' ترنم ایک دم اُٹھ کر ماہ رخ کے پاس آ بیٹھی۔ اب اُس کا ہاتھ تھامے، منت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''ماہ رخ! کہہ دو ناں، کہ میری ماں ایسی نہیں تھی۔'' ترنم اپنے آپ میں نہ تھی۔

''اوکے، اوکے........تم پلیز! لیٹ جاؤ'' ماہ رخ نے بہت مشکل سے اپنے چہرے کی بیزاری کو روک کر کہا۔

''وہ ایسی نہیں تھی۔ تم تو جانتی ہو ناں۔'' ترنم لیٹتے لیٹتے پھر پوچھ رہی تھی۔

''ہاں ہاں، جانتی ہوں۔ تم یہ نیند کی دوا لو۔'' ماہ رخ نے اُسے زبردستی دوا کھلا کر زیرو پاور کا بھی بلب بند کر دیا۔

'میری ماں تو پاکیزہ روح تھی........شرم و حیا کا پیکر!........ کسی غیر محرم نے آج تک اُس کی صورت نہ دیکھی تھی۔ میری ماں ایسی........نہیں تھی۔' ترنم کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔

لیکن آنسو ابھی بھی اُس کے کانوں تک جا کر ٹکے ہوئے تھے، جو خوابوں میں بھی اُس کی ماں کی یاد کی سرگوشیاں کریں گے۔

❖❖O❖❖

کہتے ہیں کہ سولہواں سال ہر لڑکی کے لئے ارمان اور بہاروں کا سال ہوتا ہے۔ اس کی جوانی بند کلی کی طرح ہوتی ہے۔ دھیمی دھیمی خوشبو دیتی ہے، پاس سے ہر گزرنے والے کو چونکا دیتی ہے۔ اور ترنم، جو کل کی ''ایمان فاطمہ'' تھی، اُس کو تو پندرھویں سال میں ایسی اُٹھان ملی تھی کہ محلے کی عورتیں حیرانگی سے خدیجہ بی بی سے پوچھتی تھیں۔

''خدیجہ بی بی! یہ ایمان فاطمہ ہی ہے؟........کل کی بات ہے، یہ تو گڈیاں پٹولے لئے پھرا کرتی تھی۔ خیر سے کتنی سوہنی گوری ہو گئی ہے!''

اور خدیجہ بی بی کی پریشان نظریں بچوں کے ساتھ پٹھو گول گرم کھیلتی ایمان فاطمہ کا پیچھا کر رہی تھیں۔

لڑکیاں اور خاص کر خوب صورت لڑکیاں، اتنی جلدی کیسے جوان ہو جاتی ہیں؟

اتنی جلدی کیسے نظروں میں آ جاتی ہیں؟

ننھی لڑکی
ساحل کے اتنے نزدیک
ریت سے اپنا گھر نہ بنا
کوئی سرکش موج ادھر آئی تو
تیرے گھر کی بنیادیں تک بہہ جائیں گی
اور پھر اُن کی یاد میں تُو
ساری عمر اُداس رہے گی

ایمان فاطمہ نہیں جانتی تھی کہ ساحل اور سرکش موج کسی دن اُس کے ریت کے گھر ہی کو نہیں، اُسے بھی بہا کر لے جائے گی۔

ایمان فاطمہ کو سب سہیلیاں پری فاطمہ کہہ کر پکارا کرتی تھیں۔ اُس کی سمندر رنگ، کانچ آنکھیں اماں پر تھیں۔ کمر سے نیچے گھرے بھورے بال بھی خدیجہ بی بی جیسے تھے۔ میدے جیسی رنگت تو دونوں ماں باپ سے لی تھی۔ لیکن جانے اُس کی شوخ، کانچ جیسی ہنسی کس پر گئی تھی۔

دونوں اماں اور ابا اکثر چونک کر دیکھتے تھے۔ یہ اتنی متوجہ کرنے والی خوب صورت، سہمی پرائی پرائی سی کہاں سے آن بسی تھی۔ ایمان فاطمہ کا یہ چمکتا دمکتا روپ، اماں کو بہت خوف زدہ رکھتا تھا۔ اماں تو اُسے ہر جگہ جانے کے لئے برقعے میں رکھتی تھیں کہ کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے، نظر نہ لگ جائے!

لیکن اماں کی ساری تدبیریں رائیگاں ہی چلی گئیں۔

❖❖O❖❖

چڑیا کتنی دیر سے چیخ رہی تھی
اُس کا گھونسلا کب کا بکھر چکا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِک کوّا
اُس کا انڈا، بچہ لے اُڑا تھا
اے کوّے
میں ”بے خبر“ ماں نہ تھی
پھر تُو نے ایسا کیوں کیا؟
چڑیا چیخ رہی تھی
احتجاج کر رہی تھی
سوال کر رہی تھی
کوّے نے کائیں کائیں
کر کے قہقہہ لگایا
میں صرف بے خبر ماؤں ہی کے
انڈے بچے ہی نہیں لے اُڑتا
میں.......!
گھونسلے سے باہر آ جانے والے
بچوں کو بھی لے اُڑتا ہوں

سردیوں کا موسم شروع ہونے والا تھا۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہر جانب گلے خراب، زکام، نزلہ بخار وغیرہ کا وائرس عام تھا۔

ایمان فاطمہ تو تھی ہی نازک سی، جھٹ سے بخار نے آ لیا۔ ایسا بخار آیا کہ بچی سُدھ بُدھ کھو بیٹھی۔ اماں نے گھبرا کر ابا سے کہا۔

وہ بولے کہ بڑے ڈاکٹر کے پاس جانے کی تو ہماری ہمت نہیں ہے۔ پانچ سو وہ دیکھنے کی فیس لے گا اور تین چار سو کی دوائی لکھ دے گا، جو اُن کی استطاعت میں نہ تھی۔

”یہاں، گلی کے نکڑ پہ نیا کلینک کھلا ہے۔ اور سنا ہے، دس بیس روپے میں دوائی اور ٹیکہ دونوں ہی لگ جاتے ہیں۔ وہاں ہی لے چلو۔“ ابا نے کہا۔

اماں فوراً اُسے برقع اوڑھا کر، سہارا دے کر کلینک لے آئیں۔

باری آنے پر اماں نے ڈاکٹر کو ساری تفصیل بتائی۔

”مجھے لگتا ہے کہ گلے کے انفیکشن کی وجہ سے بخار ہے۔ چلیں، منہ کھولیں اور گلا دکھائیں۔“ ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔

”اماں.......!“ ایمان فاطمہ منمنائی کہ وہ تو پردے میں تھی۔ نقاب اُتارنے کی اجازت اُسے ابا، اماں، دونوں کی طرف سے نہ تھی۔

اماں شش و پنج میں تھیں کہ کیا کریں؟ لیکن ایمان فاطمہ کی اتنے دن کی بگڑی حالت دیکھ کر وہ اُسے نقاب اُلٹنے کی اجازت دے کر باہر دیکھنے لگیں کہ کوئی جاننے والی عورت نہ دیکھ لے۔ آج تک اُن کے گھر کی خواتین کسی کے سامنے تک نہ ہوئی تھیں.......

ڈاکٹر، جو یہی کوئی چونتیس سال کا ہو گا، اب بیزار نظروں سے ان نقاب پوش بیبیوں کو دیکھ رہا تھا۔

ایمان نے نقاب اُلٹ دیا۔ بیماری کے باوجود اُس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا، اپنا سحر پیدا کر رہا تھا۔

ڈاکٹر جی، جو کئی سال ڈاکٹر کے ہاں کمپاؤنڈر رہ کر اپنا یہ کلینک کھول چکے تھے۔ اس چھوٹی سی بستی میں کم پڑھے لکھے لوگ تھے۔ اُس نے فائدہ اُٹھا کر ایم بی بی ایس کا بورڈ لگا لیا تھا۔ اب وہ دن رات دھڑا دھڑ مریض دیکھتا اور پیسہ کما رہا تھا۔ ڈاکٹر گلزار کے نام کی تختی لگا رکھی تھی۔ وہ زندگی میں شارٹ کٹ چاہتا تھا، ہر وہ کام کرتا تھا، جس سے پیسہ حاصل ہو سکتا۔ چاہے اُسے انسانی زندگیوں ہی سے کیوں نہ کھیلنا پڑے۔

اب جب ایمان نے نقاب جو اُلٹ دیا تھا تو کئی پل کے لئے وہ بالکل بے خود اُسے تکے گیا۔

ایمان پر اُس کی بے ایمان نظر پڑ گئی تھی۔

اُف خدایا! کیا یہ اسی جہان کی لڑکی ہے؟.......اس قدر خوب صورت اور معصوم!

ڈاکٹر گلزار نے بہت گہری نظر اور مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے ہوئے سوچا۔

❖❖○❖❖

”مکڈونلڈ کے اُوپر کی فلور عبدالولی کی ڈیزائن کی ہوئی ہے۔“ سر احمد نے گلبرگ کی برانچ کے متعلق کلاس کو بتایا۔

”انہوں نے اس کو بدلنا تھا۔ پروجیکٹ میرے پاس آیا تھا اور میں سوائے ولی کے کسی اور کا نام سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ لیکن ولی نے تو حیران ہی کر دیا.......اس قدر خوب صورت اور فینٹسی ماحول اُس نے وہاں دیا ہے کہ بے اختیار منہ سے تعریف نکلتی ہے۔“

سر احمد، ولی کی تعریفوں کے پُل بے جا نہ باندھ رہے تھے۔ اُس کا کام واقعی تعریف اور دیکھنے کے قابل تھا۔ اُس نے اتنے نئے اور خوب صورت آئیڈیاز کے ساتھ ہر ہر کارنر سجایا تھا کہ مزہ آ گیا۔

سر احمد اُس کی تعریف کر رہے تھے، جو خیر سے آج کلاس میں آئے ہی نہ تھے۔

”یار! عبدالولی کی تو پانچوں اُنگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔ تعریف اور امپریشن الگ بن رہا ہے اور ہر کام اُس کو مل جاتا ہے۔ پیسہ الگ سے مل رہا ہے۔ وہ کلاس میں پڑھنے آئے یا نہ آئے، ٹیچرز کی گڈ بک میں ہمیشہ رہتا ہے۔ یہ ہم ہی اُلو کے پٹھے ہیں، جو کلاس پڑھنے آ گئے ہیں۔“ ماجد نے اسد کو غصے سے کہا۔

ماجد اور اسد، کالج کے آوارہ لڑکوں میں سے تھے۔ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں پنگا لئے رکھتے۔ اور عبدالولی سے تو وہ بہت خار کھاتے تھے۔ وہ اُن کا حریف جو تھا۔ ہر کام جو اُنہیں لگتا کہ وہ حاصل کر لیں گے، وہ ولی کو خود بخود مل جاتا تھا۔ اسی طرح بہت سے طالب علم، ولی سے حسد کرتے تھے۔ ولی کا کام اور لئے دینے والا انداز اکثر کو تپا دیتا تھا۔

اسد کسی گہری سوچ میں تھا، ولی کچھ زیادہ ہی دردِ سر بنتا جا رہا ہے۔ اسد نے بھی ماجد کی ہاں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاں ملائی۔

''وہ نہر کی ڈیکوریشن کا کام بھی اِس ولی کے بچے نے ہتھیا لیا تھا۔ پورے ساٹھ ہزار کا کام تھا۔ اِس دردِ سر کے لئے ایک آدھ ''گولی'' ضرور استعمال ہونی چاہئے۔'' اسد نے کہا۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر عجیب طرح سے مسکرائے تھے۔

❖❖○❖❖

جھوٹے یار دی یاری جیویں رُکھ کھجور
دُھپ لگے تے چھاں نہ دیوے ، بھک لگے پھل دُور!

(ایسے لوگوں سے دوستی تو کھجور کے درخت جیسی ہے کہ دُھوپ لگے تو سایہ نہ دے، بھوک لگے تو پھل پہنچ سے دُور)

''آہ!........ محبت اِک دھوکا، اِک فریب۔ کیوں، مسٹر گورمانی!'' ترنم نے نشے میں ڈوبی ہوئی کیفیت میں دیوانوں کی طرح ہنستے ہوئے پوچھا۔

''ہاں سائیں، تم ٹھیک بولتی ہو۔ ٹھیک بولتی ہو۔'' مسٹر گورمانی نے نشے میں دُھت، خوب سر ہلا ہلا کر اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''اے ترنم! تم تو خود پوری کی پوری نشے کی بوتل ہو۔ آج تم نے ہم کو کیوں پلایا؟'' کمال گورمانی نے ایک پیگ مزید بنایا اور غٹاغٹ چڑھا گیا۔

''مسٹر گورمانی! تم ناں! تم........ تمہاری کمپنی کو بھولنے کے لئے ضروری ہے کہ میں ہوش میں نہ ہوں........ ہونہہ، گھن آتی ہے مجھے تم سے۔'' ترنم نے اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''ہا، ہا، ہا........ تم ترنم، ہونے کو تو ہماری کال پہ ہماری گرل ہو۔ ہا، ہا........ وہ کیا کہتے ہیں، کال گرل! لیکن ہم کو تم سے بڑی ہی ویسی خوشبو آتی ہے۔ تم بڑی مختلف ہو، اسی لئے تو کمال گورمانی کو کئی ذائقوں کے بعد بھی تمہارا ذائقہ نہیں بھولتا۔ ہم جب بھی اِدھر کو آتا ہے، تم، تمہارا یہ خوب صورت جسم ہم کو تمہاری طرف ضرور لے آتا ہے۔''

'آہ! میری بدقسمتی جانے کن کن ہاتھوں اور لکھی جانی ہے۔' ترنم نے ہوش و حواس کی دنیا سے نکلتے ہوئے اِک آخری بات سوچی تھی۔ وہ بے سُدھ گری پڑی تھی اور ایک گِدھ اُس کے مُردہ وجود کو بھنبھوڑ رہا تھا۔

بدقسمتی کو تو انسان خود بلاتا ہے۔ لیکن وہ کیا اب کبھی خوش بختیوں کی دنیا میں واپسی کی حق دار نہ ٹھہرے گی؟

❖❖○❖❖

''بیٹا! تم بائی ایئر چلے جاتے۔ رحیم خان تمہاری گاڑی لے آتا۔ میں فکرمند رہوں گی۔'' روشن آرا نے فکرمندی سے عبدالولی سے کہا، جو بابا سائیں کی تحفہ میں دی ہوئی گاڑی لاہور لے جانا چاہتا تھا۔

''اماں جانی! صرف چار گھنٹے کا سفر ہے۔ یوں موٹر وے سے پہنچ جاؤں گا۔'' عبدالولی نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''اچھا بیٹا! جیسے تم خوش........ اللہ کی امان میں........ جن راستوں سے جاؤ، اُن کی خیر ہو۔ میں لاہور سے تمہاری کال کا انتظار کروں گی۔''

روشن آرا نے دعاؤں اور محبتوں سے بیٹے کو گیٹ پر رخصت کیا۔ نہ جانے کیوں اُن کا دل گھبرا رہا تھا۔ جانے ماؤں کے دلوں میں اللہ جی نے کیسے راڈار لگائے ہوتے ہیں، اپنی اولاد پر آنے والی کوئی اَنہونی اُن کو پہلے سے سگنل دینے لگتی ہے۔

❖❖○❖❖

''ترنم! سُدھر جاؤ...... اُس گورمانی کے بچے کو گئے تین دن ہو گئے اور تم یہیں ہوٹل میں پڑی ہو۔ وہاں آپا کا تمہاری فکر سے برا حال ہے۔''

ماہ رخ نے اپنی گاڑی موٹر وے پر ڈال دی تھی۔ وہ اسلام آباد تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن چکر لگاتی تھی۔ اب تو راستے اور راستے میں آنے والے ہر پوائنٹ کی پہچان ہو گئی تھی۔

''ہونہہ، فکر! میری فکر........ تم کو کیسی کیسی پریشانیاں تنگ کرتی ہیں........ ماہ رخ! جب تم ذرا اپنی عمر کے اس حصے کو چھونے لگو گی، جہاں تم بے بی سے بالی کہلانے لگو گی، پھر دیکھنا کون تمہاری فکر کرتا ہے۔''

ترنم بے رحمی سے ہنستی چلی گئی۔

''اُف توبہ، تم کس قسم کی باتیں کر لیتی ہو؟'' ماہ رخ کو جھرجھری ہی تو آ گئی۔

''ماہ رخ! تمہارا اور میرا انجام بس اُنیس بیس کے فرق کے ساتھ ہوگا۔ لیکن یاد رکھنا، ہوگا برا ہی۔''

ترنم کو ہنستے ہنستے پتہ ہی نہ چلا کہ کب اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''ترنم! دیکھو، آپا ہمارا کتنا خیال رکھتی ہے۔ اب تو کالج میں ہم پڑھتے ہیں۔ ہر طرح کی آزادی ہے۔ اور اتنا تو بینک بیلنس ہے۔'' ماہ رخ نے آخری جملہ ذرا سرگوشی میں کہا تھا۔ کیونکہ ماہ رخ نے اُس کا اور اپنا اکاؤنٹ کچھ عرصہ ہی پہلے کھلوایا تھا۔ چندا بائی کو اس کی ذرا بھی خبر نہ تھی۔

'آہ! یہ آزادی........ آزادی........ کیسے پَر کاٹے تمہاری آپا نے کہ کبوتری اُڑنا ہی بھول گئی۔'

ترنم نے اپنا سر سیٹ کی پشت پر ٹکا دیا۔ اُس کے سنہری سلکی بال اُڑ اُڑ کر اُس کے چہرے کو چھو رہے تھے۔ کسی آرائش کے بغیر بھی وہ بہت حسین دکھائی دیتی تھی۔

ہیرے کی لونگ، دھوپ سے سات رنگی شعاعیں اُس کے چہرے پر پھینک رہی تھی۔ وہ تو اِک نظر دیکھنے میں یوں لگتا تھا کہ کسی دیس کی شہزادی اپنا راستہ بھول گئی ہو۔ ماہ رخ نے ایک گہری نگاہ اُس پر ڈال کر تاسف سے سوچا۔

'ہاں ترنم! تم کو واقعی غلط جگہ ملی ہے۔ تم تو کسی اور ہی مٹی کا خمیر ہو۔ یہاں کی چمک دمک تمہارے وجود کو بجھا کر رکھ دیتی ہے۔ تم جانے کیوں، ہم میں سے نہیں لگتیں۔'

''اُف........!'' ماہ رخ نے بڑی مشکل سے تیز رفتار گاڑی کو بریک لگائی تھی۔

''کیا ہوا؟'' ترنم نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''وہ دیکھو، سامنے۔'' ماہ رخ نے کچھ پریشانی سے سامنے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اوہ، مائی گاڈ!'' ترنم کہتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

’’کیسی حرکتیں کرتی ہو؟ جانے کون ہے؟‘‘ ماہ رخ نے اُسے روکا۔ ’’کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ ماہ رخ! تم کو معلوم ہے کہ وہ بے چارہ خون سے لت پت پڑا ہے، وہ ہمارا کیا بگاڑے گا؟ چلو نکلو باہر، دیکھیں زندہ بھی ہے کہ نہیں۔‘‘ ترنم نے اُسے بھی زبردستی اُترنے پر مجبور کیا۔

’’ترنم! یہ تو زندہ ہے۔ لیکن دیکھو، کس طرح بے چارے کا خون بہہ رہا ہے۔‘‘ ماہ رُخ نے اُس پر جھکے جھکے کہا۔ ’’لگتا بھی کسی اچھی فیملی سے ہے۔‘‘ ماہ رخ کو اُس کے خون سے بھیگے کپڑے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ کسی نے اُس کو لوٹ کر زخمی کر کے یہاں پھینک دیا ہے۔

’’تم........تم یہ دوپٹہ پورا کا پورا اس کے کندھے سے لپیٹ دو۔‘‘ ترنم اپنے بیگ سے اپنا دوپٹہ اُٹھا لائی۔ اتنے جوان آدمی کا وزن وہ نازک اندام کہاں اُٹھا پا رہی تھیں۔ ترنم بھی اُس کو سیدھا کرتے کرتے ہانپنے لگی تھی۔

’’دیکھو، کوئی ٹرک، گاڑی وغیرہ کوئی بھی گزرے تو مدد مانگتے ہیں۔‘‘ ترنم نے فکرمندی سے اُس نوجوان کو دیکھا، جس کا چہرہ تیزی سے پیلا پڑتا جا رہا تھا۔

’’ایک تو تمہاری سمجھ نہیں آتی۔ اچھا بھلا جا رہے تھے۔ تم خود مصیبت مول لیتی ہو۔ اب پولیس ہم سے اُلٹے سیدھے سوال کرے گی۔ اور آپا وہاں کتنا پریشان ہو رہی ہوں گی۔‘‘ ماہ رخ نے بیزاری سے کہا۔ وہ اب پیپر سوپ کو گیلا کر کے اچھی طرح ہاتھوں پر مل مل کر اپنے ہاتھ دھو رہی تھی۔

’’کمال ہے، پچھلے بارہ منٹ سے یہاں کوئی بھی نہیں گزرا۔ اور دیکھو، کیسے اس کا خون بہے جا رہا ہے۔‘‘ ترنم نے اُس کے جواب میں فکرمندی سے کہا تو ماہ رخ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

’’لو، وہ آ گئے جن کا ڈر تھا۔‘‘ ماہ رخ نے برا سا منہ بنا کر موٹر وے پولیس کی کار کو دیکھتے ہوئے اطلاع کی۔

’’تھینکس گاڈ! کوئی آیا تو سہی۔‘‘

ترنم کے پُرسکون چہرے کو دیکھتے ہوئے ماہ رُخ کو اپنا غصہ دبانا مشکل ہو گیا تھا۔ پولیس والوں کی انکوائری سے وہ ہمیشہ بچتی تھی، اور اب وہ اُن کے سروں پر آ کھڑے ہوئے تھے۔

❖❖○❖❖

’’آپا! میں کہہ رہی ہوں ناں کہ بس کل ہم آ رہے ہیں۔ کچھ گھومنے کا موڈ تھا۔‘‘

وہ چاندنی بائی کو کسی طرح مطمئن نہیں کر پا رہی تھی۔ ماہ رخ نے زِچ ہو کر اپنا موبائل آف کر دیا۔

’’ہم کو تو بالکل بچہ بنا رکھا ہے۔ ایک گھنٹہ بھی اِدھر اُدھر ہو جاؤ تو گوشمالی ہو جاتی ہے۔‘‘ وہ غصے میں بڑبڑا رہی تھی۔

’’اور سنو!‘‘ وہ ایک دم ترنم کی جانب پلٹی۔ ’’ایک تو ناں، پتہ نہیں تمہیں مجھ سے اتنا لگاؤ کیوں ہے، جو تمہارے کہنے پر مصیبتیں پال لیتی ہوں۔ اب نہ وہ محترم ہوش میں آتے ہیں اور نہ پولیس والے ہم کو جانے دیتے ہیں........ اچھا خاصا کل میرا زینت کی پارٹی میں جانے کا موڈ تھا۔ لیکن تم نے کباڑا کروا دیا۔‘‘ ماہ رُخ مسلسل اُسے سنا رہی تھی۔

’’اور یہ پولیس تم کو معلوم ہے، کیسے کیسے سوال بار بار کر رہی ہے، جیسے ہم نے ہی تو اس کو گولی مار کر

وہاں گرایا تھا۔ اور مزے کی بات ہے کہ گولی مار کر اُسے بچانے کے لئے وہاں کھڑے بھی تھے۔‘‘

’’ماہ رخ! تم ملک رحمٰن کو فون ملاؤ، میں بات کروں گی۔‘‘ ترنم بھی پولیس والوں کی تفتیش سے کچھ گھبرا گئی تھی۔ اُن کے اصل کے ساتھ کل اُن کی تصویریں اخبار میں آ جاتیں تو وہ آپا کے عتاب سے بالکل بچ نہ پاتیں۔ اور یہ خبر کالج وغیرہ میں الگ مصیبت کا سبب بنتی۔

’’جی، ملک صاحب! آپ کے شہر میں ہیں اور آپ کی پولیس ہی آپ کے اور ہمارے درمیان کھڑی ہے........ کیسی مشکل، جناب! آپ کس مرض کی دوا ہیں........ جی، جی........ سی ایم اپج ہی ہے۔ بس، ہمدردی کبھی کبھی جرم بن جاتی ہے........ جی ہاں........ جی، جی........ ضرور تشریف لائیے گا........ جی بالکل........ ہاں، وہاں آپا پریشان ہو رہی ہیں۔ ہمارے یہاں سے نکلنے کا جلدی بندوبست کر دیں........ جی اچھا........ او کے، پھر حیدری صاحب کے فنکشن میں ہی ملاقات ہو گی۔ او کے، بائے۔‘‘ ترنم نے موبائل آف کر دیا۔

ماہ رخ بیزاری سے بیٹھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ چھوٹا سا کمرہ تھا یہ ہسپتال کا، جہاں باہر پولیس کا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اُسے اِس خوامخواہ کی قید سے سخت کوفت ہو رہی تھی۔

ابھی دس منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک نرس اور انسپکٹر اکٹھے اندر داخل ہوئے۔

’’معافی چاہتا ہوں، بی بی! آپ کو خوامخواہ زحمت دی۔ آپ جا سکتی ہیں۔‘‘

ماہ رخ نے تو فوراً گاڑی کی چابیاں اُٹھا کر اُسے چلنے کا اشارہ کیا۔

’’ایک منٹ، انسپکٹر صاحب!‘‘ ترنم نرس کی جانب پلٹی۔ ’’اب تک اُسے کیوں ہوش نہیں آیا؟‘‘

’’ہاں، ہوش تو آ گیا ہے، لیکن کچھ غنودگی میں ہے۔ تم اُس کا ملنا مانگتا؟‘‘ کالی سیاہ کرسچین لڑکی نے اُن خوب صورت پریوں کو دلچسپی سے دیکھا۔

’’ہاں، بس اِک نظر۔‘‘ ترنم تیزی سے اُس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

’’اُف، ترنم! فار گاڈ سیک! چلو یہاں سے۔ دوائیوں کی بُو سے مجھے ابکائی آ رہی ہے۔‘‘ ماہ رخ نے انتہائی بے بسی سے ترنم سے کہا۔

’’دیکھو ینگ مین! تم کو کون دیکھنے آیا ہے۔ یہی وہ ینگ لیڈیز ہیں، جنہوں نے تم کو بچایا تھا۔‘‘ نرس نے زخمی کو تھوڑا متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ اُس کا دماغ ہر چیز سمجھ رہا تھا، لیکن اُس سے اپنی آنکھیں کھولنا دُشوار ہو رہا تھا۔

بہت مشکل سے اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو ایک نہایت حسین چہرے کو اپنے اوپر پریشانی سے جھکے پایا۔

’’کیا نام ہے، آپ کا؟‘‘ وہ بار بار پوچھ رہی تھی۔

درد کی ایک تیز لہر اُس کے سارے وجود میں اُٹھی۔ ’’آہ!‘‘

’’کیا نام ہے، آپ کا؟‘‘

’’عبدالولی۔‘‘ بے ہوش ہونے سے پہلے اُس کے ہونٹ تھرتھرائے تھے۔

❖❖○❖❖

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

'کتنی مختلف آنکھیں تھیں......اور کتنی اُداس سی!'

عبدالولی کو ہوش میں آتے آتے بھی تقریباً پورا دن لگ گیا تھا۔ لیکن ہوش میں آتے ہی جیسے اُس کے ذہن نے آخری منظر اسکرین پر روشن کر دیا۔ وہ آنکھیں...... گہری جھیل جیسی یا ڈری ہوئی ہرنی جیسی آنکھیں۔ لیکن اتنی اُداس کیوں تھی؟ اور وہ کون تھی؟

''سنو نرس! وہ لڑکی کون تھی؟'' اُس نے نرس سے پوچھا۔

نرس نے مُڑ کر اُس کی جانب دیکھا۔ ترنم جاتے جاتے اُس کرسچین نرس کو خاصی رقم دے کر گئی تھی کہ وہ مریض کا خیال رکھے اور اپنا موبائل نمبر دے گئی تھی کہ اگر خدانخواستہ کوئی سیریس حالت ہو تو اُسے ضرور انفارم کرے۔

''سر! وہ میڈم تو فرشتہ تھا، تمہارے لئے۔ اُس نے تمہاری جان بچائی اور تم کو خاص کیئر میں رکھنے کے لئے ہم کو سروس چارج دیا۔ اتنا انعام دیا ہے۔''

''میں اُس لڑکی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کیا کوئی نمبر ہے، رابطے کے لئے؟'' عبدالولی نے نرس سے پوچھا۔

''سر! تم پہلے اپنے گھر اور اپنے لوگوں کو انفارم کرو، پھر کوئی اور طرف سوچنا۔'' نرس نے اُسے اہم بات یاد دلائی۔

''اوہ میرے اللہ! اماں جانی میرے فون کے انتظار میں پریشان ہو رہی ہوں گی۔ اب تو تقریباً دو دن ہونے کو ہیں۔ پورا گھر بہت پریشانی میں ہوگا۔'' ولی نے فکرمندی سے سوچتے ہوئے نرس سے فون کرنے کو کہا۔

''تم ہم کو نمبر دو، ہم بات کر دیتا ہے۔ یہاں تم تک فون لانا تو ممکن نہیں ہے۔'' نرس نے ہمدردی سے کہا۔ (اور یہ ہمدردی، ترنم کی دی ہوئی رقم کی وجہ سے ہی تھی)

❖❖○❖❖

''ترنم جان! ''مشی'' سے کتنی بار فون آ چکا کہ تمہاری آج وہاں اپائنٹ منٹ تھی۔ دیکھو ناں، تمہارا چہرہ کتنا مرجھایا ہوا ہے۔ جاؤ میری جان! آج وہاں وِزٹ کر لو۔ اور ہاں، آج تم فُل باڈی ویکس کروا لینا، پرسوں کی پارٹی کے لئے۔ میں نے اپنی سب بیٹیوں کے لئے بہت خوب صورت لباس تیار کروائے ہیں۔'' چاندنی بائی نے اُس کے بدن کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''او کے، میں ذرا ماہی کو دیکھ لوں، آخر اتنا لمبا فون کس کا آ گیا؟''

ترنم نے دُکھی نظروں سے اُسے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔

'بیٹیاں تو ماؤں کا سب سے قیمتی خزانہ ہوتی ہیں، جسے وہ لاکھ پردوں میں چھپا کر، سنبھال کر رکھتی ہیں۔ تم......تم کیسے ہم کو بیٹی پکار سکتی ہو، جو اُن کو سرِ عام ننگے لباس پہنا کر، اُن کی عصمت کا ہر روز سودا کرتی ہو؟ تم......تم تو حرافہ ہو۔ کاش! میں تم کو اور تمہارے اس سارے سسٹم کو برباد کر سکتی۔' ترنم نے نفرت سے سوچا۔

❖❖○❖❖

''نگینہ! اب بس بھی کرو، بیٹا! بھائی کو اس طرح رو رو کر پریشان نہ کرو۔''

احمد شاہ نے دونوں ماں بیٹی کو اس طرح لگاتار روتے دیکھ کر صرف نگینہ سے کہا، تاکہ کچھ تو کمی آئے۔ وہ دونوں مسلسل آدھے گھنٹے سے آنسو بہائے جا رہی تھیں۔

''شاہ جی! میں، شکرانے کے نفل ادا کرنا چاہتی ہوں...... اُس ذات کریم نے مجھے کسی بھی مشکل آزمائش سے بچائے رکھا۔ شکر اللہ کا، اُس نے میرے بیٹے کی زندگی لوٹا دی۔'' روشن آرا نے اپنے آنسو اپنی چادر میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

''بابا سائیں! آپ کا گفٹ، وہ گاڑی بھی چلی گئی۔'' ولی نے تاسف اور شرمندگی سے کہا۔

''دیکھو بیٹا! گاڑیاں تو ایسی ہزاروں تم پر قربان۔ لیکن آخر وہ لوگ کون تھے؟ کیا کوئی ڈاکو یا کوئی دشمن؟ لیکن ہمارا کون دشمن ہو سکتا ہے؟'' احمد شاہ کسی گہری سوچ ہی میں تھے۔

''بابا سائیں! مجھے نہیں معلوم، وہ لوگ کون تھے۔ البتہ جب میں ہوش میں تھا تو مجھے وہم سا ہے کہ اُن میں سے ایک نے قہقہہ لگاتے ہوئے میرا نام لیا تھا۔''

احمد شاہ نے چونکتے ہوئے اُسے دیکھا۔

'کون ہو سکتا ہے؟......ہم نے تو اپنی زندگی کے خوب صورت اور بہترین سال، اپنے وطن سے دُور رہ کر گزارے ہیں کہ کوئی دوست بنے نہ بنے، لیکن کوئی دشمن تو ہرگز نہ بنے......آخر وہ کون تھے؟'

❖❖○❖❖

''لوگوں میں طاقت کی نہیں، ارادے کی کمی ہوتی ہے۔ شاہ بلوط کا درخت اُگانے والے اِسی کا سوچتے ہیں۔ ننھے سے بیج سے وہ پودا سر اُٹھاتا ہے کہ سو سال تک پھر اس کا سر جھکانا ممکن نہیں رہتا...... لکڑی بو کر شاہ بلوط کا انتظار کرنے والے کو کبھی کامیابی ملتی ہے، نہ کامیابی کی خبر......وہ ہمیشہ مایوسی کے گڑھے میں بیٹھے اسی کو گہرا اور گہرا کرتے جاتے ہیں...... یہاں تک کہ ان مایوس روحوں کو واپسی کا بلاوا آ جاتا ہے۔ اور اگر زندگی رہے بھی تو اس مایوس اور نامراد پرندے کی طرح ہوتی ہے، جو قوتِ پرواز ہی کھو بیٹھا ہو اور پل پل مر رہا ہو۔''

بابا جی نے خاموش، سر جھکائے، احمد شاہ کے کندھے پر اپنے ضعیف ہاتھ سے دباؤ ڈال کر اپنے یقین کے الفاظ ان کے دل میں اُتارتے ہوئے کہا۔

''احمد شاہ! تُو نے شاہ بلوط بویا ہے۔ تیرا سر ہمیشہ اونچا رہے گا۔ تُو کیوں فکر کرتا ہے؟ وہ کہانی، جو اتنے سال پرانی ہو کر بھی اپنی آگ کی تپش رکھے ہوئے ہے، لگتا ہے ابھی اس کا اختتام باقی ہے۔'' بابا جی نے تسبیح کے دانے کو گرا کر آہستگی سے کہا۔

''تم جانتے ہو، تم کو اللہ رحیم کریم نے بہت بڑے اعزاز سے بخشا ہے۔ ایسی نیکی کی توفیق تو اُس کو ہی ملتی ہے، جو اُس کی خاص نظرِ کرم میں ہو۔ اے میرے پیارے بیٹے! اتنا یاد رکھنا، بڑے اعزاز والوں کو ہمیشہ آزمائش بھی بڑی ملتی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ اور اولیاءؒ سب آزمائے گئے ہیں۔ ہم تو پھر اُن کے پیروں کی خاک ہیں...... آزمائش اگر وہ لیتا ہے تو جان لو کہ وہ تم کو کتنا اپنے قریب رکھتا ہے۔ ورنہ بہت سینکڑوں اور کروڑوں میں ہیں، جو اپنی زندگی میں مست اور مگن ایسے رہتے ہیں کہ بلاوا آ جاتا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور معلوم پڑتا ہے، آخر میں وہ تو کلاس سے بھاگے بچے کی طرح، اُس کی نظر خاص سے دُور زندگی میں کچھ حاصل کیۓ بغیر جا رہے ہیں۔"

"بابا جی! میں کہاں کسی قابل ہوں۔ عام بشر ہوں۔ میرا دل بھی اولاد کی محبت کی وجہ سے دھڑکتا ہے۔ اُس کی تکلیف پر لرزتا ہے۔ آپ میرے لۓ اور میرے اہل و عیال کے لۓ دُعا کیجۓ گا........ میں نے تنکا تنکا کر کے اُن کے دماغوں کو، دلوں کو، روحوں کو اکٹھا کیا ہے۔ ماضی اس طرح سے اُن کو بکھیرنے کا سوچے گا، میں...... میں بہت تکلیف محسوس کرتا ہوں۔" احمد شاہ نے کچھ بے بسی سے کہا تھا۔

"پیارے بیٹے! ہم ماضی کو اپنا پچھلا حصہ جان کر آگے بھاگتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ ماضی کی ڈور ہمیشہ سے حال باندھ کر بھاگتا ہے۔ اور کبھی کبھی اُس کو اپنے وجود کی پہچان کے لۓ پیچھے مڑ کر دیکھنا پڑتا ہے۔" بابا جی نے بہت پیار سے احمد شاہ کو حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا۔

احمد شاہ کو ایک دم گہری شرمندگی نے آن گھیرا۔ اپنی اولاد سے محبت نے کچھ دیر کے لۓ اُن کو اپنا وعدہ بھلا دیا تھا۔

"محترم بزرگ! میں اپنے اللہ اور رسول ﷺ کے بعد آپ سے معافی چاہتا ہوں...... میں بس بہت عام انسان ہوں، لیکن ان شاء اللہ! امانت دار رہوں گا۔ آئندہ کے لۓ ان بچوں کے لۓ، جو آپ کا حکم ہوگا، ویسا ہی ہوگا۔"

احمد شاہ کے شرمندہ لہجے پر بابا جی کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"احمد شاہ! تم اللہ کی مہربانی ہو۔ ہم دیکھتے ہیں اور مانتے ہیں، واقعی تم اللہ کی مہربانی ہی ہو۔ عبدالولی اور نگینہ کیسے ہیں، اب؟" بابا جی نے پوچھا۔

"عبدالولی اب گھر آ گیا ہے۔ اور نگینہ بھی ٹھیک ہے۔ بس، بھائی کی دیوانی ہے۔ اُس کی تکلیف پر وہ بہت اذیت میں رہی ہے۔"

"ہوں!" بابا جی نے مسکراتے ہوۓ ہنکارا بھرا۔

آج وہ کافی عرصے بعد بولے تھے۔ وہ خاصے ضعیف ہو گۓ تھے۔ بے وجہ گفتگو تو وہ پہلے بھی نہ کرتے تھے، اور اب تو وہ بہت کم بولا کرتے تھے۔

احمد شاہ کا اتنا فکرمند اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونا، اُن کو لمبی چوڑی گفتگو کرنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"احمد شاہ! اُس نیک بخت کا کیا حال ہے؟........ ہمارا دل چاہتا ہے کہ اُس بڑے دل والی کو خود سلام کر کے آئیں۔"

"استغفر اللہ........ بابا جی! ایسی بے ادبی کیوں؟ وہ خود آپ سے ملنے آنا چاہتی ہے۔ آپ کی اجازت کے بغیر تو میں اُسے یہاں نہ لا سکتا تھا۔ وطن واپس آتے ہی وہ آپ سے ملنے کو بے چین تھی۔"

"احمد شاہ! تم اگر برا نہ مناؤ تو بچوں اور اُس نیک بخت کو ہم سے کبھی کبھی ملوا دیا کرو۔ ہم اب جلتے بجھتے چراغ ہیں، ہمیں ان میں........ ان بچوں میں اپنے شہید بچوں کا عکس نظر آتا ہے۔" بابا جی کی آواز اپنے آخری جملے پر بالکل سرگوشی میں تبدیل ہو گئی تھی، جس کو احمد شاہ سن نہ پاۓ۔

احمد شاہ نے آگے بڑھ کر اُن کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

"محترم بزرگ! ہم ان شاء اللہ جلد ہی سب آپ کے پاس آئیں گے۔"

❖❖○❖❖

"کیا کر رہی ہو، مسکان! کل آخری تاریخ ہے، جمع کروانے کی۔ اور تم ابھی تک ویسی کی ویسی بیٹھی ہو........ سر بٹ نے تمہاری جان نکال لینی ہے۔ پتہ ہے ناں، وہ کتنے سخت ہیں، اپنے کام کے متعلق؟" سائرہ نے مسکان کا کندھا ہلا کر اُسے متوجہ کیا۔ جانے وہ کس جہان میں کھوئی ہوئی تھی۔

"ہوں........؟" مسکان نے نہ سمجھ آنے والے انداز میں پوچھا۔

"مسکان! تمہارا وہ جوس کا ایڈ، اُس کا پوسٹر تیار ہو گیا؟" سائرہ نے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوۓ اس سے پوچھا۔

"سائرہ! وہ........ وہ عبدالولی، بیس دن ہو گۓ، کالج نہیں آ رہا۔" جواب میں مسکان نے اُلٹا جواب دیا۔

"تم یوں کرو، کوئی تخلیقی سا آئیڈیا لے کر عبدالولی کی گمشدگی پر پوسٹر ڈیزائن بنا لو۔ تم کو یہ جوس کا ٹاپک سُوٹ نہیں کر رہا........ حد ہو گئی ہے، لیلیٰ بننے کی۔" سائرہ باقاعدہ غصے سے بولی اور خفا ہو کر منہ موڑ کر بیٹھ گئی۔

"ارے! تم........ تم کیوں خفا ہو رہی ہو؟" مسکان نے معصومیت سے پوچھا۔

"مسکان! اللہ کا واسطہ ہے، حواسوں میں رہا کرو۔ پوچھتی کچھ ہوں، جواب کچھ آتا ہے۔" سائرہ نے اپنی خفگی بھول کر فکرمندی سے کہا۔

"میں........ میں کیا کروں، سائرہ؟ جانے کیا چیز ہے جو مجھے بس اُس کی جانب کھینچتی ہے۔" مسکان نے بے بسی سے کہا۔

"او کے! لیکن تم ایسی بے خود نہ رہا کرو۔ یہاں تو رائی کا پہاڑ بننے میں دیر نہیں لگتی........ لوگوں کو صرف ٹاپک چاہیۓ ہوتا ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو۔" سائرہ نے اُسے حاضر دماغ ہونے کا کہا تھا۔ کیونکہ یہاں، ڈیپارٹمنٹ میں فساد بنتے دیر ہی کتنی لگتی تھی۔

"ہوں۔" مسکان نے بے بس مسکراہٹ کے ساتھ حامی بھری۔

"چلو، پھر کچھ کام کر لو۔ تم نے کوئی فوٹوگراف لی تھی؟" سائرہ نے پوچھا۔

"ہاں........ وہ، فرسٹ ایئر کی سومیہ کو ماڈلنگ کا شوق بھی ہے اور اُس کا چہرہ بھی فوٹو جینک ہے۔ میں نے اُس کی فوٹوگرافی کر کے رکھی ہے۔ بس، یہ جوس کے ڈبے کی ٹرانسپیرنسی اتنی مزے کی نہیں آئیں۔ شاید لائٹ کا کچھ مسئلہ تھا۔"

مسکان نے فائل نکال کر اپنا کام سائرہ کو دکھایا۔

"وہ کوئی مسئلہ نہیں۔ تم فوٹو شاپ میں لے جا کر اسے لائٹ دے دینا۔ کچھ ڈرامیٹک بھی ہو جاۓ گا۔" سائرہ نے آئیڈیا دیا جو کہ واقعی زبردست تھا۔ کمپیوٹر کا فائدہ بہت ہوتا ہے۔ جو کام دوبارہ ٹرانسپیرنسی میں کرنا پڑتا ہے، وہ بغیر کسی مزید محنت کے کمپیوٹر سے ہو جاتا ہے۔

"ٹھیک ہے۔ اس کا بیک گراؤنڈ مرج (ملا) کر دیتے ہیں۔" مسکان نے فوراً اسے خیال پیش کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے شک وہ محنتی اور قابل اسٹوڈنٹ تھی۔

بہت جلد اپنی اُداسی سے نکل کر وہ کام کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

اور یہی سائرہ چاہتی تھی کہ کسی طرح مسکان، حواسوں میں رہے۔ ورنہ اُس کی بے خودی اکثر چلتا پھرتا اشتہار بنا دیتی تھی۔

❖❖○❖❖

"یار! تم کس قدر بے وفا اور بے حس انسان ہو؟ اتنا کچھ گزر گیا اور یار لوگوں کو کوئی خبر ہی نہیں؟" ٹی ٹو نے ناراضگی سے ولی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس یار! میری کوتا ہی جان کر مجھے اب معاف کر دو۔" ولی کو اپنی جان چھڑانی مشکل ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اُس کی جان کھا رہا تھا۔

"اچھا بتاؤ، کیا کھاؤ گے؟" ولی نے اُس کا دل پسند موضوع چھیڑا۔

"تمہارے فریج اور تمہارے خانساماں کا موڈ دیکھ کر بتایا جا سکتا ہے۔" وہ فٹا فٹ اُٹھ کر باہر نکلا اور ولی مسکرا دیا اور آنکھیں موند کر بیڈ سے سر ٹکا دیا۔

ذہن کے پردے پر دو سبز کانچ سی آنکھیں جھلملائی تھیں۔ کون؟

اُس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

آج یہ کوئی چوتھی بار ایسا ہوا تھا کہ اُسے دو آنکھیں بار بار ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

"چکن چاؤمن، فرائیڈ رائس، نگٹس اور بس، فرنی سے کام چل جائے گا۔" ٹی ٹو، نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اُس کے پیچھے اندر آتے خانساماں کے چہرے پر ناگواری تھی۔ عبدالولی نے بڑی مشکل سے مسکراہٹ چھپائی۔

"سر! یہ آپ کے دوست جو مینیو کہہ رہے ہیں، یہ تو بیگم صاحبہ نے مجھے لکھ کر نہیں دیا تھا۔" خانساماں نے عبدالولی سے پوچھا۔

"یار! وہ میرے لئے نہیں ہے۔ تم میرے لئے بغیر گھی کا قیمہ بناؤ، جو اماں جان کہہ گئی تھیں۔" ولی نے کہا۔

"لیکن سر! پھر یہ سب کس کے لئے؟" خانساماں، ٹی ٹو، کو لفٹ کروانے کے موڈ میں نہ تھا۔ کیونکہ ٹی ٹو، جب بھی آتا تھا، ہر گھنٹے کے بعد کچھ نہ کچھ اُس سے نہ صرف بنواتا بلکہ نقص بھی نکالتا تھا۔ اُس سے ولی کے نخریلے تک کو سخت چڑ تھی۔

"یار عاشق! جاؤ، بناؤ۔ مہمان کے لئے ہی بنے گا۔" ولی نے خانساماں کو ٹالا۔ خانساماں عجیب عجیب شکلیں بناتا باہر کو مڑ گیا۔

"یار! یہ........ یہ مسکان کا کیا چکر ہے؟" ٹی ٹو، نے آنکھیں مٹکا کر پوچھا۔

"کون مسکان؟........ کون سا چکر؟" ولی نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا چکر؟ اچھا جی!........ ارے، اُس چکر کے متعلق پوچھ رہا ہوں، جس کے چکر میں مسکان بی بی تین سو چکر تو میرے پاس لگا چکی ہیں۔ ولی کالج نہیں آ رہے؟........ ولی خیریت سے ہیں؟........ ولی

ب آئیں گے؟"

ٹی ٹو نے زنانہ آواز میں نقل اُتاری۔

"اب آپ بھولے بادشاہ بن کر پوچھ رہے ہیں کہ کون مسکان؟" ٹی ٹو، نے باقاعدہ چڑ کر کہا۔ اُسے اگر وہم ہو جاتا کہ کوئی اس سے بات چھپا رہا ہے تو وہ یوں ہی چڑا کرتا تھا۔

"بائے گاڈ۔ آئی ڈونٹ نو۔" ولی نے نفی میں سر ہلایا۔

"آر یو شیور؟" ٹی ٹو، نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"آف کورس!" ولی نے بے نیازی سے کہا۔

"پوزیٹو؟" ٹی ٹو، نے پوچھا۔

"بس، Positive........ اس میں شک کی گنجائش نہیں۔" ولی نے جواب دیا۔

"اچھا! پھر وہ حسینہ کیوں اتنی بے قرار تھی؟ ویسے بائی داوے، یار! کالج کی آدھی حسینائیں تمہارے لئے بے قرار ہیں۔" ٹی ٹو، نے کہا۔

"اور باقی کی آدھی؟" ولی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"باقی کی آدھی........ یار! اپنی بھابیوں کے متعلق ایسے تھوڑی بات کرتے ہیں؟" ٹی ٹو، نے شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مائی گاڈ! آدھا کالج........ ٹی ٹو! حد ہے یار۔" ولی نے کہا۔

"تو کیا ہوا، آدھا کالج میں نے تمہارے لئے چھوڑ دیا ہے۔" ٹی ٹو، نے دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

یا اللہ! یہ کیا انسان ہے؟

"یار! تم باقی کا آدھا کالج بھی اپنے پاس رکھو۔ مجھے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ میں شاید کسی لڑکی میں انٹرسٹڈ نہیں ہو سکتا۔" ولی نے صاف الفاظ میں جواب دیا۔

"کیوں؟........ کیا تم لڑکوں میں دلچسپی رکھتے ہو؟" ٹی ٹو، نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

"لاحول ولا........ تم سے تو بات ہی کرنا سو کا گھاٹا ہے۔ تم یہ کارنیٹو کھاؤ۔" ولی نے جھک کر چھوٹے فریج سے آئس کریم نکال کر اسے دی۔ اُسے ٹی ٹو کا منہ بند رکھنے کا ایک ہی طریقہ نظر آیا تھا، جو کہ بے حد کارگر تھا۔

ٹی ٹو نے لپک کر آئس کریم پکڑی اور کھانی شروع کر دی۔

اب کمرے میں خاموشی تھی۔ ولی نے سکون کا سانس بھرا۔

'یہ مسکان کون ہے؟' اُس کے ذہن نے سوال کیا، اور ولی نے کندھے اُچکا دیئے۔

❖❖○❖❖

ون، ٹو، تھری، فور........ یس! تھوڑا سا اور........ جی، تھوڑا سا اور جھکیں۔ ماہی بے بی! واہ، کیا فگر ہے آپ کا۔ اس کا خیال رکھنا ہی چاہئے۔" جمی نے خوشامدی لہجے میں کہا۔

"جھوٹے! ابھی تم ترنم کی بھی یوں ہی تعریف کر رہے تھے۔" ماہ رخ نے ایروبکس کرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہ، بے بی! تم کس سے جیلس ہوگئیں؟ وہ تو کبھی بھی مقابلہ پر آتی ہی نہیں۔" جمی نے واقعی سچ کہا تھا۔ ترنم تیز میوزک میں بیزار سے موڈ میں شاید زبردستی ورزش کر رہی تھی۔

چاندنی بائی اپنی لڑکیوں کی فٹنس کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اس کے لئے کوچ ڈیلی آتا تھا۔

اب بھی جمی، جو کہ ان کا کوچ بھی تھا، پندرہ لڑکیوں کو ایروبکس کی ورزش کروا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کبھی اُن کی کمر کو پکڑ کر، کبھی ان کو کندھوں سے تھام کر اپنے سارے مزے کرتا تھا۔ جہاں چاہتا، چھوتا تھا۔

"Sleper کے ساتھ مومنٹ کریں۔ یس، یس!........جلدی جلدی، تیزی سے۔ پندرہ کیلوری فی منٹ کے حساب سے برن کرنی ہے۔ جتنا ہارٹ بیٹ کا ریٹ بڑھے گا، کیلوری اتنی ہی برن ہوگی۔" جمی سب کو Motivate کر رہا تھا۔

"گڈ........وری گڈ!" وہ سامنے سے آ کر سائیڈ پر کھڑا ہوگیا، جہاں ترنم کو با آسانی دیکھ سکتا تھا۔ یاقوتی ہونٹ، اُداس سا چہرہ، اس قدر پُرکشش تھا کہ وہ باوجود کوشش کے، اُسے نظرانداز نہ کر پاتا تھا۔

جانے کیسے، ترنم نے اُس کے دل میں اس قدر نرم گوشہ حاصل کر لیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کن لڑکیوں کو ایروبکس کروانے آتا ہے اور ان لوگوں کا کیا کام ہے۔ پھر بھی جانے اس ترنم کے اندر کیسی مقناطیسی کشش تھی، کہ اُس کا من اُس کی ہی جانب کھنچا رہتا تھا۔

❖❖O❖❖

"یا اللہ! یہ پڑھنا بھی کس قدر دشوار ہے ناں؟" ماہی نے کتابیں گھاس پر پھینک کر کہا۔

چاندنی بائی نے سب لڑکیوں کو بہت اچھے کالجوں میں داخل کروایا تھا، تا کہ اُن کی زبان اور اُٹھنے بیٹھنے کا خاص اہتمام ہو سکے۔ ویسے تو سیلف گرومنگ کے لئے ایک ٹیچر بھی آتی تھی، لیکن کالج کی تعلیم اور ڈگری ان لڑکیوں کے ریٹس میں مزید اضافہ کر دیتی تھی۔

"ارے، یہ اُس کام سے زیادہ دُشوار تھوڑی ہے، جو راتوں کو ہم کو کرنا پڑتا ہے؟" ترنم نے اُداسی سے کہا۔

"سامنے پھدکتی چڑیوں کو غور سے دیکھتی ترنم، حسبِ عادت پھر اُداس ہوگئی۔

دو چڑیائیں اپنے بچے کو دانہ چگنا سکھا رہی تھیں۔ کل کو یہ بچہ پھُر سے اُڑ جائے گا اور ماں باپ دیکھتے رہ جائیں گے۔ ترنم کے اندر گھٹن بڑھنے لگی۔

"پلیز ترنم! واپس آ جاؤ........ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ ایک تو یہ جمی کے بچے نے اس قدر ٹف ڈائٹ چارٹ بنا کر دیا ہے کہ ہر وقت، ہر چیز کے لئے ترستے رہو۔ چلو، چل کر حلیب والوں کا گڈ ڈے (جوس) پیتے ہیں۔" ماہ رخ نے ترنم کو اُٹھایا۔ وہ اس قدر نرم و نازک اور کامنی سی تھی، پھر بھی ہر وقت ڈائٹ کانشس رہتی تھی۔

"اب یہ ایپل جوس میں ایک سو بیس اور اورنج میں زیادہ ہیں۔ ہائے، میں یہ ایپل جوس مزید نہیں پی سکتی۔" ماہ رخ نے منہ بسورا۔

ترنم اُس کا چہرہ دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

اُس کی ہنسی اس قدر پیاری تھی کہ آس پاس موجود کئی لڑکیوں نے مڑ کر دیکھا تھا۔ ہنسی کی کھنک میں

بہ خاص بات ضرور تھی۔

"السلام علیکم! میں بھی آپ کی ہی کلاس میں ہوں۔ مجھے یہاں کالج آئے سات دن ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک دوستی نہیں ہوئی، کسی سے۔ کیا میں، آپ لوگوں کا گروپ جوائن کر سکتی ہوں؟" اس لڑکی نے تانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے ہاتھ بڑھایا۔

"گروپ؟........ ارے، ہم تو صرف دو ہی ہیں۔ ہمارا کوئی گروپ نہیں ہے۔" ترنم نے اُسے نظرانداز کیا۔ کیونکہ وہ کسی بھی خاندانی لڑکی پر اپنا سایہ نہ ڈالنا چاہتی تھی۔ ناپاک سایہ!

"ارے کیوں نہیں جوائن کر سکتی؟ خوب صورتی میری کمزوری ہے اور تم تو میری کمزوری کو پورا کرتی ہو۔" ماہ رخ نے بے باک قہقہہ لگا کر اُس شرمیلی اور بہت پیاری سی لڑکی کو کہا اور وہ جواب میں بس مسکرائی تھی۔

ترنم نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

یہ........ یہ لڑکی........اس کا چہرہ کس قدر شناسا سا تھا۔

میں نے اس کو کہیں دیکھا تھا........ یا........ یا اس کی شکل کسی سے ملتی ہے۔

ترنم نے ذہن پر زور ڈالا۔ کہاں........کہاں........؟

ایک دم اُس کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔ اُس کی نظروں میں خون میں لت پت اُس نوجوان کا چہرہ گھوم گیا، جس کو انہوں نے ہسپتال پہنچایا تھا۔

"جی، میرا نام نگینہ ہے۔" نگینہ نے اپنے سنہری ریشمی بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا جو کہ اُڑ اُڑ کر اُس کے چہرے پر آ رہے تھے۔

اُس کے سنہری بال اُس کے چہرے کو بہت مختلف اور خوب صورت لک دے رہے تھے۔

"ہوں، نگینہ........یعنی انگوٹھی کے لئے موتی۔" ماہ رخ نے اسٹرا جوس میں ڈالتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ایسا ہی سمجھ لو۔" نگینہ سادگی سے بولی۔

"تمہارے کون سے سبجیکٹ ہیں؟" ترنم نے پوچھا۔

"انگلش لٹریچر، ایجوکیشن اور فائن آرٹ رکھا ہے........ ایکچولی، میرے بھائی بھی آرٹ کالج میں پڑھتے ہیں۔ اس لئے بس بھائی کے شوق شوق میں، میں نے بھی یہ مضمون رکھ لیا۔" نگینہ نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اوہ! تو تمہارا سبجیکٹ میں تو ترنم سے تعلق رہے گا۔ میں نے تو ایجوکیشن کے ساتھ آسان سے مضمون رکھے ہیں۔ اب یہ انگلش لٹریچر وغیرہ کون پڑھے؟" ماہ رخ نے منہ بنا کر کہا۔

"ارے واقعی! آپ کے، میرے سیم سبجیکٹ ہیں؟" نگینہ نے خوش دلی سے ترنم سے کہا۔

ترنم نے مختصر سی مسکراہٹ اُچھال کر دوسری جانب دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ کسی بھی صورت اس پیاری سی لڑکی کو اپنی قربت سے بچائے رکھنا چاہتی تھی۔

وہ کالج کی ہر لڑکی کو بہت اونچے درجے پر پرکھتی تھی۔ اور اسے ان کے چہروں اور جسموں سے بہت پاکیزہ خوشبو آتی تھی۔ جبکہ اسے اپنے آپ سے ہمیشہ گھن آتی تھی۔ خوب صورت جسم، جس کو ہر روز کوئی نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی گدھ نوچتا تھا۔

کالج میں ایڈمیشن، ترنم نے دوسری بار لیا تھا۔ پہلے ایڈمیشن لیتے ہی اُسے کسی وڈیرے سے کال آئی تھی اور مسلسل اُس جانور کے ساتھ پانچ ماہ رہ کر کوٹھی اور کار لے کر آئی تھی۔ اس لئے پڑھائی کا برائے نام تسلسل ختم ہو گیا تھا۔

اب پھر دوبارہ اُس نے ایڈمیشن لیا تھا۔ اور اب تو ماہ رخ بھی اس کے ساتھ تھی۔

''اوکے، پھر ملاقات ہو گی۔'' نگینہ، ماہ رخ سے باتیں کرتی کرتی ترنم کی طرف مڑی۔

''اوکے......!'' ترنم بس دھیرے سے بولی تھی۔ وہ حسبِ عادت پچھتاوے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وہ لڑکیوں کے اُجلے چہرے اور مسکراہٹوں کو حسرت سے دیکھتی تھی کہ یہ لڑکیاں کس قدر خوش قسمت ہیں۔ گھر سے اپنے ماں باپ کی دعائیں لے کر نکلی ہوں گی۔ گھر واپس آنے تک اُن کی ماؤں کی دعاؤں نے ان کا پیچھا کیا ہو گا......اور میں کس قدر ظالم نکلی۔ میں نے بد دعاؤں کو اپنے پیچھے لگا لیا......مجھ جیسا کوئی بدقسمت ہو گا، جس نے اپنے ہنستے مسکراتے گھونسلے کو آگ لگا لی۔

دو آنسو چپ چاپ اُس کی آنکھوں کے کنارے پر آ اٹکے تھے۔ اُس نے بڑی مشکل سے ان کو ضبط کیا۔ کیونکہ ماہ رخ سے چھپانا مشکل ہو جاتا تھا اور ماہ رخ واقعی اس کے لئے بہت کیئرنگ تھی۔

''کیوں وہم کرتے ہیں؟ وہ مولا کریم، وہ رحمان ذات ہمیشہ آپ کے ساتھ کرم کرے گی۔ ہم نے تو سی غیر کے ساتھ کبھی تلخ کلامی نہیں کی، پھر ہمارا دشمن کون ہو سکتا ہے؟'' روشن آرا نے احمد شاہ کو تسلی دی۔

''لیکن عبدالولی کے حادثے کے بعد بے چینی تنگ کرتی ہے۔'' احمد شاہ نے بیڈ سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

''بس، وہ ایک حادثہ ہی تھا۔ بھول جائیں۔ میرے بچے کو اللہ کی امان۔ وہ خیر سے ہے۔'' روشن آرا نے احمد شاہ کو پھر تسلی دی۔

''ارے، تم تو میرے والا کام (تسلی دینے کا) کرنے لگی ہو۔'' احمد شاہ مسکرائے۔

''کیوں نہ کروں؟ اگر پارٹنرز میں سے کوئی ایک رُکنے لگے تو دوسرے ساتھی کا فرض ہے کہ وہ اپنے اتھی کا ہاتھ اور مضبوطی سے تھام لے۔ ہاتھ چھوڑنے والے تو خود بھی تنہا رہ جاتے ہیں۔'' روشن آرا کی الھیں اپنے شوہر کی محبت کے لئے بے انتہا چمکیں۔

''آپ جیسا رفیقِ زندگی میرے لئے دنیا میں انعام ہے۔ آپ مجھے ہمیشہ ساتھ پائیں گے۔'' انہوں نے محبت سے اپنے شوہر کا ہاتھ تھاما۔ جو احمد شاہ نے اپنے لبوں سے لگا لیا۔ روشن آرا اُن کے لئے واقعی ندگی کی حرارت جیسی تھیں۔

❖❖○❖❖

''ولی! تم نے ہمیشہ سے وہ کام کرنا ہوتا ہے جو کوئی اور نہ کرے۔'' ٹی ٹو نے اسے اتنا مختلف کام رتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''بس یار! آخری سال ہے، دل کرتا ہے کہ ہر قسم کا تجربہ کروں۔ ہر میڈیم میں کام کر کے دیکھوں۔'' لی نے ''کولاج'' کے لئے فوٹوگرافی بھی کر رکھی تھی۔

''اوکے، گڈ لک!'' ٹی ٹو جیسے نکمے طالب علم نے فوراً ہتھیار پھینک دیئے۔ وہ کسی بھی کام میں محنت ر سکتا تھا۔ اُسے صرف اپنا آپ تخلیقی کہلوانے کا شوق تھا، کام کا نہیں تھا۔ ''تمہارا ڈسپلے کدھر لگ رہا ہے؟......اپنے کالج کی گیلری میں؟'' ٹی ٹو نے سوال کیا۔

''نہیں، میں الحمرا میں ڈسپلے دے رہا ہوں۔'' ولی نے اسپرے گن سے کلر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں جی۔ امیر لوگ ہو تم، چاہے اپنے ڈسپلے پیرس میں دو، تم کو کون سا فرق پڑنے والا ہے۔'' ٹی ٹو نے حسبِ عادت اُسے امیر ہونے کا طعنہ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے باپ نے جو کچھ حاصل کیا ہے، وہ محنت سے اور ایمان داری سے حاصل کیا ہے۔ اور میں بھی ''پلیٹ سجنے'' کا انتظار کرنے والا آدمی نہیں ہوں، ٹی ٹو!'' ولی کے لہجے میں بے انتہا مضبوطی تھی۔

ولی نے احمد شاہ سے ہر اچھی خوبی لی تھی اور اس پر ولی کو فخر بھی تھا کہ وہ ایک غیر معمولی اوصاف رکھنے والے شخص کا بیٹا تھا۔

''عبدالولی شاہ.........سن آف احمد شاہ۔ کبھی بھی اپنے والد کو شرمندہ نہ کرے گا....... میں ہر کام بہت لگن اور ایمان داری سے کرنے کا قائل ہوں۔'' عبدالولی نے ٹی ٹو کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹی ٹو دل ہی دل میں اُس کی بات کا قائل ہو گیا تھا۔ تین راتوں کا رت جگا اُس کی آنکھوں میں واضح تھا۔

''یہ بالکل درست ہے، جو ''محنت'' کا بیج بوتا ہے، صرف وہ ہی کامیابی کا پھل حاصل کرتا ہے۔''

''تمہارے کام کا ٹاپک کیا ہے؟'' ٹی ٹو، نے اپنے نکتے پن کی شرمندگی مٹانے کے لئے پوچھا۔

''محبت۔''

عبدالولی نے ٹرائی ٹرے سے شیٹ نکال کر سکھانے کے لئے، کلپ کرتے ہوئے جواب دیا۔

❖❖○❖❖

پس چہ باشد عشق، دریائے عدم
در شکستہ عقل را آنجا قدم

(عشق کیا ہے؟ فنا کا دریا ہے۔ وہاں عقل کے پاؤں ٹوٹ جاتے ہیں)

پندرہ منٹ سے زیادہ ہو گئے ہوں گے۔ وہ بت سی بنی اسی تصویر کے پاس کھڑی تھی۔

کالاج ورک میں آرٹسٹ نے بے حد خوب صورت ایبسٹرکشن میں میں شعر کو پورٹریٹ کیا تھا۔

''ترنم! آئی ایم گیٹنگ بور۔'' ماہ رخ نے بیزار سے انداز میں کہا۔

''چلو بھی........آج میرا پارلر اپائنٹمنٹ بھی ہے۔'' ماہ رُخ نے اُسے کھینچا۔

''آں........ ہاں........چلو!'' ترنم کھوئی کھوئی سی اُس کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔ تبھی اُس کی کر سے زور کی ٹکر ہوئی۔

''سوری........آئی ایم ریئلی سوری!'' ٹکرانے والے نے ترنم کا ہینڈ بیگ اُٹھا کر اُسے تھمایا۔

ترنم یک ٹک اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ شاید وہ مسمریزم میں تھی۔

''سوری مس!'' وہ ایک بار پھر کہتا آگے نکل گیا۔ بغیر ٹھٹکے، بغیر رکے! ایک نگاہ کے بعد دوسری نگا سنبھال کر نکل گیا تھا۔

حیرت ہے۔ کیسا بور لڑکا تھا؟'' ماہ رخ نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔ کیونکہ اُن دونوں کو جنسِ مخالف نہیں بے خود ہو کر دیکھتی تھی، بلکہ عورتوں کا حال بھی ایک سا ہوتا تھا۔

دونوں کا غیر معمولی حُسن ایک بار تو ضرور رُکنے پر مجبور کرتا تھا۔ گیلری میں تقریباً سب ہی لوگوں توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں۔

''کیا آدمی تھا........ بالکل بھی نہیں دیکھا۔'' ماہ رخ کو باقاعدہ محسوس ہوا تھا۔ اسے اپنا آپ دکھا لڑ کے پیچھے لگانا بہت پسند تھا۔

''ہاں۔ وہ ''آدمی'' تھا۔'' ترنم نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ ''ان جانوروں کی دنیا میں، آدمی۔ '' آدمی ہونا کس قدر خاص بات ہے ناں؟'' ترنم نے سوال کیا۔

''اُف! تم کس طرح کی ٹیڑھی باتیں کرتی ہو، جلیبی کی طرح مشکل۔ براہِ مہربانی کبھی ٹو دا پوائنٹ بھی بات کر لیا کرو۔'' ماہ رخ نے چڑ کر وہیں اُسے لیکچر پلا دیا۔

''اچھا بابا! چلو۔'' ترنم نے آس پاس متجسس نظروں کو محسوس کر کے اُسے چلنے کا اشارہ کیا۔

❖❖○❖❖

ماں کی محبت!

خود سردی میں ٹھٹھرتی اپنی چادر میں اپنے بچے کو لپیٹے۔ یہ قربانی صرف اور صرف ماں کی ہو سکتی ہے۔

ماں کی محبت، بچے کی محبت، محبوبہ کا محبوب کے لئے پجارن کا روپ، آسمان کی زمین کے لئے محبت!

یہ سارا ٹاپک محبت پر ہی گھومتا تھا۔ ترنم نے ایک بار پھر تصویروں پر نظر دوڑائی۔

آج تسلسل تیسرا دن تھا اُسے یہاں آتے، جاتے۔ کیوں وہ ایک ایک تصویر کے پاس گھنٹوں کھڑی ہوتی تھی؟ پھر اکثر وہ ''ماں کی محبت'' کے ٹاپک پر بنی تصویر کے پاس ٹک جاتی تھی۔ کبھی اُس تصویر کے پاس کھڑی ہو جاتی، جس کا بیک گراؤنڈ گہرا نیلا تھا اور روشنی کا گولا اُس اندھیرے میں سے نکل رہا تھا۔ روشنی کے کئی رنگ تھے۔

اس تصویر میں کوئی شکل وغیرہ نہ تھی لیکن رنگوں کا جادو دیکھنے والے کو جکڑ لیتا تھا۔

''یار! یہ ''قیامت'' روز یہاں آتی ہے، چار چار گھنٹے کھڑے گزار دیتی ہے۔ ہو نہ ہو، یہ تمہارے چکر میں ہے۔'' ٹی ٹو نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''ٹی ٹو! لڑکیوں کو صرف ایک ہی نظریے پر نہ پرکھا کرو۔ خدا کے لئے کسی کو چھوڑ دیا کرو۔'' ولی کا ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں تھا، دوسرے سے وہ بار بار اپنے ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کر رہا تھا۔

''تم........تمہاری نظر ٹھیک ہے؟'' ٹی ٹو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیوں؟'' ولی نے پوچھا۔

''تم کو واقعی یہ مخلوق نظر نہیں آتی، جو تمہارے اردگرد منڈلاتی رہتی ہے۔'' ٹی ٹو نے دروازے سے اندر آتی مسکان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اور تمہیں........تمہیں صرف یہ لڑکیاں دکھائی دیتی ہیں۔'' ولی نے کہا۔ ''یار! یہ لڑکیاں قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ تم اس بات کا خیال کیوں نہیں رکھتے؟'' ولی نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا ان کو دیکھنے سے احترام ختم ہو جاتا ہے؟'' ٹی ٹو نے اُس کی بات اڑائی تھی۔

''بالکل! ان کے معصوم چہروں پر بار بار غلط اور گندی نگاہ ڈالنے سے ہم ان کو کس قدر بے کشش کر دیتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔'' ولی نے اپنی طرف سے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اوہ، اللہ کے بندے! ان کو چاہئے ناں کہ یہ لوگ پیسٹری بن کر نہ نکلیں، نہ تمہاری ہماری رال ٹپکے۔'' ٹی ٹو نے اپنے مؤقف پر زور دیا۔

''پہلے جملہ درست کر لو۔ صرف تمہاری رال۔'' ولی نے برا مناتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوکے۔'' ٹی ٹو نے ولی کا موڈ خراب دیکھ کر فوراً سوری کہا۔ ''لیکن یار! تم کیا آدمی ہو؟'' ٹی ٹو پھر چھیڑنے سے باز نہ آیا۔

''ہاں .... صرف آدمی۔'' عبدالولی کا لہجہ ٹھوس تھا۔

اور اُن کی پشت پر کھڑی ترنم نے جی بھر کر اُس کے خوبرو سراپے کو دیکھا۔ اُس کی باتیں، اُس کے خیالات کتنے بلند تھے۔ اپنی آنکھوں سے دل میں اُتارتے، وہ اسے دیکھے جا رہی تھی، تبھی ولی نے مُڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا آپ ہر جگہ، ہر تصویر، ہر شخص کو اتنے ہی غور سے دیکھتی ہیں؟''

ولی کا سوال اس قدر اچانک تھا کہ ترنم سے کوئی بہانہ نہ بن پا رہا تھا۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ وہ نوٹس لئے بغیر ہی گزر جاتا ہے۔ اور اب بھی وہ ہرگز بے خبر نہ تھا۔

یہ ولی کی واقعی خاص عادت تھی کہ وہ صرف ایک نظر میں ایک ہی چیز پر غور کر لیتا تھا۔ کوئی چیز یا منظر اُس کی عام سی نگاہ سے بچ نہ پاتا تھا۔

''وہ، میں .... میں آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔'' ترنم نے کچھ نہ سوجھتے، بہانہ گھڑا۔

''کیا؟ میری پینٹنگز آپ کو بہت پسند آئی ہیں، کیا ان کے متعلق؟'' ولی نے عام سی نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ اب کے ایک بار پھر ترنم چونکی۔

وہ ہرگز ''بے خبر'' نہ تھا۔ حیرت ہے، پھر بھی یہ۔ مجھے کیوں نہ محسوس ہوا کہ یہ متوجہ ہے۔ ترنم نے حیرت سے پھر سوچا۔

''نہیں.... میں تو صرف یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آپ پر جن لوگوں نے حملہ کیا تھا، کیا وہ پکڑ لئے گئے؟''

اس بار چونکنے کی باری ولی کی تھی۔

ولی عام فہم اور یادداشت رکھنے والا لڑکا نہ تھا، بلکہ اُس کی یادداشت بہت اچھی تھی۔ اُس کے ذہن کے پردے پر وہ اُداس آنکھیں چمکیں۔

''لیکن اگر آپ کچھ دیر وہاں ٹھہرتیں تو میں اپنے محسن کا شکریہ تو ادا کر سکتا۔'' ولی کے سپاٹ چہرے پر بہت نرم سی مسکراہٹ آئی۔ ''میں آپ کا مقروض ہوں۔'' وہ مزید گویا ہوا۔

ترنم اب حیران ہرگز نہ ہوئی تھی۔ بے شک وہ ایک غیر معمولی ذہن کا مالک لڑکا تھا۔ اسی لئے تو اس نے کوئی عام سوال، جیسے ''آپ ہی وہ تھیں، جس نے مجھے بچایا؟ نہ کیا تھا بلکہ پہچان کر بہت شستہ انداز میں شکریہ ادا کیا تھا۔

''میں شکریہ کہنے کی قائل نہیں ہوں۔'' ترنم نے کہا۔ جانے کیوں، اُس کا دل اُس سے بات کرنے کو چاہ رہا تھا، اس لئے اُسے وہ تنگ کرنے کے موڈ میں کھڑی ہو گئی۔

''تو .... تو آپ کے اُس اتنے بڑے اور اچھے عمل کے لئے میں کیسے شکریہ ادا کروں؟'' ولی نے بھی دلچسپی سے پوچھا۔

دور کھڑی مسکان کچھ سن تو نہ پا رہی تھی، لیکن ولی کے چہرے پر پہلی بار کسی لڑکی کے لئے مسکراہٹ، مسکان کو بے چین کر گئی تھی۔

''میرے لئے .... کیا آپ میرے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں؟'' ترنم نے پوچھا۔

''بالکل۔ میں اپنی محسن کا شکریہ عملی یا زبانی جیسے وہ چاہے، ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری اور مجھ سے جڑی زندگیوں کے لئے بہت احسان کر گئی ہیں۔'' ولی دھیمے اور مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

''کیا آپ، میرے لئے دعائے خیر کر سکتے ہیں؟'' ترنم نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

''جی ....؟'' ولی کو اُس کے انداز اور بات نے چونکا دیا۔

''جی! .... جی ہاں! میں اس رُوئے زمین کی وہ واحد لڑکی ہوں، جس کے لئے کوئی ہاتھ دعا کے لئے نہیں اُٹھتا۔ یہاں تک کہ میری اپنی دعاؤں کے پاؤں ٹوٹے ہیں۔'' ترنم کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔

جانے وہ کس کیفیت میں تھی کہ وہ خود نہ جان سکی کہ کیسے ایک لمحے میں وہ ایک اجنبی کے سامنے عیاں ہو گئی۔

''تو کیا آپ، میرے لئے دعائے خیر کریں گے؟'' ترنم نے جھکے سر کو اُٹھایا تو وہاں کا ابر آلود موسم غائب تھا۔ اب وہاں چمکتی دُھوپ جیسی مسکراہٹ تھی۔

''ارے!'' ولی دل ہی دل میں چند پل میں بدل جانے والے موسم پر حیران ہوا۔ ''میرے والد صاحب اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے، جس کا مطلب ایک حدیث شریف میں ہے ''کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے، لیکن تمہارے قلوب کو دیکھتے ہیں۔'' یعنی

ما بروں راتیکر وقال را
ما دروں را نگریم و حال را

''تو مس ....!'' ولی نے رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ترنم۔'' ترنم نے کسی مسمریزم میں جواب دیا۔

''تو ہاں مس ترنم! اصل شے ''قلب ہے۔'' ولی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''میں کہاں انکار کرتی ہوں؟ واقعی، بات ساری اس قلب کی ہے۔ انسان اس قلب کی ہی تو ہوس، سیاہ کاری اور سرکشی تا عمر بھگتا کرتا ہے۔ میں کہاں انکار کرتی ہوں۔'' ترنم کہہ کر رکی نہیں اور ولی حیران نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

پہلے اُس کی نظروں میں حیرانی تھی، پھر ایک دم بڑی جاندار مسکراہٹ اُس کے لبوں پر آن ٹھہری۔

''کچھ خاص اور بالکل انوکھا ہے اس لڑکی میں .... واقعی بات ہے اس لڑکی میں!'' ولی ایک بار پھر مسکرایا۔

دور کھڑی مسکان، ولی کے چہرے کو کسی اہم کتاب کی طرح پڑھتی جری طرح چونکی تھی۔

اُس کا دل بے اختیار ڈوبا تھا۔

ولی کو پہلی بار کسی لڑکی کے لئے یوں مسکراتے دیکھا تھا۔

مسکان کو وہاں کھڑا رہنا دوبھر لگا۔ اُس نے سائرہ کا ہاتھ بہت مضبوطی سے تھام لیا۔

''آر یو آل رائٹ؟'' سائرہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''یس!'' مسکان نے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو نُو، نُو کی آوازیں لگاتا نیچے، اور نیچے ڈوبا جا رہا تھا۔

❖❖○❖❖

"مسکان! تمہیں پتہ ہے، پرسوں جو اسائنمنٹ جمع کروائی تھی، اُس کے نمبرز کی لسٹ لگ گئی ہے۔" سائرہ تیزی سے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "ارے، تمہیں پتہ ہے، کدھر لگی ہے؟" سائرہ نے پوچھا۔ کیونکہ وہ خود تو آج کل **Sculpture** کی ورکشاپ لے رہی تھی۔ شاید ابھی ابھی وہ کالج آئی تھی۔

"نہیں......" مسکان کھوئے کھوئے انداز میں بیٹھی پنسل پکڑے اسکیچ بک پر آڑی ترچھی لائنز لگا رہی تھی۔

"نہیں؟......لیکن کیوں نہیں جانتی تم؟......تم تو صبح سے کالج آئی بیٹھی ہو، پھر لسٹ دیکھنے کیوں نہ گئیں؟" سائرہ باقاعدہ اُس سے پوچھ گچھ کرنے لگی۔

"بس، دھیان نہیں گیا اور پتہ بھی نہیں چلا۔" مسکان نے لاپروائی دکھائی۔

"اور منی ایچر کی کلاس لی تم نے؟......سر نے ٹریسنگ پاس کر دی تمہاری؟" سائرہ نے اکٹھے دو سوال کیے۔

"نہیں۔" مسکان کی طرف سے کورا جواب آیا۔

"نہیں؟ لیکن کیوں؟" سائرہ نے بے حد پریشانی سے پوچھا۔ مسکان بہت لائق اور محنتی لڑکی تھی۔ اُس کی اس قدر بے پروائی اُسے کلاس میں نمبرز میں نیچے لا سکتی تھی۔ یہاں تو ہر اسائنمنٹ کے بعد فیصلہ ہو جاتا تھا، کون کتنے پانی میں ہے۔

"پلیز! کچھ تو بولو۔" سائرہ نے اسے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

ہر روز سفر کرتی ہوں میں دیکھ کے اُس کو
وہ شام کا تارا مجھے بھٹکائے بہت ہے

"مسکان!" سائرہ کی آنکھیں دُکھ سے پھیل گئیں۔ "میری جان! یہ تم نے کیا روگ پال لیا ہے؟ وہ تمہاری اس شدت سے بے خبر ہے اور تم اس شدت میں خود کو جلا رہی ہو۔ پلیز! تم اپنے آپ کو سنبھالو۔" سائرہ نے اس کے کندھوں پر اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

"سائرہ! میں کیسے اپنے آپ کو سنبھالوں؟ جب جب کسی چیز کا سہارا لے کر خود کو بہلا کر کھڑی ہوتی ہوں، میرا دل مجھے پھر اسی کی جانب دھکیلتا ہے...... یہ لمحے، یہ دن بس یوں ہی لڑھکتے، بھٹکتے گزر رہے ہیں اور وہ پتھر، بے خبر ہے۔ اُس کی بے خبری میری موت کی خبر ہوتی جا رہی ہے۔" مسکان کا ضبط چھوٹ گیا تھا۔ وہ باقاعدہ رونے لگی۔

سائرہ نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ شکر تھا، ابھی جو دو اسٹوڈنٹس اپنا لاکر کھولے سامان نکال رہے تھے، باہر جا چکے تھے اور کمرہ خالی تھا۔

"پلیز مسکان! ایسے نہ کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" سائرہ نے مسکان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"پھر......پھر کیا کروں میں؟ وہ مجھے ہمیشہ اگنور کر دیتا ہے۔" مسکان نے بے بسی سے پوچھا۔

"آخر ایسی کیا بات ہوئی، جو تم اپنے ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھی ہو؟" سائرہ نے پوچھا۔

"میں گرافک اسٹوڈیو گئی تھی۔ وہاں وہ پہلے سے موجود اپنی پلیٹ کی ایچنگ کر رہا تھا۔ میں نے جا کر اُس سے ہائے، ہیلو کی اور اُس کے کام کی تعریف بھی کی۔ میں ...... میں صرف اُس سے بات کرنا اور مزید ملنے کا بہانہ چاہتی تھی۔ لیکن وہ کس مٹی کا بنا ہے؟...... اتنا سپاٹ، میری باتوں کا ٹو دا پوائنٹ جواب دے کر اپنے کام میں اس طرح سے مگن ہوا کہ جیسے میں وہاں تھی ہی نہیں۔" مسکان کے رونے میں تیزی آ گئی تھی۔

"میری شخصیت اس طرح اگنور کرنے والی تو ہرگز نہیں ہے۔ کالج کے کتنے ہی لڑکے میرے اسٹیٹس، میری ذہانت اور میری خوب صورتی کی وجہ سے توجہ مانگتے ہیں۔ لیکن وہ ولی اتنا پوز کیوں کرتا ہے؟...... اُس دن گیلری میں کیسے اُس سبز آنکھوں والی لڑکی سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا تھا۔" مسکان کے لہجے میں جلن کی بُو تھی۔

"دیکھو مسکان! یہ ون سائیڈڈ محبت، بڑا خوار کرتی ہے۔ میرا خیال ہے، تم حقیقت پسند بنو اور اُس کی جان چھوڑ دو۔" سائرہ نے اُسے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"نہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ میں اپنے آپ کو بہت بے بس پاتی ہوں۔" سائرہ کے اتنا سمجھانے کے باوجود مسکان کا جواب بہت ہوپ لیس تھا۔

"تو پھر کیا ممکن ہے؟" سائرہ نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے اپنی محبت پر یقین ہے، وہ بے ثمر نہیں رہے گی۔" مسکان کی آنکھوں میں بہت عجیب سی چمک تھی، جیسے اُسے کوئی راستہ سوجھ گیا ہو۔

❖❖○❖❖

"میرا خیال ہے کہ میرا چہرہ بہت فوٹو جینک ہے۔" ماہ رخ نے آئینہ کے آگے کھڑے ہو کر کہا۔

"یہ خیال اچانک کیسے تشریف لایا؟" ترنم نے اپنی کتابوں کو سمیٹ کر رکھتے ہوئے پوچھا

"وہ کالج کا فوٹو گرافر ہے ناں، ماجد۔ اُس نے کہا ہے۔" ماہ رخ نے جواب دیا۔

"تم تو جانتی ہو، اندر کی بات۔ وہ فوٹو گرافر کم، بلیک میلر زیادہ ہے۔ معصوم، شریف لڑکیوں کی بینا بازار میں تصویریں اُتار کر اُن کی تصویریں کیسے کیسے استعمال کرتا ہے۔" ترنم نے دُکھ اور غصے سے کہا۔

وہ جس جگہ موجود تھیں، وہ جگہ ہر کرپٹ آدمی کی راہ گزر تھی۔ اس لئے اُنہیں دو نمبر آدمیوں کی ہر پل خبر رہتی تھی۔

"تم میری جان! یہ کیسے بھول جاتی ہو کہ ہم شریف لڑکیاں نہیں ہیں۔" ماہ رخ نے اُس کا مذاق اُڑایا۔ "اور جس چیز کا خطرہ ان شریف چوزیوں (کالج کی ڈری سہمی لڑکیوں کو ماہ رخ ایسے ہی بلاتی تھی) کو ہوتا ہے، وہ ہمیں نہیں ہو سکتا...... بھئی، یہ تو ہمارا فیملی بزنس ہے۔" ماہ رخ اپنی ایک آنکھ دبا کر ہنسی۔

"پھر ہم تو......"

"پلیز! چپ ہو جاؤ۔" ترنم نے ماہ رخ کا جملہ کاٹ کر کہا۔ "میں، تم میں سے نہ تھی۔" اُس کی آواز کسی گہری کھائی سے آئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”تم چاہے مانو یا نہ مانو، لیکن اب تم ہم میں سے ہی ہو۔ اور تم کبھی اپنے آپ کو اس زندگی اور ہم سے الگ نہیں کر پاؤ گی۔“ ماہ رخ نے غصے سے کہا۔

ترنم کا سارا وجود لرز رہا تھا۔ اُس نے فوراً پانی کا گلاس چڑھایا۔

”سوری ترنم! میں، تم کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن تم ہر وقت ان شریف زادیوں کے غم اور طرف داری میں مبتلا نہ رہا کرو۔“ ماہ رخ نے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”میں بولتا ہوں ، مجھ پر الزام ہے بغاوت کا
میں چپ رہوں تو بڑی بے بسی سی ہوتی ہے“

ترنم نے افسردگی سے کہہ کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور بیڈ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندھ لیں۔

”ترنم! سوری۔“ ماہ رخ بولی۔

”پلیز ماہ رخ! میری طبیعت بہتر نہیں ہے۔ تم کچھ دیر مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“ ترنم کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

”او کے......“ ماہ رخ نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ترنم کو پھر پچھتاوے کا دورہ پڑا تھا۔

❖❖○❖❖

”چاندنی بائی! تم کیوں مائنڈ کرتی ہو؟“ ماجد نے شرارت سے پھر اُس کی چڑ ”بائی“ ساتھ لگا کر کہا۔

”دیکھو لڑکے! خبردار جو مجھے یوں بلایا۔ میڈم چاندنی بولا کرو۔“ چاندنی بائی آج کل کانشس ہو گئی تھی۔ اب اپنے ساتھ وہ بائی کے بجائے ”میڈم“ لگا کر خوش ہوتی تھی۔ میڈم چاندنی کے تیور بگڑتے دیکھ کر ماجد نے بات پلٹی۔

”او کے میڈم! آئندہ غلطی نہ ہو گی۔“

”ٹھیک ہے، لاؤ تصویریں۔ ماہی بتا رہی تھی کہ کئی لڑکیاں چھوٹے شہروں اور گاؤں سے پڑھنے آئی ہیں اور ہاسٹل میں ہیں۔ ہمارے لئے خوش آئند بات یہ ہے کہ وہ شہر کی آب و ہوا دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئی ہیں۔ فیشن اور ہاسٹل کی آزادی نے اُن کو اپنے راستے سے ہٹا دیا ہے۔ اب بھٹکانا ہمارا کام ہے۔“ وہ بڑا مکروہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔

”اچھے سے، خوب صورت لڑکے کھڑے کرو کالج کے باہر۔ گاڑی وغیرہ بھی مل جائے گی۔“ میڈم چاندنی نے مزید حکم دیا۔

”لیکن میڈم! کالج کا چوکیدار ذرا سخت ہے۔ بہت پوچھتا ہے کہ یہاں کیوں کھڑے ہو؟ میری بات ذرا الگ ہے۔ میں تو اُن کے کالج کے فنکشن میں تصویریں اُتارتا ہوں، اس لئے میرے آنے جانے پر پابندی نہیں ہے۔“ ماجد نے اپنی پرابلم بتائی۔

”چھوٹی عقل کی بڑی پریشانیاں!“ میڈم چاندنی نے طنز کیا۔ ”ارے کہہ دیں کہ اپنی بہنوں کو پک کرنے آتے ہیں۔ دکھانے کو ماہی یا ترنم کو کبھی کبھار برقع چادر اوڑھ کر اُن کے ساتھ آ جائیں گی...... ویسے اس سال اکٹھی چھ لڑکیاں میں کالج میں داخل کروانے والی ہوں۔ اسی طرح تو ہمارا کام بڑھے گا میڈم چاندنی مسکرائی۔ ”کون سا کسی کی ماں نے آ کر اپنی بچیوں کی خبر لینی ہوتی ہے۔“

اُس کی مسکراہٹ نہایت خطرناک تھی۔

جانے کتنی ہی لڑکیاں اور گھر اُس کے ہاتھوں برباد ہوئے تھے۔ صرف اور صرف بے خبر ماؤں کی وجہ سے۔

❖❖○❖❖

”پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ بڑا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا
دست گیری میری تنہائی میں تُو نے ہی تو کی
میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا“

بابا جی کی شیریں آواز کسی جادو کی طرح دونوں کو جکڑے کھڑی تھی۔ بابا جی جا نماز بچھائے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے، دھیرے دھیرے بولتے کتنی ہی دیر سے مگن بیٹھے تھے۔

احمد شاہ اور روشن آرا احترام سے دروازے کے پاس چپکے کھڑے تھے۔

”السلام علیکم، احمد شاہ!“ بابا جی نے مڑے بغیر کہا۔

”وعلیکم السلام! لیکن آپ کو کیسے خبر ہوئی؟“ احمد شاہ نے حیرانی سے پوچھا۔

بابا جی بس دھیرے سے مسکرائے تھے۔

”اس نیک بخت کو بٹھاؤ، احمد شاہ! یہ ہمارے لئے بہت اہم مقام رکھتی ہے۔“ بابا جی نے چٹائی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس چھوٹے سے کمرے میں کوئی کرسی، موڑھا وغیرہ کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن روشن آرا کو وہ اپنی جگہ پھر بھی بجی سی لگی تھی۔ اللہ کے پیارے بندے سے بجی ہوئی۔

”آؤ، پیاری بیٹی!“ بابا جی نے روشن آرا کے احترام میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”پلیز بابا صاحب! آپ شرمندہ نہ کیا کریں۔“ روشن آرا نے شرمندگی سے کہا۔ بابا جی کا یوں اُن کو ولوکول دینا۔ وہ اکثر شرمندہ ہو جاتی تھیں۔

”نہ پیاری بیٹی! تم کو ہم کیسے شرمندہ کر سکتے ہیں؟ تم نے تو وہ کام کیا ہے جو ”تمہارا اصل“ ہے۔ اپنے ”اصل“ کا حق ادا کیا۔ تم تو بہت اہم ہو، اُس رحمٰن کریم کی نظر میں۔ پھر ہم کون ہوتے ہیں کہ تمہارے شایانِ شان سلوک نہ کریں۔“ وہ دھیمے دھیمے اور رُک رُک کر بولے۔

”بابا جی! گاؤں کے بچے کیوں پڑھانا کم کر دیئے؟“ احمد شاہ ابھی جو خبر سن کر آ رہے تھے، سوال کر اٹھے۔

”بس بیٹا! بڑھاپا مجھے اتنا دور چلنے سے معذور کر دیتا ہے۔“ انہوں نے مزید دھیمی آواز میں جواب دیا۔

”تو پھر آپ گاؤں کے بچوں کو یہاں، اپنے پاس بلا کر پڑھا دیا کریں۔ یہ سب کا اصرار بھی ہے۔“ احمد شاہ نے کہا۔

”نہ بیٹا جی! میں کیسے یہ بے ادبی کر سکتا ہوں؟ میں اہم نہیں ہوں، جو خلقِ خدا کو تنگ کر کے یہاں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنی دور بلاؤں۔ بس، جب تک خود میں ہمت تھی تو میں خود جایا کرتا تھا۔ اب ہمت بے وفائی کرتی ہے۔ میں ان بچوں کو اس جنگل سناٹے میں بلانے کے حق میں نہیں ہوں۔" وہ مزید گویا ہوئے۔

"لیکن گاؤں والے اپنی "لڑکیوں اور بچوں" کے معاملے میں آپ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے اور انہوں نے مجھے سفارش کے لئے مجبور کیا ہے۔" احمد شاہ نے کہا۔

"اُن کے لئے اللہ تعالیٰ جلد کسی اُستانی کا بندوبست کر دیں گے۔ ویسے میری ایک دو شاگردہ کچھ نہ کچھ بوجھ اُٹھا رہی ہیں۔" بابا جی نے تسلی کے انداز میں بتایا۔

"بابا جی! پھر بھی اُن کو کوئی تسلی ضرور دیں۔ ویسے ہی کچھ ان کی بے چینی ختم کرنے کے لئے وعدہ کر لیں کہ کچھ عرصے بعد آپ پھر سے پڑھانا شروع کر دیں گے۔" احمد شاہ نے پھر سفارش کی تھی۔ جس طرح رحیم خان اور کچھ لوگوں نے ان سے اصرار کیا تھا کہ بابا جی راضی ہو جائیں، احمد شاہ بھی بابا جی سے اصرار کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

("اللہ کے نزدیک یہ بڑی بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جس کے مطابق عمل نہ کرو")

بابا جی نے نظریں جھکائے جھکائے ایک آیت پڑھی تھی۔

"پیارے بیٹے! اس آیت میں وعدہ اور قول دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ وعدہ اور قول کہہ کر پورے نہ کئے جائیں تو وہ رحمٰن کریم پسند نہیں کرتا ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں، بابا جی! بس اُن کے چھوٹے ہوتے دلوں نے مجھے ایسا کہنے پر مجبور کیا تھا۔ میں ایک بار پھر معافی چاہوں گا۔" احمد شاہ میں یہ بہت پیاری ادا تھی کہ وہ بہت جلد غلط کو غلط مان لیتے تھے۔ ہٹ دھرمی سے غلط پر جمے بیٹھے نہ رہتے تھے۔

بابا جی نے مسکراتے ہوئے تسبیح کے دانے گرائے تھے۔ "احمد شاہ! تمہارا ماننے والا عمل اگر مجھ جیسے بندے کو اتنا خوش کر دیتا ہے تو اللہ رحمٰن کی نظر میں کس قدر دل پسند ہوگا، جانتے ہو؟" بابا جی کی نظریں ابھی بھی جھکی ہی ہوئی تھیں۔

"آپ بس میرے لئے اور میرے خاندان کے لئے دعائے خیر کرتے رہا کریں۔ ہمیں آپ کی دعاؤں سے بہت ڈھال رہتی ہے۔" احمد شاہ نے محبت سے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ "آپ کے پاس آ کر، آپ سے دعائیں لے کر ہمیں اپنے والدین کی کمی کا احساس کچھ کم ہو جاتا ہے۔" وہ مزید گویا ہوئے۔

"احمد شاہ! تم نے ولی اور نگینہ کے لئے ہم سے کہا تھا۔ ہم اُن سے ملنے کو بے چین ہیں۔ چھ سال ہو گئے اُن سے ملے ہوئے۔ پہلے ہم میں ہمت تھی اور صحت تھی، لمبا سفر کر کے اُن کو مل آتے تھے۔ اب تم اُن سے ملاقات کرا دو گے تو ہم تمہارے بہت شکرگزار ہوں گے۔" بابا جی کی آواز میں عاجزی اور تڑپ دونوں بہت نمایاں تھیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ اُن کے معاملے میں تو ہم دونوں آپ کے مشکور ہیں کہ آپ نے ہمارے سُونے، تڑپتے دلوں کو زندگی دی۔ میں ان شاء اللہ، بہت جلد ان دونوں کو لاؤں گا۔" احمد شاہ نے وعدہ کیا۔

"میں منتظر رہوں گا۔" بابا جی نے کہا۔

اور وہاں سے گزرتی ہوا نے سرگوشی کی تھی۔

"سنو اے زمین! تم پر جن کا حق اور خون باقی ہے، وہ جلد آئیں گے۔ تم اُن کو مایوس نہ کرنا۔ اس مٹی میں اُن کی جڑیں ہیں........ وہ آئیں گے۔"

"میں منتظر رہوں گی۔" زمین نے پلٹ کر جواب دیا۔ "میں بہت برسوں سے منتظر ہوں۔ کیونکہ میں کسی کا حق اپنے پاس نہیں رکھتی!!

❖❖○❖❖

"ہم مومن بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ مومن ہونا اور مسلمان ہونا اس طرح نہیں ہے کہ جیسے کوئی آدمی چینی یا جاپانی یا گورا یا کالا ہوتا ہے کہ جیسا بھی ہو، وہ چینی اور جاپانی ہی رہتا ہے، یا کالا اور گورا ہی رہتا ہے۔" بابا جی سانس لینے کو رُکے۔

"تم سب نے برسوں مجھ سے قرآن پاک کی تعلیم لی ہے۔ تم لڑکیوں کو خاص طور پر میرا پڑھانے کا مقصد تھا کہ ایک لڑکی، ایک پورے خاندان کے لئے فلاح کا راستہ ہو........ اب تم کو اپنا آپ مسلمان ثابت کرنا ہے، تا عمر!........ صرف مسلمان پیدا ہونے سے انسان مسلمان نہیں رہتا۔ بلکہ ہمارے لئے اللہ پر ایمان بھی ہونا چاہئے۔ مسلمان کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اللہ کی غلامی اختیار کر لی۔ اللہ نے ہمیں اپنا ملازم بنا لیا اور ہمیں غلامی اور ملازمت کے فرائض انجام دینے ہیں۔"

بابا جی ایک بار پھر سانس لینے کو رُکے۔

"بہ حیثیت استاد، میں حرفِ آخر نہیں ہوں۔ تم سب کی سب اپنے اندر کی اچھائی اور علم کو آگے بڑھاؤ........ تم، زینب بی بی! بیاہ کر دوسرے گاؤں جاؤ گی۔ تم وہاں پر تعلیم دو تو وہاں پر دائرہ بڑھے گا۔ اس طرح گاؤں کی باقی چھوٹی بچیوں اور بچوں کے لئے تم سب مل کر کچھ کرو۔ اللہ تعالیٰ برکت دیں گے۔ یوں گھبرا جانا، دل چھوٹا کرنا اچھی بات نہیں ہے۔" بابا جی نے گاؤں سے آئی اپنی شاگردوں اور کچھ بزرگ لوگوں کو سمجھایا۔

"لیکن بابا جی! آپ کی طرح ہماری باتوں میں تاثیر کہاں سے آئے گی؟" رضیہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تاثیر عمل سے آتی ہے۔ تم اللہ کی بات پر عمل کرو۔ تمہارے کہے میں اور بولنے، کرنے میں برکت اور تاثیر آئے گی۔" بابا جی نے اسے سمجھایا۔

"لیکن بابا جی........!" رحیم خان، جو کہ کچھ دن کی چھٹی پر آیا تھا، کچھ کہنے لگا تو بابا جی نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

"بس، تم وہ کرو جو اللہ رحمٰن کہتے ہیں۔

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، رکوع اور سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو۔ اسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو)

اس میں ہمارے آقا نے چار باتیں کہی ہیں۔ ان کو مانتے جاؤ، تم لوگ۔ پہلی بات رکوع و سجدہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

متعلق ہے۔ رکوع کے معنی ہیں، خدا کے آگے جھک جانا اور سجدے کے معنی نماز میں پیشانی اللہ کے آگے ٹیک دینا۔"

وہ پھر سانس لینے کو رکے۔

"اس کے علاوہ ہر بات میں بھی اپنا آپ اُس بڑی ذات کے آگے جھکا دو۔ فلاح تم کو خود سے نصیب ہو جائے گی........ میں مسجد اور مدرسے سے الگ نہیں ہوا۔ بس، میں چاہتا ہوں کہ نئی نسل اپنا کام سنبھال لے۔" انہوں نے تحمل اور نرمی سے اپنی بات کو سمجھایا۔

اور جب سات آٹھ لڑکیوں، عورتوں اور بارہ مردوں کا قافلہ اونچائی اُتر کر گاؤں کی طرف مڑ رہا تھا، اُن کے دلوں میں اِک نئی روشنی تھی۔ کچھ دن پہلے بابا جی کی مدرسے اور مسجد میں غیر حاضری سے جو بے چینی اُن کے دلوں میں آن بسی تھی، اب رخصت ہو چکی تھی۔

"اللہ اکبر........ اللہ اکبر........" عصر کی اذان عبداللہ نے دی تھی، جو بہ مشکل چوبیس سال کا تھا اور جو کچھ دن سے بابا جی کے کہنے پر اذان دینے لگا تھا۔ لیکن سب ناراض تھے۔ لیکن آج سب کے قدم تیزی سے مسجد کی طرف بڑھے تھے۔ کیونکہ بابا جی نے اُن کو سمجھا دیا تھا کہ "دین کے لئے عمر کا زیادہ ہونا ضروری نہیں، اچھے عمل کا زیادہ ہونا ضروری ہے۔"

❖❖○❖❖

"عبدالولی........ یہ کون ہے؟" مسکان کے بابا سائیں نے ماتھے پر بل ڈال کر مسکان کے گارڈ سے پوچھا۔

"سائیں! یہ لڑکا وہاں کالج میں پڑھتا ہے۔ بی بی کی باتوں میں اپنی سہیلیوں سے اُس کا اکثر ذکر آتا ہے۔ غلام نبی نے دھیمی آواز میں بتایا۔ اُس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

مسکان اپنی اتنی کڑی نگرانی کے متعلق نہ جانتی تھی۔ وہ خود بے خبر تھی۔

"کیا اُن میں دوستی ہے؟" بابا سائیں کڑے تیوروں سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں سائیں! دوستی ابھی نہیں ہوئی۔ بس اُس لڑکے کا ذکر زیادہ ہوتا ہے۔" غلام نبی نے سچائی سے بتایا۔

"ہوں!" انہوں نے پُرسوچ ہنکارا بھرا۔ "تم جا سکتے ہو۔" انہوں نے اسے واپس کیا۔

عبدالولی........ یہ نام کتنا شناسا ہے! کس کا تھا؟ .... اب وہ کچھ اور سوچ رہے تھے۔

❖❖○❖❖

پنک کلر کا مختصر سا ٹاپ اور لانگ اسکرٹ، شرٹ نیوی بلیو کلر کی تھی۔ میڈم چاندنی نے یہ ڈریس خاص طور پر ترنم کو بھجوایا تھا۔ آج بڑی خاص پارٹی کو گھیرنا تھا۔ پچھلے پندرہ دن سے ترنم فارغ تھی۔ ایک دم ڈیوٹی لسٹ میں اپنا نام دیکھ کر اُسے پھر ہمیشہ والی بے چینی نے آن گھیرا۔

"تم نے ڈیوٹی لسٹ میں اپنا نام دیکھ لیا تھا تو پارلر جا کر ویکس وغیرہ کیوں نہیں کروایا؟" میڈم چاندنی اس کے سر پر کھڑی چلاّ رہی تھی۔ کام کے معاملے میں وہ کسی کو ڈھیل نہ دیا کرتی تھی۔

"وہ........ وہ، میری کچھ طبیعت خراب تھی۔" ترنم نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

آج اُس کا روزہ تھا۔ وہ شعبان کے سارے روزے رکھ رہی تھی۔ اُسے یاد پڑتا تھا کہ اماں ہمیشہ اس مہینے کے روزے بہت اہتمام سے رکھتی تھیں۔

"آپ ﷺ ہمیشہ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ روزے رکھتے تھے۔ اس مہینے عمر کے پتے جھڑتے ہیں اور ہمارے پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ اس لئے اس مہینے زیادہ تر روزے سے ہوتے ہیں تاکہ اگر موت کا فرشتہ آئے تو وہ اپنے اللہ کے سامنے روزے کی حالت سے ہوں۔"

اماں، سادہ سی، کم پڑھی عورت تھیں۔ لیکن وہ اپنے مذہب سے بہت لگاؤ رکھتی تھیں۔ ایمان فاطمہ (ترنم) کو بھی زیادہ سے زیادہ اچھی بات اور عمل کی طرف کھینچتی تھیں۔

آہ! لیکن وہ کیسے ہمیشہ کے لئے اپنے ایک قدم سے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہو گئی تھی۔ اور اب وہ اپنے محور سے باہر ہاتھ پاؤں مارتے اِدھر اُدھر لڑھک رہی تھی تو کوئی عبادت، کوئی دعا کسی بھی طرح کام نہ کرتی کہ اُسے دوبارہ محور میں پہنچا دے۔

وہ نافرمان تھی اور اپنے کئے کی سزا بھگت رہی تھی۔

"ترنم!" میڈم چاندنی کی آواز میں نہایت سختی تھی۔ ترنم کی خود سے اور کام سے لاپروائی اُسے بہت دن سے نظر آ رہی تھی اور یہ وہ کسی طور پر معاف کرنے کو تیار نہ تھی۔

"اگر تمہارا حال یوں ہی رہا تو پھر سزا کے طور پر جان کے حوالے کر دوں گی، تمہیں۔ وہ تمہیں رستے پہ لے آئے گا۔" میڈم چاندنی کی دھمکی نہ صرف خوف ناک تھی، بلکہ کارگر بھی تھی۔

ڈیوڈ جان، اُس کا وحشی گندا سا کارندہ تھا۔ جو لڑکی اُس کے حوالے کی جاتی، اُس کے جسم کی بوٹی بوٹی نوچتا تھا۔ دن رات بستر پر رکھتا تھا۔ روح اور جسم گھائل کر کے رکھ دیتا کہ دنوں کوئی لڑکی بغاوت کا نہ سوچتی تھی۔ اس لئے جب جان کے حوالے کوئی لڑکی سات دن کے لئے کی جاتی، وہ تیسرے چوتھے دن ہر کام کے لئے راضی ہو جاتی تھی۔ کوئی بھی لڑکی اُس خبیث سانڈ کے ساتھ گزارا نہ کر پاتی تھی۔ میڈم چاندنی نے اس طرح کے وحشی نما سانڈ کئی پال رکھے تھے۔

"نہ........ نہیں میڈم! میں معافی چاہتی ہوں، اگر........ اگر کوئی شکایت ہو۔" ترنم نے اپنا حلق تھوک سے تر کرتے ہوئے کہا۔ بہرحال وہ جان کو کسی طور پر جھیل نہیں سکتی تھی، جو چار آدمیوں کے برابر بد سلوک کرتا تھا۔

میڈم چاندنی کے چہرے پر بہت مکروہ مسکراہٹ در آئی۔

"گڈ! مجھے تمہاری سمجھ داری سے یہ ہی اُمید تھی........ چلو اُٹھو! پارلر جاؤ اور رات گیارہ بجے کلائنٹ کے ساتھ تمہاری اپائنٹ منٹ، پی سی میں ہے۔ رُوم نمبر سولہ میں۔ اور ہاں........" وہ جاتے جاتے پلٹی۔ "ممی نے تمہاری شکایت کی تھی کہ تم اپنا ورک آؤٹ پورا نہیں کرتیں۔ ایروبکس کی کلاس سے جلدی نکل جاتی ہو۔ آئندہ مجھے ان بے پروائیوں کی خبر نہ ملے۔" میڈم چاندنی نے انگلی اُٹھا کر تنبیہہ کی تھی۔

اور ترنم نے مرے مرے انداز میں اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اُن کے کمرے سے نکلتے ہی ترنم بستر پر ڈھیر ہو گئی۔

آہ! یہ میری سزائے زندگی کب ختم ہو گی؟........ میں، خوابوں کے پیچھے بھاگتی بھاگتی کن ننگی حقیقتوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بیچ آن کھڑی ہوئی! جہاں میری روح، جسم دونوں روز روز بےلباس ہوتے ہیں ....اور جہاں را
دل برباد ہوتا ہے!

❖❖○❖❖

سفر آسان لگتا تھا
دلِ برباد تجھ کو یہ سفر آسان لگتا تھا
اِدھر تُو سوچتا تھا اور اُدھر
آنکھوں سے کوئی خواب چہرہ آن لگتا تھا
مگر خوابوں میں رہنا
خواب جیسی بےحقیقت خوشبوئے صحرا میں رہنا ہے
کناروں سے جو ہو محروم
اس دریا میں رہتا ہے
دلِ برباد ہم نے تو کہا تھا
یہ سفر آسان لگتا ہے
مگر!
مگر آنکھیں بدن سے چھین لیتا ہے!

آہ.......! دو آنسو لڑھک کر اُس کی آنکھوں سے اُس کے خوب صورت چہرے پر آن ٹھہرے۔
جیسے کوئی دعا منظوری اور نامنظوری کے بیچ میں آ کر کچھ پل کو ٹھہرتی ہے۔
جانے اُس کے یہ آنسو کب منظور ہونے تھے۔

❖❖○❖❖

''آخر کیا ہوا اُسے جو اتنے روز سے وہ کالج نہیں جا رہی؟'' مسکان کے بابا سائیں نے مسکان کی آ
سے پوچھا۔

''سائیں! بی بی کھوئی کھوئی رہتی ہے۔ نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے۔ اب تو کچھ روز سے بخار بھی مسلسل
ہے۔ دوا کھانے میں بھی ضد کرتی ہے۔'' آیا اماں نے باقاعدہ شکایت لگاتے ہوئے کہا۔

''تم میری اُس سے بات کراؤ۔'' اُس کے لہجے میں بےانتہا پریشانی تھی۔

''جی بابا سائیں!'' مسکان کی تھکی تھکی آواز فون پر سنائی دی۔

''کیوں ستاتی ہو؟ اپنا خیال کیوں نہیں کرتیں؟'' مسکان کے بابا، جو اپنے علاقے میں بہت مخا
مشہور تھے، اپنی اولاد کے لئے تڑپ اُٹھے تھے۔

''نہیں، بابا سائیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔'' مسکان کی آواز میں کچھ ایسا ضرا
تھا، جس پر وہ مزید بےچین ہو گئے تھے۔

''دیکھو مسکان! تم میں اور بلال میں میری جان اٹکی رہتی ہے۔ بلال کو لے کر میں پہلے سے ہی بہا
پریشان ہوں۔ (بلال کو بچپن سے ہی عجیب سی بیماری تھی۔ وہ اکثر اپنے سارے بدن کو جلتا محسوس کر

اس دورے کے دوران وہ پاگلوں کی طرح اپنے کپڑے پھاڑ دیتا۔ لیکن اُس کے بدن کی جلن تب
ختم نہ ہوتی جب تک وہ تڑپ تڑپ کر بےہوش نہ ہو جاتا) ایسے میں تمہاری طرف سے خیریت کی
نہیں آئے گی تو تم اپنے بابا کو بہت پریشان کرو گی۔'' وہ دکھ سے بولے۔

''نہیں بابا سائیں! میں وعدہ کرتی ہوں کہ اپنا خیال رکھوں گی۔'' مسکان نے اُن کی پریشانی کا خیال
کرتے ہوئے وعدہ کیا۔

''اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ!'' وہ مزید گویا ہوئے۔

''نہیں، تھینک یو پاپا! کبھی ضرورت ہوئی تو آپ کو ہی بتاؤں گی۔'' مسکان کے چہرے پر بھولی بھٹکی
مسکان آئی تھی۔ ''یو آر بیسٹ ان دی ورلڈ، بابا!'' مسکان نے واپس اپنے پرانے موڈ میں کہا۔

بابا سائیں کے دل پر جو بوجھ کچھ دیر پہلے آن ٹھہرا تھا، اُس کے لہجے سے ایک دم سرک گیا تھا۔

''یس، آئی ایم۔'' اُن کا قہقہہ فون پر سنائی دیا۔

اور یہ صرف اُن کا اپنا دل جانتا تھا کہ اُن کا قہقہہ کس قدر بےجان اور کھوکھلا تھا۔

❖❖○❖❖

''ارے! گاڑی بدل لی تم نے۔ اُس نئی ''ہنڈا'' کا کیا بنا؟'' سائرہ نے ڈرائنگ بورڈ اور اپنا بیگ
لیتے ہوئے پوچھا۔ ''مجھے تو معلوم ہی نہیں ہونا تھا، اگر وہ تمہارا ڈراؤنا سا ٹریڈ مارک (ڈرائیور) اس
گاڑی میں نظر نہ آتا۔'' سائرہ نے حسبِ عادت اُس کے ڈرائیور سے چڑتے ہوئے اس کا مذاق اُڑایا۔

''بدلی تو نہیں۔ لیکن یہ نیا ماڈل، بابا سائیں نے گفٹ کیا ہے۔'' مسکان نے بےپروا انداز میں
جواب دیا۔

''کیوں؟'' سائرہ نے پوچھا۔ ''اوہ مائی گاڈ!.........سوری یار! میں بھول گئی، آج تمہارا برتھ ڈے
ہے۔'' سائرہ نے خود ہی یاد کرتے ہوئے سر پر ہاتھ مارا تھا۔ ''سوری یار! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

''رہنے دو۔ تم کو یاد نہیں تھا تو زبردستی کی یہ وِش مجھے نہیں چاہئے۔'' مسکان نے منہ بنا کر اپنا رخ
بدل لیا۔

''ارے، تم خفا ہو گئیں؟ واقعی یار، میں بھول گئی تھی، تمہاری برتھ ڈے۔ کیونکہ میں کہیں اور مصروف
تھی۔'' سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کہاں؟'' مسکان نے رُوٹھے رُوٹھے لہجے میں کہا۔

''کسی کی سرپرائز برتھ ڈے پارٹی میں، جو کہ آج رات زینوا میں ٹھیک آٹھ بجے شروع ہو گی۔''
سائرہ نے سرپرائز دھماکا کیا۔

''کیا؟'' مسکان کی سمجھ نہ آنے پر مسکرائی تھی۔

''ہاں!'' سائرہ اُس کے گلے لگ گئی۔ ''ہیپی برتھ ڈے یو ٹو جانو!''

''تھینکس!'' مسکان نے کہا۔

''تمہارا خیال تھا کہ میں اپنی بارہ سالہ دوستی میں تمہارا برتھ ڈے بھول گئی۔ ویری فنی!'' سائرہ نے
مصنوعی غصہ دکھایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے رات بارہ بجے فون جو نہ کیا، ہمیشہ کی طرح۔" مسکان نے کہا۔

"ارے یار! کبھی کبھی زندگی کے ذائقے بدل بدل کر لینے چاہئیں۔" سائرہ نے اپنی جینز کی جیب سے وِش کارڈ نکال کر مسکان کو تھمایا۔

"اتنا بڑا کارڈ لانے کی کیا ضرورت تھی؟" چھوٹے سے، مِنی سے کارڈ کو دیکھ کر مسکان نے سائرہ کا مذاق اُڑایا تھا۔

"یہ اتنا چھوٹا اس لئے ہے کیونکہ رات تمہارے لئے ایک بڑا سرپرائز گفٹ ہے، جس کو دیکھتے ہی شاید خوشی سے پاگل ہو جاؤ۔" سائرہ نے تجسس پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" مسکان نے پوچھا۔

"انتظار!..... میری جان! تھوڑا سا انتظار۔ ابھی تو چلو تم گرافک اسٹوڈیو۔ سر اکمل کی اسائنمنٹ دینی ہے۔" سائرہ نے اسے اٹھایا۔ جبکہ مسکان سوچ رہی تھی، ایسا کیا تحفہ ہے جو سائرہ اتنا سسپنس پھیلا رہی ہے۔

❖❖○❖❖

تم جو پل بھر کو ٹھہر جاؤ تو یہ لمحے بھی
آنے والے کئی لمحوں کی امانت بن جائیں
تم جو ٹھہر جاؤ تو یہ رات، یہ مہتاب
یہ سبزہ، یہ گلاب اور ہم دونوں کے خواب
سب کے سب ایسے مبہم ہوں کہ حقیقت ہو جائیں
تم ٹھہر جاؤ کہ عنوان کی تعبیر ہو تم
تم سے تلخئ اوقات کا موسم بدلے
رات تو کیا بدلے گی، حالات تو کیا بدلیں گے
تم جو ٹھہر جاؤ تو میری ذات کا موسم بدلے

مسکان کے لبوں پر مسکراہٹ آ کر چپک گئی۔ بلیک کلر میں اُس کا رُوپ دمک رہا تھا۔ وہ خوشی کے رنگ اُس کی شخصیت کو غیر معمولی بنا رہے تھے، جو ولی کو اپنی برتھ ڈے پارٹی پر دیکھ کر اُس کے چہرے پر چھا گئے تھے۔

"تم تو کہتے تھے کہ تم کسی مسکان کو نہیں جانتے۔ اور آج بمعہ گفٹ کے اُس کی پارٹی میں آئے ہو۔" ٹی ٹو نے ولی کو جا پکڑا۔

ولی خوش دلی سے مسکرایا۔ "میں مسکان کے بلانے پر نہیں آیا، یار! وہ دیکھو، طارق کو۔ اُدھر۔" ولی نے اشارہ ایک لمبے سے نوجوان کی طرف کیا۔ "یہ میرا بہت پرانا دوست ہے اور اس نے ہی اپنی بہن کی برتھ ڈے پر مجھے بلایا تھا۔" ولی نے ٹی ٹو کو وضاحت کی، جو کہ پارٹی میں ولی کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔

"لو........ یہ اُس کی سگی بہن تو نہیں ہے۔" ٹی ٹو نے اعتراض کیا۔ "چوتھی جانب سے تم کو ریفرنس سے بلانے کا تُک؟" ٹی ٹو باقاعدہ تحقیق کرنے کھڑا تھا۔

"کم آن، یار! مجھے بھی یہاں آ کر پتہ چلا۔ کچھ عجیب تو لگا، لیکن ہو سکتا ہے واقعی ان کے ریلیشن شپ اتنے پرانے اور پکے ہوں کہ اس نے سگے بھائی کی طرح اس کی برتھ ڈے پارٹی ارینج کی ہو۔" ولی نے بے پروائی سے کندھے اُچکائے۔

اُس کی یہ بے نیازی اُس کی شخصیت کو کچھ مغرور اور بہت پُرکشش تاثر دیتی تھی۔

"لیکن جس طرح کوئین آف نائٹ کی نظریں تمہارا طواف کر رہی ہیں، وہ تمہارے حلقۂ محبت میں بُری طرح گرفتار ہے۔" ٹی ٹو نے ڈرامائی انداز میں مسکان کی بے قراری اعلان کی تھی۔

"یار! اپنی اُردو ٹھیک کر لیا کرو۔ یہ حلقۂ محبت کیا چیز ہے؟" ولی نے ویٹر سے فریش لیمن کا گلاس لیتے ہوئے پوچھا۔

اور ٹی ٹو سب کچھ بھلائے اُدھر بڑھا تھا۔

ولی نے سر جھٹکا۔

ولی بہت خوب صورت، کرسٹل کا ڈول پیس لایا تھا۔ مسکان نے ریپر تھوڑا سا کھول کر وہیں دیکھ لیا تھا اور اسے اپنے پرس میں ڈال لیا تھا۔

"یار! تم میری سسٹر سے ملے؟" طارق نے پاس آ کر پوچھا۔

"میں ان کو جانتا ہوں۔ ہمارے کالج کی ذہین طالبہ ہیں۔" ولی نے چکن نگیٹس کا ایک پیس منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

مسکان، جس کا سارا دھیان ولی پر تھا، اُس کی بات پر چونک گئی۔

بظاہر بے نیازی کا تاثر دینے والا ولی ہرگز بے خبر نہ تھا۔ اس کا مطلب، ولی نے مجھے نوٹس کیا!!

مسکان کے چاروں جانب پھول کھل گئے تھے۔

❖❖○❖❖

رات کا ایک بج رہا تھا، جب وہ ٹی ٹو کو ڈراپ کر کے اپنے گھر کی جانب مڑا تھا۔

لاہور میں تو ساری رات مین سڑکوں پر رونق رہتی ہے۔

البتہ جب وہ اپنی رہائشی کالونی کی طرف مڑا تو کچھ سناٹا تھا۔

ہلکے ہلکے میوزک سے محظوظ ہوتا وہ درمیانی رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا، جب ایک موڑ پر اُسے اچانک بریک لگانی پڑی۔

گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں وہ سامنے گرے وجود کا اندازہ کر سکتا تھا۔ وہ کوئی لڑکی تھی۔ پاس ہی اُس کا دوپٹہ گرا پڑا تھا۔

وہ اس خیال میں تھا کہ آیا وہ جا کر اُسے دیکھے کہ نہ دیکھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ولی اِسی شش و پنج میں تھا کہ وہ کیا کرے! کیا اُسے باہر نکل کر دیکھنا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ کسی کو اُس کی مدد کی ضرورت ہو!

دوسری سوچ اُسے اس معاملے سے دور رہنے پر اُکسا رہی تھی۔ ''وہ کیا کہتے ہیں ناں کہ پہلا دل میں آنے والا خیال اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور دوسرا تیسرا وسوسوں سے بھرا شیطانی خیال ہوتا ہے۔ ولی باہر نکل آیا تھا، اُس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اُس وجود کو سیدھا کیا۔

اسٹریٹ لائٹ اور اُس کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس اُسے واضح منظر دِکھا رہی تھیں۔

ولی بے اختیار چونکا کیونکہ وہ اُسے جانتا تھا۔

یہ وہ ہی لڑکی تھی، جو اُس روز اُسے ایگزیبیشن کے دوران ملی تھی، ولی نے اُسے ہلایا کہ شاید وہ بے ہوش ہے۔

لیکن لڑکی بالکل بے سدھ تھی۔ تنگ چھوٹی کُرتی اور پٹیالہ شلوار سوٹ میں ملبوس یہ لڑکی خود سے بے خبر سڑک پر گری ہوئی تھی۔

کُرتے کے گریبان کے پہلے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ خود بھی کچھ زخمی تھی، گاڑی کی لائٹس اُس کے جسم کے مدوجزر بہت نمایاں کر رہی تھیں۔ ولی کو اُسے اس بیچ راستے میں چھوڑنا بہت خطرناک لگا۔

کچھ سوچتے ہوئے اُس نے اُسے اُٹھا کر گاڑی میں لٹایا۔

پھولوں کی طرح ہلکی پھلکی، خوشبو سے مہکی مہکی خود سے بے خبر لڑکی ولی کو متوجہ کر رہی تھی۔ اُس کی حسِ شامہ بہت لطیف سا اثر چھوڑ رہی تھی۔

لیکن وہ ولی تھا۔ اُس نے احمد شاہ سے کردار کی بُلندی کے لیے حفاظتی دیواریں کھڑی کرنا سیکھا تھا۔

پہلی نظر بے شک غیر ارادی تھی اور وہ جائزہ لے چکی تھی لیکن وہ اپنی ارادی نظر سنبھال چکا تھا۔

اُس کے چہرے پر ویسے ہی تاثرات آ ٹھہرے، جو اُس کے نین نقش کا حصہ لگتے تھے۔

''بے نیازی کے تاثرات''!

اُس کی گاڑی کا رخ اپنے دوست کے بھائی کے پرائیویٹ کلینک کی جانب تھا۔

اُس کا دماغ بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ نیکی اُس کے گلے پڑ سکتی ہے، ایک خوبصورت بلا اُس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑی تھی۔

اور سامنے سے آتی پولیس پیٹرولنگ کار دیکھ کر ولی کے ماتھے پر پُرسوچ لکیریں اُبھر آئی تھیں۔

پولیس پیٹرولنگ کار اُس کی جانب ہی بڑھ رہی تھی! کسی پریشانی کی طرح! اے اللہ بدمزگی سے بچانا! اُس نے دل ہی دل میں دعا مانگی۔

❖❖○❖❖

بی بی اتنی رات ہوچکی ہے آپ کا سونے کا ارادہ نہیں ہے؟ آیا اماں نے مُسکان کے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔ مُسکان کے چہرے پر خوشی کے اِتنے رنگ اُترے ہوئے تھے کہ وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔

آیا اماں باقاعدہ چونکی تھیں۔

مُسکان بی بی بہت رات ہوگئی ہے! اب سو جائیں خود ہی تو کہتی ہیں کہ منگل کو آپ کی پہلی کلاس ڈرائنگ کی ہوتی ہے جلدی اٹھایا کروں آپ کو۔ لیکن اتنی دیر سے آپ اگر سوئیں گی تو پھر اُٹھیں گی کب؟

آیا اماں نے اُس کے نہ سونے پر لمبا چوڑا لیکچر دے دیا اور مزید کے موڈ میں لگتی تھیں۔

اچھا اماں! لائٹ بند کر کے نائٹ بلب آن کر دیں۔ مسکان نے نائٹ گاؤن اتار کر سائیڈ پر پھینکا اور چادر خود پر اوڑھ لی۔

سو جانا! وہ جاتے جاتے بھی نصیحت کرنا نہ بھولی تھیں۔ لیکن مُسکان کی نیند تو اُڑ چکی تھی۔ اُس نے پھر سے ولی کا دیا ڈول پیس نکال کر دھیرے دھیرے اُسے چھوا۔

اُس کے لب پھر سے کھل کر کھل اُٹھے تھے۔

تمہیں سوچوں تو ایسا لگتا ہے
کہ چودھویں رات کا چاند
میرے دل کے آنگن میں اُتر کر
روشنی سی بھر رہا ہو
تمہیں سوچوں تو ایسا لگتا ہے
کہ کوئی میٹھا سا احساس
میرے تن مَن کو بھگو گیا ہو
میرے اندر میلہ سا لگ گیا ہو
میرا ادھورا پن مِٹ گیا ہو
میری دنیا
میری کائنات
میرا جہان مکمل ہوگیا ہو
مجھے سب کچھ مل گیا ہو

اُس کی مدھری مُسکان اُس کے دل کے بھید کھول رہی تھی

مُسکان نے ڈول پیس اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں اور اک چہرہ چھم سے پھر سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ اب ساری رات خوابوں کی دنیا میں رنگ کھلنے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

❖❖○❖❖

اتنی رات ہوگئی ہے، بھائی بھی بس ناں!

بہت غیر ذمہ دار ہوتا جارہا ہے، نگینہ نے چینل پر چینل بدلتے ہوئے سوچا۔

رات کے دو بج رہے تھے اور ولی کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ اُس کے سیل فون سے بھی کوئی جواب نہیں آرہا تھا۔

نگینہ کو پہلے غصّے نے اور پھر فکر پریشانی نے بھی گھیرنا شروع کردیا تھا۔

بھائی کہاں ہیں آپ؟

نگینہ ٹی وی لاؤنج میں چک پھیریاں کاٹ رہی تھی۔

اللہ جی بھائی کو خیر خیریت سے رکھنا اور وہ جلدی گھر آجائیں، اُس نے شدّت سے دُعا کی ۔اب وہ پھر سے فون ملا رہی تھی۔

''ہیلو! میں نگینہ بات کررہی ہوں۔''

''ارے آپ کو بتانے کی ضرورت نہ تھی میں آپ کی آواز پہچانتا ہوں۔'' وہاں سے بہت خوش دلی سے کہا گیا۔''خیریت ہے ناں! ہماری یاد کیسے آگئی؟'' وہ بولے۔

''وہ، وہ طارق بھائی میں نے اس لیے فون کیا تھا کہ بھائی ابھی تک گھر نہیں آئے۔ مجھے بہت فکر ہورہی ہے۔'' نگینہ نے کہا۔ اب وہ ننھے منّے بچّے تھوڑی ہیں کہ آپ ان کی فکر کریں۔ آجائیں گے گھر۔ آپ خود کو ریلیکس رکھیں اور سوجائیں۔'' وہاں سے مفت مشورہ آیا۔

طارق جان بوجھ کر ٹو دی پوائنٹ بات نہ کررہا تھا وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے اس دشمنِ جاں کی آواز کو کچھ دیر اور سننا چاہتا تھا۔

''طارق بھائی! میں نے آپ کے اس طرح کے مشورے کی خاطر فون نہیں کیا تھا۔ آپ بتائیں کہ آپ بھائی سے کسی طرح رابطہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟'' نگینہ کی تپتی سُلگتی آواز پر طارق کے لب کھِل اُٹھے۔

وہ تصور میں اُس کے چہرے کی سرخی دیکھ سکتا تھا۔

نگینہ بہت دھیمے مزاج اور دھیمی آواز میں بات کرنے کی عادی تھی، دھیما بولنا تو روشن آرا بیگم سے سیکھا تھا۔

لیکن جب وہ غصّہ کرتی تب بھی اتنا دھیما بولتی کہ مخاطب کو لگتا کہ وہ غصّہ میں نہیں ہے، اس کا یہ دھیما سا غصّہ اُسے ہمیشہ سے دلچسپ لگتا تھا۔'' اوکے! میں دیکھتا ہوں ویسے بھی میری گاڑی خراب ہے میں خود راستے میں پھنسا ہوا ہوں۔'' طارق نے نگینہ سے وعدہ کیا کہ وہ خود ولی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں آپ کے فون کی منتظر رہوں گی! نگینہ نے کہا۔

زہے نصیب! طارق منہ ہی میں بڑبڑایا۔

ہوں۔ کیا کہا! مجھے آواز نہیں آئی، وہ بولی۔

کچھ نہیں! آپ اطمینان رکھیں، میں دیکھتا ہوں، مسٹر عبدالولی اچانک کہاں لاپتہ ہوگئے ہیں!

طارق بھائی پلیز ذرا جلدی! نگینہ کی آواز میں بے چینی بہت نمایاں تھی۔ بے فکر رہیں، جواب میں طارق نے اُسے تسلی دی۔

❖❖○❖❖

پولیس کی موبائل عین اُس کی گاڑی کے آگے آرکی تھی۔

ولی کی پیشانی پر بَل گہرے ہوگئے تھے، بہر حال اب اُسے ہر طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا ہی تھا۔

اور یہ صورتِ حال خاصی مشکل بھی ہوسکتی تھی اور جب لائٹ بلیو شرٹ اور ڈارک بلیو پینٹ میں ملبوس طارق کو اپنی گاڑی کی جانب آتے دیکھا تو اُس کی جان میں جان آئی، ورنہ آج یہ نیکی اُس کے گلے میں پڑنے والی تھی۔

ولی! کہاں ہو تم؟ گھر میں نگینہ پریشان ہے تمہارا سیل فون بھی بند پڑا ہے! اور پھر اچانک ہی اُس کی زبان کو بریک لگ گئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر لیٹا وجود بہت نمایاں تھا پھر گاڑی کی لائٹس میں فوراً نظر پڑی تھی۔

یہ۔ یہ کیا ہے؟ طارق نے کن اَکھیوں سے پولیس موبائل میں بیٹھے اپنے ایس پی دوست کو بھی دیکھا کہ وہ بھی یہ منظر دیکھ چکا تھا۔ لیکن وہ شاید کسی سے موبائل فون پر بزی تھا کیونکہ فاصلہ کم تھا اس لیے خطرہ زیادہ تھا۔ تم لائٹس آن رکھو، میں پہلے ان سے نمٹ کر آتا ہوں۔ طارق نے ولی کے چہرے کی پریشانی کو پڑھ لیا تھا۔

''دوستی سچی اور پُرانی ہو تو یوں ہی چہرے کے تاثرات گفتگو کرتے ہیں۔'' زبان سے باقاعدہ کہنے کی ضرورت تو محسوس ہی نہیں ہوتی ۔ طارق کا یوں بغیر کسی پُوچھ گچھ کے ولی کی مدد کرنا اُن کے مضبوط رشتے کو ظاہر کرتا تھا۔

یار اسلم راؤ تم چلو! تمہاری لفٹ کا بہت شکریہ۔ مجھے میرا دوست مل گیا ہے اور یہ ہمارے ہی بلاک میں رہتا ہے، میں اس کے ساتھ چلتا ہوں۔ طارق نے فٹافٹ ان کو ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ اور جب تک ان کی گاڑی چلی نہ گئی، ولی اور طارق دونوں ٹینس رہے۔

بہر حال ہماری پولیس آج بھی بات کا بتنگڑ بنانے میں بہت مشہور ہے۔

چلیں؟ ولی نے بس اتنا ہی کہا تھا۔ طارق گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اُس نے ایک بار بھی پیچھے مُڑ کر نہ دیکھا تھا نہ ہی کوئی سوال کیا تھا۔ اُن کی دوستی کا رشتہ اس قدر گہرا تھا کہ سوالوں جیسی بے اعتباری ان میں نہ آئی تھی۔

بالآخر اس خاموشی کو ولی نے ہی توڑا۔

''تمہارے فنکشن سے واپسی پر میں نے ٹی ٹو کو اُس کے گھر ڈراپ کیا اور واپسی میں یہ لڑکی بے ہوش سڑک پر پڑی تھی، اس کے ساتھ شاید کوئی حادثہ ہوا ہے۔''

میرا دل نہیں کیا کہ اسے بیچ راستے میں چھوڑ دوں! ولی کے لہجے میں کچھ بے بسی سی تھی۔

جی بالکل! آپ اسے کیوں چھوڑ کر آتے بیچ رستے میں۔ خیر سے آپ اس کے ''دینی بھائی'' جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے۔ طارق کا لہجہ تپا ہوا تھا۔ ولی اتنی ٹینس Situation میں بھی بے اختیار مسکرادیا۔ صرف ”دینی بھائی“ ہونا کافی نہیں ہوتا یار! میں اسے جانتا ہوں اس کا احسان ہے مجھ پر۔ ولی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مسٹر ولی! یہ صرف آپ ہی ہوسکتے ہیں جو اس کریٹکل حالت میں بھی مسکرا سکتے ہیں۔

”گاڑی میں بم لیے پھر رہے ہیں اور موصوف مُسکرا مُسکرا کر بیچاری خوش مزاجی کو بے حال کیے جارہے ہیں۔“ طارق کا پارہ نیچے آ ہی نہیں رہا تھا۔ تمہیں اگر اعتراض ہے تو میں تمہیں پہلے ڈراپ کردیتا ہوں تاکہ اس بم کا میں خود ہی سامنا کروں اور اس کی تباہ کاریوں کے اثرات میں اکیلے ہی فیس کروں۔ ولی نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

یار مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے! لیکن یار دیکھو ناں زمانہ کس ڈگر پر جارہا ہے۔ تم تو بہت محتاط انسان ہو پھر یہ حماقت کیسے کی؟

اگر ہمدردی کا بخار چڑھ ہی گیا تھا تو پولیس کو وہیں سے فون کرتے تاکہ جو کچھ کرنا ہوتا وہ خود کرتی۔ لڑکی کا معاملہ ہے! مشکل بلکہ ٹھیک ٹھاک مشکل ہوسکتی ہے۔ طارق نے ولی کو باقاعدہ سمجھایا۔

اوکے یار! ہوگئی جلد بازی! اب اس کو پہلے کسی ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں۔ ولی نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

جی ہاں! رات کے آخری پہر ڈاکٹر صاحب آپ ہی کے تو انتظار میں ریڈ کارپٹ بچھائے، پھولوں کا گلدستہ لیے کھڑے ہوں گے کہ کب مسٹر عبدالولی ایک اعلیٰ پائے کی ”نیکی“ اٹھائے لائیں اور وہ بھی اس نیکی میں اپنا حصہ ڈال دیں۔ طارق کا تو غصے سے میٹر گھوما ہوا تھا۔

عبدالولی کا قہقہہ بے ساختہ تھا غصے میں تمہاری حسِ مزاح کچھ زیادہ شائستہ نہیں ہوجاتی! ولی نے اُسے چھیڑا۔ میں جانتا ہوں یار ڈاکٹر کو دکھانے کا مسئلہ ہوگا اسی لیے اپنے ایک دوست کے بھائی کی کلینک پر جارہا ہوں۔ اپنے دوست کو میں فون کرچکا ہوں امید ہے وہ بھی وہاں آجائے گا۔ ولی نے طارق کو رام کرتے ہوئے کہا۔

ہاں کسی دوست کو آرام سے جینے نہ دینا، آدھی رات کو اُسے بھی اُٹھا بٹھایا۔ طارق کے لہجے میں اب تپش نہ تھی، ولی کے لیے وہ یوں ہی کیئرنگ تھا۔ اُس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی وہ بہت کیئر اور فکر سے ہینڈل کرتا تھا۔

کم آن یار! کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، مجھے بس یہی لگا کہ اسے اٹھا کر ڈاکٹر تک لے چلوں اور پھر اسے اس کے گھر چھوڑ دوں، جانے بیچاری کے ساتھ کیا مسئلہ ہوا تھا۔ ولی نے بے نیازی سے کہا۔

”راج ہٹ بالک ہٹ، تریا ہٹ جوگی ہٹ!“ (راجہ، بچہ، عورت اور فقیر جو دل میں آئے کرتے ہیں کسی کی نہیں مانتے) طارق نے لمبی سانس کھینچ کر کہا۔ جواب میں ولی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

تم مجھے راجا کہہ رہے ہو، ولی نے پوچھا۔ ”نہیں ہرگز نہیں! میں تمہیں بچہ کہہ رہا ہوں! طارق نے جُھلس کر تصحیح کی۔

گاڑی میں ایک بار پھر قہقہہ اُبھرا اور یہ دونوں کا مشترکہ قہقہہ تھا۔ ولی نے طارق کے ہاتھ پر ہاتھ مارا، طارق نے بول کر بھڑاس نکال لی تھی، اب وہ بھی ہلکا پھلکا تھا۔

❖❖○❖❖

میں دوائی بھی دے دیتا ہوں اور انجکشن بھی لگا دیتا ہوں انشا اللہ بہت جلد آرام آجائے گا۔ ڈاکٹر گلزار کا چہرا اور لہجہ ایک دم بہت نرم ہوگیا تھا۔

ایمان گھبراہٹ سے اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ ڈاکٹر گلزار کی نظریں ایمان کے بے انتہا خوبصورت ہاتھوں میں الجھ کر رہ گئی تھیں، سفید سفید مومی انگلیاں، گلابی ہتھیلیاں! ڈاکٹر گلزار باوجود کوشش کے خود کو بے نیاز نہ رکھ پایا تھا۔ بس پھر تو یہ شروعات تھی۔

ڈاکٹر گلزار کی مہربانیاں ایمان پر بہت بڑھ گئیں۔ وہ ہر کام چھوڑ کر اُسے اٹینڈ کرتا تھا اور وہ دِنوں میں ٹھیک بھی ہوگئی لیکن اس کے ساتھ بہت کچھ ”ناٹھیک“ ہوکر رہ گیا تھا۔

ایمان کے قدم بہک چکے تھے وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ راستے منزل کی جانب نہیں اندھیری دلدل کی جانب جاتے ہیں۔

ڈاکٹر جی کی بے قراریاں اُسے بھی چین نہ لینے دیتی تھیں۔

وہ بہانے بہانے سے اُس کے گھر کے گرد چکر کاٹتا رہتا تھا گلی میں منڈلاتا رہتا تھا کسی نہ کسی ذریعے سے اُسے خط ضرور پہنچا دیا کرتا تھا۔

یہ خط کسی نشے کی طرح ایمان کے اندر اُتر کر اُسے اپنا عادی بنا رہے تھے۔ کبھی کبھی انسان محبت کے نام پر خودغرضی کی انتہاؤں پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ خودغرضی کی ایسی انتہا جہاں ہر طرف شیشے لگی دیواریں اُسے صرف اپنا آپ دکھاتی ہیں۔ اُسے اپنے عکس کے علاوہ کچھ سُوجھتا بھی نہیں ہے۔“

حالانکہ اصل محبت کا مطلب تو صرف دینا ہوتا ہے قربانی دینے کا نام! لیکن ایمان کے اندر موجود بغاوت نے سر اٹھانا شروع کردیا تھا۔ اسے کسی رشتے یا اپنے والدین کی عزت کا کوئی خیال نہ تھا۔

خیال تھا تو بس اتنا کہ اُسے ڈاکٹر جی کے سنگ اپنی زندگی گزارنی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر جی کہتے ہیں کہ میں ”رانی“ جیسی نظر آتی ہوں اور مجھے رانی جیسا ہی رہنا چاہیے۔ یہ ماحول یہ زندگی میرے قابل نہیں ہے۔ ایسے میں اُسے ”چھاؤں“ جیسے والدین بھول گئے تھے اور وہ جسے روشنی سمجھتی تھی، وہ تو تپتی دھوپ تھی اور وہ بے خبر اُس کا دل بے خبر اسی تپتی دھوپ کے جھوٹے رنگوں کی جانب لپکتا تھا۔ اندھا دھند!!

❖❖○❖❖

ایمان۔ ایمان پتر! عصر کا ویلا (وقت) ہورہا ہے تو اپنے بال باندھ لے۔ خدیجہ بی بی نے کٹ کٹ کرتی مرغیوں کو دانا ڈالتے ہوئے کہا۔

توبہ ہے اماں! اب اپنی مرضی سے بال بھی کھلے نہیں رکھے جاسکتے! یہ آپ کے اصول پھندے کی طرح میرا دم دبا دیتے ہیں۔ ایمان بڑبڑائی۔

نہ پتر ایسے تُو خار نہ کھا! تیرے بھلے کو دھیان کرتی ہوں اماں نے پیار سے کہا۔ اُن کا تحمل کم ہی ختم ہوتا تھا۔

اس میں میرا کیا بھلا ہے؟ ایمان بھڑکی۔ ”تُو تو میرا سب سے قیمتی مال ہے تیرا دھیان نہ کروں گی تو کس کا کروں گی؟ خدیجہ بی بی نے سوکھی روٹی کا چُورا بنا کر مرغیوں کی تھالی میں ڈال دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے پاس کوئی ہار موتی قیمتی ہوتا ہے اُسے ہم جندھروں (تالوں) میں چھپا چھپا کر رکھتے ہیں، پھر دھیاں (بیٹیاں) تو بہت قیمتی ہوتی ہیں کسی لال موتی کی طرح اور پاکیزہ! ان کو بھی بڑے دھیان سے رکھنا ہوتا ہے۔

کسی چندرے کی میلی نظر نہ پڑ جائے۔ خدیجہ بی بی نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اُس کے غصّے کو دباتے ہوئے کہا۔

اماں اس چار دیواری میں کم از کم اتنا روکا ٹوکا نہ کریں تنگ آ جاتی ہوں۔ ایمان نے ماں کا اچھا موڈ دیکھ کر دل کی بات کہی۔

"اوں ہونہہ! کنواری لڑکی ہو یا پکے آم کی خوشبو! دونوں باہر سے گزرتے بندے کو اپنے ہونے کا بتا دیتی ہیں!"

خدیجہ بی بی اب بھی اپنے کہے پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

یعنی اماں اپنے ہی گھر میں قید ہو جاؤ! ایمان نے بُرا سا منہ بنایا "نہ اسے قید نہیں کہتے، قرینہ کہتے ہیں!"

بچیاں گھر میں ہوں یا باہر! ڈھکی چھپی ویسی ہی اچھی لگتی ہیں۔ خدیجہ بی بی نے ڈربے سے مرغیوں کے تازہ دیئے گرم گرم انڈے اکٹھے کر کے پیالے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

ہونہہ! یہ قرینہ نہیں ہے یہ تو قید ہی ہے! ایمان کا باغی دل تو بہرہ ہوا پڑا تھا۔ اُسے کہاں کچھ سنائی دیتا تھا اماں کی باتیں اُس تک نہیں اترتی تھیں۔

❖❖○❖❖

میں تیری منزلوں کے نشاں سے
بہت دُور آگے نکل گیا
نہ سنبھل سکا بہت دیر تلک
یونہی بے سبب بھٹکتا رہا
تیرے نور کی وہ روشنی
میرے آس پاس بکھرتی رہی
میں نا اہل میں بے خبر!
کیوں دیر تک سویا رہا
مجھے آگہی کا شعور دے
مجھے تازگی کا سُرور دے
تیری راہ میں کھڑا ہوا ہوں
میرے راستے کی دھول ہٹا دے
الٰہی مجھے اپنے قرب سے نواز دے!

ابا کی آواز میں رقت تھی۔ آنکھوں میں آنسو اور ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔

ایمان نے کسمسا کر آنکھیں پھر سے بند کر لیں۔ ایک تو ابا ناں! روز اتنی سویرے اللہ جانے کن ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتے رہتے ہیں۔ ایمان منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ بہر حال ابا سے وہ ڈرتی تھی، اُس نے کروٹ لے کر رضائی کے اندر منہ چھپا لیا۔ اتنا اچھا خواب دیکھ رہی تھی، وہ ڈاکٹر گلزار کے سنگ دُور بہت دُور دوڑی چلی جا رہی تھی اور ڈاکٹر گلزار کی شوخیاں، گستاخیاں! لیکن ابا کی آواز نے اُسے جگا کر اُس کا خواب توڑ دیا تھا۔ اللہ جانے یہ ابا کیسے اپنی اتنی مزے کی نیند اور گرم بستر چھوڑ کر تہجد کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں؟

اُس نے نیند سے بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ سوچتے ہوئے کہا لیکن وہ اپنے سوال کا جواب کبھی نہ پا سکتی تھی۔

"کیوں کہ سو جانے والے ہمیشہ کھو دیتے ہیں، خیر کا لمحہ ہو یا کامیابی کی روشنی ہو، دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔"

❖❖○❖❖

یہ بے ہوش نہیں ہیں! ڈاکٹر نے اُس کا مکمل چیک اپ کر کے کہا۔ ڈاکٹر کی بات سن کر ولی اور طارق دونوں ہی پریشان ہو گئے۔ یہ بے ہوش نہیں ہیں تو پھر؟ طارق نے پہلے سوال کیا۔

اندھیرے میں وہ ٹھیک سے دیکھ نہ پایا تھا لیکن روشنی میں یہ حقیقت بہت واضح تھی کہ وہ نہایت ہی خوبصورت فتنہ تھی۔

"دراصل یہ ڈرگز کے زیر اثر بے ہوش ہیں! ڈاکٹر کی بات کسی بم کی طرح ولی کو لگی۔"

وہ اپنے دل کی گواہی کا کیا کرتا، جو اُس بات کو ماننے سے انکار کر رہا تھا، اُسے یہ لڑکی اچھی لگتی تھی۔ کیا واقعی؟ طارق بھی حیران تھا۔

بالکل! لڑکی نے اوور ڈوز لی ہوئی ہے! میں کرتا ہوں اس کا کچھ! ڈاکٹر کہہ کر کمرے سے باہر نکلا تو طارق نے ولی کو کڑی نظروں سے گھور کر دیکھا۔

یہ ایڈیٹ لڑکی تمہاری جاننے والی ہے؟ حیرت ہے! طارق نے کہا۔ کم آن یار! مجھے بہت کچھ تو اس کے متعلق نہیں پتا لیکن اس نے جب میرے اوپر شوٹنگ (فائرنگ) ہوئی تھی مجھے بچایا تھا۔ اس کا یہ احسان مجھ پر بہت بڑا تھا۔ ولی بولا۔

اوہ! تو یہ ہے وہ حسینہ! طارق کے چہرے پر ملے جلے تاثرات تھے۔ شوخی اور فکر دونوں کا امتزاج کتنا انوکھا لگتا ہے۔

اوکے! ہم اس کے پاس ہی ٹھہرتے ہیں، تم نگی کو فون کر دو بیچاری پریشان ہو رہی تھی۔ طارق ان کا بچپن کا دوست تھا اس لیے ولی کی طرح نگینہ کو وہ بھی نگی ہی کہتا تھا۔

میرے موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی، شاید اسی لیے بند ہو گیا تھا۔ ولی نے بتایا۔

"لو اس سے بات کر لو۔ میں ذرا ڈاکٹر صاحب کے تیور درست کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ طارق موبائل فون اُسے پکڑا کر باہر نکلا۔

❖❖○❖❖

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایمان باجی یہ آپ کے لیے!'' ہمسائے کے بھولے نے ہاتھ میں دبا اک پرچہ اُس کے سامنے کیا۔
ایمان نے اِدھر اُدھر دیکھ کر جھٹ سے وہ کاغذ اُس کے ہاتھ سے لے کر دبوچ لیا۔
اچھا!
تو چل! ایمان نے اُسے بھگایا۔ بچہ ڈاکٹر گلزار سے دس روپے رشوت لے چکا تھا اُسے بھی یہ پیسے خرچنے کی جلدی تھی۔ وہ چھلانگیں مارتا بھاگ گیا۔
ایمان نے دوڑ کر کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے وہ اماں کو دیکھنا نہ بھولی تھی، جو کہ مگن انداز میں ایک دوپٹے پر پھول کاڑھ رہی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ان کی پرسوز، دھیمی اور بہت نیچی آواز سُن سکتی تھی۔
ایمان نے کمرے کا دروازہ بند کرکے مُٹھی میں دبا اپنے ہاتھ کے پسینے سے نم کاغذ کھولا۔
کچھ ہی لمحوں بعد اُس کے چہرے پر سرخی جھلک رہی تھی، سانسوں کی رفتار بہت تیز ہوچکی تھی۔
ڈاکٹر گلزار کے بے باک لفظ اُس کی کچی عمر کے پودے کو کسی کیڑے کی طرح کھا رہے تھے۔ کم عمری کی معصومیت کی اپنی ہی خوبصورتی ہوتی ہے، چھوٹی بچیاں اپنی معصومیت کھودیں تو ایک دَم کسی محرومی کا احساس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گلزار کے ننگے اور بے باک لفظ اُس کے حُسن کی خوبصورتی ایک طوفان میں بہائے لے جارہے تھے۔
باہر اماں کی پرسوز آواز گونج رہی تھی۔

لا الہ الا ہُو، لا الہ الا ہُو
ایک طلب ہے ایک ہی تُو لا الہ الا ہُو
اب تُو ہی تُو اور تُو ہی تُو لا الہ الا ہُو
تیری عبادت کیا کہنا، تیری حقیقت کیا کہنا
ہوگئی دنیا قبلہ رو لا الہ الا ہُو
اٹھ گئے آنکھوں سے پردے راز کُھلے سب جلوؤں کے
مجھ سے اب کیا دُور ہے تُو لا الہ الا ہُو
مجھ کو اپنی ہستی کا، چل جائے اک روز پتہ
سامنے جب ہو میرے تُو لا الہ الا ہُو
لا الہ الا ہُو، لا الہ الا ہُو!

اماں کی آواز سُن کر ایک پَل کو ایمان فاطمہ کو لگا یہ سب غلط ہے لیکن دوسرا پَل اُسے پھر بہالے گیا تھا۔
وہ ہرگز نہ ان بہکاوؤں میں بہکتی اگر اُس میں اپنے والدین سے اور ان کی اچھی Values (اقدار) کے ساتھ وفاداری ہوتی۔ کھوٹ خود کے اندر ہو تو ہی برائی حاوی ہوسکتی ہے۔ ورنہ پکی اور اونچی دیواروں کو کم ہی کوئی پھلانگ سکتا ہے۔
خودغرضی، بے حسی ہی بے وفائی کے پودے کو جنم دیتی ہے اور یہ پودا ایسا جھاڑ کانٹے جیسا ہوتا ہے کہ

ساری اچھائی کا پانی چُوس لیتا ہے اور آس پاس کی ساری زمین کو بنجر کردیتا ہے۔
اسی لیے تو بے وفا آدمی ہو، عورت ہو یا اولاد! وہ ہمیشہ اکیلے اور بنجر ہی رہ جاتے ہیں۔'' بے وفا پتوں کو ہریالی کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ ایمان نے ایک بار پھر وہ کاغذ نکال کر پڑھا اور پھر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اب وہ اپنے چہرے کو اُس کے ایک ایک نقش کو چھو کر دیکھ رہی تھی ایسے کہ پہلی بار اسے ان سب کی ''خبر'' ہوئی ہو۔
اس لیے بعض اوقات ایسی خبر انسان کو مستقبل سے ''بے خبر'' کردیتی ہے۔ بے خبروں اور بدنصیبوں کی لائن میں لا کھڑا کردیتی ہے۔

❖❖○❖❖

لے پُتر یہ تیرے نئے جوڑے اور یہ ہیں تیرے جوتے! تیرے ابا جی تیرے ہار بُندے کے لیے تیس روپے الگ سے دے گئے تھے۔ خدیجہ بی بی نے پاؤں سے چپل اتار کر برقعے کی ڈوری کھولتے ہوئے کہا۔ ایمان نے کھولتے خون کے ساتھ ان دو تین شاپرز پر نظر ڈالی۔ اماں اتوار بازار سے چھانٹ چھانٹ کر (ٹوٹوں) پیسوں سے اُس کے لیے کپڑے اور سو روپے کی چپل خرید کر لائی تھیں جس پر سفید لک لگے ہوئے تھے اماں نے اپنی سی کوشش کرکے کپڑوں کے کِھلتے رنگ تلاش کیے تھے۔ چپل بھی نازک سی تھی۔
لیکن ایمان کے ماتھے پر بَل تھے۔
کیا ہوا؟ اماں نے چونک کر اُس کی جانب دیکھا، اماں کا چونکنا لازمی تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے یہ ہی ایمان تھی جو لپک کر اِن چیزوں کو پکڑتی تھی، اس کے لیے یہ چیزیں بہت اہم ہوتی تھیں۔
اب وہ ہی ایمان منہ بنائے اُن پر نظر ڈالے، چھوئے بغیر اتنے فاصلے پر بیٹھی تھی۔ اُس کی یہ حرکت اماں کو حیران کرنے کے لیے کافی تھی۔ ہونہہ! مجھے نہیں چاہیے یہ ''سی'' کلاس چیزیں! ایمان نے غصے سے کہا۔
سی کلاس! یہ کیا ہوتا ہے؟ اماں نے حیرانی سے پوچھا۔ ایمان کو وہ اسکول باقاعدگی سے بھیجتی تھیں لیکن خود سوائے قرآن پاک کے کچھ نہ پڑھ لکھ سکتی تھیں۔
اماں! یہ ٹکے ٹکے کی گھٹیا سستی چیزیں! ایمان نے شاپرز کو دور دھکیلتے ہوئے کہا۔
ایمان کی بات سمجھتے ہی اماں کے ماتھے پر بَل پڑ چکے تھے۔ استغفار کر ایمان، اُس رب جی کا شکر ادا کر ایسی ناشکری نہیں کرتے۔ اماں نے دھیمی لیکن سخت آواز میں کہا۔ وہ بھی تو لوگ ہوتے ہیں، جن کو اوڑھنے پہننے کو کپڑا نہیں جُڑتا! کھانے کو دانہ نہیں رہنے کو چھت نہیں ہے۔
''ہم رب جی کا لاکھ بار بھی شکر کریں تو کم ہے۔ اُس سوہنے رب جی نے ہم کو ہر چیز سے نواز رکھا ہے۔ صدقے جاؤں اُس رحمان جی کہ ہم کبھی بھوکے نہیں سوئے۔ تین وقت کا رج رج کھاتے ہیں، گرمی سردی کا لتا کپڑا، رہنے کو اپنا ٹھار (ٹھکانا) ہے۔ میں تو کہتی ہوں اللہ سوہنے نے بڑا ہی چنگا (اچھا) رکھا ہے۔ شکر الحمدللہ!
لاکھوں سے بہتر! ہمیشہ سے بہتر ہیں! شکر الحمدللہ!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر میں اماں نے بڑے جذب سے شکر الحمدللہ کہا تھا اور صرف دیکھنے والی آنکھ دیکھ سکتی تھی کہ اُن کا رُوم رُوم پوری سچائی سے شکر گزار تھا۔

ہونہہ! اللہ ہی جانے آپ کو، کس بات کا اِتنا اطمینان اور خوشی چڑھی رہتی ہے کہ ہر وقت شکر ہی کرتی رہتی ہیں!

آخر ہم، کس بات پر اتنا شکر ادا کرتے ہیں؟

اس غریبی پر جو تَن نہ ڈھانپے! جو پیٹ نہ بھرے! بس اس پر شکر ادا کرتے ہیں!..کیا دیا ہے آخر آپ کے رب جی نے ہمیں؟

یہ دو مرلے کا گھر! دَم گھٹتا ہے میرا!

یہ، یہ کپڑے! ایمان نے پاگلوں کی طرح کپڑے شاپرز سے نکال کر تخت پر اُچھالے!

یہ داغ لگے، ڈورا آئے سَستے سے سوٹ! ہونہہ! جب ساری دنیا تھان سے اچھا کپڑا خرید کر لے جاتی ہے "تو میری اماں شکر ادا کرنے کے لیے بچ جانے والا وہ کپڑا جو نقص زدہ ہوتا ہے، خریدنے چل پڑتی ہیں۔"

سارا اچھا تھان سب کے لیے اور یہ بچ جانے والے پیس میرے لیے۔ کیا میں اس قابل ہوں اماں؟ دیکھو اماں باہر نکل کر لوگ اپنی اولاد کی آسائشوں کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے ایک آپ لوگ ہیں، تین وقت سبزی دال پکا کر، کھلا کر شکر شکر کی گردان کے سِوا کرتے کیا ہیں آپ۔!

ایمان! اماں کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ چُپ!

یہ کیا بک بک کر رہی ہے؟ یہ تجھے آخر کیا ہو گیا ہے؟ اماں کی آواز میں رنج و غم تھا، حیرانگی تھی! آج سے پہلے ان کی یہ ہی بیٹی ہر حال میں مست و مگن رہتی تھی۔

اُس کو ناشکری کے کیڑے نے کب کھانا شروع کیا؟ اپنی بے خبری پر اُن کو دُکھ بھی ہوا تھا۔ کیا ہوا ہے تجھے پُتر؟

یہ سب کچھ تو ہمیشہ سے ہے پھر اب تجھے ہر چیز بُری، کم، سستی اور گھٹیا کیسے لگنے لگی؟

اماں کی آنکھیں اُس کے وجود میں چبھ رہی تھیں وہ ان ساری باتوں کی وجہ جان لینا چاہتی تھیں۔

ایمان چُپ چاپ تخت پر بیٹھی اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے کچی زمین پر جانے کیا بنا رہی تھی۔ "بچے پیروں سے بنائی آڑی ترچھی لکیریں ہوں یا خواب! کبھی اچھی تعبیر اور تصویر نہیں بن پاتی۔"

یہ گھر ہمارا اپنا ہے دو کمرے اوپر ہیں پھر ویڑا (صحن) ہے۔ غسل خانہ ہے نیچے یہ ویڑا، باورچی خانہ اور تیرے ابا کا کمرہ! دیکھ کتنا کھلا اور زیادہ گھر ہے، ہم دوجیوں (افراد) کے لیے۔ پھر اس میں تیرا دَم کیوں گھٹنے لگا؟ اماں اُس سے جواب نہ پا کر اُسے سمجھانے بیٹھ گئیں۔ گلی ہماری بند ہے، اس لیے صاف ستھری بھی ہے، سارے بال بچے باہر کھیڈتے (کھیلتے) ہیں۔ کیسی اچھی سوہنی جگہ ہے ہمارا محلّہ! اب اماں نے گھر کے علاوہ محلّے اور جگہ کی صفتیں بھی بیان کرنی شروع کر دیں۔

اور دیکھو ساری گلی میں زیادہ تر لوگ کرائے پر رہتے ہیں۔ ہمارا تو اپنا ٹھار ہے۔ سارے محلّے کی عورتیں بچے زیادہ تر محنت مزدوری کرتے ہیں۔ ہم کیسے عیش سے گھر میں رہتی ہیں۔ تجھے اسکول بھیجا ہوں۔ بتا سارے محلّے میں کوئی کُڑی (لڑکی) اسکول تک گئی ہے کبھی!

تیرے ابا جی نے تجھے لڑکی ذات ہوتے ہوئے بھی تیرے ہر طرح کے لاڈ اُٹھائے ہیں۔ تیری میٹرک کے لیے وہ ہی ہمیشہ خواب دیکھتے ہیں! وہ کہتے ہیں جب تیری میٹرک ہو جائے گی تو ہماری ایمان ساری برادری میں سے پہلی پڑھی لکھی کڑی ہی نہیں ہوگی بلکہ میٹرک بھی سب سے پہلے تیری ہوگی۔ دیکھ جو کچھ تیرے حصّے آیا، وہ دیا کبھی کسی اور کو ملا؟

تجھے تو رب جی کا لاکھاں بار شکر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ سوہنے نے تیرے لیے ہمیشہ اچھا رکھا ہے۔ پھر تُو کس بات پر خفا ہے؟

تیری سوچ میں ایسی باتیں کس نے ڈالی ہیں؟ اماں نے کھوجتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

اب کے ایمان باقاعدہ بوکھلا گئی تھی، کسی۔ کسی نے بھی نہیں!

لیکن اماں! وہ جو کچھ کہنا چاہ رہی تھی، وہ خدیجہ بی بی کو مزید تپا سکتا تھا۔ ایمان نے اپنی بات کو حلق میں ہی دبا لیا۔

کچھ نہیں اماں۔ چھوڑیں بس میرا دل ہی مجھے تنگ کرتا ہے! اس بار ایمان کے لہجے میں سچائی اور بے بسی دونوں نمایاں تھیں۔

کیا ہوا تیرے دل کو؟ اماں اُسے اتنی آسانی سے کہاں چھوڑنے والی تھیں۔ بس اماں شاید میرے خواب بڑے اور دل چھوٹا پڑ گیا ہے!

ایمان بغیر کسی مصلحت کے بولی تھی وہ واقعی خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی۔

نہ پُتر! اپنے دل کو خواہشوں سے چھوٹا نہ کر!

یہ دل چھوٹا بڑا نہیں ہوتا، خواہشیں اگر اوقات سے بڑی کرنے لگیں تو تب یہ کم پڑ جاتا ہے۔ تو ان خواہشوں کو سر پر نہ سوار کرنا کبھی! یہ سر پر سوار ہو کر ہمیشہ سر جھکا دیتی ہیں!"

من مارنا سیکھ!

یہ ہی بھلے کی بات ہے! اماں عصر کی اذان سُن کر بالکل خاموش ہو گئی تھیں وہ اپنی ہر بات اور کام اذان کی آواز سُن کر چھوڑ دیا کرتی تھیں۔

ایمان ان کو ان کی کیفیت کی حالت میں چھوڑ کر چپکے سے وہاں سے اٹھ آئی۔ آپ کو محبت ہے اپنی زندگی کی ان باتوں سے آپ اذان کی آواز سُن کر وجد میں آ جاتی ہیں۔

تو پھر کیا میں بھی اپنی محبت کی آواز کو نہ سنوں!

جو مجھے زندگی کا احساس دیتی ہے! پھر اماں آخر میں ہی کیوں اپنا مَن ماروں!

نہ ماننے والے تو ہمیشہ ریوڑ سے نکلی سرکش بھیڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ لاکھ گھیر گھیر کر ریوڑ میں واپس لائیں وہ موقع ملتے ہی پھر باہر کو بھاگتے ہیں۔

جہاں "باہر" اُن کے لیے عافیت تو ہرگز نہیں ہوتی!

❖❖○❖❖

روشنی آنکھوں میں چبھ رہی تھی! ترنم نے ایک بار پھر سے آنکھیں بند کرنا چاہی تھیں۔ لیکن سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صوفے پر نیم دراز نیند میں گُم شخص کو دیکھ کر ایک دَم حواسوں میں آ گئی
میں کہاں ہوں؟ اور اور یہ شخص؟ یہ۔؟
بہت ساری باتیں اُس کے ذہن میں آئیں اور گزشتہ رات کا قصّہ بھی اُس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا۔
آفاقی اُسے پِک کر کے اور میڈم کو پے منٹ کر کے اُسے گھر لے گیا تھا۔ لیکن جب وہ ٹھیک ٹھاک نشہ کر چکے تو باہر ایک دَم شور مچ گیا تھا۔
آفاقی کا ملازم بھاگتا ہوا اندر آیا۔ صاحب! وہ، وہ بڑی بی بی آ گئی ہیں!
اس اطلاع نے آفاقی کا نشہ سارا اُڑن چھو کر ڈالا تھا لیکن وہ، وہ تو میری بیٹی کے پاس گئی تھی؟ آفاقی بہت پریشان اور بوکھلایا ہوا تھا۔
آفاقی خیر سے نانا بن گیا تھا لیکن بُری لت اور عورت نہ چھوڑ پایا تھا۔ آج وہ بُری طرح پھنس گیا تھا۔
کچھ دیر پہلے جس کو بڑی مِنّتوں سے چاندنی میڈم سے لے کر آیا تھا، اب وہ ہی لڑکی اُس کو زہر لگ رہی تھی کہ وہ اسے کس طرح چھپائے۔؟
پچھلے دروازے سے ترنم کو باہر کر ڈالا۔ ترنم کا چھوٹا سا ہینڈ بیگ، جس میں اُس کی ''ضروری'' اشیا ہوتی تھیں وہیں رہ گیا تھا۔ خالی ہاتھ وہ اب سڑک پر تھی، آفاقی پر تین حرف ڈالتے ہوئے وہ اُسے جی بھر کر گالیاں دے رہی تھی۔ نشہ اُس پر چڑھ رہا تھا، اُسے اپنے آپ پر قابو پانا بہت دشوار ہو رہا تھا۔ نہ اس وقت اُس کے پاس گاڑی تھی نہ بیگ!
اپنے ٹھکانے پر پہنچنا اُسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔
دماغ بھی ماؤف ہو رہا تھا۔ آفاقی کو جی بھر کر گالیاں دیتے ہوئے اُس نے دھیرے دھیرے چلنا شروع کر دیا۔
تب ہی دو لڑکے اُس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ ترنم کو اُن سے ''خاص وجہ'' کا خطرہ نہ تھا یہ رہائشی علاقہ تھا شور مچانے پر کوئی نہ کوئی مدد مل سکتی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ ابھی بھی آفاقی کا پہنایا ڈائمنڈ ہار پہنے ہوئے تھی، جس کے لیے میڈم کی خاص ہدایت تھی۔ کیونکہ وہ ڈیل سے پہلے تحفے کا پوچھ لیتی تھی۔ ہار کے چلے جانے کا مطلب چاندنی میڈم کی ناراضگی تھی، جس کی وہ متحمل نہ ہو سکتی تھی اور اسی لیے جب لڑکے چھینا جھپٹی کر رہے تھے تو ترنم نے اپنی سی کوشش کر کے مزاحمت بھی کی تھی لیکن اُس کا سر کسی سے ٹکرایا اور وہ بالکل بے خبر ہو گئی تھی۔
اب ہوش میں آتے ہی سامنے سوئے شخص نے اُس کے سارے حواس جگا دیئے تھے۔ وہ یک ٹک اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ کسرتی بدن! لگتا ہے باقاعدگی سے جم جاتا ہے۔ چہرے کے جاذب نظر نقوش سے لگتا ہے ماں باپ دونوں خوبصورت ہیں۔
لیدر کی جیکٹ صوفے کی ایک جانب پڑی تھی، لباس کا سلیقہ بھی ہے!'' وہ لیٹے لیٹے اُس کا جائزہ لے رہی تھی۔''
گزشتہ پانچ سالوں سے وہ ہر رات کسی نہ کسی کے ساتھ تھی، لیکن اس طرح کی کشش وہ کہیں محسوس

لی تھی یہ ہماری پانچویں ملاقات ہے! اس نے خود کلامی کی۔ پہلی ملاقات کے بعد ہی تم کبھی ذہن سے نہ نکل پائے تھے۔ میں تین بار صرف اور صرف تم کو دیکھنے کے لیے آرٹ گیلری گئی تھی۔
لیکن میں تم میں کشش محسوس کرنے کے باوجود تمہارے آس پاس نہیں رہنا چاہتی تھی!
آج ٹھیک تین ماہ بارہ دن بعد تم پھر سے نظر آ گئے ہو! تمہاری آنکھوں کا میں سامنا نہیں کر سکتی!'' جو میری اس حالت پر سوال کریں گی!''
تم کیسے ''اپنے سے اجنبی ہو!''
جس سے میں اپنی زندگی کا یہ گلا سڑا حصّہ چھپانا چاہتی ہوں! ولی کے گھنے بالوں کا گچھا اُس کے ماتھے پر آن گرا تھا۔ ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ کسی معصوم بچے کی طرح بے آواز سو رہا تھا۔ ترنم ننگے پاؤں اس کے قریب آئی بہت جی بھر کر اُس پر ایک نظر ڈالی۔
''تم ساحر ہو! تمہاری جھکی حیا دار نگاہ نے تمہارے کردار کی مضبوطی نے، مجھے بہت پہلے یعنی آج سے تین ماہ بارہ دن پہلے جکڑ لیا تھا۔''
میرا جی چاہ رہا ہے کہ تمہارے بالوں کو سنوار دوں!
لیکن میں اس قابل ہرگز نہیں ہوں! میں تمہیں چھونے کی گستاخی کیسے کر سکتی ہوں؟ ترنم اُسی خاموشی سے پیچھے ہٹی۔
''اُس نے سارے کمرے میں نظر دوڑائی۔ آخر اُسے اپنی مطلوبہ چیز مل ہی گئی۔
جناب عبدالولی صاحب!
ہے تو یہ غیر اخلاقی حرکت! لیکن کیا کریں کسی اخلاق اور تہذیب کے زمرے میں ہم جیسے لوگوں کا ذکر کہاں ہے! چار لفظ کا شکریہ کہاں آپ کی دی ہوئی توجہ اور رات کا حق ادا کر پائے گا۔ پھر بھی میں آپ کی احسان مند رہوں گی۔
آپ کے کسی سوال کا سامنا میں کر نہیں پاؤں گی۔ جس نشے کی حالت میں میں آپ کو ملی تھی، اس سے میرے اچھی لڑکی نہ ہونے کا ثبوت تو آپ کے سامنے ہے۔ ہم جیسے راستوں میں ملنے والے لوگوں کی کوئی منزل نہیں ہوتی! بہت سارے شکریے اور اچھی دعاؤں کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں!
فقط
بے نشاں منزلوں کی مسافر!
ولی کتنی ہی دیر سے اس خط کو پکڑے چُپ چاپ بیٹھا تھا۔ وہ جُوتے جرابیں اُتار کر صوفے پر لیٹا تھا۔ جب اُٹھا تو یہ خط اُس کے پاس پڑا تھا البتہ اُس کے جوتوں میں سے جرابیں غائب تھیں۔
ترنم ننگے پاؤں تھی، جاتے ہوئے وہ اُس کی جرابیں پہن گئی تھی شاید!
عجیب طرح کی کیفیت کا وہ شکار تھا۔ کیسی اُلجھی اور عجیب سی لڑکی تھی، کیسے بنا بتائے چلی گئی تھی!
اب بس بھی کرو یار! جس کی وجہ سے ہم یہاں تھے وہ تو بڑے مزے سے اُڑن چھو ہو گئی۔ اب کیا سارا وقت بھی خراب کرنے کا پروگرام ہے!
طارق جو ابھی ابھی گرما گرم چائے لے کر آیا تھا، اندر کی صورتِ حال دیکھ کر حیرانی اور غصّہ سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے کہتے ہیں نیکی کر دریا میں ڈال! طارق نے کہا۔
یار کہاوت سچویشن پر جائے نہ جائے لیکن تم بولو گے ضرور۔ ولی نے مسکراتے ہوئے گرم کپ چائے کا پکڑ لیا۔ ویسے اچھی ہے! ولی مسکرا کر بولا۔ کیا لڑکی؟ طارق ابھی تک شاید خود کو حیرانی سے نکال نہ پایا تھا۔ نہیں یار یہ چائے! ولی نے ڈسپوزیبل گلاسوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اُس کے چہرے پر بہت جاندار مسکراہٹ تھی۔ ایسے مت مسکراؤ تم، زہر لگتے ہو! طارق نے جل کر کہا۔ جواب میں ولی کھل کر ہنسا۔
چلو غصہ تھوکو! گھر چل کر تم کو نگی کے ہاتھوں کے گرم پراٹھے کھلاؤں گا۔ یار اماں جان کے بعد صرف نگی کے ہاتھ کا ذائقہ ہے، جو مجھے پسند ہے۔ دلی نے کہا اور طارق کے تو مَن کی مراد بر آئی تھی۔
صبح صبح اپنا مَن پسند منظر دیکھنے کو مل رہا تھا۔ اُس کے کڑے تیور ایک دَم خوشگوار تاثرات میں بدل گئے تھے۔

❖❖○❖❖

نگیٹو ایریاز سے شیپ (Shape) نکالیں، سر بٹ نے ڈرائنگ کی کلاس میں نیا اسائنمنٹ دیا تھا۔
چارکول پینسل سے بنا یہ اسکیچ بہت دلچسپ تھا۔ اس میں لائن کا استعمال نہیں ہوتا تھا اس ڈرائنگ میں شکل کو دیکھنے کے لیے کاغذ کے سفید حصے کو غور سے دیکھنا پڑتا تھا۔ نگیٹو ایریاز سے اس طرح کام کیا جاتا تھا کہ ڈارک پورشن خالی جگہ میں شکل (شیپ) بناتے تھے۔
سائرہ سامنے پڑے ''کرسی میزوں'' کو، جو کہ ایک دوسرے پر رکھے ہوئے تھے۔ بڑے بیزار انداز میں دیکھ رہی تھی۔
کیا ہوا! مُسکان نے کٹر سے اپنی پینسل کی نوک بناتے ہوئے پوچھا ''یار یہ سر بٹ کا دل نہیں بھرتا گزشتہ تین ماہ سے یہ کرسیوں میزوں کا پہاڑ بنا کر ڈرائنگ کروا رہے ہیں۔'' کبھی پین اینڈ انک کبھی پینسل اور آج یہ نگیٹو ایریاز! تنگ آ گئی ہوں میں سر کے یہ پسندیدہ ماڈلز کے ڈھیر کو بناتے ہوئے۔ سائرہ نے جل کر اونچی آواز میں کہا۔
اوہ ریئلی! آپ کام کرتے ہوئے تنگ آ گئی ہیں تو وائے ناٹ! آپ آج کی کلاس آف کر لیں۔ سر بٹ کی آواز نے سائرہ کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔
اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ کب سر اس کے سرہانے آ کھڑے ہوئے تھے۔
نو سر! وہ۔ میں یہ کہہ رہی تھی، سائرہ سے کوئی بات نہ بن پا رہی تھی۔
کیا؟ سر بٹ بڑی فرصت سے اُس کے پاس پڑے اسٹول پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔
آئی ایم سوری سر! سائرہ نے کوئی جائے پناہ نہ پا کر فوراً کہا۔ ایک چیز اپنے ذہن میں رکھنا کہ دنیا میں کوئی چیز بور اور پُرانی نہیں ہوتی۔
''کوئی بھی ماڈل نیا اور پرانا کبھی نہیں ہوتا۔ ایک بچہ کسی میز کو ڈرا (Draw) کرتا ہے تو اس کا دیکھنا Imagination کا بالکل مختلف ہوتا ہے اور جوں جوں ہم بڑے ہوتے ہیں تو ہم ہر روز ایک چیز مزید اچھا اور مختلف بناتے ہیں۔'' سر بٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم اگر تین چار ماہ سے ان چیزوں کی ڈرائنگ کر رہی ہو تو یہ اب تمہارے اندر کے آرٹسٹ کا کام ہے کہ وہ کیسے اس میں سے بہت نیا انوکھا اینگل تلاش کرتا ہے اور کتنا Creative تم کچھ بنا سکتی ہو۔'' انہوں نے سائرہ کو بڑے پتے کی بات بتائی تھی۔

''ارے بچو! جس دن تم نے صرف ان کرسی میزوں کے ڈھیر کی ڈرائنگ کرنی سیکھ لی، اُس دن ہی تم ڈرائنگ سیکھ لو گے۔ یہ بات تم کو ابھی نہیں پتا چلے گی۔''
جب کام کرنا سیکھ لو گے تو پھر مجھے بتانا کہ کیا محسوس کرتے ہو۔ سر بٹ نے مسکراتے ہوئے سب طالب علموں سے کہا اور سر بٹ کی کسی بات سے وہ انحراف اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ سر بٹ نے بہت اچھے اسٹوڈنٹ کالج کو دیئے تھے۔
''زندگی میں موجود ہر چیز بہت سالوں سے ہے بس اسے دیکھنے اور بنانے والے کی آنکھ اور اینگل نیا اور مختلف ہونا چاہیے۔ وہ پھر سے گویا ہوئے، لوگ برسوں سے محبت پر لکھتے آ رہے ہیں لیکن ہر شخص کی محبت کی کہانی'' ہمیں الگ نظر آتی ہے۔ ہے ناں؟ سر بٹ نے سائرہ سے پوچھا۔
یس سر! سائرہ نے دھیمے سے جواب دیا۔
بس تم بھی میرے اس پسندیدہ کرسیوں میزوں کے ڈھیر یعنی ماڈلز سے اپنا اینگل اور بالکل نیا اینگل تلاش کرو، سر بٹ کہہ کر اگلے اسٹوڈنٹ کی جانب بڑھ گئے۔
سر لائٹ اس کارنر پر زیادہ پڑ رہی ہے! کہیں سے آواز آئی تھی اور سر بٹ اُن اساتذہ میں سے تھے، جو اپنے اسٹوڈنٹس کو بٹھا کر خود کام کیا کرتے تھے۔ اب وہ لائٹ کو خود ہی موو (حرکت) کر کے پوچھ رہے تھے یار اب ٹھیک ہے؟ ''جب لیڈر اچھا اور اپنے کام سے وفادار ہو تو اسے ساتھی بھی قابل مل ہی جاتے ہیں!'' مُسکان کو سر بٹ کی پہلی کلاس میں کہی بات یاد آ گئی
بالکل سر! یو آر رائٹ! مُسکان دل ہی دل میں بولی۔ سر بٹ کی کلاس کا کام مہینوں میں نہیں دِنوں میں سال میں آ جاتا تھا اور اس میں صرف ان کی پرسنل لگن اور محنت کا دخل تھا۔
اور لگن، محنت تو ایسی جادو اثر کنجیاں ہیں، جو بڑے بڑے زنگ لگے کند ذہنوں کو بھی کھول دیتا ہیں۔'' مُسکان سائرہ کو بہت انہماک سے کام کرتے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

❖❖○❖❖

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ انسان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب اپنی روٹین بدلتا ہے تو سب سے پہلے پکڑ اُس کی ماں کی نظر ہی کرتی ہے۔
ایمان کا کھویا کھویا انداز اور دھیرے دھیرے آپوں آپ مسکرانا اور دن بدن اس کا نکھرے جانا کسی کام میں اُس کے دل کا نہ لگنا! خدیجہ بی بی کو پہلے چونکا گیا، پھر فکر مند کر گیا تھا۔
وہ اَن پڑھ ضرور تھیں لیکن زندگی کی گہرائیاں پڑھ چکی تھیں۔
کچھ تھا ضرور مختلف!
وہ چونک چونک کر اپنی بند کلی کو روز بروز کھلتے دیکھ کر سوچتی تھیں۔ لیکن آخر کیا؟ کیونکہ کوئی بات ان کی نظر میں نہ آ سکی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اکثر وہ چپکے سے ایمان کے پاس بیٹھ کر اُسے کھوجتی تھیں۔ ایمان نے اماں کی باخبری کا الارم سُن لیا تھا۔ وہ بہت رازداری اور چالاکی سے خطوط اور تحفے سنبھال کر رکھتی تھی لیکن یہ چالاکی آخر کب تک چل سکتی تھی۔ اماں گرمیوں کے کپڑے نکالنے کے لیے بڑے صندوق کو کھولے بیٹھی تھیں۔

یہ پینڈورا باکس ہی تو تھا جو اچانک کھل گیا تھا۔ اماں کے بدن میں تو جیسے جان ہی باقی نہ رہی تھی۔ اَن پڑھ ضرور تھیں لیکن خط پر بنے دل اور اُس میں ترازو تیر اور ٹپکتے خون اور خوشبو بھرے لفافے نے صرف ان کے حواس ہی اُڑا کے نہیں رکھے تھے۔ بلکہ صندوق کے بالکل نیچے پڑی سونے کی چین نے اُن کے کمرے میں موجود آکسیجن بھی جذب کر لی تھی۔ اُن سے سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔

ایمان! اُن کے ہونٹوں سے ایمان کا نام سِسکاری کی طرح اُبھرا تھا۔

"اتنا بڑا دھوکا! میری اپنی بیٹی دھی رانی نے دیا۔"

میری اپنی اولاد ایسا کرے گی؟ ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

بے اعتباری سی بے اعتباری تھی۔ اس رشتے پر اعتبار نہیں تو پھر کس پر کرے! اُن کو یوں لگ رہا تھا کہ کمرے کی چھت دیواریں سب اُن کے وجود پر آن گری ہوں!

❁

"ایمان! میری تربیت کے رنگ اتنے کچے کیسے نکل آئے؟" اماں کے لہجے میں صدیوں کی تھکن تھی۔

"ارے تجھے کبھی پرایا دَھن جان کر آدھی محبت نہ دی، ہم نے تجھے ہمیشہ "دھی رانی" کہا اور بنا کر رکھا۔ "بول پھر تُو نے ایسا کیسے کیا؟" اماں نے سِسکتے ہوئے پوچھا۔

ایمان سر جھکائے اپنے ناخنوں سے سستی سے نیل پالش کھرچ رہی تھی۔

"ارے میں نے تو تیرے دوپٹے کو کچے رنگ کبھی نہ رنگے تھے کہ یہ تیرے سر کی اوڑھنی ہے۔ تیری تربیت میں میں نے ہمیشہ پکے سچے اصولوں کو برتا تھا۔"

"پھر...... کیسے تُو ہماری عزت کے ساتھ کھیلنے کو تیار ہو گئی؟" اماں کی آواز میں کچھ سختی در آئی تھی۔

"بول کہاں کمی رہ گئی میری محبت میں؟"

"میری تربیت میں؟ میری دعاؤں میں؟ یا۔ یا تیری قسمت میں!" اماں نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

"ہونہہ! تنگ آ گئی ہوں، اس زندگی سے، ہر وقت شُکر شُکر کی گردان کرتے ہوئے۔ آپ نے ہمیشہ زندگی کے رنگوں خوشیوں اور آسائشوں کو قربان کیا ہے!"

"اور یہ گھر نہیں ہے بلکہ قربان گاہ ہے۔ اور میرے والدین قربانی دینے والے عظیم لوگ!"

"دم گھٹنے لگا ہے میرا!" ایمان نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

اماں تو یوں ساکت و جامد بیٹھی تھیں، جیسے اُن کے جسم سے روح پرواز کر گئی ہو۔ اور یہ سچ ہی تھا ایمان فاطمہ کی محبت اور اعتبار اُن کے اندر ایک روح کی طرح تو تھا۔ اور آج یہ روح ہاتھ چھڑا کر دور نکل گئی تھی۔

پیچھے بے جان جسم اور دل باقی رہ گیا تھا۔

"تیرا دم گھٹنے لگا ہے؟" اماں کی آواز کسی گہری کھائی سے آتی سنائی دی۔

"اور جن ہَواؤں میں تُو ہے۔ سوچ جب انہوں نے رخ بدلا تو تیرا کیا ہو گا؟" اماں ایمان کے بہکے قدموں کا یقین کر کے اب اُس سے اُس کا انجام پوچھ رہی تھیں۔ وہ ماں تھیں، اولاد ناسور بھی بن جائے لیکن ماں اُسے کاٹ کر نہیں پھینکتی، چاہے اُس کا زہر اُسے موت کی سوغات ہی دے جائے۔"

"نہیں بدلیں گے ہَواؤں کے رخ! یقین رکھیں۔ ڈاکٹر جی مجھ سے شادی کریں گے۔" ایمان نے آج بے شرمی اور بے خوفی کی ساری حَدیں پار کر لی تھیں۔

"کوئی عام ماں ہوتی تو تیری اس بات پر زبان کھینچ لیتی یا جوتا پکڑ کر کھال کھینچ لیتی! لیکن ایمان میں نے تو تجھے دن رات چاہا ہے اتنی محبت کی۔ خوراک کا دسواں حصہ کسی کتے کو ڈالو تو...... تو وہ بھی اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مالک اور گھر کو نہیں چھوڑتا۔ دل نہیں توڑتا۔"

"پھر...... پھر تو نے ایسا کیوں سوچ لیا۔" اماں نے دونوں آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے چھپالیا تھا۔

"وہ اس منظر کو کبھی دیکھنا نہیں چاہتی تھیں لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہمیشہ سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ انسان کہیں چھپ نہیں سکتا۔"

"اماں! آخر میں نے ایسا کیا برا چاہ لیا؟"

"وہ شادی کرنا چاہتا ہے مجھ سے۔ کیا پسند کی شادی جرم ہے؟ جو آپ مجھ پر یوں الزام لگائے جاتی ہو۔"

ایمان پر ڈاکٹر جی کی پڑھائی پٹیاں اثر دکھا رہی تھیں۔ ورنہ یہ ہی ایمان اماں کے چہرے کے ہر اتار چڑھاؤ کو مانتی تھی۔ والدین کی خوشی میں خوش رہتی تھی۔

جانے کیوں اس ڈاکٹر نے ہمارے گھر کی خوشیوں کو نظر لگادی۔ اماں نے دکھ سے سوچا۔

"پسند کی شادی جُرم نہیں ہے! لیکن تو اپنی عمر دیکھ تیرا علم تیرا تجربہ کتنا کم ہے۔"

"اولاد اگر آگ مانگے تو کیا والدین اولاد کے ہاتھ اور جھولی میں انگارے ڈال دیں گے؟" اماں کے لہجے میں اب مضبوطی تھی۔

وہ ایمان کی بے اعتباری کے شاک سے نکل کر اب فیصلہ کن لہجے میں بول رہی تھیں۔

"یہ تو بھول جا کہ تُو اپنا نقصان سوچے گی اور ہم عمل میں تیرا ساتھ دیں گے۔ میں تیری ماں ہوں، تیرا نقصان نہیں سوچوں گی۔"

"اور تُو یہ بھی اچھی طرح جان لے کہ میں اُس بے جوڑ کے آدمی کے حوالے تجھے ہرگز نہ کروں گی جس کی نہ ماں کا پتا نہ باپ کا۔" اماں نے نہایت سختی سے اُسے تنبیہہ کی تھی۔

"اور خبردار اگر کوئی رابطہ اُس سے آئندہ کیا۔

تیرے باپ کو خبر ہوگئی تو میری طرح سمجھانے نہیں بیٹھے گا۔ شریف آدمی کا آخری ضبط اور حد اُس کی غیرت ہوتی ہے کوئی اُسے للکار بیٹھے یا کھیلنے کی کوشش کرے تو وہ اُسی عام سے شریف آدمی سے مارا جاتا ہے۔" اماں نے سختی سے کہا۔

"اور تو اچھی طرح جان لے تیرا باپ شریف اور غیرت مند آدمی ہے!" اماں کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ایمان کا باغی دل کچھ دیر کو سہم سا گیا۔

❖❖○❖❖

پارٹ ٹو والوں کی اینورسری تھی صبح کالج میں کیک کاٹا گیا اور ہلّہ گلّہ کیا گیا۔ سارے کالج کو رات میں Invite کیا گیا تھا۔ وہ مختلف پروگرامز اور گیمز وغیرہ کرنے کا پروگرام رکھتے تھے۔ تقریباً سب ہی طلبہ کا رات کو فنکشن میں آنے کا موڈ تھا۔ کالج میں ہر اسٹوڈنٹ ہر وقت کچھ نیا کرنے اور مستی کے موڈ میں نظر آتا تھا۔

مُسکان اور سائرہ کی تو اپنی کلاس کا فنکشن تھا۔ مُسکان نے نہ آنے کے لیے لُولے لنگڑے بہانے بنائے تو سائرہ باقاعدہ اُس سے لڑ پڑی۔ "اللہ کے واسطے اس قدر قنوطی نہ ہوتی جاؤ! یہ ہی تو دن ہیں

انجوائے کرنے کے، دن رات کلاس کے پروجیکٹ پر محنت کرتے کرتے ایک ہی روٹین سے تم تھک نہیں جاتیں؟" سائرہ بولی۔

"بس میں اب تمہارا کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔" سائرہ خود بھی اُس کے ساتھ ہی گھر آ گئی اور اکٹھے تیار ہونے کا پروگرام بنایا۔

مُسکان کے وارڈ روب میں اتنے خوبصورت اور قیمتی لباس دیکھ کر سائرہ کو بے انتہا غصہ آیا۔ "یہ سب انڈے بچے دینے کے لیے رکھے ہیں؟ اِن کو پہنتی کیوں نہیں؟" مُسکان بے نیازی سے بیٹھی کیوٹکس لگاتی رہی۔

"یہ...... یہ ہاں! یہ پنک اور گرے والا۔ اوں نہیں! اس سے تو زیادہ یہ رائل بلیو والا خوبصورت ہے۔ سائرہ خود ہی سوٹ نکالتی اور خود ہی ریجیکٹ کر رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے فائنل! تم یہ رائل بلیو والا پہنو، سائرہ بالآخر فیصلے پر پہنچ ہی گئی۔"

"میم! اگر آپ فیصلہ لے چکی ہوں تو میں کوئی ڈریس پہن لوں؟" مُسکان نے عاجز آتے ہوئے پوچھا۔ کیونکہ سائرہ گزشتہ ایک گھنٹے سے الماری میں منہ دیئے کھڑی تھی اور فیصلہ نہ کر پا رہی تھی۔

"ہاں یہ لو...... کیا اس کے ساتھ میچنگ جوتا ہے؟" سائرہ کو نئی پریشانی لاحق ہوئی۔

"ہے بھئی ہے...... تم فکر نہ کرو!" مُسکان نے کہتے ہوئے اپنی فل سائز وارڈروب کے ساتھ بنے شو ریک کا پٹ کھولا تو سائرہ کا منہ ایک دَم کُھلا رہ گیا۔

"واؤ...... اتنی کلیکشن!

"تم شاپنگ کی اس قدر شوقین لگتی تو نہیں ہو!" سائرہ نے کوئی سو کے قریب مُسکان کے جوتے دیکھے جن کو کبھی پہنتے سائرہ نے مُسکان کو نہ دیکھا تھا۔

"یار یہ سب کچھ بابا جانی کرتے ہیں!" مُسکان نے بے نیازی سے کہا۔ "میں نے اماں کو کبھی دیکھا تو نہیں ہے لیکن وہ بھی اگر زندہ ہوتیں تو مجھ سے بابا جانی سے زیادہ پیار نہ کر پاتیں۔" مُسکان کے لہجے میں اپنے بابا جانی کے ذکر پر بہت پیار تھا۔ اُس کے لہجے میں اپنے بابا کے لیے بے انتہا فخر دَر آیا۔

"مجھے کس چیز کی ضرورت ہے! بابا کو مجھ سے پہلے خبر ہو جاتی ہے۔ وہ دنیا کے سب سے اچھے باپ ہیں!"

"میری ضرورت سے زیادہ میرے لیے خریداری کرتے ہیں، کس فیشن کا جوتا کپڑا زیادہ چل رہا ہے وہ مرد ہو کر جانتے ہیں شاید اس لیے کہ انہوں نے خود کو میرے لیے ماں بھی بنایا ہے۔ یہ سب کچھ بابا کی کاوش ہے اور تم ٹھیک کہتی ہو کہ میں واقعی ان چیزوں کی بہت زیادہ شوقین نہیں ہوں۔" مُسکان نے مسکراتے ہوئے سائرہ سے کہا۔

"مُسکان۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو! باپ واقعی بہت اہم ہوتے ہیں ناں زندگی میں؟"

سائرہ کے لہجے میں، آنکھوں میں حسرت ہلکورے لے رہی تھی۔ "ہاں! کیونکہ آج میں جو کچھ ہوں صرف بابا کی وجہ سے، وہ میرے لیے خواب دیکھتے ہیں اور ان کو پورا کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔" مُسکان سارہ کی آنکھوں میں آن بیٹھی ڈھیر سی حسرت سے بے خبر بولی۔

"کس قدر خوبصورت احساس ہے ناں'باپ' کا ہونا!" سارہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی، جس پر پہلی بار مُسکان چونکی تھی۔

"آئی ایم سوری سارہ! میں اپنے ہی خیال میں جانے کیا کیا کہہ گئی" مُسکان نے معذرت کی۔ "نہیں مُسکان! اس میں تمہارا کیا قصور؟ ہر باپ میرے باپ جیسا بزدل اور بے وفا تھوڑی ہوتا ہے!" سارہ کا لہجہ رندھ گیا۔

مُسکان نے فوراً اُسے گلے لگالیا۔ یہ واحد ٹاپک تھا، جو سارہ جیسی کھلنڈری اور پیاری لڑکی کو دکھی کردیتا تھا۔ "دیکھو اگر یوں بسورنے لگیں تو میں نہیں جارہی!" مُسکان نے سارہ کی توجہ ہٹانے کے لیے ایک دم موڈ خراب کرکے کہا۔

"اچھا پلیز اب موڈ ٹھیک کرلو اور پاری سی بلی بن کر دکھاؤ۔" مُسکان نے اپنی بہنوں کی طرح عزیز سہیلی کو Relax کرنے کی کوشش کی۔

جواب میں سارہ آنسوؤں میں مسکرائی، یوں جیسے چمکتی دھوپ میں ٹھنڈی ہوا کی لہر محسوس ہوئی ہو۔

❖❖○❖❖

"یہ گیم سب کے لیے ہے! ہال میں موجود سب لڑکے لڑکیوں کو اس ہارٹ کی شیپ میں بنے کارڈ کو بائے نیم دیا جائے گا۔"

پارٹ ٹو کے فاخر اور ثانیہ نے مائیک پر اعلان کیا۔ پھر ہال میں موجود سب لڑکے لڑکیوں کو دل کی شکل کے کارڈ دیئے گئے۔ یہ دل Imbosed بنائے گئے تھے اور بڑے سائز کے ہونے کی وجہ سے بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ اِن دلوں کے پیچھے ہر لڑکے اور لڑکی کا نام لکھ کر اُن کو دے دیا گیا تھا۔ بے شک پارٹ ٹو والوں نے بہت محنت اور پیسے لگائے تھے، اس نئے اور Creative کھیل کو کھیلنے کے لیے۔

"او کے گائز! کیا آپ سب کو اپنے اپنے "دل" مل گئے ہیں؟" ثانیہ نے با آواز بلند سب سے پوچھا۔ جواب میں سب اسٹوڈنٹس نے خوشی سے نعرے لگا کر جواب دیا۔

"او کے! تو پھر آج کی رات اپنے اپنے دل سنبھال لیجیے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی آپ کا دل چھین کر اپنا کرلے۔" فاخر نے ڈرامائی انداز میں ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ہر طرف سے قہقہے بلند ہوئے۔ کیونکہ "یہ ہے دل کا معاملہ!" فاخر اور ثانیہ کمپیئرنگ کررہے تھے، اکٹھے بولے۔

اس سارے گیم میں کوئی بھی لڑکا کسی لڑکی کے پاس جاکر...... فاخر بولا اور کوئی بھی لڑکی کسی لڑکے کے پاس جاکر اُس کا دل چھین سکتی ہے۔ اس کا دل جیت سکتی ہے" ثانیہ نے سنسنی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو بس یہ کرنا ہوگا کہ جس کا دل آپ کو چاہیے اُس سے سوال کرنے ہیں اور جس کا دل ہوا اُسے اپنا "دل" بچانے کے لیے اُس سوال کا جواب جھوٹ یعنی نفی ......صرف نو (NO) میں دینا ہے۔" فاخر نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"جیسے میں فاخر سے کہوں گی۔ فاخر تم دنیا کے سب سے بڑے گدھے ہو!" ثانیہ نے فوراً فاخر پر حملہ کردیا۔

"ہرگز نہیں!" فاخر نے آنکھیں نکال کر ثانیہ سے کہا۔

"وہ تو تم ہو! لاؤ اپنا دل۔" ثانیہ نے ہنستے ہوئے فاخر کے ہاتھ میں اُس کے نام کا دل پکڑتے ہوئے کہا۔ "لو تمہارا دل میں نے چھین لیا۔" ثانیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

جواب میں فاخر نے کھسیانا ہوکر حاضرین سے کہا۔ "او کے! تو ڈیئر فرینڈز! اپنے اپنے دل سنبھال لیں۔"

"یہ نہ ہو کہ آپ بھی میری طرح پہلی بال پر ناک آؤٹ ہوجائیں۔" فاخر کی بات پر ہر جانب ہے ہُرّے کے نعرے لگنے لگے۔ گیم شروع ہوچکا تھا۔

کئی لڑکیاں اور کئی لڑکے دل جیت کر اسٹیج پر آکر اُن ہارنے والے لڑکے لڑکیوں کا نام اناؤنس کرچکے تھے جن سے وہ دل چھین کر لائے تھے۔

بڑی دلچسپ سچویشن پیدا ہوچکی تھی۔ اور ہر کوئی اپنا آپ بچا رہا تھا۔

مُسکان اور سارہ ایک طرف کافی کے کپ پکڑ کر کھڑی تھیں۔

"یہ ثانیہ اور فاخر کے شیطانی دماغ نے کہاں لا پھنسایا!" مُسکان نے کہا۔

سارہ البتہ ساری سچویشن سے مزہ لے رہی تھی۔

"اے مُسکان! وہ دیکھ پرنس آف دا نائٹ!" سارہ نے مُسکان کو ٹہوکا دیا۔

"کون؟" مُسکان نے اپنے سنہری بال پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہوسکتا ہے؟ وہ ہی ہے تمہارا عبدالولی!" سارہ نے چبا چبا کر کہا۔

مُسکان کی ہارٹ بیٹ یکدم تیز ہوگئی۔ سارہ کے یوں "تمہارے" کہنے پر۔

ہلکی ہلکی شیو عبدالولی کی سنہری رنگت پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ گھنے بال آج اُس نے جل لگا کر سیٹ کیے تھے اور بلیک سوٹ پہنا تھا۔

سوٹ تو تقریباً سب لڑکوں نے پہنے تھے لیکن مُسکان اپنے دل کا کیا کرتی، جسے صرف ولی ہی سب میں نمایاں لگ رہا تھا۔

ولی خاص تھا وہ بہت سارے لوگوں میں الگ سا نظر آتا تھا۔ لیکن مُسکان کی نظروں نے تو اُسے خاص الخاص بنادیا ہے۔

"اے...... کدھر چل دیئے کھڑے کھڑے؟" سارہ نے اُسے باقاعدہ پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔

"واپس آجاؤ تمہاری خیالی گاڑی کا پیٹرول ختم ہوجائے گا۔" سارہ نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ اس کی یہ خوش مزاجی شاید اردگرد کے چنچل ماحول کی وجہ سے بھی تھی۔

"سارہ! ولی میں کچھ بہت خاص ہے ناں؟"

"دیکھو کتنی لڑکیاں اُس کا دل چھیننے کے لیے ٹرائی کرچکی ہیں!" مُسکان نے ولی کو یک ٹک دیکھتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں دیکھ رہی ہوں اِن کو بھی اور تم کو بھی۔" سارہ نے شرارت سے مُسکان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم میرے ساتھ چلو۔" اچانک ہی سارہ نے مُسکان کا ہاتھ پکڑ کر اُسے کھینچا اور جب وہ عین ولی اور ٹی ٹو کے پاس جا کر رُکی تو مُسکان نے ایک بھرپور خفا سی نظر سارہ پر ڈالی۔

لیکن سارہ لگتا تھا کہ کچھ سننے کے موڈ میں نہ تھی۔

"ہیلو!" سارہ نے کھنکتی ہوئی آواز میں ولی کو مخاطب کیا۔

"وعلیکم ہیلو! کیسی ہیں سارہ آپ؟" ولی نے سارہ کو خوش دلی سے جواب دیتے ہوئے ایک اچٹتی نظر مُسکان پر بھی ڈالی تھی۔

مُسکان کی ہارٹ بیٹ پھر مِس ہونے لگی۔

وہ ولی سے اکثر ملی تھی۔ لیکن آج اُس کا سامنا کرتے ہوئے اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔

وہ اپنی کلاس کی غیر معمولی ذہین اور پُراعتماد لڑکی تھی لیکن ولی کے معاملے میں اُس کا اپنا دل چور تھا، اس لیے اُس کی ساری خود اعتمادی بھک سے اُڑ جاتی تھی۔

"آج آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں!" سارہ نے بلا جھجک ولی کی تعریف کی۔ ولی کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

کیونکہ ٹی ٹو منہ ہی منہ میں پچیس (25) بڑبڑایا تھا۔

ٹی ٹو مسلسل ولی کے پاس آ کر باتیں کرنے اور اُس کی تعریف کرنے والی لڑکیوں کی کاؤنٹنگ کر رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" سارہ کے تیز کانوں نے ٹی ٹو کا جملہ سُن لیا تھا۔

"مطلب آپ سلیس اردو میں پسند کریں گی کہ آسان انگلش میں؟" ٹی ٹو نے جواباً شوخی سے پوچھا۔

"اے انکل آپ حد سے باہر بات کریں گے تو مشکل ہو گی!" سارہ نے شعلہ برساتی نظروں سے ٹی ٹو کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

"کم آن بے بی! میں کیوں حد سے باہر آؤں گا، حد کے پاس تو خود آپ چل کر آئی ہیں۔" ٹی ٹو بھی کہاں رکنے والا تھا۔ فوراً بولا۔

"ارے...... ارے یہ اتنے ٹھنڈے موسم میں آگ کیوں بھڑکنے لگی؟" عبدالولی نے عین وقت پر سفید جھنڈی لہرائی۔

"ہونہہ...... یہ آپ اپنے انکل سے پوچھیں۔" سارہ باقاعدہ پھنکاری۔ ٹی ٹو کے چہرے پر بہت دلفریب مسکراہٹ دَر آئی تھی۔ لفظ "انکل" پر۔

اُسے یہ لڑتی بھڑتی لڑکی ایک دم بہت اچھی لگی تھی۔

"اوکے! میرا خیال ہے کہ ٹی ٹو تم محترم خاتون سے سوری کر لو۔" عبدالولی نے اپنی مسکراہٹ زبردستی روکتے ہوئے کہا۔ ورنہ یہ بات طارق تک جا سکتی ہے!

"اور اِن کو کہیں کہ اپنے الفاظ بھی واپس لیں۔" سارہ نے اصرار کیا۔

"اوکے بے بی! پچیس نہیں بلکہ چوبیس لڑکیاں کر لیتے ہیں۔" ٹی ٹو نے خلافِ توقع فوراً صلح کا جھنڈا

لہرا کر اپنی گنتی واپس لی۔

"اور یہ مجھے بے بی کیوں کہہ رہے ہیں؟" سارہ جس مقصد کے لیے آئی تھی اُسے بھول کر ٹی ٹو سے اُلجھ کر بولی۔

"کیوں کہ آپ مجھے مسلسل "انکل" کہہ رہی ہیں، اس رشتے کے ناطے میں نے آپ کو بے بی کہا۔" ٹی ٹو نے بہت شائستہ لہجے میں جواب دیا۔

"وہ...... وہ تو۔" سارہ نے انگلی اٹھا کر کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔

"سارہ!" مُسکان نے سارہ کو دبے دبے لہجے میں ڈانٹا۔ "کنٹرول یور سیلف۔" مُسکان نے باقاعدہ اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

ولی نے اُس بار اُسے بہت غور سے دیکھا تھا۔ مُسکان کے چہرے پر بہت سے رَنگ تھے۔ خفگی، غصہ، پریشانی! اُسے ایک دَم اپنے روکھے پن کا احساس ہوا تھا۔

لیکن وہ خود کا کیا کرتا۔ یہ بے نیازی اُس کی شخصیت کا خاصا تھی اور اکثر لڑکیاں اس سے ہرٹ ہو جاتی تھیں۔

"اور ولی! کل آپ نے فون پر مجھے مُسکان کے ہی متعلق کہا تھا ناں؟"

"کہ آپ کو اِس سے محبت ہو گئی ہے!" سارہ نے دھماکہ کیا۔ باقی کے تینوں نفوس دم بخود ہو کر رہ گئے تھے۔

"سوری! کیا میں نے آپ کو فون کیا تھا؟" ولی کے لہجے میں ایک دم سنجیدگی دَر آئی۔

"بالکل! کیا آپ نے مجھے فون نہیں کیا تھا؟" سارہ نے حیران ہوتے پوچھا۔

"نہیں...... بالکل نہیں!" ولی نے نہ سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا آپ مُسکان سے محبت نہیں کرتے؟" سارہ بولی۔

"ہرگز نہیں! جب میں نے آپ کو فون کیا ہی نہیں تو میں ایسی بات کیوں کروں گا۔"

ولی کے اِنکار پر مُسکان کے چہرے کی ایک دَم رنگت بدل گئی۔

"حیرت ہے ولی۔ آپ اپنی بات سے مکر رہے ہیں۔" طارق کی وجہ سے میں آپ کو بھی ہمیشہ بھائیوں کی طرح چاہتی ہوں، آپ میرے سامنے اپنی بات سے کیونکر مکر سکتے ہیں؟ سارہ نے نہایت سنجیدگی سے ولی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب آپ یہ بھی کہیں گے کہ یہ انگوٹھی بھی آپ نے مجھے مُسکان کو دینے کے لیے نہیں دی تھی۔" سارہ نے بیگ سے ایک انگوٹھی نکال کر تینوں کے سامنے لہرائی۔

مُسکان کو تو اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہنا دشوار لگ رہا تھا۔ اور ٹی ٹو کا منہ کُھل کر رہ گیا تھا۔

"ہرگز نہیں! میں نے آپ کو ایسی کوئی چیز نہیں دی!" ولی کے ماتھے پر شکنیں نظر آنے لگی تھیں۔

"بے شک سارہ آپ میرے لیے طارق کی نسبت کی وجہ سے بہت محترم بھی ہیں لیکن آپ نے جو کچھ کہا، وہ جھوٹ ہے اور میں اسے بالکل نہیں مانتا۔" عبدالولی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تو آپ مانتے ہیں ناں کہ میں نے اب تک جو کہا وہ جھوٹ تھا۔" سارہ کی آواز ابھی تک ہشاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بشاش تھی۔

''جی ہاں!'' ولی نے کچھ منہ بنا کر کہا۔

''اور یہ انگوٹھی آپ نے مجھے مسکان کے لیے نہیں دی!'' سائرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جی ہاں میں نے نہیں دی۔'' ولی نے سائرہ کے یوں ہنسنے پر حیرانی سے اُسے دیکھا۔

''لیکن مسٹر عبدالولی! بے شک آپ ہمیں انگوٹھی نہ دیں لیکن آپ کو ''اپنا دل'' ہمیں دینا ہوگا۔ کیونکہ آپ گیم ہار گئے ہیں۔

سائرہ کی مسکراہٹ ہلکے سے قہقہے میں بدل گئی تھی۔

''اوہ میرے اللہ! آپ کتنی بڑی اداکارہ ہیں!'' ٹی ٹو اپنے آپ کو کہنے سے بالکل نہ روک سکا۔

ولی ساری بات سمجھ کر بے اختیار مسکرایا۔ اُس نے سائرہ کے ڈرامے کو نہ سمجھنے پر کچھ خفت بھی محسوس کی تھی۔ ''بے انتہا ذہانت رکھنے والے بھی اکثر چُوک جاتے ہیں۔''

''تو لایئے اپنا دل۔'' سائرہ نے ہاتھ بڑھایا۔

ولی نے دل شیپ کا بنا بڑا سا کارڈ، جس پر اُس کا نام لکھا تھا۔ اُس کی طرف بڑھادیا۔

''آں...... لیکن یہ دل! آپ کو اپنا دل مسکان کو دینا ہوگا کیونکہ یہ آئیڈیا مسکان کا تھا۔'' سائرہ نے ایک دم پینترا بدلا اور مسکان کو لگ رہا تھا کہ ضرور سائرہ کی کافی میں نشہ تھا کیونکہ اُس کی ان بہکی حرکتوں پر مسکان کا دل سائرہ کا سر پھاڑنے کو کر رہا تھا۔

''اوکے! مس مسکان: یہ لیں یہ دل آپ کا ہوا!'' ولی نے خوشدلی سے کہا۔

مسکان کا اپنا دل ولی کے یوں کہنے پر سرپٹ دوڑنے لگا تھا۔ اتنا بے قابو کہ مسکان کا چہرہ ایک دَم بلش ہوگیا اور اُس نے لرزتے ہاتھوں سے ولی کا دل تھاما۔

اُسی پَل فلش چمکا۔ اسد نے اُن کی تصویر کھینچ لی تھی اب اسد اور ماجد بے باکی سے ہنس رہے تھے۔

''یہ کیا ہے اسد؟'' ولی نے سختی سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں! تم دل دے رہے تھے، ہم نے اس یادگار پَل کو ہمیشہ کے لیے قید کرلیا۔'' اسد نے بے خوفی سے کہا۔

''تم کون ہوتے ہو یوں ہماری تصویر لینے والے؟'' ولی نے بہت کنٹرول کے ساتھ کہا۔ اُس کا ایک بار بھی غصے سے ان لڑکوں سے بھڑنا مسکان کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔

سارے کالج میں خوامخواہ اسکینڈل بن سکتا تھا اس لیے ولی نے نہایت تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

''ہم...... ڈیئر کلاس فیلو! ہم تمہارے ڈیئر کلاس فیلو لگتے ہیں۔'' ماجد نے بدتمیزی سے جواب دیا۔

''دیکھو ماجد تمیز سے یہ کیمرے کا رول ہمارے حوالے کردو!'' ٹی ٹو نے کہا۔

''اوئے ہوئے! یہ بچہ بھی بولتا ہے!'' اسد اور ماجد ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولے۔

''تم شرافت سے ہماری بات نہیں مانو گے؟'' ولی نے خونخوار نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

اوں...... ہوں!'' دونوں یک زبان ہوکر بولے اُن کا ایک ایک تاثر غصہ دلانے والا تھا۔

''ابھی نہیں ملے گی یہ تصویر۔ ابھی تو اس پر کام کرنا ہے!'' ہمارے ڈیزائنر ہونے کا کیا فائدہ ہوگا۔ اسد کے

لہجے میں دھمکی تھی۔

''تیری تو طبیعت میں ابھی صاف کردیتا ہوں۔'' اچانک ہی ٹی ٹو آگے بڑھ کر گتھم گتھا ہوگیا۔

''سائرہ...... مسکان! تم دونوں مجھے ایک سیکنڈ کے اندر یہاں سے غائب نظر آؤ۔'' ولی نے سختی سے اِن کو اہر کی طرف دھکیلا۔

مسکان اور سائرہ بدحواسی میں ہال سے باہر آ گئیں۔ اندر ایک شور برپا تھا۔

مسکان نے سائرہ کو خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔

ولی نے اُن کا نام اس جھگڑے میں نہ آئے، اس لیے ان کو وہاں سے چلے جانے کو کہا تھا۔

لیکن اندر سے آنے والی آوازیں مسکان کے قدموں میں زنجیر ڈال رہی تھیں۔ مسکان کا ڈرائیور کم ا ای گارڈ ان کو دیکھتے ہی الرٹ ہوکر گاڑی کا دروازہ کھول کر کھڑا ہوگیا تھا۔

''چلو!'' سائرہ نے زبردستی مسکان کو کھینچ کر اندر بٹھایا۔

''سائرہ...... وہ۔؟'' مسکان ڈرائیور کی موجودگی میں بے بس تھی اور کوشش کر رہی تھی کہ اُس کے آنسو اہر نہ آئیں۔

''چُپ...... گھر جا کر بات کریں گے۔'' سائرہ نے ڈرائیور کو بیک ویو مرر سے اُن کی جانب غور سے یکھتے ہوئے دیکھا تو مسکان کا ہاتھ دبا کر چُپ رہنے کا اشارہ کیا۔

❖❖○❖❖

''چلو یار غصہ تھوکو! مٹی ڈالو...... رات گئی بات گئی۔'' ماہ رخ نے واکنگ ٹریک کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔

ترنم اور وہ دونوں اس وقت جم میں ورزش کر رہی تھیں۔ ماہ رخ کو اپنے فگر کا بہت خیال رہتا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں اُس بڈھے آفاقی کو اتنی آسانی سے معاف کردوں گی؟'' ترنم کا چہرہ کچھ ہانپنے اور کچھ غصے سے تمتما رہا تھا۔

''لیکن یار وہ گزشتہ دو ہفتوں سے بلا ناغہ تم سے معافی مانگنے آ رہا ہے، اب اُس پر رحم کرلو۔'' ماہ رخ چاندنی میڈم کے کہنے پر سفارش کر رہی تھی۔

خود شروع میں چاندنی میڈم کو آفاقی پر بہت غصہ تھا لیکن ابھی کل ہی وہ ہیروں کا ایک اور بیش قیمت سیٹ دے کر گیا تھا اسے ترنم کے ہار کی چوری کی خبر مل گئی تھی، اب وہ اسے منانے کے لیے پورا سیٹ لے کر آیا تھا جس پر چاندنی میڈم کا موڈ بحال ہوا تھا اور ترنم کا غصہ اتارنے کی ڈیوٹی ماہ رخ کی لگائی تھی۔

اور اب وہ ترنم کا مسلسل دماغ کھا رہی تھی۔

''چلو بس!'' ترنم نے واکنگ ٹریک کا بٹن بند کرکے چلنے کا اشارہ کیا۔ ''لیکن وہ آفاقی۔'' ماہ رخ نے شرارت سے کہا۔

''بھاڑ میں جائے۔ ترنم نے تولیے سے پسینہ صاف کرکے غصے سے تولیہ پھینکا۔ ارے جس آگ کو وہ ہوا دے چکا ہے، اُس کے بعد ہر بھاڑ، آگ کم پڑے گی۔'' ماہ رخ نے بے باکی سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ماہی! تم...... تم کاش ذرا ڈھکا چھپا بولو تو کتنا اچھا لگے۔'' ترنم نے نارمل لہجے میں کہا تھا وہ شاید تولیے کے ساتھ ہی اپنا غصہ بھی پھینک چکی تھی۔ ویسے بھی اُس بُری رات کی ''صبح'' کتنی یادگار تھی۔

''اُسے وہ ساحر پھر سے ملا تھا۔ اوکے! لیکن اب تم دوبارہ آفاقی سے موڈ نہ بنانا، یہ آپا کا بھی پیغام ہے۔'' ماہ رخ نے چاندنی میڈم کی ہدایت بھی پہنچادی تھی۔

''ہونہہ۔'' ترنم نے سر جھٹکا۔

''پیسے کی پجارن جس کا غصہ، خوشی ہر چیز پیسوں سے بڑھتی کم ہوتی ہے۔ اللہ جانے یہ اتنا ناجائز پیسہ اس کی ہوس کیوں پوری نہیں کردیتا۔ اس کو اور کتنا چاہیے۔ اس اور کے لیے جانے اور کتنی زندگیاں برباد کرے گی۔'' ترنم نے کھڑے ہوتے ہوئے سوچا۔

❖❖○❖❖

''واہ بیٹا یہ تو بہت خوربصورت ہے!''

''گڈ! بہت عمدہ!'' احمد شاہ نے کتنے ہی لفظوں میں نگینہ کے کولاج ورک کی تعریف کی تھی۔

''نہیں بابا...... میں تو ویسے ہی بھائی کے کام سے متاثر ہوکر یونہی کوشش کررہی تھی۔''

نگینہ بے حد شرمیلی تھی۔ اب بھی اپنی تعریف پر سرخ پڑگئی تھی۔

''بیٹا تم نے یہ لینڈ اسکیپ بہت خوبصورت بنایا ہے۔'' احمد شاہ نے اسے یقین دلایا۔

''بابا! میں نے تو ایویں سا بنایا ہے کبھی بھائی کا کام دیکھیں۔ بھائی کا تو کام بولتا ہے۔'' نگینہ نے معصومیت سے اپنی تعریف پر اِنکار کیا۔

''لیکن میری جان! آپ کے بھائی نے چار سال اس کام کی تربیت حاصل کی ہے جبکہ آپ نے کبھی ایسی ٹیکنیک کی تربیت نہیں لی۔ پھر بھی صرف دیکھ دیکھ کر اتنا اچھا کام کیا ہے۔'' یہ بہت بڑی بات ہے۔

''میں آپ کے کام کی نمائش کراؤں گا۔'' احمد شاہ اپنے بچوں کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور کام کو ہمیشہ بڑھ چڑھ کر سیلیبریٹ کرتے تھے۔

''بابا آپ بھی ناں!'' نگینہ شرما سی گئی۔

''اچھا چلو میں آپ کو ایک بہت مشہور قصہ سناتا ہوں۔'' احمد شاہ یوں ہی باتوں ہی باتوں میں اپنی اولاد کی تربیت کرتے تھے۔ ان کو خود اعتمادی دیتے تھے۔

''اچھا تو میں آپ کو کچھ بتارہا تھا۔ مشہور امریکی موسیقار اور مینجمنٹ کنسلٹنٹ مائیکل جونز اب سے کچھ سال پہلے ایک معمولی ہوٹل میں آرکسٹرا بجانے کا کام کرتا تھا۔ اگرچہ اس نے اپنا ذاتی میوزک بھی تیار کرا رکھا تھا لیکن وہ بہت کم اپنا میوزک بجاتا تھا۔ وہ اکثر اوقات مشہور امریکی گلوکاروں کے مشہور گانوں کی دُھنیں بجاتا تھا۔ ایک دن وہ حسبِ معمول میوزک بجانے میں مصروف تھا کہ ایک بوڑھا شخص اس کے پاس آیا ایک کرسی قریب گھسیٹی اور بیٹھ کر بڑے انہماک سے میوزک سننے لگا۔ اس کے اس طرح توجہ دینے سے مائیکل ذرا کنفیوژ ہوگیا۔ بوڑھے نے انتہائی مہربان انداز میں اشارے سے اس سے اپنا کام جاری رکھنے کی درخواست کی۔

اچانک بوڑھے نے اسے ٹوکا اور کہا۔ ''وہ میوزک جو تم پہلے بجارہے تھے۔ کس فلم کا ہے؟''

''وہ کسی فلم کا گیت نہیں بلکہ میری اپنی بنائی ہوئی دُھن ہے''

''مائیکل نے جھجکتے ہوئے قدرے شرمساری سے کہا۔''

''لیکن تم اتنے شرمندہ کیوں ہورہے ہو؟ میں تمہارے پاس مشہور فلموں کے گانے سننے نہیں آیا تھا بلکہ تمہارے ذاتی گانے کے میوزک نے ہی مجھے تمہاری طرف چلے آنے پر مجبور کیا۔'' بوڑھا آدمی بولا۔

تعریف سننے کے بعد بھی مائیکل کو لگا، جیسے یہ بوڑھا محض اس کا دل رکھنے کے لیے اس کے کام کو سراہ رہا ہے۔

''لیکن وہ تو بہت عام سا گیت ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ اتنا اچھا ہے کہ اسے سب کے سامنے بجایا جائے۔'' مائیکل نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''اس لمحے بوڑھے نے بڑے مضبوط، پروقار اور جادوئی لہجے میں مائیکل کی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔''

''اگر تم خود اپنا میوزک نہیں بجاؤ گے تو پھر کون بجائے گا۔''

''آگہی کی اک نئی لہر اس کے پورے جسم میں سرایت کرگئی۔ بوڑھے کے اس طلسماتی جملے کا سحر ٹوٹا تو اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ آرکسٹرا پر اس کی اپنی پسندیدہ دُھن پر جھوم رہے تھے۔ اور بوڑھا اسی باوقار انداز میں اپنی نشست پر واپس جارہا تھا۔''

''اگر تم خود اپنا میوزک نہیں بجاؤ گے تو پھر کون بجائے گا'' مائیکل نے بوڑھے کے الفاظ دہرائے تھے، جسے اب وہ دور جاتے ہوئے شکر گزار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''اس ایک جملے نے مائیکل جونز کی پوری زندگی کی سمت بدل کر رکھ دی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے اندر کے ''بیج'' پر نشوونما کے نئے دَر کھول دیے ہوں۔ اس وقت مائیکل جونز نے تہیہ کیا کہ وہ آئندہ صرف اپنی دُھنیں بجائے گا۔''

''آج مائیکل جونز ایک نامور موسیقار اور کارپوریٹ ٹرینر ہے اور دنیا کی اہم ترین کمپنیوں میں تخلیقی صلاحیت کی نشوونما پر ٹریننگ دیتا ہے۔''

''بیٹا جو خود کو پہچان لیتا ہے، وہ ہی پہچانا جاتا ہے۔ خود کی قدر کرنا کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے! احمد شاہ نے رسان سے نگینہ کو بتایا۔''

''خود کو اور خود کی صلاحیتوں کو کبھی کم اور شرمندگی کا باعث نہیں سمجھنا چاہیے۔''

احمد شاہ کے الفاظ نگینہ کے اندر ہمیشہ کی طرح زندگی دوڑا رہے تھے۔

''باباجانی میں اور بھائی ایسے تھوڑا ہی آپ پر اتنا فخر کرتے ہیں۔ آپ دنیا کے سب سے اچھے بابا ہیں۔'' نگینہ نے معصومیت سے کہا۔

نگینہ کا اعتراف احمد شاہ کے اندر اطمینان کی لہر دوڑا گیا تھا۔ ''اے اللہ! تو مجھے ان بچوں کے معاملے میں سرخرو رکھنا۔'' وہ ہمیشہ دل میں یہ ہی دعا کرتے تھے۔

''بابا آپ نے کبھی اپنی بات ہم پر نہیں ٹھونسی۔ آپ نے ہمیشہ اتنے پیار سے سمجھایا ہے کہ وہ بات ہمارے اندر جذب ہوکر ہماری ذات کا حصہ بن جاتی ہے۔'' نگینہ نے اپنا سر اِن کے شانے پر ٹکاتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا۔

"میرے پیارے بیٹے اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آپ تو میری آنکھوں کا نور ہو۔" احمد شاہ نے پیار سے اُس کا سر تھپتھپایا۔

"اور بھائی کیا ہے آپ کے لیے" نگینہ نے شوخی سے پوچھا۔ "وہ میری آنکھیں ہیں!" احمد شاہ ہنستے ہوئے بولے۔

"بابا جانی اٹس ناٹ فیئر۔" نگینہ بولی۔

"میری جان! تم دونوں ہماری جان ہو اور لازم وملزوم ہو۔" احمد شاہ نے اُسے پیار سے سمجھایا۔

اُسی پل فون پر بیل ہوئی۔ نگینہ نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر احمد شاہ کو بلایا۔ "بابا جانی لاہور سے کال ہے، گھر سے ہے آپ بھائی سے بات کریں گے؟" نگینہ نے کہتے ہوئے فون اٹھالیا۔ آج کل وہ ویک اینڈ پر اپنے اماں بابا سے ملنے آئی تھی۔

فون سنتے ہی اُس کا چہرہ ایک دَم پریشان ہوگیا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" احمد شاہ ایک پل کے ہزارویں حصے میں الرٹ ہوگئے تھے۔ عبدالولی کو گولی لگنے کے حادثے کے بعد وہ خاصے فکرمند رہنے لگے تھے۔

"وہ...... بابا وہ۔" نگینہ نے حلق تر کرتے ہوئے بمشکل بولنے کی کوشش کی۔

"طارق بھائی کا فون تھا۔ عبدالولی بھائی اسپتال میں ہیں، کالج کے کچھ لڑکوں سے اُن کی لڑائی ہوگئی ہے!" نگینہ نے جو کچھ بتایا تھا، احمد شاہ کا دل ماننے کو تیار نہ تھا۔ "میرا بیٹا کسی سے لڑائی نہیں کرسکتا!"

"میرے بیٹے کی نیچر غصے والی تو ہے نہیں۔ لیکن آخر کیا معاملہ ہوا؟"

اُن کا دل ایک دم پریشان ہوا تھا۔ وہ فوراً لاہور روانگی کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

"ولی میری جان! اللہ تم کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔"

ان کا دل یہ دعا تسبیح کی طرح پڑھ رہا تھا۔ گاڑی لاہور کی جانب تیزی سے رواں دواں تھی اور مختلف سوچیں بھی اُسی رفتار سے اِن کو اُلجھا رہی تھیں۔

"آخر میرے بچے کا کون دشمن ہے؟" یہ سوال اُن کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔

* * *

وہ گہری نیند میں تھی لیکن باہر کی آوازوں کا شور اسے شعور میں لے آیا تھا۔ اچانک نیند ٹوٹنے پر اُس نے اپنے اِردگرد دیکھا پھر باہر سے آتی آوازوں کو سنتے ہوئے پیروں میں چپل ڈال کر باہر ہی کا رخ کیا۔

باہر خالہ جی بڑے زوروشور سے کوئی کہانی اماں کو سنارہی تھیں۔ گلی میں بھی باتوں کا شور تھا۔

"ارے میں تو خدا لگتی کہوں گی کہ وہ لڑکی تو تھی ہی ایسی۔ دیکھ لو آج کیا دن دکھا گئی ہے ماں باپ کو۔" خالہ جی جو محلے کی بی بی سی کہلاتی تھیں۔ خدیجہ بی بی کو جانے کس کے متعلق بتارہی تھیں۔

چھوٹا سا گھر اور چھوٹا سا صحن اور گھر کی آوازیں ایک جگہ سے دوسری جگہ فوراً بھاگی آتی تھیں۔ سب کچھ سنائی دیتا تھا۔

"کتنا بھی کہے وہ درزن ریحانہ! لیکن دیکھوناں وہ ڈاکٹر جی تو اپنے کلینک پر ہی بیٹھا ہے!" خالہ جی کے جملے نے ایمان کو چونکا دیا۔

"یہ ڈاکٹر جی کا ذکر کہاں سے آیا؟" ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ خالہ کا دوسرا جملہ بھی کانوں میں آگھسا اور وہ گھبرا کر ہر کام چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر درزن کی گُوی کو ڈاکٹر بھگا کر لے گیا تھا تو ڈاکٹر واپس کیوں آیا؟ اور پھر گُوی کہاں ہے؟"

"اور ڈاکٹر درست کہتا ہے کہ اگر اُس نے یہ کام کیا ہوتا تو وہ بھی تو گُوی کے ساتھ بھاگ جاتا۔"

خالہ جی کی باتیں ایسی مبہم نہ تھیں کہ ایمان کو سمجھ نہ آتیں۔

"لیکن وہ ریحانہ درزن تو پٹ رہی ہے کہ اُس کی گُوی کو اس ڈاکٹر نے پیچھے لگایا ہوا تھا۔ درزن کہہ رہی تھی کہ اُس کی کڑی ہر وقت ڈاکٹر کی باتیں کرتی تھی، اپنی بہنوں کے ساتھ۔ پھر وہ ہر وقت اُس کے کلینک جاتی تھی۔ کبھی چھپ کر اور کبھی سامنے، پھر یہ ڈاکٹر اُسے تحفے بھی دیتا تھا اور کچھ روز سے اُس کی گُوی نے ڈاکٹر کے ساتھ ویاہ (بیاہ) کی ضد شروع کردی تھی۔ جس پر اُس کے نشئی ابے نے کل اس کو مارا تھا۔"

"اور پھر وہ گُوی راتوں رات پُھر ہوگئی۔ توبہ توبہ کیا زمانہ آگیا ہے!"

خالہ جی نے اپنے گال پیٹتے ہوئے کہا۔

ایمان نے دروازے کا سہارا لے رکھا تھا۔ ورنہ اُس کی ٹانگوں میں جان نہ تھی۔

"ویسے آپا خدیجہ!" خالہ جی جی کو ہر ایک کو آپا باجی کہنے کا خبط تھا۔ خدیجہ بی بی خالہ جی جی سے کہیں چھوٹی تھیں۔

"اُس درزن کی بات میں بھی دم ہے۔ میں نے خود اُس گُوی اور ڈاکٹر کو ایک دوبار گلی میں ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔" خالہ جی جی نے زرد ہوتی رنگت والی خدیجہ بی بی کے پاس کھسکتے ہوئے کہا۔

"خالہ جی جی آپ چائے پئیں گی۔" اماں کی کمزور سی آواز بلند ہوئی۔ وہ شاید خالہ جی جی کو موضوع سے ٹالنا چاہ رہی تھیں۔

"ارے چائے بھی پی لیں گے۔" خالہ جی جی نے اطمینان سے ٹانگیں چارپائی پر چڑھاتے ہوئے کہا۔

"تیری گڑیا نظر نہیں آرہی؟" خالہ جی جی نے نظریں اِدھر اُدھر گھماتے ہوئے پوچھا۔

"دوپہر کھانے کے بعد سوگئی تھی، کمرے میں ہے۔" اماں کی آواز بجھی ہوئی تھی۔

کیونکہ خالہ جی جی تو آہٹوں سے داستان سن لیتی تھی، اس قدر گھاگ اور تیز خاتون تھیں کہ اُن کی نظر اور زبان سے کم ہی کوئی بچ پاتا تھا۔

"اللہ نیک نصیب کرے اور نیکی کی ہدایت دے رکھے۔ آج کل کی اولاد تو آزمائش ہے آزمائش!"

خالہ جی جی کی باتیں خدیجہ بی بی کا دل بٹھائے جارہی تھیں۔

اور اندر کھڑی ایمان فاطمہ دوہری سوچ میں تھی۔ دل اس سچائی کو مان کے نہ دے رہا تھا۔ اور دماغ جو کہہ رہا تھا دل کا شور اُسے سننے نہ دے رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آخر سچ کیا ہے؟''
''میرے ڈاکٹر جی تو ایسے نہیں ہیں!''
''پھر انہوں نے قسم کھا کر کہا تھا وہ صرف اور صرف مجھے چاہتے ہیں۔''
نادان دل اور کچی عمر! جھوٹی قسموں کو معتبر سمجھ بیٹھا تھا ایک عجیب سا انتشار تھا، جو اُس کے سارے وجود کو گھیرے ہوا تھا۔

❖❖○❖❖

''ٹیک اٹ ایزی مُسکان!'' سائرہ کی اپنی حالت بھی کچھ بہت اچھی نہ تھی لیکن وہ پھر بھی مُسکان کو ہمت دلا رہی تھی۔
جو گھر آتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ آپا اماں عشاء کے بعد نوافل لمبے چوڑے پڑھا کرتی تھیں۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں مشغول تھیں ورنہ اُن کی نظروں اور سوالوں سے بچنا ناممکن تھا۔
سائرہ نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا اور جگ سے پانی نکال کر پہلے خود پیا پھر مُسکان کے لیے لے کر آئی۔
''یار پلیز مجھے کچھ سوچنے دو گی!'' سائرہ ان حالات اور پھر مُسکان کے بری طرح رونے سے اندر تک گھبرائی ہوئی تھی۔
''میں لالہ کو فون کرتی ہوں۔'' سائرہ نے کہا۔
''لیکن......لیکن! لالہ یہ سب جان کر بہت خفا ہوں گے۔'' سائرہ کہہ کر خود ہی ٹھہر گئی۔
سائرہ کے موبائل پر گھر کا نمبر آ رہا تھا۔ مُسکان ابھی تک سسکیاں لے رہی تھی، سائرہ نے گلا صاف کر کے فون آن کیا۔
''جی آنی! میں مُسکان کی طرف آ گئی تھی۔ جی۔ جی بس تھوڑی دیر میں نکلتی ہوں۔'' سائرہ نے نہایت فرماں برداری سے جواب دیا۔
''آنی! وہ...... وہ لالہ کدھر ہیں؟'' سائرہ نے کچھ رُکتے ہوئے پوچھا۔
''اچھا تو ان کو فون دیں۔'' آنی کے بتانے پر کہ طارق گھر پر ہی ہے۔ سائرہ نے پَل میں فیصلہ کر لیا تھا۔
''لالہ! وہ۔'' سائرہ نے دھیرے دھیرے ساری بات طارق کو بتا دی
''کیا! اوہ میرے اللہ! تم کو کالج سے نکلتے ہی مجھے انفارم کرنا چاہیے تھا۔ طارق نے اُسے سخت سُست سناتے ہوئے کہا۔
''لالہ! مُسکان کا باڈی گارڈ سُن لیتا تو مُسکان کے بابا تک خبر چلی جاتی خوامخواہ کی مزید پریشانی ہوتی۔'' سائرہ نے صفائی دی تھی۔
مُسکان رونا دھونا سب بھول کر سائرہ کی جانب متوجہ تھی۔
''آپ پلیز ولی اور اُس کے دوست کی خیریت پتا کریں۔'' سائرہ نے فکرمندی سے کہا۔ ولی، طارق

ا بہت گہرا دوست تھا اس کے علاوہ آج تک اس پر سائرہ نے توجہ نہ دی تھی۔
پھر کالج میں اپنے سینئر کی جگہ دیکھ کر اسے بس اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔ ہیلو ہائے اور بس! لیکن
ب سے مُسکان کا دل ولی کے لیے مختلف انداز میں دھڑکنا شروع ہوا تھا، اس نے ولی کو خاص نوٹس میں
لنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن آج...... آج اُسے مُسکان کی بات سے سو فیصد یقین ہو گیا تھا کہ عبدالولی میں
الی کوئی خاص بات ہے!
اُس بھلے لڑکے نے اُن کی عزت کی خاطر کتنا بڑا خطرہ مول لے لیا اور اِن کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔
سائرہ کو ایک دم اپنے دل میں ولی کے لیے نرم گوشہ اور بے انتہا احترام و عزت محسوس ہوئی۔
اسد لوگوں کا گروپ خاصا بڑا اور بدمعاش قسم کے لڑکے لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ سائرہ کی فکر اور مُسکان کا
لایف سے رونا بے شک بے جا نہ تھا۔
''سائرہ! ولی ٹھیک ہے ناں!'' مُسکان نے سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کر پوچھا۔ ''پلیز دعا کرو یوں رو
الرنگ نہ کرو۔ لالہ پتا کر کے اطلاع دیتے ہیں۔''
سائرہ نے خود کو بے انتہا تھکا محسوس کیا تھا۔ وہ وہیں مُسکان کے بستر پر بیٹھ گئی۔
''ولی! اللہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھیں!'' مُسکان نے آنکھیں بند کر کے دعا کی۔
تبھی سائرہ کے موبائل کی بیل بجی۔ طارق کے نمبر کے ساتھ سائرہ نے مختلف میوزک فیڈ کیا ہوا تھا۔
اس کی مختلف ٹون طارق کے فون کا بتا دیتی تھی۔
''جی لالہ......! اوہ میرے خدایا!'' سائرہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے فون بند کر دیا۔
''کیا...... کیا ہوا؟'' مُسکان نے بے قراری سے پوچھا۔
''وہ دونوں ہسپتال میں ہیں۔ اُن میں سے کسی ایک کے سر پر شدید چوٹ آئی ہے اور وہ بے ہوش
ہا۔ لالہ کو ولی کے کسی دوست سے پتا چلا ہے۔ لالہ ہسپتال پہنچ کر صحیح صورتحال بتائیں گے۔'' سائرہ
لے پریشانی سے اپنا ماتھا مسلا۔
''ہسپتال میں ہیں۔ شدید چوٹ آئی ہے!''
مُسکان کا دل بری طرح ڈوبا تھا۔ مسکان کو اپنا بی پی گرتا ہوا محسوس ہوا۔ ''یہ سب تمہارا قصور ہے، نہ تم
اس فتنہ کھیل کو کھیلتیں نہ یہ نوبت آتی!''
مُسکان نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔ سائرہ نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔ ''اوہ میرے خدایا!''
ولی کی تکلیف پہ میرا دل کیوں ڈوبا جا رہا ہے؟ مُسکان تقریباً ڈھے گئی۔

❁

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ماہی اور کتنا وقت برباد کرو گی؟'' ترنم نے بیزاری سے پوچھا۔ اُسے یہاں آنا ہمیشہ برا لگتا تھا، کوٹھی بھی میڈم چاندنی کے اڈوں میں سے ایک تھی۔ بہت خوبصورت سیٹ یہاں پر لگائے گئے تھے۔ یہ سیٹ یہاں پر مختلف گانوں پر ڈانس کرنے کے لیے لگائے جاتے تھے۔

میڈم چاندنی آج کل کوئل کو ٹرینڈ کر رہی تھیں وہ ایسا قیامت خیز رقص کرتی تھی کہ سامنے والے آدمی کا دل دھڑکنا بھول جاتا تھا۔

آج ماہ رخ، ترنم کو یہاں مجبور کر کے لائی تھی۔ ماجد اُس کا فوٹو شوٹ کرنا چاہتا تھا اور ماہ رخ کو شروع سے ترنم سے لگاؤ تھا۔ اس لیے وہ اپنے ہر کام میں ترنم کو ضرور زبردستی شامل کرتی تھی۔

ماہ رخ کوئی ڈھائی دو گھنٹے پارلر میک اپ کروانے میں گزار کر آئی تھی اور اب پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے وہ لوگ ماجد کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں جو کوئل کا ڈانس ریکارڈ کر رہا تھا۔

کوئل نے نہ ہونے کے برابر لباس پہن رکھا تھا۔ وہاں پر موجود لائٹ بوائے وغیرہ خود بھی بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ کوئل کو لچر اور بیہودہ ڈانس کروانے میں میڈم چاندنی کا اسپیشل ڈانس بوائے مدد کر رہا تھا۔

ترنم کا سر بری طرح دکھنے لگا تھا، اب یہ سب کچھ اُس کے لیے نیا نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اُسے ہر بار یہ سب کچھ بہت تکلیف دہ لگتا تھا۔ مچھلی پانی سے دور رہ کر مر جاتی ہے۔ تڑپتی ہے اور ترنم نے اپنے پانی کو خود چھوڑا تھا۔ اب وہ دن رات بس تڑپتی رہتی تھی۔ اب اُسے نہ پانی ملتا تھا اور نہ معافی کہ وہ آسانی سے مر ہی سکے۔ یہ تڑپنا اُس کے اپنے فیصلے کی وجہ سے تھا۔ ''اور بعض فیصلے۔ سزائے موت کے ہوتے ہیں ایسی موت، جس کے پیچھے بھاگنے سے بھی موت نہیں ملتی۔

ماہ رخ مزے سے جوس کا ایک ایک سپ لیتے کوئل کا ڈانس دیکھ رہی تھی۔ ترنم نے تاسف سے ماہ رخ کو دیکھا تھا۔

کوئل نے اب ڈانس کرتے کرتے خود پر ڈھیروں پانی ڈال کر ناچنا شروع کر دیا تھا اور ایسے ایسے پوز کیمرے کو دے رہی تھی کہ جو دیکھتا وہ اس گناہ بے لذّت کا عادی ہو جاتا۔

یہ ویڈیو گانے اسی مقصد کے لیے ریکارڈ کیے جاتے تھے کہ نوجوان لڑکوں اور مَردوں کو پہلے ان کا عادی بنایا جائے، جب وہ پوری طرح اس کے عادی ہو جاتے تھے تو ان کو بہت سستے داموں میں لو کیٹگری کی کال گرلز مہیا کر کے گندے سیکس میں ملوث کیا جا رہا تھا۔

یہ ایسا زہر تھا، جو نسلوں کو گھن کی طرح کھا رہا تھا۔

ماہ رخ جب فوٹو شوٹ کروا رہی تھی تو ترنم بور ہو کر کوٹھی میں اِدھر اُدھر گھومنے لگی۔ کہیں کوئی لائٹ بوائے وغیرہ ملتا تو بہت ہوس بھری نظروں سے اُسے دیکھتا تھا۔ عجیب کھگھیائے انداز میں سلام کرتا۔ ترنم کو ان سب سے کراہیت آتی تھی۔ ترنم اُن کی پہنچ سے دور تھی۔ ''ترنم اور ماہ رخ میڈم چاندنی کے ایسے خوبصورت ہیرے تھے، جو بہت اپر کلاس کو سرو کیے جاتے تھے۔'' اس لیے یہ سب لوگ ہمیشہ للچائی نظروں سے ترنم اور دوسری ہائی کلاس کال گرلز کو دیکھتے تھے۔

ترنم ماجد کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اُس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا وہ آنکھیں موند کر لیٹی ہی تھی کہ ماجد اور کسی اور لڑکے کی آواز پر اُس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

آوازیں دوسرے کیبن سے آ رہی تھیں اور بہت واضح تھیں۔ ''چل یار دس ہزار میں ڈن کر اب اتنی سی معلومات کے لیے تو ہمیشہ پیسے بٹورتا ہے۔'' یہ ماجد کے ساتھ موجود قاسم کی آواز تھی۔ کیونکہ ماجد اُسے قاسم کہہ کر بلا رہا تھا۔

قاسم اچھرہ میں ویڈیو شاپ چلا رہا تھا اور غلاظت بھری فلموں کو مہیا کرنے میں بہت مشہور تھا۔ اُس نے کئی ہوٹل اور ڈھابے کے مالکان سے ڈیل کر رکھی تھی۔ وہ گندی اور فحش فلموں کی ریکارڈنگ کر کے ان کو بہت سستے داموں بیچتا تھا کیوں کہ اس کام کو کروانے کا پیسہ میڈم چاندنی اُسے ٹھیک ٹھاک دیتی تھیں۔ ان کی ہدایت پر وہ ان چھوٹے چھوٹے ہوٹل اور ڈھابے کے مالکوں کو سستے داموں سی ڈیز اور ویڈیوز سیل کرتا تھا کہ اُس کی ڈیمانڈ روز بروز بڑھ رہی تھی۔

اور پھر رات کو تھکے ہارے مزدور، گیراج میں کام کرنے والے چھوٹے کم عمر لڑکے اور دیہاڑی دار مزدور مرد، لڑکے سب دس دس روپے دے کر اس گناہ بے لذت میں ملوث ہوتے تھے۔ ڈھابے اور چھوٹے ہوٹلوں کے مالک ان قیامت خیز اور گندگی سے بھرپور مناظر کو دکھاتے ہوئے یہ بھول جاتے کہ ان مناظر کو دیکھنے والے کتنے نوعمر اور کچے ذہن باقاعدہ مجرم بن رہے ہیں۔ ان کو نہ اپنی نسل و قوم کا خیال رہتا ہے اور نہ اللہ یاد رہتا ہے۔

''یا اللہ یہ چاندنی چڑیل کیسے بُرائی کو ہر طرف سرپرستی دے رہی ہے۔ جہنم کی آگ کو اور کتنا بھڑکائے گی؟'' ترنم نے سینڈل پیروں میں ڈالے اور اُٹھ کھڑی ہوئی اُس سے یہاں رکنا دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ باہر آئی تو باہر کا منظر اُس سے بھی زیادہ ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا۔ ماہ رخ لباس کے نام پر دھجیاں لٹکائے فوٹو شوٹ کروا رہی تھی۔

ترنم کا اس سارے ماحول میں دَم گھٹنے لگا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی۔ گیٹ سے باہر اُسے فوراً رکشا مل گیا تھا۔

''کہاں جانا ہے بی بی؟'' رکشا ڈرائیور نے پوچھا۔

''پہلے انارکلی اتار دو۔'' ترنم نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ انارکلی سے چادر خریدی اُسے اوڑھ کر جب وہ دوبارہ رکشے میں بیٹھی تو رکشے والے نے خاصی مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

''اب کہاں جانا ہے آپ کو؟'' رکشے والے کا لہجہ ایک دم بدل گیا تھا۔ لیکن ترنم کو کوئی پروا نہیں تھی۔ داتا دربار چلو! ترنم نے سکون سے بیٹھتے ہوئے کہا تو رکشے والے کو یہ لڑکی ایک بار پھر مشکوک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگی تھی۔

مغرب کا وقت قریب تھا۔ جب وہ داتا صاحب کے دربار پہنچی تو مغرب کی اذان سنائی دے رہی تھی۔

رکشے والے کو پانچ سو کا نوٹ تھما کر باقی پیسے واپس لیے بغیر وہ رش میں گم ہوگئی تھی۔

رکشے والا حیرت سے اپنے ہاتھ میں موجود نوٹ کو دیکھتا رہ گیا۔ پھر کسی خیال کے آتے ہی اُس نے نوٹ اونچا کر کے دیکھا۔ نوٹ واقعی اصلی تھا۔ کیسی عجیب لڑکی تھی، اُس نے کہتے ہوئے واپس رکشا موڑ لیا۔

❖❖○❖❖

"مُسکان پلیز مجھے معاف کردو!" سائرہ بہت اچھی لڑکی تھی، جہاں اُس کی غلطی ہوتی تھی وہاں فوراً معافی مانگ لیتی تھی۔

پلیز مُسکان۔ تم ٹھیک تو ہو ناں۔" سائرہ ایک دم کہتے کہتے رُکی تھی۔ مُسکان کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ چکا تھا۔ سائرہ نے دوڑ کر روم فریج سے جوس نکال کر کھولا اور مُسکان کو پکڑایا۔ "پلیز مُسکان کچھ ان ٹیک لو تا کہ تم بہتر محسوس کر سکو۔" سائرہ نے زبردستی جوس اُسے پلاتے ہوئے کہا تھا۔

مُسکان کو ایک دم ٹھنڈا جوس پی کر سردی لگنے لگی تھی۔ "سائرہ ہیٹر آن کر دو۔" مُسکان نے اپنا سر بیڈ کی ٹیک سے لگاتے ہوئے نقاہت سے کہا تھا۔

"مُسکان!" سائرہ نے دھیرے سے اُسے پکارا۔

"ہوں!" مُسکان نے آنکھیں موندے موندے جواب دیا۔

"تم ولی سے محبت کرنے لگی ہو ناں" سائرہ نے اُسے بہت غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ "کیا واقعی تم ولی کے لیے اتنی سنجیدہ تھیں؟" "یہ کیسا سوال ہے؟" مُسکان نے ایک دم آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

"وہ سوال جو تمہارے چہرے نے پوچھنے پر مجبور کر دیا ہے۔" سائرہ نے دھیرے سے اُس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

"کیا ہے میرے چہرے پر؟" مُسکان نے اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھوا تھا۔

"تمہارے چہرے پر لکھا ہے کہ۔" سائرہ ایک پَل کو رُکی تھی۔ "سیلاب!"

"کیا؟ مطلب؟" مُسکان نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم نے دیکھا ہے ناں ٹی وی پر جب سیلاب آتے ہیں تو اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتے ہیں۔"

"اس محبت کے طوفانی سیلاب نے تم سے تمہارا رویّہ تمہاری ذات کا بھرم چھین لیا ہے مُسکان! تم اور تمہارے جذبات سب پر عیاں ہونے لگے ہیں۔"

"میں نے سنا تھا کہ اس محبت کے سیلاب میں آپ کی انا ڈوب جاتی ہے۔ آپ ڈوب جاتے ہیں۔ فنا ہو جاتے ہیں۔"

مُسکان کہاں گئی تمہارے اندر کی انا پرست خوددار لڑکی۔" سائرہ نے حیرت سے مُسکان کی روئی

روئی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

"ایک پتھر سے ٹکرا کر ختم ہوگئی ہے!" مُسکان نے بہت آہستگی سے کہا اتنا آہستہ کہ سائرہ بمشکل سن پائی تھی۔ مُسکان اعتراف کر رہی تھی۔

"اوہ میرے خدایا!" سائرہ نے دُکھ سے کہا۔

"مُسکان میری جان میں تو آج تک تمہاری ولی کے لیے **Feelings** ایک شدید **Infactuation** سمجھتی رہی تھی۔"

"مُسکان واپس آجاؤ! یک طرفہ محبت ایسے ہی کاٹتی ہے جیسے زنگ آلود چھری، جو جب جب لگتی ہے نہ مارتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔" سائرہ نے باقاعدہ سمجھاتے ہوئے کہا۔ بس اس بات کو یہاں تک رہنے دو۔ مذاق اور دل لگی بڑھ جائے تو انسان خود مذاق بن کر رہ جاتا ہے اور دل لگی۔ دل کی لگی بن جاتی ہے۔"

"تمہارا ولی میں دلچسپی لینا مجھے بس اتنا لگتا تھا کہ یہ دوستی اور وقتی جھکاؤ ہے لیکن آج تمہارا یوں ولی کے لیے بے قرار ہونا تمہارے پاگل پن کو ظاہر کر رہا ہے۔" سائرہ اُسے روک لینا چاہتی تھی کہ "یہ راہ پُر خار لہولہو کر دیتی ہے۔"

"تو کیا تم نے بھی مجھے اُن لڑکیوں میں شامل کر لیا، جو ہر سال کپل بناتی اور بدلتی ہیں؟ اور پھر بڑی آسانی سے آگے بڑھ جاتی ہیں۔ نہیں سائرہ، میں ایسی نہیں ہوں۔ سال بھر دوستی ایک دوسرے کا دم بھرنا، ڈیٹ پر جانا، تحفے لینا دینا اور پھر اگلے سال کوئی اور۔ تم اپنی دوست کو بس اتنا جان سکیں؟" مُسکان نے تاسف سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری زندگی میں آج تک کوئی لڑکا نہیں تھا۔ نہ دوست کی صورت اور نہ ہی کسی اور صورت اور جب میں نے ولی کو اپنی زندگی میں اہم جانا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ میں کوئی "کھیل تماشے" میں ملوث نہ تھی۔ پھر تم نے مجھے کالج کی عام لڑکیوں میں کیوں شامل کیا؟"

مُسکان نے سائرہ سے پوچھا تھا۔

"دوست تو اپنے دوست کی ذات کے ہر رنگ کو پہچانتے ہیں۔ تمہاری میرے متعلق یہ رائے۔ یہ کیسی دوستی ہے؟" مُسکان کو واقعی دلی دُکھ تھا کہ سائرہ نے اُسے کیسے نان سیریس اور جھوٹی ہر روز افیئر اور پیئر بدلنے والی لڑکی سمجھا۔

سائرہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اُسی پَل موبائل کی بیل سنائی دی۔ فون طارق کا تھا۔ سائرہ چھلانگ لگا کر آئی تھی اور فون لپک کر آن کیا۔

❖❖○❖❖

"میں خود تمہارے اندر جینے لگا ہوں! کیا تم ایسا کام کرنے لگو گے، جس سے میری زندگی شرمندہ ہونے لگے۔"

"میرے سارے خواب تمہاری صورت میں ہیں۔ میں نے تم پر بہت محنت کی ہے۔ محنت تو ہر باپ کرتا ہے اپنے بچوں کے لیے لیکن میں نے تمہاری جسمانی تعلیم کے ساتھ کردار اور ذہن کی تربیت کے لیے دن رات ایک کیے ہیں!"

''کیا میری تربیت کا اثر اتنا غیر پائیدار تھا کہ آج یہ سب کچھ ہوا؟''

''کیا تمہاری صورت میں خواب دیکھنا میری غلطی بن گئی؟'' احمد شاہ کا لہجہ بے انتہا دُکھ لیے ہوئے تھا۔

وہ لمبے سے کوریڈور میں رکھے ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ولی کے ماتھے اور بازو پر بینڈیج ہوئی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔اُن کے درمیان طویل خاموشی آن ٹھہری، بہت دیر دونوں اپنے آپ میں گم بیٹھے رہے تھے۔لیکن احمد شاہ نے اچانک ہی مڑ کر دیکھا تھا۔

کیوں کہ ولی سر جُھکائے زار و قطار رو رہا تھا۔ آنسو ٹپ ٹپ کرتے نیچے گر رہے تھے۔احمد شاہ کے دل کو ایک دم کچھ ہوا تھا۔ وہ تڑپ کر اُس کی جانب مڑے تھے۔

چھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا قد اُن کا مضبوط سا بیٹا۔ آج ان کے جملوں کی وجہ سے ڈھے گیا تھا۔

''بابا! بابا جانی!'' ولی شدّت ضبط سے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔وہ ان کے ہاتھ تھام کر ان کے گھٹنوں کے پاس نیچے بیٹھ گیا۔''بابا جانی بے شک اس سارے معاملے میں میری غلطی نہیں تھی۔ لیکن بابا میں بغیر کسی وضاحت کے آپ سے معافی مانگتا ہوں۔'' ولی سسکا تھا۔

''میں زندگی میں کوئی پل، کوئی دن وہ نہیں جینا چاہتا، جس کی وجہ سے آپ کو میری وجہ سے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔آئی پرامس بابا!

''پلیز فار گیو می!''

ولی نے اُن کے ہاتھوں پر بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

بس اب اور نہیں احمد شاہ نے اُسے اُٹھا کر گلے لگایا تھا۔ولی تو ان کا اتنا تابعدار بیٹا تھا۔اُس کے آنسو تو ان کو پگھلا گئے تھے۔

''تم آج بھی میری سب سے بڑی مضبوطی ہو۔لیکن کیا کروں باپ ہوں ناں! یہی مضبوطی میری سب سے بڑی کمزوری بھی ہے۔''

''میں بہت خود غرض ہوں شاید۔ میں اپنی اولاد کو ہمیشہ پرفیکٹ خانے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔اتنے مکمل انسان، جو سب کے لیے آسانیوں اور خوشی کا باعث بنیں، ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنیں۔''

''اس لیے میں تمہاری پہلی غلطی کو بھی سہہ نہ پایا۔'' احمد شاہ نے اسی دھیمے لہجے میں جواب دیا جو اُن کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

''ولی!'' کسی نے اُسے پکارا تھا دونوں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تھا۔

''انکل کیسے ہیں آپ؟'' یہ طارق تھا، جو ابھی ابھی سارا معاملہ رفع دفع کروا کر آیا تھا۔سول پولیس میں اُس کی خاصی دوستی تھی۔

''ٹھیک ہوں بیٹا، آپ کیسے ہیں؟'' احمد شاہ نے پیار سے اُس کے کندھے کو سہلایا تھا۔طارق نے ان کے لمس پر اپنے اندر کرنٹ سا محسوس کیا تھا۔''

وہ جب جب احمد شاہ سے ملتا، ان کی شفقت طارق کے اندر پیاس بڑھا دیتی تھی۔اُسے بے چین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کردیتی تھی۔ باپ کے لمس اور شفقت کے لیے اُس کا دل ہمکنے لگتا تھا۔

''کیا ہوا کہاں کھو گئے آپ۔'' احمد شاہ نے اس سے پوچھا۔

''اوں۔سوری انکل میں شاید کچھ سوچنے لگا تھا۔'' طارق کو اپنی آواز اجنبی لگی تھی۔

''بعض لوگ اتنے محبت کرنے والے ہوتے ہیں کہ وہ بے حس مردہ کو بھی چھو کر اُس کے اندر محبت کے احساس کو اجاگر کر دیتے ہیں۔'' اور احمد شاہ انہی لوگوں میں سے تھے۔ ہر پل ٹھنڈی چھاؤں کی طرح۔

''آر یو آل رائٹ؟'' احمد شاہ نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔

انہیں یہ بچہ ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔اُس کا چہرہ بہت جانا پہچانا سا لگتا تھا۔ عجیب سی انسیت کا احساس ہوتا تھا اُس سے مل کر۔

''جی۔جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' طارق نے منٹوں میں اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔''یار ولی۔ٹی ٹو کو ہوش آ گیا ہے۔'' طارق نے ولی کو مخاطب کر کے اطلاع دی تھی۔''اور اُس لڑکے اسد کو؟'' ولی نے جواباً پوچھا۔

''وہ۔وہ تو ڈراما کر رہا تھا۔وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔'' طارق کے ماتھے پر بَل آ گئے تھے۔

اسد کی گھٹیا حرکت مُسکان اور سائرہ کے لیے کسی طور پر معاف نہ کیے جانے والی تھی۔طارق نے بہت مشکل سے اپنے آپ پر کنٹرول کیا تھا۔ورنہ اُس کا بھی دِل چاہتا تھا کہ وہ اُن لڑکوں کی دُرگت بنا کر رکھ دے۔

''تمہارے کالج کے ریکٹر اور ڈین دونوں میرے اچھے دوستوں میں سے ہیں۔ بہر حال تم سب کا نام کالج سے خارج ہونے سے بچ گیا ہے۔کالج کا آخری سال ہے، اِسے اُلجھ کر لڑ کر گزارنے کے بجائے پڑھائی میں گزار دو۔ کچھ بننے کے یہ دن واپس نہیں آتے ہیں۔ زندگی کوئی ویڈیو یا سی ڈی فلم تھوڑا ہی ہے جب چاہا، جہاں سے چاہا ریوائنڈ کر کے دیکھ لی۔''آج'' پھر کبھی نہیں آتا ہے۔امید ہے تم لوگ آپس میں اچھے کلاس فیلوز کی طرح رہو گے۔'' احمد شاہ نے سب لڑکوں کو ایک وقت میں نصیحت کی تھی۔ بظاہر اسد اور ٹی ٹو دونوں شرمندہ لگ رہے تھے۔ پھر ڈین کی موجودگی میں دونوں طرف سے معافی نامہ لکھ کر دیا گیا اور یوں احمد شاہ نے ایک بڑھتی ہوئی دشمنی کو روکا۔

ورنہ جو کچھ وہ اسد وغیرہ کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے وہ خطرناک تھا، کیا میں اُمید رکھوں کہ آئندہ آپ لوگ ولی اور اُس کے دوستوں کو تنگ نہیں کرو گے۔احمد شاہ نے ڈین صاحب کی موجودگی میں اسد سے پوچھا اور اسد نے چار و ناچار ہامی بھری تھی۔

❖❖○❖❖

جانے کتنی دیر ہو گئی تھی۔وہ بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھی۔

مغرب کی نماز کے بعد وہاں پر لا الٰہ الا اللہ کا ورد ہونے لگا، جانے کیسا وجد تھا، جو ماحول کی ہر شے پر طاری ہو گیا تھا۔ٹپ ٹپ آنسو گرتے اُس کی گردن اور پھر قمیض کو بھگو رہے تھے۔

''کیوں یہاں چپ چاپ بیٹھی ہے؟ داتا کے دربار پر آ کر کیا سفارش کروائے بغیر جائے گی؟ ارے اٹھ ویلا یوں گنواتی ہے؟'' وہاں پر موجود ایک فقیرنی تھی شاید۔لیکن وہ فقیرنی نہ تھی اُس کی آنکھوں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زبان اور ہاتھ میں صدا کا کشکول نہ تھا۔ بلکہ اُس کے وجود میں عجیب سی چمک تھی۔

''ویلا۔؟ (وقت)''

''ویلا تو میں کب کا گنوا چکی۔ بھلا کھوئی ہوئی چیزیں کبھی ملتی ہیں؟'' ترنم نے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے کہا وہ اپنے آپ میں نہ تھی۔ ''کھوئی ہوئی چیزیں مل جاتی ہیں پُتر اگر اُن کو ڈھونڈا جائے۔ یہ تو ڈھونڈنے والے کی لگن اور سچائی پر ہے کہ وہ اپنی چیز کو ڈھونڈ نکالے۔'' وہاں سے بڑی گہری بات آئی تھی۔

''لیکن میں نے تو نہ صرف چیزیں کھودی ہیں بلکہ ہر رشتہ ہر تعلق کھودیا ہے۔ اماں میں کیسے ان کو حاصل کرسکتی ہوں؟''

''میں ناشکری ہوں، جس سے ہر چیز چھین لی گئی۔ ناقدروں کے ساتھ تو ایسا ہی ہوتا ہے ناں!'' ترنم افسردگی سے مسکرادی تھی۔

''دنیا کا ہر رشتہ ٹوٹ جاتا ہے گم ہوجائے یا روٹھ جائے لیکن ایک رشتہ ہے، جو کبھی نہیں گم ہوتا، وہ ہے بندے تے ربّ دا رشتہ!

تو اپنے اس رشتے کو منا لے پُتر ے سارے تعلق رشتے خود ہی من جائیں گے۔ جا داتا کے دربار پر آئی ہے۔ ربّ سچے کے پاس، پیارے نبی کے پاس اپنی دعا کی سفارش داتا سے کروا لے۔ کہیں ویلا نہ نکل جائے۔''

وہ اونچا اونچا بولتی آگے عورتوں کے رش میں گم ہوگئی۔

❖❖○❖❖

ترنم جیسے نیند سے جاگی تھی۔ اُس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔ وہ لمبی اونچی عورت اُسے کہیں دکھائی نہ دی تھی۔

''کیا کہہ گئی ہے وہ عورت؟''

''کون تھی وہ عورت اور اُس نے مجھے ہی کیوں ایسا کہا؟''

اس کے ذہن میں بیک وقت کئی سوال جاگ اُٹھے تھے۔

''ہونہہ! بے خبر مجھے جانے کیا کیا کہہ گئی۔ بھلا۔ بھلا۔ مجھے معافی مل سکتی ہے؟ مجھ جیسی لڑکی کو معافی؟''

''مجھے؟''

''بھلا میری دعا کو سفارش مل سکتی ہے؟''

''جس کی دعاؤں کے پر ٹوٹے ہیں، جو اوپر وہاں ربّ سچے کے پاس جا نہیں سکتیں۔''

''آہ! اپنے گھونسلوں کو چھوڑ کر اُڑنے والے پنچھیوں کے پر شاید ایسے ہی ٹوٹ جاتے ہیں۔''

بے سمت راہوں میں پرواز بھرنے والے پرندے ہمیشہ یوں ہی رُلتے ہیں۔

''آہ! نہ میری دعاؤں کے پر ہیں نہ پاؤں، جو سننے والے تک جاسکیں! یہ پاؤں غلط راہوں پر قدم ڈالتے وقت اپنی ساری کشتیاں جلا آئے تھے۔'' ترنم اپنے ہی گھٹنوں پر اپنا سر پٹخ رہی تھی۔

''بھلا مجھ سے ربّ سچے کیسے من سکتے ہیں؟ بھلا مجھے کیسے معافی مل سکتی ہے! میں تو راندۂ درگاہ ہوں!''

''میں۔ میں تو راندہ درگاہ ہوں۔ پھر بھلا میرا یہاں کیا کام؟''

''باہر نکالے ہوئے لوگوں کو تو یہاں آنے کا کوئی حق نہیں، پھر میں کیوں یہاں اپنے ناپاک وجود کو لے کر چلی آئی۔''

ترنم اپنے آپ میں نہ تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح بھاگتی دربار کی سیڑھیاں اُترتی چلی گئی۔ اُس کے ارد گرد آوازوں کا ہجوم تھا۔ یہ آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگی تھیں۔ وہ لاکھ کانوں پر ہاتھ رکھتی لیکن یہ آوازیں اُس کا پیچھا کرتی اُس سے آ کر چمٹ گئی تھیں۔

یہ پُرسوز آواز کس کی تھی؟

لا الہ الا ہو، لا الہ الا ہو
ایک طلب ہے ایک ہی خُو لا الہ الا ہو
اب تو ہی تو اور تو ہی تو لا الہ الا ہو۔ اس آواز کے ساتھ ایک اور آواز مل گئی تھی۔

''نہیں۔'' ترنم نے کانوں پر سختی سے اپنے ہاتھ رکھ لیے۔

''میں تیری منزلوں کے نشاں سے
بہت دُور آگے نکل گیا
نہ سنبھل سکا بہت دیر تلک
یونہی بے سبب بھٹکتا رہا
تیرے نور کی وہ روشنی
میرے آس پاس بکھرتی رہی
میں نا اہل تھی بے خبر!
کیوں دیر تک سویا رہا
مجھے آگہی کا شعور دے

آواز اُس کے کانوں سے گزر کر اُس کے سارے وجود میں گونجنے لگی تھی۔ ترنم کا سارا وجود پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔

ترنم نے متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ارد گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ اُسے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس [illegible] ہو رہا تھا۔

اچانک یہ آوازیں بین میں بدل گئیں۔

ترنم کو یوں لگا کہ اِن درد بھرے بینوں سے اُس کا دل پھٹنے کے قریب ہے۔ اُس نے قریبی ستون کو [illegible] تھامنا چاہا تھا لیکن ستون آگے بھاگا تھا۔ وہ بے اختیار ہو کر لہرا کر گری تھی۔

آنکھوں اور دماغ پر اندھیرا چھانے سے پہلے اُس نے ایک بہت میٹھی آواز سنی تھی۔ یہ آواز۔ [illegible] اس آواز کی گود میں سر رکھنا چاہتی تھی۔ جانے کتنی صدیاں بیت گئی تھیں اس آواز کو سنے ہوئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لتاں۔'' اُس نے اس آواز کو پکڑنا چاہا۔

''ایمان پتر اُٹھ جا''ویلا'' نکل گیا تو کیا فائدہ؟'' آواز بالکل قریب سے سنائی دی تھی۔

''ایمان۔ایمان۔ایمان پتر!'' آواز دُور ہو رہی تھی۔زندگی دُور جا رہی تھی۔روشنی دُور جا رہی تھی۔

''لتاں۔'' بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اُس کے ہونٹ کپکپائے تھے۔''لتاں۔''

کتنی ہی دیر گزر چکی تھی وہ گم صم بیٹھی تھی اس کے ہاتھ میں موجود کاغذ اُس کے مساموں سے نکلے پسینے سے بھیگ کر گیلا ہو چکا تھا۔لیکن اُس کے الفاظ ابھی تک اس کے اندر شور مچا رہے تھے۔

اس کے گم سُم وجود میں جو شور مچا تھا، اس سے وہ خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہی تھی۔

''کیا۔کیا میں ایسا کر پاؤں گی؟'' اُس نے جیسے خود سے سوال کیا تھا۔

اُس کی منہ زور خواہش اب اُس کی ضد بنتی جا رہی تھی۔ لتاں کی ہر وقت کی روک ٹوک اور یہ گھر اُسے اب قید کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

ڈاکٹر جی کے سنگ زندگی گزارنے کا خواب اس قدر خوش کُن تھا کہ وہ اس خواب کی بھیانک تعبیر تک نہ دیکھ سکتی تھی۔

''ایمان۔ایمان پتر۔'' لتاں کی آواز پر وہ ہڑ بڑا کر کھڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ کی گرفت کاغذ پر مزید مضبوط ہو گئی تھی اُس نے اپنے ہاتھ کو دوپٹے کے پیچھے چھپا لیا تھا۔اُس کا سارا وجود خوف سے دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔

''جی لتاں!'' ایمان نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھ ماسی زبیدہ کتنا سوہنا منڈا (لڑکا) تیرے لیے ڈھونڈ کر لائی ہے۔ابھی تو میں تیری بس منگنی کروں گی۔تین ورے بعد تیرا ویاہ (بیاہ) کروں گی۔ابھی تو میری گڑیا کے کھیلنے کے دن ہیں۔''

لتاں جان بُوجھ کر ہر بات کو بھول رہی تھیں۔ان کا خیال تھا کہ ایمان کا دھیان بٹ جائے گا تو وہ اپنی لاحاصل ضد سے دست بردار ہو جائے گی۔ وہ اُسے ایک بار پھر اپنی بھولی بھالی گڑیوں سے کھیلتی معصوم سی ایمان دیکھنا چاہتی تھیں۔

لیکن وہ نادان لڑکی۔گڈیوں پٹولوں سے ہاتھ چھُڑا بیٹھی تھی اپنے بچپن کے انمول لمحوں کو گنوا بیٹھی تھی۔وقت سے پہلے جینے والے بہت جلد اختتام پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ایسے میں بچن کے جگنو، جوانی کی مسکراہٹیں اور خوشیاں وہ حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔

''تو یقین نہیں کرے گی کہ رب سوہنے نے ہم پر کتنا کرم کیا ہے۔وہ پرسوں جو دو عورتیں اچانک آئی تھیں ناں! تمہاری ایک جھلک دیکھتے ہی راضی ہو گئی تھیں۔لڑکا بارہ جماعت پاس ہے اور دبئی گیا ہوا ہے۔بارہ ہزار روپے تنخواہ ہے۔''

''بارہ ہزار روپے۔اتنے ڈھیر سارے روپے کماتا ہے!''

''میری دھی رانی عیش کرے گی عیش۔ربّ تیرا شکر ہے۔'' خدیجہ بی بی کے چہرے پر خوشی کی کرنیں رقصاں تھیں۔

ایمان نے ان کے چہرے کو یوں دیکھا، جیسے وہ کسی اور ہی سیارے کی زبان بول رہی ہوں۔

''ہونہہ۔بارہ جماعتیں پڑھا ہوا۔بارہ ہزار کمانے والا شہزادہ!'' ایمان نے تنفّر سے سوچا۔

اُس کی نظروں کے سامنے ڈاکٹر گلزار کی بڑی سی گاڑی گھوم گئی تھی۔ڈاکٹر جی نے خود اُسے بتایا تھا کہ لاہور میں یہ بہت بڑی ساری ان کی کوٹھی ہے۔ یہ تو یہاں وہ انسانیت کی خدمت کی خاطر کلینک کرتے تھے۔غریبوں کے لیے ان کے دل میں بہت درد تھا۔

''کہاں ڈاکٹر گلزار اور کہاں یہ بارہ کے ہندسے والا۔'' ایمان اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔

''کیوں پتر خوش ہے ناں؟''

''نہیں! میں خوش نہیں ہوں اور جو میری خوشی ہے وہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔'' ایمان کے لہجے میں بے انتہا گستاخی تھی۔

''تم اگر انگاروں کو جھولی میں ڈال کر خوش ہو گی تو بھول جاؤ میں تجھ کو ایسی خوشی حاصل کرنے نہ دوں گی، جو تیری آگ ہو۔'' خدیجہ بی بی نے ٹھوس لہجے میں کہا تھا۔

''تو پھر جو آپ چاہتی ہیں وہ بھی نہیں ہو گا۔'' ایمان کی آواز غصّے سے پھٹنے کو تھی۔

''ہوگا تو وہی جو میں اور تیرے ابا چاہتے ہیں۔کیوں کہ ہم تیرا بھلا چاہتے ہیں۔'' خدیجہ بی بی ایک ایک لفظ پر زور دیتی وہاں سے اٹھ گئیں۔

''یہ تو وقت بتائے گا کہ اب کیا ہو گا۔''

کچھ دیر پہلے خط میں لکھے الفاظ جو اُسے ناممکن لگ رہے تھے۔وہ اچانک ممکن نظر آنے لگے تھے۔

❖❖○❖❖

''تم بہت مختلف ہو! کچھ بہت سا مختلف ہے تمہارے مزاج میں۔تم کو اکثر بہت ساری باتوں میں حالات سے ہٹ کر ری ایکٹ کرتے دیکھا ہے۔''

ٹی ٹو نے بہت غور سے ولی کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ اس وقت دو تکیوں کے سہارے بیٹھا چائے پی رہا تھا۔آج ڈاکٹرز نے دو دن بعد اُسے کوئی چیز پینے کو دی تھی۔

''کیا مختلف ہے؟'' ولی کے چہرے پر مسکراہٹ کی کرن ایک پَل کو چمکی تھی۔''کیا میرے سر پر سینگ ہیں؟'' ولی مسکرایا۔

''دیکھو تمہیں ان باتوں پر غصہ نہیں آتا ہے ناں، جن پر ایک نارمل انسان کو آتا ہے۔'' ٹی ٹو نے ولی کے چہرے پر سے نظریں اٹھائے بغیر کہا تھا۔

''ٹی ٹو تم غلط سوچتے ہو۔نارمل آدمی کو ہی تو غصہ نہیں آتا ہے۔''

''غصہ۔رویوں کی ابنارمیلٹی کو کہا جاتا ہے۔'' ولی نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

''ولی تم نے ان ناپسندیدہ لڑکوں سے نہ صرف دوستی کر لی ہے بلکہ کل تم ماجد کی بھی خبر لینے اپنے بابا کے ساتھ گئے تھے۔ یہ اتنا کچھ میرے لیے ہضم کرنا مشکل ہے۔کیا واقعی تم نے اُن لڑکوں کو معاف کر دیا ہے؟ جنہوں نے نا صرف تمہارے ساتھ بدتمیزی کی۔ بلکہ تمہیں اور مجھے زخمی کر دیا۔تم ایسا کیسے کر سکتے ہو'' ٹی ٹو کی ناراضگی اور غصہ ابھی تک ختم نہ ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ایسا کر سکتا ہوں ٹی ٹو، کیوں کہ ایسا میرے بابا چاہتے ہیں۔'' ولی کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔
''تو کیا تمہاری کوئی مرضی نہیں ہے۔'' ٹی ٹو نے غصّے سے کہا تھا۔اُس کے دل میں ابھی تک اُن لڑکوں کو مزا چکھانے کی حسرت موجود تھی۔
''ہاں ہے ناں میری مرضی ...... میری مرضی یہ ہے کہ میں بابا جانی کی مرضی سے جیوں۔ اور یہ خسارے کا سودا کبھی نہیں رہا ٹی ٹو۔'' ولی کے چہرے پر بے انتہا طمانیت تھی۔
''تم کیا شروع سے۔ آئی مین ہمیشہ سے ایسے ہی اتنی ہموار شخصیت کے مالک ہو؟'' ٹی ٹو کے لہجے میں بے انتہا حیرت تھی۔
ولی سے اُس کی دوستی پانچ سال پرانی تھی۔ ٹی ٹو اپنی طبیعت کے لا اُبالی پن کی وجہ سے ولی کی شخصیت کے ان مختلف پہلوؤں کی خوشبو نہ لے سکا تھا۔
ولی بہت کھل کر مسکرایا تھا۔ ''میں تم کو شیخ سعدی کی ایک حکایت سناتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں ایک دفعہ میں غسل خانے میں گیا تو وہاں گاچنی مٹی پڑی ہوئی تھی لیکن اس سے گلاب اور عطر کی خوشبو اس قدر آرہی تھی کہ پورا غسل خانہ معطر تھا۔ میں نے پوچھا تو ہے تو نری گاچنی مٹی لیکن یہ تیرے اندر سے گلاب کی خوشبو کیسے؟''
''اس نے معلوم ہے کیا جواب دیا؟'' ولی نے ٹی ٹو کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

''میں پھولوں، خوشبوؤں کے پاس ایک مدت پڑی رہی ورنہ میں جانتی ہوں کہ میری حقیقت تو صرف یہ ہے کہ میں پاؤں تلے آنے والی مٹی ہوں۔''
''تو مسٹر افضل خان میں عبدالولی زندگی بھر نہیں بھول سکتا کہ سیّد احمد شاہ پھول اور عطر ہیں اور میرے اندر اور میری شخصیت کی ساری خوبصورتیاں میرے والد احمد شاہ اور میری والدہ روشن آرا کی وجہ سے ہیں۔''
''کیوں کہ عبدالولی صرف ایک گاچنی مٹی تھا۔ پاؤں تلے آنے والی مٹی۔'' عبدالولی کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔
اور ٹی ٹو جو کچھ کہنے جارہا تھا، ولی کا چہرہ دیکھ کر چپ رہ گیا۔
''یہ ولی کیسی بات کر گیا ہے؟'' سننے والے نے حیرانی سے سوچا۔
لیکن کہنے والے کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کچھ حقیقتوں کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ کبھی جھٹلا نہیں سکتا۔
بچپن کے کچھ سوال تھے، جو ولی آج تک حل نہ کر پایا تھا۔ اُسے اکثر بے چینی ہوتی تھی۔ لیکن ماں باپ کی بے لوث محبت ہر سوال پر، ہر بے چینی کی آگ پر ٹھنڈے میٹھے پانی کے چھینٹے ثابت ہوجاتی تھی۔
اُن کی بے لوث محبت کے سامنے باقی کچھ باقی نہ رہتا تھا۔

❖❖○❖❖

ایک دفعہ کا ذکر ہے
اک چڑیا تھی
اُس کا ایک پیارا سا بچہ تھا
چڑیا کو اپنا بچہ جان سے پیارا تھا
روز چڑیا دانہ تلاش کرنے باہر جایا کرتی تھی
اپنے بچے کو اس نصیحت کے ساتھ
کہ جو بچے آلہنے سے نکل جائیں
تو چیل انہیں پکڑ کر لے جاتی ہے
اور پھر
کبھی وہ اپنی ماں کی آغوش
اپنے گھر، اپنے آلہنے میں واپس نہیں آسکتے
گھر سے باہر موت ہے
گھر کے اندر اور ماں کی بات میں زندگی ہے
لیکن وہ چڑیا کا بچہ نادان نکلا
اور پھر وہ ایک دن گھر سے جا نکلا
اور پھر اُسے چیل جھپٹ کر لے گئی

کہانی سناتے سناتے لمّاں کا چہرہ ایک دم پریشانی سے متغیر ہوجاتا ہے۔
ایمان کی آنکھ ایک دم کھلی تھی۔ وہ جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ اُس نے خواب میں لمّاں کو دیکھا تھا۔ اپنے آپ کو چھوٹا سا۔ لمّاں کی گود میں کہانی سنتے دیکھا تھا۔
ایمان کے اندر ایک دم بے چینی اور پریشانی کے طوفان کا ریلا اُٹھا تھا۔ یہ کیفیت اس قدر شدید تھی کہ اُس سے سانس لینا دشوار ہوگیا تھا۔ اُس نے اپنی دائیں جانب دیکھا تھا۔ وہاں گہرا اندھیرا دکھائی دیا تھا۔ گاڑی چمک چمک کرتی بھاگی چلی جارہی تھی۔
کچھ گھنٹے پہلے جس بے خوفی سے وہ ہر حد اور دہلیز پار کر آئی تھی وہ بے خوفی ایک دم غائب ہوگئی تھی۔
وہ اب عجیب سی پریشانی اور خوف میں مبتلا ہوچکی تھی۔
سامنے والی سیٹ پر ڈاکٹر جی بیٹھے تھے۔ جس شخص کی خاطر اُس نے ہر حد پار کی تھی وہ اُس کے سامنے بیٹھا تھا۔ پھر وہ پریشان کیوں تھی۔
پھر۔ پھر یہ بے چینی کیوں تھی؟
سانس لینا دشوار کیوں ہو رہا تھا؟
اور دل کس انہونی کے ڈر سے ڈوب رہا تھا۔ جسے وہ بے خوفی اور خود غرضی سے ہر دہلیز اور رشتے کو چھوڑ آئی تھی، اُسے خسارے کا اندازہ نہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کا دل جو کسی مقناطیس کی طرح ڈاکٹر گلزار کی طرف بھاگتا تھا اور جو صرف اور صرف اپنی محبت کی طرف داری میں بولتا تھا۔ اب وہ ہی دل چیخ چیخ کر بول رہا تھا کہ وہ غلط کر بیٹھی ہے۔

کہیں کچھ ایسا غلط ہے، جو اُس کی نظروں سے اوجھل تھا۔

"کیا ہوا جانو تم اٹھ گئیں۔ تمہیں پیاس تو نہیں لگی؟" ڈاکٹر گلزار کے لہجے میں بے انتہا محبت اور شیرینی گھلی ہوئی تھی۔

"نہیں!" اُس نے زبان ہونٹوں پر پھیرتے دھیمے سے جواب دیا۔

وسوسے ایک بار پھر کچھ دیر کو چپ ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر گلزار پر اندھا اعتبار جو تھا۔

اندھے اعتبار ہمیشہ اندھی کھائیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔

اُس کی عمر کم تھی، تجربہ کم تھا لیکن اُس کے ایک قدم نے اُسے ایک بڑے امتحان میں لا کھڑا کر دیا تھا۔ جس سے وہ بالکل بے خبر تھی۔

اُس نے بھی تو اپنی ماں کے اندھے اعتبار اور اعتماد کو آج چکنا چُور کر دیا تھا۔ صبح سویرے اُس نے اپنے چند کپڑے اور کچھ اہم چیزیں ایک شاپر میں ڈال کر باتھ روم میں گندے کپڑوں کی ایک بالٹی میں چھپا دیے تھے۔ اور اماں ابا کے سوتے ہی وہ باہر نکل آئی تھی۔ باہر ڈاکٹر گلزار اپنی گاڑی لیے جانے کب سے کھڑا تھا۔ آندھی طوفان کی طرح گاڑی بھگاتا وہ اُسے ریلوے اسٹیشن لے آیا تھا۔

وہاں گاڑی کی چابی ایک دوست کے حوالے کی اور اُسے لے کر ٹرین میں آ بیٹھا۔

دس پندرہ منٹ بعد گاڑی رینگتی ہوئی جب بھاگنے لگی تو اُس کے گھبرائے گھبرائے وجود کو دیکھ کر گلزار نے اُسے بے انتہا تسلیاں دیں۔ وعدے کیے اور اپنی محبت کا پھر سے یقین دلایا۔ دھیرے دھیرے وہ کچھ نارمل ہو گئی تھی۔ مختلف باتیں سوچتے اُسے شاید نیند کا جھونکا آیا تھا۔

اور تب اُسے یہ خواب دکھائی دیا تھا۔ امّاں کا پریشان چہرہ ابّا کی جُھکی ہوئی گردن۔ اُسے پل پل پریشانی اور عجیب سی پشیمانی کی طرف دھکیل رہی تھیں۔

"ایمان۔ کیا تم نے ٹھیک کیا ہے؟" اُس کے اندر سوال اُگا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ سوال تناور درخت بن کر اُس کے سارے وجود میں پھیل گیا تھا۔

❖❖○❖❖

"دل پریشان بہت رہتا ہے!" آسیہ نے آہستہ سے کہا تھا۔

"بیٹا دل کی ہر پریشانی صرف اللہ رحمان کی ذات دور کر سکتی ہے۔ تم اللہ کے سپرد کر دو پھر دیکھنا!"

سب بچے بچیاں اُن سے قرآن پاک پڑھ چکے تھے۔

بابا جی کا شفیق اور پیار بھرا رویہ ہی تھا، جس نے اس دور دراز کے گاؤں کی بچیوں کو بھی بہت اعتماد دیا تھا۔

بچیاں جوان لڑکیوں میں بدل گئیں لیکن آج بھی وہ اپنے من کی بات کرنے کے لیے بابا جی کے پاس آتی تھیں۔

"بابا جی۔ سوچتی ہوں آخر کب تک۔ کب تک میں اپنا آپ بچا پاؤں گی۔" آسیہ کے لہجے میں

...ف بول رہا تھا۔

"اُسے جب دَورہ پڑتا ہے تو وہ بے قابو ہو جاتا ہے۔ میرے ابو سیّد سرفراز کے اتنے زیادہ مقروض ...ں کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس نوکری سے انکار نہیں کر سکتی ہوں۔" آسیہ اب باقاعدہ رو پڑی تھی۔

سترہ اٹھارہ سال کی یہ لڑکی سیّد سرفراز کی حویلی میں کام کرتی تھی اور اُس کے فرائض میں سیّد سرفراز ...ے بیٹے بلال کے کام شامل تھے۔

"بلال صاحب کو جب دورہ پڑتا ہے تو وہ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔ اپنے سامنے کی ہر چیز کو ...وچ کھسوٹ دیتے ہیں چاہے سامنے انسان ہی کیوں نہ ہو۔"

آسیہ روتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"کیسا دورہ پڑتا ہے؟ بچّے کو کیا بیماری ہے؟" بابا جی نے تحمل سے آسیہ کی بات سنتے ہوئے پوچھا ...تھا۔

"بابا جی اُن کو اکثر ایسا لگتا ہے کہ ان کا سارا پنڈا (جسم) جل رہا ہے اور جلن اتنی بڑھتی ہے کہ وہ ...ے چیختے چلاتے اپنے سارے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں، ایسے میں کتنے ہی انجکشن لگ کر نیند کی صورت ...ں، بیچارے کو آرام آ پاتا ہے۔" آسیہ نے سنسنی خیز لہجے میں بتایا۔

"یہ بیماری کب سے ہے؟" بابا جی کی آواز میں کچھ غیر معمولی پن تھا۔

"وہ جی تب سے، جب سے بلال صاحب چھوٹے سے تھے۔ شروع شروع میں کبھی کبھار ایسی حالت ہوتی تھی۔ لیکن بابا جی اب تو بیچارے کو اکثر مہینے یا ہفتے بعد دورہ پڑ جاتا ہے۔" آسیہ نے پوری ...کھیں کھولتے ہوئے بتایا۔

"آہ! سزا کا عمل شروع ہو چکا ہوتا ہے!"

"انسان کس قدر بے خبر ہے۔ وہ "بجتے الارم" کو بھی نہیں سن پاتا ہے۔"

بابا جی اتنی دھیمی آواز میں بولے تھے کہ آسیہ سن نہ پائی تھی۔

"جو انسان بوتا ہے۔ وہ ہی حاصل کرتا ہے! منفی رویے، منفی زندگی، حاصل جمع کو بھی منفی کر دیتی ...ے۔ اور ہاتھ میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں آتا ہے۔"

بابا جی اتنا دھیرے بول رہے تھے کہ جیسے خود سے باتیں کر رہے ہوں۔ آسیہ حیرت سے بابا جی کو تک ...رہی تھی۔ معافی مانگ لینا ہی انسان کے حق میں بہتر ہے۔ اپنے ربّ کی طرف پلٹ آنا ہی سب سے ...اہم ہے۔

جہاں یہ ساری سزائیں برحق ہیں وہاں سب سے اہم سچائی یہ ہے کہ اللہ رحمان کریم کی ذات بہت ...معاف کرنے والی اور رحمان ہے۔

"ہمارے گناہ کتنے بڑے ہی کیوں نہ ہوں لیکن اللہ جی کی رحمت سے بڑے اور سو گنا نہیں ہو سکتے۔"

...ا کی باتیں آسیہ کو فوری سمجھ تو نہیں آ رہی تھیں لیکن جانے ان باتوں اور ان کے لہجے میں کیا تھا کہ ...ا کے بے قرار دل کو ایک دم قرار آ گیا تھا۔

"بابا جی۔ آپ کہتے ہیں تو آج میں خود سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اپنی ساری پریشانیاں اللہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپرد کرتی ہوں۔" آسیہ نے کہا۔

"اے اللہ کی رحمت۔ تو جان لے کہ انسان اللہ کی بڑائی مانے یا نہ مانے وہ بڑا ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔"

"اپنے معاملات اللہ کے سپرد کرنا اُس پر یقین کرنا ہمارے ہی فائدے کے لیے ہے۔"

"ضرورت مند ہم ہوتے ہیں۔ عاصی ہم ہیں۔ وہ تو بہت بڑی اور کریم ذات ہے!" بابا جی لے آسیہ کے یقین اور بات کو درست کرتے ہوئے کہا تھا۔ آسیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"بابا جی۔ بلال صاحب کا کوئی مکمل علاج شہر میں نہیں ہو سکتا؟" آسیہ نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

"پیاری بیٹی! پہلے مریض آگہی تو حاصل کرلے کہ اُسے مرض کس وجہ سے ہے پھر ہی علاج کروا جائے گا۔ پہلے بے خبر کو خبر تو ہو جائے۔"

بابا جی کی باتیں اتنی مبہم بھی نہ تھیں کہ آسیہ سمجھ نہ پاتی۔

سیّد سرفراز کی سفّاکی کی داستان وہ اپنے ماں باپ سے سنتی آئی تھی۔ آسیہ کی نظروں کے سامنے بلال کا چیختا چلاّتا اور تڑپتا وجود گھوم گیا تو اُس نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔

❖❖○❖❖

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" ایمان نے سہمی ہوئی آواز میں ڈاکٹر گلزار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یار وہ میرے دوست اور اُس کی بیوی نے ہمیں لینے آنا تھا ان کو ہی دیکھ رہا ہوں۔" ڈاکٹر گلزار نے نظریں اِدھر اُدھر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم یہاں بیٹھو میں دیکھ کر آتا ہوں۔" ڈاکٹر گلزار نے اُسے ایک بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"نہ۔ نہیں۔ میں اکیلی یہاں نہیں بیٹھوں گی۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" ایمان نے ڈر اور خوف سے اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں اس رش میں کہاں دھکیلتا پھروں۔ تم یہاں بیٹھو میں بس ابھی آیا۔" ڈاکٹر گلزار نے اُسے زبردستی بٹھاتے ہوئے تسلی دی تھی۔

"آ۔ آپ جلدی آنا!" ایمان نے تھوک سے اپنا حلق تر کرتے ہوئے کہا۔

"یار۔ مجھ پر بھروسا ہے ناں!" گلزار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

"آپ پر ہی تو اب بھروسا ہے۔ آپ میرے بھروسے کو کبھی نہ توڑنا!"

ایمان نے بہت آس سے ڈاکٹر گلزار کو دیکھا تھا۔

"اچھا تم پریشان نہ ہونا میں آرہا ہوں۔" ڈاکٹر گلزار عجلت میں کہتے ہوئے ریلوے اسٹیشن کی اُس بھیڑ میں گم ہو گئے۔

کتنی ہی دیر گزر گئی تھی شاید بیس منٹ یا آدھا گھنٹا! لیکن ایمان کو یوں لگ رہا تھا کہ ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی کے برابر ہے۔ اُس کی سانسوں کی رفتار بے ترتیب ہو چکی تھی۔

صبح کاذب کا وقت ہو چلا تھا، ہوا میں خنکی تھی، اُسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔

پلیٹ فارم پر دو تین گاڑیاں آکر رکی تھیں اور پلیٹ فارم پر اچھا خاصا رش تھا۔ کئی لوگ اُسے گھورتے ہوئے گزرے تو اُسے اپنی وجود میں کپکپاہٹ محسوس ہوئی تھی۔

"یا اللہ کدھر رہ گئے ہیں ڈاکٹر جی!" ایمان نے گھبرا کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائی تھیں۔

"ایمان۔ تم ایمان ہی ہو ناں؟" ایک بہت خوبصورت لڑکی نے اُس کے سامنے آ کے پوچھا۔

"آ...... آپ کون ہیں؟" ایمان نے نقاب اوڑھی ہوئی تھی۔ جس سے اُس کے چہرے کے تاثرات چھپے ہوئے تھے۔ لیکن اُس کی آنکھوں کا بے تحاشا خوف اُس کے جذبات کو عیاں کر رہا تھا۔

"میں...... میں ڈاکٹر گلزار کے دوست کی بہن ہوں۔ وہ لوگ گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔"

اُس بے انتہا خوبصورت لڑکی نے ایمان کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ڈاکٹر جی کے ساتھ جاؤں گی۔ پھر یہ ہمارا سامان بھی تو ہے۔" ایمان نے ڈاکٹر گلزار کے بیگز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے۔ پریشان نہ ہو۔ تم چلو اب دیر ہو رہی ہے۔" لڑکی نے جیسے اُس کی بات سنی ہی نہ ہو اور اسے اُٹھنے پر اصرار کیا ساتھ ہی بیگ اُٹھا لیا۔

"اگر یہ لڑکی ڈاکٹر جی کے دوست کی بہن نہ ہوتی تو اسے میرا نام کیسے پتا چلتا؟" ایمان نے خود کو تسلی دی تھی۔

"اچھا باجی لیکن ڈاکٹر جی خود کہاں ہیں؟" ایمان نے اپنے کپڑوں کا شاپر مضبوطی سے پکڑتے ہوئے پوچھا تھا۔ جس میں دو تولے کا ننھا منا سا سونے کا سیٹ تھا۔ جو اماں نے پیسہ پیسہ جوڑ کر ایمان کی شادی کے لیے بنایا تھا۔ اس کے علاوہ وہ گھر کے خرچ کے تین ہزار بھی چُرا لائی تھی۔

لیکن وہ نادان بھول گئی کہ وہ کیا چیز چوری کر لائی تھی۔ پیسے سونے ہر چیز کا نعم البدل ہے۔ ہر چیز کا نقصان پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن اولاد اور عزت کا نقصان کوئی پورا نہیں کر سکتا ہے۔

"تمہارے ڈاکٹر صاحب تمہارا گاڑی میں انتظار کر رہے ہیں۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

ساری عمر لتاں نے اُسے کسی قیمتی لال ہیرے کی طرح چھپا چھپا کر رکھا تھا۔

اُس کی معصومیت کو کبھی زمانے کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ لوگ اور ان کے رویے۔ زمانہ۔ اُسے ان کی پہچان بالکل نہ تھی۔

لیکن اُس کی اونچی خواہشوں نے اُس کی معصومیت کی دیوار پھلانگ لی تھی۔ اور آج وہ خواہشوں کے پیچھے بھاگتی ہزاروں میل دور لتاں ابا اور اپنے آنگن کو چھوڑ کر اتنے اجنبی لوگوں کے درمیان تھی۔

"کہاں ہیں ڈاکٹر جی؟" ایمان نے کار کے پاس پہنچ کر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تھی۔

"تم گاڑی میں بیٹھو۔ آ رہے ہیں، تمہارے ڈاکٹر جی!" لڑکی کا لہجہ کچھ بدلا ہوا تھا۔ لیکن ایمان جان نہ پائی تھی۔

اگر اس کے اندر "پہچان" کی صلاحیت ہوتی تو وہ یوں اپنے گھر کی چار دیواری اور جان چھڑکنے والے ماں باپ کو چھوڑ کر نہ آتی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ سادہ لوح ماں باپ جن کی محبت کا مرکز صرف اور صرف ایمان تھی۔ جب زندگی کا مرکز ختم ہو جائے بے وفائی کر ڈالے تو پیچھے کیا بچتا ہے۔

"یہ۔ یہ گاڑی کیوں چلادی۔" ایمان نے گاڑی کے ایک دم چلنے پر گھبرا کر پوچھا تھا۔

"وہ۔ ڈا۔ ڈاکٹر جی کہاں ہیں باجی؟"

خوف سے ایمان کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"تمہارے ڈاکٹر جی؟ ارے وہ تو کب کے واپسی کی گاڑی میں واپس جا چکے ہیں۔"

لڑکی کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

لڑکی کے انکشاف نے ایمان کو ایک دم پتھر کا بنا دیا تھا۔ لیکن اگلے ہی پل وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔

"باجی ڈاکٹر جی مجھے چھوڑ کر واپس کیوں چلے گئے؟" اس کا دل سامنے کی حقیقت کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس لیے اُس نے ایک بار پھر اس سے پوچھا تھا۔

"کیوں کہ انہیں تو جانا ہی تھا۔" لڑکی نے اطمینان سے جواب دیا۔

"لیکن۔ وہ۔" ایمان نے گھبراہٹ سے دائیں بائیں دیکھا تھا۔ کار کے شیشوں کے باہر مناظر تیزی سے دوڑ رہے تھے۔

"لیکن وہ مجھے کیوں چھوڑ گئے۔ اور آ...... آپ مجھے کہاں لے کر جا رہی ہیں؟" ایمان نے پوچھا۔

گاڑی چلاتا ہوا بڑی بڑی مونچھوں والا ڈرائیور اُسے خوفزدہ کر رہا تھا۔

"ارے احمق لڑکی۔ تمہیں کیا ابھی تک نہیں پتا چل سکا کہ ڈاکٹر گلزار تمہیں کیوں چھوڑ گیا ہے!" لڑکی نے نہایت سفاکی سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں!" ایمان کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھریں اُس لڑکی سے سوال کر رہی تھیں۔ "کیوں کہ...... وہ تمہیں ہمارے ہاتھوں بیچ گیا ہے!"

ایمان کے چاروں طرف شاید بم دھماکے ہوئے تھے۔ اور اس کا سارا وجود ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔

"کیا! بیچ گئے ہیں؟ مجھے۔" ایمان کے مردہ وجود سے مری مری آواز سوال بن کر نکلی تھی۔

"ہاں! پچاس ہزار نقد میں۔ پچیس ہزار وہ پہلے لے چکا تھا۔" ایک اور بم دھماکا ہوا تھا۔

یا شاید تیز رفتار گاڑی اُسے کچلتی آگے نکل گئی تھی۔ لیکن پھر وہ ایک دم نیند سے جاگی۔

"با۔ باجی۔ آپ کو اللہ جی کا واسطہ، مجھے اتار دیں میں اپنے گھر واپس چلی جاؤں گی۔"

"میرے امّاں ابا بڑے اچھے ہیں وہ میری بھول کو معاف کر دیں گے۔" ایمان گڑگڑانے لگی تھی۔

"واپس! تم نہیں جانتی کہ تمہیں خریدنے والے کون سے ہاتھ ہیں۔ جہاں آنے کے ایک سو راستے ہیں لیکن واپس جانے کا ایک بھی راستا نہیں ہے۔"

"ہاں صرف ایک کھڑکی ہے، جہاں موت کے ذریعے باہر کودا جا سکتا ہے۔" لڑکی کے لہجے میں ایک دم یاسیت در آئی تھی۔

"میں۔ کچھ نہیں جانتی۔ مجھے واپس جانا ہے۔" ایمان نے تقریباً چلّاتے ہوئے کہا تھا۔

"رکو۔ روکو گاڑی۔" ایمان نے گاڑی کے دروازے کے لاک کھولنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن گاڑی کے آٹو میٹک لاک کھولنا ایمان کے بس میں کہاں تھا۔

"باجی...... باجی رحم کرو ناں! ایمان نے دروازے کے ساتھ زور آزمائی کرتے ہوئے اس لڑکی سے منت بھرے لہجے میں کہا...... آپ کو اللہ جی کا واسطہ۔"

"سوری ایمان...... مجھے افسوس ہے! لڑکی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔" روتے روتے ایمان کا نقاب کھل گیا تھا۔

لڑکی جس کا نام فرزانہ تھا، اُسے ایمان کی کم عمری اور بھولپن پر بے انتہا ترس آیا تھا۔ لیکن وہ خود بھی بے بس تھی۔

"افسوس تمہارا حسن ہی تمہارا دشمن بن کر رہ گیا!" ضروری نہیں کہ اچھی شکلیں ہی اچھے مقدر حاصل کر سکیں۔

"مجھے واپس جانا ہے! دروازہ کھولو! مجھے میرے گھر واپس جانا ہے!" ایمان نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

"ایمان اب تم کبھی واپس نہیں جا سکتی۔" لڑکی نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ایمان نے اُس لڑکی کو پھٹی پھٹی نگاہوں کے ساتھ دیکھا تھا۔

ایمان کو یوں لگ رہا تھا کہ اُس کا سانس بند ہو گیا ہے۔ اور منظر دھندلے ہو چکے ہیں۔ دور سے کہیں اُسے دو آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"ایمان۔ ایمان پتر!"

شفیق آوازیں دور جا رہی تھیں۔

چھوٹے سے آنگن میں سہیلیوں سے کھیلتی وہ تتلی کی طرح اُڑتی چھوٹی سی ایمان۔ اس کا آنگن دور جا رہا تھا۔ ابا کا پیار بھرا سینہ اور ان کا لمس، سب منظر بھاگتے دور جا رہے تھے۔

امّاں کے ساتھ چار پائی پر لیٹی ایمان تاروں بھرے آسمان کے نیچے کہانیاں سنتے، خواب بنتے وہ منظر دور جا رہا تھا۔

بچپن، معصومیت، جوانی کی اوّلین بہار، گھر آنگن، چھاؤں جیسے ماں باپ، سب منظر تیزی سے دور بھاگ کر غائب ہو چکے تھے۔

ایمان نے دھندلی آنکھوں کے ساتھ۔ پوری طاقت کے ساتھ سانس لینے کی کوشش کی تھی لیکن بے سود رہا تھا۔ وہ سانس لے نہیں پا رہی تھی۔

"امّاں...... ابا!" اُس کے ہونٹ ایک پکار لیے ذرا سا کپکپائے۔

ایمان ایک دم ہوش حواس سے بیگانہ ہو کر گاڑی کی سیٹ پر لڑھک گئی تھی اور گاڑی تیزی سے اندھیروں کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ایسے اندھیرے جہاں صرف کھائیاں، گہرائیاں اور اُترائیاں تھیں۔

❖❖○❖❖

"سوری یار۔ مُسکان کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔" اس لیے میں اس کے پاس رک گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائرہ نے اپنی خالا سے معذرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

”دیکھو سائرہ۔ تم اور طارق مجھے بے حد عزیز ہو اور تمہاری کوئی بھی بے پروائی میں برداشت نہیں کرسکتی ہوں۔“ آنی کا غصہ کم ہونے کو آہی نہیں رہا تھا۔

”ساری رات اور آج کا سارا دن تم نے مُسکان کی طرف اور طارق نے ولی کی طرف گزارا۔ یعنی دونوں بہن بھائی کو دوست سہیلی اپنی آنی سے زیادہ عزیز ہوگئے۔“ آنی نے خفگی سے کہا۔

”ارے بابا رے۔ بابا رے!“

”یہاں کے موسم کا ٹمپریچر تو بہت زیادہ ہے۔“ سائرہ نے آنی کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

”میری پیاری سی جانو آنی۔ پلیز سوری معاف کردیں۔ آئندہ احتیاط کروں گی۔“ سائرہ کے اندر یہ بہت خوبصورت عادت تھی کہ وہ اپنی غلطی کو غلطی مان لیتی تھی۔ ضد کرکے اس پر بیٹھی نہ رہتی تھی۔

”اچھا اب زیادہ مسکہ نہ لگاؤ۔“ نیلوفر نے سائرہ کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ میری سویٹ جانو آنی۔ آپ کی یہ ہی بات تو سب سے اچھی ہے کہ آپ بہت سوفٹ ہو، بالکل موم کی طرح۔ ہمیشہ مان جاتی ہو۔“ سائرہ نے خوشی سے کہا۔ بے شک اُسے اپنی آنی سے بے حد پیار تھا۔

”اچھا اب جاؤ اور جاکر فریش ہوجاؤ۔ آج میں نے تمہاری پسند کا شاشلک اور چائنیز رائس بنوائے ہیں۔“ نیلوفر نے سائرہ کو فریش اپ ہونے کے لیے اُٹھایا۔

سائرہ اپنا ہینڈ بیگ اور موبائل لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

”ہونہہ۔ نیلوفر۔ اور موم!“

نیلوفر نے ایک تنفر سے سوچا تھا۔

”میری جان سائرہ تم کبھی نہیں جان پاؤ گی کہ نیلوفر موم نہیں بلکہ ایک چٹان ہے۔“

”ایسی چٹان جس سے جو ٹکرائے گا، پاش پاش ہوجائے گا۔ جیسے تمہارا باپ شہریار آج مجھ سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہوچکا ہے۔“

”تم نے تو میرا موم روپ دیکھا ہے۔ تم مرکر بھی کبھی کسی کا یقین نہ کروگی کہ تمہاری آنی کتنی سخت عورت ہیں۔“

”تم لوگ کبھی جان نہ پاؤ گے کہ تمہارا باپ کس کی وجہ سے تم لوگوں سے اتنا دور ہے اور۔ کتنا تڑپتا ہے۔“ اس خیال کے ساتھ ہی وہ آپ ہی آپ مُسکرانے لگیں۔ ایسی مسکراہٹ جو زہر کی طرح زندگی کو چھین کر ماردے۔

”یہ بیماری کب سے ہے؟“ بابا جی کی آواز میں کچھ غیر معمولی پن تھا۔

”وہ جی تب سے جب سے بلال صاحب چھوٹے سے تھے۔ شروع شروع میں کبھی کبھار ایسی حالت ہوتی تھی۔ لیکن بابا جی اب تو بیچارے کو اکثر مہینے یا ہفتے بعد دورہ پڑ جاتا ہے۔“ آسیہ نے پوری آنکھیں کھولتے ہوئے بتایا۔

”آہ! سزا کا عمل شروع ہوچکا ہوتا ہے!“

”انسان کس قدر بے خبر ہے۔ وہ ”بجتے الارم“ کو بھی نہیں سن پاتا۔“

بابا جی اتنی دھیمی آواز میں بولے تھے کہ آسیہ سن نہ پائی تھی۔

”انسان جو بوتا ہے۔ وہ ہی حاصل کرتا ہے! منفی رویے، منفی زندگی، حاصل جمع کو بھی منفی کردیتی ہے۔ اور ہاتھ میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں آتا۔“

بابا جی اتنا دھیرے بول رہے تھے کہ جیسے خود سے باتیں کررہے ہوں۔ آسیہ حیرت سے بابا جی کو تک رہی تھی۔ معافی مانگ لینا اور اپنے ربّ کی طرف پلٹ آنا ہی سب سے بہتر ہے۔

جہاں یہ ساری سزائیں برحق ہیں وہاں سب سے اہم سچائی یہ ہے کہ اللہ رحمٰن کریم کی ذات بہت معاف کرنے والی اور رحمان ہے۔

”ہمارے گناہ کتنے بڑے ہی کیوں نہ ہوں لیکن اللہ جی کی رحمت سے بڑے اور سوگنا نہیں ہوسکتے۔“

بابا جی کی باتیں آسیہ کو فوری سمجھ تو نہیں آرہی تھیں لیکن جانے ان باتوں اور ان کے لہجے میں کیا تھا کہ اس کے بے قرار دل کو ایک دم قرار سا آگیا۔

”بابا جی۔ آپ کہتے ہیں تو آج میں خود سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اپنی ساری پریشانیاں اللہ کے سپرد کرتی ہوں۔“ آسیہ نے کہا۔

”اے اللہ کی رحمت...... تو جان لے کہ انسان اللہ کی بڑائی مانے یا نہ مانے وہ بڑا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اپنے معاملات اللہ کے سپرد کرنا اُس پر یقین کرنا ہمارے ہی فائدے کے لیے ہے۔ ضرورت مند ہم ہوتے ہیں۔ عاصی ہم ہیں۔ وہ تو بہت بڑی اور کریم ذات ہے!“ بابا جی نے آسیہ کے یقین اور بات کو درست کرتے ہوئے کہا۔ آسیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بابا جی۔ بلال صاحب کا مکمل علاج شہر میں نہیں ہوسکتا؟“ آسیہ نے معصومیت سے پوچھا۔

”پیاری بیٹی! پہلے مریض آگہی تو حاصل کرلے کہ اُسے مرض کس وجہ سے ہے پھر ہی علاج کروایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا۔ پہلے بے خبر کو خبر تو ہو جائے۔" بابا جی کی باتیں اتنی مبہم بھی نہ تھیں کہ آسیہ سمجھ نہ پاتی۔

سیّد سرفراز کی سفا کی کی داستان وہ اپنے ماں باپ سے سنتی آئی تھی۔ آسیہ کی نظروں کے سامنے بلال کا چیختا چلاتا اور تڑپتا وجود گھوم گیا تو اُس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

❖❖○❖❖

ہمارے بس میں اگر اپنے فیصلے ہوتے
تو ہم کبھی کے گھروں کو پلٹ گئے ہوتے

"آہا بابا جی! یہ کیا ہے؟" اس نے خوشی سے اُس خوبصورت ڈیکوریشن پیس کو چھو کر پوچھا۔

"یہ تتلی ہے!" اس کے بابا نے اسے پیار سے بتا کر واپس اپنی گود میں بٹھالیا، وہ خوبصورت پیس کو توڑ سکتی تھی۔

اس وقت وہ اپنے مالک کی کوٹھی میں آئے بیٹھے تھے۔ مالک کی بیگم اچھی کڑھائی اور ڈیزائن کی شوقین تھی۔ اور ان کی بیوی ایسے خوشنما پھول کاڑھتی تھی کہ کچھ پَل کو حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ مالکن ان کی بیوی کے ہنر کی قدردان تھی اور عام لوگوں سے زیادہ معاوضہ دیتی تھی۔ اس لیے اکثر وہ ان کو بلاوا بھیجتی تھی اور وہ کپڑے لینے دینے کوٹھی آجایا کرتے تھے۔

اس وقت بھی وہ اپنی سات آٹھ سالہ پیاری سی بچی کے ساتھ اس عالیشان ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔

"بابا...... بابا جی!" ان کی بیٹی نے اِن کو پکار کر متوجہ کیا۔

"بابا جی کیا تتلی بھی کبھی شیشے کی ہوتی ہے؟" معصوم ذہن نے معصوم سا سوال کیا۔

"بیٹا تتلیاں تو رنگوں کی ہوتی ہیں۔ یہ تو مصنوعی بنائی گئی ہے۔" باپ نے پیار سے اپنی بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بابا جی...... جب جب میں تتلی کو پکڑنا چاہتی ہوں۔ تتلی اُڑ کیوں جاتی ہے؟"

"اس لیے کیوں کہ تمہاری چاہت 'خواہش ہی غلط ہے۔" بابا نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن بابا مجھے تتلیاں اچھی لگتی ہیں۔" وہ مُصر تھی۔

"ہر اچھی لگ جانے والی چیز کو حاصل کرنا درست نہیں ہے۔" بابا کی بات نے اُس کے اندر غیر اطمینانی بھر دی تھی۔

وہ شروع سے ہی شاید ایسی تھی، جب اس کی بات پوری نہ ہوتی تو سوال اور خواہش اُسے بے چین کر دیتی تھی۔ تتلیاں پکڑ کر رکھنے کی خواہش ان میں سے ایک تھی۔

"لیکن بابا...... میں تتلی کو ایک بار پکڑ کر چھوڑ دوں گی۔" اس نے ایک دَم باپ کی گود سے نکلنے کی کوشش کی۔

"نہیں بیٹا وہ تتلی تو مصنوعی ہے!" بابا نے لپک کر پھر اُسے قابو کرلیا۔

"لیکن مجھے ایک بار اُسے پکڑ کر چھو کر دیکھنا ہے۔" اس کے لہجے میں ضد نمایاں تھی۔

اور ہر خواہش کو پکڑ کر چھو لینے کی "تمنا اور ضد" نے اس کے ہاتھوں سے اس کی زندگی کی خوبصورت چیزیں اور رنگ چھین لیے تھے۔

"بابا، اماں، معصومیت، گھر آنگن سب کچھ...... سب کچھ اب اُسے ہر وقت جاگتے سوتے یادیں حقیقت کی طرح دکھائی دینے لگی تھیں۔ ایسے میں وہ اس منظر کو بے خودی کے عالم میں چُھو کر محسوس کرنا چاہتی تو یہ پانی کے بلبلے کی طرح غائب ہو جاتے تھے۔ وہ ان آوازوں، منظروں کو پکڑنے اور محسوس کرنے کی کوشش کرتی تو سب کچھ ختم ہو جاتا تھا۔

اب بھی اُس نے بابا کے ہاتھ کو تھامنے کی کوشش کی تھی اور سارا منظر بُلبلے کی طرح پھوٹ کر غائب ہو گیا۔

"بابا......!" وہ تڑپ کر اٹھی۔

ایک بار پھر اُس نے اس لمبی اونچی عورت کو اپنے قریب بیٹھے دیکھا تھا۔ اس نے اپنے اِرد گرد نظر دوڑا کر دیکھا تو اسے یاد آیا کہ وہ دربار کی سیڑھیوں پر بے ہوش ہو کر گری تھی اور اب وہ سفید سنگ مرمر کے ٹھنڈے فرش پر لیٹی ہوئی تھی۔ پاس میں وہی عورت، آنکھیں موندے تسبیح کے دانے گرا رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی اور فضا میں خنکی کا احساس نمایاں تھا۔ اس خاموشی کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد کبوتروں کی غٹر غوں، غٹر غوں توڑ رہی تھی۔

اُس نے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی تو اُسے زیادہ تر عورتیں اپنے دوپٹوں، چادروں میں سوتی نظر آئیں۔ دربار میں یہ خواتین شاید باہر کے شہروں سے آئی زائرین تھیں۔ کیوں کہ ہر طرف خاموشی اور تنہائی سی تھی۔

"تم اٹھ گئی ہو تو جاؤ پتر وضو کر آؤ۔ تہجد کا ویلا ہونے والا ہے۔ اُس رب سچے اللہ سوہنے کے آگے سر جھکا کر فریاد کرتے ہیں وہ بڑی سننے والا ہے۔" اس عورت کی شفیق آواز نے اُسے اپنے خیالوں سے چونکا دیا، وہ ترنم سے یوں مخاطب تھی، جیسے اسے ہمیشہ سے جانتی ہو اور ان کے درمیان یہ مکالمہ اور منظر روز کا ہو۔

"میں...... میں اللہ سے اتنی شرمندہ ہوں کہ میرا منہ نہیں بنتا کہ میں اس کے آگے حاضر ہوؤں۔" ترنم نے نقاہت سے کہا۔ اس کے لہجے میں بے انتہا بے بسی تھی۔

"میں...... اس قابل نہیں ہوں اماں کہ مجھے معافی مل سکے۔ میری فریاد سنی جا سکے۔" دو آنسو اس کی خشک آنکھوں سے پھر بہہ نکلے۔

"پتر تو ایسا نہ بول!...... پیر کامل (ﷺ) آکھدے (کہتے) نیں کہ رب سچے کو یوں نا امیدی کرن والا کافر ہوندا اے۔ اک آس دا رشتہ، اک امید دا رشتہ صرف اُس کے ساتھ سے نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ اور رب سوہنا بڑا مہربان اے! بڑا رحیم ہے! اے ساری صفتاں (خوبیاں) خود اُس نے بتائی ہیں۔ تو اس کو ان ناموں سے پکار اپنی معافی کی درخواست بول وہ معاف کرن (کرنے) والا ہے۔ اُس نے ہی معافی دینی ہے، اُس نے ہی بخشش دینی ہے۔ منگن (مانگنے) والے کو دیتا ضرور ہے۔"

"جب تک تو فریاد لے کر اُس کے بوئے (دروازے) کو کھٹکھٹائے گی نہیں تو دروازہ کیسے کھلے گا؟"

اس عورت کے چہرے پر ایک دَم نرم سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ترنم کسی مسمریزم میں تھی۔ اُسے اتنے سالوں بعد پہلی بار کوئی روزن دکھائی دیا تھا۔ ہَوا کا تازہ جھونکا محسوس ہوا تھا۔

"چل اُٹھ پتر ویلا نہ لنگھ جاوے۔ (وقت نہ گزر جائے)

ترنم اس جملے پر ایک دم چونکی۔ اس کے وجود کے اندر اماں کا یہ جملہ اکثر بازگشت کرتا تھا اور اُسے ہمیشہ بے چین رکھتا تھا۔

"یہ ویلا بڑا ہی قیمتی ہے۔"

"جب زیادہ خاموشی ہو تو ایک سوئی گرے تو اس کی آواز بھی سنائی دے جاتی ہے۔ ایسے میں اللہ سوہنے کو پکارو تو کتنی زیادہ ہماری آواز آسانی سے سنائی دے گی اُسے۔ خاص نگاہ مل جائے گی۔ اس ویلے جب سارا جگ سوتا ہے اور ہر طرف خاموشی ہوتی ہے تو رب سوہنا پہلے عرش پر آ کر پکارتا ہے کہ ہے کوئی منگن والا۔ ہے کوئی فریاد کرنے والا۔ میں اس کی جھولی بھر دوں گا، میں اس کی سنوں گا ایسے میں جب ہم اس کو پکارتے ہیں تو وہ ضرور سنتا ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے، تو اپنا یقین پکا کر لے، اپنی آس کی ڈوری مضبوط کر لے پھر دیکھنا تجھے تیرے مطلب کی چیز کیسے ملتی ہے۔"

"پتر...... پہلے اس رب سے رشتہ تو بنا۔ اپنا رشتہ پکا کر فیر (پھر) تم دیکھنا مولا کتنا مہربان ہے۔" اُس عورت کی شفیق آواز ترنم کے نقاہت بھرے وجود میں کسی توانائی کی طرح داخل ہو رہی تھی۔

"اُٹھ پتر جب اتنی خاموشی میں سوئی گرنے کی آواز سنائی دے جاتی ہے۔ تو تُو بھی فائدہ اٹھا لے"

ترنم مسمریزم میں چلتی وضو کے لیے لگے نلکوں کے پاس بیٹھ گئی۔ جب وضو کر کے اُس نے دو رکعت نفل نماز کی نیت کی تو اُس کے روئیں روئیں میں ایک عجیب سی لہر دوڑنے لگی، اک رقت طاری ہوئی کہ ہچکی بندھ گئی، وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے بالکل بے خبر ہو گئی۔

وہ آج پہلی بار دروازے پر آن کھڑی ہوئی تھی۔

اُس دروازے پر جو سب سے بڑی سرکار کا دروازہ تھا۔ وہ اپنے اندر ہمت مجتمع کر رہی تھی کہ وہ اس دروازے پر دستک دے سکے۔

آج پہلی بار دو رکعت نفل نماز آنسوؤں' شرمندگی کے ساتھ اُس نے شروع کی تھی۔ یہ سفر کی ابتدا تھی واپسی کا سفر کٹھن ضرور ہے لیکن چاہنے والوں کے لیے ناممکن ہرگز نہیں ہوتا۔ سلام پھیر کر اس نے اپنے ساتھ بیٹھی مہربان ہستی کو دیکھا، جو نرم مسکراہٹ کے ساتھ اُسے ہی تک رہی تھی۔

"دعا مانگا کر پتر!"

"دعا بھی عبادت ہے۔ بلکہ بڑا اہم حصہ ہے!"

ترنم نے آنسوؤں کا گولا نگلتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا، اس کے اندر کہیں روشنی کا گزر شروع ہوا تھا۔ آنسو اس قدر بہہ رہے تھے کہ منظر دھندلا ہونے لگا ترنم نے صرف اک پَل کو آنسو صاف کیے اور جب نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا تو ششدر رہ گئی کیوں کہ اگلے ہی پَل میں اب وہاں پر کوئی نہ تھا۔

"وہ مہربان عورت! وہ اماں کہاں گئی؟"

اس نے اِردگرد نگاہ دوڑائی۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا اُسی پَل موذن نے فجر کی اذان دی۔

"اللہ اکبر...... اللہ اکبر۔" ترنم کے اندر وہ لفظ کسی شفا کی طرح، کسی تریاق کی طرح اُتر رہے تھے۔ اس کے زہر وجود...... بیمار وجود کو شفا کی امید ہو چلی تھی۔ وہ ہر جانب دیکھ رہی تھی۔ کچھ عورتیں اُٹھ کر وضو خانے کی طرف جا رہی تھیں لیکن جسے اس کی نگاہ تلاش کر رہی تھی وہ کہیں نہ تھی۔

"کیا میں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔" ترنم نے بے خودی میں خود سے سوال کیا۔

اگر یہ خواب تھا تو اس "نائیٹ میئر" جیسی زندگی میں پہلی بار کوئی اچھا خواب تھا۔ اُس نے اک طمانیت بھرا گہرا سانس لیا۔ بے اختیار اس نے دعا کی۔

"اے اللہ مجھے معاف کر دینا۔ بے شک تو مہربان ہے!" آج پہلی بار اس کی ٹوٹے پیروں والی دعاؤں کو اپنے ساتھ پروں کا احساس ہوا تھا۔

❖❖○❖❖

میڈا عشق وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈی روح وی
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں

کمرے میں ایک ہی گانا بار بار سنائی دے رہا تھا۔ مسکان نے بیسیوں بار سی ڈی **Repeat** کی تھی۔

آج اُس نے کچھ نہ کھایا تھا۔ دل ہر چیز سے اُچاٹ ہو گیا تھا۔ عجیب سی بے بس کیفیت میں سارا دن گزرتا تھا اور راتیں اس پر اور بھی بھاری تھیں۔

راتیں خواب لے کر آتی تھیں۔ وہ خوش رنگ خواب جو اس کے دل پسند ہوتے ہوتے زندگی کا مرکز بن گئے تھے۔ لیکن ساری رات خوابوں میں رہتے رہتے وہ دن کی حقیقت کو دیکھتی تو بے بسی سے رونے کو دل کرتا۔

ولی کی بے نیازیاں، بے خبریاں...... اک دن اُسے مار ڈالیں گی۔

"اُسے آخر خبر کیوں نہیں ہوتی؟" وہ اکثر اپنی طلب سے شکوہ کرتی۔

"اگر...... اے طلب تیری شدّت زیادہ اور سچی ہے تو اُسے خبر کیوں نہیں ہوتی؟" وہ بے چین ہو کر کھڑکی کے پاس چلی آئی۔ پھر اُس نے یہ کھڑکی پوری کھول دی، تیز ہَوا کے جھونکے نے اُسے چھوا تھا۔

بابا نے یہ بنگلہ خاص طور پر اُس کے لیے ڈیزائن کروایا تھا۔

مسکان حُسن اور خاص کر قدرتی حُسن کی بے حد شوقین تھی۔ اس کی آرٹسٹک فطرت کو اس کے بابا نے بنا کہے محسوس کیا تھا۔ زندگی میں ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز میں بابا نے اس کی پسند کا خیال رکھا تھا۔

وہ بابا کے اتنے لاڈ پیار سے کبھی بگڑی اولاد نہ ثابت ہوئی تھی۔ بابا کے لاڈ پیار نے اُسے اپنی پسند کو حاصل کرنے کا عادی بنا دیا تھا لیکن اس کے علاوہ اس میں کوئی قابل ذکر خاصیت نہ تھی۔ اور آج اس کی ذات کی ساری خوبیاں اس کی ذات کی ایک خامی کی وجہ سے پس منظر میں چلی گئی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میڈی وحشت جوش جنوں وی توں
میڈا گریہ آہ و فغاں وی توں
جے یار فرید قبول کرے
سرکار وی تو سلطان وی توں

گانے کے بول اس کے اندر بولنے لگے تھے۔

وہ تھک کر راکنگ چیئر پر آ بیٹھی۔ آنکھیں موندھے وہ اردگرد سے بے نیاز پھر سے گانے کے لفظوں میں کھو چکی تھی۔

اس پَل مسکان کا چہرہ ایک کھلی کتاب بنا ہوا تھا۔

اس کے ہر راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے۔

آیا اماں اس کے کھانے کی ٹرالی لے کر آئی تھیں، بے آواز دروازہ کھول کر جب وہ اندر داخل ہوئیں تو ان کا دل دھک سے رہ گیا۔

عورت کے اندر اللہ نے اک خاص الارم رکھا ہے۔

نظر کو پڑھ لینے کا وصف!

اور آیا اماں نے ساری عمر مسکان کو ماں بن کر پالا تھا۔ وہ ایک عورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماں بھی تھیں۔

اور ماں تو زیادہ الرٹ اور باخبر رہتی ہے۔

مسکان کے کمرے کی فضا اور اس کے چہرے نے چغلی کھائی تھی اور ان کو صرف اک پَل لگا تھا ساری سچائی جاننے کے لیے۔

"مسکان میری جان تم کو اپنے قدم روکنے ہوں گے۔"

"تمہارے بابا تمہاری زندگی کی ہر تمنا کو حقیقت میں بدل سکتے ہیں۔ لیکن محبت کے جُرم کو وہ خواب میں بھی معاف نہیں کر سکتے!۔" آیا اماں کی آواز اور گفتگو پر مسکان ایک دم چونک کر کھڑی ہوئی۔

"آیا اماں!" مسکان کے لہجے میں بے انتہا حیرانگی بول رہی تھی۔

"کیا اس کے دل کا راز...... راز نہیں رہا؟ مسکان بے حد پریشان نظر آنے لگی۔

"آیا اماں...... وہ...... میں۔!" مسکان نے تھوک نگل کر خوفزدہ آنکھوں سے ان کو دیکھا۔

وہ جہاں سے تعلق رکھتی تھی۔ وہاں کی روایات سے بے خبر ہرگز نہ تھی۔ لیکن وہ کیا کرتی جانے کیوں ساری دنیا کو چھوڑ کر اس کا دل صرف اور صرف ولی کی جانب بھاگتا تھا۔

ایسے میں اُسے ولی کا وجود ایک بڑے مقناطیس کی طرح لگتا تھا۔ اور خود اپنا وجود لوہے کے ایک چھوٹے سے ذرے کی طرح...... جس کو اپنی جگہ پر اپنی حیثیت کے ساتھ قائم رہنا نہ آتا تھا۔ جو مقناطیس کو دیکھ کر ہی اس کی جانب بھاگنے لگتا تھا۔

وہ اپنے ہی وجود سے بے بس ہونے لگی تھی۔ ایسے میں اُسے اپنی ہر خاندانی روایت بھول جاتی تھی۔

"آیا اماں...... میں نے جان بوجھ کر اس رستے پر قدم نہیں رکھے۔" وہ بے بسی سے اپنا آپ ان پ

ھول گئی تھی۔

"مسکان......! یہ رستہ خواب نگر تک تو جاتا ہے لیکن حقیقت میں اس رستے کی کوئی منزل نہیں ہے۔ تمہیں خود کو روکنا ہوگا۔" آیا اماں کے لہجے میں بے انتہا سختی تھی۔

"آیا اماں...... اس رستے کی تو میں اکیلی مسافر ہوں اُسے تو خبر بھی نہیں۔" مسکان نے ایک اور انکشاف کیا۔

"وہ کون ہے! اور اُسے اس کی خبر ہے یا نہیں تم کو یہ سب بھولنا ہوگا۔" آیا اماں نے اُسے وارننگ دی۔

"آیا اماں...... میں بہت بے بس ہو جاتی ہوں۔ نا چاہتے ہوئے بھی میں بے بس ہو جاتی ہوں۔" مسکان نے آس سے ان کے چہرے کو دیکھا۔

"سزا...... بہت بڑی سزا ملتی ہے۔ تم اپنے بابا کو نہیں جانتیں، تاریخ ان کی دی ہوئی سزاؤں سے آج بھی آنسوؤں سے بھری پڑی ہے۔"

"جس جرم کی تم مرتکب ہونے جا رہی ہو، اس کی سزا ہر ایک کے لیے ایک جیسی ہے۔ چاہے اس جرم کو کرنے والا ان کا قریبی ہو یا دور کا ہو۔"

"کوئی رشتہ، کوئی خون کا تعلق اس سزا کو روک نہیں سکتا!" آیا اماں کا جملہ اور لہجہ کئی رازوں اور دکھوں کا گواہ تھا۔ وہ راز اور وہ دکھ، جن سے مسکان بالکل بے خبر تھی۔ اسی لیے تو اُسے اپنے بابا کا اصل چہرہ کبھی نظر نہ آیا تھا۔

"اس کے بابا کا چہرہ...... اصل چہرہ...... اک سفاک اور سنگ دل انسان کا چہرہ۔"

❖❖○❖❖

"کہاں تھی تم ساری رات؟" ماہ رخ نے ترنم کو رنگے ہاتھوں پکڑا۔

"بس ایسے ہی گھومتے پھرتے نکل گئی تھی۔" ترنم نے اپنی آنکھوں پر اپنا بازو رکھ لیا تھا۔ وہ کچھ سننے اور دیکھنے کے موڈ میں نہ تھی۔ ابھی ابھی چاندنی میڈم کا آدمی اُسے واپس لایا تھا۔

وہ جانے اور کتنی دیر لارنس گارڈن میں بیٹھی رہتی۔ وہ تو آگسٹن نے اُسے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا تو وہ اپنے خیالوں سے نکلی تھی۔

"میم آپ کے بتائے بغیر جانے پر پریشان تھیں۔ ان کو آپ کی بہت فکر تھی۔" آگسٹن کے جملے پر وہ تقریباً ایک منٹ ہنستی رہی، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تمہاری میم کو میری پریشانی تھی؟" ترنم نے اس سے یوں پوچھا، جیسے اُس نے ترنم کو کوئی لطیفہ سنایا ہو۔ آگسٹن جو میڈم چاندنی کے گروہ میں کچھ نیا تھا وہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ لڑکی اُسے ہمیشہ عجیب سی لگتی تھی۔

یہ حقیقت تھی کہ میڈم نے کوئی بیسیوں فون کئے تھے کہ ترنم کا کچھ پتا چلا اور یہ لڑکی مذاق سمجھ رہی تھی۔ آگسٹن نے سر جھٹکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ترنم...... کدھر کھو گئی ہو؟ میں تم سے پوچھ رہی ہوں آخر تم کہاں تھی؟ جب میں فوٹو شوٹ کروا رہی جب تک تو تم میرے ساتھ ہی تھیں پھر اچانک کہاں غائب ہو گئیں؟'' ماہ رخ اُسے اتنی آسانی چھوڑنے والی نہ تھی۔

''یار اب آ گئی ہوں، اب تو معاف کر دو۔'' ترنم نے بیزار ہو کر کروٹ بدلی۔ اب تک کتنے ہی لوگو کو وہ جواب دے کر آئی تھی۔

''دفع...... ہو جاؤ۔ معلوم نہیں میں ہی کیوں تمہاری فکر میں ہلکان ہو رہی ہوں۔'' ماہ رخ کہا برداشت کرنے والی تھی۔

''جانے کیوں مجھے تم سے اتنی انسیت ہے اور میرے دل میں شاید تھوڑی سی محبت بھی ہے تمہار لیے...... اور تم! مہارانی کے تو مزاج ہی نہیں ملتے ہیں۔'' ماہ رخ نے غصے سے ہاتھ میں پکڑا کشن اُ دے مارا۔ ترنم اتنے بُرے موڈ کے باوجود ایک دم مسکرا دی۔

''ایک تو کم بخت مسکراتی اتنا خوبصورت ہے کہ بندہ ناراض بھی نہیں رہ سکتا ہے۔'' ماہ رخ نے ترا چٹکی کاٹتے ہوئے کہا۔

اب کہ ترنم باقاعدہ کھلکھلائی تھی۔

''اے! خیر تو ہے؟ آج میری پیاری بنو کے چہرے پر بڑی پیاری مسکان ہے! رات کدھر تھی؟'' رخ نے اس کے پہلو میں لیٹتے اُسے گدگدایا۔

''چھوڑ یار ان سب باتوں کو۔ تم بتاؤ آج کالج گئی تھیں؟'' ترنم نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں گئی تھی۔ لیکن تمہاری پریشانی میں دل نہیں لگا اور میں نے کوئی کلاس اٹینڈ نہیں کی۔''

''میرا تو بہانہ ہے جناب...... آپ تو کبھی کبھی ہی کلاس روم کو عزت بخشتی ہیں۔'' ترنم نے اُ چھیڑا۔

''اچھا تمہیں آج مزے کی ایک خبر سناؤں۔'' ماہ رخ نے کسی بات پر چسکا لیتے ہوئے کہا۔

''کیا خبر ہے؟'' ترنم نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ہماری کلاس کی چوچی سی، بونگی سی سعدیہ تھی ناں؟'' ماہ رخ نے اُسے یاد دلایا۔

''ہاں کیا ہوا اُسے؟'' ترنم نے پوچھا۔

''بڑی نیک پروین بنی پھرتی تھی، ہر جگہ کھڑے ہو کر مذہب پر بھاشن سنایا کرتی تھی۔ اب بی بی خود بھی دو نمبری بنی ہوئی ہے۔'' ماہ رخ نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

''دو نمبری؟'' ترنم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ارے یار جب لڑکی ان چھوئی ہو تو ایک نمبر...... ڈبہ پیک ہوتی ہے ناں!'' ماہ رخ اتنی عمدہ تشبیہ مسکراتے ہوئے بولی۔

ترنم کے چہرے پر سایہ سا گزر گیا۔

''وہ اپنا وسیم ہے ناں! اُس نے پھانسی ہے یہ بونگی بونتر!'' ماہ رخ کو سعدیہ کی واجبی سی شکل بالکل نہ تھی۔

''وسیم اُسے پہلے محبت بھرے خط اور تحائف دیتا رہا۔ پھر میڈم اس کے ساتھ گھومنے لگی۔ پچھلے مہینے وہ اسے فوٹریس والے ہوٹل میں لے گیا۔ ارے وہ ہی لکڑی کے کیبنوں والا جہاں کی چائے تین سو روپے کی ہے اور ہر کیبن پر ویٹر پاؤں بجاتا جاتا ہے تاکہ اندر والے الرٹ ہو جائیں۔'' ماہ رخ کو باقاعدہ ہنسی آ رہی تھی۔

''وہاں اُس نے وسیم کے ساتھ مزے اُڑائے پھر اس سے شادی کی ڈیمانڈ کرنے لگی۔''

''بھلا جب شادی کے بغیر مرد کو مزہ مل رہا ہو تو شادی کی بلا سر پر کون سوار کرے؟''

''وہ تو وسیم کے ساتھ چپکو ہو گئی۔ پھر یہ وسیم ہی تھا، جس نے اپنے شاطر دماغ سے اس سے پیچھا چھڑایا۔'' ماہ رخ ایک لڑکی کی تباہی کی خبر بھی چسکے لے کر سنا رہی تھی۔ یہ یہاں کی ٹریننگ کا حصہ تھا۔

''کوئی ہفتہ پہلے وہ اُسے شادی کے بہانے لے گیا اور اُسے بے ہوش کر کے اپنے یار دوستوں کو بھی پیش کروائی اور اس کی موی بھی بنائی۔ جب چڑیا کے پر ہی کٹ گئے تو اُس نے کہاں پھڑ پھڑانا تھا۔''

''چلو وسیم کی تو عیش ہو گئی، ساٹھ ستر ہزار میں یہ موی بکی ہے۔ بونگی پر سرمایہ کاری خالی نہیں گئی۔'' ماہ رخ نے روم فریزر سے جوس نکال کر منہ کو لگاتے ہوئے کہا۔

ترنم کو یوں لگا، جیسے اس کو سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔

''لیکن یار ایک بات عقل میں نہیں آتی کہ ہماری فیلڈ میں شکل اور جسم کا خوبصورت ہونا لازم کہا جاتا ہے تو پھر جب آپا (میڈم چاندنی) نے ان کم شکل لڑکیوں کو بزنس میں لانا نہیں ہوتا تو پھر ان کو پھانسنے کے لیے لڑکوں پر سرمایہ کیوں خرچ کرتی ہیں؟'' ماہ رخ کو اکثر یہ بات کھٹکتی تھی، آج اس نے ترنم سے ظاہر بھی کر لی تھی۔

ترنم کے وجود میں سنسنی سی پھیل گئی۔ وہ میڈم چاندنی کے کچھ رازوں سے بے خبری میں باخبر ہو گئی تھی۔

''آپا کا تعلق کسی غیر ملکی ایجنسی سے تھا۔ اور اس طرح کے سوشل پرابلم کری ایٹ کرنے کا اُسے باقاعدہ پیسہ ملتا تھا۔''

''کم عمر، کم شکل لڑکیوں کی سی ڈیز آج کل عام بک رہی تھیں۔ ماؤں کی عدم دلچسپی اور بے خبری کی وجہ سے یہ ننھی منی کلیاں کچلی جا رہی تھیں۔ اچھی شکل کی لڑکیوں کے لیے میڈم لمبی انویسٹمنٹ کرتی تھی کیوں کہ ان کو تو باقاعدہ اپنے پاس رکھتی تھی۔''

میڈم چاندنی اور اس کے گروہ کے لڑکے ایسے شیطان تھے جو ہر بھٹکی لڑکی کو مزید بہکا لے جاتے تھے۔ ان سے صرف وہ لڑکیاں بچ رہی تھیں، جن کے والدین ان کی خبر رکھتے تھے۔

''کیا خیال ہے یار...... آخر میڈم ان بونگیوں پہ بھی یکساں انویسٹ منٹ کر رہی ہیں۔ کیوں؟'' ماہ رخ نے اپنا سوال دہرایا۔

''میں...... میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ترنم نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

میڈم چاندنی کے ہاتھ بہت لمبے تھے، کوئی اس کے چنگل سے کہاں بچ کر نکل سکتا تھا۔ ایسے میں اس کے راز سے پردہ اٹھانے والے کی بھی خیر نہیں ہوتی تھی۔ اور اگر کبھی کسی کو کوئی بھنک بھی ملتی تو وہ ترنم ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرح چپ ہو جاتا تھا۔

❖❖○❖❖

”پلیز سر...... پلیز“

ساری کلاس میں اس قسم کی ہی آوازیں آ رہی تھیں۔ سر بٹ نے اسائمنٹ کی جو ڈیٹ دی تھی۔ آا
وہ ڈیٹ تھی اور آدھی سے زیادہ کلاس نے کام نہیں کیا ہوا تھا۔

”وہ تو ثانیہ کو روک کر سر نے صبح صبح کہا کہ آج ڈیڑھ بجے میں **Exernal** کو لے آؤں گا۔ تم لوگ گیارہ بجے تک اپنا ڈسپلے لگا دینا۔“

ثانیہ کے تو مانو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔ وہ تو خود ابھی تک قلم کا رول کرواتی پھر رہی تھی۔ کہاں ر
ڈسپلے کی باتیں کر رہے تھے۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کلاس میں گئی۔ سمیرا، کاشف لوگوں کا گروپ حسب معمول سموسے اور بوتلیں اڑا
رہا تھا۔ ساتھ ہی دنیا جہاں کے ٹاپکس پر گپ شپ ہو رہی تھی۔

سائرہ اور مسکان البتہ کام کر رہی تھیں۔ باقی کے بھی کچھ لوگ سلوموشن میں لگے ہوئے تھے، سب لا
بے فکر تھے۔

لیکن اُس نے سر کا پیغام دے کر سب کی بے فکریاں اُڑا دی تھیں۔

”اوہ نو! مارے گئے!“ ہر طرف سے یہ جملے بلند ہوئے۔ پھر کچھ دیر بعد سمیرا اور کاشف ساری کلا
لے کر سر کے سامنے کھڑے تھے اور ڈسپلے کی ڈیٹ آگے بڑھانے کا اصرار کر رہے تھے۔

”نو...... نو! میں تم لوگوں کو تقریباً ایک ویک زیادہ دے چکا ہوں۔“ سر بٹ بہت اصولی آدمی تھا
کم ہی کسی کی سنا کرتے تھے۔

”سر ابھی کل ہم نے فوٹو گرافی کی اسائمنٹ کی ہے۔ ابھی اس اسائمنٹ کو تو ہم نے ٹھیک سے دا
بھی نہیں۔“ سمیرا نے نزاکت سے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ گفتگو میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد یہ احتجاجی ر
چیخیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔

”تو ڈیئر تم لوگ ویسے ہی نمبر دیکھ لینا۔“ سر بٹ نے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سر ٹائم ہی کم تھا۔ اتنے کم ٹائم میں پورا اشتہار تیار کرنا کتنا مشکل ہے!“ ماریہ نے بھی گفتگو میں ا
لے ڈالا۔

لڑکے کم بول رہے تھے، لڑکیاں زیادہ بول رہی تھیں ان سب کا خیال تھا، جیسے دوسرے مرد ٹیچر
کے لڑکی ہونے کی گنجائش دے دیتے ہیں اس طرح سر بٹ بھی مان جائیں گے۔

لیکن وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کا پالا کس سے پڑا ہے۔

”ٹائم کم ہو یا زیادہ...... بیٹا جی ٹائم کو مینج کرنا سیکھو۔“ سر بٹ نے باقاعدہ ان کو نصیحت کی۔

طلبہ کا یہ لاپروائی کا رویہ ان کو بہت برا لگتا تھا۔

”تم لوگ اپنا اتنا قیمتی وقت بغیر سوچے سمجھے بلیک ہول میں ڈالتے رہتے ہو۔ ابھی تم میں سے
انارکلی میں شاپنگ یاد آ گئی تو سارا گروپ خریداری کرنے نکل پڑے گا یا شام میں الحمرا میں کوئی فنکش

ا سب ایک دوسرے کو گھسیٹ گھسیٹ کر لے جائیں گے۔“

”اور تم بیٹا ماریہ ڈانس کی ورکشاپ بھی لے رہی ہو۔ مہاراج کا لیکچر اٹینڈ کرنے کے لیے تمہارے
اِس وقت ہوتا ہے۔ لیکن ہفتے میں تین دن کمپیوٹر کلاس میں تم کم ہی آتی ہو؟“

”میں آنکھیں رکھتا ہوں اور سب دیکھ رہا ہوتا ہوں کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اس لیے میرے آگے یہ
ا لے لنگڑے بہانے چل نہیں سکتے۔“

”ایک دن میں صرف چوبیس گھنٹے ہی ہوتے ہیں لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے کچھ لوگ ایک دن میں ڈھیر
مارے کام مکمل کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ اپنی تمام کوشش کے باوجود کچھ بھی خاص نہیں کر پاتے۔
؟یس گھنٹے تو دونوں قسم کے لوگوں کو یکساں دستیاب ہیں پھر کیوں چند لوگوں کے لیے یہ گھنٹے خوشیوں
امیابیوں کے پیامبر اور کچھ کے لیے پچھتاوؤں، مایوسیوں اور ناکامیوں کی تلخ یاد بن کر رہ جاتے ہیں۔“

”کامیاب لوگ اپنے کام کو روز ایک مقرر وقت پر کرتے ہیں اور یوں تھوڑا تھوڑا کام آخری دن مکمل
ل میں سامنے آ جاتا ہے۔ تم لوگ عبدالولی کی مثال لے لو۔“ سر بٹ نے ولی کا ذکر کیا، مسکان جو بے
ہالی میں کھڑی سر کی باتیں سن رہی تھی، ایک دَم دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

”میرے ٹیچنگ کیریئر میں ولی وہ واحد طالب علم ہے، جس کو میں نے آف ڈیز میں بھی ریلیکس نہیں
یکھا۔ وہ ہر روز اور مسلسل کام کرنے کا عادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نہ صرف اپنے شعبے میں قابل
ا کام کیا بلکہ اس نے ہر شعبے کے کام کو اپنی لگن سے سیکھ لیا ہے۔“

”اور یہی ہنر جب وہ اپنے اسائمنٹ میں استعمال کرتا ہے تو سب کے روٹین ورک میں اس کا کام
ایک دَم واضح طور پر قابل قدر نظر آتا ہے۔ اور آج جب وہ فائنل ایئر میں آ چکا ہے پھر بھی کسی کلاس میں
اس کی پہلی پوزیشن کا ریکارڈ نہیں ٹوٹا۔ اس نے آج تک کوئی ڈسپلے لیٹ نہیں دیا۔ اور اس کے ساتھ اور
ا کام سیکھے ہیں۔ وہ بھی آپ جیسا طالب علم ہے۔ اگر وہ اتنا کچھ اتنے سے وقت میں کر سکتا ہے تو
آپ لوگ صرف اپنا کام...... صرف اپنا کام اس وقت میں کیوں مکمل نہیں کر سکتے؟“ سر بٹ نے پوری
کلاس پر نظریں دوڑائی تھیں، ساری کلاس شرمندگی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ البتہ مسکان کو سر کا عبدالولی
کے متعلق ذکر کانا بہت اچھا لگا تھا۔ اس کا حال تو یہ تھا، جہاں ولی کا ذکر ہوتا وہ وہاں ہی ٹھہر جاتی تھی۔

وہ اور اس کی چاہت دھیرے دھیرے دیوانگی کی جانب بڑھ رہے تھے۔

”اوکے میں تم لوگوں کو کل چار بجے تک کا ٹائم دیتا ہوں اس سے زیادہ میں تم لوگوں کے ساتھ تعاون
نہیں کر سکتا۔“ سر بٹ کہہ کر نکل گئے۔

”اے مسکان! اللہ کے واسطے واپس حواسوں میں آ جاؤ!“ سائرہ نے اسے باقاعدہ بازو سے پکڑ کر
ہلا۔

”جہاں ولی بھائی کا ذکر ہو تم تو کسی حدیث کی طرح سننے کھڑی ہو جاتی ہو۔ اتنی ہی شدت اللہ سے
اگر دعا کرو تو تمہارے سارے بگڑے کام سدھر جائیں۔“ سائرہ کی بات میں بڑا دَم تھا۔ مسکان نے
اسے چونک کر دیکھا۔

”میرا اللہ مجھے معاف کر دے۔ میں جانتی ہوں کہ ساری شدتیں صرف اور صرف اللہ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محبت Deserve کرتی ہیں۔ لیکن اللہ مجھے معاف کریں میں اس اللہ کے بندے کی محبت میں خود کو بے بس محسوس کرتی ہوں۔" مسکان نے دھیرے سے اپنے سنہری بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ لیکن اُس کے بال کچھ اور لٹوں کو اپنے ساتھ لیے آگے آجاتے تھے۔ ایسے میں اس کا روشن کرن سا چہرہ ایک دم بہت موہنا لگتا تھا۔ لائٹ گرین دوپٹے اور پاجامے کے ساتھ اُس نے ڈارک گرین کائی کلر کا کُرتہ پہن رکھا تھا۔ اللہ نے اُسے بے پناہ خوبصورت بنایا تھا کتنے ہی لڑکے سنجیدگی سے اُس کی جانب بڑھے لیکن اس نے آج تک کسی کو لفٹ نہ کروائی تھی۔ لیکن ولی کے معاملے میں اس کی سب تدبیریں فلاپ ہوگئی تھیں۔

"السلام علیکم مسکان!" سائرہ اور مسکان دونوں نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"ارے تم!" سائرہ کے چہرے پر خوشی تھی۔

"مائی گاڈ یہ تم ہو سمعان علوی!" مسکان کے چہرے پر جانے کتنے عرصے بعد سچی خوشی کی کرنیں بکھری تھیں۔

"لیس میم...... آئی ایم بیک!" سمعان نے بھرپور نگاہوں سے مسکان کا جائزہ لیا۔

"لیکن سنیں تم کو کس نے بتایا کہ ہم یہاں ہیں۔" سائرہ سے اپنی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

"بہت آسان سی بات ہے میں نے گھر آنی کو فون کیا تھا۔" سمعان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اے میرے اللہ...... میں کیسے یقین کرلوں کہ تم واقعی واپس آگئے ہو۔" سائرہ کا چہرہ خوشی سے تمتمارہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم کو پانی میں پھینکنا چاہیے، شاید تم کو یقین آجائے۔" سمعان نے شرارت سے سائرہ کی چھوٹی سی پونی کھینچتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں اب زیادہ اِترانے کی ضرورت نہیں ہے۔" سائرہ کا ایک دَم سے موڈ خراب ہوگیا۔ سمعان اتنے دنوں بعد آیا تھا لیکن سائرہ کو بالکل توجہ نہ دے رہا تھا۔ بلکہ مسلسل مسکان کو دیکھ رہا تھا۔

"اے لٹل گرل! موڈ خراب نہیں کرتا ہے میں فلائٹ سے سیدھا اِدھر آرہا ہوں، باہر میرا ڈرائیور سامان لے کر کھڑا ہے۔"

"اب تم لوگ اتنی عزیز نہ ہوتیں تو میں گھر جانے کے بجائے یہاں آتا۔" سمعان نے سائرہ کا نازک ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"سنی ہمارے ساتھ گھر چلو!" سائرہ کو واقعی خود پر کنٹرول نہ ہورہا تھا۔

"یار امی مار ڈالیں گی۔ پہلے تو میں ان سے ملے بغیر اِدھر آگیا ہوں۔ اوپر سے کچھ اور دیر ہوگئی تو میری خیر نہیں۔"

"نہ رے بابا!"

"اچھا یوں کرتے ہیں کہ کل شام میں ملتے ہیں۔" وہ ہاتھ ہلاتا چلا گیا۔

لیکن سائرہ ابھی تک اُدھر دیکھے مسکرا رہی تھی۔ مجھے تو جنابہ کہہ رہی تھیں۔ وہ کیا بڑی بڑی نصیحتیں اللہ خود کو تو دیکھو کیسے پورا گلستان چہرے پر کھل گیا ہے۔" مسکان نے اُسے چھیڑا۔

"ارے نہیں یار...... ایسی کوئی بات نہیں ہے!" وہ مکر رہی تھی۔

"وہ ہمارا بچپن کا دوست ہے اور دور کا کزن بھی لگتا ہے۔"

"دیکھتے ہیں کہ یہ دور کے کزن کتنے قریبی نکلتے ہیں۔ ارے میری جان وہ کیا کہتے ہیں ناں! تم بے شک بولو کچھ نہیں، پھر بھی۔"

از　　ہرچہ　　ہست　　محبت

دگر　　ہرچہ　　ہست　　لا!

"جو کچھ بھی ہے محبت ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔" مسکان کہہ کر بھرپور مسکرائی، اس کے موتیوں جیسے دانت کسی لڑی کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

"میں اب تمہارے بیان پر حامی بھرنے سے تو رہی۔" سائرہ نے بے نیازی دکھاتے ہوئے سامان اٹھایا اور اُسے چلنے کا اشارہ کیا۔

"تم مانو یا نہ مانو...... از ہرچہ ہست محبت دگر ہرچہ ہست لا!" مسکان نے گنگناتے ہوئے کہا۔ اور سائرہ نے مسکراتے ہوئے سر کو جھٹکا۔

❖❖○❖❖

"ارے آپ خالہ جانی!" غزالہ نے تقریباً خوشی سے چیخ ماری۔

جواب میں روشن آرا دھیمے سے مسکرائیں۔

"السلام علیکم خالہ جانی!" غزالہ اب اپنی حیرت اور خوشی پر قابو پا چکی تھی۔ اُسے فوراً سلام کا خیال آیا، ساتھ ہی اُس نے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو!" روشن آرا بیگم تو سراپا دعا تھیں۔ انہوں نے اُسے بہت پیار سے دعا دی۔ اللہ جی کچھ لوگوں کو خیر اور محبت بانٹنے کے لیے اُتارتے ہیں۔ روشن آرا ان ہی لوگوں میں سے تھیں۔ بےحد نرم مزاج، دھیما بولنے اور مسکرانے والی، ہر وقت اللہ سے اچھا گمان رکھنے اور پانے والی۔

"اماں خالہ آئی ہیں۔ غزالہ تقریباً بھاگتی اندر گئی۔"

"آپا آئی ہیں؟" حُسن آرا جو اب زیادہ تر بیمار رہنے لگی تھیں، اس وقت بھی نڈھال سی لیٹی تھیں۔ بہن کے آنے کی خبر سن کر ایک دم الرٹ ہو کر بیٹھ گئیں۔

روشن آرا کے اندر داخل ہوتے ہی وہ تقریباً دوڑ کر ان کے گلے جا لگیں۔

"آپا کیسی ہیں آپ؟" حُسن آرا کی آواز ابھی تک شدت جذبات کی وجہ سے رندھی ہوئی تھی۔

"شکر الحمدللہ! اللہ کا بہت کرم ہے۔" روشن آرا اُسی پلنگ پر بیٹھ گئیں، جس پر حُسن آرا لیٹی ہوئی تھیں۔ پلنگ اتنا پرانا اور خستہ حال تھا کہ ہر وقت چوں چوں کا میوزک سناتا تھا۔ حُسن آرا کچھ شرمندہ سی ہوگئیں۔

"ارے غزالہ! خالہ کے لیے کرسی لاؤ۔ آپا آپ اِدھر کیوں بیٹھ گئیں؟" حسن آرا اتنے عرصے کے بعد بہن کی گھر میں آمد پر کچھ بوکھلا سی گئی تھیں۔ غزالہ دوڑ کر کرسی لے آئی۔

"ارے بیٹھو حُسن آرا...... تم کن تکلفات میں پڑ گئی ہو۔" روشن آرا بیگم نے بہن کو پرسکون کرنے کی

کوشش کی۔

"وہ آپا۔" حسن آرا واقعی چاہتی تھیں کہ اپنی بہن کو سب سے اچھی جگہ پر بٹھائیں۔ لیکن اُن کا گھر اور اس کی چیزیں پکار پکار کر کہنے لگی تھیں کہ اس گھر کے مرد کام چور ہیں۔

"حُسن آرا تمہاری رنگت تو بالکل خراب ہو کر رہ گئی ہے۔ کیا ہوا طبیعت تو اچھی رہتی ہے؟" روشن آرا نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں خالہ...... امی اپنا بالکل خیال نہیں رکھتیں۔" کتنی ہی تکلیف کیوں نہ آ جائے دوائی نہیں لیے جاتیں۔ کہتی ہیں ان پیسوں سے بچوں کی فیس چلی جائے گی۔ ہر بار بہانہ کر کے اپنی صحت مزید خراب کر لیتی ہیں۔" غزالہ کو بے حد بولنے کی عادت تھی۔ وہ عموماً ہر بات اگل دیتی تھی۔ حُسن آرا بیٹی کی باتوں پر بے حد شرمندگی محسوس کر رہی تھیں۔ بہن کے سامنے بے شک ان کی معاشی بدحالی چھپی ہوئی نہ تھی. لیکن وہ کبھی اس طرح اپنا بھرم توڑتی نہ تھیں۔

"حُسن آراء!" روشن آرا کے لہجے میں بے حد افسوس تھا۔

"کچھ بھی ایسا نہیں ہے آپا۔ یہ یوں ہی بک بک کرتی رہتی ہے۔ چلو جا کر خالہ کے لیے چائے لاؤ اور کھانے کی تیاری کرو۔ علیزے اسکول سے آتی ہوگی۔ وہ آ کر کھانا بنا لے گی۔" حُسن آرا نے غزالہ کو وہاں سے بھگایا۔

"علیزے اسکول کس لیے جاتی ہے؟ اُس نے تو ماشاء اللہ بی ایس سی میں ایڈمیشن لیا تھا ناں!" روشن آرا ایک اور خبر پر پریشان ہو چکی تھیں۔

"نوکری کے لیے جاتی ہے۔ میں نے تو بہت منع کیا لیکن مانی ہی نہیں، کہتی ہے کہ پرائیویٹ بی اے کر لے گی۔" حسن آرا بیگم کی آواز بہت مدھم ہو گئی تھی۔ بہن کے سامنے ایک کے بعد ایک گھر کے حالات کھلتے چلے جا رہے تھے۔

"حُسن آرا! تم نے یہ سب مجھ سے چھپا کر مجھے پرایا بنایا ہے۔" روشن آرا کو واقعی دلی تکلیف ہوئی تھی۔

وہ کوئی چھ سات سال بعد ان کے گھر آئی تھیں۔ ہر ماہ تھوڑی سی رقم وہ بچوں کے تحفے کے طور بھجواتی تھیں۔ لیکن بہن کے گھر کی حالت اس قدر ابتر ہو گی اس کی ان کو بے حد تکلیف ہوئی تھی۔

"آپا...... آپ یوں ناراض نہ ہوں، میں خود کو بے حد شرمندہ محسوس کرتی ہوں، جب جب آپ کے پیسوں کو استعمال کرتی ہوں۔ ایسے میں اور اپنے مسائل آپ کے سامنے سجا کر مجھے تو جینے کی کوئی راہ نہ مل پاتی۔" حُسن آرا نے بے بسی سے کہا۔

"کیوں ایسی باتیں کر کے مجھے تکلیف دیتی ہو۔" روشن آرا نے بہن کو اپنے ساتھ لگا کر کہا۔

"تم میری بہن ہو، ایک ہی ماں کی کوکھ میں ہم نے ٹانگیں پساریں۔ تیرے ساتھ میری خوشیوں. زیادہ درد کے رشتے ہیں۔ پھر تو نے کیسے خود سے مجھے الگ کیا؟" روشن آرا نے چھوٹی بہن کے بیمار کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

حُسن آرا جو کچھ دیر پہلے بے حد نقاہت محسوس کر رہی تھیں، بہن کو سامنے پا کر اپنے اندر اک عجیب

خوشی اور توانائی محسوس کرنے لگیں۔

اُن کی بہن اُن کا واحد میکہ تھیں۔ زندگی کے ہر دور میں، ہر مشکل میں وہ ان کو سہارا دینے کے لے بڑھی تھیں اور کبھی کوئی احسان نہ جتایا تھا۔

"علیزے نے کہیں دور جاب شروع کی ہے؟" روشن آرا نے چائے پیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں پاس ہی ہے۔ پیدل کا راستہ سمجھو یہ ہی کوئی بیس منٹ کا فاصلہ ہے۔" حُسن آرا نے کیک پیس کی پلیٹ ان کے آگے کرتے ہوئے کہا۔

"اور منزہ؟" روشن آرا نے حُسن آرا کی سب سے بڑی بیٹی کے متعلق پوچھا۔

منزہ جتنی شکل کی اچھی تھی، اتنی ہی زبان کی کڑوی۔ اپنے والدین سے اکثر شکوے شکایات کرتی نظر آتی تھی۔

"آہ! اس لڑکی نے تو میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر وقت من مانی کرتی رہتی ہے۔ اب یہ ہی دیکھ لو اچھی خاصی پڑھائی چھوڑ کر پارلر جانے لگی ہے۔ وہاں کام سیکھے گی۔ اپنا کمائے گی!" حُسن آرا بے حد دکھی تھیں۔

"بیٹیاں تو ویسے بھی بہت نازک ہوتی ہیں اور اگر حسین ہوں تو ان کی دیکھ بھال کی ضرورت اور شدید ہو جاتی ہے۔ اب جب جب یہ گھر سے نکل کر جاتی ہیں، میرا دم اٹکا رہتا ہے۔" حسن آرا نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اچھا یوں فکر نہ کرو اللہ کی ذات بہتر کرے گی۔ بھائی میاں اور کاشف نظر نہیں آ رہے کدھر ہیں؟ اور وہ چھوٹا گڈو کیا اسکول گیا ہوا ہے؟" روشن آرا نے پوچھا۔

"کاشف تو یونیورسٹی گیا ہے اور ان کے ابا بس آنے والے ہوں گے۔ گڈو اسکول سے سیدھا ٹیوشن جاتا ہے وہ لیٹ آئے گا۔"

"السلام علیکم امی!" اُسی پَل نقاب اوڑھے علیزے داخل ہوئی۔

"ارے خالہ......!"

"اسلام علیکم خالہ جانی۔" وہ آگے بڑھ کر روشن آرا سے لپٹ گئی۔

"جیتی رہو۔ اللہ تمہیں دین و دنیا کی خوشیاں دے۔" روشن آرا نے علیزے کے معصوم و روشن چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے دعا دی۔

علیزے حُسن آرا کی سب سے دھیمے مزاج کی بیٹی تھی۔

اس کی پیاری اور خوبصورت عادات کی وجہ سے روشن آرا علیزے کو بے حد پسند کرتی تھیں۔

"ارے میں بھی کتنی بُری ہوں۔ اتنی دیر سے اپنا ہی دکھڑا روئے جاتی ہوں۔ میں نے بچوں کا تو پوچھا ہی نہیں۔ نگینہ اور ولی کیسے ہیں۔" حُسن آرا، روشن آرا کی علیزے پر خاص نگاہ کو ہمیشہ محسوس کرتی تھیں۔ اور اب دل میں خوش گمانی کا پودا بڑا ہونے لگا تھا۔

"شکر الحمدللہ دونوں خیریت سے ہیں۔ اب تو نگینہ بھی ادھر آ گئی ہے۔ اس نے بھی یہاں داخلہ لیا ہے اس وجہ سے ہم سب اب ادھر شفٹ ہو رہے ہیں۔ بیٹے سے زیادہ بیٹی کو ماں کی زیادہ ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتی ہے۔ اس لیے شاہ جی کی خواہش ہے کہ ہم یہاں لاہور آ جائیں تا کہ بچی سکون سے پڑھ سکے۔"

روشن آرا کے چہرے پر اپنے بچوں کے ذکر پر روشنی سی بکھر گئی تھی۔

"ماشاء اللہ اب تو خاصی بڑھی ہو چکی ہوگی۔ میں نے اُسے کوئی سات سال پہلے دیکھا تھا، جب آپ سب حج کر کے ہم لوگوں سے ملنے آئے تھے۔"

سات سال پہلے شاہ جی، روشن آرا، نگینہ اور ولی انگلینڈ سے سیدھا سعودی عرب حج کے لیے گئے تھے اور وہاں سے پاکستان چند دنوں کے لیے ان سب سے ملنے آئے تھے۔

حُسن آرا کی نگاہوں میں وہ خوبصورت سی بچی گھوم گئی، جو احمد شاہ کا ہاتھ نہیں چھوڑتی تھی۔ ہر وقت باپ کے ساتھ لگی رہتی تھی۔

"میں تم سب سے ملواؤں گی ان کو۔ ابھی تو میں اکیلے ہی تم سے ملنے آئی تھی۔" روشن آرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سنا ہے آج ہمارے چھوٹے سے گھر میں بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔" کمرے میں انور صاحب نے داخل ہوتے ہوئے کہا۔

اتنے برسوں بعد بھی ان کا طنزیہ لہجہ نہ بدلا تھا۔

"السلام علیکم بھائی میاں!" روشن آرا نے آگے بڑھ کر ان سے پیار لیا۔

"خوش رہو!" انور صاحب کے منہ سے بڑی مشکل سے الفاظ ادا ہوئے، جیسے ان لفظوں سے مل دکھنے لگا ہو۔

"آج ہم غریبوں کے گھر کی راہ کیسے بھول گئی۔" انور صاحب نے دوسری کرسی پر ٹکتے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی میاں۔ کوئی اپنے بہن بھائی کو بھی بھول سکتا ہے؟" روشن آرا انور صاحب کی اُکھڑی اور سخت طبیعت سے خوب واقف تھیں اس لیے نہایت تحمل سے ان سے مخاطب تھیں۔

"بہت عرصے سے باقاعدہ ملاقات نہیں ہو پا رہی تھی۔ آج جب میں لاہور آئی تو بہن سے ملنے کا بہت جی کیا۔" روشن آرا بہن کی وجہ سے وضاحتیں دینے پر مجبور تھیں۔ "تمہارے میاں نہیں آئے۔ اا کیوں آئیں گے اتنے بڑے آدمی جو ہوئے۔" انور صاحب کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"بھائی میاں انسان اپنے قد یا دولت سے بڑا نہیں ہوتا، اپنے کرموں سے بڑا بنتا ہے۔ اللہ ہم سے راضی رہیں آپ سب بہن بھائیوں کی دعا چاہیے۔"

روشن آرا کا دھیما پن اور رویہ بڑے بڑوں کا غصہ ختم کر دیتا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جب روشن آرا کچھ دیر بعد اٹھنے لگیں تو انور صاحب نے بصد اصرار ان کو کھانے پر روکا تھا۔

آتے ہوئے انہوں نے علیزے کو بلا کر پچیس ہزار دیئے۔ "تم نے ایف ایس سی میں بورڈ میں ٹاپ کیا لیکن میں یہاں نہ تھی یہ تمہارا انعام ہے۔ کوئی سونے کی بریسلیٹ وغیرہ بنوا لینا اپنی خالہ کی طرف سے۔ اللہ نے اتنی شاندار کامیابی دی تھی تمہیں اور تم نے کیا کیا۔؟ میری خواہش تھی تم میڈیکل میں جاتیں۔" روشن آرا نے علیزے کو اس کی بچپن کی خواہش یاد دلائی۔

"خالہ بعض اوقات خواہشیں رشتوں سے چھوٹی پڑ جاتی ہیں۔ میری ماں اور ان کی زندگی میرے لیے

بہت اہم ہے۔ ان کی صحت اور علاج کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑا تو میں محنت سے نہ گھبراؤں گی، ہر کام کروں گی۔" علیزے کے لہجے میں عزم تھا۔

روشن آرا کو وہ خوددار سی بیٹی بہت پیاری لگی۔ لیکن ساتھ ہی وہ پریشان ہو گئی تھیں کہ آخر ان کی بہن کو کیا بیماری ہو گئی ہے۔ کوئی بھی ٹھیک سے نہ بتا رہا تھا۔

"اور خالہ یہ بہت زیادہ ہیں۔ آپ کی دعائیں ہی بہت ہیں۔" علیزے کو خالہ کی دی اتنی ساری رقم بالکل اچھی نہ لگ رہی تھی۔

"ارے رکھ لو، جب وہ اتنے پیار سے دے رہی ہیں تو۔" انوار صاحب فوراً بول پڑے۔ جانے اُن کی یہ بیٹی کس پر پڑی تھی، اس کی خودداری ان کو بہت بری طرح کھٹکتی تھی۔

"ہاں بیٹا یہ رکھو...... یہ انعام تمہاری کامیابی سے چھوٹا ہے۔ تم نے تو واقعی مجھے حیران کر دیا تھا۔ غزالہ نے جب تمہارے رزلٹ کارڈ اور سٹوفکیٹ کی فوٹو کاپی مجھے ارسال کی تھی تو یقین مانو کتنے ہی عرصے مجھے اک عجیب سی خوشی اور فخر نے گھیرے رکھا تھا۔ اپنے بچے جب کامیاب ہوتے ہیں تو بڑوں کی زندگی بڑھتی ہے۔" روشن آرا کا علیزے کی جانب غیر معمولی جھکاؤ سب ہی محسوس کرنے لگے تھے۔

"پھر بھی خالہ...... یہ زیادہ ہیں۔" علیزے بولی۔

"ارے رکھ لو جب پیار سے وہ دے رہی ہیں۔" انور صاحب کو علیزے پر غصہ آیا تھا۔

حُسن آرا اور علیزے نے ایک بیزار سی نظر انور صاحب پر ڈالی۔

"یہ آدمی کبھی نہیں بدل سکتا۔" حُسن آرا نے دل ہی دل میں آہ بھری۔

❖❖○❖❖

"یہ کیا ہے؟" نگینہ نے حیرت سے اتنے بڑے ڈبے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھول کر دیکھ لو۔" طارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی بتا دیں۔" نگینہ نے جلدی جلدی ریپر کو پھاڑتے ہوئے بے تابی سے کہا۔

"ارے...... ارے۔ دھیرے سے یار!" طارق نے اس کی جلد بازی پر اُسے ٹوکا۔

"طارق کیا ہے یہ؟" ولی نے بھی دلچسپی دکھائی۔

طارق نے مسکراتے ہوئے ولی کو آنکھ سے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"دیکھیں ناں آنی طارق بھائی نے کتنی مشکل پیکنگ کی ہے۔" نگینہ نے ڈبے کی مختلف پٹیوں کو اتارتے ہوئے نیلوفر سے کہا۔

"یہ بچے بھی ناں بس ہر وقت سرپرائز دینے میں لگے رہتے ہیں۔" نیلوفر نے دھیمی آواز میں روشن آرا سے کہا۔ طارق نے سرکھایا ہوا تھا میرا اور سائرہ کا کہ چلو نگینہ کا برتھ ڈے ہے۔ اور یہاں آ کر وِش بھی نہیں کرنے دیا کہ پہلے وہ اپنا تحفہ دیکھ لے۔ نیلوفر نے مسکراتے ہوئے روشن آرا کو بتایا۔

سائرہ باقاعدہ نگینہ کی مدد کر رہی تھی، اتنے بڑے ڈبے کو کھولنے میں۔ دل ہی دل میں وہ حیران تھی۔ بھائی نے کب یہ تحفے خریدے اور پیک کیے۔ اس کا سنجیدہ سا بھائی صرف اپنے گھر والوں یا اس فیملی میں لوسٹ رہتا تھا یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اب رات بارہ بجے وہ ولی بھائی کے گھر رونق لگا کر بیٹھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے تھے۔

آخر کار ڈبہ کھل ہی گیا۔ اس میں بہت خوبصورت سبز آنکھوں اور سنہری بالوں والی گڑیا تھی، اس کی گو
میں سفید فر والی خوبصورت بلی تھی۔ ان دونوں کا سائز اتنا بڑا تھا کہ اوریجنل لگتی تھیں۔ ساتھ میں پپی برتھ
ڈے کا کارڈ تھا۔

''تھینک یو طارق بھائی...... لیکن اب میں بڑی ہوگئی ہوں۔ اب گڑیا سے نہیں کھیلتی۔'' نگینہ نے
با قاعدہ احتجاج کیا۔

''میں بھی یہ چاہتا ہوں تم جلدی جلدی بڑی ہو جاؤ۔'' طارق دل ہی دل میں بولا، تا کہ تم کچھ تو میری
نگاہ جان پاؤ۔ میری پاکیزہ محبت کی خوشبو کو محسوس کر سکو۔ طارق نے صرف اک نگاہ دیکھ کر نگاہ موڑ لی۔
جو دل میں رہتے ہیں وہ اور ان کی عزت بہت اہم ہوتی ہے۔ اور نگینہ طارق کی اولین خواہشوں میں
تھی۔

''ہمیں تو تم واقعی ابھی تک گڑیا ہی لگتی ہو۔'' نیلوفر بیگم نے پیار سے نگینہ کو دیکھتے ہوئے گلے لگا کر کہا۔

''سالگرہ مبارک ہو گڑیا!'' ولی نے بھی تحفہ بہن کے سامنے کیا۔

''یہ کیا ہے؟''

''کھول کر دیکھو۔'' ولی نے بھی اصرار کیا۔

''اللہ کرے میری عمر کے مطابق کوئی چیز ہوں۔'' نگینہ نے بھولپن سے کہا۔ ڈبے کو کھولتے ہی وہ خوشی
سے چیخ پڑی۔ ''بھائی آپ کی چوائس بہت نفیس ہے۔''

وہ وائٹ گولڈ میں بہت خوبصورت لاکٹ تھا، جس پر چھوٹے چھوٹے نگینوں سے نگینہ لکھا ہوا تھا
سائرہ کو بھی وہ بہت پسند آیا تھا۔ اس نے فوراً اسے نگینہ کے گلے میں ڈال دیا۔

آج سے پہلے روشن آنٹی کی فیملی سے زیادہ تر طارق اور نیلوفر آنی ملتے تھے وہ کبھی کبھار ہی آتی تھی
طارق بھائی تو بہت زیادہ ان لوگوں کے قریب تھے لیکن اب وہ صرف صرف مسکان کی وجہ سے ولی اور
اس کی فیملی کو زیادہ توجہ دینے لگی تھی۔

''اماں جان میرا تحفہ؟'' نگینہ نے روشن آرا سے پیار لیتے ہوئے سوال کیا۔

''ہماری جانب سے تحفہ تمہیں صبح ملے گا۔ تمہارے بابا صبح چھ بجے کی فلائٹ سے آرہے ہیں۔'' روشن
آرا نے ساتھ ہی اطلاع دی۔

''یار طارق کل نگی کی سالگرہ پارٹی بابا جانی آواری میں دے رہے ہیں۔ سب سے پہلے تمہیں دعوت
دے رہا ہوں پھر نہ منہ بنالینا۔'' ولی نے طارق کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں، سب لوگ سن لیں کہ میں اب بڑی ہوگئی ہوں، اب مجھے بڑوں والے تحفے دیا کریں۔''
نگینہ نے روٹھے روٹھے لہجے میں بچوں کی طرح کہا تو طارق کا دل اس پر نثار ہونے لگا۔ ولی اور طارق
دونوں اس کی باتوں پر ہنسنے لگے۔

''کیوں بھائی میں نے لطیفہ سنایا ہے۔'' نگینہ کو ان کی ہنسی اچھی نہ لگی۔

''نہیں بالکل نہیں، تم تو واقعی بڑی ہوگئی ہو۔'' ولی نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے اپنی معصوم سی کم

ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

رات کے وقت
میرے دل پہ
تیری یاد کا ہاتھ
اتنی نرمی سے اُترتا ہے
کہ جیسے شبنم
اک چٹکتی ہوئی نورستہ کلی پہ اُترے

بہت ہی خوبصورت ہینڈ رائیٹنگ میں یہ نظم طارق نے کارڈ پہ لکھی تھی اور آخر میں ''وِدلو'' تمہارا طارق
لکھا ہوا تھا۔

یہ کارڈ اس نے نگینہ کو لکھا تھا، ہر سال کی طرح۔ لیکن اس نے یہ کارڈ نگینہ کو ہرگز نہیں دینا تھا۔
ہر سال کی طرح یہ کارڈ بھی دوسرے کارڈز کے ساتھ اُس نے بند کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ بہت ایمانداری
سے ان کارڈز اور اپنے جذبوں کی حفاظت کرتا آرہا تھا۔ اُسے اس پَل کا بہت چاہ سے انتظار تھا، جب
لیہ اس گھر میں اس کے کمرے میں جائز و قانونی طور پر اس کے قریب ہوگی اور وہ اپنی محبت کا اظہار
کرے گا۔

اقرار محبت کرے گا۔

باہر دروازے پر دستک نے اُنہیں چونکا دیا۔

''بھائی آپ کا فون ہے۔'' سائرہ نے نیند سے بھری آنکھوں اور آواز سے کہا۔ اور ساتھ ہی کارڈ
لیس اُسے تھما دیا۔

فون کان پر لگاتے ہی وہ الرٹ ہوگیا۔

ڈائریکٹر صاحب کی جانب سے ارجنٹ کال تھی۔

وہ خفیہ فورس کی ایک بہت ذمہ دار پوسٹ پر تھا۔ اُسے کسی بھی وقت کال کیا جاسکتا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ جینز پینٹ کے ساتھ ہلکی نیلی شرٹ پہنے کوٹ میں اپنا ریوالور رکھے تیزی سے تیار
ہو چکا تھا۔

گاڑی کی چابیاں اور موبائل اُٹھا کر وہ باہر نکلا۔

''اسلم دروازہ بند کرلو۔ اور آنی کو بتا دینا، میں ضروری کام سے جارہا ہوں۔'' اُس نے اسلم کو ہدایات
دیں۔

سائرہ نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اُسے جاتے دیکھا۔ ''اللہ کے سپرد بھائی خیر سے جائیں اور خیر
سے آئیں، اللہ کی امان میں۔'' سائرہ نے دل ہی دل میں اُسے دعائیں دی۔

❖❖○❖❖

''اس لڑکی نے خودکشی کرنے سے پہلے تفصیلات بھی لکھی ہیں، جو ہمیں راستہ ڈھونڈنے میں مدد دیں
گی۔'' ڈائریکٹر صاحب نے طارق کے سامنے فائل رکھتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKISTANIPOINT.COM پاکستانی پوائنٹ PAKISTANIPOINT

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کالج کی لڑکیوں کی سی ڈیز کی زیادہ Demand ہے۔ یہ کام جو اپنی مرضی سے کر رہی ہیں، اس کی وجہ بھی بلیک میلنگ ہی ہے جو لڑکیوں کے خودکشی کے کیس بڑھ رہے ہیں۔''

''شریف لوگ تو منہ چھپا کر بیٹھ گئے ہیں۔ ان سے کیا تعاون ملے گا اس کی امید بھی کوئی نہیں ہے۔''

''طارق تم میرے بہترین آفیسر ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس فائل پر کام کرو۔''

''جی سر!'' طارق کی الرٹ آواز کمرے میں گونجی۔ طارق نے فائل کھول کر صفحے پر نظر دوڑائی، لڑکی کا نام سعدیہ تھا۔ عمر اٹھارہ سال تھی۔ بازار میں اس کی نیوڈ سی ڈی عام تھی۔ لڑکی نے خودکشی کرنے سے پہلے کچھ انکشافات کئے تھے۔ طارق نے خط پڑھتے ہی دکھ سے پہلو بدلا۔

''ہمارے معاشرے کا یہ ننگا پہلو، یہ تکلیف دہ گلا سڑا سچ نہایت بھیانک تھا۔ یہ سب کچھ ایک پلاننگ کے تحت ہو رہا تھا۔ لڑکی کا لکھا ہوا ایک ایک لفظ آنسوؤں اور شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔'' طارق کے سینے سے اک گہری سانس خارج ہوئی۔

''میں وعدہ کرتا ہوں سعدیہ تمہاری روح سے کہ آج بھی اس ملک کے کچھ بیٹے غیرت رکھتے ہیں۔ میں تمہارے خون کو ضائع نہ جانے دوں گا، میں وعدہ کرتا ہوں اس ملک میں ان ناسوروں کو ایسی عبرت ناک سزا دلواؤں گا کہ یہ لوگ ہمارے ملک پر نگاہ ڈالنا بھول جائیں گے۔ یہ لوگ ہماری اقدار کو کھوکھلا کر کے ہمارے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ تو یہ لوگ جان لیں کہ ہماری اقدار ہی ہم کو بچائیں گی۔'' طارق کی سوچ اس کے چہرے پر عیاں تھی۔

ڈائریکٹر صاحب نے طمانیت بھرا سانس لیا۔ بے شک انہوں نے ایک درست آدمی کے ہاتھوں میں یہ فائل دی تھی۔

❀

میں نے سن رکھا تھا یہ
عشق کا روگ نرالا ہے
اب مجھ کو معلوم ہوا ہے
جان سے مارنے والا ہے

''یار کہاں گم ہو؟'' سائرہ نے پنسل سے آڑھی ترچھی لائنز بناتی مُسکان کو متوجہ کیا۔

''کہیں نہیں! تم سر بٹ کا پتا کرنے گئی تھی ناں، کیا آج فوٹو گرافی کی کلاس ہوگی؟'' مُسکان نے خود کو ...ا کرتے ہوئے پوچھا۔

''آ رہے ہیں، دیکھو کیا موڈ بنتا ہے۔ آؤٹ ڈور کرنی ہے اور آج لائٹ اتنی اچھی بھی نہیں ہے۔ کل اب اچھی تھی، کل ہی آؤٹ ڈور کر لیتے تو اچھا تھا۔'' سائرہ نے اپنے کندھے سے لٹکا کیمرا اور بیگ ...را احتیاط سے ڈیسک پر رکھتے ہوئے کہا۔

کلاس میں اس وقت کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی، ہر کوئی اپنی اپنی بولی بول رہا تھا۔ سائرہ ...ایک نظر مُسکان پر ڈالی، وہ ایک بار پھر کھو چکی تھی۔ وہ اس منظر کا حصہ ہرگز نہ تھی۔ اپنی چاہت اور ...ال کے پیچھے بھاگتے بھاگتے وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے آہستہ آہستہ رشتہ توڑتی جا رہی تھی۔ وہ ...میں ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر رہتی تھی۔ اتنی ذہین اور ٹیلنٹڈ لڑکی کا یہ حال اب ٹیچرز کی نظر میں بھی ...ا رہا تھا۔

''مُسکان...... مُسکان!'' سائرہ نے اُسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''...دا کی بندی! ہوش و حواس قائم رکھا کرو۔'' سائرہ چڑ گئی تھی۔

''...لک...... کیا ہوا؟'' مُسکان ابھی تک بے خیالی میں تھی۔

''...ا میرے اللہ! اس لڑکی کا کیا بنے گا۔ ابھی کوئی پندرہ منٹ کی تقریر سر بٹ کر کے گئے ہیں اور اس ...نے ذرا بھی نہیں سنا۔''

''...ر بٹ کیا کہہ کر گئے ہیں؟'' مُسکان نے معصومیت سے پوچھا۔

''...مد ہو گئی۔ تمہاری قوتِ سماعت اور آنکھوں کی روشنی مشکوک ہو گئی ہے۔ اور براہِ مہربانی جو سر کہہ کر ...ل اسے سن کر آپے سے باہر نہ ہو جانا۔'' سائرہ نے ساری کلاس کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو اپنا اور ...ا کا سامان بھی سمیٹنا شروع کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

’’سر بٹ آج پارٹ ون والوں کے پیپر لے رہے ہیں۔ آج وہ فارغ نہیں ہیں اور پرسوں فوٹو گرافی اسٹوڈیو میں ایم ایف اے والوں کا ویک شروع ہو جائے گا، اس لیے ہمیں ہر صورت آج کام کر کے کل **Developing** اور **Printing** کرنی ہے تا کہ مارکنگ ٹائم پر ہو سکے۔ پس سر نے اپنی غیر موجودگی میں اپنے چہیتے اسٹوڈنٹ مسٹر عبدالولی کو ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ وہ آج کا آؤٹ ڈور اور ان ڈور کا سارا کام بھی کروائے گا اور کل **Developing** اور **Printing** بھی کروائے گا۔ اور تم خدا کے واسطے کچھ اپنی اور زیادہ میری عزت کا خیال کرتے ہوئے بدحواسی کے مظاہرے پیش کرنا بند کر دینا۔ دیکھو ساری کلاس میں بات پھیل سکتی ہے۔‘‘ سائرہ نے نہایت سنجیدگی سے اُسے سمجھایا۔

مُسکان جواب میں کِھل اٹھی۔ سائرہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ’’اس صدی میں یہ لیلیٰ کہاں سے آ گئی ہے۔‘‘

’’مجھے لگتا ہے میں اتنی دیر سے بھینس کے آگے بین بجا رہی تھی۔‘‘ سائرہ نے جل کر کہا۔

مُسکان بجائے برا ماننے کے مدھر سُروں سے ہنسی۔ سائرہ نے حیرت سے مُسکان کے کِھلے ہوئے چہرے کو دیکھا، کہاں کچھ دیر پہلے وہ ویران اور مرجھائے وجود کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اب کیسے اس کے اندر کا موسم ہی بدل گیا تھا۔ پودا ہرا بھرا ہو گیا تھا۔

سائرہ نے بے حد فکرمندی سے ایک بار پھر مُسکان کو دیکھا وہ بڑبڑائی تھی۔ ’’مُسکان بنا سوچے سمجھے دوڑے چلی جا رہی ہے، اتنا آگے نکل کر وہ کیسے انکار برداشت کر سکے گی۔ کیسے ’’نہ‘‘ سن پائے گی؟ زندگی بھلا کب یک طرفہ روّیوں سے چل پائی ہے۔ اسے کیسے سمجھا پاؤں گی!‘‘

❖❖○❖❖

کس قدر ٹوٹ رہی ہے مری وحدت مجھ میں
اے مرے وحدتوں والے مجھے یکجا کر دے
میرے ہر کام میں بس تیری رضا شامل ہو
جو ترا حکم ہو وہ میرا ارادہ کر دے
مجھ کو وہ علم سکھا جس سے اُجالے پھیلیں
مجھ کو وہ اسم پڑھا جو مجھے زندہ کر دے
ضائع ہونے سے بچا لے مرے معبود مجھے
یہ نہ ہو وقت مجھے کھیل تماشا کر دے
میں مسافر ہوں سو رستے مجھے راس آتے ہیں
میری منزل کو مرے واسطے رستہ کر دے
میری آواز تری حمد سے لبریز رہے
بزمِ کونین میں جاری مرا نغمہ کر دے

آنسوؤں سے لبریز لہجے سے یہ دعا بابا جی مانگ رہے تھے۔ اور بابا جی کے انتظار میں بیٹھے احمد شاہ جانے کہاں گم سر جھکائے ہاتھ جھولی میں سمیٹے بیٹھے تھے۔

بابا جی نے دعا کے لیے اُٹھے ہاتھ منہ پر پھیرتے ہوئے پیچھے بیٹھے احمد شاہ کو دیکھا۔

’’السلام علیکم احمد!‘‘ بابا جی نے انہیں سلام کیا۔

احمد شاہ ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔ ’’السلام علیکم بابا جی!‘‘ بدلے میں جواب دینے کے، وہ خود بھی بابا جی کو سلام کرنے لگے۔

’’وعلیکم السلام جیتے رہو۔ اللہ تمہیں ایمان کی سلامتی کے ساتھ دین و دنیا کی خوشیاں عطا کرے۔ آمین۔‘‘

بابا جی کی دعائیں اور ان کے لہجے کی مٹھاس کسی ٹھنڈے میٹھے چشمے کی پھوار کی طرح بدن کو لگتی تھیں اور اندر کی بے چینی کو پرسکون کر دیتی تھیں۔

’’بابا جی...... عبدالولی اور نگینہ آئے ہیں۔‘‘ احمد شاہ نے مؤدب لہجے میں اطلاع دی۔

’’احمد شاہ...... اللہ رحمٰن تم سے ہمیشہ خوش رہیں۔ تم نے اس بوڑھے کی خوشی کا بے حد سامان کیا ہے۔‘‘ بابا جی کی آواز خوشی سے کپکپا رہی تھی۔

’’وہ دونوں نیک بخت کدھر ہیں؟‘‘ بابا جی کی نگاہیں دونوں کو تلاش کر رہی تھیں۔

’’باہر ہیں، مجھے اچھا نہ لگا کہ آپ کی عبادت میں خلل ڈالوں اس لیے ہم سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔‘‘ احمد شاہ نے محبت بھری نگاہ اُن پر ڈالتے ہوئے کہا۔

اس کمزور سے بزرگ میں سے محبت اور کشش کی جانے کیسی شعائیں نکلتی تھیں کہ جو بھی یہاں آتا تھا ان کا گرویدہ ہو کر رہ جاتا تھا۔

بابا جی اور احمد شاہ باہر نکل آئے۔ عبدالولی گلے میں کیمرا لٹکائے قدرتی نظاروں کی تصویریں لے رہا تھا جبکہ نگینہ جیپ کا دروازہ کھول کر باہر پاؤں لٹکائے کچھ کھانے میں مصروف تھی۔

’’آہا...... بابا جی آ گئے ہیں!‘‘ نگینہ نے بچوں جیسی خوشی سے چلاتے ہوئے کہا اور دوڑ کر اُن کے پاس جا پہنچی۔

بابا جی نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اُن کی آنکھیں نم تھیں۔

’’احمد شاہ...... یہ ہمارا بہت معصوم بچہ ہے اس کا خاص خیال رکھنا، اس کا دل کسی نازک پھول کی طرح ہے۔ برے رویوں کے ہاتھ نہیں لگنے چاہیے۔ یہ اس کے لیے اچھا نہیں ہے! اللہ رحمٰن اسے حفظ و امان میں رکھے۔‘‘

بابا جی کی بات پر نگینہ نے کوئی نوٹس نہ لیا البتہ احمد شاہ چونکے تھے۔ اس سے پہلے بھی بابا جی مختلف مواقع پر ذو معنی باتیں کر چکے تھے اور احمد شاہ ان کی کہی بات کو کبھی عام نہ لیتے تھے۔ بابا جی کی اس بات کا کیا مطلب ہے؟ وہ اندر سے اُلجھے ہوئے تھے۔

’’محترم بزرگ! میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں آپ کی بات کو سمجھ نہیں سکا۔‘‘ احمد شاہ نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

’’پیارے بیٹے! اللہ رحمٰن نے ہر روح کو شفاف پیدا کیا ہے اور ہم سب اس دنیا میں آنے کے بعد دنیا داری اور اس کے دھندوں سے اس کو آلودہ کر لیتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کچھ ایسی معصوم اور سادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل روحیں بھی ہوتی ہیں جو اپنے مَن کی آنکھ سے دنیا دیکھتی ہیں۔ چونکہ ان کا مَن سچا ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے ساری دنیا سچی اور اچھی ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر ان کو برے رویوں اور لوگوں کا سامنا کرنا پڑے تو وہ سنبھل نہیں پاتے۔ ہمارا یہ بہت پیارا بچہ ہے! دیکھو اس کی آنکھیں کس قدر شفاف ہیں اس کے من کی طرح۔ اللہ رحمٰن نے تم جیسے مہربان ماں باپ کا ساتھ ان دونوں کو نوازا ہے۔ یہ تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم ان کا دھیان خیال ذرا زیادہ کرو۔" بابا جی ایک بار پھر اپنی بات کو گول مول کر چکے تھے۔ ان کی گفتگو اگرچہ واضح نہیں ہوتی تھی تو کچھ ایسی مبہم بھی نہ ہوتی کہ پیغام چھپا رہ جائے۔

بہرحال احمد شاہ اتنا ہی جان پائے تھے کہ نگینہ چونکہ بیٹی ہے، اس لیے اس کا خیال اور دھیان بابا جی کی نظر میں زیادہ اہم ہے۔

"اسلام علیکم بابا جی!" ولی نے جُھک کر پہلے بابا جی سے پیار لیا پھر ان کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔ ایسا وہ بچپن سے احمد شاہ کو کرتے دیکھتا آیا تھا۔ پہلے پہل ان کی دیکھا دیکھی کرتے کرتے، لیکن اب وہ بھی بابا جی کے ساتھ خاص محبت کا رشتہ اپنے دل میں محسوس کرنے لگا تھا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو۔ اللہ رحمٰن تمہیں ایمان کی سلامتی کے ساتھ دین و دنیا کی خوشیاں عطا کریں۔" بابا جی نے اسے گلے لگا کر دعا دی۔

"ہمارا پیارا بیٹا تصویریں بنا رہا تھا۔" بابا جی نے پوچھا۔

"جی بابا جی! معلوم نہیں کیوں میں جب جب یہاں آتا ہوں، مجھے یہ جگہ اپنی طرف کھینچتی ہے، یہاں اس کے راستوں میں عجیب سی کشش اور مانوسیت ہے۔" ولی کی بات پر احمد شاہ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔

"میں اکثر سوچتا ہوں...... اکثر مجھے ایک خواب آتا ہے لیکن وہ خواب ادھورا ہوتا ہے مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔" ولی نے اپنی بے چینی آج واضح کردی تھی، جس کو وہ اکثر محسوس کرتا تھا۔

"پھر مجھے خیال آتا ہے کہ شاید...... شاید اس کی ساری وجہ آپ ہیں، آپ سے محبت ہی مجھے اس جگہ کی طرف کھینچتی ہے۔ یقیناً یہ آپ کے تعلق کے علاوہ اور کیا بات ہو سکتی ہے!" ولی خود میں گم بول رہا تھا۔

احمد شاہ اور ڈرائیور رحیم خان کے تنے ہوئے اعصاب ایک دم ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ ولی جن سِروں کو پکڑ نہیں پاتا تھا۔ اس کا مرکز یہ ہی تو جگہ تھی۔ شکر تھا کہ ولی اپنی الجھن کو کسی اور آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ بابا جی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ احمد شاہ کی بے چینی ان کی نظروں سے چھپ نہ سکی تھی۔

"احمد شاہ! مستعار لی ہوئی چیز لوٹا دی جاتی ہے۔"

احمد شاہ کو سالوں پہلے انہوں نے یہ ہی بات کہی تھی۔ آج بھی احمد شاہ کل کی طرح ان کی اس بات پر بے حد پرسکون ہوئے تھے۔

"بے شک آپ نے مجھے درست یاد دلایا! آپ بھی میرے لیے دعا کیجیے گا، اللہ تعالیٰ مجھے ثابت قدمی عطا کرے۔" احمد شاہ نے ان سے گزارش کی۔ ولی اور نگینہ اُن دونوں کی گفتگو بالکل سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

"اللہ رحمٰن تم پر ہمیشہ رحمت رکھے۔ تم نے ہمیشہ اچھائی کا ساتھ دیا ہے اور اپنے عمل کو اچھے رستے پر

لایا ہے۔ تم اللہ کی طرف سے نوازے گئے ہو اور بے شک تم خسارے میں کبھی نہ رہو گے۔ خوشی اور لون تم کو ہی ملے گا۔" بابا جی کی دعا میں خوش خبری تھی۔ احمد شاہ کے رہے سہے وسوسے بھی بھاپ بن کر ا گئے۔

دوپہر کا کھانا رحیم خان کی بیوی نے بنا کر بھیجا تھا۔ کھانا سادہ لیکن نہایت لذیز تھا۔ بابا جی تو کھانا لھاتے ہی نوافل کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں تم سب کو عصر سے پہلے اُٹھا دوں گا۔ لمبے سفر سے ئے ہو، آرام کرلو۔ رحیم خان تم کو اگر زحمت نہ ہو تو اپنے گھر سے ایک دو بستر لے آؤ۔" بابا جی کی بات ،یم خان تڑپ ہی اُٹھا۔

"کیسی بات کرتے ہیں۔ آپ کا کہا میرے لیے حکم جیسا ہے، میں ابھی گھر سے لے آتا ہوں۔" رحیم مان نے فوراً کہا۔

"کاکا! میں بھی ساتھ چلوں گی۔ میں فاطمہ اور خدیجہ آپی سے ملوں گی۔" نگینہ نے معصوم سے لہجے ں کہا۔

"جیسے بابا جی کہیں!" رحیم خان جھجک رہا تھا۔

"لے جاؤ رحیم خان! بچی اپنا ہان (ساتھی) مانگتی ہے۔ یہاں وہ اکتا جائے گی۔" بابا جی نے دھیمی کراہٹ سے کہا۔

"ہُرّے! بابا جی آپ بہت اچھے ہیں۔" نگینہ ایک دم خوش ہوگئی۔ ولی اور احمد شاہ بھی دھیمے سے کرائے۔

"بابا جانی اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی کچھ گھوم پھر آؤں؟" ولی احمد شاہ سے اجازت لے رہا تھا۔ ، شاہ ایک پَل کو سوچ میں پڑ گئے لیکن دوسرے ہی پَل وہ سنبھل چکے تھے۔

"اولاد اور کبوتر شاید دونوں ہی اُڑان مانگتے ہیں۔ پنجرے میں ہر وقت بند رکھنے سے وہ گھبرا جاتے ہ اور موقع دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔ دونوں کو اپنی ڑان اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور اگر ان کو اُڑنے کا لم دیا جائے تو وہ واپس اپنے ہی گھر کی چھت پر آ کر بیٹھتے ہیں۔"

احمد شاہ کب تک ولی کو پابند کرسکتے تھے۔ بے شک ولی ان کا بے حد تابعدار بیٹا تھا لیکن اگر اولاد مدار ہو تو ان کو آزمائش اور بے جا پابندی میں رکھنے کے حامی وہ ہرگز نہ تھے۔

"جاؤ بیٹا...... لیکن دھیان کرنا، تم یہاں اجنبی ہو۔" احمد شاہ نے اُسے اجازت کے ساتھ ساتھ محتاط ہنے کی تاکید کی۔

"مجھے کیوں یہ جگہ اجنبی نہیں لگتی؟" وہ سوچنے لگا۔ ولی کیمرا لیے جیپ میں آ بیٹھا اور سوچنے لگا کہ س طرف جانا چاہیے۔ رحیم خان اور نگینہ دوسری گاڑی میں گئے تھے۔ وہ آسانی سے گھنٹا دو گھنٹا ا پھر سکتا تھا۔ یہاں فی الحال گاڑی کی ضرورت نہ تھی۔

وہ خود حیران تھا کہ وہ دس پندرہ منٹ بعد آخر اس جگہ کے پاس ہی کیوں آ کر رُکتا ہے۔

ایک کھنڈر نما عمارت تھی۔ اس عمارت کے آگے ایک باغیچہ بھی تھا، جو جانے کب کا اُجڑ چکا تھا۔ جانب اک عجیب سی اداسی تھی۔ ولی کو یوں لگنے لگا جیسے اس ویرانی، اداسی سے اس کا اک عجیب سا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رشتہ ہے، کچھ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت سے وہ گزر رہا تھا۔

مختلف خستہ حال جھروکوں اور دروازوں کی تصویریں اُس نے لے لی تھیں۔ سامنے ہی سیڑھیاں تھ لیکن چند ایک زینوں کے علاوہ تمام سیڑھیاں تباہ ہو چکی تھیں۔

ولی کا بے حد دل چاہا کہ وہ اوپر جائے۔ وہ اوپر سے نیچے کا نظارہ کرنا چاہتا تھا۔

''یہ...... یہ سیڑھیاں...... کتنی جانی پہچانی جگہ ہے۔'' سوچتے سوچتے اس کا سر دُکھنے لگا۔

جانے کیسے ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے آگ کے شعلے سے لپکے وہ ایک دم آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر پیچھے یوں ہٹا، جیسے واقعی آگ اس کی جانب بڑھی ہو۔

بس کچھ پَل لگے تھے، منظر غائب تھا۔ اور ولی کا ہاتھ فضا میں معلق ہی رہ گیا۔ آگ غائب تھی، تپش باقی تھی۔

یہ جگہ......؟ وہ آگ......؟ کچھ ادھورے خواب سے منظر۔ سب کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا۔

''یا اللہ یہ کیا بھید ہے؟''

''آخر کیا چیز ہے، کیا بات ہے، جو سامنے ہوتے ہوئے بھی دکھائی نہیں دے رہی۔'' وہ سوچتے سوچتے ایک جھروکے میں آ کر بیٹھ گیا، اس کا شدت سے دل چاہا کہ کوئی اس کے سوالوں کے جواب دے کر اس اُلجھن کو حل کر دے۔

''کون ہو تم؟ کیا کچے پر جیپ تمہاری کھڑی ہے؟ وہاں سے سائیں زبیر کی گاڑی نے گزرنا ہے تم اپنی گاڑی ہٹاؤ۔'' وہ آدمی اُس سے بات کرتا کرتا ایک دم چُپ ہو گیا، وہ سودائیوں کی طرح اُس کا چہرہ تکے جا رہا تھا۔

''کیا ہوا چاچا؟ ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ میں گاڑی ہٹا لیتا ہوں۔'' ولی کو اُس شخص کا یوں اتنی محویت سے دیکھنا عجیب سا لگا تھا۔

''سائیں...... سائیں عبداللہ؟'' اس شخص نے اپنے حلق کو تھوک سے تر کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ سید سرفراز کے خاص بندوں میں سے تھا۔

اس وقت وہ خوف و حیرت سے کھڑا تھا۔

''ہاں...... سامنے وہی سید عبداللہ کھڑے تھے۔ وہی قد، رنگت، آنکھیں! کیا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ وہ شخص ایک دم گھبرا گیا اور پھر اُلٹے پیروں بھاگا۔

''سا...... سائیں عبداللہ۔!'' وہ تیز تیز دوڑتا بولتا بھاگ گیا۔

ولی نے اس کی اس حرکت کو حیرانگی سے دیکھا۔ اس ویرانے میں کوئی ملا بھی تو اُسے عبداللہ کہہ کر بھاگ کیوں گیا؟ یہاں کے لوگ کتنے عجیب سے ہیں۔

''اور یہ سائیں عبداللہ کون ہے؟'' اُس نے اپنے آپ سے سوال کیا تھا۔

❖❖○❖❖

''سنی بیٹا مجھے خوشی ہو گی اگر تم میری ایڈ ایجنسی جوائن کرو گے۔'' قاسم محمود علوی نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی...... میں اپنا کام خود سے شروع کرنا چاہتا ہوں۔ ان فیکٹ...... میں اپنے آپ کو آزمانا چاہتا ہوں کہ میں خود کتنے پانی میں ہوں۔'' سمعان نے دبے دبے جوش کے ساتھ کہا۔

''اوکم آن سنی! تمہیں رُلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دنیا کی ریت چلی آئی ہے۔ باپ کی بنائی کا وارث اُس کا بیٹا ہی ہوتا ہے۔ ہم نے اس رستے کے کانٹے صاف کرتے کرتے بہت وقت ضائع کیا۔ کبھی ڈھنگ سے اپنے بچوں کے پاس بیٹھنے کا موقع تک نہ ملا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم زندگی جینے کے بجائے اس سروائیول کے گیم میں جُت جاؤ۔ تمہیں تو میری زندگی کی بھی خوشیاں جینی ہیں۔'' ڈیڈی کا لب و لہجہ ایک دم پُرجوش ہو گیا۔

''تھینکس ڈیڈی...... یور آر اے گریٹ فادر۔'' سمعان نے محبت سے ان کے کندھے کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری ماں کدھر ہے؟'' قاسم صاحب نے پوچھا۔

''وہ بواجی سے صابن سے دھلے برتن دلوا رہی ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ صابن سے سبزی دھلوا چکی ہیں۔ میں کچن سے لے کر پانی پی رہا تھا۔ اتنی زیادہ ڈانٹ پڑی کہ کیا بتاؤں کہ صابن سے ہاتھ دھوئے بغیر میں نے فریج کھول کر پانی کی بوتل کو ہاتھ لگا دیے اور میں دھلے ہوئے گلاس کو دھوئے بغیر کیوں استعمال کر رہا ہوں۔ ڈیڈی اللہ کے واسطے مجھے تو دستانے لا دیں۔ ہر تھوڑی دیر بعد مما سے جھاڑ پڑ جاتی ہے۔ گندے ہاتھ...... گندے ہاتھ!'' سنی نے بے بسی سے کہا۔

''بس دو چار مہینوں میں ہی تمہارا یہ حال ہو گیا۔ ہم بھی تو ہیں، جو ستائیس سالوں سے اس محکمہ صفائی کے ساتھ جی رہے ہیں۔'' قاسم علوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کی تو مجبوری ہے، وہ آپ کی بیوی ہیں۔'' سنی نے شرارت سے کہا۔

''ٹھہرو صاحبزادے تمہاری ماں کو بلاتا ہوں تاکہ تمہارے نادر خیالات آ کر سن لیں۔'' قاسم صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے بابا رے! معاف کریں۔ میں اس وقت ڈانٹ کی کوئی کلاس لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' سمعان نے گاڑی کی چابیاں پکڑتے ہوئے کہا۔

''کہاں کی تیاریاں ہیں؟'' ڈیڈی نے پوچھا۔

''آنی کی طرف جا رہا ہوں۔'' سمعان کی نظروں میں مُسکان کی شبیہ لہرائی۔

صبح ہی سائرہ نے بتایا تھا کہ مُسکان آج ویک اینڈ پر اُس کے ساتھ ہو گی۔ یہ خبر اس قدر خوشگوار تھی کہ صبح سے اس کا موڈ بھی بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔ اُسی پَل سے اُس کا دل مُسکان سے ملنے کو مچلا تھا۔ یہ وہ ہی جانتا تھا کہ یہ بیچ کے تین چار گھنٹے کس قدر مشکل سے کٹے تھے۔

❖❖○❖❖

کیسا ہوتا ہے
اپنوں سے بچھڑنے کا سانحہ
محسوس کرنا چاہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو ذرا دیکھنا بھی غور سے
کسی خزاں میں
مضبوط شاخوں سے گرتے
سوکھے، زرد، بے جان
تنہا تنہا پتوں کو

''ترنم تمہاری تو آج اپوائنٹ منٹ ہے فاروق صاحب سے، اور تم ابھی تک ویسے ہی بیٹھی ہو۔ مشی سے فیشل ہی کرالو ذرا چہرے پر رونق آ جائے گی۔'' ماہ رخ نے سر پر بینڈز رولر لگا رکھے تھے ہاتھ میں آئینہ لے کر اپنے آئی بروز کے شیپ چیک کر رہی تھی۔

''میں آج سرخ رنگ کی میکسی پہن رہی ہوں، کیا میں تمہارا پرلز کا سیٹ پہن جاؤں؟ ذرا اچھی میچ رہے گی۔ ماہ رخ کی اب ساری توجہ اپنے خوبصورت پیروں پر تھی، جن پر بلیچ لگا رکھا تھا۔ میں نے پیڈی کیور تو کروا رکھا تھا لیکن یہ کم بخت روز روز کالج جا کر میرے پیروں کا حال خراب ہو جاتا ہے۔''

ماہ رخ مسلسل بول رہی تھی۔ ترنم اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دے رہی تھی اس کی اس کو کوئی پروا نہ تھی۔ وہ عادی تھی ترنم کی بلکہ اسے ہمیشہ اچھا ہی لگتا تھا۔ ترنم میں بے حد برداشت اور لچک تھی۔ لڑکیوں سے اُس کی کبھی نہ بنی تھی۔

ترنم ایک اچھی سامع ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خیال اور پیار کرنے والی لڑکی تھی۔ اس لیے ماہ رخ تو پانی بھی ترنم کے بغیر حلق سے نہ اترتا تھا۔

''اے تنو! بول جا اب......! کیا گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھی ہو؟'' ماہ رخ اب بول بول کر تھک گئی تھی۔

''نہیں......تم بولو ناں، میں سن رہی ہوں۔'' ترنم کی آواز میں بے حد ترنم تھا۔ اُس کو آواز اللہ نے اس قدر پیاری دی تھی اور جب جب وہ بولتی سامنے والا اس کے لفظوں کو بھول کر اُسے سنتا تھا۔

''کیا میں پاگل ہوں، جو دیواروں سے باتیں کروں تم میری کسی بات کا جواب تک نہیں دیتیں۔'' ماہ رخ نے ناراضگی سے منہ موڑا۔

''ارے تم ناراض نہ ہوا کرو، تم جانتی ہو ناں کہ میں کبھی کبھی موجود نہیں ہوتی، میں تو بچھڑی ہوئی ہوں۔ خود کو کب کا کھو چکی ہوں۔ جب میں ہوں ہی نہیں تو پھر یہ ناراضگیاں کیسی؟'' ترنم اپنے آپ میں مگن بول رہی تھی۔

ماہی نے ایک نظر اُس پر ڈالی اور گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''اللہ جانے تم ایسی ہو کر بھی کیسے کلائنٹ حاصل کر لیتی ہو۔ اصولاً تمہاری اوٹ پٹانگ باتوں اور چہرے کی بیزاری دیکھ کر انہیں بھاگ جانا چاہیے۔'' ماہی نے نیل فائلر اُٹھا کر اپنے ناخن فائل کرتے ہوئے کہا۔

''میری جان......تم کن ہواؤں میں ہو۔ یہ گدھ کب ہمارے چہروں کو دیکھتے ہیں یا کب ان کو ہماری باتوں اور دل سے لگاؤ ہوتا ہے۔ ان کو تو اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ایک جسم کی ضرورت ہوتی ہے ہمارے بے روح جسم! اور مردار کھانے والے یہ گدھ! ہاہا...... ہاہا۔ اور تمہاری مہذب زبان میں کلا

'' ترنم کے لبوں پر ہنسی تھی مگر آنکھیں نم تھیں۔

''ترنم تم کو پانی دوں۔ !!'' ماہی نے تھوڑا بیزار ہوتے پوچھا۔ وہ ترنم کی اس طرح کی باتوں سے گھبرا جاتی تھی۔ اس نے پانی کا گلاس ترنم کو تھمایا۔

''کوئی ایسا پانی ہے، جو اس وجود کی غلاظت کو دھو سکے؟'' ترنم نے ماہ رخ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ ماہی کو اس کی آنکھوں سے بے حد خوف محسوس ہوا۔

''تم پانی پی لو۔ آج تمہاری طبیعت اچھی نہیں لگتی۔'' ماہی کی آواز میں خوف تھا۔ ''ویسے تو تمہاری طبیعت کم ہی اچھی ہوتی ہے۔''

''ماہی میں اکثر سنتی تھی کہ دل سے شرمندہ آنسو وہ واحد پانی ہے، جو روح کی غلاظت دھو دیتا ہے! یہ میرے ابا جی کہا کرتے تھے۔ میں اکثر ابا جی کو روتے ہوئے دعا مانگتے دیکھی تھی!!'' ترنم کی آواز سرگوشی میں بدل گئی تھی۔

''ماہی کیا اتنے سالوں میں اتنے ڈھیر سارے شرمندہ آنسو اتنے بھی طاقتور نہ تھے جو اس غلاظت کو دھو سکتے؟''

''ترنم...... ہوش میں آؤ! آپا نے تمہاری یہ اوٹ پٹانگ گفتگو سن لی تو وہ ہمیں جان (Jhon) کے حوالے کر دے گی۔'' ماہی نے اسے باقاعدہ جھنجوڑ ڈالا۔

''ماہی میں کیا کروں؟ مجھ بدنصیب سے تو موت بھی منہ موڑے کھڑی ہے، کوئی پروانہ آزادی، کوئی مہر معافی، کوئی خبر آمرزش، میرے لیے کیوں نہیں سنائی دیتی؟'' ترنم چہرے پر ہاتھ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

❖❖○❖❖

ہم نے اپنی زندگی میں کر لیا شامل تمہیں
اس سے بڑھ کر اور کیا کرتے تمہارے واسطے

سارے بیڈ پر تصویریں بکھری پڑی تھیں۔ جو تصویروں میں ماڈل تھی، اُس سے مُسکان کا دلی تعلق بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ یہ تصویریں اس کی فوٹو گرافی اسائنمنٹ کی تھیں۔ وہ کتنی دیر سے ان تصویروں کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

اس اسائنمنٹ کے دوران ولی نے اس سے کتنی ڈھیر ساری باتیں کی تھیں۔ بے شک یہ باتیں ساری کام کے متعلق تھیں لیکن مُسکان کو ولی کا خود پر توجہ دینا بہت اچھا لگا تھا۔

جب تقریباً ساری کلاس کام کر چکی تھی اور ان کے رول کی Developing باقی تھی۔ ولی کیسے اسپیشلی ان کے اور سائرہ کے لیے دیر تک ٹھہرا تھا۔ ڈارک روم میں ولی کے اتنا قریب رہ کر کام کرتے وہ اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کو بہت واضح سنتی رہی۔

وہ اتنے اندھیرے میں بھی بتا سکتی تھی کہ بات کرتے وقت ولی کے لبوں پر کتنی بار ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔ بات کرتے وقت کیسے ولی کا ایک ایک نقش بولتا تھا اور کیسے وہ بے خیالی میں اپنے ماتھے پر آئے بالوں کو ایک ادا سے پیچھے کرتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مُسکان کے لبوں پر اتنی خوبصورت مسکراہٹ تھی کہ اندر آتی آپا اماں ٹھٹک کر رہ گئیں۔

''مُسکان بٹیا! آج اتنے دنوں بعد بہت خوش ہو! اللہ تمہیں ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے۔'' آپا اماں نے دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''آپا اماں آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ میں واقعی آج بہت خوش ہوں۔'' مُسکان کے لہجے سے خوشی جھلک رہی تھی۔

''کیا میری بٹی مجھے بتائے گی کہ وہ اتنی کیوں خوش ہے؟'' آپا اماں کے سوال پر مُسکان کے چہرے کا ایک دم رنگ بدلا۔

''وہ ...... وہ آپا اماں! مجھے اس والی کلاس اسائنمنٹ میں سب سے زیادہ نمبر ملے ہیں۔'' مُسکان نے بوکھلاتے ہوئے کہا۔

''تم کہتی ہو تو میں مان لیتی ہوں۔ میں نے بے شک تم کو پالا ہے، جنم نہیں دیا۔ لیکن بیٹا۔! ماں تو ماں ہی ہوتی ہے۔ اولاد کے دل کے ہر موسم اور رنگ کو جانتی ہے۔'' آپا اماں نے اُسے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ انہوں نے جانے کتنے دنوں بعد مُسکان کو مسکراتے اور خوش دیکھا تھا۔

مُسکان نے ان کے جاتے جاتے ہاتھ تھام لیا تھا۔

''آپا اماں! میں نے اپنی ماں کو صرف تصویروں میں دیکھا ہے۔ ماں کیا ہوتی ہے اور کیسی ہوتی ہے اس کا تصور تو آپ کی ذات کی وجہ سے ہی ملا ہے۔'' مُسکان کے لہجے میں بے حد سچائی تھی۔

آپا اماں کے اندر تک ٹھنڈک اُتر گئی۔ والدین سے اظہار محبت اور بروقت اظہار محبت اُن کی خوشی ہی نہیں اُن کی عمر میں بھی اضافہ کرتا ہے۔

''چھوٹی بی بی! بڑے سائیں اور چھوٹے سائیں آئے ہیں۔'' ملازمہ نے اندر آ کر اطلاع دی۔

''بابا جانی اور بھائی آئے ہیں؟'' مُسکان کے چہرے کی خوشی دگنی ہوگئی تھی وہ دوپٹہ اُٹھا کر تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکلی لیکن اپنے بابا جانی کے سامنے آتے ہی اُس کی رفتار مدھم ہوگئی تھی۔ لاکھ وہ اپنے بابا جانی کی سب سے لاڈلی تھی لیکن ان کا رُعب ساری اولاد پر یکساں تھا۔

مُسکان سمیت سب ہی بابا جانی کے سامنے بے حد مؤدب رہتے تھے۔ اور یہ تکلف کی دیوار اُس بابا جانی کی خود ساختہ تھی۔

''السلام علیکم بابا جانی!!'' مُسکان نے آگے بڑھ کر پیار لیا۔ بابا جانی نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

'میرا پیارا بیٹا کیسا ہے؟'' انہوں نے اسے ساتھ لگائے لگائے پوچھا۔

''ایک دم فائن...... بابا آپ نے اس بار اتنے ڈھیر سارے دنوں بعد چکر لگایا ہے۔ میں آپ سے ناراض ہوں۔'' مُسکان نے لاڈ سے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''ارے چندا اُدھر زمینوں کے اتنے بکھیڑے ہوتے ہیں۔ نکلتے نکلتے بھی کتنے ہی کام پیچھے آ جاتے ہیں۔'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

کلف لگی ان کی شلوار قمیض کھڑ کھڑ کر رہی تھی۔ اونچا لمبا قد، بڑی بڑی ہلکی سرمئی آنکھیں، جن میں ہر وقت سرخی رہتی تھی، ان کی شخصیت میں مزید دبدبا پیدا کرتی تھی۔

مُسکان نے بے حد پیار بھری نگاہ باپ پر ڈالی۔ اُسے اپنے بابا بے حد اچھے لگتے تھے۔

''چندا! بھائی سے نہیں ملو گی؟'' بابا جانی نے دور بیٹھے اپنے آپ میں گم اس کے بھائی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیسے ہیں بھیا؟'' مُسکان نے بھائی کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ بلال نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں اس پر گاڑ دی تھیں۔ نک سک سے تیار بلال دُور سے بیٹھا نارمل لگتا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس کی آنکھوں کی وحشت کو دیکھا جاتا تو ایک دم کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوتا تھا۔

''جب آگ سے ایک انگلی چھو جائے تو دنوں چھالا دُکھتا ہے۔ لیکن میرا تو سارا جسم آگ میں جلتا ہے اور کسی کو میرے چھالے نظر ہی نہیں آتے، کوئی مجھے اس آگ سے نکالتا نہیں ہے نہ بچانے آتا ہے تو میں کیوں کر ٹھیک ہوسکتا ہوں؟ میں ایسے میں کیسا ہوسکتا ہوں؟''

بلال اس وقت جانے کس ذہنی رو میں تھا وہ بے حد نارمل طریقے سے باتیں کر رہا تھا۔ آج تو حد یہ تھی کہ وہ اپنی تکلیف اور اس کی حد کو بھی بتا رہا تھا۔

''بھیا اللہ سب ٹھیک کر دیں گے!'' مُسکان نے پیار سے اُس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''ہونہہ! خراب سب کچھ ہم کریں گے اور ٹھیک اللہ کریں گے۔'' بلال بلند سرگوشی میں بولا۔ اُس کے اندر میں پھر سے بے چینی نے سر اُٹھایا تھا۔

''بھیا آپ کے لیے کیا منگواؤں۔ کیا کھائیں گے؟'' مُسکان نے اس کی توجہ ہٹانے کو پوچھا۔

''تم میرے اس جلتے سلگتے جسم کے لیے کہیں سے ٹھنڈک و سکون لاسکتی ہو تو وہ لا دو! لاؤ...... لاؤ دو مجھے سکون۔'' بلال ایک دم چیخنے لگا۔

''میں مر رہا ہوں...... آہ! میں جل رہا ہوں۔'' باہر سے دو نوکر بھاگتے ہوئے آئے لیکن وہ اُن کے قابو میں نہ آ رہا تھا۔

''صادق...... چھوٹے سائیں کو انجکشن دے دو۔ لمبے سفر سے بچہ تھک گیا ہے۔''

مُسکان پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے بھائی کو تڑپتے دیکھ رہی تھی۔ کبھی اس کا یہ بھائی کتنا خوش مزاج اور پیارا ہوا کرتا تھا۔ اب تو اس کی آنکھوں میں پہچان کی شبیہہ تک نہ ہوتی تھی۔

''بابا جانی...... یہ تھکن نہیں ہے، بھیا کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں۔'' وہ بضد ہوئی۔

''ہوں......!'' بابا جانی نے ہنکارا بھرا۔ ان کے سنجیدہ چہرے پر عجیب سی بے چینی تھی۔ بلال کو کمرے میں لے جایا جاچکا تھا۔ اور اب اس کی آوازیں بھی سنائی نہ دے رہی تھیں اس کا مطلب تھا کہ وہ نیند میں چلا گیا ہے۔ بلال تو نیند میں چلا گیا تھا۔ لیکن بلال کی عبرت سامنے ہوتے ہوئے بھی سید سرفراز ابھی تک جاگے نہ تھے۔

ان کے ظلم کی دھاک آج بھی اپنے دس گاؤں پر جاری تھا۔ اتنے عرصے میں انہوں نے اپنی زمینوں کی تعداد دگنی چوگنی کر لی تھی لیکن وہ جان ہی نہ پائے کب اُن کا پیارا بیٹا اپنا سارا سکون کھو بیٹھا تھا وہ اور ان کا ضمیر سوئے ہوئے تھے۔

بلال کو زبردستی سلا دیا جاتا تھا لیکن جب جب وہ جاگتا تھا، اُس کی حالت اُن کو کوڑوں کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تکلیف دیتی تھی۔ اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھانے کے باوجود اُس کی حالت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی جارہی تھی۔

''آخراس کا علاج کہاں کرواؤں؟'' بابا جانی نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

اندر آتی آپا اماں کے چہرے پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

''سید سرفراز......! سب سے بڑا ڈاکٹر تو ایک ہی ہے۔ ساری شفا اور علاج اس سب سے بڑے ا کے پاس ہی ہے لیکن ہر ایک کو کہاں اتنی توفیق ملتی ہے کہ وہ اُس کے پاس جاسکے۔ اور روکر، مانگ کر پاسکے!'' آپا اماں دل ہی دل میں کہتی اُن تک جا پہنچی۔

''السلام علیکم!'' آپا اماں کی آواز بے حد مدھم تھی۔

''ہوں۔'' سید سرفراز ایک دم چونک گئے۔

''آں...... ہاں۔ وعلیکم السلام...... کہو نفیسہ بیگم، ٹھیک تو ہو۔ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' انہوں بنا دیکھے اُسی اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ پوچھا۔

''شکریہ! آپ کی کرم نوازیاں ہمیشہ بہت رہی ہیں! اب کسی اور کرم نوازی کی گنجائش نہیں ہے۔'' اماں کا لہجہ معمول سے مختلف تھا۔

''ہوں۔ ٹھیک ہے!'' پھر بھی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہنا!'' سید سرفراز آپا اماں کے کڑا لہجے کو اکثر پی جاتے تھے۔ آپا اماں ایک کڑی نظر اُن پر ڈال کر باہر نکل گئیں۔ مُسکان کو بچپن سے ا بات عجیب سی لگتی تھی کہ بابا جانی جو کسی ملازم کو جوتے کی نوک پر بھی نہ رکھتے تھے، آخر آپا اماں کو ڈھیل کیوں دے دیا کرتے تھے، جیسے ان سے دبتے تھے۔ بہت سارے سوالوں کے ساتھ یہ سوال اکثر اُسے تنگ کرتا تھا۔

آپا اماں اس کوٹھی کی کُل مختار تھیں۔ ان کے پرسنل اکاؤنٹ بھی تھے۔ اتنی صاحب حیثیت ہو کر ا کی ملازم کیسے ہوسکتی تھیں؟ پھر بابا جانی اور آپا اماں دونوں کے رویے آپس میں عجیب سے تھے۔ ا تھا تصویر کے پس منظر میں، جو اُسے آج تک دکھائی نہ دیا تھا نہ دے رہا تھا۔

❖❖○❖❖

''یہ دیکھو...... کیسی ہے؟'' کاشف نے گولڈ کی موٹی سی چین منزہ کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

''اللہ کتنی خوبصورت ہے! اور بھاری بھی کس قدر ہے اس کا مطلب مہنگی بھی ہوگی۔'' منزہ نے ا ہاتھوں میں لے کر اُس کا وزن کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن بھائی یہ آئی کہاں سے؟'' یہ سوال منزہ سے نہیں بلکہ علیزے کی جانب سے آیا تھا۔ منزہ تو ا تک چین کو دیکھنے میں مگن تھی۔

''بھئی ہے ہماری بھی کوئی چاہنے والی!'' کاشف نے گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔

''بھائی!'' علیزے کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

''بھائی آپ کا لڑکیوں سے تحفے لینا۔ یہ سب بہت بُری بات ہے۔'' علیزے نے ناگواری سے ا کے ہاتھ میں موجود چین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کوئی اُن سے زبردستی کہتا ہوں کہ مجھے تحفے دیں یا میں نے ان کے سر پر کوئی گن رکھی ہوتی ہے! یہ سب کچھ وہ اپنی مرضی سے دیتی ہیں۔'' کاشف بات کرتے کرتے کمرے کی دیوار سے لٹکے شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنا جائزہ لینے لگا۔

''بھائی اللہ نے آپ کو بے حد اچھی شکل دی ہے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے۔ آپ شکر گزار ہوں اور اتنا ہی اچھا اپنا کردار بنائیں تاکہ آپ دین و دنیا میں اچھے اور کامیاب انسان بن سکیں۔'' علیزے نے کاشف کو سمجھانے کی ایک کوشش کی تھی۔

''اوئے...... ملانی صاحبہ! دن میں کوئی وقت تو چھوڑ دیا کرو ہم مظلوم قوم سے خطاب کیے بغیر۔ اتنی بار تو اس گھر میں کھانا نہیں ملتا جتنا، تمہارا نیکی اور بھلائی پر لیکچر ملتا ہے۔ کبھی تو ان کی جان چھوڑ دیا کرو۔'' کاشف نے اُس کا مذاق اُڑایا۔ منزہ اور کاشف اس بھونڈے مذاق پر ہنس رہے تھے۔

''بھائی! آپ یہ بھی تو سوچیں جس سے آپ فلرٹ کرتے ہیں، وہ بھی کسی کی بہن ہوگی۔'' علیزے نے اُس کو غیرت دلانے کی کوشش کی۔

''ہاں ہوگی...... کیوں نہیں! لیکن وہ میری بہن تو نہیں ہے ناں!'' کاشف نے ہنستے ہوئے منزہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

''بہنوں کے بھائی تو بہت محتاط ہوتے ہیں۔ ہر وقت ڈرنے والے کہ اُن کا کوئی غیر محتاط قدم اُن کی بہنوں کے لیے کانٹوں کا رستا نہ بن جائے۔ آپ کیسے بھائی ہیں؟ علیزے نے دکھ و تاسف سے کہا۔

''ارے بابا۔ میں تو تم لوگوں کا گریٹ بھائی ہوں، بالکل بھی دقیانوسی نہیں ہوں۔ پھر دیکھو اپنے تحائف بھی تم لوگوں سے بانٹ لیتا ہوں۔'' وہ بولا۔

بعض لوگوں نے اپنے دل و روح پر تالے لگائے ہوتے ہیں۔ اچھی اور بھلائی کی بات اُن کے کانوں سے ہی پلٹ آتی ہے کوئی خیر کی بات اُن کے دل و دماغ تک کم ہی اُتر پاتی ہے۔ کاشف بھی بالکل ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ خود پسند، بے حد لالچی اور خود غرض...... اللہ نے اس قدر پیاری شکل دے رکھی تھی کہ لڑکیاں اُس کی جانب کھنچی چلی آتی تھیں اور وہ اپنی پرسنیلٹی کا غلط فائدہ اٹھاتا تھا۔ گفٹ بٹورنا، لڑکیوں سے اچھی جگہ ڈنر، لنچ لینا اُس کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور اس مشغلے میں کوئی حائل ہو، یہ اُس کو ہرگز پسند نہ تھا۔ اس لیے گھر میں اُس کی اگر منزہ سے بہت بنتی تھی تو علیزے سے ہرگز نہ بنتی تھی۔ لیکن علیزے بھی اپنے نام کی ایک تھی وہ ہر وقت ہر غلط بات پر بہن اور بھائی کو ٹوکتی تھی۔ اس کا ایمان تھا کہ اگر وہ غلط پر خاموش رہتی ہے تو وہ بھی غلط میں شامل ہو جائے گی۔ اور زندگی میں غلط راستہ ہرگز اُس کی چوائس نہ تھا۔ اُس کی شفاف آنکھیں اور روح بہت الگ اور سچے راستوں کے حامی تھے۔ بے شک وہ حُسن آرا اور انور صاحب کی سب اولادوں سے بے حد مختلف تھی۔ اُسے اپنی کم معاشی حیثیت پر کبھی شرمندگی نہ ہوتی تھی۔ اچھے حالات کی وہ بھی خواہش مند تھی لیکن اپنی دعاؤں اور کوششوں کے ذریعے وہ اسے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ کاشف اور منزہ کی طرح اپنی شکلوں کو کیش کروانے کے کسی شارٹ کٹ پر ایمان ہرگز نہ رکھتی تھی۔

سیدھا راستہ بے شک لمبا اور دشوار ہوتا ہے لیکن منزل کو پانے والے ہی تو اس راستے کے راہی ہوتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں! یہ اس کا یقین تھا۔

❖❖○❖❖

''کیا آپ کو میری کوئی بات بُری لگی ہے؟ میں جب بھی آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں آپ مجھے نظرانداز کرتی ہیں پہلے مجھے محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن اب اکثر میں غور کرتی ہوں کہ آپ مجھ سے ہی بات کرنے سے کتراتی ہیں۔ٹھیک ہے اگر آپ مجھ سے دوستی نہیں رکھنا چاہتیں تو مجھے بتادیں۔لیکن...... اس طرح میں ہرٹ ہوتی ہوں۔'' نگینہ کی آواز بھرا گئی۔

''آج تک سب میرے دوست رہے ہیں۔ میں ہمیشہ سب کے ساتھ اچھی رہی ہوں، میری ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ مجھ سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔کیا میں نے آپ کو ہرٹ کیا ہے؟ مجھے ایک بار وجہ ضرور جاننی ہے۔ میں جتنے پیار سے آپ کی طرف بڑھتی ہوں، آپ اُس سے دُگنا چوگنا سرد مہری کا رویّہ دکھاتی ہیں...... کیوں۔؟ کم سے کم وجہ تو مجھے معلوم ہو۔'' نگینہ نے چپ چاپ بیٹھی ترنم سے پوچھا۔

ترنم اُس پیاری سی شفاف لڑکی کو دیکھتی رہ گئی۔ترنم کو اکثر اُس میں کسی کی جھلک دکھائی دیتی تھی، ترنم کو یہ لڑکی بہت زیادہ اچھی لگتی تھی، وہ اپنے ناپاک وجود کا سایہ تک اُس پر پڑنے نہ دینا چاہتی تھی اس لیے اُسے اگنور کرتی تھی۔لیکن آج اس معصوم اور پیاری سی لڑکی نے اتنی سادگی سے اُسے گھیرا کہ وہ پھنس کر رہ گئی تھی۔

''نہیں نگینہ......تم بہت اچھی ہو۔تمہارا تو رتی بھر بھی قصور نہیں ہے۔مشکل یہ ہے کہ میں تھوڑی سی بھی اچھی نہیں ہوں۔'' ترنم کی آواز میں بے حد دکھ تھا۔

چھوڑتا نہیں دل کو ایک سخت پچھتاوا
کتنا پانی لگتا ہے اک گناہ کو دھونے میں

تم پلیز میرے رویے کا برا نہ مانا کرو۔ میں کوئی ایسی اہم نہیں ہوں، جس کے رویوں اور دوستی کی تم پروا کرو۔'' کہتے کہتے ترنم کا لہجہ ایک دم سخت ہوگیا۔

وہ کسی طور نگینہ کو اپنے قریب نہ آنے دینا چاہتی تھی۔لیکن ماہ رخ کی حُسن پرست طبیعت اور آپا کی ہدایات کہ خوبصورت لڑکیوں کو اپنے حلقہ دوستی میں شامل کرو۔جس کی وجہ سے کالج کی بہت پیاری اور موہنی صورتیں اب اُن کے اردگرد رہنے لگی تھیں۔ ماہ رخ جس قدر موڈی تھی اُس سے زیادہ دوست رکھنے کا فن جانتی تھی۔اسی وجہ سے وہ پاپولر شخصیت کے طور پر کالج کی لڑکیوں کی نظر میں تھی۔

نگینہ کا ان کے قریب آنے میں بھی ماہی کا ہاتھ تھا۔لیکن یہ بے حد سادہ لڑکی زیادہ تر ترنم کو بلاتی تھی۔ترنم کو اس کی بے حد بھولی اور معصوم صورت بار بار اُسے خود سے دور رکھنے پر مجبور کرتی تھی۔

''ہم تو وہ بُرا وائرس ہیں، جس کے پاس سے بھی نہیں گزرنا چاہیے یہ تم لوگوں پر فرض ہے کہ تم ہم لوگوں سے بچ کر رہو۔'' ترنم نے بہکے بہکے انداز میں کہا۔

نگینہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔کوئی اس طرح بھی خود کو برا کہتا ہے؟ اُس کا بے حد معصوم ذہن بوکھلا کر رہ گیا۔

''ترنم! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟'' نگینہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''میری بات غور سے سنو۔'' ترنم اونچے چبوترے پر بیٹھی نگینہ پر جھکی، اُس کے وجود سے مخمور کردینے والی خوشبو اُٹھ رہی تھی، جو ترنم کی طرح ہی سحر انگیز تھی۔''تم مجھ سے ایک دن کے فاصلے پر رہو اور ماہ رخ سے تو ہمیشہ ایک صدی کے فاصلے پر! یہ تمہارے لیے سب سے اچھا ہے۔اور اچھے لوگوں کو برے لوگوں سے بہت بچنا چاہیے۔'' ترنم نے نگینہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''جی!'' نگینہ نے حیرانی و معصومیت سے کہا۔

''ہاں جی!'' ترنم نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا اور وہاں سے چل دی۔

نگینہ اُس کی باتوں پر غور کرتی، اُلجھی اُلجھی نگاہوں سے اُسے جاتے دیکھتی رہ گئی۔

❖❖○❖❖

''بھیا یہ والا نہیں، وہ سبز نگینوں والا دکھاؤ!'' اس کی آواز میں بے حد خود اعتمادی تھی اس کے علاوہ خوشیوں کے وہ سارے رنگ، جو اُس کے چہرے پر دکھائی دے رہے تھے۔اُس نے اُس عام سی لڑکی کو بے حد جاذب نظر بنادیا تھا۔

ترنم جو کتنی ہی دیر سے عدم دلچسپی سے بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی اس کومل آواز پر متوجہ ہوئی۔

یہ ایک بہت بڑی جیولری شاپ تھی۔ترنم اس وقت منسٹر کے بیٹے کے ساتھ یہاں موجود تھی۔

خاور عمر میں کم تھا۔ترنم کے عشق کا بھوت اُس پر نیا نیا سوار ہوا تھا۔میڈم چاندنی اُس کی اس دیوانگی اور ناتجربے کاری کو زیادہ سے زیادہ کیش کرانے کے موڈ میں تھی۔اس لیے وہ خاور کو مسلسل ترنم کو شاپنگ کروانے بھیج رہی تھی۔

آج نکلتے ہوئے میڈم نے خاور کے کانوں میں ڈالا تھا کہ ترنم کو ڈائمنڈ اور وائٹ گولڈ کی جیولری بہت پسند ہے اور وہ پاگل دیوانہ ترنم کو سیدھا جیولر کے پاس لے آیا۔سارے راستے خاور کی حماقت بھری باتیں اور دست درازیاں ترنم کو کوفت میں مبتلا کرتی رہیں۔

یہاں جیولر کے ہاں آکر بھی اُس کی کوفت میں کمی نہ ہوئی تھی۔تب ہی اُس نے یہ کومل سی آواز سنی تھی۔

وہ لڑکی اپنے باپ بھائی اور ماں کے ساتھ یقیناً اپنی شادی کی جیولری خریدنے آئی تھی۔ ماں نے بہت پیار سے مانگ ٹیکا اس کی مانگ پر لگا کر اُسے دیکھا،۔ترنم کے جسم پر جیسے کوڑے برسنے لگے، منظر گڈمڈ ہونے لگے۔

ماں کی دعاؤں سے اُس کی لڑکی کی مانگ درخشاں ہونے جارہی تھی۔ باپ کی خوشی اُس لڑکی کے ہر گہنے میں خوشیاں بھر رہی تھی۔ بھائی کا مان اُس لڑکی کے قدم زمین پر مضبوط کرنے والا تھا۔ مانگ ٹیکا، چوڑیاں، پازیب ہر ہر گہنہ دعاؤں سے بھرا پڑا تھا۔

ایک وہ تھی، جس نے دعاؤں بھری چھاؤں پر خود لات ماری تھی۔

اب بد دعائیں کسی چڑیل کا روپ دھارے اُس کے تعاقب میں تھیں وہ چاہ کر بھی ان سے پیچھا نہ چھڑا پارہی تھی۔ترنم نے اک رشک بھری نظر اُس لڑکی پر ڈالی۔

''ہم جیسے لوگوں کے ساتھ اتنا ہی برا ہونا چاہیے۔'' اُس نے خود کو پھٹکارا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ترنم جانو! دیکھو یہ والا سیٹ تم پر بہت اچھا لگے گا۔'' خاور اُسے بلا رہا تھا۔
''ویسے ترنم پر ہر گہنہ ہی اپنی قیمت پر بڑھوالیتا ہے۔'' وہ شوخی سے اُس پر جھکا۔
''اُلو کا پٹھا!'' اک سرد نگاہ اُس پر ڈالتے ہوئے ترنم منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔
''کیا کہا؟ تم مجھ سے کچھ کہہ رہی تھی؟''
''ہاں میں تمہاری تعریف کر رہی تھی۔ کیا ٹیسٹ پایا ہے تم نے!''
''میری تعریف؟'' خاور کو اپنے پکے سانولے رنگ کا شدید کمپلیکس تھا۔
''کیوں؟'' وہ خوش ہونے کے بعد پریشان ہوگیا۔
''وہ اس لیے کہ تمہاری چوائس بہت اچھی ہے۔'' ترنم ایک دم سنبھلی۔ میڈم چاندنی نے اس لڑکے کے ذریعے جو جو کام کروانے تھے، اس کی با قاعدہ فائل بنا کر ترنم کو دے رکھی تھی۔ بہر حال اُس کی جاب ہی ڑکے کو ہر حال میں خوش کرنا اور رکھنا تھا۔ اور اُس سے سارے کام کروانے تھے۔
''بے شک میری چوائس بہت اچھی ہے! خاص طور پر ڈائمنڈز کے لیے!'' اُس نے ترنم کا سفید کبوتر جیسا ہاتھ اپنے گہرے سانولے ہاتھوں میں دبوچ کر معنی خیز انداز میں کہا۔
ترنم نے سر جھکا کر اُسے یہ تاثر دیا کہ وہ اس کی باتوں پر شرما رہی ہے۔
''احمق اعظم...... گدھا!'' وہ بڑبڑائی۔
''اوہ...... مائی لو! تم کس قدر مختلف ہو۔ تمہاری یہ حیادار ادائیں مجھے اپنا آپ بھلا دیتی ہیں، میں تمہارا دیوانہ ہوگیا ہوں۔''
''گدھے۔ کیا سارے ڈائیلاگ آج ہی ختم کر دینے ہیں۔'' ترنم نے ایک خوبصورت مسکراہٹ اُس پر اُچھالتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔
''میرا خیال ہے اب چلتے ہیں۔'' ترنم نے سیلز بوائے کی مسکراہٹ دیکھتے ہوئے اُٹھنا چاہا۔
''اوکے! تم جو کہو، بس وہ ہوگا۔'' خاور نے سیٹ پیک کرنے کو کہا۔ عشق کا بھوت اُس کے سر پر کھڑا ناچ رہا تھا۔ وہ کسی غلام کی طرح ترنم کے اشاروں پر چل رہا تھا۔ ترنم خاور کو بل جمع کرواتے چھوڑ کر ونڈو کی طرف آ گئی۔ ویسے بھی اس مرحلے سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔
ونڈو بہت خوبصورت ڈیزائن کی گئی تھی۔ ساری ونڈو میں سمندر کا منظر دکھایا گیا تھا۔ نیلے اور سبز بیک گراؤنڈ' ریتیلا فرش' نیلی اور سبز روشنیاں سمندر کے اندر کا خوبصورت منظر پیش کر رہی تھیں۔ بڑے بڑے شیل بنا کر اُس میں موتی اور جیولری سجا کر پیش کی گئی تھی۔ ایک مرمیڈ لائف سائز کی بنا کر رکھی گئی تھی۔ اس جل پری نے ایک ادا سے ایک بہت خوبصورت ہار پکڑ رکھا تھا۔ خود بھی اس نے بے حد خوبصورت وائٹ گولڈ پہن رکھا تھا۔ نیلی سبز گھومتی روشنیاں جب اُس جل پری پر پڑتیں تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی جنبش محسوس ہوتی تھی اور یوں لگتا تھا کہ سچ مچ کی جل پری سمندر کی تہہ میں بیٹھی کسی خزانے کا خوبصورت ہار دیکھ رہی ہو۔
''Spell bounds یہ بہت خوبصورت، حیران کن اور سحر انگیز ہے، جس کسی آرٹسٹ نے یہ آئیڈیا سوچا اور اُسے اتنے خوبصورت انداز میں پیش کیا، وہ کمال کا تخلیق کار ہے!'' ترنم نے پاس آ کر کھڑے

شاپ کے اونر سے کہا۔
یس میڈم! آپ کی طرح ہمارا ہر کسٹمر ہماری اس ونڈو ڈیزائن کو بہت پسند کرتا ہے۔''
ان لیکٹ اگر اسے باہر سے دیکھا جائے تو یہ اور کمال کا تاثر دیتی ہے۔ اس کے ماحول اور منظر نے ولری کا ڈسپلے بہت خوبصورت بنا دیا ہے۔'' اونر خود بھی اپنی اس ونڈو ڈیزائن سے بے حد خوش اور ن تھا۔
کیا میں اُس بنانے والے آرٹسٹ کا نام جان سکتی ہوں؟'' ترنم نے پوچھا۔
کیوں نہیں! یہ دیکھیں، ڈسپلے کے کارنر پر اُس کا نام لکھا ہے۔ یہ بھی طالب علم ہے لیکن کام بے استادوں جیسا ہے۔''
م کی نظریں نام پر چپکی رہ گئی تھیں۔ اس کا مردہ دل ایک دم دھڑکنے لگا تھا۔
الولی! بے شک وہ عبدالولی کا ہی بنایا ہوا ڈسپلے تھا۔ وہ اس کے دستخط بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔
لمال میرے اندر زندگی دوڑا دیتا ہے، اے مہربان اجنبی! کیا تم جانتے ہو کہ زمانہ جسے ساحرہ کہتا تمہارے سحر میں جکڑی جا چکی ہے۔ اور تم بے خبر ہو اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔
لو ڈارلنگ...... میں اس وقت تنہائی چاہتا ہوں، جہاں میں تم کو اپنے ہاتھوں سے یہ جیولری ں۔ اور پی سی سے اچھی جگہ فوراً کہاں ملے گی۔ اسی لیے میں نے آج وہاں کمرا بک کروایا ہے۔''
ملہ ترنم کو اپنی اوقات میں لے آیا تھا۔ ایک جملے نے اسے اس جلتی بھیانک حقیقت میں لا پھینکا ایک کال گرل ہے۔ اور کال گرل کو کسی سے محبت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کال گرل سے کوئی محبت ہے وہ تو صرف خوش وقتی کے لیے ہے، جس کی اُسے قیمت ملتی ہے۔ وہ کسی بے جان وجود کی لدار کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ خاور کو اُس نے جتنے ڈرنک بنا کر دیے اتنے ہی اُس نے خود چڑھائے لشہ اُسے ہر خیال سے بیگانہ کرتا تھا۔ لیکن جانے کیوں اب نشہ بھی زیادہ کارگر نہ ثابت ہوتا تھا، نیا نیا تھا۔ اس لیے دو تین ڈرنک کے بعد ہی لڑکھڑانے لگا۔
ے خاور! تم مجھے یہاں کیوں لائے؟'' ترنم نے نشے میں پوچھا۔
ں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ ٹھیک سے بول بھی نہ پا رہا تھا۔
ہا! نہیں، نہیں۔!! تم کو تو صرف میرا جسم چاہیے۔ رات ختم بات ختم۔'' ترنم نے طنزیہ لہجے میں

م کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' خاور پر مزید نشہ ہو رہا تھا۔
پچی! میں سچی باتیں کرتی ہوں! ہاہا۔ ہاہا!''
م ایسی بھی باتیں کرتی ہو، مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔'' خاور نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اپنی طرف کھینچا۔
ہ۔!'' ترنم نے نشیلی نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔
مسٹر خاور، سن آف اے منسٹر۔ یہ تمہارا پورا تعارف ہے۔ تم بالکل غلط لڑکی میں الجھ رہے ہو۔'' وہ ل کرسی پر بیٹھ گئی اور گلاس تمام کر لبوں کو لگا لیا۔
ر دونوں ہاتھوں کی گٹھڑی بندھی ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نگاہیں خجل ہیں
زبانیں ورق ہوگئی ہیں
ہم وہی ہیں
جو اپنے گناہوں کی پاداش میں
رات دن ایک دیوار کو چاٹتے ہیں
ہم اُس اُمید پر جی رہے ہیں
کہ شاید دیوار گر جائے
ہم سرخرو ہوں
ہمارے گناہوں کی سب داستانیں
جو ہر اینٹ پر ثبت ہیں
منہدم ہوں
مگر.....
مگر ایسا ہوتا نہیں ہے
یہ دیوار ہر صبح ہم کو
عجب فتح مندی سے
للکارتی ہے
کہاں ہیں مرے ڈھانے والے گنہگار، آئیں، پھر آزمائیں۔
شب و روز اپنی زبانوں کے بوسیدہ خنجر مرے جسم پر آزمائیں۔

ہاہا۔ ہا!'' ترنم بولتے بولتے ہنسنے لگی۔ وہ اتنا ہنسی کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

''تو مسٹر خاور...... تم کو کہاں وہ کچھ ملے گا، جو تمہاری عمر کے لڑکے چاہتے ہیں۔ محبت...... جھوٹی محبت ہی سہی لیکن قسمیں، ایسی وفاؤں کے وعدے میرے پاس نہیں ہیں۔ تم بھی باقی گدھوں کی طرح مردہ جسم کو بھنبھوڑو، اپنے پیسے پورے کرو اور جاؤ۔'' ترنم خود میں نہ تھی۔

''کیوں مسٹر! ارے تم تو گئے کام سے!'' ترنم خاور کے نشے میں بے سدھ بے ہوش وجود کو دیکھتے ہوئے بولی۔

اور پھر جانے اُسے کیا ہوا، وہ ہنستی چلی گئی۔

ہنستے ہنستے ایک دم کمرا سسکیوں سے بھر گیا۔ اب وہ دو زانو بیٹھی اونچی آواز میں رو رہی تھی۔

خاور کرسی پر بے ہوش پڑا تھا نہ وہ کچھ سن سکتا تھا اور نہ اس ساؤنڈ پروف کمرے سے باہر کوئی اُس کی آواز سن سکتا تھا۔

❖❖○❖❖

''گناہ کائنات کی بیماری ہے۔ جس طرح موت سے پہلے انسان بیماریوں کی زد میں آتا ہے اور بیماری انتہا کو پہنچ جانے کے سبب آدمی لاعلاج ہوجاتا ہے تو موت آجاتی ہے۔ اسی طرح قیامت اس

الت برپا ہوگی، جب شرک، کفر، فسوق و فجور ناجائز اور غلط کاموں کی انتہا ہوجائے گی۔

''بہت ساری جانوں اور عزتوں کی قربانی دے کر ہم نے یہ ملک حاصل کیا ہے۔ ہمیں اپنے ملک سے ان ناسوروں کا خاتمہ کرنا ہے، جو ہمارے ملک کی جڑوں کو کاٹ رہے ہیں۔'' طارق نے اپنی بات کے اختتام پر کمرے میں موجود نفوس کے چہروں کو دیکھا۔

ڈائریکٹر صاحب نے اُسے چھ قابل اور ذہین جوان دیے تھے تاکہ وہ اپنے کام کو مکمل کرسکے۔ طارق بہت سخت ٹریننگ اور امتحان کے بعد اس مقام تک پہنچا تھا۔ اس کے اندر کی حب الوطنی ہی اس کی اصل Strength تھی۔ وہ ہمیشہ ہر کیس سے پہلے اپنی ٹیم کے جوش و جذبے کو اُبھارتا تھا۔ آج کی یہ میٹنگ بھی اس سلسلے کی کڑی تھی۔

''کیا میں یقین کروں کہ ہم سب اپنے ملک و قوم کی حفاظت کی خاطر اپنی جان تک لڑا دیں گے؟'' طارق نے سوال کیا۔

''انشاء اللہ!'' کمرے میں چھ نوجوان یک زبان ہوکر بولے۔ اور انشاء اللہ کی گونج اور مضبوطی آنے والے دنوں میں بہت سارے لوگوں کے لیے خطرہ تھی۔

''ہم بہت ساری غلط باتوں پر اکثر بلبلا کر بول اُٹھتے ہیں ناں کہ اس ملک کا اتنا بیڑا غرق ہونے کے باوجود اللہ جانے کس وجہ سے یہ ابھی تک قائم ہے۔ کس طرح یہ بچا ہوا ہے؟ تو اس کی وجہ صرف چند لوگوں کا یقین ہے! وہ برائی سے لڑنے اور ملک کو بچانے کے لیے اپنی جان قربان کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ چند لوگ جو اتنے سارے لٹیروں کا سامنا کررہے ہیں ان کے یقین اور ایمان کی طاقت بہت اعلیٰ ہے، جو آج تک یہ ملک قائم و دائم ہے۔ اگر برائی ہر وقت متحرک ہے تو اچھائی بھی اپنی جنگ لڑ رہی ہے۔ یہ سروائیول کا گیم وہی جیتے گا جو دائیں ہاتھ والوں میں شامل ہوکر اپنی مضبوطی بڑھائے گا!'' طارق نے اپنا دایاں ہاتھ سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔'' چھ لوگوں کا عزم کمرے میں ایک بار پھر گونجا۔

''اوکے تو پھر اپنے کام کی شروعات کرتے ہیں'' طارق نے ایک بریف کیس کھولا۔ لیپ ٹاپ کے ساتھ ملٹی میڈیا آن کرکے لائٹیں آف کردی گئیں۔ یہ سب کچھ باقاعدہ منصوبے کے ساتھ ہو رہا ہے اس کا ٹارگٹ یہ ہے کہ ہمارے ملک کو بم سے نہیں تباہ کرنا بلکہ اس کی تہذیب اور اقدار کو اس قدر ڈیمیج کرنا ہے کہ ہمارا ملک خود بخود ختم ہوجائے!''

طارق کا انکشاف ایک اوپن سیکرٹ تھا۔ ''پاکستان کی تہذیب تباہ کردو، یہ خود تباہ ہوجائے گا!'' آرڈر یہ ہے ان کے مشن کا سلوگن۔ اسکرین پر انگریزی حروف میں یہ تحریر چمک رہی تھی۔

اس کام کے لیے انہوں نے باقاعدہ اپنے کارکنوں کو تربیت دے کر ہمارے ملک میں لانچ کیا ہے۔ ان کارکنوں کو ملک کے اہم شعبوں میں اعلیٰ عہدوں پر تقرر کروایا گیا تھا۔ یہ لوگ غیر ملکی ہیں، یہ پتا کرنا بہت مشکل ہے کیوں کہ ان کے جعلی برتھ سرٹیفکیٹ انہوں نے بنوائے ہوئے ہیں۔ اس ملک کی نیشنلٹی حاصل کرنا تو ویسے بھی آسان ترین کام ہے۔ ''بظاہر مسلمان ناموں کے ساتھ یہ کام کرنے والے زیادہ تر غیر مسلم ہیں۔'' طارق نے ایک اور انکشاف کیا۔ اُس نے اپنی Presentation سے پہلے ٹھیک ٹھاک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کام کیا تھا۔

ان لوگوں نے سب سے پہلے یہاں آ کر پیسے دے کر زیادہ سے زیادہ غدار لوگ خریدے ہیں اور اپنا نیٹ ورک اس قدر پھیلا لیا اور مضبوط کرلیا ہے کہ اس مشن کو پورا کرتے ہوئے ہمارے سامنے بہت سارے ایسے نام بھی آ سکتے ہیں، جن کا معاشرے میں مقام اور عزت ہے، جو ہماری نظروں میں اور ملک کے بڑے ہیں۔

"او کے گائز...... پہلے تو ہم اُن اہم شعبوں کا ذکر کریں گے، جن کو ٹارگٹ کیا گیا ہے۔ ان میں ایجوکیشن، میڈیا اور بطور خاص الیکٹرانک میڈیا قابل ذکر ہے۔ ہمارا ملک بلکہ کوئی بھی ملک سیاست پر بیس نہیں کرتا بلکہ اپنے ایجوکیشن سسٹم پر بیس کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں الیکٹرانک میڈیا کو آہستہ آہستہ آزادی دے کر جو کلچر پیش کیا جارہا ہے، اس کی ایجوکیشن ہماری تینوں نسلوں پر 20 فیصد، 40 فیصد اور 80 فیصد کے حساب سے اثر کر چکی ہے۔

"بیس پرسنٹ والا گروپ اولڈ ایج گروپ کے قریب ہے۔ فورٹی پرسنٹ والا گروپ مڈل ایج گروپ ہے! اور ہمارا کل، ہمارا مکمل سرمایہ ہماری نئی نسل...... وہ ایٹی پرسنٹ والا گروپ ہے۔ ان کا مشن 80 پرسنٹ ابھی حاصل کر چکا ہے۔ یہ ان کا کہنا ہے۔ باقی بیس پرسنٹ رہ گیا ہے! ہماری لڑائی اس بیس پرسنٹ کے لیے نہیں ہے، ہماری لڑائی ہمارے 80 پرسنٹ کے لیے ہے جو ہمارا کل ہے! ہمارا اسی فیصد کل ان کے ہاتھوں میں جا چکا ہے اور حیرت کی بات ہے ہم ہر روز سکون سے سوتے ہیں اور پیٹ بھر کر کھاتے ہیں! حیرت کی بات ہے کہ نہ ہماری نیند اُڑی ہے اور نہ ہی چین حرام ہوا ہے۔

"میں سب کو ان کے لیے مخصوص کردہ شعبے کی فائل دے رہا ہوں۔ آئندہ سے ہم کچھ کوڈورڈ کے ساتھ ایک دوسرے سے رابطہ کریں گے۔ ہر شخص کو اپنے ٹاسک کا کوڈورڈ اور مشن الگ سے دیا جائے گا کسی کو اپنے دوسرے ساتھی کے کام اور اس کی حد کی خبر نہیں ہوگی، آپ الگ الگ آفس میں رپورٹ کیا کریں گے۔

"اینی کوئسچن؟" طارق کی بارُعب آواز کمرے میں گونجی۔

"نو سر۔"

"کوئی شک؟"

"نو سر۔"

❖❖○❖❖

ہر صبح کو
ہر اُجالے کو
حاصل کرنے کے لیے
اندھیرے کاٹنے ہوں گے
اور
صبح اُسے ہی ملے گی

...اس کی ہی جھولی میں طلوع ہوگا
...اندھیرے میں بھی
...آس میں سفر کرے گا
...نہ چھوڑے گا
...نہ چھوڑے گا

...تو روشنی ہے!

...وقت تھا۔ تقریباً سب ہی اسٹوڈنٹ گھروں کو جا چکے تھے، اس لیے سارے کالج میں خاموشی
...ان کو اپنا اسائنمنٹ ہر صورت آج ہی پورا کرنا تھا۔ کل وہ گاؤں جا رہی تھی۔ بابا سائیں خاص
...لیے دو دن سے رُکے ہوئے تھے۔

...روم میں وہ اپنے لائف سائز Souvenir پر کام کررہی تھی۔ لیکن کام تھا کہ پورا ہونے میں
...آرہا تھا۔ سائرہ کو آنی کے ساتھ ضروری کام تھا، اس لیے وہ رک نہ سکی۔ اس لیے وہ
Scu... روم میں اکیلی کام میں محو تھی۔

...صاحب...... میرے ڈائی کا کیا بنا؟"

...میں گونجنے والی آواز بے اختیار مُسکان کا دل دھڑکا گئی۔ مُسکان نے بے اختیار اپنا سر اٹھا کر
...ا۔ سفید شرٹ اور نیلی جینز میں ہلکی ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ بھی وہ دل میں اترے جا رہا تھا۔ اس
...اسے ہمیشہ سے نمایاں بناتا تھا۔

...بھیا تم لوگ تو ماسٹر صاحب کو مشین سمجھتے ہو کہ بٹن دبایا اور کام ہوگیا۔ بھیا، ڈائی کو بننے اور
...وقت لگتا ہے۔" بوڑھے ماسٹر صاحب نے اپنی عادت کے مطابق اونچا بولتے ہوئے کہا۔

...ماسٹر صاحب خفا نہ ہوں، میں انتظار کرلیتا ہوں۔" ولی نے نرم لہجے میں کہا اور وہیں پڑے
...ل پر بیٹھ گیا۔

...آپ! السلام علیکم!" ولی نے خوشگوار لہجے میں مُسکان کو مخاطب کیا۔ مُسکان کے تو ارد گرد
...ول کھل اٹھے تھے۔ ولی نے دو سالوں میں پہلی بار اُسے خود سے بلایا تھا۔ نہ صرف بلایا تھا
...کر ایک شناسا مسکراہٹ بھی اُچھال چکا تھا۔

...السلام، آپ کیسے ہیں؟"

...آپ!" ولی اس وقت بہت ایزی موڈ میں تھا۔ اس کی نگاہوں کی ہر وقت کی اجنبیت بھی اس
...ی مُسکان کو یہ سب کچھ خواب لگ رہا تھا۔

...رہی ہیں؟" ولی نے اس کے Monument کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

...آخری ڈیٹ تین دن بعد کی ہے۔ میں آج رات اپنے گھر جارہی ہوں، اس لیے اس کو ہر
...کرنا ہے۔" مُسکان نے کام کرتے ہوئے کہا۔

"...... اس کا تو ابھی کافی کام رہتا ہے۔" ولی نے Monument کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں جی...... یہ تو ہے۔" مُسکان کو بھی کام آج مکمل ہوتا نظر نہ آ رہا تھا۔

"کیا یہ والا بھی آپ کا ہے؟" ولی نے **Souvenir** کی جانب اشارہ کیا۔

"جی!" مُسکان کچھ کنفیوژ ہوگئی تھی۔ شاید اُس کا کام زیادہ اچھا نہیں ہے۔ وہ سوچنے لگی۔

"یہ بہت عمدہ ہے!" ولی نے اُسے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"مُسکان کا ایک دم سیروں خون بڑھ گیا۔

"آپ کو میرا کام اچھا لگا؟" مُسکان حیرت کی ٹرانس میں تھی۔

"آف کورس! اچھا کام تو خود بولتا ہے۔" ولی نے نظر اٹھا کر مُسکان کو نہیں دیکھا تھا، اس کی تو توجہ **Souvenir** کی جانب تھی۔ اگر وہ صرف ایک بار نظر اٹھا کر دیکھتا تو بت بن جاتا۔ جن نظروں وہ اُسے دیکھ رہی تھی، اُس سے تو پتھر بھی پگھل جاتا۔ لیکن مُسکان کی قسمت میں شاید یک طرفہ محبت لکھا تھا تبھی تو ولی نے ایک بار بھی نظر اُٹھا کر اُسے نہ دیکھا تھا۔

ولی! جو اس کی سانسوں میں دھڑکتا تھا۔ اُس کے بے حد قریب کھڑا اُس کے ہی کام کو پکڑے اوزار سے ٹھیک کر رہا تھا۔ ولی کے وجود سے اٹھنے والی خوشبو اُس کے اعصاب پر چھا رہی تھی۔

ایک بار...... کیا ایک بار میری طرف نہ دیکھو گے؟ دل نے دہائی دی تھی۔ اگر میری محبت سچی ایک بار مجھے دیکھے گا۔ اُس کا دل فلمی سچویشن کی طرح شرطیں باندھنے لگا۔

"اگر آپ چاہیں تو میں کچھ وقت آپ کے ساتھ مدد کر دیتا ہوں۔" ولی نے اُس کے لائف **Monument** کے لیے آفر کی۔ وہ اب بھی سر جھکائے **Monument** کی ڈرائنگ دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے پیائش میں کچھ گڑ بڑ کر دی ہے مس مُسکان۔" ولی نے **Monument** کو اور ڈرائنگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مُسکان نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ وہ اپنے دل کی شرطوں اور باتوں پر سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

"تو کیا مجھے اس کو دوبارہ سے بنانا پڑے گا؟" مُسکان نے کچھ پریشانی اور غائب دماغی سے پو

"ارے نہیں...... یہ اچھا ہے۔ فری ہینڈ میں بن کر زیادہ امپریسو ہے لیکن میڈم ملیحہ پیائش کاؤنٹ کرتی ہیں۔ یوں کریں اپنے کاغذ پر پیائش بدل دیں۔" ولی نے اس کا مسئلہ منٹوں میں حل تھا۔

"آپ کا بے حد شکریہ! آپ نے اتنے اہم پوائنٹ کی جانب میری توجہ دلائی۔" مُسکان بھرے لہجے میں کہا۔

"ارے شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو آفر کی ہے وہ برقرار ہے۔ میں آپ میں مدد کروا دیتا ہوں۔ آج میں بھی ہر اسائنمنٹ جمع کروانے کے بعد فارغ ہوں آپ کی ہو جائے گی اتنے میں میری ڈائی بھی تیار ہو جائے گی۔" ولی کا دوستانہ لہجہ، اس کی مدد کی آفر! مُس ایک خوش فہمی میں مبتلا کر رہی تھی۔ ہر وقت ریزرو سا رہنے والا ولی آج کتنا مہربان تھا۔ آج پہلی اُس سے بات کر رہا تھا۔

تو کیا......! کیا اُس کی خاموش محبت کی تپش نے پتھر کو پگھلا دیا ہے؟ کیا اس کی پرزور دعا

اس کا رُخ موڑ دیا ہے؟ کیا واقعی ایسا ہونے جا رہا ہے؟

سوچتے ہی اُس کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی۔ کیا واقعی۔ میری دعاؤں کو قبولیت ملنے والی

ال اُسے خوش فہمی کی دنیا کی جانب کھینچ رہا تھا۔ خوش رنگ دنیا کی جانب!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرے فکر و عمل کا سلسلہ
اب رُک نہیں سکتا
میں راہ حق میں کٹ سکتا ہوں
لیکن جھک نہیں سکتا
حسین ابن علی کے راستے کا
اک مسافر ہوں
میں نیزے پر تو سج سکتا ہوں
لیکن بک نہیں سکتا
مرا جذب دروں
میرا محافظ بھی ہے رہبر بھی
میں گرد راہ بن سکتا ہوں
لیکن تھک نہیں سکتا

"لالہ! آپ آخر اتنے دن کدھر تھے؟ نہ کوئی فون نہ کوئی خبر۔ کوئی ایسے کرتے ہیں۔" سالا
سے لپٹی پوچھ رہی تھی۔

طارق کی شیو بڑھی ہوئی تھی، رنگت بھی سنولا گئی تھی وہ پہلے سے خاصا کمزور لگ رہا تھا۔

"میری گڑیا کیسی ہے؟" طارق نے ہاتھ میں پکڑا اسفری بیگ ملازم کو تھماتے ہوئے پوچھا۔

"آپ میرا سوال حسب معمول پی رہے ہیں۔" سائرہ نے منہ پھلایا "ارے! یہاں ا
خراب ہے، لو طارق میاں! تمہاری تو خیر نہیں۔" طارق نے گہری سانس لیتے صوفے سے ٹیک

"ہاہ! ایسٹ اور ویسٹ...... ہوم از بیسٹ!۔" طارق نے باقاعدہ ٹانگیں پھنسا دی تھیں۔

"لالہ! آخر کہاں تھے آپ؟" سائرہ سے برداشت نہ ہو رہا تھا اتنے دن طارق کی غیر ما
بے حد ڈسٹرب تھی۔

"یار دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کا پروگرام بن گیا تھا۔ بس مزے کر کے آ
میں آنی کو بتا کر گیا تھا کہ میرا رابطہ ہونا مشکل ہوگا، اس لیے فکر نہ کیجیے گا۔" طارق نے ہلکے
میں جواب دیا تا کہ سائرہ یقین کر لے۔

جبکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ تو ٹریننگ پر گیا ہوا تھا۔ پندرہ روز کا ریفریشر کورس ساری ٹیم کرنے گئی
تھی، کسی بھی خطرناک مشن سے پہلے ان کی ٹریننگ اور فٹنس کا امتحان ہوتا تھا۔

اتنی کڑی مشقت کی وجہ سے اس کا رنگ سنولا گیا تھا لیکن وہ اس مشقت سے تھکا ہرگز نہ تھا بلکہ اس کا
پرجوش چہرہ اس کے چہرے کے نقوش کو مزید مقدس بنا رہا تھا۔

"ویری فنی! آپ نے اگر کہا کہ فکر نہ کرنا تو ہم فکر کرنا بند کر دیں گے۔" سائرہ نے باقاعدہ اُسے گھیرا۔

"یار اتنے لمبے سفر سے آیا ہوں ابھی معاف کر دو۔" طارق نے بے چارگی دکھائی۔

"ایک شرط پر۔" سائرہ نے فوراً موقعے کا فائدہ اُٹھایا۔

"آپ میری سالگرہ فارم ہاؤس میں منائیں گے، وہاں ہم سب کی پکنک بھی ہو جائے گی اور آپ
سارا وقت ہمارے ساتھ بھی رہیں گے۔ بولیں منظور؟"

"اوں...... یار کہاں پھنس گیا ہوں! ایک بات بتاؤ کیا ساری لڑکیاں اتنی ہی خود غرض ہوتی ہیں۔
" طارق نے شرارت سے پوچھا۔

"لالہ......!" سائرہ نے ایک دم موڈ خراب کر لیا۔

"ارے یار پلیز...... اب تم سن ساٹھ کی فلموں کی ہیروئنز کی طرح آنسو نہ بہانے بیٹھ جانا، جیسا تم کہو
گی میں تیار ہوں، اپنے وقت کی قربانی دینے پر۔ آخر ایک مجبور بھائی جو ہوا!" طارق نے مصنوعی آہ
بھرتے ہوئے کہا۔

"بڑے خراب ہیں آپ......" سائرہ نے اپنی مسکراہٹ روکتے ہوئے کہا۔

"جیسا بھی ہوں بس تیرا ہی عکس ہوں!" طارق گنگنایا۔

"کیا بات ہے لالہ! وہاں کوئی پہاڑی حسینہ تو نہیں ٹکرا گئی تھی؟" سائرہ نے قریب ہوتے ہوئے
پوچھا۔

"کچھ زیادہ تیز نہیں ہوتی جا رہی ہو۔" طارق نے اس کی چھوٹی سی پونی کھینچی۔
پتی بات تھی۔ سائرہ کی بات پر نگینہ کا معصوم سا چہرہ چھم سے اس کے سامنے لہرا تھا۔ اس کے چہرے
پر بہت جاندار مسکراہٹ تھی۔

"ہائے اللہ لالہ...... چھوڑیں!" سائرہ چلائی۔

"پہلے کہو کہ آئندہ سے میں ہمیشہ اپنے لالہ سے حدِ ادب میں رہوں گی۔" طارق نے بھی شرط باندھی۔

"اچھا پہلے چھوڑیں۔" سائرہ نے بال چھڑاتے ہوئے کہا۔

"لو......" طارق نے ہاتھ ہٹا لیا۔

"لالہ......" سائرہ نے شرارت سے کہا۔

"فرمائیں جی!" طارق بولا۔

"میں اس بارے میں سوچوں گی۔" سائرہ ہنستی ہوئی دور صوفے پر جا بیٹھی۔

"بے ایمان۔" طارق بڑبڑایا۔

"لالہ میں مُسکان کو وہاں ساتھ لے کر چلوں گی بلکہ میری برتھ ڈے کے سارے مہمان وہاں تو آئیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔'' سائرہ نے کہا۔

''یوں کرتے ہیں کہ بس اپنے کچھ فیملی فرینڈز کو مدعو کرلیتے ہیں اس طرح رات ٹھہرنے کا انتظام کروادیتا ہوں۔'' طارق نے سوچتے ہوئے کہا۔

''چلیں یہ بھی ٹھیک ہے لیکن میری برتھ ڈے پر ہلّہ گلّہ ضرور ہونا چاہیے، مجھے سیریس اور سوئے ہوئے فنکشن زہر لگتے ہیں۔'' سائرہ نے مطالبہ کیا۔

''ٹھیک ہے تم بھی کیا یاد کروگی۔ میں وَلی کو مناتا ہوں۔ کیا غضب کا وائلن اور گٹار بجاتا ہے، آاا میں تو اس کی جادو ہے۔'' طارق نے پلان بتایا۔

''ہم رات کو بون فائر بھی کریں گے۔'' سائرہ نے پُرجوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے جو مرضی کرلینا۔'' طارق نے اسے اجازت دی۔

''میں ابھی مسکان کو بتاتی ہوں۔'' سائرہ اچھلتی ہوئی فون کی طرف لپکی۔

لو.... اب اس نے دو گھنٹے سے پہلے فون نہیں چھوڑنا۔'' چل یار طارق پہلے آنی سے مل لے اور تو بھی دو گھنٹے کی نیند لے لے۔

لیکن ایک بہت بڑا مسئلہ تھا کہ مسکان کو آپا اماں کیسے اجازت دیں گی۔

''تم یہ بات مجھ پر چھوڑ دو میں اور آنی آئیں گے تمہاری طرف، تمہاری آپا اماں سے بات کرنے۔'' سائرہ نے مسکان کو تسلی دی۔

''ویسے تو تمہارے لیے صرف میرا ہونا ہی کافی ہونا چاہیے تھا لیکن میری سالگرہ کی کمنگ اٹریکشن یہ ہے کہ وَلی بھائی وِد فیملی آئیں گے۔'' سائرہ نے چٹخارے لے کر کہا۔

مسکان کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں۔ دِل کی دھڑکن حسبِ معمول اس دشمنِ جاں کے نام پر سرپٹ بھاگنے لگی، فون پکڑے رکھنا مشکل ہونے لگا۔

''سائرہ ہم کچھ دیر میں بات کرتے ہیں۔ آپا اماں مجھے بلا رہی ہیں ان کا پیغام آیا ہے۔'' مسکان نے خود پر قابو نہ پاتے دیکھ کر بہانہ بنایا۔

''اوکے! میں فون رکھتی ہوں، شام میں ہم تمہاری طرف آئیں گے۔'' سائرہ نے فون رکھتے ہوئے کہا۔

مسکان اپنے بیڈ پر گرنے کے انداز میں آلیٹی، گزشتہ ملاقات اس کے اندر خوابوں کے پودوں کو سرسبز کررہی تھی۔ مسکان کے چہرے پر بہت مدھر مُسکان تھی۔

اُس شام رات تک وَلی اس کے ساتھ رہا اس کے کام میں ہاتھ بٹاتے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا۔

بے شک وہ اپنے کام میں بے حد ماہر تھا۔ جو کام مسکان کو دو دن سے پہلے ختم ہوتا دکھائی نہ دے رہا تھا وہ وَلی کی مدد سے چند گھنٹوں میں تکمیل کے مراحل میں آ گیا تھا۔

مسکان کے Sovinioure کے فائنل ٹچ رہ گئے تھے۔ اس نے ذرا سختی سے کلچر پر اوزار مارا تو اس کا اپنا ہاتھ زخمی ہوگیا۔

''کیا کرتی ہو یار!'' وَلی کا بے تکلفی سے ادا کیا جانے والا جملہ خوش گمانیوں کے دروازے کھول رہا تھا۔ اس نے جیب سے اپنا رومال نکالا اور کہا اس پر یہ باندھ لیں۔

''یہ میں اس لیے دے رہا ہوں کیوں کہ لڑکیوں کے پرس میں رومال کے بجائے ہمیشہ ٹشو پیپر نکلتے ہیں۔'' وَلی نے وضاحت کی۔

مسکان نے اسے چونک کر دیکھا۔ واقعی اس کا خیال بالکل درست تھا۔ مسکان نے آج تک پرس میں رومال نہ رکھا تھا۔

''کیا یہ بات صرف میرے لیے ہے؟ کوئی پھول اس کے اندر کھلا۔'' یہ چند گھنٹے مسکان کی زندگی کے قیمتی ترین لمحات تھے۔

وہ دن میں جانے کتنی بار اس رومال کو نکال کر دیکھتی تھی، اس نے رومال کو دھویا نہیں تھا۔ اس میں سے اس دشمنِ جاں کی مہک آتی تھی۔

وہ ان خوابوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے لگی تھی۔

محبت انسان کو اس قدر بدل دیتی ہے۔ یہ اسے دیکھ کر جانا جاسکتا تھا۔ جب وہ بابا کے پاس حویلی میں تھی تو بے حد ضدی، انا پرست اور من مانی کرنے والی لڑکی تھی لیکن وَلی سے ملنے کے بعد اُس نے اپنی ذات کے یہ مشکل ترین قلعے ہار دیے تھے۔

وہ محبت سے عشق کی جانب بڑھ رہی تھی، جس کی سرحد پر سب سے پہلے اپنی خودی کی ذات فنا ہوتی ہے۔

مسکان ایسے میں جب سامنے دیکھتی تھی تو اُسے کبھی آئینے میں اپنا عکس نظر نہ آیا تھا بلکہ ہر جانب اس کے محبوب کا عکس ہوتا تھا۔

میں پیار تو کرتا ہوں
اظہار نہیں کرتا
اظہار سے ڈرتا ہوں
انکار سے ڈرتا ہوں
میں خواب نہیں تکتا
تعبیر سے ڈرتا ہوں
میں اپنے پیروں کی
زنجیر سے ڈرتا ہوں
مٹی میں ملا جوگی
توقیر سے ڈرتا ہوں
سائے کی طلب ہے اور
دیوار سے ڈرتا ہوں
اظہار نہیں کرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انکار سے ڈرتا ہوں!

وہ دَلی کو چاہنے لگی تھی اس کی خبر اُسے خود دیر سے ہوئی، جب اس نے اپنے اندر اپنے آپ کے بجائے کسی اور کو رہتے بستے دیکھا تو حیران رہ گئی۔ وہ اور اس کا پس منظر محبت جیسے جذبے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

محبت تو آزاد لوگ کرتے ہیں۔ روایات میں جکڑے لوگ محبت کریں گے تو خودکشی ہی کریں گے۔

اور وہ تو دو دو سُولیوں پر چڑھی ہوئی تھی۔ روایات کی سُولی اور دَلی کی بے خبری، بے نیازی کی سُولی ہر پل دَم اٹکا رہتا تھا۔

اور وہ جو محبوب تھا جانے کیوں ہر پَل اُسے اپنے سے دور کھڑا نظر آتا تھا اور جب کبھی وہ اس کی قربت کا سوچتی تو یوں ہی اس کا دِل بے قابو ہوکر سرپٹ بھاگا کرتا تھا۔

دَلی کا سامنا کرتے اس پر گھبراہٹ طاری ہوجاتی تھی اور جب وہ نظر نہ آتا تو اس کی سانس رکنے لگتی۔

یا اللہ!

یہ کیا احساس ہے؟

کیا محبت ایسی ہوتی ہے۔

ہر وقت اندر آگ لگائے رکھتی ہے؟

سارے منظر غائب ہوجاتے ہیں اور بس وہ اور وہی دکھائی دیتا ہے!

یا اللہ! آخر کب تک میں اس سُلگن کو اکیلے سہوں گی!

اے اللہ! تو اس کے مَن کے دروازے کھول دے!

اے اللہ! وہ جو اس جذبے سے بے نیاز ہے اس کے مَن میں بھی یہ جذبہ اُتار دے۔ اللہ اب یہ بے قراری سہی نہیں جاتی!

اللہ! تو دَلی کے مَن میں محبت جگادے، اس کے دِل کو اس درد سے روشناس کرادے۔ پلیز اللہ میاں، دَلی کو محبت ہوجائے۔

مسکان نے اس قدر جذب سے دعا مانگی کہ اس کی دعا قبولیت کی حد پر کھڑی ہوکر مسکرانے لگی۔

یہ انسان کیسا پاگل ہے کہ کامل دعا بھی نہیں کرتا اور پھر دوش قبول کرنے والے کو دیتا ہے۔

مسکان نے دَلی کو محبت ہوجانے کی دعا کی تھی۔ لیکن یہ دعا نہ کی تھی کہ یہ محبت دَلی کو مسکان سے ہی ہو۔

❖❖O❖❖

دیتے آئے ہیں میرے درد کی قیمت مجھ کو
اتنے ہمدرد ہیں کیوں لوگ نہ جانے میرے

ٹھیک ہے ملک صاحب! اب آپ ہمارے پرانے قدردان ہیں۔ آپ کی کہی کیوں ہم موڑیں گے۔ اجی آپ کا حُکم سر آنکھوں پر۔ اوکے بائے۔" چاندنی میڈم نے موبائل آف کرکے لڑکیوں کی جانب

"تم چاروں کی ڈیمانڈ آئی ہے..... ملک صاحب کے کچھ غیر ملکی اور پڑھے لکھے دوست پارٹی میں ہیں ان کو کمپنی دینے کے لیے نفیس اور پڑھی لکھی لڑکیاں چاہیں۔ دیسی لڑکیاں نہ ہوں وہ کم بخت ایسے کہہ رہا تھا، جیسے خود تو امریکا میں پیدا ہوا ہو۔" چاندنی میڈم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ترنم، ماہی، سلونی، پری اور انیتا..... تم لوگ پرسوں رات کی پارٹی کے لیے تیار رہنا۔ مائیکل اور ملن تم لوگوں کے ساتھ جائیں گے۔ پہلے پے منٹ لیتی ہے اور پھر لڑکیاں ڈراپ کرنی ہیں۔ کم بخت پارٹی کرنے والے لوگ عورت کو بھی جانور جانتے ہیں۔ پچھلی بار میں نے بڑا نقصان اُٹھایا تھا۔ تم اور فاخرہ ڈانس کے لیے گئی تھیں اور پے منٹ بھی اسی کی ہوئی تھی۔

لیکن بعد میں وہ لڑکیوں سے غیر اخلاقی حرکتوں پر اتر آئے، ریشم تو پولیس میں رپورٹ لکھوانے پہنچ گئی آگے سے وہ پولیس والا بولا کہ تمہارا کیا گیا؟ تم تو دھندہ ہی یہ کرتی ہو پھر کس بات کی رپورٹ! اگر کال گرل کو اس کی مرضی کے بغیر لے جایا جائے گا تو کیا اس کی عزّت نہیں لٹتی؟" چاندنی میڈم اپنے لہجے میں بے حد درد سمو کر کہا، جیسے وہ ان سب لڑکیوں کی بے حد ہمدرد ہو۔ ترنم کو دِل ہی دِل ہنسی آرہی تھی۔

"اگر یہ ہی بھیڑیے پیسے دے کر لڑکی کی بوٹی بوٹی نوچ لیں تو وہ جائز ہے۔"

"ہونہہ! پیسے کی بندریا! جہاں سکّہ گرا، وہیں ڈگڈگی پر ناچے گی!"

"آپا یہ وینیو (Venue) اتنی دور ہے اور سفر بھی بائے روڈ! ہائے میں تو تھک جاؤں گی۔" پری نے الت سے کہا۔

پری بمشکل اٹھارہ سال کی تھی لیکن اس کی ادائیں اتنی قاتل تھیں اوپر سے کم عمر بھولا سا سوہنا سا ..... کہ اس کی دنوں میں ڈیمانڈ بڑھ گئی تھی۔

پری اسی ماحول کی پروردہ تھی اس کی ماں فلموں میں ایکسٹرا کا کام کرتی تھی، معمولی شکل صورت رکھنے والی ماں کی بیٹی کا رنگ روپ بڑا سنہرا تھا۔ ماں نے اس کی اُٹھان دیکھتے ہی چاندنی میڈم کے ہاں اُسے داخل کروادیا۔ اب اس کے اندھیرے دنوں کو اس کی بیٹی کے سنہرے روپ نے سُونا کردیا تھا۔

پھر اس کی ماں کا برسوں کا خواب کہ وہ ہیروئن بنتی! لیکن ساری عمر پروڈیوسروں کے ہاتھ کھلونا بن کر بھی اُسے کبھی سائیڈ ہیروئن کا رول نہ ملا۔ ایسے میں اس نے تھک ہار کر ایک میک اپ مین سے شادی کرلی۔ پری کے پیدا ہوتے ہی شکیلہ کو آس لگ گئی کہ اب دن پھر جائیں گے۔ پری تین سال کی تھی کہ شوہر جو نشہ کرتا تھا، کسی سے نشے میں لڑ پڑا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

ایسے میں شکیلہ نے لو (LOW) درجے کی کال گرل کی زندگی گزاری تھی۔ اب پری سے میڈم چاندنی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے سپر اسٹار بنا کر دم لیں گی۔ اب جیسا میڈم کہتی تھیں وہ ان کے اشاروں پر چلتی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے اپنی اہمیت کا بھی احساس تھا اس لیے اس کے نخرے بھی زیادہ تھے۔ ماہی آپا کی سب سے لاڈلی لڑکی تھی لیکن پری کے آجانے پر ماہی کو اکثر اپنی اہمیت میں کمی کا احساس ہوتا تھا۔ اس لیے پری اور ماہی کی اکثر دُھواں دھار لڑائیاں ہوتی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہ مائی گاڈ! یہ سرفراز میں کس قدر جہالت ہے۔" عبداللہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم میرے پیچھے آؤ، میں وہاں پہنچتا ہوں۔" سیّد عبداللہ نے ایڑ لگا کر گھوڑا آگے بڑھایا۔

"منشی! روکو اس سارے تماشے کو۔" سیّد عبداللہ کی آواز پر ایک دم حویلی کے بندوں کے ہاتھ رک گئے۔

"سائیں عبداللہ!"

"سائیں عبداللہ آ گیا ہے اب دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مجمع میں سرگوشیاں ہوئیں۔

"لیکن سائیں! یہ چھوٹے سائیں کا حکم ہے۔" منشی نے گھبراتے ہوئے اپنی مجبوری بتائی۔

"یہ کون سا طریقہ ہے وصولی کرنے کا۔" عبداللہ نے نیچے اُترتے ہوئے کہا۔

"اس بیچارے کو کیا جان سے مارنا تھا؟" سیّد عبداللہ نے لہولہان میرو کو سہارا دے کر بٹھایا۔

"کوئی پانی لاؤ اس غریب کے لیے!" عبداللہ نے آواز دی، دینو کی بیوی کٹورے میں پانی بھر لائی۔

"اللہ تجھے ہمیشہ خوش رکھے۔ آج تو نے اس مائی کے بیٹے کو بچا کر بڑا احسان کیا ہے رب سائیں تجھے لمبی حیاتی دے۔" میرو کی ماں نے برستی آنکھوں کے ساتھ اسے دعا دی۔

"دیکھو کتنا اچھا ہے، بھلا اپنے مزارعوں کو بھی کوئی یوں اپنے ہاتھوں سے اُٹھاتا ہے۔" ہر جانب اس کے لیے توصیف تھی۔

"سائیں! اب میں چھوٹے سائیں کو کیا جواب دوں گا؟" منشی سیّد سرفراز سے بہت ڈرتا تھا۔

"اس سے کہہ دینا کہ میں نے منع کیا تھا اور اگر پیسے کی اتنی ضرورت ہے تو تم ابھی میرے ساتھ چلو بیس ہزار میں دے دیتا ہوں۔"

"سائیں! پچیس کا میرا اناج ٹھیکیدار خرید رہا ہے تم دس ہزار ہم سے کل لے لو، باقی دس ہزار میں بعد دے دوں گا۔" دینو نے آگے بڑھ کر فٹا فٹ کہا۔

"اور اُوپر کا پیسہ پندرہ ہزار تمہارا باپ دے گا۔ سائیں کو دیکھ کر زیادہ ہوشیاری دکھاتا ہے اصل یہ بتا دیا اُوپر کا نہیں بتایا۔" منشی نے دینو کو لتاڑا۔

"سائیں پچھلے پانچ برس سے دو ہزار مہینہ دے رہا ہوں، گھر کی حالت اتنی خراب ہے کہ نہ پوچھو۔ [illegible] بھی پیچھے نہیں بچ رہا، اتنا پیسہ دے کر بھی اصل پیسے کا ایک روپیہ آج تک میں ادا نہیں کر پایا۔" دینو نے روتے ہوئے کہا۔

"یا میرے اللہ اتنی کرپشن! وہ بھی میرا بھائی کر رہا ہے۔" سیّد عبداللہ کو دلی دکھ ہوا۔

"منشی! اس کا سارا پیسہ میں ادا کروں گا، تم سرفراز سے فی الحال کوئی بات نہیں کرو گے ورنہ بات بتنگڑ بنے گا۔" عبداللہ نے منشی کو خاص ہدایت دی۔

"جی سائیں!" منشی کی مری مری آواز نکلی، وہ ملازم تھا اور دو مالکوں کے درمیان اسے اپنا وجود پھنستا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ اگر سیّد سرفراز کو نہ بھی سارے واقعہ کی خبر کرے لیکن یہ بات کسی نہ کسی سے سیّد سرفراز تک تو جانی ہی تھی اور اس کے بعد اس کی اپنی کم بختی آنی تھی۔

سیّد سرفراز اور سیّد عبداللہ باپ کی طرف سے سگے بھائی تھے لیکن ان کی مائیں سوتیلی تھیں۔ سرفراز

ریحانہ بی بی کی اولاد تھا اور اکلوتا تھا۔ عبداللہ سے پانچ سال چھوٹا تھا۔ وہ ریحانہ بی بی کے ہاں سترہ سال بعد پیدا ہوا تھا۔ تھا تو وہ بڑی بی بی کا بیٹا لیکن دیر سے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ چھوٹا بیٹا کہلاتا تھا۔

زلیخا بی بی سے سدرہ بی بی، مریم بی بی اور سیّد عبداللہ تھے۔ زلیخا بی بی ست بھرائی تھیں اور اپنے ساتھ اس گاؤں لائی تھیں اس لیے اولاد اور مال کے معاملے میں بے حد خوش قسمت تھیں۔ سیّد عبداللہ، سیّد عبدالوہاب کا وَلی عہد بنا تھا۔ زلیخا بی بی بے حد خوب صورت اور خوب سیرت تھیں۔ یہ وصف ان کی اولادوں میں بھی پایا جاتا تھا۔

زلیخا بی بی کا پلڑا بھاری دیکھ کر ریحانہ بی بی نے ساری عمر زلیخا بی بی سے بیر پالا اور یہ بغض اپنے بیٹے کے دماغ میں بھی ڈالا تھا۔ سیّد سرفراز نہایت اڑیل اور بدتمیز تھا۔ تعلیم میں اس کا دل نہ لگا، جوں جوں وہ جوان ہوا ماں کی شہ، طاقت اور دولت کا استحقاق دیکھ کر وہ مزید خود سر ہوتا چلا گیا۔ سیّد عبدالوہاب اس کے معاملے میں کم ہی بولا کرتے تھے۔ بہرحال اس نے زمینوں کا کام بے حد اچھے طریقے سے سنبھال رکھا تھا اس لیے اس کے کئی غلط شوق وہ نظر انداز کر دیتے تھے۔

❖❖○❖❖

"بھائی صاحب کو میرے کسی کام میں دخل دینے کی ضرورت کیا ہے۔" سرفراز نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

ذرا اماں کرا! دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، میں تو پورا شریکہ لیے بیٹھی ہوں۔"

"کچھ بھی ہو اماں جان! میں کسی کی بھی دخل اندازی اپنے کام میں پسند نہیں کرتا۔" سیّد سرفراز کا غصہ نیچے ہی نہیں آ رہا تھا۔ "دیکھ تو یوں ہر بات میں اس طرح کی اڑی کرے گا تو وہ اپنی زمینوں کا کام میرے پاس رہنے دے گا کیا؟ ابھی تک وہ اپنی زمینوں سے دور ہے اُس کو دلچسپی ہی نہیں ہے۔ لیکن اس زمین کا اصل وارث تو وہ ہی ہے ناں! یہ اُس کی ماں کی زمین ہے اس میں تیرا ذکر بھی نہیں ہے لیکن عبداللہ کی عدم دلچسپی کی وجہ سے زمینوں کے سارے معاملے تیرے ہاتھ میں ہیں، سال بھر کا مال نفع تیرے پاس جمع ہوتا رہا ہے اس کا حساب کبھی کسی نے نہیں لیا تو اگر یوں بات بات پر اُس سے اُلجھے گا تو تیرا ہی نقصان ہے۔" ریحانہ بی بی نے بیٹے کے غصے کو کم کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن اماں جان میں کسی کے زیر رہ کر جی نہیں سکتا۔" سیّد سرفراز نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر پُتر اس کے لیے ذہن لڑا، جو تیرے پاس ذہن ہے وہ عبداللہ کے پاس نہیں۔" ریحانہ بی بی نے خود ہی بیٹے کو غلط راہ دکھائی۔

"کیا یہ سب کچھ میرا ہو سکتا ہے؟" سیّد سرفراز کو ہر وقت عبداللہ کے نام کی لٹکی تلوار سے ڈر لگتا تھا۔

"سیّد عبداللہ کے نام کے دس گاؤں کی زمین پر وہ اپنا حق سمجھتا تھا ہر وقت ان زمینوں کو اپنے نام منتقل کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ مجھے کسی بھی طرح زمینیں حاصل کرنی ہیں۔ کر تو میں شاید بہت پہلے لیتا۔ بس بابا سائیں کا لحاظ آ جاتا ہے۔ پھر بابا سائیں کا کیا پتا کہ اپنی زمینوں سے مجھے ہی بے دخل کر دیں۔ یہ کام ایسے کرنا ہوگا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" سیّد سرفراز کا شیطانی دماغ تیزی سے تانے بانے بُن رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

❖❖○❖❖

''اے زبیدہ! تیرا دھیان کدھر ہے؟'' مریم بی بی نے زبیدہ کو ہلا کر پوچھا۔ سیّد سرفراز ابھی ابھی زنان خانے سے ہو کر گیا تھا۔

زبیدہ کے چہرے پر کتنے ہی خوبصورت رنگ آن ٹھہرے تھے۔ سیّد سرفراز کی بولتی نظریں بتاتی تھیں کہ آگ برابر کی لگی ہے۔ وہ ملک احتشام (سپرنٹنڈنٹ) جج کی بیٹی تھی۔ سیّد عبدالوہاب ملک احتشام کے بڑے گہرے دوست تھے۔ ملک احتشام جب جب گاؤں اپنے والدین سے ملنے آتے تو سیّد عبدالوہاب کی حویلی آنا کبھی نہ بھولتے تھے۔ سدرہ بی بی اور مریم بی بی دوسرے گاؤں میں موجود اسکول سے میٹرک کر کے اب گھر بیٹھی تھیں۔ ان کے لیے پردے والی خاص گاڑیوں کا انتظام کیا جاتا تھا۔

ان سے ملنے ان کی سہیلیاں ہمیشہ خود حویلی آتی تھیں۔ یوں زبیدہ کے گھر آنے جانے پر ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔

لیکن زبیدہ کا دِل سیّد سرفراز کی وجہ سے حویلی میں زیادہ لگتا تھا۔ تین چار ماہ بعد جب بھی اس کے ابا گاؤں آتے تو وہ ضرور آیا کرتی تھی۔ آج تک اسے دور ہی دور سے جانتی تھی، اس کی عادت اور شہرت سے بے خبر تھی۔ اور انجانی راہ پر چل نکلی تھی۔

وہ کیا کرتی سیّد سرفراز کو دیکھتے ہی اس کا دِل دھڑکنا بھول جاتا تھا۔

جن بھرپور نظروں سے وہ اُسے دیکھتا تھا۔ وہ نظریں اور ان کی تپش اُسے میلوں دور بیٹھے بھی سلگایا کرتی تھی۔

اے زبیدہ تیرا دھیان کدھر ہے میں کتنی دیر سے تم سے پوچھ رہی ہوں کہ ایف اے میں تو نے مضمون کیا رکھے ہیں۔ مریم بی بی جس کو پڑھنے کا بے حد شوق تھا لیکن خاندانی روایات کے خلاف بابا سائیں نے میٹرک ہی کروا دیا تھا یہ کیا کم تھا۔ اب مزید کی ضد کرنے کی اس میں جرأت نہ تھی لیکن گزشتہ چار سال سے وہ مزید تعلیم کے لیے اپنے دِل کی آرزو کو دبا نہ پائی، اس لیے جب جب زبیدہ شہر سے آتی تھی وہ کرید کرید کر اس کی تعلیمی سرگرمیاں اسکول و کالج کی باتیں پوچھا کرتی تھی۔

میں نے انگلش لٹریچر رکھا ہے ساتھ ایجوکیشن اور فارسی۔ انگلش لٹریچر کے ساتھ میرے اندر مزید مشکل مضمون رکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔

''انگلش لٹریچر...... واہ! تمہارے کتنے مزے ہیں۔'' مریم بی بی نے حسرت سے کہا۔

''خاک مزے ہیں۔ یہاں کس کا دِل تھا اتنا روکھا مضمون پڑھنے کو، ابو نے پھنسا دیا مجھے، خود جو اتنی موٹی موٹی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔'' زبیدہ نے منہ بنا کر کہا۔

اس کا من پڑھائی میں بالکل نہ لگتا تھا اور جہاں لگتا تھا وہاں وہ دوڑ دوڑ کر آیا کرتی تھی۔ لیکن ابھی تک نظروں کے نرم گرم تبادلے کے سوا کوئی بات نہ ہو سکی تھی۔ زبیدہ کا دِل چاہتا تھا کہ سیّد سرفراز کے بابا اس کے کہنے پر جلد از جلد اس کا ہاتھ مانگ لیں۔

''وہ سیدھی سادی لڑکی تھی۔ سیدھے سادے خواب دیکھا کرتی تھی۔ محبت اور پھر شادی...... بچے اور پھر گھر۔''

لیکن سیّد سرفراز کا دماغ تو ہر بات کو نفع نقصان میں تولتا تھا۔ وہ اپنے بابا سائیں کی طرح ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا، جو ساتھ ڈھیروں زمین لائے۔

زبیدہ اُسے بہت پسند تھی۔ اس کے دِل میں اُسے دیکھ کر کھد بد ہونے لگتی تھی۔ مکھن ملائی جیسی زبیدہ کے پاس حُسن تو تھا لیکن اتنی ڈھیروں زمین نہ تھی اس لیے آج تک اس نے زبیدہ کو کبھی اپنے جذبوں سے آگاہ نہ کیا تھا۔

''کیا مصیبت ہے لڑکی اتنی سوہنی ہے کہ دِل و دماغ سے اُترتی ہی نہیں۔'' وہ اسے دیکھ کر خود کو جھڑکتا اور الجھ جاتا۔

''کاش اس کے پاس ڈھیری زمین بھی ہوتی۔''

❖❖○❖❖

''مما پلیز بس کریں۔ کتنی بار ہاتھ دھوئیں گی ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔'' سمعان نے ماں کو ٹوکا وہ لوگ کھانا کھانے باہر جا رہے تھے اتنے دن بعد وہ ماں باپ کے ساتھ اچھا وقت گزارنا چاہتا تھا۔!

مما کے ساتھ اس کا رشتہ اتنا گہرا کبھی نہ ہو سکا تھا۔ اس کے بچپن سے ہی وہ اپنے مسائل میں گھری رہی تھیں۔ سمعان اور اس کی ضرورتوں پر کم ہی اُن کی توجہ جاتی تھی۔ سمعان اُکتا کر باپ کے پاس چلا جاتا۔ یوں آہستہ آہستہ وہ ان کا ہی ہو کر رہ گیا۔

''ارے کدھر ہو تم لوگ مجھے باہر گاڑی میں بٹھا کر سکھا دیا۔'' ڈیڈی جھنجلاتے ہوئے اندر آئے۔ لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئے۔

سمعان نے بھی بے بسی سے کندھے اُچکائے۔ جبکہ مما ان کے تاثرات سے بے نیاز مسلسل صابن سے ہاتھ دھو رہی تھیں۔ بار بار ہاتھ دھونے سے اُن کے ہاتھوں کی جلد خشک ہونے لگی تھی۔

''زبیدہ یار...... بس کرو! بچہ کب سے کھڑا ہے چلو بند کرو پانی، ہو گئے صاف تمہارے ہاتھ۔'' قاسم علوی صاحب نے آگے بڑھ کر انہیں کندھوں سے تھام کر باہر کی طرف موڑا۔

''لیکن قاسم! دیکھو میرے ہاتھ گندے ہیں مجھے تو لگتا ہے کہ میں ٹھیک سے نہائی نہیں ہوں، میرا جسم بھی گندا ہو رہا ہے۔ تم لوگ ابھی ٹھہرو میں نہا کر آتی ہوں۔'' زبیدہ بیگم واپس جانے کو مڑیں تو سمعان کا موڈ بالکل اُتر گیا۔

''اوہ نو...... ناٹ اگین! یعنی کہ آج کا ڈنر کینسل۔'' سمعان بڑبڑایا۔

''ارے...... ارے محترم خاتون! تم فرسٹ کلاس ہو اور بس مزید کچھ کہے بغیر تم ہمارے ساتھ چل رہی ہو۔'' قاسم علوی نے پیار سے زبیدہ بیگم کو اپنے ساتھ باہر کی جانب بڑھایا۔

''لیکن قاسم! میں وہ......'' وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں لیکن قاسم صاحب اس وقت اگر ان کی سن لیتے تو سمعان کا موڈ خراب ہو جاتا۔

''اچھا میرا کپڑا تو لے لو۔'' انہوں نے سفید چادر کی طرف ان کی توجہ دِلائی، جسے وہ ہر مقام پر بچھا کر بیٹھتی تھیں۔

''مما! ہوٹل میں کیوں مذاق بنوانا ہے۔'' سمعان نے جل کر کہا۔ زبیدہ بیگم کے چہرے پر سایا لہرایا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کا چہرہ اُتر کر رہ گیا۔
''سمعان! خبردار جو تم نے آئندہ ایسی بات کی، کیا آج تک مجھے کوئی شرمندگی ہوئی ہے جواب تمھیں
ہونے لگی۔'' قاسم صاحب نے اسے لتاڑا۔
''سوری ڈیڈ! بٹ مجھے کہنے دیں یو آر گریٹ مین۔'' سمعان نے ان کے گلے لگ کر سرگوشی میں کہا۔
''بدمعاش!'' وہ ہنسے۔

❖❖○❖❖

جب بھی رات کو گھر آتا ہوں
اپنے دروازے پہ دستک دیتے لمحے
اکثر میری سوچ یہ مجھ سے کہتی ہے
آج تُو دروازہ کھولے گی
مجھ کو دیکھ کر مُسکائے گی
میرا ماتھا چومے گی
شرمائے گی
گھر میں داخل ہو کر میں بھی کوئی شرارت کر دوں گا
تُو خود میں سمٹ کر رہ جائے گی
میں بھی کتنا پاگل ہوں ناں
کیا کیا سوچا کرتا ہوں
میں بھی کتنا پاگل ہوں ناں......!!

''لالہ! کس خیال میں گم ہیں؟'' سائرہ نے گیراج کی لائٹ آن کر کے پوچھا۔
دس پندرہ منٹ پہلے طارق کی گاڑی اندر آئی تھی لیکن جب طارق اندر نہ آیا تو سائرہ کو فکر ستائی۔
طارق گاڑی سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیے جانے کس خیال پر مسکرا رہا تھا۔ سائرہ نے اُسے مخاطب
کر کے چونکا دیا۔ مگر وہ ابھی تک اس پری رو کے خیال میں تھا آنکھیں کھول کر بھی وہ فوری طور پر حال
میں واپس نہ آسکا۔ سائرہ نے طارق کی خالی نگاہیں دیکھیں۔ وہ دیکھ تو اُسے رہا تھا لیکن اس کا دماغ ابھی
تک کہیں اور تھا۔
''لالہ! کیا نیند میں ہیں۔'' سائرہ مسکراتی ہوئی پاس آ کھڑی ہوئی۔
''جاگتے میں خواب دیکھنے لگے ہو۔ طارق میاں تمھارا کیس تو روز بہ روز سیریس ہوتا جا رہا ہے۔''
طارق نے خود کو سرزنش کی اور سائرہ کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔
''تم نے نگی اور آنٹی کو اپنی جانب سے فورس کر کے بلانا تھا؟'' طارق نے سائرہ سے پوچھا تو وہ بے
اختیار ہنس پڑی۔
''میں آپ کی بہن ہوں بھائی کے دِل میں کیا پک رہا ہے مجھے نہ خوشبو آئے گی۔'' وہ سوچ کر رہ
گئی۔

''میں نے نگی کو انوائیٹ تو کیا۔ لیکن!'' سائرہ کہہ کر چپ ہو گئی۔
''لیکن کیا؟ وَلی تو ضرور آئے گا، نگی کو ساتھ آنے میں کیا پرابلم ہو گا۔'' طارق کی بے خودی اس کا راز
فاش کرنے لگی۔
''روشن آنٹی نہیں آپائیں گی اس لیے وہ کچھ گھبرا رہی تھی۔'' سائرہ نے تجسس پیدا کرتے ہوئے کہا۔
''اس کا مطلب وہ نہیں آئے گی؟'' طارق کا لہجہ بلکہ اس کا روشن چہرہ بجھ گیا۔
''نہیں میں نے ایسا تو نہیں کہا۔'' سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''روشن آنٹی نے میرے اصرار پر
اسے آنے کے لیے آمادہ کر لیا ہے۔'' سائرہ نے طارق کے کندھے سے لگ کر کہا۔ طارق کا چہرہ روشن
ہو گیا۔ تیز ہوا سے طارق کے سلکی بال اڑ رہے تھے۔ سائرہ کا دوپٹہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔
''لالہ......'' سائرہ نے طارق کے کندھے پر سر رکھ کر کہا۔ اونچے لمبے طارق کے کندھوں تک وہ بمشکل
آتی تھی۔ اسے اپنا بانکا سجیلا اور محبت سے بھرا بھائی، جان سے پیارا تھا۔
''ہوں...... بولو۔'' طارق سکون سے کھڑا تھا، جیسے وہ ابھی یہاں سے جانا نہ چاہتا ہو۔ تیز ہوا رات کی
رانی کی خوشبو کو لیے اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔ ماحول بے حد معطر تھا۔
''لالہ آپ نگینہ سے محبت کرتے ہیں ناں۔'' سائرہ نے دھماکہ کیا طارق نے چونک کر اسے دیکھا۔
''یہ کیسا سوال ہے؟''
''ارے لالہ...... میں آپ کی اکلوتی بہن ہوں کیا مجھ سے بھی پردہ ہے۔'' سائرہ نے خفگی سے پوچھا۔
''لیکن تم نے یہ بات کیا دیکھ کر پوچھی؟'' طارق بے حد الرٹ ہو گیا تھا۔ وہ راز جو برسوں سے وہ دِل
میں چھپائے بیٹھا تھا، آج کیسے منظر عام پر آ گیا؟
''لالہ! اتنا سنجیدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ میرے لالہ کی آنکھیں صرف ایک ہی فرد کے نام پر
جگمگاتی اور روشن ہوتی ہیں بلکہ ان کے آگے ایک سو ساٹھ پاور بلب کی روشنی کم پڑ جاتی ہے اور وہ ہے
نگینہ!'' سائرہ نے اس کا راز افشا کرتے ہوئے کہا۔
''تم بہت تیز ہو گئی ہو۔'' طارق نے اس کی چھوٹی سی پونی زور سے کھینچی۔
''اوں ہوں۔! اس طرح آپ میری بات کو پلٹیں نہیں۔'' سائرہ نے کہا۔
''کون سی بات۔'' طارق نے مکرتے ہوئے پوچھا۔
''لالہ......!'' سائرہ نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔
''ہاں سائرہ!'' طارق نے مسکراتے ہوئے پوچھا وہ اب خود کو سنبھال چکا تھا۔
''لالہ......!''
''کیا سائرہ؟'' طارق اُسے کنفیوژ کر رہا تھا۔
''لالہ آپ ٹھیک سے بتاؤ نگینہ آپ کو کیسی لگتی ہے۔'' سائرہ نے زچ ہو کر پوچھا۔
''اگر میں غلط سے بتاؤں تو تم کیا کرو گی۔'' طارق اب اُسے تنگ کر رہا تھا۔
''ٹھیک ہے میں خود ہی پتا کر لوں گی، نہ بتاؤ۔'' سائرہ دھب دھب پاؤں مارتی اندر چلی گئی۔
طارق کا قہقہہ بے ساختہ تھا!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائرہ پلٹ کر مسکرائی۔
لالہ! آپ مانو یا نہ مانو! لیکن آپ کی آنکھوں کی روشنی اور مسکراہٹ نگینہ ہی ہے۔" سائرہ یقین سے
ولی اور ہنستے ہوئے اندر چلی گئی۔

"دِل کے محرم کا بھرم بڑا ہی خاص اور اہم ہوتا ہے، ایسے کیسے اس کا نام سرعام کردیں۔ جب تک میں اُسے قانونی طور پر حاصل نہ کرلوں اسے کیسے اپنے نام کے ساتھ موضوع بنا سکتا ہوں! مجھے وہ اور اس کی عزّت بے حد عزیز ہے، انشاء اللہ اسے عزّت کے ساتھ اس گھر میں لاؤں گا۔" طارق جاگتی آنکھوں سے جو خواب دیکھتا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ اس کے دِل کا یقین اس کی آنکھوں میں جھلک رہا تھا۔

❖❖ ○ ❖❖

"روشن... ہماری بیٹی تو ماشاء اللہ بڑی ہوگئی ہے۔" احمد شاہ نے محبت سے نگینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"بیٹیاں جلدی بڑی ہوجاتی ہیں شاہ جی۔" روشن آرا نے نگینہ پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکتے ہوئے کہا۔

نگینہ مُسکان کی برتھ ڈے پارٹی میں جانے کے لیے تیار تھی۔ سی گرین کلر کی لانگ اسکرٹ اور کالر والی کریم کلر کی شرٹ کے ساتھ اُسی کلر کے امتزاج والا بڑا سا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ پیروں تک یہ لانگ اسکرٹ لہنگے جیسا لُک دیتا تھا۔ اسکرٹ پر جھلمل کرتے بڑے بڑے ستارے لگے ہوئے تھے۔ ساتھ ہم رنگ ہلکی سی جیولری اور چوڑیاں پہن رکھی تھیں البتہ چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔ اللہ نے اسے حسن کے ساتھ جو معصومیت دے رکھی تھی، وہ اس کے حُسن کو سب سے الگ بناتی تھی۔

"اماں جان! اجازت ہے؟" عبدالولی نے آگے جھک کر پیار لیتے ہوئے کہا۔
"خیر سے جاؤ خیر سے آؤ تمہارے ہر رستے کی خیر ہو۔" انہوں نے اس کا ماتھا چوم کر دعا دی، عبدالولی کے پیروں تک میں ٹھنڈک اُتر گئی۔
احمد شاہ اور روشن آرا وہ مہربان ہستیاں تھیں جن کو کوئی چھو بھی جائے وہ بس پیار بن کر رہ جاتا تھا۔
"عبدالولی تم کس طرف سے جارہے ہو؟" روشن آرا نے پوچھا۔
"اماں جان خیریت! کوئی کام ہے تو بتایے۔" عبدالولی ایک دم الرٹ ہوگیا۔
احمد شاہ نے دِل میں اس کی اس تابعداری پر جی بھر کر اللہ رحمان کا شکر ادا کیا۔ کل کا لگایا پودا چھاؤں دینے لگا تھا۔
"حُسن آرا کی طبیعت کچھ اچھی نہیں ہے۔ میں اس کی خیریت پوچھنے جانا چاہتی ہوں۔ تمہارے بابا ابھی کسی میٹنگ کے لیے نکل جائیں گے تم لوگ بھی جارہے ہو، میرا دِل اپنی بہن کو دیکھنے کو کرتا ہے۔" روشن آرا بیگم نے مدھم لہجے میں کہا۔
"ارے بچوں کو جانے دو۔ میں کریم بخش کو تمہارے لیے چھوڑ جاتا ہوں۔" احمد شاہ نے فوراً ڈرائیور پیش کیا۔
"شاہ جی آج ہی تو آپ کا دور کا چشمہ بننے گیا ہے، کل صبح دس بجے ملے گا۔ آپ تو پلیز ڈرائیو کرنے کا رسک نہ لیجیے گا۔" روشن آرا بیگم نے ان کی فکر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ صابر میاں کو بھی اسی ہفتے چھٹی پر جانا تھا۔" احمد شاہ نے دوسرے ڈرائیور کا نام لیا۔
"میں ہوں ناں۔" وَلی بولا۔
"ارے بابا جانی ڈونٹ وری...... اس خوبصورت ماہ جبیں کا ڈرائیور بننا کون کافر پسند نہیں کرے گا۔" ولی نے شرارت سے کہا۔
"بہت شریر ہوگئے ہو ماں سے مذاق کرتے ہو۔" روشن آرا نے وَلی کے پیار سے دھپ لگائی۔
"اماں جان اُٹھیں ناں آپ ہمارے ساتھ جائیں گی۔" نگینہ نے بھی ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔
"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ! ہم آپ کو پک کرنے خود آئیں گے، بس آپ ایک فون کردیجیے گا۔" احمد شاہ نے محبت سے کہا۔
"روشن آرا کی خوشی اور تشکر سے آنکھیں بھر آئیں۔ اللہ نے کس قدر پیار کرنے والی اولاد اور خیال کرنے والے شوہر سے ان کو نوازا تھا۔ چلو ٹھیک ہے میں اندر سے چادر اور پرس لے آؤں۔" روشن آرا اندر جانے کو بڑھیں۔
"اماں جان۔" وَلی نے پکارا!
"ہوں!" روشن آرا جاتے جاتے متوجہ ہوئیں۔
"آپ نے بابا جانی سے اجازت لے لی تھی اس بات کی؟" وَلی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔
"پگلا ہے تو بھی۔ اگر وہ تمہارے شوق کے لیے گٹار، بانسری، وائلن، پیانو جیسی چیزیں اکٹھی کرکے دے سکتے ہیں تو وہ تمہیں ان کو بجانے سے کیوں روکیں گے؟" روشن آرا نے پوچھا۔
"لیکن انہوں نے یوں یاروں دوستوں میں بجانے کی اجازت نہیں دی اور میں ان کی اجازت کے بغیر چانس لینا بھی پسند نہیں کروں گا۔" وَلی نے سنجیدگی سے کہا۔
اندر سے احمد شاہ اپنا موبائل اور بریف کیس لے کر برآمد ہوئے۔ وَلی اور روشن آرا نہیں جانتے تھے کہ احمد شاہ ان کی گفتگو سن چکے ہیں۔ وَلی نے آنکھوں سے ماں کو باپ سے بات کرنے کو کہا۔
"سنیے! وَلی کے دوست اس سے گٹار وغیرہ سننے کی فرمائش کررہے ہیں۔" روشن آرا نے جلدی جلدی باہر کی جانب جاتے احمد شاہ کو پکارا۔
"اگر آپ اجازت دیں تو۔" روشن آرا کہہ کر چپ ہوگئیں۔ احمد شاہ بے حد سنجیدہ تھے وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے وَلی کے پاس آئے۔
"تم کو میوزک اچھا لگتا ہے تم اکثر بہت گم ہوکر وائلن اور گٹار بجاتے ہو۔ تمہارے اندر اس روپ کو میں نے تب دیکھا تھا، جب تم بمشکل گیارہ سال کے تھے۔ لندن میں ایک پارٹی میں تم پہلے اس پارٹی میں موجود شخص کو غور سے پیانو بجاتے دیکھتے رہے اور جب وہ بجا چکا تو تم جانے کس سحر میں تھے اس کے جانے کے بعد وہاں بیٹھ گئے اور ہو بہو تم نے اس کی بجائی دھن بجائی تھی۔ وہاں موجود ہر فرد حیران تھا تو میں پریشان! تم اپنے اسکول میں میوزک کلاس لیتے تھے وہاں کے اسکول میں میوزک بچوں کے لیے لازمی ہے میں جانتا تھا۔ لیکن تم اتنا پرفیکٹ پیانو بجاؤ گے یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں تمہارے اس شوق کو دیکھ کر بے حد ڈسٹرب ہوا تھا۔" احمد شاہ دھیرے سے بولے۔ وَلی کے چہرے پر سایا لہرایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ نگینہ نے بھی سہم کر باپ کو دیکھا۔

اس رات میں سو نہ سکا تھا!

مجھے شاک لگا تھا!

میرے والد گدی نشین رہے تھے۔ سارا خاندان اپنے مذہب اور روایات کے لیے جیتا آیا تھا اور یہ میری اولاد کس رخ کی جانب جا رہی ہے؟ یہ سوال مجھے بے حد ڈسٹرب کرنے لگا۔

''تمہارے چہرے پر آیا وجد بھی مجھے بھولتا نہ تھا، میں ان ہی دنوں پاکستان کام سے آیا تھا۔ زمینوں پر لڑائی کی وجہ سے ہمارے کئی مزارعے مارے گئے تھے۔ پولیس تھانے کا چکر تھا میں کسی طور اپنے سے جڑے افراد کو اگنور نہیں کرسکتا تھا فوراً گاؤں گیا۔'' احمد شاہ کچھ لمحے سانس لینے کو رکے کمرے میں موجود تینوں نفوس ہمہ تن گوش تھے۔

گاؤں کے معاملات نپٹا کر میں بہت تھک گیا تھا۔ گھر آیا تو فون پر تم بیتابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ پیٹرز اینڈ کیتھرائین میں ان دنوں تم پڑھ رہے تھے۔ تم نے بڑے جوش سے بتایا کہ تم میوزک کے مقابلے میں اوّل آئے ہو۔ میں جو پہلے ہی بہت تھکا ہوا تھا ایک دم سے یہ بات سن کر ڈھے گیا۔ میں نے فون رکھ دیا۔ میں تم سے بہت ساری توقعات رکھنے لگا تھا۔'' وَلی جو اِن کی باتیں سن رہا تھا اس کا چہرا بالکل بجھ چکا تھا وہ کبھی خواب میں بھی نہ سوچ سکتا تھا کہ بابا جانی کو اس کا یہ شوق نہایت ناپسند ہوگا۔

''وہ رات نہایت مشکل تھی صبح سویرے ہمارے گھر میں اس مسئلے کا حل ایک بہت بابرکت ہستی لے کر آئی۔ بابا صاحب، اسلام آباد کسی سے ملنے آئے اور تم لوگوں سے ملنے کی خواہش انہیں وہاں بھی لے آئی۔ میں جو بھرا بیٹھا تھا میں نے فوراً ہی اس مسئلے کو ان کے سامنے رکھا۔ تم جانتے ہو ان کے ایک جملے نے میرے اندر تک ٹھنڈک اُتار دی تھی اور میں ہمیشہ کے لیے مطمئن ہوگیا۔'' احمد شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بچے کے زور کو اگر راہ نہ ملے تو وہ کسی دن آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑتا ہے۔ بڑا نقصان کرتا ہے تو اس کے اندر کے زور کو اتنی راہیں دے دے کہ اس کے اندر کا پانی کتنے ہی حصوں میں بٹ کر بالکل پرسکون ہوجائے۔''

''یہ بات اس قدر بڑی تھی اور اس میں اس قدر سچائی تھی کہ اس کے اثرات میں نے تم میں دیکھے۔ میں نے تمہیں ہر طرح کا میوزک انسٹرومنٹ لاکر دیا تم اس کو بجاتے اور خوش ہوتے۔ پھر میں نے تمہیں رائیڈنگ کلب میں ممبرشپ دِلوائی، تم نے گھڑ سواری سیکھی۔ پھر میں نے تمہیں سوئمنگ میں داخلہ دِلایا تم سوئمنگ سیکھنے لگے۔ جب اتنا کچھ تمہارے اردگرد تھا تو تمہارا میوزک کے لیے کریز کم ہوگیا! میں جینے لگا۔''

پھر پینٹنگ نے تمہیں سب کچھ بھلا دیا۔ تمہارا جنون دوسری جانب مڑ گیا، میں مطمئن تھا۔ وَلی تم اب بھی اکثر میوزک بجاتے ہو۔ میں اکثر سنتا ہوں، بہت مدھر بجاتے ہو، مجھے اچھا لگتا ہے، میں جس بات سے ڈرتا تھا کہ تم اور تمہارا جنون کہیں اس کے اردگرد نہ رہ جائے۔ اللہ نے اس سے ہمیں بچالیا ہے۔

''تم جانتے ہو کہ مجھے تمہارا یہ شوق سب کے سامنے پسند نہ تھا تم نے کبھی اس کو پروفیشن بنانے کا نہیں سوچا اور اگر آج تم یہ سب سن کر پھر سے اپنے اندر کے زور کو روک لو گے میری ہی خاطر سہی...... تو تمہارے اندر آتش فشاں بن سکتا ہے۔ اور میں سالوں سے بنایا ہوا یہ گیم یوں بگڑنے نہیں دے سکتا۔''

وَلی نے گہرا سانس خارج کیا۔ اس سارے دورانیے میں وہ فیصلہ کرچکا تھا کہ وہ آئندہ کبھی میوزک کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔

''تم اپنا ہر شوق پورا کرو میری طرف سے اجازت ہے۔ لیکن شوق کو پروفیشن سے دور رہنا چاہیے کیوں کہ شوق پہچان نہیں بنتے جبکہ پروفیشن پہچان اور نام ضرور دیتے ہیں۔ اور میں تمہاری بہت روشن پہچان چاہتا ہوں۔'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ بابا سائیں۔'' وَلی کا بجھا ہوا چہرہ ایک دم روشن ہوگیا۔

''انشاء اللہ میری جانب سے آپ کو کبھی شکایت نہیں ہوگی۔'' وَلی کا لہجہ بے حد مضبوط تھا۔

احمد شاہ بے اختیار مسکرائے۔ ان کی اتنی لمبی چوڑی تمہید ضائع نہ گئی تھی، انہوں نے دروازہ کھول کر کبوتر کو اڑانے کی اجازت دے دی تھی ساتھ ہی اپنی محبت کی وہ ان دیکھی زنجیر بھی باندھ دی تھی، جو اسے موڑ کر ان کے پاس ہی لے کر آتی تھی۔

''ہم چلیں بابا جانی۔'' نگینہ اور وَلی اجازت کے لیے کھڑے تھے۔ وَلی کی تابعداری ان کا سیروں خون بڑھا دیتی تھی۔

''فی امان اللہ!'' انہوں نے اجازت دی۔

روشن آرا، نگینہ دونوں سر پر آنچل ڈالے لمبے چوڑے وَلی کے ساتھ باہر نکل رہی تھیں۔ کتنا مکمل تھا ان کا خاندان!''

ان کا دل اپنے برسوں پہلے کے فیصلے پر آج بے حد مطمئن تھا۔

❖❖○❖❖

''کاشف آیا نہیں ابھی تک یونیورسٹی سے، شام کے پانچ بج رہے ہیں۔'' حسن آرا نے پریشانی سے دسویں بار پوچھا تھا۔

''نہیں امی جی! لیکن پلیز آپ فکر کر کے اپنا بی پی مزید ہائی نہ کر لیجیے گا۔'' علیزے نے ماں کو فکر سے

''لیکن بیٹا اس کی یونیورسٹی تو دو بجے ختم ہوجاتی ہے پھر یہ لڑکا روز کدھر نکل جاتا ہے۔ جانے اُس نے کھانا کھایا ہوگا کہ نہیں؟'' وہ ابھی تک کاشف کے لیے پریشان ہو رہی تھیں۔

''امی آپ بھی کس قدر بھولی ہیں۔ جس کو روز کوئی نہ کوئی لڑکی لنچ پر اچھے اچھے ہوٹلوں میں کھانا کھلائے، وہ بھلا گھر کی دال سبزی کے لیے بھوکا رہے گا؟'' علیزے نے کلس کر سوچا۔

''دیکھو تو بیٹا شاید دروازہ بجا ہے۔'' امی بضد تھیں۔

''گڈو!'' علیزے نے گڈو کو آواز دی لیکن وہ اور غزالہ اوپر چڑھے ساتھ والے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ رہی منزہ تو وہ پارلر سے سات بجے آتی تھی اور اُسے ابا لینے جاتے تھے اس لیے اس وقت

علیزے کو ہی اپنے اسکول کی کاپیاں جو وہ چیک کرنے کے لیے گھر اُٹھا لائی تھی بار بار چھوڑ کر امی کی
آہٹوں پر دروازہ کھولنا پڑتا تھا۔ دوبارہ دروازے پر جا کر دیکھ آئی تھی باہر کوئی نہ تھا۔
اب پھر امی کی خاطر وہ دروازے پر آئی تھی۔
دھڑ سے دروازہ کھلا۔ آنے والے کا ہاتھ بیل پر جاتے جاتے رُک گیا۔
آتشی گلابی لینن کی پھولوں والی قمیص اور گلابی رنگ کی شلوار اور دوپٹہ اوڑھے وہ بالکل گڑیا لگ
تھی۔
دونوں نفوس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔
''جی آپ کون؟'' وَلی کے کانوں نے بے حد سریلی آواز کے جواب میں پوچھا۔
وہ دروازے کے فریم میں کھڑی اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔
پہلی بے اختیار نظر کے بعد وہ حسبِ عادت اپنی دوسری نظر سنبھال چکا تھا۔
''میرا نام عبدالولی شاہ ہے۔ کیا حُسن خالہ ہیں؟'' وَلی نے گہری نگاہ ڈال کر اس سے پوچھا۔
اُس کا گھمبیر لہجہ۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی اور وجاہت علیزے کا دِل دھڑکا گئی۔
''حُسن خالہ!'' علیزے نے مسکراتے ہوئے زیرِلب دہرایا۔
اس کے دائیں بائیں مسکراتے ہوئے ڈمپل پڑتے تھے۔ وَلی اس کی اتنی خوبصورت مسکراہٹ
چونکا۔
''امی کو اس سے پہلے اتنے انوکھے انداز سے کبھی کسی نے نہیں بلایا۔'' اس نے کہتے ہوئے راستہ
''خالہ اندر ہیں ناں؟'' وَلی نے اندر قدم رکھے بغیر پوچھا۔
''اس قدر محتاط انداز۔'' علیزے کو وہ بہت اچھا لگا۔
''جی ہیں۔'' علیزے خود پر قابو پا کر دھیرے سے بولی۔
''ٹھیک ہے میں پہلے اماں جان کو بتا آؤں۔'' وہ واپس گلی کی نکڑ پر کھڑی گاڑی کی طرف مڑا۔
تھوڑی دیر بعد روشن آرا اور نگینہ کو لیے وہ پھر سے آن موجود تھا۔ حُسن آرا کے تو ہاتھ
پھول رہے تھے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان لوگوں کو آنکھوں کی پلکوں پر بٹھالیں۔
''علیزے جلدی سے گڈو سے کچھ بازار سے منگواؤ! انہوں نے پرس سے پانچ سو کا نوٹ
علیزے کو پکڑاتے ہوئے کہا۔
فی الحال کاشف کی پریشانی ان کے ذہن سے نکل گئی تھی۔
''خالہ ابھی مجھے اور نگینہ کو اجازت دیں، میرا وعدہ ہے ہم دونوں کسی دن پورے دن کے واسطے
آپ کے لیے آئیں گے۔'' وَلی نے اُٹھتے ہوئے شائستہ انداز میں اجازت لی۔
''ارے! دو گھڑی بیٹھو گے بھی نہیں؟'' شائستہ بیگم نے جی بھر کر عبدالولی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''میرا وعدہ ہے، بیٹھوں گا بھی اور آپ کے ہاتھ کی گاجر کھیر بھی کھاؤں گا۔ اماں جان آپ کے
کے پکے پکوان کی بے حد تعریف کر کے ہمارے اندر آپ کے ہاتھ کا ذائقہ چکھنے کا شوق خوب پیدا
ہیں۔''

''امی کا ہاتھ بہت بھاری ہے بھائی میاں۔'' گڈو نے شرارت سے کہا۔
'' عبدالولی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ نگینہ بھی دھیرے سے مسکرادی اور اندر آتی علیزے کا دِل پھر تیزی
دھڑکا۔''
''کیا رُکیں گے نہیں؟'' علیزے نے ان کے ساتھ ساتھ چلتے دروازے کے پاس آ کر پوچھا۔
''آپ کے ہاں دروازے کے پاس آ کر رکنے کے لیے کہتے ہیں۔'' عبدالولی کی ساری بے نیازی
لڑکی کو بس ایک بار دیکھنے سے ہی کہیں غائب ہوگئی تھی۔
علیزے کی شرمندگی سے رنگت سرخ پڑ گئی تھی۔
عبدالولی نے بہت غور سے اس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھا یہ سرخ اور سفید رنگت میں کس قدر خود
ل ہے، بار بار کبھی سرخ پڑ جاتی ہے کبھی سہم کر سفید۔'' عبدالولی نے سوچا۔
''اچھا اجازت دیں اللہ حافظ۔'' نگینہ نے گلے لگتے ہوئے کہا۔
''اس شرط پہ کہ تم دوبارہ آؤ گی ہم سے ملنے۔'' علیزے نے شگفتگی سے کہا۔
''صرف نگینہ؟'' عبدالولی خود نہ جان پا رہا تھا کہ اُسے اس لڑکی سے اس قدر اپنائیت کیوں محسوس ہو
ل ہے، جو یوں وہ اپنے مسائل سے ہٹ کر اپنائیت سے اُسے مخاطب کر رہا ہے۔
''جی!'' علیزے نے حیرت سے اس کی بولتی آنکھیں دیکھیں۔ اُسے اپنا وجود برف کی طرح پگھلتا
اس ہو رہا تھا۔
''آ... آپ بھی ضرور آیئے گا۔'' وہ نگاہ جھکا کر بمشکل بولی، عبدالولی اُسے دیکھ کر بھرپور مسکرایا۔
''میں ضرور آؤں گا۔'' معانی خیز لہجہ علیزے کی رہی سہی جان نکال چکا تھا۔ جانے وہ کتنی دیر تک وہاں
ڑی رہی تھی جبکہ وہ دونوں کب کے جا چکے تھے۔
جانے انجانے میں عبدالولی نے زندگی میں ہمیشہ روشن آرا اور ان کی خوبیوں کو آئیڈیا لائز کیا تھا۔
ے میں کسی کی بے حد جھلک تھی۔
اس کی زندگی میں بہت ساری خوبصورت لڑکیاں آئی تھیں اور وہ سب اس کے ساتھ کی متقاضی تھیں
لن عبدالولی کے دِل کی دیواریں بہت اونچی تھیں آج تک کوئی لڑکی ان دیواروں کو پھلانگ نہ سکی۔ لیکن
علیزے نے اس کے قلعے جیسی شخصیت کے پھاٹک پر پہلی دستک دی تھی، جو اندر تک سنائی دے گئی۔
ل ابھی تک اس کیفیت کو پہچان نہ پایا تھا۔ یہ علیزے تھی!
کیوں کہ وہ بالکل روشن آرا کا عکس تھی۔ بے حد حیادار اور دھیمی!
دور کہیں آسمانوں میں اک دعا بے حد مسکرائی تھی!
''اے اللہ! پلیز تو وَلی کے من میں محبت جگا دے۔ اس کے دِل کو اس درد سے روشناس کرا دے۔
اللہ میاں وَلی کو بھی محبت ہو جائے!'' دعا بہت دِل سے مانگی گئی تھی۔
دعا قبول ہوگئی تھی!

❖❖○❖❖

''یہ کیسا شور ہے؟'' سیّد سرفراز اپنی عینک کی کمانی درست کرتے آگے بڑھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سائیں میں برباد ہوگئی۔ میری دولت میرا خزانہ تو میرا بیٹا ہی تھا وہ مرگیا، دیکھیں ظالموں نے اس ظلم کیا ہے، ہائے میرا معصوم سا بچہ۔" وہ عورت چیخ چیخ کر بین کررہی تھی۔

"یہ سب کیسے ہوا؟" سیّد سرفراز نے اپنے ایک آدمی سے پوچھا۔

"سائیں! اپنے مہمان خانے کے پاس جو ہمارا کنواں ہے لاش اس کے پاس سے ملی ہے۔ کسی بچے کے ساتھ زیادتی کرکے اسے مار ڈالا۔" ریاض جو سیّد سرفراز کے با اعتبار بندوں میں شامل تھا اس نے پوری رپورٹ دی۔

"ہوں!" سیّد سرفراز نے ہنکارا بھرا۔

"ہمارے ڈیرے کے پاس سے لاش برآمد ہوئی ہے معاملہ پولیس تک نہیں جانا چاہیے۔ تھانے چائے پانی بھیج دو۔" سیّد سرفراز نے سوچتی ہوئی نگاہوں سے سامنے عورت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو حکم سائیں!" ریاض نے تابعداری سے کہا۔

اور یہ بتاؤ ڈیرے پر کیا کوئی تھا کل پرسوں میں؟" سیّد سرفراز نے اُس سے بڑا مشکل سوال پوچھ لیا تو ریاض نے نگاہ چرالی۔

"سائیں وہ۔" وہ اٹکا۔

"ریاض مجھے درست بات بتاؤ!" سیّد سرفراز نے ڈانٹ کر اس سے پوچھا۔

"وہ سائیں زبیر اور ان کے شہری دوست دو دن سے ڈیرے پر ہی تھے۔" ریاض نے دھماکہ کیا لیکن بے حد سرگوشی میں بولا کہ دور کھڑے افراد میں سے کوئی نہ سن سکا۔

سیّد سرفراز نے لاٹھی زور سے زمین پر ماری! وہ چھڑی کا استعمال کچھ عرصے سے کرنے لگے تھے، ان کی صحت خاصی گرگئی تھی۔

"یہ بات کسی کے کانوں میں نہیں پڑنی چاہیے۔" سیّد سرفراز نے سرگوشی میں کہا ان کے لہجے میں اس قدر سختی تھی کہ ریاض کو خوف سے کپکپی شروع ہوگئی۔

"جی سائیں! کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔" اس نے فوراً تابعداری دکھائی۔

"اور ہاں۔ سنو!" وہ رک کر مڑے۔

"جی سائیں!" ریاض ہاتھ جوڑ کر آگے بڑھا۔

"اس مائی کو کچھ دے دلا کر اس کا منہ بند کرو۔ اسے کہو یہ چیخنا چلانا بند کرے۔ جو مرگیا اب اس کے رونے سے واپس تو آئے گا نہیں! اس کے کفن دفن کی فکر کرے، بلکہ یہ نیکی ہم کمالیتے ہیں تم کفن بھی ہماری طرف سے کردینا۔" وہ نہایت سفاکی سے کہتے ہوئے چلے گئے۔

عورت ابھی تک اپنے دس گیارہ سال کے بچے کو گود میں لے کر رورہی تھی۔ اس کا سر بار بار آسمان کی طرف یوں اُٹھتا، جیسے وہ انصاف مانگ رہی ہو۔

"آہ! ظالموں نے میری زندگی کی روشنی چھین لی! میرا سہارا چھین لیا۔" وہ مسلسل بین کررہی تھی سارے گاؤں میں اس کی سسکیاں اور فریاد گونجتی رہی لیکن کوئی بھی اس کی مدد کو آگے نہ بڑھا۔

"کیا اس گاؤں میں کوئی مرد کا بچہ نہیں ہے جو میرا ساتھ دے سکے مجرموں کو ڈھونڈنے اور پولیس میں

رپٹ لکھوانے میں میری مدد کرے۔" وہ پاگلوں کی طرح ہر ایک کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی لیکن کسی کی جرأت نہ تھی کہ اس معاملے میں پڑے۔

"اچھا تو تم سب اپنے اپنے دروازے بند رکھو، میں سب سے بڑا دروازہ اب کھٹکھٹاؤں گی، جس کو کسی سے ڈر نہیں لگتا! جو سب کی سنتا ہے۔" مائی صغراں نیم پاگلوں کی طرح بول رہی تھی۔

دیکھنا مجھے ایک روز انصاف ضرور ملے گا۔ یہ ایک ماں کا یقین ہے! پھر وہ نہیں بولی اور بس چپکے سے اپنے بیٹے کی میت کے پاس بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ لوگ جنازہ اُٹھا کر لے گئے۔

اور وہ مائی صغراں جو صبح سے ہر شخص کو پکڑ پکڑ کر بولتی رہی تھی۔ جانے اسے کس طرح کی اور کیوں چپ لگ گئی تھی۔

❖❖○❖❖

"کیا ساری دنیا کی لڑکیاں ختم ہوگئی ہیں! جو تم اس منحوس لت میں مبتلا ہوگئے ہو۔" سیّد سرفراز کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ جبکہ زبیر پر باپ کی کسی بات کا اثر نہیں ہورہا تھا۔ اس نے ڈرگ کی ہیوی ڈوز لے رکھی تھی اور اس وقت وہ ہواؤں میں اُڑ رہا تھا۔

سیّد سرفراز کی ساری گفتگو اور غصے کے تیور بھی اُسے محسوس نہیں ہورہے تھے۔

"کم عقل! میں تم سے بات کررہا ہوں۔ سیّد سرفراز نے اُسے غصے سے جھنجوڑا۔

وہ آنکھیں بند کیے، زمین پر لڑھک گیا۔ اب وہ دو تین گھنٹوں کے لیے ہوش سے بے گانہ ہوچکا تھا۔ سیّد سرفراز کا بی پی شوٹ کرنے لگا۔

"آخر یہ دونوں کے دونوں ایسے کیوں ہوگئے ہیں۔ بیس گاؤں کے مالک سیّد سرفراز کے وارث اس قدر نااہل اور بدفطرت!" سیّد سرفراز نے دکھ سے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"اتنی زمین کون سنبھالے گا؟ میں شریکوں کے حوالے تو کرنے سے رہا، آخر کیا وجہ ہے جس کی وجہ سے یہ اس حال میں آگئے ہیں؟" وہ اپنے آپ سے سوال کررہے تھے۔

آج تک اپنے ظالمانہ، سفاکانہ عمل ان کے ذہن میں بالکل نہ آئے تھے۔ کیوں کہ وہ خود کو شروع سے درست سمجھتے آرہے تھے۔ اور ایسے غلط آدمیوں کو اپنی درست چیزیں غلط ملتی ہیں تو وہ یوں ہی تڑپ اُٹھتے ہیں۔

❖❖○❖❖

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی تم یہاں دوبارہ فون کرو" نیلوفر بیگم فون پر چلاّ اُٹھیں۔

"مجھے تم سے بات کرنے کا شوق نہیں، اپنے بچوں سے مطلب ہے میں ان کا باپ ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولے۔

"ہونہہ باپ! باپ تب کہاں تھا، جب وہ دنیا میں بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔" نیلوفر نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"تمہاری وجہ سے میرا رابطہ میری بیوی اور بچوں سے ٹوٹا تھا۔ اس لیے میں جان نہ سکا کہ کب میری بیوی میرے بچوں کو دنیا میں اکیلے چھوڑ گئی۔" ان کے لہجے میں بے حد تاسف تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اور اب تم ان سے ملنا چاہتے ہو۔" نیلوفر نے قہقہہ لگایا۔

"صرف ملنا ہی نہیں میں ان کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، میرے بچے مجھے واپس کردو۔" انہوں نے فریادی لہجے میں کہا۔

"بچے اب بچے نہیں رہے جناب! اب وہ باشعور ہوگئے ہیں اور اپنے باپ سے بے حد نفرت کرتے ہیں۔" نیلوفر نے اپنی باتوں سے ان کو توڑا۔

"آج... آج سائرہ کا جنم دن ہے ناں!" وہ بے تابی سے بولے۔

"ہاں... اور اس کی سالگرہ کے دن اس کے بھگوڑے باپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ نہایت سفاکی سے بولیں۔

"کیوں؟ میں اس کا باپ ہوں!"

"ہاں ہو، لیکن وہ اپنے باپ سے نفرت کرتی ہے"

"اب ان دونوں کے لیے ان کی "آنی" ہی سب کچھ ہے۔ تم اب فون رکھ دو اور مان لو کہ تم نیلوفر سے ہمیشہ کے لیے ہار گئے ہو۔" نیلوفر بیگم فون رکھ کر ہذیانی انداز میں ہنستی چلی گئیں۔

تم ہار گئے ہو! ہاں شہباز علی تم ہار گئے ہو۔
ایک دن تم نے نیلوفر کو ٹھکرا کر اسے توڑا تھا۔
آج میں نے تم کو توڑ کر چکنا چور کردیا ہے۔
شہباز علی میں جیت گئی ہوں!
تم ہار گئے ہو!

وہ مسلسل ہنسے جارہی تھیں۔ ایسی ہنسی جس میں تباہیوں کا جنون چھپا تھا۔

تمہیں خبر ہے؟
میں ایک شب چاندنی کے سائے میں کھو گئی تھی
پھر اپنی رفتارِ تیز کا اعتبار لے کر مہیب جنگل میں سو گئی تھی
کہ منزلوں کے تمام نقشے بھی سامنے تھے
مگر میں انجان ہوگئی تھی
مرے خدایا!
ترے بنائے ضابطے توڑ توڑ کر خود بکھر گئی ہوں
گزشتہ عمرِ عزیز کا ایک ایک پَل رائیگاں رہا ہے
اب اپنے فیصلے کے لمحے کو رو رہی ہوں
"جو میں نے تیری رضا کے حق میں نہیں لکھا تھا"
جو میں نے ابلیسِ نفس کے نام کردیا تھا
میں گمراہی کے شدید احساس کے تلے ہوں
یہ بوجھ اُٹھائے میں تھک گئی ہوں
مجھے تُو اپنے کرم سے مولا!
وہ ایک لمحہ دوبارہ دے دے
بدل سکوں فیصلہ میں اپنا
وہ راہ پالوں
جو ہر پیمبر کی زندگی کی شبوں میں تارے پرو گئی تھی
میں ایک شب چاندنی کے سائے میں کھو گئی تھی!

اس کے آنسو تو یوں لگتا تھا کہ سانسوں کے ساتھ رشتہ باندھ چکے ہیں۔ کبھی آنکھوں سے بہہ کر نظر آتے تھے تو کبھی آنکھوں سے اوجھل دِل پر برسات کرتے تھے۔ اُس کا چہرا آنسوؤں سے تر تھا۔

وہ ڈریسنگ روم کا دروازہ بند کرکے چادر بچھا کر دو رکعت نفل پڑھ کر ایک بار پھر ربِّ عظیم، مالکِ کریم کے سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"اے اللہ جی پلیز!" آنسو لفظ بننے نہیں دے رہے تھے اور اُس مالک عظیم ربِّ رحیم کو کسی لفظ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

”وہ علیم ہے۔ وہ جاننے والا ہے! ہر دل کا حال وہ جانتا ہے۔ بے شک وہ دُعائیں قبول کرنے والا ہے، یہ تو باری کی بات ہے! کب باری آتی ہے۔“

”یہ تو یقین کی بات ہے! شدّت کی بات ہے، کب انسان اپنی شدّتیں برت کر اپنے لیے معانی حاصل کرلیتا ہے!“

”اے ترنم دیر ہورہی ہے!“ ماہ رُخ نے باہر سے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ ترنم نے اپنی آنکھیں اور چہرا دوپٹے سے صاف کیا۔ چادر کا گولا بنا کر الماری میں پھینکا اور دروازہ کھول دیا۔

”ارے! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟“ ماہی کی آواز حیرت اور غصّے سے پھٹنے لگی۔ ترنم کی خاطر وہ پہلے ہی بے حد لیٹ ہوچکی تھی۔

”اور یہ تم اندر بند ہوکر رورہی تھی کیا؟“ ترنم کی چوری اُس کی سرخ آنکھوں سے پکڑی جارہی تھی۔

”میرا لینس ٹوٹ کر آنکھ میں پھنس گیا، جس کی وجہ سے آنکھوں سے پانی بہا ہے۔“ ترنم نے گلا کھنکار کر بہانہ سنایا۔

”اوہ مائی گاڈ! تم اب ٹھیک ہو؟“ ماہی نے فکر سے پوچھا۔ جانے اس لڑکی میں کیا خاص کشش تھی، جو ماہی کو ہر وقت اپنی جانب کھینچتی تھی، اُسے اُس کا خیال وفکر کرنے پر مائل کرتی تھی۔

”ہاں ٹھیک ہوں!“ ترنم نے بے نیازی سے کہا۔ اُس کی ایک ایک حرکت سے لگ رہا تھا کہ اُسے جانے کی کوئی جلدی نہیں۔

”اے تنو! تمہاری کمپنی کی خاطر میں سب کے ساتھ نہیں گئی اب تم پلیز آپا سے ڈانٹ نہ پڑوادینا، راستا دُور کا ہے فارم ہاؤس وغیرہ ہے۔ جاتے جاتے دیر لگے گی پھر وہاں جاکر تیار ہونے میں ٹائم لگے گا۔ پلیز تم جلدی کرو۔ ایک تو ہمارے حصّے میں جو ڈرائیور آیا ہے وہ الگ سُست عظیم ہے!“ ماہی جلدی جلدی بولتی ساتھ ساتھ ترنم کا سامان اکٹھا کرنے لگی۔

”اس کے ساتھ کی جیولری؟“ ماہی نے کالی میکسی اُس کے سامنے لہرا کر پوچھا۔

”میرے بیگ میں ہے۔“ ترنم نے بے زاری سے جواب دیا۔

”جلدی...... جلدی کرو!“ ماہی اُسے اور اُس کے سامان کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے باہر لے کر آئی۔ سامنے کا منظر ماہی کے لیے مزید کوفت بھرا تھا۔

آصف اُن کا ڈرائیور جس کی عمر اکیس بائیس سال تھی کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔

”لو یہاں کیا آفت ٹوٹ پڑی، جو یہ بونگا جذباتی سین بنا رہا ہے!“ ماہی نے سامان گاڑی کے پاس رکھتے ہوئے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

”تمہیں کیا ہوا ہے آصف؟“ ترنم نے نرم لہجے میں پوچھا۔

وہ تو شاید انتظار میں بیٹھا تھا۔ فوراً پھٹ پڑا اُس کے آنسوؤں میں اب آواز بھی شامل ہوگئی تھی۔

”پلیز آصف رونا بند کرکے بتاؤ کیا بات ہے۔“ ترنم نے نرمی سے اُس سے کہا۔

”با...... باجی جی!“

”ہیں؟ کس کو باجی کہا؟“ ماہی نے غرّاتے ہوئے کہا۔

”تمہارا ہمارا کیا رشتہ!“ وہ بدلحاظی سے بولی۔

ترنم نے تاسّف سے ماہی پر نظر ڈالی۔

”ہم تم کسی رشتے کے قابل ہی کہاں ہیں۔“ وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

”وہ۔ میڈم جی!“ آصف ایک دم بوکھلا کر بولا۔

”یہ میڈم وغیرہ تم آپا کو کہا کرو۔“ ماہی اب بھی راضی نہ تھی۔

”بے بی میری امّاں بے حد بیمار ہیں۔ مجھے اُن کی دوا لانی تھی لیکن میڈم پہلی سے پہلے پیسے اور چھٹی ں دے رہیں، میری امّاں مرجائے گی بے بی۔“ وہ جلدی جلدی اس ڈر سے بولا کہ کہیں ماہی پھر اُس ا لنے نہ دے۔

”ٹھیک ہے، یہ تو آپا کی اپنی مرضی ہے! ہم کیا کرسکتے ہیں۔“ ماہی کی دوٹوک بات پر آصف کی ت ایک بار پھر رونی ہوگئی۔

”تمہارا گھر کہاں ہے؟“ ترنم نے ماہی کی بات نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ جواب میں اُس نے ی ایک گنجان آبادی کا نام لیا۔

”چلو پہلے تمہاری امّاں کے لیے دوائی لے لیتے ہیں، پھر تم ہمیں فنکشن میں لے چلنا۔“ ترنم نے صلہ سنایا۔

”ترنم! یہ سب کیا ہے؟“ ماہی نے چیختے ہوئے کہا۔

”تم بیٹھو میری جان! غصّہ کرنے سے تمہارے چہرے پر جلد جھریاں پڑجائیں گی۔“ ترنم نے ماہی کو ہ سے کہا کہ اُس کا موڈ مزید خراب نہ ہو۔

”ترنم تم میری محبت کا ناجائز فائدہ اُٹھاتی ہو!“ ماہی نے گاڑی سے باہر کا منظر دیکھ کر ناک بھوں ائی۔

آصف نے جن گلیوں کے باہر گاڑی کھڑی کی تھی، وہاں سے گندی نالیوں سے گندی بدبو کے ے اُٹھ رہے تھے۔

”ہمارا تو کام ہی محبت کا ناجائز فائدہ اُٹھانا ہے میری جان!“ ترنم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اُس کی راہٹ بالکل یوں تھی، جیسے روشنی کی کوئی کرن چمکی ہو۔

”تم کمبخت ہو ایک حسین بلا! مسکرا کر جان نکال دیتی ہو!“ ماہی نے پھولے پھولے چہرے سے کہا۔

”اچھا اب تم اُترو! ہم آصف کی امّاں کا حال چال پوچھ آتے ہیں۔“ ترنم کی نئی فرمائش پر ماہی کو ل ہی لگ گئی۔

”تمہارا تو دماغ بالکل اُلٹ گیا ہے، جو ٹکے ٹکے کے ڈرائیوروں کو منہ لگاتی ہو۔ تم ہی جاؤ مجھے نہیں ا۔“ ساتھ ہی اس نے کانوں پر ہیڈفون لگالیا۔ ماہی نے اتنی اونچی آواز میں کہا تھا کہ آصف کے ے کا رنگ ہی ایک دم بدل گیا۔

”ٹھیک ہے تم بیٹھو ہم آتے ہیں۔“ ترنم نے آصف کی شکل پہ آئی بے چارگی دیکھ کر جلدی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُترتے کہا۔

جوں جوں وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے گلیاں تنگ و تاریک ہوتی جا رہی تھیں، جانے سورج کی کرنیں کیسے یہاں تک پہنچ جاتی تھیں۔ جگہ جگہ کوڑے کے ڈھیر ماحول میں بُو پھیلانے کا باعث رہے تھے۔ دونوں جانب چلتی نالیاں اس ماحول کو کراہت آمیز بنانے میں مرکزی کردار ادا کر رہی تھیں۔ یہ سب کچھ باہر سے آنے والے کو فوری محسوس ہوتا تھا۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی ترنم نے ناک پر کرلیا۔

''کب سے بیمار ہے تمہاری امّاں اور کیا بیماری ہے اُسے؟'' ترنم نے اپنا دھیان اُس غلاظت بھرے ماحول سے ہٹانے کے لیے آصف سے گفتگو شروع کر دی۔

''جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے باجی، اُسے ہر پَل بیمار ہی دیکھا ہے!'' آصف کی آواز بے چارگی تھی۔ وہ ایک دروازے کے سامنے آ کر رُکے جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ پردے کا اصلی رنگ جانے کیا تھا۔ اس وقت وہ اس قدر میل سے بھرا ہوا تھا کہ اُس کا رنگ کالا پڑ گیا تھا۔

آصف نے پردہ ہٹا کر ترنم کو اندر آنے کا راستا دیا۔

تاریک و تنگ چھوٹی سی گلی سے گزر کر اب وہ چند فٹ کے صحن میں داخل ہوئے۔ گھر کی فضا سیلن زدہ تھی۔ ترنم نے زندگی میں پہلی بار ایسا ماحول دیکھا تھا۔ اُس کا دِل ایک دم متلایا۔

اُس کا اپنا گھر کس قدر صاف ستھری گلی میں تھا۔ کھڑکیوں اور صحن سے سورج گزر کر اُن کے حصے کی روشنی اور زندگی بانٹ کر جاتا تھا۔ ایسی تنگ و تاریک بدبودار گلیوں کو اُس نے کبھی تصور میں بھی نہ دیکھا تھا۔

آصف کے گھر کے سامنے اُس کا وہ ننھا منھا سا گھر کسی محل سے کم نہ تھا۔ اور وہ کس قدر بدنصیب اپنے محل جیسے مضبوط گھر کو تباہ کر کے خود بھی تباہیوں کے راستے پر آ گئی تھی۔

ترنم کے دِل سے بے اختیار ہوک اُٹھی۔

''باجی تم یہاں رُکو!'' آصف کمرے کی چوکھٹ پر کھڑا اُسے روک رہا تھا۔

آصف نے موم بتی جلائی اور پھر اُسے جہاں لے کر گیا۔!

وہاں ترنم کے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

جیسے اُس نے کسی قبر میں پاؤں رکھ دیا ہو۔

ترنم کا جی بے اختیار متلانے لگا۔ اُس سے وہاں کھڑا ہونا دوبھر ہو گیا۔ زندہ وجود کو کیڑے مکوڑوں کے ساتھ دیکھنا واقعی بہت ہمت کی بات ہے۔

پاس پڑی بالٹی اُلٹیوں سے بھری ناقابل برداشت بو پھیلا رہی تھی۔ آصف کی ماں جانے کتنے عرصے سے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔

اُس کے ''بیڈ سور'' ہو چکے تھے۔ اور اُن میں کیڑے پڑ چکے تھے۔ کچھ کمرے میں موجود کیڑے اُس کے زندہ وجود کو نوچ رہے تھے۔

''یہ... یہ تم نے اپنی ماں کو کس حال میں رکھا ہوا ہے؟'' ترنم نے ناک پر دوپٹا رکھے رکھے آصف

ب کیا۔

''یوں تو یہ مر جائے گی!'' ترنم کو باقاعدہ جُھرجُھریاں آ رہی تھیں۔

''یہ نہیں مرے گی باجی! پہلے مجھے مارے گی پھر مرے گی!'' آصف نے دِل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے کہا۔

''پچھلے آٹھ سال سے یہ بستر سے اُٹھ نہیں سکی، لیکن جانے کیوں یہ مر بھی نہیں سکی!'' آصف کی آواز سے پھٹ رہی تھی۔

وہ ساتھ لائی دوائی پانی میں گھول کر اُس کا منہ کھول کر ڈال رہا تھا۔ جواب میں وہ عورت جس طرح غاں غاں کر رہی تھی وہ بہت دِل دہلا دینے والی تھی۔

''کیا یہ بول نہیں سکتی؟'' ترنم نے ساری کارروائی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ اپنے زمانے کی مشہور گائیکہ تھی!'' آصف نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اُس کا منہ پونچھا۔

''گانا گاتی تھی، جسم بیچتی تھی، یہ پیشے میں طوائف ہے!'' آصف کی آواز برف کی طرح سرد ہو گئی۔

اس نے اِک نفرت بھری نگاہ اُس عورت پر ڈالی، جو اُس کی ماں تھی، جس کے لیے کچھ گھنٹے پہلے وہ ں سے رو رہا تھا۔

''اس کی آواز! جس میں جادو تھا۔ وہ کب کا ٹوٹ چکا ہے اور جس جسم کو بیچ کر یہ کھاتی تھی۔ آج وہ کیڑے کھا رہے ہیں۔ پہلے انسانی کیڑے کھاتے تھے اب۔!'' آصف شاید اپنے حواسوں میں نہ تھا۔

''میرا باپ سینما ہال کا لائٹ مین تھا۔ ایسا لائٹ مین، جس کی زندگی میں کسی قسم کی روشنی کا گزر نہ ہوا'' آصف ہلکے سے یوں ہنسا جیسے وہ کسی لطیفے سے لطف اندوز ہوا ہو۔

''وہ ساری عمر اِسے بے ہدایتی کہتا رہا، کہتا تھا آج تُو حرام کھائے گی کل تجھے یہ کھا جائے گا!'' کیسا آدمی تھا میرا باپ جو زندہ ہوتا تو اپنے کہے کو سچ ہوتے دیکھ بھی لیتا۔'' عورت نے غوں غوں کر کے شور شروع کر دیا تھا۔ آصف کو اپنی بات روکنی پڑی۔

''امّاں چُپ کر کے دوا پی لے مجھے کام پر جانا ہے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' آصف نے ماں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ عورت کی غوں غوں میں کچھ کمی آ گئی۔

''سب سُنتی ہے، سب سمجھتی ہے اس لیے میرا کہا اِسے بُرا لگتا ہے!'' آصف تھوڑا سا مسکرایا اُس کی مسکراہٹ چٹخے شیشے جیسی تھی۔ ترنم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ایک عبرت ناک انجام اُس کے سامنے موجود تھا۔

ب میں چھوٹا تھا تو یہ سرخی پوڈر لگا کر گہنے پہن کر خوشبو لگا کر نکل جایا کرتی تھی۔ جگہ جگہ چتّے پہ لے چند سو روپوں کے لیے اپنی مرضی سے خود کو بیچا۔ یہ واقعی بے ہدایتی تھی۔

کاش! یہ گھروں میں جھاڑو پوچھا لگا کر چند سکّے کما سکتی، محنت اور جائز زندگی گزار کر اپنے بدن میں بُو بسا لیتی تو آج یہ کیڑے اس کے بدن کو چھونے کی ہمت نہ کرتے۔ لیکن اسے وہ طریقہ ہمیشہ اور آسان لگتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''باجی! میرا باپ مجھے اکثر کہتا تھا کہ آسان لگنے والے راستے کا انجام بڑا دُشوار ہوتا ہے! وہ اُس عورت سے محبت کر بیٹھا تھا لیکن اس عورت نے اُس کی قدر نہ کی۔''

''میرا باپ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ جس آسان راستے پر اماں چلی تھی وہاں سے جگہ جگہ کے غلیظ مردوں کی بیماریاں بھی اُٹھالائی۔ اور پھر جب یہ بیمار ہوئی تو سب اُس کے پاس سے بھاگ گئے۔ لیکن میں ایسا بد بخت ہوں، جو چاہ کر بھی اِس سے بھاگ نہیں سکتا!'' آصف کی آواز میں ایک بار پھر نفرت گونجنے لگی۔ وہ بیک وقت نفرت اور محبت جیسے جذبے میں مبتلا تھا۔ کبھی اُسے اپنی ماں کی محبت تڑپاتی تھی تو کبھی نفرت رُلاتی تھی۔

عورت کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ جگہ جگہ چلتے کیڑے اور ماحول کی بدبُو! یہ سب ترنم کی توقع اور برداشت سے زیادہ تھا۔

ترنم دوڑتی ہوئی باہر نکلی۔ اُسے بے اختیار اُبکائی آ گئی وہ اندھوں کی طرح گرتی پڑتی گھر سے نکلی، جانے کتنی دیر وہ باہر گلی میں کھڑی اُلٹیاں کرتی رہی۔

''باجی پانی لے لو!'' آصف شاید گاڑی سے پانی کی بوتل نکال لایا تھا۔ ترنم نے کُلیاں کیں اور دو گھونٹ پانی پیا۔ اس کا سر بے حد چکرا رہا تھا۔

ایک زندہ قبر!

ایک زندہ انجام!

''تو کیا مرنے کے بعد اسے ناقابلِ برداشت عذاب نہ ہوگا؟'' گاڑی کی سیٹ کے ساتھ سر ٹکائے آنکھیں موندھتے ہوئے یہ خیال اُسے کسی ناگ کی طرح ڈسنے لگا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی تو آنکھیں بند کیے شاید ماہی سو رہی تھی ایک دم چونک کر اُٹھ بیٹھی۔

''ہوگئی مزاج پُرسی؟'' ماہی کا لہجہ جلتا ہوا تھا۔

''مزاج درست ہوگئے ہیں!'' ترنم زیرِ لب بولی کہ ماہی سن ہی نہ سکی۔

''اب دیکھنا ہم لیٹ ہو جائیں گے، چلو تمہاری ضد تو پوری ہو چکی ہے۔ دُعا کرنا کہ ہم آپا سے نہ جائیں۔''

''وہ کم بخت پری ''چڑیل'' ہر وقت ہماری شکایت کے بہانے تلاشتی ہے!'' ماہی کی پری سے ہر وقت اَن بَن رہتی تھی اس لیے وہ اُسے کبھی چڑیل تو کبھی ڈائن جیسے ناموں سے پکارتی تھی۔

ترنم اس قدر نڈھال ہو چکی تھی کہ ماہی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اُس سے بولا تک نہ جا رہا تھا۔

''دیکھو میری جان! تم فکر نہ کرو ہمیں دیر نہیں ہوگی ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے، ہر کام اللہ کی ذات کرتی ہے اور اللہ ہمیشہ اچھا ہی کرتا ہے!'' ترنم جانے کن حواسوں میں تھی۔ وہ بے حد ان کنسرن فرد کے ساتھ اس طرح کی باتیں کر رہی تھی، جس کو ان باتوں سے کوئی سروکار اور یقین نہ تھا۔ ماہی جانے مزید کیوں نہ بولی بس اُس کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ در آئی تھی۔ ماہی آنکھیں موندھے ترنم کو غور سے دیکھنے لگی۔

''یہ طوائف ہے۔ یہ بات یہ کیوں بھول جاتی ہے!''

ھی کوئی طوائف عورت بن سکی ہے؟ بہت ناممکن سی بات ہے۔ ہاں عورت ضرور طوائف بن سکتی

رت سے طوائف تک کا راستہ وَن وے ہے، جہاں واپسی کا کوئی راستہ نہیں، پھر یہ مُلّانی کیوں ہلی ہے۔ ٹکڑوں میں جیتی جیتی کسی دن یہ پاگل ہو جائے گی!'' ماہی نے پہلی بار ترنم کے لیے اتنے قیقت سے سوچا تھا۔

لو دیکھ لیتے ہیں ترنم بے بی کہ تمہارا اللہ ہماری دیر کرنے میں کون سی بھلائی لیے بیٹھا ہے۔'' ماہی دھے اُچکاتے ہوئے سوچا۔

م کی طرح وہ آپا سے کبھی بے خوفی نہ دکھا پاتی تھی۔ ترنم کو تو خود کی پروا نہ تھی، وہ ہر انجام سے بے ٹ پٹانگ حرکات کرتی تھی۔ جب کہ ماہی کے دِل میں چاندنی میڈم کا بے حد خوف تھا وہ اُس کی لد کا اندازہ کئی بار کر چکی تھی۔ وہ چاندنی میڈم کی حکم عدولی یا حکم میں دیر کرنے کا مطلب جانتی تھی اس لیے حد بے چین تھی۔ وہ ہر صورت فنکشن میں ویل ان ٹائم پہنچنا چاہتی تھی لیکن فی الحال اُسے ایسا ہوتا ہ آ رہا تھا۔

❖❖○❖❖

ر پکی ہے؟'' طارق نے محتاط آواز میں فون پر پوچھا۔

ی سر! خبر بالکل پکی ہے۔ وہ لڑکا، جس کی وجہ سے لڑکی نے خودکشی کی تھی اُسی گینگ کا کارندہ ہے۔ ل رات وہ اس فنکشن میں لڑکیاں سپلائی کرنے اور رقم لینے آ رہا ہے۔'' طارق کے اسسٹنٹ فیصل ی اطلاع دی۔

یں چیف سے بات کرتا ہوں، تم ریڈ کا انتظام سول پولیس سے کرو۔ لیکن چارج ہم ہی سنبھالیں یں فی الحال اُن لوگوں کی نفری درکار ہوگی۔ مجھے ہر صورت یہ لڑکے لڑکیاں چاہئیں۔'' طارق نے و آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

اوکے سر! میں گھنٹے تک آپ سے دوبارہ رابطہ کرتا ہوں۔'' فیصل نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔ ارق اور اُس کی ٹیم کے پاس اسپیشل فون سیٹ تھے، جو آپس میں رابطے کے لیے تھے، اِنھیں ٹریس کرنا ال تھا۔

الہ یہ سب کیا ہے؟ آج میری برتھ ڈے ہے۔'' سائرہ نے روہانسی ہوتے ہوئے کہا۔

ار میرا جانا بے حد ضروری ہے! لیکن میرا وعدہ رہا میں تمہارے کیک کاٹنے کے وقت تک پہنچ جاؤں گا۔''

ل نے جلدی سے اپنا دوسرا لانگ شوز بھی بند کرتے ہوئے کہا۔

لالہ! میں آپ سے سخت خفا ہوں۔ آپ کبھی ہمیں وقت نہیں دیتے۔'' سائرہ کا موڈ بھائی کے جانے ن کر ہی آف ہو گیا تھا۔

دیکھو مُسکان! سمعان آنی وغیرہ اِدھر ہی ہیں، کچھ دیر میں وَلی اور اُس کی فیملی بھی آ جائے گی تم سب اتھ انجوائے کرو۔ میں واپس آ جاؤں گا۔''

اس احمد سے کہو کہ گھوڑوں پر زین ڈال دے اور تم سب کو رائیڈنگ وغیرہ کروا دے جب تک تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انجوائے کرتے ہو میں واپس آ جاؤں گا۔

''لالہ آپ نے ہمیں بچّہ سمجھ لیا ہے، گھوڑ سواری سے بہلائیں گے۔'' سائرہ کی گندمی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ وہ واقعی اُداس ہو رہی تھی۔

''پلیز بچّے! کہا ناں آ رہا ہوں۔'' طارق نے تیزی سے اپنی جیب کی چابیاں اُٹھا کر باہر نکلتے کہا آج کی ریڈ بہت اہم تھی اس سلسلے میں پہلی کڑی سامنے آ رہی تھی۔ طارق فوراً وہاں پہنچنا چا تا کہ یہ آپریشن اُس کی موجودگی میں ہو۔ اتفاق یہ تھا کہ وہ اُس مقام سے بے حد قریب تھا۔ اُن کا ہاؤس اُس مقام کے پاس ہی تھا۔

''سر! آج کے فنکشن میں بہت سی بیوروکریٹ شخصیات بھی ہیں اور کچھ فارنرز بھی!'' فیصل نے ا سے ملتے ہی پریشانی سے بتایا۔

''ہم یہ ریڈ نہیں کر پائیں گے۔'' طارق کے ماتھے پر پُرسوچ لکیریں تھیں۔

''کون کون ہے اندر؟'' طارق نے پوچھا۔

فیصل نے جن شخصیات کا نام لیا، وہ واقعی طارق کو سوچ میں ڈال گئی تھیں۔

''ایک تو یہ ہمارا سسٹم ہی پورا انوالو ہے۔ ہم اِن کی وجہ سے بے بس ہو جاتے ہیں۔'' طارق نے اپنے دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے ہر صورت وہ لڑکے لڑکیاں چاہئیں۔'' طارق نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''فیصل تم ڈیرے کو چاروں جانب سے گھیر و میں تم کو کچھ دیر میں درست صورت حال سے مطلع کر گا۔'' طارق نے فوراً ایک دوسرا راستا سوچا۔ وہ خود سے اندر جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

اندر تو الگ سے اک جنت آباد تھی۔ لان میں جگہ جگہ رنگین فوارے چل رہے تھے۔ شراب اور ا وافر مقدار میں موجود تھا۔ دُکھ کی بات تو یہ تھی اس محفل کو اٹینڈ کرنے والے سبز جھنڈے والی گاڑیو بیٹھ کر آئے تھے۔

ان میں چار افراد بے حد اہم پوسٹوں پر تھے۔ طارق کو وہ فوراً نظر آ گئے کیوں کہ وہ اسپیشل پہا میں تھے اور رنگین تتلیوں میں گھرے ہوئے تھے۔

''اسکیوزمی سر! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو اپنا دعوتی کارڈ دکھائیں گے۔'' ایک درمیانی عمر کا آدمی ا اِس تقریب کا منتظم تھا، اُس کے پاس آ کر پوچھ رہا تھا۔

''جی بالکل! میرے پاس کارڈ ہے آپ ذرا اِدھر چل کر دیکھیے!'' طارق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اُسے کسی ایسے بندے کی ہی تلاش تھی جو اُس کی مدد کر سکتا ہو۔ اور وہ بندہ خود اس کے پاس آ گیا تھا۔

طارق نے اُسے اپنا کارڈ دکھایا تو اُس کے چہرے پر ایک دم سے ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ لیکن یکدم مطمئن نظر آنے لگا، جس کی وجہ اس تقریب میں اہم شخصیات کا ہونا تھا۔ جن کی وجہ سے پولیا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

''میرا خیال ہے آپ غلط جگہ آ گئے ہیں۔ ہم نے آپ کو مدعو نہیں کیا۔ لیکن چوں کہ آپ

ں میں آ چکے ہیں تو ہم آپ کی تواضع کیے بغیر جانے نہیں دیں گے۔'' اب وہ شخص بے حد اعتماد سے ا

ارق کی مسکراہٹ بے حد جاندار تھی۔

''اگر آپ چاہتے ہیں کہ کچھ دیر بعد آپ ہمارے خاص مہمانوں میں شامل نہ ہوں تو آپ ہمارے ر تعاون کیجیے۔'' طارق کے لہجے میں ایسا کچھ تھا ضرور جس سے مقابل ایک دَم ڈر گیا۔

''ہمیں آپ ہمیں یوں نہیں ڈرا سکتے۔ میں نے کہا ناں آپ غلط جگہ پر آئے ہیں۔'' اُس شخص کی اس بار کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔

''میں آپ کے فنکشن میں آنے کی معذرت چاہتا ہوں بس آپ تعاون کریں، آپ کو نقصان نہ ا'' طارق نے ایک اور پتّا پھینکا۔

''کیسا تعاون؟'' اس بار اُس شخص کا جملہ اور لہجہ دونوں پسپا تھے۔

❖❖○❖❖

ت میں یہ ہوتا ہے
ی انسان ہنستا ہے
ی انسان روتا ہے
ت میں یہ ہوتا ہے
ہ وہ لمحہ بھی آتا ہے
ب اُٹھتے بیٹھتے انسان
ی نشے میں رہتا ہے
الہا تیر ہے گویا
ال کے پار ہوتا!

عان علوی کی گھمبیر آواز ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ سائرہ کی نظر میں سمعان کے لیے بے خودی تھی مسکان اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اُس کا دِل خالص انتظار بن کر دھڑک رہا تھا۔ عبدالولی ک نہ پہنچا تھا۔

کان نے جس طرح آیا امّاں کی منت سماجت کر کے یہاں آنے کی اجازت لی تھی۔ اُسے اب اپنا ہ مقصد لگ رہا تھا۔ اُس کا کسی چیز میں دِل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ اوپر سے سمعان بے حد رومانی سنائے جا رہا تھا۔ لگتا تھا آج وہ اپنا پورا انتخاب سنانے کے موڈ میں ہے۔

عان کے معنی خیز لفظ کسی پیٹرول کی طرح کام کر رہے تھے اور وہ باقاعدہ اندر سے جلنے لگی تھی۔ ے بے قراری اور بے چینی تھی کہ بار بار گھٹن کا احساس ہونے لگتا تھا۔ دِل بھر بھر آتا تھا۔ وہ اور مسٹرڈ رنگ کے کُرتے پاجامے میں ملبوس تھی۔ ساتھ ہم رنگ بالیاں پہنے کھلے سنہری بالوں کے عان کو باربی ڈول لگ رہی تھی۔

ان اس باربی ڈول کی آنکھوں کی چمک کیوں ماند ہے؟'' سمعان کو بے چینی نے آ گھیرا

سمعان کو یہ لڑکی شروع سے اپنی اپنی لگتی تھی۔ اُسے اس میں خاص طرح کی کشش محسوس ہوا اُسے اپنی یہ کشش اور مائل ہونا محبت ہی لگا کرتا تھا۔

"تم کافی لوگی یا چائے؟" سردی بڑھ رہی تھی۔ سائرہ نے ہاتھ ایک دُوسرے سے رگڑتے مُسکان سے پوچھا۔

"کافی!" مُسکان نے کہا۔

"کمال ہے لڑکیاں کافی تو نہیں پیتیں۔" سمعان نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

"اور کتنی لڑکیوں کو تم جانتے ہو؟" سائرہ نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

"صرف ایک! اور وہ میرے ساتھ ہروقت رہتی ہے!" سمعان نے مصنوعی ڈرنے کی اداکاری ہوئے کہا۔

"کون ہے وہ؟" سائرہ نے غور سے اُسے دیکھتے پوچھا۔

"دنیا کی سب سے خوب صورت اور حسین! اور وہ لڑکی ہیں میری ڈیئرسٹ مام، میری ماما۔" نے ہنستے ہوئے کہا۔

سائرہ لب بھینچ کر اپنی مسکراہٹ روکنے لگی۔

"تم ایک دم ڈراما ہو!" وہ کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

اُسی پل وَلی کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ گارڈ نے مین پھاٹک کھول دیا۔ لان میں خنکی بڑھ رہی مُسکان کسی بھی شال وغیرہ سے بے نیاز بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کا دِل بہت تیزی سے دھڑکنے لگا۔ سارے دورانیے میں اُسے پہلی بار اپنے دِل کی دھڑکن کا احساس ہوا تھا۔

"اُس کے ساتھ ایک بے حد خوب صورت لڑکی تھی۔" مُسکان کو بے چینی نے گھیر لیا۔

"ارے وَلی بھائی!" سائرہ ملازم کے ساتھ چائے اور کافی کے مگ اُٹھوائے باہر آئی اور گرم جو نگینہ سے بولی۔

"شکر ہے تم آئی ہو!" سائرہ نے نگی کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

"تمہارے بغیر کسی کی آنکھوں کی روشنی کم ہوجاتی۔" اُس نے نگی کے کان میں سرگوشی کی کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں سائرہ کو دیکھا۔

جواب میں سائرہ کھلکھلادی۔ وہ پیار سے نگی کا ہاتھ تھامے مُسکان کی طرف بڑھی۔

"یہ نگی ہے، وَلی بھائی کی اکلوتی لاڈلی بہن! اور یہ مُسکان میری اکلوتی لاڈلی دوست!" سائرہ کا آپس میں تعارف کروایا۔

مُسکان نے اطمینان بھری سانس لیتے ہوئے نگینہ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"مجھے تم بہت اچھی اور اپنی سی لگی ہو!" مُسکان نے واقعی اپنے دِل کی بات کہی۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔" نگی کی آواز بے حد مدھم اور دھیمی تھی۔ وا دھیما بولتی تھی۔

"ارے سائرہ میرا یار کدھر ہے؟" وَلی کو طارق کی کمی بے حد محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ تو آپ خود اُن سے پوچھیے گا۔" سائرہ کی آواز میں ایک دم ناراضگی جھلکنے لگی۔

وَلی نے نہ سمجھنے کے انداز میں سائرہ کا رویّہ دیکھا۔

"کم آن وَلی بھائی! اس ناراض حسینہ کو چھوڑیں اس کا پارہ تو ہر وقت ہائی رہتا ہے۔" سمعان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ مجھ سے ملیں، میں طارق کا بہت دُور کا نہایت قریبی کزن ہوں۔" سمعان نے اپنی فطری خوش مزاجی سے تعارف کروایا۔ وَلی کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ در آئی۔

"میں وَلی ہوں اور طارق کا بچپن کا دوست۔" وَلی نے سمعان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ طارق آپ کا بہت ذکر کرتا ہے۔" سمعان نے وَلی کو چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے کہا۔

"اگر میں کافی لے لوں تو آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا۔" وَلی نے سمعان سے کہا۔

"میں کیوں اعتراض کروں گا۔ جس معزز خاتون کے لیے بن کر آئی ہے آپ اُن سے پوچھ لیں۔" سمعان نے کندھے اُچکاتے مُسکان کی جانب اشارہ کیا۔

مُسکان کتنی دیر سے اُس کے متوجہ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اُسے ایک بار پھر نہایت اجنبی اور دُور محسوس ہوا، اس کی انا پر بہت کاری ضرب پڑی۔ وہ جب سے آیا تھا، اُس نے ایک بار بھی اُس کی جانب نہ دیکھا تھا۔

"ارے آپ بھی ہیں! السلام علیکم!" وَلی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہونہہ کیسی سلامتی بھیجتے ہو، سب کچھ جب تم نے تباہ کردیا ہے!" مُسکان اندر سے تڑپی۔

"ظاہر ہے جہاں سائرہ ہوگی وہاں مُسکان ضرور ہوگی۔" سائرہ نے کافی کا مگ وَلی کو تھمایا۔

"رئیس احمد چائے تھرماس میں ہے تم کپ اور لے آؤ۔" سائرہ نے ملازم سے کہا۔

"آپ بھی سائرہ جی کے ساتھ بھائی کے کالج میں پڑھتی ہیں؟" نگی نے اپنی معصوم آنکھیں پھیلا کر مُسکان سے تجسس وشوق سے پوچھا۔

"ہاں قسمت سے!" مُسکان نے جلتے ہوئے کہا اور ایک سرد آہ بھری۔

"اس کا مطلب آپ بھی آرٹسٹ ہیں!" نگی نے خوشی سے کہا۔

"ظاہر ہے آرٹ کالج میں آرٹسٹ ہی ہوں گے۔ ڈاکٹر تو نہیں ہوسکتے۔" سمعان نے اپنی طرف سے مذاق میں کہا۔ نگی کا شرم سے چہرا سرخ ہوگیا۔

"سمعان! اِٹ از بیڈ جوک!" سائرہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری خواتین! اس وقت ہم تعداد میں کم ہیں۔ مجھے واقعی چپ رہنا چاہیے۔" سمعان نے ایک بار پھر ڈرنے کی مصنوعی اداکاری کی۔

"تم بھی ناں!" سائرہ نے اُسے کڑی نظروں سے دیکھا۔

"کیا شخص ہے ناراض ہونے اور غصّہ بھی نہیں کرنے دیتا۔" وہ دِل میں بولی۔

❖❖○❖❖

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مریم بی بی کدھر ہیں؟" زنان خانے کے باہر یہ آواز سیّد سرفراز کی تھی۔ وہ شاید کسی ملازم سے اُس کی بابت پُوچھ رہا تھا۔

"وہ جی اپنے کمرے وچ ہیں۔" ملازمہ نے جواب میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ساتھ ہی اس کے قدموں کی آواز قریب آ گئی۔

مریم کے کمرے میں موجود زبیدہ کا دِل بوکھلا گیا اُس کا سرخ ہوتا رنگ اُس کے دِل کی کیفیت بیاں کر رہا تھا۔

"آپ؟" وہ اُس کے پاس آ کر رُک گیا۔

زبیدہ کو سر پر آنچل سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"جی! وہ مریم بڑی بی بی کی بات سننے اُن کے کمرے میں گئی ہے۔" زبیدہ نے زلیخا بی بی کی جانب اشارہ کیا۔

"تم کب آئیں؟" سیّد سرفراز نے اُس کا سر سے پاؤں تک بھرپور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"آج ہی آئی ہوں۔" زبیدہ نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے جواب دیا۔

"آج ہی آئی ہو اور آج ہی حویلی آ گئیں، تمہارا بہت دِل لگتا ہے حویلی میں۔" سیّد سرفراز نے اُس کے نہایت قریب ہو کر پوچھا۔ یہاں تک کہ زبیدہ کو اُس کے وجود سے اُٹھتی خوشبو اپنے گرد حصار باندھتی محسوس ہوئی۔

"وہ! میں مریم سے ملنے آئی تھی۔" زبیدہ نے تھوک سے حلق تر کرتے ہوئے بمشکل کہا۔

"زبیدہ!" سیّد سرفراز کا اُسے یوں بلانا سر سے پیر تک گھبراہٹ میں مبتلا کر گیا۔

"مجھے کیوں لگا کہ تم صرف مریم بی بی کے لیے نہیں آتیں، کیا میں اُسے اپنی خوش فہمی کہوں؟" سیّد سرفراز اِس دودھ مکھن جیسی لڑکی کو دیکھ کر ہمیشہ اپنے حواس کھونے لگتا تھا۔

زبیدہ نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی لیکن وہ اُس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

"پلیز مجھے جانے دیجیے!" زبیدہ سے سرفراز کی اتنی قربت برداشت کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔

"پہلے تم میرے سوال کا جواب دو!" سید سرفراز نے نشیلی نگاہوں سے اُس نشے کی بند بوتل جیسی لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"زبیدہ!" باہر مریم کی آواز سنائی دی۔ سید سرفراز ایک دم بوکھلا کر پیچھے ہٹا، یہی حال زبیدہ کا تھا۔ سید سرفراز کے پہلو سے سکڑ کر نکلی اور بھاگ کر دروازے تک آئی پھر ایک دم پلٹی۔

"شاہ جی! انسان خوش فہم بے شک نہ ہو لیکن اُسے خوش گمان ضرور ہونا چاہیے!" یہ کہہ کر وہ دھیرے سے مسکرائی اُس کے دونوں گالوں میں بھنور پڑ گئے۔" سیّد سرفراز کو اُس کا یوں شاہ جی کہنا بے حد بھلا لگا اُسے ایک دم سے گدگدی ہوئی۔

اُس کے دِل میں اس خوش رنگ تتلی کو چھونے کی خواہش بے حد زور آور ہو گئی تھی۔ لیکن وہ ایک سرد آہ بھر کر رہ گیا۔ وہ تتلی کچھ سُنے بغیر ہی بھاگ گئی تھی۔

"تم کس راہ کی طرف جانے لگے ہو؟" دماغ نے اُسے فوراً ڈانٹا۔ یہ تمہاری راہ گزر تو ہو سکتی ہے لیکن

تمہاری منزل مقصود ہرگز نہیں۔

تمہارا خواب کہ تم طاقت اور دولت میں اپنے خاندان میں سب سے زیادہ بڑے ہو وہ خواب زبیدہ کی بدولت میں ادھورا رہ جائے گا! یہ خیال سیّد سرفراز کے لیے اس قدر خوف ناک تھا کہ اس خیال نے اُس کے دماغ سے زبیدہ کا سارا نشہ بھگا دیا۔

"نہیں! سید سرفراز کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرے گا۔" اور یوں سیّد سرفراز نے دِل کی ہر بات کو رد کر دیا۔

سیّد سرفراز کے لیے چھوٹی امی کی طرح کوئی آٹھ دس گاؤں ساتھ لانے والی ہی ہو گی۔ بچپن سے اُس کی ماں نے جو معیار اُسے بتایا تھا اُس کا ذہن اُسی کے گرد گھوما کرتا تھا۔

ریحانہ بی بی نے ساری عمر زلیخا کو اپنے سے زیادہ اہم محسوس ہوتے دیکھا تھا۔ اور اُسے ہمیشہ لگتا تھا کہ زلیخا چوں کہ ڈھیروں زمین اپنے ساتھ لائی ہے اس لیے وہ آتے ہی چھا گئی ہے۔ اُس نے اپنے بیٹے کے دِل میں زمین و جائیداد کی محبت اور اہمیت پیدا کر دی تھی۔ جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتے بڑھتے جنون بننے لگی تھی۔

اور جنون تو ہمیشہ تباہیاں ہی پیدا کرتے ہیں۔

❖❖○❖❖

دِل کے صحرا میں کوئی آس کا آہو لکھ دے
میرے حصے میں فقط پیار کی خوشبو لکھ دے

زبیدہ کتنی ہی دیر سے آپ ہی آپ مسکرائے جا رہی تھی۔ وہ اِرد گرد کے ماحول سے بالکل کٹی بیٹھی تھی۔ جب سے وہ حویلی سے آئی تھی اُس کی کچھ ایسی ہی حالت تھی۔ چاند نے لان کے کتنے ہی چکر لگا لیے تھے کہ زبیدہ کو وہ متوجہ کر سکے لیکن وہ لڑکی جانے کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی، متوجہ ہو ہی نہیں رہی تھی۔ بالآخر وہ اُس کے سر پر جا کھڑا ہوا۔

"زبیدہ بیڈمنٹن کھیلو گی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں چاند بھائی! میرا کھیلنے کا بالکل موڈ نہیں ہے۔" زبیدہ نے بلاوجہ مسکراتے ہوئے کہا، آج تو بغیر وجہ کے ہی مسکان اُس کے ہونٹوں پر آ ٹھہری تھی۔

"تم جب سے حویلی سے واپس آئی ہو بہت بدلی بدلی لگ رہی ہو۔" وہ اُس کے فنگر ٹپس پر تھی۔ کب اُس کا موڈ اچھا ہوتا ہے کب خراب! وہ سب سے باخبر رہتا تھا۔

"چاند بھائی آپ نے ایسا کیوں کہا؟" زبیدہ کے چہرے کی بوکھلاہٹ بے حد واضح تھی جس بات کو وہ سینت سینت کر رکھ رہی تھی وہ کیسے کسی کے سامنے آ سکتی ہے۔ اُس کا دِل بے اختیار گھبرایا۔

"وہ اس لیے کہ تم جب سے آئی ہو بہت چُپ چُپ ہو۔" یہ کہہ کر وہ چُپ ہو گیا۔

"اور کیا؟" زبیدہ نے اپنی خوبصورت آنکھوں کو تقریباً پورا کھولتے ہوئے پوچھا۔

"اور تم بلاوجہ مسکرائے جا رہی ہو۔" چاند یہ کہہ کر اُس کی جانب غور سے دیکھنے لگا۔

"توبہ ہے آپ تو ڈرا کر رکھ دیتے ہیں!" زبیدہ نے سکون بھرا گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا میں تم کو ڈراؤنا لگتا ہوں؟" چاند میاں بے حد سادہ تھے انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

"ارے نہیں! میں وہ والا ڈراؤنا نہیں کہہ رہی بلکہ دوسرا۔ اچھا چھوڑیں ان باتوں کو، چچی امی کا کیا حال ہے؟" زبیدہ نے بات کا رُخ اپنی جانب سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہی ہیں۔ اُن کا بلڈ پریشر جب جب بڑھتا، ہے سر کا درد شدت اختیار کر جاتا ہے۔" چاند میاں نے گہری سانس بھر کے کہا۔

"جب سے چچا ابو فوت ہوئے ہیں، چچی امی زندگی اور دُنیا والوں سے کٹ کر رہ گئی ہیں، آپ کیوں نہیں سمجھاتے اُن کو۔ اس طرح تو وہ اپنی صحت مزید تباہ کرلیں گی۔" زبیدہ نے نہایت فکر مندی سے پوچھا۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس قدر عقل مند باتیں کرنے والی لڑکی سیّد سرفراز کے سامنے بالکل ہی عقل و ہوش کا دامن چھوڑ دیتی ہے۔ شاید اسی لیے محبّت کو اندھا کہا جاتا ہے، جو بینائی رکھنے کے باوجود کچھ نہیں دیکھ پاتی۔

"اماں کو میں نے کئی بار کہا ہے لیکن وہ ابو کے بعد بس اُن کے کمرے کی ہی ہوکر رہ گئی ہیں۔" چاند میاں کے لہجے میں بے حد تأسف تھا۔

"تم سناؤ تمہارے دادا دادی کا کیا حال ہے۔" چاند نے پوچھا۔

"چاند بھائی! یہ زیادتی ہے آپ ایسے کیوں کہتے ہیں؟ وہ آپ کے بھی تو دادا دادی ہیں۔" زبیدہ نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"وہ میرے دادا دادی کیسے ہوسکتے ہیں زبیدہ! انھوں نے ابو کو عاق کردیا تھا۔ آج تک میری ماں کو بہو نہیں مانا تو میں کیسے اُن کا پوتا کہلا سکتا ہوں۔" چاند کا لہجہ بے حد ٹوٹا ہوا تھا۔

"زبیدہ ایک دم تڑپ اُٹھی وہ بیحد نرم دِل تھی۔"

"چاند بھائی! کہہ دینے سے خون کے رشتے نہیں ٹوٹتے۔"

"زبیدہ رشتے نبھانے سے بنتے ہیں!" چاند میاں جو سب کی نظر میں بہت سادہ اور بے ضرر تھے۔ بہت گہری بات کہہ گئے تھے۔

"یہ تو تایا ابو کا بڑا پن اور محبت ہے جنھوں نے میرے ابو کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ ابو کی وفات کے بعد امی مجھ سے لاپروا ہوگئیں تب تایا ابو ہی نے میری تعلیم و تربیت پر توجہ دی۔ آج میری تعلیم تایا ابو کی مہربانیوں کی وجہ سے جاری ہے۔" چاند میاں بے شک سادہ انسان تھے لیکن احسان فراموش ہرگز نہ تھے۔

"تایا ابو نے ہر مقام پر ہمارا ہاتھ تھاما ہے میں نہ صرف اُن کی بے حد عزّت کرتا ہوں بلکہ میں اُن سے بے حد محبّت کرتا ہوں۔ اگر کبھی میں اُن کے کسی کام آپاؤں تو میں اِسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی جانوں گا۔" چاند کا لہجہ بے حد سچا اور کھرا تھا۔

اُس کا لہجہ بتاتا تھا کہ وہ ملک احتشام کے لیے جان تک نچھاور کرسکتا ہے۔

❖❖○❖❖

طارق نے بہت حکمت عملی سے سارا کام کیا تھا۔ ورنہ اُن اہم حکومتی شخصیات کی موجودگی میں ریڈ ممکن ہی نہیں تھی۔ طارق نے جس بندے کو پکڑا تھا، وہ سارے فنکشن کے انتظام کا کرتا دھرتا تھا۔

"طارق نے اُسی کے ذریعے میزبان کو اطلاع کروائی کہ وہ سب چاروں جانب سے گھیرے جاچکے ہیں۔ اگر وہ لوگ اُن سے تعاون کریں گے تو طارق اور اُس کی ٹیم مطلوبہ بندوں کو گرفتار کرے گی۔ اگر وہ تعاون نہیں کریں گے تو طارق کے پاس اتھارٹی لیٹر ہے کہ وہ جائے وقوعہ پر سب کی گرفتاریاں لے لے۔" یہ طارق نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ اُس کی قسمت اچھی تھی کہ یہ تیر درست نشانے پر بیٹھا تھا۔ میزبان بہت بُری طرح گھبرا گیا۔

طارق نے اُسے اور اُس کے اہم مہمانوں کو ایک الگ کمرے میں بٹھا دیا اور میزبان کے اُس خاص بندے کی مدد سے آپریشن مکمل کیا۔

جن لڑکوں کو وہ پکڑنے آیا تھا وہ اسلحے سے لیس تھے، انہوں نے فوری گرفتاری نہ دی، دس پندرہ منٹ وہ باقاعدہ فائرنگ کرتے رہے۔ لیکن طارق نے ڈیرے کے دوسرے راستے سے اُن کو جالیا اُن کا ایک بندہ نہایت زخمی تھا۔

اُن کے ساتھ موجود کال گرلز نے بہت زیادہ شور مچایا تھا، وہ پہلے دھمکیوں اور گالیوں کا استعمال کرتی رہیں پھر اُن کے ساتھ ایک بڑی عمر کی نائیکہ نے باقاعدہ منت ساجت کرنی شروع کردی۔ لیکن طارق نے نہایت سختی سے اُن کو ڈانٹتے ہوئے بند گاڑی میں لوڈ کروادیا۔

"سر! یہ نائیکہ اور اس کی آٹھ لڑکیاں دوسری پارٹی کی ہیں جب کہ جس پارٹی کی ہمیں تلاش تھی اس کی دو لڑکیاں کم ہیں۔" فیصل نے اطلاع دی۔

"ساتھ میں یقیناً کوئی نہ کوئی اُن کا بندہ بھی ہوگا۔ تم تلاش کرو یہیں کہیں ہوں گی ہم اتنی دیر سے موجود ہیں وہ کہاں نکل کر جاسکتی ہیں۔" طارق نے فیصل کو ایک بار پھر ڈیرے کے اندر بھیجا۔

"سر! ہم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے، وہاں کوئی نہیں ہے۔" فیصل نے کوئی بیس منٹ بعد آکر اطلاع دی۔

"ہماری اطلاع کے مطابق وہ لڑکیاں بھی اپنے اڈے سے نکلی تھیں لیکن حیرت ہے وہ کہاں غائب ہو گئیں! ہوسکتا ہے ہمارے سول اسٹاف میں سے کسی نے مخبری کردی ہو۔" فیصل نے اپنا شک ظاہر کیا۔

"نہیں یار! اگر انہوں نے مخبری کرنی ہوتی تو یہ اندر جو موٹی موٹی آسامیاں بیٹھی ہیں، سب سے پہلے ان کو اطلاع ہوتی اور یہ لوگ بھاگتے جبکہ وہ بہت بُری طرح گھبرائے ہوئے ہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ بے خبر تھے۔" طارق نہایت ذہین تھا وہ دُور کی کوڑی لایا۔

"تو پھر وہ لڑکیاں کہاں گئیں؟" فیصل نے شاید خود سے باآواز بلند سوال کیا۔

"بس یار! یقیناً ان کی قسمت اچھی ہوگی۔" طارق نے پسٹل اپنی جیکٹ میں واپس رکھتے ہوئے کہا۔

اُسی پل گھڑی پر اُس کی نظر پڑی، رات کے سوا آٹھ ہورہے تھے۔ وہ جو اتنی دیر سے سائرہ کو بھولا ہوا تھا فرصت ملتے ہی یاد آیا کہ وہ کس آفت کی برتھ ڈے سے غیر حاضر ہے۔ اُس نے پریشانی سے ماتھا مَلا۔

"یار فیصل تم ایک فیور کرو گے؟" طارق نے فیصل سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"سر پلیز! آپ کہیے یوں شرمندہ تو نہ کریں۔" فیصل نے الرٹ ہوتے ہوئے کہا۔

تم ان سب کو سیدھا اسپیشل سیل لے جانا، سول تھانے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے، پندرہ منٹ میں ان کے لیے سفارشی فون شروع ہو جائیں گے اور ہماری ساری محنت اکارت جائے گی۔ انشاء اللہ صبح آؤں گا تم اس سارے معاملے کو سنبھال لو گے ناں؟" طارق نے پوچھا۔

"سر! ایس ایچ او صاحب کو سنبھال لیں۔ یہ گرفتاریاں وہ اپنی ملکیت سمجھ رہے ہیں کافی دیر سے کر رہے ہیں وہ ہمیں۔" فیصل نے اصل صورت حال بتائی۔

"یار اُن کی تو رال ٹپکنی ہی ہے! اُن کو تو ان کی صورت میں پیسہ نظر آ رہا ہے لیکن ہمیں تو خاص مقصد کے لیے یہ گرفتاریاں درکار تھیں۔ تم ان کو لے کر چلو میں ایس ایچ او صاحب کو سنبھالتا ہوں۔" طارق نے عجلت میں گھڑی کی جانب دیکھا۔

گھڑی آٹھ بیس بجا رہی تھی۔ وقت تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ یا اللہ اب تو سائرہ کے غصے سے تُو ہی بچا سکتا ہے۔ مجھے آخر ان ایس ایچ او صاحب سے بھی تو کچھ دیر سر کھپانا ہوگا۔

کچھ دیر پہلے اپنی ٹیم کو لیڈ کرتا مختلف حکمت عملیاں بناتا وہ ریزرو اور سنجیدہ سا طارق بہن کے لیے حد سوفٹ تھا۔ محبتیں انسان کی کمزوری ہوتی ہیں، ہر شخص کسی نہ کسی طرح رشتوں میں بندھا ہوتا ہے اور کچھ رشتے اگر اُن کی زندگیاں مضبوط بناتے ہیں تو وہ ہی ان کو کمزور کر دیتے ہیں۔

طارق کی زندگی میں بھی بہن کا رشتہ اُس کی کمزوری تھا۔

❖❖○❖❖

"اب تم کیک کاٹ بھی لو! بھوک سے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔" سمعان نے سائرہ سے کہا۔

سائرہ پہلے ہی بے حد آف موڈ میں بیٹھی تھی، ایک دم رو پڑی۔ تقریباً سب ہی لوگ گھبرا گئے۔ مسکان اور نگینہ نے اُسے گلے لگا کر بمشکل چپ کروایا۔

"تم تو بہت بہادر لڑکی ہو اتنی سی بات پر رو پڑیں اگر زیادہ بھوک لگی ہے تو ہم تھوڑا بہت کھا لیتے ہیں۔" وَلی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"نہیں! میں بھوک کی وجہ سے نہیں رو رہی؟" سائرہ نے اپنی بھیگی پلکیں اُٹھا کر کہا۔

"وَلی کو ایک دم وہ نگینہ کی طرح لگی۔ کیا سب لڑکیاں اتنے ہی چھوٹے دِل کی مالک ہوتی ہیں۔" وَلی نے دِل ہی دِل میں سوچا۔

"تو پھر تم کیوں روئی تھیں۔" وَلی نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

سائرہ کے بالکل ساتھ مسکان بیٹھی تھی اُس کا دِل تو لگتا تھا کہ سینہ توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"اپنے بھائی کی وجہ سے پریشان ہو؟" وَلی نے سائرہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے پوچھا۔

"لالہ ہمیشہ یوں ہی کرتے ہیں۔ اُن کی نظر میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے نکل گئے مجھ سے بھی اہم کام نمٹانے۔" سائرہ نے روئی روئی آواز میں شکوہ کیا۔

"دیکھو تم میرے دوست کو غلط سمجھ رہی ہو۔ وہ ایک وقت میں بہت جگہوں میں پھنسا ہوتا ہے، اور پھر میں بھی تو تمہارا بڑا بھائی ہی ہوں۔" وَلی نے اُسے کول ڈاؤن کرتے ہوئے کہا۔

"لعنت تیرے کی! یہ وَلی بھی عجیب انسان ہے، کبھی کسی لڑکی کے پاس جا کر بیٹھتا بھی تو اُسے بھی بہن ..." ٹی ٹو نے مونگ پھلی چھیلتے ہوئے با آواز بلند کہا۔

"ہر کوئی آپ کی طرح تھوڑا ہی ہوتا ہے۔" سائرہ کی ایک اور دوست منزہ نے جل کر کہا۔

"واقعی ہر کوئی میری طرح ہینڈسم نہیں ہو سکتا۔" ٹی ٹو نے شان بے نیازی سے کہا۔

"اللہ رے خوش فہمیاں۔" حنا نے جل کر کہا۔

"ایکسکیوز می! کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں۔" ٹی ٹو نے باقاعدہ اُن کی جانب مُڑ کر پوچھا۔

"حنا اور منزہ اُس کی اتنی جرأت پر ایک دم بوکھلا گئیں۔" جواب میں ٹی ٹو نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"میں واقعی بہت ہینڈسم ہوں، لڑکیوں کی بولتی میرے سامنے یوں ہی بند ہو جاتی ہے۔" ٹی ٹو نے شرارت سے اُن کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

حنا اور منزہ نے باقاعدہ غصے سے ہونہہ کہہ کر رُخ موڑ لیا۔

اسی پل باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ اور یہ ہارن طارق کی جیپ کا تھا۔ سائرہ کا مُرجھایا ہوا چہرہ ایک دم کھل گیا لیکن دوسرے ہی پل وہ منہ بنا کر کھڑے سے بیٹھ گئی۔ وَلی نے بہت دِلچسپی سے اُس کا چہرہ دیکھا۔

"شاید ساری بہنیں اتنی ہی لاڈلی ہوتی ہیں۔" وہ سائرہ کا سر تھپتھپاتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو مائی ڈیئر سسٹر! اب کیک کاٹ لو ورنہ تمہاری ناراضگی میں باقی بھوکے رہ جائیں گے۔" وَلی نے ہلکے پھلکے انداز میں اُسے سمجھایا۔

"سوری حضرات۔ ارے یہاں تو خواتین بھی ہیں۔" طارق نے ہال میں داخل ہوتے بلند آواز میں کہا۔

"اور ایک خاتون تو بے حد غصے میں ہیں۔" طارق نے سائرہ کو دیکھتے ہوئے کہا، سائرہ نظر پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔

"کم آن سائرہ! یہ سب بعد میں کر لینا تمہارے کیک کاٹنے نے آج تو لٹکا کر رکھ دیا ہے۔" حنا نے اُسے سمجھایا۔

"پلیز سائرہ موڈ ٹھیک کر لو۔" طارق نے بھی کان میں آ کر سرگوشی کی۔

سائرہ میں سب سے اچھی خوبی اُس کا غلط بات پر سوری کرنا اور درست بات کو مان لینا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کا حلقہ احباب بے حد زیادہ تھا۔

سائرہ نے تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا۔ اُس کے بعد پُرتکلف کھانا تھا طارق نے بہترین دو تین تک منگوائے تھے۔ لان میں باربی کیو کا الگ انتظام تھا، ساتھ سبز چائے کا دور چلا، سب ہی نے بے حد انجوائے کیا۔

دعا، حنا، منزہ، ٹی ٹو، کاشف وغیرہ سائرہ کے کالج سے آئے تھے۔ سب ہی اپنے اپنے گھروں میں دوبارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تین دِن کا کہہ کر آئے تھے کیوں کہ سائرہ نے پلان کر کے اپنی برتھ ڈے کے بہانے پکنک کا پروگرام تھا۔

"بھئی کھانا تو ہوگیا لیکن ہم میں سے کوئی بھی نہیں سوئے گا۔ آج رات ہم بون فائر کریں گے، بار بار روز روز مل بیٹھنے کا موقع کہاں ملتا ہے۔" ٹی ٹو نے باآواز بلند تجویز پیش کی۔

"ویسے ٹی ٹو صاحب کی تجویز پر غور کیا جاسکتا ہے۔" طارق نے نگی کو دِلچسپی سے دیکھتے ہوئے ہاں میں ہاں ملائی۔ سارے دورانیے میں ایک بار بھی اُس کے سر سے دوپٹا نہ سرکا تھا۔

"سر پر دوپٹا اس کی تربیت کا حصّہ تھا۔ اچھی تربیت ہو تو دوپٹے شاید یوں ہی گوند سے سر پر چپکے رہتے ہیں۔" طارق کے دِل میں نگی کی ادا کسی ٹھنڈک کی طرح اُتری تھی۔

"لیکن ہم کریں گے کیا؟" سمعان نے پوچھا۔

"مجھے پتا تھا کہ یہ بور ترین سوال تم ہی کر سکتے ہو۔" سائرہ نے گرم شال نگینہ اور مُسکان کو تھماتے ہوئے کہا۔

مُسکان اور نگینہ کو بالکل اندازہ نہ تھا کہ رات میں یہاں ٹھنڈ اِس قدر بڑھ جاتی ہے۔

"یہاں کھلی جگہ ہے ناں پھر چھتیں بہت اُونچی ہیں، اس وجہ سے یہ جگہ بے حد ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ سب اپنے اپنے مشورے ایک دوسرے کو دے رہے تھے۔" سائرہ مُسکان اور نگینہ کو اندر لے آئی تاکہ سب کے لیے گرم شالز اور بیٹھنے کے لیے دریاں نکالی جاسکیں۔

"ہم چھوٹے ہوتے تھے تو امی اور خالہ کے ساتھ اکثر یہاں آتے تھے۔ نانا ابو نے یہ فارم ہاؤس امی کو گفٹ کیا تھا۔ آنی کا خیال تھا کہ اس فارم ہاؤس کو بیچ دینا چاہیے لیکن امی نہیں مانتی تھیں۔ یہاں نانا کے ہاتھ کے لگائے درخت ہیں، جس گھوڑی سے نانا ابو پیار کرتے تھے وہ تو کب کی مرچکی لیکن اُس کے بچّوں کے بھی بچّے ہیں۔ پہلے نانا ابو کی وجہ سے امی اِس فارم ہاؤس کو نہ بیچتی تھیں، اب طارق بھائی امی کے بعد اس جگہ کو بیچنے کے حق میں نہیں ہیں۔"

"امی جب جب اُداس ہوتی تھیں وہ یہاں آتی تھیں، گھنٹوں وہ اُس برگد کے درخت کے پاس بیٹھ کر جانے کیا سوچا کرتی تھیں۔ امی اپنے آخری دِنوں میں یہاں آگئی تھیں۔ یہ اُن کا کمرا ہے۔" سائرہ نے ایک لاکڈ کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ پہلے نانا ابو کا کمرا تھا۔ امی کی ڈیتھ کے بعد آنی نے یہ کمرا ہمیشہ کے لیے بند کروادیا تھا۔ اب بس ہمارا خاص ملازم رئیس احمد اس کو صفائی کرنے کے لیے کھولتا ہے۔" سائرہ نے رنگین شیشوں والے دروازے پر یوں پیار سے ہاتھ پھیرا، جیسے وہ کوئی جاندار چیز ہو۔

"مجھے یہاں امی کی خوشبو آتی ہے۔" سائرہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"سائرہ! جو اپنے چلے جاتے ہیں وہ مر کر بھی ہمارے دِلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ میری آپا اماں کہتی ہیں کہ اچھی اولاد والدین کا صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔ ہمیں اتنا اچھا انسان بننا چاہیے کہ ہمارے ماں باپ کی روحوں کے لیے ہمارے اعمال تاعمر کے لیے صدقہ جاریہ بن جائیں۔" مُسکان نے مدھم لہجے میں کہا۔

جواب میں سائرہ نے روئی روئی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ ایسا کرتے وقت اُس

مُسکان کو کسی معصوم پیاری بچّی کی طرح لگی۔

"نگینہ بے حد خاموش تھی۔ وہ بے حساس لڑکی تھی کسی کو بھی دُکھی دیکھ کر وہ خود سے اُداس ہو جاتی تھی، ساری عمر اُس نے والدین اور بھائی کا بے حد پیار پایا تھا۔ غم دُکھ کیا ہوتے ہیں، وہ ان سے دُور تھی اور کبھی جو کسی کو کسی تکلیف میں مبتلا دیکھتی تو بے حد دُکھی ہو جاتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسے احساس میں کیا کرنا چاہیے۔"

وہ شروع سے کم گو رہی تھی پھر روشن آرا نے کبھی کسی تکلیف کا احساس اُسے نہ ہونے دیا تھا لیکن وہ اپنی طبیعت میں بے انتہا حساسیت رکھتی تھی، اس لیے وہ سائرہ کو دُکھی دیکھ کر بے حد دُکھی ہوگئی تھی۔

"سائرہ! چلو کچھ گرم شالز وغیرہ کا انتظام کرلیں ورنہ سارا وقت یہیں گزر جائے گا۔" مُسکان نے اُس کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا۔

"ہاں چلو!" سائرہ انہیں لیے اسٹور روم میں آگئی۔ بے حد صاف اسٹور روم میں پیٹیاں اور بکس پڑے تھے، جیسے یہاں کسی کی مستقل رہائش ہو۔ مُسکان نے اپنی حیرت کا اظہار بھی کردیا تھا۔

سائرہ نے مسکراتے ہوئے چابیوں کا گچھا رئیس احمد سے لیا۔ بس یار نانا ابو کے بعد یہ کام امی اپنی نگرانی میں یوں کرواتی تھیں، جیسے یہاں کسی کو آنا ہو۔ نانا ابو کے دور میں اُن کے یار دوست اُن کے پاس رہنے آتے تھے اس لیے وہ ڈھیروں بستر بنوا کر رکھتے تھے۔ انہوں نے ہر طرح کے موسم کا بستر بنوا رکھے تھے۔

"یہاں آٹھ بیڈروم ہیں تم دیکھو گی کس طرح ہر بیڈروم ہر طرح کی سہولت سے مزیّن ہے۔ یہ سب امی نے نانا ابو کے بعد مینٹین رکھا ہے۔" سائرہ آج یادوں کی بھول بھلیوں میں گم تھی۔ وہ بار بار ماں اور نانا کا ذکر لے کر بیٹھ جاتی تھی۔

رئیس احمد کی مدد سے اُن کو اپنے مطلب کی کافی چیزیں مل گئی تھیں۔ لڑکے لکڑیاں اکٹھی کر کے مٹی کا تیل اُن پر ڈالنے کا مشورہ دے رہے تھے۔

"یار پیٹرول ڈالنا پڑے گا۔ پھر ہی تم لوگوں کے بون فائر کا ارمان پورا ہوسکتا ہے۔" وَلی نے ٹی ٹی اور سمعان سے کہا جو زور و شور سے بحث میں مصروف تھے۔

آگ کے ارد گرد دریاں بچھا کر سب بیٹھ گئے۔ سب نے مختلف گیمز کھیلنے کا مشورہ دیا۔ شعر و شاعری کی ٹانگیں بازو توڑے گئے۔ پھر پہیلیاں بوجھی گئیں۔

ٹی ٹو نے سب سے زیادہ ڈراؤنی کہانی سنانے والے کے لیے انعام کا اعلان کیا۔ اُس کے ساتھ ہی سب نے ایک سے بڑھ کر ایک گپ ماری۔ نگینہ اور حنا بے حد سہمی ہوئی تھیں۔ نگینہ تو مُسکان کے ساتھ بیٹھی تھی وہ اُس کے اندر گھسے جا رہی تھی۔

"کم آن یار! ایسے ہی جھوٹے قصّے سُنا رہے ہیں۔" مُسکان نے نگی کا نرم نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

وَلی نے طارق کو کوئی اشارہ کیا تھا طارق بے حد چپکے سے اُٹھ کر اندر آ گیا۔ پھر چڑیل کی آواز لڑکی اور لڑکے کے بے حد قریب سنائی دی۔" ٹی ٹو نے سنسنی خیز انداز میں اپنی کہانی جاری رکھی ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایکچوئلی وہ چڑیل نہیں تھی۔'' ٹی ٹو نے تھوڑا رُکتے ہوئے کہا۔

''تو پھر وہ کون تھی۔'' منزہ نے بچّوں کی طرح کہانی میں گُم ہوتے پوچھا تھا۔

''یار چڑیلیں اتنی خطرناک نہیں ہوتیں، خطرناک تو بدروحیں ہوتی ہیں۔'' ٹی ٹو کی بات پر سب لڑکیاں سہم گئی۔

وہ بدروح تھی، جو لڑکے کو ملی تھی۔ لڑکی نے کہا تم گھبراؤ نہیں، چڑیل ہوتی تو وہ کبھی انسانی شکل میں نظر نہ آتی!

لڑکا مطمئن ہوگیا لیکن لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا وہ دراصل کچھ اس طرح نظر آتی! ساتھ ہی لڑکے کی جان ہی نکل گئی کیوں کہ اُس کے ساتھ موجود لڑکی ایک بدروح کی شکل اختیار کرگئی تھی۔

اُس نے اپنا ہاتھ لڑکے کی گردن پر رکھ کر کہا کہ بدروح کے ہاتھ ایسے ہوتے ہیں۔ ایک نہایت ڈراؤنا ہاتھ ایک دم اُس کے سامنے آ گیا۔ ٹی ٹو نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

''کیا ایسا ہاتھ۔؟'' ٹی ٹو کو اپنے پیچھے سے آواز سنائی دی۔

ٹی ٹو نے پیچھے مُڑ کر دیکھا ایک نہایت ڈراؤنا ہاتھ اُس کے سامنے تھا۔ ٹی ٹو سے ایک لفظ بھی نہ بولا گیا کیوں کہ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ لڑکیوں کی چیخیں بے ساختہ تھیں۔

''ارے۔ ارے کاؤن ڈاؤن! یہ میں ہوں۔'' طارق نے سر سے چادر اُتار کر کہا۔

''یہ تو بہت بہادر بنا سب کو ڈرا رہا تھا اس کو کیا ہوا؟'' منزہ اور سائرہ نے ٹی ٹو کے سر پر کھڑے ہوکر پوچھا۔

''یار دیکھو کہیں اسے دِل کا دورہ نہ پڑ گیا ہو۔'' سمعان نے واپس اپنے حواسوں میں آ کر کہا۔ ہر ایک کی طرح وہ بھی ایک پَل کو ڈر گیا تھا۔

''ٹی ٹو اُٹھو۔'' وَلی نے پانی کے چھینٹے مار کر اُسے ہوش دِلایا۔

''وہ۔ چڑیل۔ نہیں بدروح۔'' ٹی ٹو نے بدحواس ہوکر کہا۔

''چلی گئی وہ بدروح! لیکن جاتے جاتے وعدہ لے کر گئی ہے کہ آئندہ آپ جھوٹی کہانیاں سُنا کر دوسروں کو تنگ نہیں کریں گے۔'' سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویسے وہ بدروح یہ کھڑی ہے۔'' سائرہ نے طارق کی جانب اشارہ کیا۔

ٹی ٹو کو ساری بات سمجھ آ گئی تھی۔ وہ بے حد شرمندہ تھا۔

''تم بہتر محسوس کر رہے ہو؟'' طارق نے سوری کر کے کہا۔

''اٹس او کے یار۔'' ٹی ٹو ابھی تک بے حد شرمندگی میں گھرا ہوا تھا۔

''تم یہ شال لے لو، بُری طرح کانپ رہے ہو۔'' وَلی نے اُسے اپنی شال تھمائی، جسے ٹی ٹو نے بے حد خاموشی سے تھام لیا۔

طارق نے لکڑیوں پر مزید پیٹرول چھڑکا تو الاؤ مزید روشن ہوگیا تھا۔ وَلی نے طارق کے اصرار پر اپنا وائلن نکال کر بے حد خوبصورت دُھن بجائی۔

ماحول پر بے حد سحر طاری تھا۔

مُسکان کو لگ رہا تھا کہ وہ اور وَلی ایک دُوسرے کے پاس موجود ہیں، ان کے سِوا وہاں کوئی نہیں۔ وہ آپ دھیرے دھیرے گم ہوتے محسوس کر رہی تھی۔

ہوگی تو تب، جب لڑکوں نے خوب شور مچا کر وَلی کو داد دی۔ ''یار وَلی کوئی فوک دُھن ہو جائے یہ ان کی فرمائش تھی۔''

ولی نے فوک دُھن بجائی تو سب لڑکے آگ کے گرد چکر لگا لگا کر دھمال سا ڈالنے لگے، کسی کو کچھ نہ اتھا۔

لیکن ہر کوئی اپنا اپنا اظہار خوشی سے کر رہا تھا۔ طارق نے سنجیدہ سے ٹی ٹو کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھی اُٹھایا۔ اور ٹی ٹو کا موڈ ٹھیک ہو ہی گیا۔

''ساز کے ساتھ آواز نہ ہو تو مزہ نہیں آتا ہے۔ وَلی یار کچھ بہت اسپیشل قسم کا ہو جائے۔'' طارق نے اپیل کی۔

ولی کچھ دیر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''آج تمہاری خوشی کی خاطر یہاں ہوں۔ تم جو کہو گے، وہ ماننا تو پڑے گا۔'' وَلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ولی نے اپنا گٹار باکس کھول کر اُس میں سے اپنا گٹار نِکالا۔

یہ شام پھر کبھی نہیں گئی

اس شام کو...... اس ساتھ کو

تم امر کردو!

امر کردو!

ولی نے جنید جمشید کا گیت سنایا۔

سائرہ، مُسکان سمیت وہاں ہر کوئی حیران تھا کہ وَلی کی آواز بے حد خوبصورت تھی۔ اُس کی آواز کے ساتھ ساتھ اُس کے گانے کا انداز بے حد میچور تھا کہ سانس نہیں ٹوٹتا تھا۔

وَلی گیت مکمل کر چکا تھا۔ وَنس مور، وَنس مور کی آوازیں اردگرد سے آ رہی تھیں۔

''کمال ہے یار! یہاں ہاتھ دیا تھا۔ لوگ پورا بازو مانگ رہے ہیں۔'' وَلی نے طارق کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''کم ان یار! آج تم کسی طرح نہیں بچ سکتے۔'' ٹی ٹو نے کہا۔

''ٹھیک ہے پہلے کافی ہو جائے۔'' وَلی تو آج لگتا تھا کہ خوش اخلاقی کی ساری حدیں پھلانگ دیں گا۔ مُسکان نے حیرت سے وَلی کو دیکھا تھا۔ اور یہ سچ تھا کہ وَلی نے اپنے خاص دوستوں کے علاوہ کسی کو بے تکلف ہونے کی اجازت نہ دی تھی۔

''او کے۔ پھر کافی ہو جائے پہلے۔'' طارق نے ہاتھ ایک دُوسرے کے ساتھ مَس کرتے ہوئے گرم کیا۔

''رئیس احمد! رئیس احمد۔'' طارق نے رئیس احمد کو آواز دی، جو پھاٹک کی جانب سے چلا آ رہا تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اکیلا نہ تھا۔

’’ اُس کے ساتھ دو خواتین اور ایک مرد تھا۔‘‘ طارق نے حسبِ عادت انہیں مشکوک نظروں
دیکھا۔

رئیس احمد تیز تیز چلتا طارق کے پاس گیا۔

’’صاحب ان لوگوں کی گاڑی ہمارے فارم ہاؤس کے پاس خراب ہوگئی ہے یہ شخص ان بیبیوا
ڈرائیور ہے۔ یہ بیبیاں کالج میں پڑھتی ہیں، اپنے والدین سے ملنے قریبی گاؤں آئی تھیں۔ صبح ہاسٹل
ہے ان کو لیکن راستے میں ان کی گاڑی خراب ہوگئیں۔ بچیاں اس جنگل میں پریشان ہورہی تھیں۔ آ
اگر اجازت دیں تو ان کو رات گزارنے کی یہاں اجازت دے دی جائے۔‘‘ رئیس احمد بے حد مہا
آدمی تھے۔ وہ تو پوری اُن کی سفارش بن کر آئے تھے۔

آصف نے رئیس احمد اور طارق کو باتوں میں مشغول دیکھا، وہ بے حد گھبرایا ہوا تھا۔

رئیس احمد کو تو وہ ایک من گھڑت داستان سے قائل کرچکا تھا لیکن سامنے جو شخص تھا، وہ آصف
اوسان خطا کرگیا تھا۔ کچھ گھنٹے پہلے جس شخص سے وہ بھاگے تھے، وہ سامنے تھا۔

’’کیا ہوا آصف۔‘‘ ترنم نے آصف کا گھبرایا ہوا چہرا دیکھ کر پوچھا۔

’’یہ تو پولیس کے آدمی کا گھر ہے۔ ہم تو بے بی پھنس گئے۔‘‘ آصف نے روہانسی آواز میں کہا۔

ترنم اور ماہی نے گھبرا کر چادروں میں منہ چھپالیا۔

’’کون ہیں یہ لوگ۔‘‘ تقریباً سب ہی اُن کی جانب متوجہ ہوگئے تھے۔

’’تنو! وہ دیکھو ہمارے بچاؤ کا راستہ۔‘‘ ماہی نے ترنم کو نگی کی جانب متوجہ کیا۔ ماہی ایک دم تیزی
نگی کی طرف بڑھی۔

’’اے لڑکی رکو وہیں۔‘‘ طارق نے اُسے نگی کے پاس جاتے دیکھ کر ٹوکا۔

’’ارے۔! نگینہ تم؟‘‘

’’کیا سرپرائز ہے۔‘‘ ماہی نگی کے یوں گلے جا کر لگی جیسے برسوں سے بچھڑی ہو۔

’’ارے آپ۔‘‘ نگی نے بھی حیرت بھری خوشی کا اظہار کیا۔ طارق کے ماتھے کے بَل ایک دم
ہوگئے تھے۔

’’ہاں ہماری گاڑی خراب ہوگئی ہے، ترنم بھی ساتھ ہے ہمارے۔‘‘ ماہی نے بے حد لگاوٹ سے کہا

’’واقعی!‘‘ نگی خوشی سے آگے بڑھی، اُسے ترنم ہمیشہ سے پسند تھی۔

’’ایک منٹ نگی تم ان کو کیسے جانتی ہو؟‘‘ وَلی نے ماہی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’یہ میری بہت اچھی کلاس فیلو ہیں۔‘‘ نگی نے جواب دیا۔ دُور کھڑی ترنم کا دِل شدّت سے دھڑکا،
وہ جو حواسوں پر سوار تھا، وہ دُشمن جاں ایک بار پھر سامنے تھا۔

’’تو یہ بات طے ہے مسٹر عبدالولی میں جتنا بھی تم سے بھاگ لوں تم میرے سامنے ضرور آؤ گے۔

’’زندگی تو قسمت کا نام ہے! زندگی میں اتفاق اور اتنے سارے اتفاقوں کی کہاں گنجائش ہوتی
تمہارے بار بار سامنے آنے کو میں اتفاق کہوں یا پھر اس بدقسمت کی خوش قسمتی۔‘‘ وہ زیرلب بولی، اُ

لہ اس اندھیرے میں جیسے روشنیوں کی برسات ہر طرف ہونے لگی ہو۔

طارق کے دِل میں شک کا بانس ابھی سوکھا نہیں تھا۔ وہ آنے والی لڑکیوں کو ایک مختلف نگاہ سے دیکھ
اٹھا، اِسی لیے اُس کا ہاتھ اپنے موبائل کی طرف لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''طارق!'' ولی نے اُسی پَل طارق کو پُکارا، طارق جو کسی خیال کے تحت اپنے اسسٹنٹ سے کچھ پوچھنے جارہا تھا رُک کر وَلی کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
''نگی کہہ رہی ہے کہ یہ لوگ اُس کی کلاس فیلوز ہیں۔'' وَلی نے کچھ سوچتے ہوئے طارق سے کہا۔
وَلی کی بات نے طارق کے چہرے کی شکنیں ایک دم ختم کردیں۔ ترنم بھی چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اُن کے پاس پہنچ گئی، آصف کے چہرے پر ہَوائیاں البتہ اب بھی اُڑ رہی تھیں۔
''آپ؟'' اس بار وَلی نے چونک کر ترنم سے پُوچھا۔
ترنم کے پیچھے کچھ فاصلے پر لکڑیوں کے ڈھیر سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ ہَوا کا رُخ شاید بدلا تھا اسی لیے شعلے ایک دم بلند ہوکر تیز روشنی کر گئے، اُسی پَل وَلی نے اُسے دیکھا، پس منظر میں جلتی ہوئی آگ اور سامنے سنہری رنگت والی وہ گڑیا سی لڑکی کسی پینٹنگ کا حصّہ لگ رہی تھی، اُس لڑکی کی آنکھوں میں عجیب طرح کی تپش تھی۔
''بھائی! آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟'' نگی نے سوال کیا، مسکان کا دِل بے اختیار ڈوبا، اُسے وہ لڑکی جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ ایک دم اُسے یاد آیا کہ پہلی بار اُس نے اس لڑکی کو وَلی کی تصویروں کی نمائش میں دیکھا تھا۔ تب بھی وَلی اُس سے مسکرا مسکرا کر باتیں کررہا تھا۔ یہ بات بہت پُرانی تھی لیکن محبت کرنے والے شاید کبھی بھی کوئی بات نہیں بھولتے ہیں۔
''جی میں اُنھیں جانتا ہوں۔'' وَلی نے ایک گہری نگاہ ترنم پر ڈالتے ہوئے کہا، ترنم سے نظر ملانا دشوار ہورہا تھا، اُس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ فوری طور پر کیا کہے۔
اُن کی آخری ملاقات جس طرز پر ختم ہوئی تھی وہ خاصی شرمندگی کا باعث تھی۔ وَلی نے اُسے نشے میں دھت سڑک سے اُٹھا کر ہسپتال پہنچایا تھا اور وہ کسی شکریے کے بغیر اُنھیں بتائے وہاں سے بھاگ گئی تھی۔
''کیسے؟'' سائرہ نے بھی دلچسپی سے ان دو بے حد خوب صورت لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''دینی بھائی ہونے کے ناتے!'' طارق نے مسکراتے ہوئے وَلی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
''تو تم اُنھیں پہچان گئے ہو؟'' وَلی نے دھیمی آواز سے طارق سے پوچھا۔
''کیا کروں بھائی، میری نوکری ہی ایسی ہے کہ ایک بار جو شکل دیکھ لوں، خاص کر کچھ مشکوک اشکال وہ میرے دماغ کے کمپیوٹر پر ہمیشہ کے لیے فیڈ ہوجاتی ہیں، خاتون نے تو ہماری ساری رات برباد کی

...ل۔'' طارق نے آخری جملہ با آواز بلند کہا تھا، جسے صرف ترنم سمجھ سکتی تھی۔
''لالہ کیا کہے جارہے ہیں، میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔'' سائرہ نے پوچھا۔
''تم کیوں اپنے چھوٹے سے دماغ پر بوجھ ڈالتی ہو، جاؤ بن بلائے مہمانوں کو کچھ کھلاؤ پلاؤ۔'' طارق نے سائرہ کے ساتھ ساتھ ترنم اور ماہی کو بھی گرہ لگائی۔
''میرا چھوٹا دماغ ہے؟'' سائرہ ساری بات بھول کر بولی۔
''پیاری بہنا! چھوٹے دماغ پر ہی اکتفا کرلو ورنہ دیکھ لو سب سے بڑا دماغ صرف بندر کا ہوتا ہے!'' وَلی نے ہنستے ہوئے کہا۔ اُس کی ہنسی میں وہاں پر موجود سب لوگوں کی دبی دبی ہنسی بھی شامل تھی۔
''لالہ! آپ سے تو میں بعد میں پوچھوں گی۔'' سائرہ نے باقاعدہ اُسے دھمکی دی۔
''آپ آیئے ہمارے ساتھ وہاں آگ کے پاس بیٹھتے ہیں، یہاں بہت ٹھنڈ ہے'' سائرہ اُن دونوں کو ...ان کے گروپ کی جانب لے آئی۔
''واؤ! کون ہیں یہ؟'' منزہ نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے دِل چسپی سے پوچھا۔ وہ ...ان لڑکیوں کے غیر معمولی حُسن سے متاثر ہوئی تھی۔
''پہلے ان کو کمبل میں جگہ دو، پھر بتاتی ہوں کون ہیں'' سائرہ نے ترنم اور ماہی کو بٹھاتے ہوئے کہا، ...سارے دورانیے میں وہ دونوں بالکل چُپ تھیں۔ ماہی ان سب کی ترنم سے جان پہچان پر حیران ہو ...رہی، ابھی تک اُسے ترنم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ورنہ وہ تو فوراً جاننا چاہتی تھی کہ ترنم ان ...لوگوں کو کیسے جانتی ہے۔ کیوں کہ اُن کے حلقۂ احباب میں مخصوص لوگ ہی شامل ہوتے تھے۔
''ترنم! یقین مانو آپ کو یہاں دیکھ کر ایک خوشگوار حیرت کے ساتھ بے حد خوشی بھی ہورہی ہے۔'' ...نے ترنم کا نازک سا ہاتھ تھام کر کہا۔
...اس احمد کافی لے آیا، لڑکوں نے کافی اور لڑکیوں نے چائے لی تھی۔ ترنم کو اسٹرانگ قسم کی کافی کی ...سے طلب ہورہی تھی، صبح سے اعصاب مسلسل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہورہے تھے۔
''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو مجھے کافی دے دیں۔'' ترنم نے پہلی بار کوئی جملہ کہا تھا۔
''اس میں مائنڈ کرنے والی کون سی بات ہے؟'' سائرہ نے اخلاق نبھاتے ہوئے کہا۔
''آپ نگی کے ساتھ پڑھتی ہیں؟'' مسکان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
''جی ہاں! نگینہ ہماری بہت اچھی دوست بھی ہے۔'' ماہ رخ نے مزید کہا، وہ دِل ہی دِل میں شکر ادا ...رہی تھی کہ وہ آج پولیس کے ہاتھوں بال بال بچی تھیں۔ ترنم کا ڈرائیور آصف کے ساتھ اُس کی ماں ...کر جانا بظاہر ان کو لیٹ کروا گیا تھا لیکن یہی دیر اُن کو بچا گئی تھی۔ ورنہ جانے اب تک اُن کا کیا حال ...ہوتا کیوں کہ آصف بتا رہا تھا کہ چھاپہ بے حد خفیہ تھا۔ باقی کی لڑکیاں کہاں لے جائی گئیں کوئی نہ جانتا ...جس مشکل سے وہ پولیس سے چھپ کر وہاں سے بھاگے تھے یہ تو وہی جانتے تھے۔ ماہ رخ اور ترنم ...عام طور پر اس طرح کی سچویشن کا سامنا کبھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ چاندنی میڈم اپنی لڑکیوں کو کہیں بھیجنے سے پہلے پوری طرح انویسٹی گیشن کرتی تھی۔ ویسے بھی ہر ماہ وہ پولیس کو ایک بھاری رقم دیتی تھی تاکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریڈ نہ صرف اچانک تھی بلکہ کسی خطرے کی شروعات لگتی تھی۔ ورنہ اتنی بڑی پارٹی اور اتنی اہم شخصیات کی موجودگی میں ریڈ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

''مجھے آپا کو اطلاع کر دینی چاہیے!'' ماہی نے ساتھ بیٹھی ترنم سے سرگوشی کی۔

''کوئی حماقت نہ کرنا، آصف کہہ تو رہا تھا کہ وہ پولیس کا آدمی ہے، اُسے کسی قسم کا شک ہو گیا تو جائیں گے۔'' ترنم نے بے حد سرگوشی میں کہا۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں؟'' منزہ نے دل چسپی سے پوچھا۔ اُس کا ان خوبصورت لڑکیوں سے کرنے کو دِل چاہ رہا تھا۔

''آپ لوگ یہاں پکنک پر آئے لگتے ہیں۔'' ماہ رخ نے اُس کی بات پلٹتے ہوئے کہا۔

''بس کچھ پکنک جیسا ہی پروگرام بن گیا تھا، دراصل سائرہ کی آج سال گرہ تھی۔'' منزہ نے کہا۔

''آپ میں سے سائرہ کون ہے؟'' ماہی نے پوچھا۔

''یہ ہیں جناب آج کا برتھ ڈے بے بی۔'' منزہ نے سائرہ کی جانب اشارہ کیا۔

''سال گرہ مبارک ہو سائرہ آپ کو۔'' ماہی نے بے حد شائستہ انداز میں کہا۔ سارا وقت اُسے سے فائدہ اُٹھانے کے متعلق سکھایا جاتا تھا۔ کس طرح آپ اپنا کام نکلوا سکتے ہیں یہ ماہی سے زیادہ جانتا ہو گا؟

''شکریہ!'' سائرہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''یار وَلی یہ خوبصورت بلائیں کون ہیں؟'' ٹی ٹو نے وَلی سے پوچھا۔

''ذرا سنبھل کر، ان بلاؤں کا آسیب نہ ہو جائے تم پر۔'' سمعان نے شرارت سے کہا۔

''ہا۔ ہا۔ ایسی بلائیں ہوں تو ان کے چمٹنے کی تمنا بھلا کون کافر نہ کرے گا۔'' ٹی ٹو نے باقا بھری۔

''لو! اِدھر کوئی خوب صورت لڑکی دیکھی نہیں اور یہ اپنے بھائی صاحب پھیلے نہیں۔'' ولی نے مسکرا ہوئے کہا۔

''تو تم مانتے ہو ناں کہ لڑکیاں خوب صورت ہیں۔'' ٹی ٹو جانے کیا باور کروانے جا رہا تھا۔

''کیوں میری آنکھیں نہیں ہیں؟'' وَلی نے پوچھا۔

''ہیں، بلکہ بے حد خوبصورت آنکھیں ہیں لیکن تمہیں آج تک دور، قریب کی کوئی لڑکی نظر آتی تھی۔ اس لیے آج تک میں اس گمان میں رہا کہ تمہاری لڑکی والی آئی سائیڈ کم زور ہے۔'' ٹی دانت چمکاتے ہوئے کہا۔

''یہ لڑکی والی آئی سائیڈ کیا بلا ہے۔'' طارق گو کچھ اُلجھا ہوا تھا لیکن پھر بھی اُن کی باتوں میں تھا۔

''ارے لڑکیوں کو دیکھنے والی نگاہ! کم از کم وَلی کے پاس نہیں ہے، میں اتنے سالوں سے ساتھ ہوں۔'' ٹی ٹو نے کچھ چڑ کر کہا۔ اکثر وَلی کی وجہ سے اُس کا چانس مس ہو جاتا تھا۔ جواب میں

...ادھر کھل کھلا کر ہنس ... وَلی بھی بے اختیار ہنسا تھا۔ دُور بیٹھی مسکان کا دِل تو شاید دھ

...ل گیا تھا۔

...ب کے چہرے کا ایک ایک تاثر دِل میں نقش ہو جاتا ہے اور وہ وَلی تھا اُس کی پہلی محبت اُس کا ...ان! جو ہمیشہ ایک سے سنجیدہ تاثر کے ساتھ اُسے دکھائی دیتا تھا۔ مسکان کا کتنا دِل چاہتا تھا کہ کبھی ...لے اور وہ اُسے دیکھتی جائے کہ آخر وہ ہنستے ہوئے کیسا لگتا ہے، کسی بھی شخص کی ہنسی اُس کے اندر کا ...ہوتی ہے۔ وہ اس آئینے میں وَلی کا عکس دیکھنا چاہتی تھی۔ جو رازوں کی طرح ایک راز تھا، وہ اُس ...ل کا بھید جاننا چاہتی تھی۔ اور آج جب وہ ہنسا تو وہ دیوانوں کی طرح ہر بات سے بے خبر اُسے تکے ...لی۔ وَلی اگر ایک بار اُس کی آنکھوں میں وہ عکس دیکھ لیتا تو شاید وہ بھی نگاہ پلٹنا بھول جاتا۔

...ل وہ کسی پجارن کی طرح ہی تو اُسے دیکھ رہی تھی۔

...جانے کیوں بے اختیار ہنسی، ہنستے ہنستے دَلی کے ذہن کے پردے پر ایک عکس لہرایا تھا۔

...روازے کے فریم میں کھڑی، گلابی کپڑوں میں ملبوس گلابی رنگت والی ایک لڑکی! جو بہت خوبصورت ...اہٹ رکھتی تھی۔ وَلی نے مسکراتے ہوئے بے اختیار سر جھٹکا، مجھے وہ کہاں سے یاد آ گئی؟

''کیا مسٹر عبدالولی کی نگاہ میں بھی کوئی لڑکی آ گئی ہے؟'' کوئی اندر سے شرارت سے بولا تھا۔

...اتنے عرصے سے سینت سینت کر رکھا جانے والا دل عبدالولی بہت مشکل سے ہی کسی کو دے پاتا، شاید ...لیے اُس نے اس خیال پر بھی بے اختیار سر جھٹکا، تھا جیسے وہ کچھ ماننا نہ چاہ رہا تھا۔ سوچنا نہ چاہ رہا

''میرا خیال ہے اب محفل برخاست کی جائے، سردی اور رات دونوں زیادہ ہو گئی ہیں۔'' طارق نے ...لن انداز میں اعلان کیا۔

''تمہارا خیال بالکل درست ہے۔'' وَلی نے اُٹھنے میں پہل کی۔

''چلیں میں آپ لوگوں کو آپ کا کمرا دکھا دوں۔'' سائرہ نے ترنم اور ماہ رخ سے کہا۔

''وہ ہمارا ڈرائیور بھی ہے اُس کا بھی کچھ انتظام ہو جاتا تو۔'' ترنم کو واقعی آصف کی بے حد فکر تھی۔

...وہ بھولا بھالا لڑکا بے حد پسند آیا تھا۔ سچ بولتا، سچائیوں کا سامنا کرتا ہوا وہ بے حد کھرا انسان تھا۔

''وہ تو کب کا رئیس احمد کے ساتھ جا کر سو چکا ہے۔'' سائرہ نے اُس کی فکر کم کی۔

''اچھا بھئی شب بخیر! پھر صبح ملاقات ہو گی۔'' ساری لڑکیاں کہتیں اپنے اپنے کمروں کو ہو لیں۔

...ماہ رخ اور ترنم کو جیسے ہی کمرے میں تنہائی ملی۔ ماہ رخ نے اپنے موبائل کا چارجر نکال کر موبائل ...ج ہونے لگا دیا اس سارے وقت میں وہ میڈم سے رابطہ نہ کر پائی تھی اب وہ صحیح صورت حال اُن کو ...یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہ رہی تھی۔ خطرہ اب بھی ان کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ ترنم جوتوں سمیت ...بڑے رنگین پایوں والے پلنگ پر لیٹی تھی، جیسے اُسے کسی کی فکر نہ ہو۔

''آج تو بال بال بچے ہیں۔'' ماہ رخ نے بیگ سے فیس واش اور ٹوتھ برش نکالتے ہوئے کہا۔

''ارے جو ایک بار اس بند گلی میں آ جاتا ہے، وہ تو ہمیشہ کے لیے پھنس کر رہ جاتا ہے، ویسے تم کس ...بچنے کی باتیں کر رہی ہو؟'' ترنم نے بہکے بہکے لہجے میں کہا۔

''اوہ مائی گاڈ! تم نے ڈرگ لی ہے ناں؟'' ماہ رخ اُس کے بہکے بہکے لہجے پر چونکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب میں تم کو کہاں سنبھالتی پھروں گی!'' ماہ رخ کو اُس پر بے حد غصہ آیا۔
ترنم جب حقیقت اور زندگی سے فرار چاہتی تھی تو وہ بھر پور نشہ کرتی تھی خاص طور پر جس دن بے حد دُکھی ہوتی۔ اُسے یہ لت اپنے ایک کلائنٹ سے ہی پڑی تھی۔ اُسے اپنی موجودہ زندگی جز پر بھول جاتی تھی یہ نشہ اکثر اسے بہت بڑا سہارا محسوس ہوتا تھا۔
''ترنم میں تم سے بات کررہی ہوں، کیوں لی تم نے یہ ڈوز؟'' ماہ رخ بے حد ناراض تھی۔
''وہ بار بار میرے سامنے آجاتا ہے، میں اُسے دیکھنا نہیں چاہتی، میں اُسے سوچنا نہیں چا کیوں وہ میری ان کانٹوں بھری زندگی میں چلا آتا ہے؟'' ترنم اپنے حواسوں میں نہ تھی اور ماہ رخ ٹوٹی پھوٹی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھی۔
''کون چلا آتا ہے؟'' ماہ رخ نے نہ سمجھنے کے انداز میں پوچھا۔
''وہ... وہ ساحر!'' وہ جوان بھیڑیوں کی دنیا میں مجھے انسان کی طرح ملا تھا۔ وہ جو نہ میرا جسم ہے نہ چہرہ۔! اُس کی نگاہ پلٹ کر واپس نہیں آتی۔ میں تو پہلے ہی دُکھوں کی مسافر ہوں، پھر میں اُس کی اس ایک ادا اور چھوٹے سے لمحے کی قیدی ہوگئی؟ بولو ماہی! میری سزائیں پہلے کیا کم تھیں؟ دیوانوں کی طرح بول رہی تھی۔
''مجھے اِس دِل نے ہمیشہ خوار ہی کیا ہے!'' ترنم آنسوؤں کے ساتھ رو رہی تھی۔
''یہ سرابوں کے پیچھے بھاگنے کا عادی ہے اور میرے پاؤں دیکھو تو کیسے چھالوں سے بھرے ترنم نے اپنے نرم گلابی پاؤں دیکھتے ہوئے یوں کہا، جیسے ماہی اُس کے آبلے دیکھ سکتی ہو۔
''پلیز ترنم! تم سو جاؤ، دو تین گھنٹے کی نیند ہی اب تمہارا حل ہے!'' ماہ رخ نے اُسے زبردستی لٹا کر لائٹ آف کردی اور خود موبائل لے کر کوئی نمبر ملانے لگی۔
''کہاں ہو تم لوگ، کب سے تمہارا موبائل ٹرائی کررہی ہوں؟'' میڈم اُس کی آواز سنتے ہی دھا جواب میں ماہ رخ نے اب تک کے سارے حالات سنادیے۔ ''ٹھیک ہے تم لوگ ریڈی رہو بندے اسی ایریا میں تم لوگوں کو تلاش کررہے ہیں۔ تم مجھے ٹھیک سے اس جگہ کا محل وقوع بتاؤ تا کہ کو انفارم کرسکوں۔'' میڈم نے اُسے فوراً حکم دیا۔ ماہ رخ، ترنم کی محبت میں پھنس گئی تھی۔
ترنم کی حالت اور حرکت اگر بتاتی تو میڈم کے عتاب سے ترنم کو کوئی نہ بچا سکتا تھا اور ترنم کو اس میں اُٹھا کر لے جانا ماہی کے بس کی بات نہ تھی۔
''آپا! وہ ترنم کو لگتا ہے رستے میں کھائے برگر سے فوڈ پوائزن ہوگیا ہے، سارے راستے اُلٹیاں رہی اور یہاں تک آتے آتے تقریباً بے ہوش ہوگئی ہے۔ وہ تو یہ لوگ اچھے نکلے کسی ڈاکٹر کا شاید! اُسے فوراً انجکشن دیا ہے۔ وہ سو رہی ہے ہمارا فوراً یہاں سے نکلنا ناممکن ہے۔'' ماہی کے دما جو الٹ پلٹ بات آئی اُس نے اُس کا بہانا بنادیا۔ وہ تو شکر ہے میڈم چاندنی فوراً مان گئیں شاطر عورت کے آگے کوئی بہانا نہیں بنا سکتا۔
''ٹھیک ہے تین چار گھنٹوں تک مجھے دوبارہ اطلاع کرو ترنم کی حالت کیسی ہے، تم لوگوں

ماہی نے بے حد شکر ادا کیا۔ آج تو واقعی قسمت اچھی تھی، جو ہر جگہ سے وہ مسلسل بچ رہی تھیں۔ ماہ رخ گھڑی میں وقت دیکھا اور دو تین گھنٹے کی نیند لینے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ اپنے اعصاب کو کچھ پُرسکون کرسکے۔
ماہ رخ نے ایک نظر ترنم پر ڈالی وہ غنودگی میں تھی۔ لیکن مسلسل کچھ نہ کچھ بڑ بڑا رہی تھی۔ ماہ رخ نے گہرا سانس خارج کیا۔
''جانے تمہارا انجام کیا ہے، جب سے تمہیں دیکھا ہے، تم اس ماحول اور اس حقیقت سے بھاگنے کی ناکام کوشش کررہی ہو، ہر وقت ایک مسلسل اذیت بنا رکھا ہے زندگی کو، کاش تم اپنے آپ کی قیمت جان لیتیں اور میری طرح تمہارا اپنا پرسنل بینک اکاؤنٹ ہوتا۔ لیکن جانے تم آخر ایسی کیوں ہو؟ ہر وقت اِک مسلسل اذیّت میں گھری ہوئی۔'' ماہ رخ اس سے زیادہ نہ سوچ پائی کیوں کہ نیند کی مہربان آغوش نے اُسے خود سے بے خبر کردیا تھا۔ جب کہ ساتھ پڑا وجود کبھی ہنسنے لگتا تھا، کبھی سسکیاں بھرنے لگتا تھا۔

❖❖○❖❖

''تیرے ویر جیسا پاگل میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا!'' نفیسہ نے اپنی تیکھی ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔
''کیوں؟ کیا بُرائی ہے میرے ویر میں، سوائے اِس کے وہ تجھے چاہتا ہے۔'' رانی نے جلدی جلدی گو کا شیرہ چولھے سے اُتارا، جسے اُبال آچکا تھا۔ اب وہ پرات میں رکھے چاولوں کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔
''ارے میں سیّد سرفراز سے اُلجھنے والی بات کا ذکر کررہی ہوں۔''
''بس نی کرشدھی! کیا آگ کے آگے بیٹھے بیٹھے پگھلنا ہے۔'' امّاں نے رانی کو چولھے کے آگے سے ہٹانے کی کوشش کی، جو اتنے گرم موسم میں بھی سارا کھانا پکانے کے بعد صرف بھائی کی فرمائش پوری کرنے کے چکر میں دوبارہ چولھا گرم کیے گُو والے میٹھے چاول بنا رہی تھی۔ نفیسہ نے ماسی صابراں کے آنے پر بات منہ میں ہی روک لی۔
''امّاں تُو چھاں (چھاؤں) میں جا کر بیٹھ، کیوں اِدھر بار بار گرمی کھانے کو آجاتی ہے۔'' رانی نے ماں کو پیار سے وہاں سے ہٹایا، چولھے کا سارا کام تقریباً وہ خود کرنے لگی تھی۔ اُس کی ہر وقت خواہش رہتی کہ امّاں کم سے کم کام کرے، امّاں کے دل کی ٹھنڈک اُس کے دونوں بچّے تھے۔ رانی اور میرو بے حد پیار کرنے والے اور بے حد تابع دار! لیکن میرو میں بس ایک ہی خرابی تھی، وہ غصّے میں بہت جلدی آجایا کرتا تھا۔
''بس جلدی جلدی دَم لگا کر تو بھی دو گھڑی آ کر آرام کرلے، دیکھ دونوں سہیلیوں کا رنگ کیسے چولھے کی (سینک) سے لال گلال ہو رہا ہے۔'' امّاں دونوں کو وہاں سے جلدی آنے کا کہہ کر احاطے میں چلی گئیں، یہ چولھا احاطے کے ساتھ ہی بنایا گیا تھا۔ تندور اور بڑا چولھا زیادہ تعداد میں کھانا بنانے کے کام آتا تھا۔
''میرا تو رنگ ایویں سا ہے کیا لال ہوگا، بے چارہ لیکن نفیسہ تُو جا کر آئینہ ضرور دیکھنا کیسے میدے میں سندور گھلا جا رہا ہے۔'' رانی نے نفیسہ کو چھیڑا۔
''چل نی! ایسی کوئی حور پری نہیں ہوں میں، یہ تیری نگاہ کا پیار ہے جو یوں بولتا ہے۔'' نفیسہ نے پاس ہی کھوپرے کی گری کاٹتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں نفیسہ! سچ کہوں، اپنی پوری برادری میں تیرے جیسی سوہنی کُڑی کوئی نہیں ہے۔ ایویں نہیں میرا ویر تیرا دیوانہ ہے۔" رانی نے سچائی سے اقرار کیا۔

"ہیں تیرے جیسی کسی کی اتنی پیاری آنکھیں، ایک ایک آنکھ سوا سوا لاکھ کی ہے۔"

"رانی گرمی تیرے دماغ کو چڑھ گئی ہے، جو یوں تو اپنی سہیلی کو اپنے سر چڑھا رہی ہے، اس کا نخرہ کیا کم ہے۔ بڑی زمین داری ہے اس کے بابا سائیں کی، ہم سے چار پانچ گنا زیادہ زمین ہے تو نخرہ اُسی حساب کا ہے۔" میرو جانے کب اُن کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ رانی کی بات سُن کر اُس نے وہ باتیں دوہرائیں، جو نفیسہ کو ہمیشہ بُری لگتی تھیں۔

"نہ تم نے کب مجھے نخرے کرتے دیکھا ہے؟" نفیسہ نے بُرا مان کر کہا۔

"میرو کے سانولے چہرے پر مسکراہٹ بڑی بے ساختہ تھی۔ اُسے نفیسہ رُوٹھی رُوٹھی بڑی پیاری لگی تھی۔ بے حد سادہ اور معصوم سی لڑکی میرو کی زندگی کب بن گئی، یہ وہ بھی نہ جانتا تھا۔

رانی نے چاول دَم لگاتے ہوئے دونوں کو دیکھا اور سر جُھکا کر مسکراتے ہوئے دیگچے کا ڈھکن بند کیا اور کھڑے ہو کر پتھر کی کونڈی اُس پر رکھی تا کہ چاولوں کو اچھا سا دَم دے سکے۔

"یہ کیا ہے ویرے؟" رانی نے میرو کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے مٹکے کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔

"میرا آج کنویں پر جانا ہوا تھا۔ وہیں بالٹی میں آم ڈال کر میں نے کنویں میں لٹکا دیے تا کہ ٹھنڈے ہو جائیں اور میری بہن ٹھنڈے ٹھنڈے آم کھا سکے۔" میرو بات تو رانی سے کر رہا تھا لیکن نگاہیں نفیسہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ رانی ہولے سے ہنس دی۔

"کس کو احمق بناتے ہو پیارے بھائی، کیا میں نہیں جانتی کہ آم کسے زیادہ پسند ہیں اور جمعرات کو کون ہمارے گھر آتا ہے۔" رانی کا صاف اشارہ نفیسہ کی جانب تھا، جو جمعرات کو اپنی اماں کے ساتھ ماسی صابراں کے ہاں آتی تھیں اور یہاں سے وہ اکٹھی ہو کر درگاہ جاتی تھیں۔

ماسی صابراں اور نفیسہ کی ماں کو درگاہ میں دیا جلانا ہوتا تھا اور رانی، نفیسہ کو آپس میں ڈھیروں باتیں کرنا ہوتی تھیں۔ نفیسہ رانی کی بات پر ایک دَم سرخ پڑ گئی۔

"چل جو تیرا جی چاہے کہہ لے اب کیا میں تیری باتوں کا بُرا مناؤں گا۔" میرو نے اپنے کندھے پر رکھے رومال سے پسینا پونچھتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔

"نفیسہ تُو ذرا چاولوں کے پاس بیٹھ میں ابھی آتی ہوں۔" رانی ایک دم اُٹھ کر اندر کی جانب چلی گئی۔

"ارے یہ کہاں چل دی؟" نفیسہ میرو کی موجودگی میں شرم و حیا سے گھبرا رہی تھی۔

"مجھ سے بہت پیار کرتی ہے اور میرا خیال بھی بہت کرتی ہے۔" میرو نے مسکراتے ہوئے نفیسہ کو جواب دیا۔

"مطلب؟" نفیسہ نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔

"مطلب وہ جانتی ہے کہ میرو کا نفیسہ سے دو گھڑی بات کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔" میرو رانی کی چھوڑی ہوئی چوکی پر بیٹھ گیا۔

نفیسہ نے سر اُٹھا کر اُسے نہ دیکھا بلکہ تنکا لیے کچی زمین پر آڑھی ترچھی لکیریں بناتی رہی۔

"میں اتنی گرمی میں یہاں تمہارے پاس بیٹھا ہوں اور تو میری جانب دیکھتی بھی نہیں ہے۔" میرو کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"تو تمہیں کون کہتا ہے کہ یہاں چولھے کے پاس آ کر بیٹھو۔" نفیسہ نے رُوٹھے لہجے میں کہا۔

"ارے پگلی جانتی بھی ہے تیری خاطر یہاں بیٹھا ہوں۔" میرو نے پیار بھری نگاہ اُس کے سرخ سفید چہرے پر ڈالی۔

"جب میں نخرے والی ہوں تو کیوں مجھ سے بات کرتے ہو۔" نفیسہ کو میرو کی یہ بات ہمیشہ کی طرح بُری لگی تھی۔ میرو کی مونچھوں تلے مسکراہٹ بے حد جان دار تھی۔

"اچھا چھوڑو غصہ، یہ دیکھو تمہارے لیے میں کیا لایا ہوں۔" میرو نے سبز اور گہری سرخ چوڑیاں اُس کے سامنے لہرائیں۔

"دو سیٹ تمہارے ہیں اور دو تیری سہیلی کے۔" میرو نے چوڑیاں اس کی گود میں ڈال دیں۔

"اچھا! یہ بتاؤ تم کب عقل سیکھو گے؟" نفیسہ نے اُس کا خوشگوار موڈ دیکھتے ہوئے اصل بات کرنی چاہی۔

"کیا مطلب؟" میرو نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔

"یہی کہ تم سیّد سرفراز سے کیوں اُلجھے، اُس دن اگر سیّد عبداللہ ہمیں رستے میں نہ ملتا تو جانے تیرا کیا حال ہوتا۔" نفیسہ کا لہجہ بے حد فکرمند تھا۔ اُسے میرو کے غصّے سے ہمیشہ ڈر لگا کرتا تھا۔

"اچھا تو اُن کو اپنی مرضی کرنے دیتا اور باقی کا سال کیسے گزرتا؟ ہمارے گھر فاقوں تک نوبت آنے لگی تھی۔"

"لیکن تمہیں آرام سے اُن سے بات کرنی چاہیے تھی، آخر وہ اس گاؤں کے سب سے بڑے زمین دار ہیں، اپنے سے زیادہ طاقت ور سے اُلجھنا حماقت ہے۔" نفیسہ نے اپنی سی کوشش کی تھی اُسے سمجھانے کی۔

"نہیں نفیسہ! یہ سراسر ظالم کا ساتھ دینے والی بات ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ ہماری حالت آج تک نہیں بدلی وہ لوگ روز بہ روز امیر ہوتے جا رہے ہیں اور ہمارے پاس جو کچھ ہمارا اپنا تھا وہ بھی ہم سے چھینا جا رہا ہے۔ ہماری آنے والی نسلیں اور اُن کی نسلیں صرف غلام بن کر رہ جائیں گی۔ بابا سائیں ایک سال سے اُن کا پیسہ اُتار رہے ہیں۔ آئندہ دس سالوں میں بھی وہ اصل رقم اُتار نہ پاتے، آج وہ زبردستی ہمارا اناج اُٹھا کر لے جاتے تو کل یقیناً ہماری زمین کے بکنے کی باری آتی۔ پھر کیا رہ جاتا ہمارے پاس؟" میرو نے نفیسہ سے سوال کیا۔

"لیکن میرو تمہیں اگر کچھ ہو جاتا تو چاچا دینو تو اپنی زندگی کی سب سے بڑی پونجی کھو دیتے۔" نفیسہ کو میرو کی جرأت ابھی تک حماقت لگ رہی تھی۔

"نفیسہ میں غلط کو درست اور درست کو غلط کبھی نہیں کہوں گا!" میرو نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔

"میں پڑھا لکھا نہیں ہوں لیکن میاں جی سے قرآن پاک پڑھتے ہوئے میں نے زندگی کا غلط درست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی سیکھا ہے۔ کیا فائدہ ہمارے مسلمان ہونے کا اگر ہم عمل کے ہی کچے ہوں۔ سُود ہمارے مذہب م[یں] حرام ہے! بابا سائیں کو ان لوگوں نے قرض دیتے ہوئے سُود کے متعلق کچھ نہ بتایا تھا اور خالی انگوٹھا لگوا[یا] تھا۔ دھوکے سے ہم ان لوگوں کے جال میں پھنس کر رہ گئے۔ میں آج بھی سید عبداللہ کا احسان مند ہو[ں] کہ وہ ان وحشیوں میں انسانیت کی پہچان ہے۔ میں اگر زندگی میں کبھی اُس کے کام آ سکا تو مجھے بے[حد] خوشی ہوگی۔'' میرو کے چہرے پر سچائی تھی اور یہ میرو کی سچائی اور سادگی ہی تھی، جس پر نفیسہ کا دل [؟] ہوگیا تھا۔ میرو گاؤں کے باقی نوجوانوں سے خاصا مختلف تھا۔

اُس میں خودداری، انا، غیرت کے ساتھ ساتھ کردار کی سچائی موجود تھی۔ شاید اُس کی وجہ سے [؟] کامیاں جی (جو گاؤں کے امام مسجد بھی تھے) کی محبت تھی۔ میاں جی گوشہ نشین آدمی تھے۔ زیادہ [؟] نہیں کرتے تھے لیکن بچّوں کو قرآن پاک اور دینی تعلیم سالوں سے دے رہے تھے۔ میرو اُن کے ہی طالب علموں میں شامل تھا۔ میاں جی کی محبت میں اُس نے بہت کچھ سیکھا تھا، جو اُس کی شخصیت کو سب سے نمایاں بناتا تھا ورنہ گاؤں کے زیادہ تر نوجوان شاہ جی کے آگے سوائے ہاتھ جوڑنے اور گھگھیا[نے] کے کچھ نہ کرتے تھے۔ شاہ جی کی غلط سے غلط بات وہ ہمیشہ درست مانتے تھے۔

''لیکن میرو۔'' نفیسہ شاید کچھ کہنے جارہی تھی۔

''بس نفیسہ تم مجھے اس معاملے میں کبھی مجبور نہ کرنا۔'' وہ رومال سے ماتھے پر آیا پسینا پونچھ کر لمبے لم[بے] ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔

''ارے! اِسے کیا ہوا؟'' رانی نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

''جو ہمیشہ سے ہوتا ہے ضد اور غصّہ!'' نفیسہ نے بے بسی سے جواب دیا۔

''اللہ تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔'' اُس نے دِل سے دُعا دی۔

❖❖○❖❖

''اِس وقت یہ کون ہے؟'' عبدالولی نے گھڑی اُٹھا کر دیکھی، رات کے ساڑھے تین بجے تھے۔ با[ہر] لان سے کسی لڑکی کے سسکنے کی آواز آرہی تھی۔ وَلی ایک دَم سے الرٹ ہوگیا، کمرے میں موجود ٹُوا[؟] کاشف دونوں ہی گہری نیند میں تھے۔ وَلی بہت محتاط نیند سوتا تھا۔ معمولی سا کھٹکا تک وہ سُن لیتا تھا جب کہ باہر تو باقاعدہ سسکیوں اور کچھ بولنے کی آواز آرہی تھی۔

عبدالولی نے بستر سے شال لے کر لپیٹی اور چپل پہن کر دبے پاؤں باہر نکل آیا، آواز پیچھے درختوں سے آرہی تھی۔ عبدالولی کو جو کمرا دیا گیا تھا اُس کی کھڑکی پیچھے لان میں کھلتی تھی۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ آواز وَلی کے کمرے تک آئی تھی۔

''کون ہے وہاں؟'' جوں جوں قریب پہنچ رہا تھا وہ واضح طور پر آواز کو سن سکتا تھا۔

یہ جو زندگی کا سراب ہے
اے خدا!
یہ میرے لیے تو عذاب ہے
مجھے بخش دے

اے میرے خدا
[یہ] کب تلک میں سہوں بتا
[یہ] عذابِ جاں جو ہے سوختہ
میں نے مانا مجھ سے خطا ہوئی
[مجھے] زندگی جو عطا ہوئی
اسے میں نے اپنے ہی ہاتھ سے
[یوں] گنوادیا کہ ہوئی فنا
''میری ذات ذرّہ بے نشاں''

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی بلک رہی تھی بنا کسی گرم کپڑے اور دوپٹے کے، وہ شاید اپنے حواسوں میں نہ [تھی]۔ کھلے بال اُڑ کر اس کا چہرہ ڈھانپ چکے تھے۔

اے خدا!
مجھے کوئی ایسا سراغ دے
کہ تیرا نشاں پا سکوں

اس کی آواز میں بے حد کرب تھا۔ وَلی ٹھٹک کر رُک گیا۔

مجھے کوئی ایسی تو راہ سجھا
کہ میں خود کو راہ پہ لاسکوں
میری تشنہ روح کو قرار دے
میری بگڑی دنیا سنوار دے
میرے مالک اتنی سزا بہت ہے
مجھے کچھ خوشی تو ادھار دے!

اب وہ ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

ولی کسی سحر میں مبتلا دھیرے دھیرے چلتا اُس کے پاس آ کر رُکا، اُس کی آواز کے درد نے وَلی کو جکڑ لیا۔ وَلی گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کچھ پَل اُسے دیکھتا رہا۔

وہ اُسے ہمیشہ یوں ہی بکھری ہوئی ملتی تھی آخر کس بات کا دُکھ تھا اُس لڑکی کو؟ کیوں اس کی بے حد خوبصورت آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی رہتی تھیں۔ وہ اُسے نہیں جانتا تھا۔ وہ اجنبی ہو کر بھی اکثر جانی پہچانی لگتی تھی۔ موٹروے پر جب ماجد اور اسد اُس کو گولیاں مار کر لہولہان کر کے اُس کی گاڑی چھین کر لے گئے تھے۔ جب اُسے لگا تھا کہ زندگی اب اُس سے بے حد فاصلے پر کھڑی ہے تو موت کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے جو آخری زندگی کی آواز تھی، وہ اِسی لڑکی کی تھی۔

اس لڑکی نے اُس کی جان بچائی تھی۔ جب وہ ہوش میں آیا تھا تو سب سے پہلے جو عکس اُس کے ذہن میں لہرایا تھا۔ وہ اسی لڑکی کی اُداس آنکھوں کا تھا۔

دوسری بار وہ اُسے اپنی تصویروں کی نمائش آرٹ گیلری میں ملی تھی۔ اور اپنی باتوں سے چونکاتی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک غائب ہوگئی تھی۔

تیسری بار وہ اُسے بکھری ہوئی سڑک پر ملی تھی اور ہسپتال سے اچانک غائب ہوگئی تھی۔ جاتے ہوئے وہ اک اُلجھی ہوئی تحریر چھوڑ گئی تھی۔

اور آج چوتھی بار وہ ایک بار پھر بے حد بکھری اور اذیت میں مبتلا نظر آئی تھی۔ اس سارے عرصے میں وہ جب جب اُس سے ملا، اُس کے چہرے کی ہر وقت نم اور سوگوار آنکھیں اُسے متوجہ کرتی تھیں۔

”سنو! اچھی لڑکی کیا میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں؟“ وَلی نے بے حد نرم لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔

اُس نے ایک دم چونک کر سر اُٹھایا گہری جھیل سی آنکھیں رو رو کر سرخ ہورہی تھیں۔ اُس کا سارا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اور بال آنسوؤں سے گیلے ہوکر چہرے پر چپک گئے تھے۔

سامنے وہی دشمنِ جاں بیٹھا تھا، جو ایک بار پھر اُسے سرابوں میں دھکیل رہا تھا۔ ہاں وہ خواب نہ تھا واقعی عبدالولی اُس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اُس کے اتنا پاس کہ وہ ہاتھ لگا کر اُسے چھو سکتی تھی۔

”اچھی لڑکی؟ کیا مجھے گالی دے رہے ہیں؟“ ترنم نے روئی روئی آواز میں کہا۔

”میں تمہیں گالی کیوں دوں گا؟ مجھے بتاؤ تم کو کیا پرابلم ہے، ہوسکتا ہے میں تمہاری مدد کرسکوں۔“ وَلی واقعی اُس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔

”آپ مجھے جانتے ہی کتنا ہیں، جو مجھے اچھی لڑکی کہہ کر میری مدد کرنے پر تیار ہیں؟ جس کشتی کے اندر اتنے سوراخ ہوں کہ وہ گنے نہ جاسکتے ہوں وہ پانی میں ضرور ڈوبتی ہے! اُسے کوئی نہیں بچاسکتا، پھر میری مدد آپ کیسے کرسکتے ہیں؟“ ترنم نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

مجھے تو ہر صورت ڈوب کر غرق ہوجانا ہے!
میں انجام عبرت ہوں! میں مقام عبرت ہوں!

”مجھے کوئی مدد بچا نہیں سکتی۔“ ترنم نے بہکے بہکے لہجے میں کہا۔

وَلی اُس کی باتوں پر مزید اُلجھ گیا، اُسے شک تھا کہ لڑکی اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔ شاید اُس نے نشہ استعمال کیا تھا۔ پچھلی بار وہ اُسے نشے میں بے ہوش ملی تھی۔

”آپ پلیز اُٹھیے یہاں سے، اتنی ٹھنڈ میں آپ نے مرنا ہے کیا؟“ وَلی نے سہارا دے کر اُسے اٹھایا۔

”ارے ایسی خوش قسمت نہیں ہوں میں، میری سزا نے تو لگتا ہے کہ آبِ حیات پی رکھا ہے نہ میری سزا ختم ہوگی اور نہ میں مروں گی۔“ اب وَلی کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں۔

”تم مجھے ہمیشہ ہی ایسے کیوں نظر آتی ہو؟ تمہارے اندر ایسی کون سی تکلیف ہے جو تمہاری زبان، آنکھیں ہر وقت بیان کرتی ہیں!“ وَلی نے اپنی شال اُس کے سرد وجود کے گرد لپیٹ کر پوچھا۔

سفید چست شارٹ شرٹ اور چوڑی پاجامے میں وہ رات کے اس پل قیامت ڈھا رہی تھی۔ وَلی نے بے اختیار نگاہ پھیر لی۔

وَلی کا یوں نگاہ پھیرنا ترنم سے نہ چھپا تھا۔ وہ بے شک ذہنی ابتری میں مبتلا تھی لیکن اپنی پسندیدہ شخصیت کے پاس کھڑی اس کے وجود سے آتی خوشبو کے حصار میں جکڑی اُس کی نگاہ پڑھ سکتی تھی۔

”تم ایسے ہی تو مجھے اتنے خاص نہیں لگتے ہو!“ ترنم نے بے اختیار سوچا تھا۔

”تمہارے گھر والے یہیں کہیں پاس میں رہتے ہیں ناں؟ تمہارا ڈرائیور بتا رہا تھا کہاں ہے تمہارا گھر، تمہارے گھر والے، تمہارے ماں باپ، بہن بھائی؟“ وَلی اُس کے دکھ کا کھوج لگانا چاہتا تھا۔

”میرا کوئی گھر نہیں ہے اور میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔“ ترنم نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

وَلی اُس کی بات پر مزید اُلجھ گیا، کیا یہ دنیا میں بالکل اکیلی ہے؟ لیکن یہ اچھے کالج میں پڑھتی ہے اس کا رکھ رکھاؤ بولتا ہے کہ اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی ہے۔

”میں نہیں مانتا کہ تم بے آسرا ہو!“

”کیا تم بروکن فیملی سے تعلق رکھتی ہو؟“ وَلی نے دھیرے دھیرے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

اس کے کالج میں اکثر لڑکے لڑکیاں بے حد امیر اور بروکن فیملیز سے تعلق رکھتے تھے اور اکثر ابنارمل رویے اپناتے تھے۔ وَلی کے دماغ میں بھی ترنم کے لیے یہ ہی بات آئی تھی۔ یقیناً یہ حساس لڑکی بروکن فیملی سے ہے!

ہاں بروکن فیملی! ٹوٹے ہوئے خاندان سے تعلق! کیا واقعی میں ٹوٹے ہوئے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ ترنم کی مسکراہٹ ٹوٹی کرچیوں جیسی تھی۔

”اچھا تمہارا نام کیا ہے؟“ وَلی نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

”ترنم!“ وہ کوریڈور کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

”نہیں تمہارا پورا نام، آئی مین تمہارا سرنیم کیا ہے؟“ وَلی کے لیے وہ لڑکی اُلجھی گتھی بنتی جارہی تھی۔

”بھائی عبدالرحمان صاحب نماز کا وقت ہوگیا ہے! باہر آجائیے۔“ ترنم کے کانوں میں ایک بھولا بھٹکا جملہ لہرایا۔

”عبدالرحمان“! ابا اور اُن کے دوست رزاق اکٹھے مسجد کے لیے نکلتے تھے۔ رزاق چاچا روز پانچ وقت ان کے دروازے کے باہر یہ ہی جملہ پکارتے تھے اور ابا سر پر ٹوپی لیے باہر بھاگتے تھے، جیسے چند منٹ نہ چلے گئے تو کچھ کھودیں گے۔

”میں نے تمہارے ابو کا نام پوچھا ہے؟“ وَلی نے گم سم خیالوں میں کھوئی ترنم سے پوچھا۔

”میرے ابو کا نام؟“ ترنم کو یوں لگا جیسے اُس کے سارے زخم اُدھڑ گئے ہوں اور اُن میں ناقابل برداشت درد شروع ہوچکا ہو۔

”میرے ابا کا نام؟“

”اپنے ابا کا پاک نام مجھ جیسی غلاظت سے بھری لڑکی اپنی زبان پر بھی لائے تو بھی گناہ ہی ہوتا ہے۔ آپ کو کیسے ابا کا نام اپنی زبان سے بتاسکتی ہوں۔“ ترنم نے سسکتے ہوئے سوچا۔

”مسٹر عبدالولی میری ذات ”ذرہ بے نشاں“ ہے۔ بغیر جڑ کے کبھی مرا ہوا پودا دیکھا ہے آپ نے؟ نہیں دیکھا تو مجھے دیکھ لیجیے، میں ہی وہ مرا ہوا پودا ہوں۔“ وہ کہہ کر اندر کی جانب مڑ گئی۔

وَلی ایک دم کانپا، تیز ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اُس کے وجود سے ٹکرایا تھا۔ وَلی کو وہ لڑکی بھی برف کی مانند لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیسی عجیب پہیلی سی لڑکی ہے!" وہ ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ رگڑتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا

❖❖○❖❖

لتاں جان اُس کے کمرے کے باہر ٹھہر گئی تھیں، سیّد عبداللہ بے حد مگن انداز میں پیانو بجا رہے تھے سنہری گھنے بالوں کا گچھا ماتھے پر گرا تھا۔ کمرے میں بے حد مدھر سُر بکھرے ہوئے تھے۔ سیّد عبداللہ انداز میں بے حد بے خودی سی تھی، وہ چپ چاپ اُسے اپنی پسندیدہ مصروفیت میں مگن دیکھتی رہیں۔

سیّد عبداللہ کو اچانک کمرے میں کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوا، انہوں نے ہاتھ روک کر پیچھے مُڑ دیکھا۔ اور ماں پر نظر پڑتے ہی فوراً احتراماً کھڑے ہو گئے۔

"السلام علیکم اماں جان!" انہوں نے پیار لینے کے لیے آگے سر بڑھایا۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو اللہ تمہیں دین دُنیا کی خوشیوں سے نوازے۔" انہوں نے اُس کے سر کندھے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"لتاں جان آپ نے مجھے اپنے کمرے میں بلوا لیا ہوتا، میں وہاں حاضر ہو جاتا۔" سیّد عبداللہ تابعداری سے کہا۔

"جیتے رہو! میرا دِل چاہ رہا تھا کہ میں اپنے بیٹے سے خود مل کر آؤں۔" وہ مسکراتے ہوئے مسہری پر بیٹھ گئیں۔ سید عبداللہ نیچے قالین پر بیٹھ کر اُن کے پیروں میں بیٹھ گئے اور سر اُن کی گود میں دیا۔

"اُوپر آ جاؤ کیوں زمین پر بیٹھ کر تھکتے ہو۔" لتاں جان نے پیار سے کہا۔

"مجھے آپ کے پاس بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔" وہ وہیں بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"عبداللہ تم نے جتنا پڑھنے کی خواہش کی، تمہارے بابا سائیں نے تمہاری خواہش کا احترام کر کے تمہیں اتنا ہی پڑھایا تمہیں باہر کے ملک پڑھنے بھیجا تاکہ تم دِل میں کوئی حسرت نہ پال سکو۔" وہ کہتے کہتے تھوڑی دیر کو ٹھہر گئیں۔

"جی لتاں جان! میں آپ دونوں کا بے حد مشکور ہوں، واقعی میں نے جو چاہا آپ نے مجھے ہے۔" سید عبداللہ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"اب بیٹا تمہارے بابا سائیں اور میرے کچھ ارمان ہیں، ہماری خواہش ہے کہ تم زمینوں معاملات میں دلچسپی لو اور میں نے تمہارے لیے ایک بہت پیاری سی لڑکی دیکھ رکھی ہے، میری آنکھیں تمہارے سر پر سہرا سجا دیکھنا چاہتی ہیں۔" سیّد عبداللہ بے اختیار مسکرائے، ہر ماں کی طرح اُن کو اُس شادی کا بے حد ارمان تھا۔

"لتاں جان! اگر میں نے کوئی گوری میم پسند کر رکھی ہو تو؟" سید عبداللہ نے شرارت سے کہا۔

"ہو ہی نہیں سکتا، میرا بیٹا بے حد تابع دار ہے وہ کبھی ایسا کر ہی نہیں سکتا۔" لتاں جان کے لہجے میں بے یقین تھا۔

"تو پھر جو لڑکی آپ نے دیکھ رکھی ہے، وہ ہی آپ کی بہو بنے گی۔" سید عبداللہ نے اُن کے ہاتھوں پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

م پوچھو گے نہیں میں نے کس کو پسند کیا ہے۔" لتاں نے پوچھا۔

ہیں!" سید عبداللہ نے واقعی انکار کر دیا۔

ماں جان کو اپنے تابع دار بیٹے پر بے حد فخر محسوس ہوا، اُن کے دِل کے کسی گوشے میں یہ خدشہ کبھی سر اُبھارتا تھا کہ عبداللہ اتنا پڑھ لکھ کر اپنی برادری میں کیسے کسی لڑکی سے شادی کرے گا۔

ن آج انہیں اُن کے خون نے، شرمندہ نہ ہونے دیا تھا۔ لتاں جان نے نہایت سوچ بچار کے بعد ا میں سب سے پڑھی لکھی لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔

شہ اُن کے دیور کی اکلوتی بیٹی تھی۔ بے حد سلجھی ہوئی اور نرم طبیعت کی مالک! اُن کے دیور نے بہت ہ پہلے سرگودھا میں زمینیں خریدی تھیں اور وہیں کسی لڑکی سے شادی کر لی تھی، جس سے عائشہ پیدا وہ لڑکی عائشہ کی پیدائش کے فوراً بعد مالک حقیقی سے جا ملی تھی۔ پھر سیّد صداقت علی نے دوبارہ الہ کی۔ عائشہ ہی اُن کی ہمیشہ مرکز نگاہ رہی۔

ئشہ کو انہوں نے پڑھایا تھا۔ اُس کی بہترین تربیت کی تھی لیکن اندر سے وہ اپنی خاندانی سوچ سے نہ لے تھے۔ اُن کی شدید خواہش تھی کہ بیٹی اپنے ہی خاندان میں بیاہی جائے۔ اور جب اُن کے سب ے بھائی کا بیٹا عبداللہ اپنی تعلیم مکمل کر کے پاکستان آیا تو انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ برسوں کی ختم کر کے اپنی بیٹی عائشہ کا رشتہ سیّد عبداللہ سے دیا۔ سیّد نوازش علی نے اتنا عرصہ بھائی کی جدائی کاٹی وہ دل سے اِس رشتے کے لیے راضی تھے۔ البتہ لتاں جان بیٹے کی مرضی جاننے کے بعد اور لڑکی کو ہیر کوئی بھی فیصلہ کرنے سے گھبرا رہی تھیں۔

ن آج عبداللہ نے اُن کا مان بڑھا دیا تھا۔ ویسے بھی عائشہ ایسی لڑکی تھی، جسے دیکھ کر اُن کے دِل ک پڑ گئی تھی۔ حُسن میں یکتا، سیرت میں بے مثال شرم وحیا کا پیکر، وہ کہیں سے بھی نہ لگتی تھی کہ لے باہر تعلیم حاصل کی ہے۔ یقیناً یہ اُس کے باپ کی تربیت ہی تھی، جس کی وجہ سے اُس نے کبھی ایات سے ہٹ کر خود کو نہ ڈھالا تھا بلکہ جس طرح سیّد صداقت علی اُس سے کہتے وہ ویسی ہی بنتی

بداللہ تم دیکھنا عائشہ کے ساتھ بے حد خوش رہو گے اگر تم نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ماں کے ہ پر رکھا تو کبھی کسی خوشی میں کمی نہ پاؤ گے۔" وہ مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

عبداللہ بھی ماں کے احترام میں فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ں اب ایک اور خواہش پوری کر دو۔ جلد از جلد تم زمینوں کے معاملات بھی سنبھالو، یہ سب کچھ ہے عبداللہ!

رے بابا سائیں نے جو زمین میرے نام دی تھی۔ وہ سب تمہاری ہے۔" لتاں جان اکثر سیّد لی کے تیور دیکھ کر گھبرا جاتی تھیں۔ وہ دِل سے چاہتی تھیں کہ اُن کا بیٹا اپنی زمینوں کی دیکھ بھال

اں جان! بابا سائیں اور سرفراز ہیں ناں اِن معاملات کو دیکھنے والے۔" سیّد عبداللہ ہمیشہ اس سے بھاگتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بے شک! اللہ رکھے وہ دونوں موجود ہیں۔ لیکن کیا تم ہم لوگوں سے کٹ کر رہنا چاہتے ہو؟'' لتاں جان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ سیّد عبداللہ تڑپ اُٹھے۔

''لتاں جان پلیز! کبھی ایسا خیال دِل میں لائیے گا بھی نہیں۔ تعلیم مجھے میری جڑوں اور میری زمین سے کبھی الگ نہیں کر سکتی، میں آئندہ سے زمینوں پر جاؤں گا اور جو بابا سائیں چاہیں گے ویسا ہی کروں گا۔'' سیّد عبداللہ نے ماں کے ہاتھ تھام کر یقین دلایا۔

''جیتے رہو! اللہ تمہارا اقبال بلند رکھے۔'' لتاں جان نے بے حد دِل سے اُسے دُعا دی۔

❖❖○❖❖

''کدھر تھیں تم؟'' ماہ رخ نے تقریباً غراتے ہوئے پوچھا۔

''یہیں تھی میں نے کہاں جانا ہے، اب تو ہر راستا بند ہو چکا ہے۔'' ترنم نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

''ترنم! میں نے آصف کے موبائل پر اُسے انفارم کر دیا ہے وہ ہمارا گیٹ پر انتظار کر رہا ہے۔ جلدی سے اپنے جوتے وغیرہ پہن لو، مین روڈ پر مارک اور صادق ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔'' ماہ رخ نے جلدی جلدی اپنا اور ترنم کا ننھا منا بیگ اُٹھا کر باہر کی جانب رُخ کیا۔

ترنم نے گہرا سانس خارج کیا۔ میڈم چاندنی کے ہاتھ واقعی بے حد لمبے تھے، چند گھنٹوں میں ہی اُس کے کارندے اُن تک آن پہنچے تھے۔

ترنم نے کچھ سوچ کر وَلی کی شال اپنے ساتھ ہی رکھ لی اس گرم شال سے اُس کی خوشبو وہ شدت سے محسوس کر سکتی تھی۔

''ماہ رخ ہم اپنے میزبانوں سے اجازت لے کر بھی تو نکل سکتے تھے ناں!'' ترنم کا تیز تیز قدم اُٹھا کر چلنے سے سانس پھولنے لگا تھا۔

''میزبان نے کون سا ہمیں دعوتی کارڈ ارسال کیے تھے، بن بلائے مہمان اگر اچانک واپس چلے جائیں تو میزبان کو اکثر خوشی ہی ہوتی ہے۔'' ماہ رخ نے لمبے لان کو تقریباً دوڑتے ہوئے کراس کیا۔

''باجی ہماری گاڑی کا کیا بنے گا؟'' آصف نے پریشانی سے اُن سے پوچھا۔

''اُس کی فکر نہ کرو وہ راستے میں کھڑی ہے، مارک اور صادق اُسے ٹھیک کر چکے ہیں۔'' ماہ رُخ نے اُسے گیٹ کھولنے کا کہا، بڑا سا گیٹ جب اُس کی کنڈی کھولی گئی تو دور تک اُس کی چوں چوں ہوئی۔

''آرام سے اُن کا نوکر جاگ جائے گا۔'' ماہ رُخ نے آصف کو ڈانٹا۔

''وہ تو ویسے بھی جاگ جائے گا۔'' آصف نے تسلی سے کہا، جیسے اُسے رئیس احمد کے روز کا معمول پتا ہو۔

''کیوں اُٹھ جائے گا؟'' ماہ رخ نے فکر سے پوچھا۔

''باجی وہ نمازی آدمی ہے، ابھی کچھ ہی دیر میں اذان ہو جائے گی۔'' آصف نے اطمینان سے گیٹ کھول کر کہا۔

ترنم کا سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔ نشہ تو اب اُس پر چند گھنٹے ہی اثر کر پاتا تھا البتہ بہت شدت سے

ی وجہ سے سر پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ ترنم نے باہر نکلنے سے پہلے پیچھے مُڑ کر اُس عمارت کو
ہاں ایک ایسا شخص موجود تھا، جس کے لیے جینے کو دِل چاہتا تھا۔
ں میں مزید نہیں چل سکتی۔'' بہت دُور تک پیدل چلنے کے بعد ترنم نے انکار کر دیا اُسی پَل درختوں
سے چار آدمی باہر نکل آئے۔ فوری طور پر دونوں لڑکیاں اور آصف ایک دم سہم گئے لیکن جیسے ہی
ریب آئے تو ماہ رخ نے پُرسکون سانس لیا۔

ڑی کہاں کھڑی ہے مارک؟'' ماہی نے دونوں بیگ اُسے تھماتے ہوئے پوچھا۔

ر ذرا پیچھے۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھا، وہاں دو گاڑیاں کھڑی تھیں ماہ رخ تو ٹانگیں پھیلا کر تقریباً لیٹ
ی جب کہ ترنم باہر کھڑکی سے سر ٹکائے جانے کن سوچوں میں تھی۔ سورج کو یوں نکلتے جانے اُس نے
سے بعد دیکھا تھا۔

دگی کہاں لے آئی ہے تمہیں!'' وہ خود سے بولی۔
کن زندگی کو دوش دے کر تم بری الذمہ نہیں ہو سکتیں۔ یہ تمہاری ہی منہ زور خواہشیں تھیں، جو
ی زندگی کو اس موڑ پر لے آئیں۔''

آج تم مہنگے لباس پہنتی ہو، ڈائمنڈ سے کم جیولری تمہارے پاس نہیں پھر بھی تم کس قدر ناخوش ہو،
مارے کا سودا کیا ہے تم نے۔''

انسان کس قدر عاقبت نااندیش ہے وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی جب ناشکری کرتا ہے تو ہمیشہ خالی
رہ جاتا ہے بالکل میری طرح۔'' ترنم نے اپنے ہاتھوں کی جانب نگاہ ڈالتے ہوئے سوچا۔

ں کی گاڑیاں ایک بہت بڑی عمارت کے باہر آ کر رُکی تھیں، ترنم نے یہ جگہ پہلے نہ دیکھی تھی۔

ہ رخ یہ کون سی جگہ ہے؟'' ترنم نے عمارت کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

رے ہم آج ''حیرت کدہ'' آ گئے!'' ماہی نے جوتے کا اسٹریپ لگاتے ہوئے کہا۔

یرت کدہ! کیا مطلب ہے تمہارا؟'' ترنم نے اُلجھن سے پوچھا۔

رے بابا! تم اندر چل کر دیکھو، واقعی تم کو یہ جگہ کسی حیرت کدے سے کم نہیں لگے گی، یہاں کا نام
ہی حیرت کدہ رکھا ہے۔'' ماہی نے گیٹ کی جانب بڑھتے ہوئے کہا جہاں دو گارڈ الرٹ کھڑے
ارڈز نے پہلے مارک اور صادق کے وہ خاص شناختی کارڈ دیکھے، جو یہاں داخل ہونے کے لیے
تھے۔

کارڈز کس لیے؟'' ترنم نے سوال کیا۔

ہستہ بولو، یہاں جگہ جگہ کیمرے اور اسپیکرز سیٹ ہیں۔'' ماہی نے ترنم کے کان میں سرگوشی کی،
تین عدد خطرناک کتے گھوم رہے تھے۔ ترنم کو اتنے بڑے بڑے کتے دیکھ کر بے اختیار جھرجھری

دروازے کے اندر کمپیوٹرائزڈ سسٹم لگا ہوا تھا۔ ترنم کو جلد ہی مارک اور صادق کے وہ مخصوص شناختی
کا مقصد سمجھ آ گیا۔ مارک نے پہلے کارڈ داخل کیا اور پھر داخل ہونے والے افراد کی تعداد ٹائپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پہلے تم میرے ساتھ چلو۔'' مارک نے ماہ رخ سے کہا۔
''لیکن ہم ساتھ اکٹھے کیوں نہیں داخل ہو سکتے؟'' ماہی نے ذرا ناز و ادا سے پوچھا۔
''کیوں کہ ہر دروازے کے سر پر خطرناک لیزر سسٹم ہے، ہر کارڈ صرف دو افراد کے لیے ہی ہے، تیسرے بندے کی تو کھوپڑی پگھل کر رہ جائے گی یعنی یہاں سے نہ کوئی باہر جاسکتا ہے اور نہ اندر داخل ہوسکتا ہے، کوئی بھی چالاکی یقینی موت کا سبب بن سکتی ہے۔'' مارک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
''واؤ، گریٹ!'' بظاہر ماہ رخ نے مسکرا کر اتنے خوفناک سسٹم کی تعریف کی تھی لیکن اُس کا اپنا اندر تک خشک ہوگیا تھا۔ ترنم صادق کے ساتھ داخل ہوئی۔
وسیع کوریڈور سے گزرنے کے بعد وہ ایک بار پھر ایک بہت بڑے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ مارک نے آگے بڑھ کر کچھ کوڈ نمبرز ملائے تو دروازہ ایک دَم کھل گیا۔
دروازے کو کراس کرکے وہ ایک بڑے ہال کمرے میں داخل ہوگئے، جس کے آٹھ دروازے تھے۔ یہ ہال کمرا گولائی میں بنایا گیا تھا۔ اُن کی دیواروں پر رنگین شیشے لگے ہوئے تھے۔ ہر دروازے پر الگ رنگوں کی روشنیاں پورے ہال میں عجیب سحر انگیز تاثر پیدا کررہی تھیں۔ ترنم کو ایک پَل کو لگا کہ وہ کسی اور ہی جہان میں آگئی ہے چھت کے ساتھ آٹھ منزلوں والا بڑا سا جھومر لگا ہوا تھا، جس کے درمیان میں ستارِ رنگ لٹک رہا تھا۔
ہال کے بالکل درمیان میں ایک گول میز تھی جو دھیرے دھیرے گھوم رہی تھی۔ اس کے اوپر لائف سائز کرسٹل کا بنا ڈیکوریشن پیس تھا۔ یہ برہنہ لڑکی کی شبیہہ تھی اُس پر پڑتی نیلی روشنی یوں لگ رہی تھی کہ وہ آبشار سے نہا رہی ہو، کرسٹل جس اسٹینڈ پر گھوم رہا تھا وہ چار اسٹیپ پر بنا ہوا تھا۔ لڑکی کے ہاتھ میں گول دائرہ نما چھلا سا تھا جس کے اندر سے بلو کلر کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ مارک اور صادق ایک سبز رنگ والے دروازے کے پاس آکر رکے اور کوڈ نمبر ملانے لگے۔
ترنم نے ویسے ہی دھیان سے دیکھا تو مارک نے پہلے جی (G) اور پھر تین ملایا۔ داخلی دروازے سے اس دروازے کا نمبر تیسرا ہی تھا۔ پھر صادق نے نمبر آٹھ ملا دیا اور ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ اب وہ اندر داخل ہوچکے تھے۔ جی کا مطلب یقیناً گرین تھا کیوں کہ دروازے پر گرین روشنی ہی روشن تھی۔
سامنے ایک اور ہال کمرا تھا۔ یہاں سے بڑی بڑی سیڑھیاں اُوپر کو جاتی تھیں۔ یا اللہ! یہ ہم کہاں آگئے ہیں۔ ترنم کا دِل اس خوب صورت پنجرے نما محل سے گھبرانے لگا تھا۔ مارک نے اُن کو وہاں رکھے مغلیہ طرز کے تخت نما صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود سامنے بنے دروازوں میں سے ایک دروازے میں جاکر غائب ہوگیا۔
''ماہی ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟'' ترنم نے ماہ رخ کے کان میں سرگوشی کی۔
''یہ تو میں بھی نہیں جانتی!'' ماہ رُخ خود بھی کچھ گھبراہٹ کا شکار تھی۔ کوئی بیس منٹ بعد ایک دروازے سے ایک بہت خوب صورت عورت داخل ہوئی، چھوٹے سے سیلولیس بلاؤز کے ساتھ شیفون کی ساڑھی میں وہ دور سے کم عمر لڑکی دکھائی دی تھی۔

سرخ رنگ کی لپ اسٹک اُس کی گوری رنگت پر بے حد نمایاں تھی، سرخ ساڑھی کے ساتھ سرخ ہائی ہیل سینڈل اُس کے پیروں میں بہت دیدہ زیب لگ رہی تھی۔
اس کے بال سونے کی تاروں جیسے سنہری اور آنکھیں سبز رنگ کی تھیں یا پھر لینز لگائے گئے تھے۔ ماہ رخ اور ترنم دونوں اس خوب صورت بَلا کو محویت سے دیکھ رہی تھیں۔
اس کے پاس آنے پر بھی ترنم اُس کی صحیح عمر کا اندازہ نہ لگا پائی بظاہر تو وہ چالیس سال تک کی لگتی تھی۔
''تو یہ ہیں وہ لڑکیاں، جن کا ذکر چاندنی نے کیا تھا۔'' اُس نے پاس آکر ماہ رخ اور ترنم کا بہ غور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
''صادق! پتا چلا کون ہے وہ کالی بھیڑ؟ جس کی وجہ سے راتوں رات چاندنی کے ٹھکانے پر ریڈ ہوئی۔'' اُس نے وہیں ایک صوفے پر ٹکتے ہوئے صادق سے پوچھا۔
''میڈم! سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ ہمیں فوراً وہ جگہ چھوڑنی پڑی بس کچھ لڑکیاں بچ پائی ہیں۔ جو لڑکیاں جو چھاپے کے دوران پکڑی گئی ہیں فی الحال پولیس اُن کو کہاں لے کر گئی ہے پتا نہیں چل سکا۔ میڈم چاندنی نے اسی لیے فوری طور پر باقی لڑکیاں اِدھر شفٹ کی ہیں تاکہ کچھ روز میں وہ اصل بندے کو پکڑ سکیں، یہاں لڑکیاں نہ صرف محفوظ ہیں بلکہ کوئی غدار ہے تو فوراً پکڑی جائے گی۔'' صادق نے تفصیل سے جواب دیا۔
''یہاں تو کسی چڑیا کی جرأت نہیں ہے کہ راگنی کے محل میں پَر بھی مار سکے، تم بے فکر ہوکر جاؤ۔'' اُس نے جواب میں کہا، شاید اُس کا نام راگنی تھا۔
''ہلو لڑکیو! جاکر آرام کرو، تم سے پھر بات ہوگی۔'' اُس نے اپنے بال جھٹک کر کہا، ساتھ ہی اُس نے میز پر رکھی ایک ریموٹ نما چیز پکڑ کر کوئی بٹن دبایا، تب ہی ایک لڑکی منی اسکرٹ پہنے کمرے میں داخل ہوئی۔
''یس میڈم!'' وہ اُس کے قریب آکر تابع داری سے بولی۔
''ان کو اِن کے روم میں لے جاؤ اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔'' راگنی نے اُسے حکم دیا۔
اسی پَل اُن کے موبائل کی بیل بج اُٹھی، نمبر دیکھ کر سب کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ لڑکی انہیں لے کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔
''جی! واجد بخاری صاحب کیسے بندی کو یاد کرلیا۔'' وہ کسی سے فون پر چہک رہی تھی، ترنم نے ایک بار مُڑ کر دیکھا، وہ بے حد مگن انداز میں صوفے سے ٹیک لگائے باتوں میں مصروف تھی۔
''ارے یہ چھوٹے موٹے وزیر تو سمجھیں ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں، کون سی فائل چاہیے آپ کو...'' ترنم نے مزید اُوپر جانے سے پہلے اُن کا آخری جملہ سُنا تھا۔
''تو میڈم چاندنی کی بھی ماں لگتی ہے۔ ترنم کو پہلی ہی نظر میں اندازہ ہوگیا تھا کہ اُن کا ٹاکرا کسی بہت بڑی اور پاورفل شخصیت سے پڑا ہے۔
مختلف راہ داریاں مُڑ کر وہ ایک کمرے کے پاس پہنچ گئیں، جس پر ایک سو دو لکھا تھا۔ ان کے ساتھ والی لڑکی نے اپنی اسکرٹ سے چابیوں کا گچھا نِکال کر ایک چابی کمرے کے لاک کو لگا کر دروازہ کھول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔

کمرا تھا کہ کسی شاندار ہوٹل کا سویٹ، بے حد خوب صورت فرنیچر سے سجایہ کشادہ کمرا بے حد آرام [دہ]
تھا۔

"بے بی! اگر تم لوگوں کو نہانا مانگتا تو میں نہانے کا ارینج کر دیتا ہے!" لڑکی نے اُن سے پوچھا۔

"اب تم اتنے پیار سے کہہ رہی ہو تو میں تو ضرور نہاؤں گی۔" ماہی نے اپنے بالوں کا کیچر کھول کر [بیڈ] پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"او کے بے بی!" وہ انٹرکام کی طرف بڑھی۔

"کیتھی بے بی لوگ نہائیں گے تم آ جاؤ۔" اتنا کہہ کر اُس نے فون رکھ دیا۔ ترنم جو فوراً بیڈ پر لیٹ ہو گئی تھی، حیرت سے سوچ رہی تھی کہ کیتھی نے آ کر یہاں کیا کرنا ہے۔

چند ہی منٹوں میں ایک سانولی سی لڑکی پہلی لڑکی کی طرح منی اسکرٹ پہنے اندر داخل ہوئی، اُس کے [ساتھ] ٹرالی تھی جس پر مختلف قسم کے لوشنز وغیرہ رکھے نظر آ رہے تھے۔

"گڈ مارننگ بے بی!" اُس نے آتے ہی کہا۔

"گڈ مارننگ!" ماہی نے خوش مزاجی سے جواب دیا۔

اتنے میں کیتھی ٹرالی لے کر باتھ روم میں گھس گئی، ترنم نے نیچے رکھے سلیپر پاؤں میں ڈالے [جو] خرگوش کی شکل کے بنے سلیپر بے حد آرام دہ تھے۔ اتنے نرم کہ ترنم کو اپنے پیروں میں گدگدی [سی] ہوئی۔

"بے بی! بریک فاسٹ میں تم کیا لینا مانگتا؟" پہلے والی لڑکی نے سوال کیا۔

"کیا ہے بریک فاسٹ میں؟ ماہی نے دل چسپی سے پوچھا۔

"اینی تھنگ یو وانٹ! میں آپ کو لا کر دے گی۔" لڑکی نے تابع داری سے کہا۔

"ٹھیک ہے تم آج ہمیں اپنی پسند سے ناشتا کروا دو، ہم تو آج بالکل مہمان بننے کے موڈ میں [ہیں] کل سے تمھیں باقاعدہ بتا دیا کریں گے۔" ماہی نے کہا۔

"او کے بے بی! تم باتھ لے لو اتنے میں تمہارا بریک فاسٹ آ جائے گا۔" لڑکی کہہ کر باہر نکل گئی۔

"تم بھی نہاؤ گی؟" ماہی نے ترنم سے پوچھا جو پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔

"ہاں میں گرم پانی سے نہاؤں گی میرے سر میں شدید درد ہے۔" ترنم نے اپنا سر دباتے ہوئے [کہا۔]

"تمھیں کس نے کہا تھا کہ تم وقت بے وقت ڈوز استعمال کیا کرو۔" ماہ رخ نے اُسے باقاعدہ [...] اپنے موبائل فون کو مسلسل ملانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن فون پر سگنل بالکل نہیں آ رہے تھے۔

"یہاں فون کیوں نہیں چل رہا؟" ماہی نے چڑ کر باآواز بلند کہا۔

"یہاں پر کوئی بھی نیٹ ورک کام نہیں کرتا بے بی!" وہ سانولی سی لڑکی باہر آ کر بولی۔

"لیکن کیوں؟" ماہی نے چڑ کر پوچھا۔

"کیوں کہ یہاں موبائل کے سگنل پہنچ نہیں پاتے۔" سانولی لڑکی نے ایک خوشبو دار آئل [...] کے سر کا مساج کرتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن نیچے تو تمہاری میڈم موبائل سُن رہی تھی۔" ترنم نے اُس کے مساج کا مزہ لیتے ہوئے کہا۔

"وہ خاص قسم کا موبائل ہے جو گہرائی ہو یا اونچائی سگنل ریسیو کر لیتا ہے۔" اُس کے ہاتھ بے حد مہارت [سے] چل رہے تھے۔ ماہی کو یہ سُن کر خاصی مایوسی ہوئی، اُس کا تو اپنے کئی دوستوں سے فون پر لمبی لمبی گفتگو [کے] بغیر گزارہ نہ تھا۔

"ارے کیتھی تمہارے ہاتھ میں تو جادو ہے۔" ترنم کے تھکے ہوئے اعصاب ایک دم پُرسکون ہونے لگے۔

"ابھی بے بی میں نے اروما آئل آپ کے باتھ ٹب میں ڈالا ہے اُس سے نہا کر آپ پھولوں کی [طرح] مہکو گے اور ہلکے پھلکے ہو جاؤ گے۔"

"تھینکس کیتھی!" ترنم کہہ کر باتھ لینے گھس گئی۔

باتھ روم تھا کہ پورا کمرا، ایک جانب خاص طور پر اسٹیم لینے کے لیے شیشے کا کیبن بنایا گیا تھا۔ اس [کے] علاوہ میگزین کا ریک رکھا ہوا تھا بلکہ میوزک کے ساتھ نہانا ترنم کو خاصی عیاشی لگ رہا تھا یہ اِن کی [...]م تو خاصی توپ چیز لگتی ہیں۔ ماہی صحیح کہتی تھی کہ یہ "حیرت کدہ" ہے۔ ترنم نہا کر واقعی ہلکی پھلکی ہو گئی [تھ]ی۔

ترنم گلابی رنگ کے باتھ گاؤن میں باہر نکلی تو ماہی سر کا مساج کروا کر اپنے پیروں کا مساج کروا رہی [تھ]ی۔ پاس ہی ناشتے کی ٹرالی رکھی تھی۔

"بے بی! میں تمہارے لیے پانی تیار کر رہی ہوں۔" کیتھی ایک بار پھر باتھ روم میں گھس گئی۔

"ترنم ناشتا شروع کرو تب تک میں نہا آتی ہوں۔" ماہی نے اپنے لیے بھیجا گیا باتھ گاؤن اُٹھا کر ترنم [سے] کہا۔

ناشتے میں اورنج اور پائن ایپل جوس تھے۔ بوائل ایگ، ٹوسٹ، چکن آملیٹ وغیرہ سے ٹرالی بھری [ہو]ئی تھی۔

ترنم کو تو ایک کپ چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی اُس نے ایک گرم کپ چائے کا لیا، ساتھ ایک [بوائ]ل ایگ اور کپڑے تبدیل کر کے بیڈ پر گر گئی۔

کیتھی نے جانے پانی میں کیسے کیسے خوشبو دار آئل ڈالے تھے کہ اُس کے سارے اعصاب بے حد پُرسکون [ہو] گئے تھے۔ اور اب نیند سے اُس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

جب ماہی نہا کر باہر نکلی تو ترنم کو بے خبر سوتے پایا۔

"لو یہ تو گئی کام سے۔" وہ ناشتا کرتے ہوئے خود سے بولی۔

راگنی میڈم کے ہاں جانے کتنے دن ہمیں رہنا ہوگا؟ ماہی نے اورنج جوس کا سِپ لیتے ہوئے سوچا۔

وہ یہاں ایک دو بار مختلف پارٹیوں کے سلسلے میں پہلے بھی آ چکی تھی، اُس نے راگنی میڈم کو بہت سخت [پایا] تھا۔

وہ اگر اپنی لڑکیوں کو شہزادیوں کی طرح رکھتی تھی تو کام بھی بے حد مشکل لیتی تھی۔ مختلف اعلیٰ عہدے [دار]وں سے مختلف فائلوں کے متعلق راز اُگلوانا ان کا کام تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر کوئی لڑکی کسی اسائمنٹ میں ناکام ہو جاتی تھی تو اُسے راگنی میڈم کے عتاب کا سامنا کرنا پڑتا

''ہم تو بھئی آپا کے ساتھ خوش ہیں ہمیں یہ راگنی وغیرہ سوٹ نہیں کرتی۔ اللہ کرے جلد یہاں جان چھوٹ جائے۔'' ماہی کو اپنی آزادی بے حد عزیز تھی لیکن فی الحال یہ محل نما پنجرہ ہی اُن کا ملجا جہاں نہ آنا آسان تھا اور جانا تو بالکل ناممکن تھا۔

❖❖○❖❖

''لالہ کدھر ہیں رئیس احمد؟'' سائرہ شال لپیٹے باہر نکلی تو طارق کی جیپ غائب تھی۔

''بٹیا وہ تو رات ہی واپس کسی کام سے چلے گئے تھے۔'' رئیس احمد کے الفاظ سائرہ کا موڈ کر گئے۔

''کب گئے تھے وہ؟'' سائرہ لان میں بچھی کین کی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئی بولی۔

''جب آپ لوگ کمروں میں سونے گئے تو اُن کا کوئی ضروری فون آ گیا، جسے سُنتے وہ چلے گئے۔

''بٹیا تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاؤں، آج میں نے خانساماں کو باورچی خانے جلدی بھیج دیا کہ کے لیے بڑھیا سا ناشتا بناؤ۔'' رئیس احمد نے اپنی کارگزاری بھی فوراً گوش گزار کی۔

''نہیں ابھی کچھ نہیں۔'' سائرہ نے سُستی سے آنکھیں بند کرتے ہوئے اُسے جانے کو کہا۔

''اللہ کی ذات آپ کو اپنی امان میں رکھے لالہ۔'' سائرہ دِل سے طارق کے لیے دُعا گو تھی۔ اپنی نیندیں حرام کیے کن کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ اُسی پَل اُس کے موبائل کی بیل بج اُٹھی، آنی کا تھا سائرہ کا چہرہ ایک دم کِھل اُٹھا۔

''ویری گڈ مارننگ مائی لٹل ڈول!'' آنی کی پیار بھری آواز نے سائرہ کی ساری سُستی بھگا دی تھی

''آنی! اب میں چھوٹی نہیں رہی بڑی ہو گئی ہوں، کل میں نے اپنی بیسویں سالگرہ کا کیک کا۔'' سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرے لیے تو تم چھوٹی سی گڑیا ہی رہو گی، جو میرے بغیر سوتی تک نہ تھی۔'' آنی کی آواز ایک اُداس ہو گئی۔

''آنی! اٹس ناٹ فیئر، میں نے آپ کو کتنی بار کہا آپ ہمارے ساتھ چلیں، میری ہر خوشی آپ بغیر ادھوری ہے لیکن آپ جانے کیوں فارم ہاؤس آنے سے ہمیشہ گھبراتی ہیں۔'' سائرہ کی آواز میں تھا۔

''میری جان تم لوگوں کی ینگ پارٹی میں، میں مس فٹ تھی ورنہ میں اپنی جان کی سالگرہ مس تھی؟ اینی ہاؤ ہم نے آج یہاں تمہاری برتھ ڈے پارٹی سے ذرا مختلف منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اپنی فیکٹری ورکرز کو آج لنچ فری دینے کا ارادہ کیا ہے اور سب میں چھوٹے موٹے گفٹس بھی با ارادہ ہے۔''

''اوہ! آنی یو آر ریئلی گریٹ! جتنا آپ مجھ سے اور لالہ سے پیار کرتی ہیں۔ لگتا ہی نہیں ہے کہ ہماری ماسی نہیں ماں ہیں مجھے واقعی خود پر فخر ہوتا ہے کہ آپ ہماری آنی ہیں۔'' سائرہ کا اعتراف آنی کو مزید تقویت دے رہا تھا۔ انہوں نے ساری عمر خود کو اچھا اور بڑا دکھانے میں گزاری تھی۔ آج ا اکارت نہ گئی تھی۔ سائرہ اور طارق دونوں اُن کی مٹھی میں تھے۔

''اچھا بیٹا! انجوائے یور سیلف، میں فون رکھتی ہوں۔'' آنی فون بند کرنے سے پہلے کہا۔

''اللہ حافظ آنی!'' سائرہ آنی کی آواز سن کر ایک دَم فریش ہو گئی تھی۔

''یہ لڑکیاں کدھر ہیں، جو رات کو آئی تھیں؟'' مُسکان نے باہر آتے ہی پوچھا، ساری رات اُسے یوں کے متعلق تجسس رہا تھا۔ صبح وہ ان کے کمرے میں گئی تو اُن کے بستر خالی تھے۔

''بی بی! وہ لوگ لگتا ہے تڑکے ہی نکل گئے۔'' رئیس احمد ناشتے کی ٹرے اُٹھا کر نزدیک آیا۔

''چلے گئے؟ لیکن ہم سے ملے بغیر! بھئی سائرہ مجھے تو وہ لڑکیاں مشکوک سی لگی ہیں۔'' مسکان نے ابرو اُٹھا کر کہا۔

''بی بی! اُن کا ڈرائیور رات سونے سے پہلے کہہ رہا تھا کہ وہ لوگ شاید سویرے نکل جائیں، اس لیے اب صبح وہ مجھے نظر نہیں آیا اور اُس کی گاڑی بھی غائب تھی تو میں سمجھ گیا کہ بچہ لوگوں کو جلدی تھی اس لیے نکل گئے۔'' رئیس احمد نہایت سادہ آدمی تھے، اُن کی سوچ بھی بہت سادہ تھی۔ مسکان کو اُن لڑکیوں کے جانے سے بے حد سکون محسوس ہوا تھا۔ جانے کیوں اُسے اس لڑکی ترنم کی آنکھوں سے بے حد وحشت ہوتی رہی تھی وہ وَلی کو جس طرح بے خودی سے دیکھتی تھی، مسکان کا دل چاہ رہا تھا کہ اُس کی آنکھیں نوچ لے، اچھا ہوا چلی گئی۔ مسکان بے اختیار مسکرائی۔

''سمعان وغیرہ اُٹھے کہ نہیں؟'' مسکان نے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''وہ لوگ تو لگتا ہے پورا اصطبل بیچ کر سو گئے ہیں، میں نے رئیس احمد کو بھیجا تھا انہیں اُٹھانے کو فی الحال ان میں سے کوئی اُٹھنے کو تیار نہیں ہے۔'' سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ لو، نگی اور منزہ بھی آ گئی ہیں میرا خیال ہے ہم لڑکیاں تو ناشتا کر لیں، مردانہ پارٹی بعد میں ناشتا کر لے گی۔'' سائرہ نے ساتھ ہی رئیس احمد کو آواز دے کر مزید ناشتا لانے کو کہا۔ نگی گہرے سرخ شلوار قمیض میں گلاب کی کلی لگ رہی تھی۔

''لالہ آپ کی پسند ہے تو لاجواب!'' سائرہ نے دِل ہی دِل میں نگینہ کی نظر اُتارنے کا سوچا۔

''ہم تھوڑی دیر بعد باغ میں چلیں گے۔ وہاں کینو، فروٹر اور گریپ فروٹ کے درخت ہیں، کچھ پیڑ امرود کے بھی ہیں۔ فی الحال تو فروٹر کے درختوں پر بہت پھل آیا ہو گا کچھ دنوں بعد فروٹر کا زور کم ہو جائے گا تو کینو مالٹے کے درخت بھر جائیں گے۔'' سائرہ نے سب لڑکیوں کو ناشتے کے بعد ساتھ چلنے کو تیار کر لیا۔

''سائرہ! طارق بھائی بتا رہے تھے کہ تم گھڑ سواری بہت اچھی کر لیتی ہو، مجھے بھی رائیڈنگ دیکھنی ہے۔'' نگینہ نے بے حد شوق سے اظہار کیا۔

''ہائے سائرہ کس قدر مزا آتا ہے ناں رائیڈنگ میں؟ میں بھی بیٹھوں گی۔'' مُسکان نے بھی ضد کی۔

''اوکے! تو پہلے رائیڈنگ ہو جائے۔'' سائرہ اُن کے لیے اصطبل کی جانب بڑھی۔

''واؤ! یہ بلیک گھوڑا کتنا خوبصورت ہے۔'' مسکان نے بے حد اُونچے اور صحت مند گھوڑے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن افسوس، تم اس پر سواری نہیں کر سکتیں۔ یہ گھوڑے مردوں کے لیے مخصوص ہیں۔ ہم صرف ان پر

سواری کر سکتے ہیں۔" سائرہ نے چھوٹے قد والے دو گھوڑوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اٹس ناٹ فیئر! میرا دِل تو اس بلیک بیوٹی پر آ گیا ہے، میں اس پر سواری کروں گی۔'' بہت عرصے بعد مسکان پہلے والی ضدی مسکان نظر آئی تھی۔

''تمہیں رائیڈنگ آتی بھی ہے؟'' سائرہ نے مسکان کو چھیڑا، جس طرح کچھ دیر پہلے وہ رائیڈنگ کے متعلق شوق کا اظہار کر رہی تھی۔ اُس سے تو لگتا تھا کہ مسکان نے قریب سے بھی گھوڑا نہ دیکھا ہو۔

''دیکھ لیتے ہیں۔'' مسکان کہہ کر اُن گھوڑوں کی جانب بڑھی، جو لڑکیوں کی رائیڈنگ کے لیے تیار کیے گئے تھے۔

''مائی گاڈ! یہ تو چھپی رستم نکلی۔'' منزہ نے مسلسل مونگ پھلی کھاتے ہوئے کہا، مسکان کسی ماہر کی طرح گھوڑا دوڑا کر چکر کاٹ رہی تھی۔

''ارے بھئی! میرے بابا سائیں کا اپنا کلیکشن ہے، عربی نسل کے بے حد خوبصورت گھوڑے ہیں اُن کے پاس۔'' مسکان نے چھلانگ کر گھوڑے سے اُترتے ہوئے کہا۔

''اب تو میڈم مجھے اِس بلیک بیوٹی پر سواری کرنے کی اجازت دے دو۔'' مسکان واقعی اُس خوبصورت گھوڑے پر سواری کرنے کو بے حد بے چین تھی۔

''او کے! جیسے تمہاری مرضی۔'' سائرہ نے اُسے اجازت دے دی۔

''بی بی! گھوڑا اتھرا ہے! میری مانو تو کسی اور گھوڑے پر سواری کرلیں، یہ سوائے طارق باؤ کے، کسی کو اپنی پیٹھ پر بیٹھنے نہیں دیتا۔'' ملازم نے باگیں مسکان کو تھمانے سے پہلے سائرہ سے کہا۔

''ارے کچھ نہیں کہتا یہ مجھے۔'' مسکان نے ہیلمٹ پہنتے ہوئے ملازم کا مذاق اُڑایا۔

''لیکن بی بی! اگر آپ مان جائیں تو اچھا ہے، جانور کا کیا پتا کب اپنا مزاج بگاڑے اور نقصان پہنچا دے۔'' ملازم ابھی تک مسکان کے اس گھوڑے پر سواری کے لیے آمادہ نہ تھا۔

''ارے عطا محمد! پلیز دے دو، اُس کے ابا کا اپنا اتنا بڑا اصطبل ہے ظاہر ہے اناڑی تھوڑا ہی ہے۔'' سائرہ نے مطمئن لہجے میں کہا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگتا، جب گھوڑے پر بیٹھتی ہیں، میں تو اِسے ہمیشہ لڑکوں کی سواری سمجھتی رہی ہوں۔'' نگینہ نے معصومیت سے مسکان سے پوچھا۔

''ڈر کیسا! یہ بے چارے گھوڑے ہمارا کیا کرلیں گے۔'' مسکان نے گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے ایڑ لگائی لیکن اگلے ہی پَل مسکان کے چہرے پر پریشانی تھی۔ گھوڑا ہَوا میں اُچھل رہا تھا۔ وہ مسکان کو سوار کرنے پر تیار نہ تھا یوں لگتا تھا کہ کسی پَل وہ اُسے زمین پر پٹخ دے گا۔

''عطا محمد! کچھ کرو۔'' سائرہ چلاّئی، نگینہ کا تو رنگ فق ہوگیا تھا۔

''بی بی! گھوڑا ابدک گیا ہے، وہ کہیں اپنی ٹانگوں کے نیچے کسی کو نہ دے دے، میں بہر حال کوشش کرتا ہوں۔'' عطا محمد نے ایک مضبوط رسّے کا پھندا بنا کر گھوڑے کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی تو گھوڑا مسکان سمیت بھاگ کھڑا ہوا۔

''یا میرے اللہ خیر!'' نگینہ ایک دم چیخی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھائی! بھائی...... وہ مسکان۔'' نگینہ نے سامنے سے آتے وَلی کو مسکان کی جانب متوجہ کیا۔

"کیا ہوا عطا محمد؟'' وَلی بھاگتا ہوا قریب آیا۔

"سائیں گھوڑا ابدک گیا ہے!'' عطا محمد رو دینے کو تھا۔

"اوہ میرے اللہ! وَلی ایک دَم تیزی سے دوسرے گھوڑے کی جانب بڑھا، اُس پر زین موجود تھی۔ ں نے پیٹرز اینڈ کیتھرائن میں بیسٹ رائیڈر کا کئی بار ٹائٹل جیتا تھا وہ بڑی تیزی سے گھوڑا لے کر مسکان پیچھے گیا۔

"مسکان مجھے ہاتھ دو۔'' وَلی نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا، اُس کا گھوڑا مسلسل بھاگ رہا تھا۔

"نہیں میں گر جاؤں گی!'' مسکان نے روتے ہوئے کہا۔

"بیوقوف لڑکی کیا سارا دن اس پر بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے، مجھے ہاتھ دو۔'' وَلی نے تقریباً چیختے ہوئے ہا۔

بس ایک لمحہ لگا تھا، وَلی نے بجلی کی تیزی سے مسکان کو کھینچ کر پکڑ لیا اور اُونچا کر کے اپنے آگے بٹھا ا۔

لیک بیوٹی تو بھاگتی واپس چلی گئی تھی، لیکن مسکان وَلی کے بازوؤں میں اپنے حواسوں میں نہ تھی وہ ں کے کندھے سے لگی مسلسل رو رہی تھی۔ وَلی نے گھوڑے کو روک دیا۔

لیکن مسکان اس بات سے بے خبر کہ جس انسان کی آہٹوں پر اُس کا دِل دھڑکتا تھا۔ اُس کی موجودگی ں اُس سے بات نہیں ہوتی تھی۔ اُس کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

"پلیز ٹیک اٹ ایزی!'' وَلی نے نرمی سے اُسے الگ کیا اور خود اُتر کر اُسے بھی اُترنے میں مدد دی۔

مُسکان کو ایک دَم اپنی حالت کا احساس ہوا، شرم سے اُس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

''تھینکس!'' مُسکان نے اُتر کر بہ مشکل کہا، اُس کے دِل کی رفتار اُس کے اپنے ہی قابو میں نہ تھی۔ ی وہ موت کو چھو کر آئی تھی۔

''مسکان آپ ٹھیک ہو؟'' نگینہ سب سے پہلے دوڑتی ہوئی اُن کے پاس پہنچی۔

''ہوں!'' مُسکان سے بولا تک نہ جا رہا تھا۔

''آپ سے عطا محمد نے کتنا کہا تھا ناں کہ اُس اتھرے گھوڑے پر نہ بیٹھو پھر آپ نے کیوں ضد کی، ر آپ کو کچھ ہو جاتا؟'' نگینہ نے فکرمندی سے کہا۔

''بعض لوگوں کو خودکشی کا شوق ہوتا ہے۔'' وَلی نے مسکان کا شرمندہ چہرہ دیکھ کر اُسے مزید شرمندہ یا۔

''طارق تم سب کی ذمّے داری مجھے سونپ کر گیا ہے، اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ لڑکیاں اتنی زیادہ حماقت رتی ہیں تو میں فوراً انکار کر دیتا۔''

''آئی ایم سوری! مجھ سے غلطی ہوگئی۔'' مسکان نے سب کے سامنے اعتراف کیا۔

''مسکان بی بی! ذرا ایک پَل کو سوچیں کہ اگر اللہ نے آپ کی زندگی مزید نہ رکھی ہوتی تو کیا آپ یہ سا پٹا جملہ بولنے کے قابل ہوتیں، البتہ ڈاکٹر باہر نکل کر ضرور کہتے کہ آئی ایم سوری۔'' وَلی نے تقریباً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''وَلی بھائی کسی پر احسان کر کے اُسے یوں نہیں ڈانٹتے۔'' نگینہ نے مسکان کا اُترا چہرہ دیکھ کر کہا۔

وَلی سر جھٹکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''وَلی!'' مسکان نے پیچھے سے آواز دی، وَلی نے سر گھما کر سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

''وَلی! مجھے نئی زندگی دینے کا بے حد شکریہ!'' مسکان نے ایک جذب سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اِٹس اوکے!'' وہ دھیرے سے مسکرایا تو مسکان کو یوں لگا، جیسے ہڈیوں میں اُترتی برف جیسی سردی میں نرم چمکیلی دھوپ آ نکلی ہو۔

''لیکن پلیز میں آپ کو آل ویز ویلکم نہیں کہہ سکتا۔'' اُمید ہے آپ دوبارہ کبھی اجنبی گھوڑے کی سواری کی ضد نہیں کریں گی، کیوں کہ میں ہر دَم آپ کے پاس تو نہیں ہو سکتا!'' وَلی کہہ کر مڑا۔

''اللہ کرے تم ہمیشہ میرے پاس رہو۔'' مسکان نے دل سے دعا کی۔

''رئیس احمد پلیز! گرما گرم چائے پلوایئے۔'' وَلی نے سامنے سے آتے رئیس احمد سے کہا۔

''وَلی میں نے زندگی میں کچھ نہیں مانگا کیوں کہ مجھے ہمیشہ بنا مانگے ہی سب کچھ ملتا رہا ہے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار اگر کسی کے لیے تمنا کی ہے تو وہ تم ہو، تمہارا ساتھ اور تمہاری محبت۔'' مسکان نے اونچے لمبے چوڑے وَلی کی پشت دیکھتے ہوئے بہت پیار سے سوچا۔

'اور اگر تم مجھے نہ ملے تو میں مر جاؤں گی!'' کوئی بہت یقین سے اُس کے اندر سے بولا۔

''تمہیں ہمیشہ میرے ساتھ رہنا ہی ہوگا، ان ہاتھوں کی لکیروں میں تمہیں میرا مقدر بننا ہی ہوگا۔'' ایک دَم مسکان سرفراز علی کی آنکھوں میں جنون اُتر آیا تھا۔

❖❖ ○ ❖❖

''پلیز مجھے جانے دو! میری ماما، پاپا مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کے پریشان ہو رہے ہوں گے۔'' پلیز مجھے جانے دو!'' رو رو کر اُس کی آواز پھٹنے کو تھی۔ ترنم جو سو سو کر تھک گئی تھی، کمرے سے باہر نکل آئی، سامنے کا منظر خاصا پریشان کن تھا۔

اسکول یونیفارم میں تیرہ چودہ سالہ صحت مند لڑکی بلک بلک کر رو رہی تھی، اُس کے پاس ہی کیتھی لب کاٹ رہی تھی۔

''بچہ! میں تمہاری مدد کبھی نہیں کر سکتا۔'' کیتھی کے لہجے میں درد تھا۔ تم کو اب یہیں رہنا ہوگا، یہاں سے واپس جانے کا کوئی ایک راستا بھی نہیں ہے۔

''نہیں مجھے گھر جانا ہے!'' لڑکی مزید چیخنے چلانے لگی۔

ترنم کے چہرے پر بے حد کرب تھا۔ پہلی بار وہ بھی یوں ہی گھر جانے کو بے چین ہوئی تھی اور پھر اُس کے پَر ہمیشہ کے لیے کاٹ دیے گئے تھے۔ لیکن اس لڑکی کی عمر بے حد کم تھی اسکول یونیفارم پر اسکول کا بیج لگا ہوا تھا۔ شکل سے وہ کسی بہت اچھے گھرانے کی لگتی تھی۔

''روزی تم اس کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔'' ایک دم کمرے سے میڈم راگنی نکلی اُن کے ساتھ ایک نہایت خرانٹ قسم کی ملازمہ تھی۔

''نہیں میں نہیں جاؤں گی!'' لڑکی زمین پر سے اُٹھنے کو تیار نہ تھی۔ روزی اُسے گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئی۔

''کیتھی مارک کو بلاؤ اِس لڑکی کی شوٹنگ آج ہی ہوگی، مجھے سی ڈیز جلد سے جلد مارکیٹ میں دینی ہیں۔ تمہیں تو پتا ہے میں بزنس میں زبان کی کتنی پکی ہوں۔'' میڈم راگنی ٹک ٹک اپنی ہیل بجاتی ہوئی چلی گئی۔ ترنم کو لگا کہ وہیں زمین میں گڑ گئی ہو۔

کیتھی جھکے کندھوں کے ساتھ وہاں سے جانے لگی تو ترنم نے اُسے روک لیا۔

''اِس لڑکی... میرا مطلب ہے اِس بچّی کی شوٹنگ کس چیز کی کرنی ہے!'' ترنم کا لہجہ آس نراش لیے ہوا تھا۔ دِل میں جو بُرا گمان آ رہا تھا کاش وہ نہ ہو۔

''تم تو خود اِسی سیٹ اپ کا حصّہ ہو بے بی! تمہارا یہ سوال کچھ عجیب سا ہے۔'' کیتھی نے استہزائیہ لہجے میں جواب دیا۔

''میں جاننا چاہتی ہوں پلیز! مجھے میرے سوال کا جواب دو!'' ترنم نے بے بسی سے درخواست کی۔

''آج اس معصوم کو بھیڑیے نوچیں گے اور اس بچّی کی معصومیت کے قتل کی سی ڈیز ہر محلّے میں بکے گی۔ موبائل فونز پر کالج کے لڑکے اس کو دیکھیں گے، بس یا کچھ اور سننا چاہتی ہو۔'' کیتھی نے سرد لہجے میں کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

اور ترنم وہیں دیوار کے پاس کسی کٹے ہوئے پیڑ کی طرح دھم سے زمین پر گر گئی۔ اُس کی آنکھوں میں دو بے بس آنسو تھے!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یار وہ رات والی پریاں کہاں چلی گئیں؟........ میں نے ساری رات اُن کے ساتھ خواب گزاری۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ اس خواب کی تعبیر اتنی بُری ہوگی تو میں سوتا ہی نہ.....آہ! کیا لڑکیاں تھیں'' ٹی ٹو حسبِ معمول اپنی ہی ہانکے جارہا تھا۔

''دونوں اتنی پیاری تھیں کہ چوائس مشکل ہورہی تھی۔'' وَلی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔

''ہیں! تم واقعی کمال آدمی ہو! یک نہ شد دو شد! تمھیں واقعی دو دو لڑکیوں کو اکٹھے دیکھنا، سوچنا اچھا لگتا ہے؟'' سمعان نے حیرانگی سے پوچھا۔

''دیکھو میری دو آنکھیں ہیں، میں ایک آنکھ سے ایک لڑکی پر بھرپور نگاہ ڈال سکتا ہوں اور دوسری آنکھ سے کسی بھی دوسری لڑکی کو بھرپور توجہ دے سکتا ہوں۔'' ٹی ٹو نے تیسری بار بوائل انڈا اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا، سمعان اُس کی خوش خوراکی پر حیران ہورہا تھا۔

''یقیناً تمہارے دو دماغ ہوں گے ایک سے ایک لڑکی کو سوچ سکتے ہوگے اور دوسرے سے دوسری لڑکی کو۔'' سمعان نے شرارت سے آنکھ دبا کر وَلی کو اشارہ کیا ساتھ ہی ٹی ٹو کی پلیٹ میں دو کباب اور ایک اور بوائل انڈا ڈال دیا۔

''بندر جو ہوئے تم۔'' سمعان نے زیرِلب کہا۔

''بالکل۔ بالکل!'' ٹی ٹو نے منہ انڈے سے بھرتے ہوئے جوش و خروش سے اُوپر نیچے اثبات میں سر ہلایا۔

وَلی اور سمعان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ٹی ٹو نے نہ سمجھنے کے انداز میں اُنھیں دیکھا۔

''تم کیوں ہنس رہے ہو؟'' ٹی ٹو نے مشکوک نظروں سے اُنھیں گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ویسے ہی یار تمہاری حوصلہ افزائی کے لیے۔'' اس بار وَلی نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

''کس معاملے میں؟'' ٹی ٹو کھانے کے دوران ہمیشہ توجہ اِدھر اُدھر کرتے بُرا لگتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی پلیٹ صاف کرکے فوراً چائے کا کپ لبوں سے لگالیا۔

''یہی لڑکیوں کے معاملے میں''۔ کاشف نے فریج ٹوسٹ نکال کر اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے گفتگو میں حصّہ لیا۔

''ویسے یار تم شادی کیوں نہیں کرلیتے، اس طرح تم روز روز نئی نئی لڑکیوں پر وقت ضائع کرنے سے بچ جاؤ گے''۔ کاشف نے نہایت ایمان داری سے اسے مشورہ دیا۔

ژال

''کاشف تُو کیوں کسی لڑکی کو برباد کروانے کا سوچ رہا ہے''؟

''لو کرلو گل۔ یہ ضرور کسی نہ کسی لڑکی پر مستقل بددُعا کا حصّہ بننے جارہا ہے، ٹی ٹو کے ساتھ کوئی بھی لڑکی شادی کرکے پچھتائے گی۔'' سمعان نے وَلی کے قریب ہوکر سرگوشی کی۔ جواب میں وَلی نے پیار سے سمعان کو گھورا۔

''دیکھو محبت ضرور کرو۔ ٹھیک ٹھاک افیئر چلاؤ لیکن جیسے ہی لڑکی شادی کے لیے سنجیدہ ہوکر گلے کا پھندا بننے کا ارادہ کرے تو فوراً اسے باجی جان بنا کر ٹاٹا، بائے بائے کردینا چاہیے۔ ورنہ یہ پھندہ ساری عمر گلا دباتا ہے''۔ ٹی ٹو نے اپنے نادر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اگر مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت ہو تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔ ٹی ٹو نے گلا کھنکار کر کے کہا۔

''تم کب سے اتنے سلیقہ مند ہوگئے؟ تم کھاتے اور بولتے تو ہمیشہ بغیر اجازت کے ہو''۔ وَلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار کبھی کبھی پوچھ لینے سے تم لوگوں کا دل بڑا ہوجاتا ہے ناں۔'' ٹی ٹو مُنہ پھاڑ کر بولا۔

''چلیے اپنی عرض ختم کرلیجیے پھر ذرا باغ میں جانے کا ارادہ ہے''۔ سمعان نے کسی شہنشاہ کی طرح ٹی ٹو کو اجازت دی۔

''بیوی کے متعلق ارشاد کیا ہے!'' ٹی ٹو نے گلا صاف کیا۔

''ایک منٹ! پہلے تم واضح کردو کہ کس کی بیوی کے متعلق۔'' سمعان نے اُسے بیچ میں ٹوکتے ہوئے کہا۔

''سب کے متعلق! آئی مین جنرل بیویوں کے متعلق! جنرل ٹاپک پر۔'' ٹی ٹو نے وضاحت کی۔

''ہرگز نہیں! تمھیں ہم چاروں کی بیویوں یعنی تمہاری بھابیوں کو نکالنا ہوگا۔'' سمعان نے باقاعدہ سنجیدہ ہوکر کہا۔

''اوکے۔ اوکے! اب میں کچھ کہہ لوں۔'' ٹی ٹو نے بدمزا ہوکر کہا۔

''ویسے ہر بیوی ''جنرل'' بیوی ہوتی ہے رعب جماتی آنکھیں دکھاتی۔'' ٹی ٹو بڑبڑایا۔

''بجا فرمایا!'' کاشف اور سمعان یک زبان ہوکر بولے۔

کون کہتا ہے جان ہے بیوی ۔۔۔ ارے بھائیو صبر کا امتحان ہے بیوی

ٹی ٹو نے ماتھے تک ہاتھ لے جاکر غائبانہ داد سمیٹتے ہوئے کہا۔

پھیکا پکوان جہاں سے ملتا ہے ۔۔۔ ایسی اونچی دُکان ہے بیوی
دوستوں سے ہے اس کو اتنا بیر ۔۔۔ جانے کیوں بدگماں ہے بیوی
سورما ہوں گے گھر سے باہر ہم ۔۔۔ مگر! گھر میں تو پہلوان ہے بیوی
ہائے صبر کا امتحان ہے بیوی!

ٹی ٹو نے اِک سرد آہ کھینچتے ہوئے کہا۔

''میں شادی جیسے امتحان میں اس لیے نہیں پڑ سکتا! یارو! یہ بات تو سب سمجھتے ہیں، جانتے ہیں کہ میں امتحانات میں ہمیشہ فیل ہوجاتا ہوں۔'' ٹی ٹو کی بات پر سب لڑکوں کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ فاصلے پر بیٹھی سب لڑکیوں نے چونک کر اُدھر دیکھا۔ وَلی کا ہنسنے سے اور کچھ دُھوپ میں بیٹھنے سے چہرہ سرخ ہو کر دمکنے لگا تھا۔ مُسکان اُسے محویت سے دیکھے گئی۔ اُس پَل اُسے اپنے محبوب کا چہرہ بے حد شناسا لگا۔

اُسے یاد آیا کہ وَلی کی مشابہت اُس کے مرحوم تایا سے ہے، ایک بار اس نے آیا اماں کے پاس کچھ تصویریں دیکھی تھیں، ان میں سے ایک خوبرو نوجوان کی تصویر بھی تھی، جو گھوڑے پر سوار بے اختیار ہنس رہا تھا۔

''یہ کس کی تصویر ہے آیا اماں؟'' مُسکان نے تجسّس سے پوچھا تھا۔ وہ شروع سے ہی حُسن پرست تھی اور اُسے اس انکل کی تصویر بے حد اچھی لگی تھی۔

''یہ ایک فرشتے کی تصویر ہے!'' آیا اماں کی آواز رندھ گئی تھی۔

''کیا فرشتے نظر آتے ہیں؟'' مُسکان نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''ہاں! کیوں کہ وہ روشنی کی طرح ہوتے ہیں جو اندھیروں کو اُجالوں میں بدل دیتے ہیں''۔ آیا اماں نے تصویریں جلدی جلدی واپس اُسی لکڑی کے چھوٹے سے بکس میں رکھ دی تھیں، جو انہیں بے حد عزیز تھا جسے چھونے کی اجازت مُسکان کو بھی نہ تھی۔

آج وَلی کو اتنے کھلے دل سے ہنستے دیکھ کر اسے وہ خوبرو نوجوان یاد آ گیا تھا، جس کے متعلق مُسکان کے بار بار پوچھنے پر آیا اماں نے بتایا تھا کہ یہ اُس کے بابا کے بھائی کی تصویر ہے جو اب اس دنیا میں نہ تھا۔

''کہاں کھوئی رہتی ہو؟'' سائرہ نے اُسے ٹوکا مُسکان ایک دَم سر جھٹک کر مسکرائی۔

''میں بھی کتنی پاگل ہوں ناں! کس کی مشابہت کس سے ملا رہی ہوں۔'' اس نے دِل ہی دِل میں سوچا۔

وہ دن مُسکان کی زندگی کا بے حد خوبصورت دن تھا۔ درختوں سے پھل اُتار کر کھاتے اور نِگی سے ڈھیروں باتیں کرتے، اُس نے نِگی سے پکی دوستی کر لی تھی۔ نگی نے اُسے اپنے گھر کے ہر فرد کے متعلق بتایا۔ اس دوران جب جب وَلی کا ذکر آتا مُسکان کے دل کی دھڑکن بے حد تیز ہو جاتی تھی۔

مُسکان نے باتوں ہی باتوں میں وَلی کی پسند ناپسند پوچھی، نِگی جب جب کوئی اور بات کرتی تو مُسکان اُسے گھیر گھار کر اپنے دل پسند ٹاپک پر لے آتی۔

اُس کا دل ہی نہ بھرتا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ نِگی یوں ہی وَلی کو موضوعِ گفتگو بنائے رکھے، وہ تو سائرہ نے مُسکان کو اُس کی حماقت پر ٹوکا تو تب مُسکان باز آئی تھی۔

''مُسکان دیکھو میری جان! نِگی بے شک بے حد معصوم اور سادہ ہے لیکن باقی کی لڑکیاں، لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہیں اور وہ بالکل اُلّو نہیں ہیں، اس لیے مہربانی فرما کر اپنے آپ میں رہو۔'' سائرہ نے اُسے سائیڈ پر لے جا کر اچھی خاصی ڈانٹ پلائی۔

''ہائے! یہ دل ناداں مانتا نہیں ہے!'' مُسکان نے مسکراتے ہوئے سرد آہ کھینچی تو جواباً سائرہ نے اُس کی کمر پر اچھی خاصی دھپ لگائی۔

''مدھر جاؤ ہیر، لیلیٰ کی جانشین! یہ راہ پُر خار تم جیسی رئیس زادیوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ بڑا کٹھن راستہ ہے، یہیں رُک جاؤ۔'' سائرہ نے اُسے باتوں ہی باتوں میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''میری جان یہ ون وے ہے، اب پلٹنا ناممکن ہے۔'' مُسکان کا لہجہ ایک دَم ہٹیلا ہو گیا، مُسکان کی آنکھیں جنون کی سرحدوں کو چھونے لگی تھی سائرہ اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر فکر مند ہو گئی۔

''اللہ ہی تم پر رحم کرے گا بی بی! لیکن خدارا اپنی کلاس فیلوز کے سامنے تو محتاط رہو، معلوم ہے ناں ہمیں اپنے کالج میں تو نقطے کی تصویر بن جاتی ہے!'' سائرہ کی تنبیہ پر مُسکان نے اثبات میں سر ہلایا۔

دوپہر کا کھانا بے حد شاندار تھا۔ رئیس احمد نے فارم کی تازہ مچھلی فرائی کروائی تھی۔ لڑکوں نے تو ڈٹ کر کھایا ہی لیکن لڑکیاں بھی اپنی ڈائیٹنگ بھول کر اس لذیذ لنچ میں ٹھیک ٹھاک بد پرہیزی کر گئیں۔

''یار سوئیٹ ڈش میں کچھ نہیں ہے؟'' ٹی ٹو نے حسبِ عادت سوئٹ ڈِش تلاش کی تو سوائے تازہ پھلوں کے کچھ نہ نظر آیا۔

''صاحب! کیا کھانا چاہیں گے؟'' رئیس احمد کسی بوتل کے جن کی طرح فوراً حکم کی تعمیل کے لیے حاضر تھا۔

''کوئی کھیر، فِرنی یا کسٹرڈ وغیرہ ہو جائے۔'' ٹی ٹو کو تو اللہ موقع دے فرمائش کرنے کا۔ اُس کی لسٹ ہمیشہ بڑی ہوتی تھی۔

''ہاں رئیس انکل! آپ کھیر فرنی ضرور بنوایئے گا لیکن صرف ٹی ٹو کے لیے، ہمیں فش کھا کر اُوپر سے دودھ کی بنی چیز کھا کر ''ڈب کھڑبا'' نہیں بننا''۔ منزہ نے چڑ کر ٹی ٹو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' ٹی ٹو نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔ اس سے پہلے کہ بدمزگی ہوتی وَلی نے سفید جھنڈی لہرائی۔

''یار فش کے اُوپر دودھ یا دودھ کی بنی چیز نہیں کھاتے ورنہ پھلبہری ہو جاتی ہے۔''

''اوہ!'' ٹی ٹو کے ہونٹ سیٹی بجانے کی طرح گول ہو گئے۔

''شکریہ مِس! مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کو میری اتنی پروا ہے۔''

''اللہ رے خوش فہمیاں!'' منزہ نے منہ بنا کر بلند آواز میں کہہ کر منہ موڑ لیا۔

''یار اب چلنے کی تیاری ہے اور وَلی طارق کا کہیں اتا پتا نہیں ہے۔'' سمعان نے کہا۔

''وہ واقعی کسی اہم کام میں پھنس گیا ہو گا۔'' وَلی نے طارق کی ہمیشہ کی طرح سائیڈ لی۔

''سائرہ بہن! آپ ساتھ چلنا چاہیں تو ہمارے ساتھ چلیں۔'' وَلی نے سائرہ سے پوچھا۔

''مجھ پر مُسکان کی ذمّے داری ہے، پہلے مجھے اسے گھر ڈراپ کرنا ہے بلکہ اس کا ہاتھ آیا اماں کے ہاتھ میں تھمانا ہے، دیکھ لیں اگر آپ کو زحمت نہ ہو؟'' سائرہ نے ساری صورتحال سامنے رکھ دی۔

''تم لوگوں کو میں ڈراپ کر دوں گا۔'' سمعان نے کہا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔'' سائرہ نے کہا۔ لیکن یہ سمعان کی بدقسمتی تھی یا مُسکان کی خوش قسمتی کہ سمعان کی گاڑی عین وقت پر ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ اُس میں نئی بیٹری ڈلتی پھر ہی وہ چل سکتی تھی۔ یہ مرض رئیس احمد نے تشخیص کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

’’یہ کھٹارا لانے کی ضرورت کیا تھی؟‘‘ سائرہ نے منہ بنا کر سمعان کی اس پرانی لیکن چہیتی گاڑی متعلق کہا، جسے وہ اتنی ساری گاڑیوں میں بھی اہمیت دیتا تھا۔ مجبوراً سمعان گاڑی وہیں چھوڑ کر ان کے ساتھ ہولیا۔

مسُکان کو وَلی کی قربت کے کچھ اور پَل کسی قیمتی سرمائے کی طرح لگ رہے تھے۔

’’پہلے مسُکان کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔‘‘ شہر میں داخل ہوتے ہی سائرہ نے کہا۔

’’اوکے!‘‘ وَلی نے مسُکان کے گھر کا پتا پوچھ کر گاڑی مسُکان کے گھر کے راستے پر ڈال دی۔

مسُکان وَلی کے بالکل پیچھے بیٹھی تھی، اُس کی نظریں بار بار اُس کی پشت کو چھوتی تھیں۔ کبھی کبھی چوری چوری بیک مرر میں وَلی کا جھلکتا چہرہ دیکھتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اُسے اس بے خودی پر کس طرح قابو پانا ہے۔‘‘ سائرہ نے زور سے اُسے چٹکی بھری...

’’اوئی!‘‘ مسُکان کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

’’مسُکان آپ ٹھیک ہیں؟‘‘ وَلی کے خیال میں گھوڑے دوڑانے والے حادثے میں شاید مسُکان کو چوٹ آئی تھی اور وہ شاید اسی لیے درد سے کراہ رہی تھی۔

’’میں ٹھیک ہوں۔‘‘ مسُکان کے دل نے بے قابو ہونے کی کوشش کی تو وہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔

اُس کا ہاتھ بے اختیار اپنے پرس میں گیا، وہاں ایک خوبصورت چین پڑی تھی۔ یہ چین اُس کے کپڑوں میں اُلجھ کر اُس وقت رہ گئی تھی، جب وہ وَلی کے بے حد قریب تھی۔

اِس چین میں شاید وَلی کے سینے کے سنہرے بال پھنسے ہوئے تھے۔ مسُکان کا دِل بے ایمان ہوگیا اسے واپس لوٹانے کا ارادہ ترک کر بیٹھی۔

اِس سے اُسے وَلی کا لمس محسوس ہوتا تھا۔ یہ گولڈ کی چین اور اس میں پڑا لاکٹ بہت مختلف طرز کا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ خاص طور پر ڈیزائن کر کے بنوایا گیا ہے۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ لاکٹ وَلی کے لیے کس قدر اہم تھا۔ وہ بس اتنا جانتی تھی کہ یہ لاکٹ اُس کے پاس وَلی کی نشانی ہے، جسے واپس کرنے کا فی الحال اُس کا کوئی موڈ نہ تھا۔

’’وَلی بھائی اندر آئیں ناں۔ مسُکان کی آیا امّاں بے حد اچھی ہیں آپ اُن سے مل کر خوشی محسوس کریں گے۔‘‘ سائرہ نے اُسے اندر آنے کی دعوت دی۔

’’اگر یہ دعوت مسُکان دیتیں تو شاید میں اندر آجاتا، سوری میں بن بلائے کہیں نہیں جاتا۔‘‘ وَلی نے اپنے ازلی بے نیاز اسٹائل میں کہا۔

مسُکان کو اُس وقت اپنے آپ پر بے حد غصہ آرہا تھا جو وقت پر کوئی بات کرنے کے قابل ہی نہ تھی۔ جانے کیوں وہ کوشش کے باوجود وَلی کے سامنے کم ہی بول پاتی تھی۔

’’پلیز نگینہ، وَلی اندر آیئے۔‘‘ مسُکان نے معذرتی لہجے میں کہا۔

’’اس وقت مجھے واقعی جلدی ہے مسُکان! آئندہ کبھی آنا ہوا تو میں وعدہ کرتا ہوں دروازے سے واپس نہ جاؤں گا۔‘‘ وَلی نے فوراً کہا۔ وہ جلد از جلد فارغ ہو کر طارق کے پاس پہنچنا چاہتا تھا، جس کا راستے میں SMS آیا تھا کہ وہ ہسپتال میں ہے۔ اسی وجہ سے وَلی پر عجلت سوار تھی۔

’’پلیز! سائرہ جلدی کریں۔‘‘ وَلی نے سائرہ کو کہا تو وہ دونوں مسُکان کا مختصر سامان اور کیمرا لے کر چلی گئیں۔ اُن کے جاتے ہی وَلی نے گاڑی سے باہر نکل کر طارق کا نمبر ملایا۔

’’خیریت ہے ناں؟‘‘ وَلی نے فکرمندی سے پوچھا۔

’’ہاں یار خیریت سے ہوں، لیکن لگتا ہے ایک دو دن تمہارا مہمان بننا پڑے گا کچھ زخم ہیں۔ اگر فوراً جاتا ہوں تو آنی اور سائرہ فکرمند ہو جائیں گی اور یہاں ہسپتال میں کچھ وجوہات کی بنا پر رُکنا نہیں چاہتا۔‘‘ طارق کی نقاہت بھری آواز موبائل پر سنائی دی۔

’’یار تمہارے لیے میرے گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے کھلے ہیں، فکر نہ کرو میں سائرہ کو ڈراپ کر کے تمہاری ہی طرف آرہا ہوں۔‘‘ وَلی نے طارق کو تسلی دی، اِس وقت وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ آیا امّاں نے اُوپر کھڑے ہوئے اچانک نگاہ باہر ڈالی تو کچھ پَل شاک کی کیفیت میں کھڑی رہ گئیں۔

یا اللہ! کیا کسی کی اس قدر مشابہت بھی ہوسکتی ہے؟ نیچے کھڑا لڑکا کوئی پچیس چھبیس سال کا ہوگا۔ ہو بہو سید عبداللہ کی کاپی تھا۔

آیا امّاں کو اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہنا دُشوار ہوگیا وہ ٹیرس پر پڑی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔

’’سید عبداللہ کی دردناک موت کو کئی برس بیت گئے تھے۔ پھر یہ کون تھا؟ جو اُس کا چہرہ، قد قامت لیے نیچے کھڑا تھا۔‘‘ اُن سے سانس لینا دشوار ہورہا تھا۔

’’آیا امّاں! آپ یہاں بیٹھی ہیں جبکہ ہم آپ کو سارے گھر میں تلاش کر چکے ہیں۔‘‘ سائرہ جلدی جلدی بولتی مسُکان کے ساتھ اُن کے پاس آئی۔

’’آپ۔ ٹھیک ہیں؟‘‘ مسُکان نے پریشانی سے اُن کا اُترا ہوا چہرہ دیکھا۔

’’ہاں میں ٹھیک ہوں، مجھے تھوڑا سا پانی پلاؤ۔‘‘ اُن کی آواز میں نقاہت تھی۔ سائرہ بیڈروم کی طرف تیزی سے بڑھی اور جلدی سے پانی کا گلاس بھر کر اُن تک لائی۔ پانی پی کر آیا امّاں کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی۔

’’آپ کو کیا ہوا ہے؟‘‘ سائرہ نے پوچھا اُسی پَل نیچے سے تیز ہارن کی آواز آئی۔

’’آیا امّاں آپ اگر ٹھیک نہیں ہیں تو ڈاکٹر کی طرف چلتے ہیں۔‘‘ مسُکان نے فکرمندی سے پوچھا۔

’’میں ٹھیک ہوں، اب میری فکر نہ کرو تم جاؤ شاید تمہاری ہی گاڑی نیچے کھڑی ہے۔‘‘ آیا امّاں نے سائرہ کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ہاں جی ہمارے بہت اچھے فیملی فرینڈز ہیں۔ طارق بھائی کے بے حد قریبی دوست بھی ہیں، ساتھ میں اُن کی بہن بھی ہیں اُنہیں ذرا جلدی تھی ورنہ میں اندر لے کر آتی۔‘‘ سائرہ عجلت میں اپنا ہینڈ بیگ اُٹھائے کھڑی تھی۔ آیا امّاں نے ایک گہرا سانس کھینچا۔

’’اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہو تو مجھے اجازت دیں۔‘‘ سائرہ نے گاڑی کا ہارن ایک بار پھر سُنا تو اُن سے جانے کی اجازت مانگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ادھر آؤ بیٹا! میں تو ٹھیک سے تمہیں پیار کر کے سالگرہ کی مبارک باد بھی نہ دے سکی۔" آپا امّاں
کر بیڈروم تک آ گئیں، الماری کھول کر اُس میں سے ایک بہت خوبصورت شال نکالی، جس پر
کڑھائی کی ہوئی تھی۔

"واؤ! اِٹس ریئلی بیوٹی فل!" سائرہ کو واقعی شال بے حد پسند آئی تھی۔

"تھینک یو آپا امّاں!" سائرہ نے آسمانی کلر کی شال اُسی وقت اپنے گرد لپیٹ کر کہا۔

"جیتی رہو! اللہ نیک نصیب کرے۔" آپا امّاں نے بہت دل سے اُسے دُعا دی۔

"ویسے آپ نیک نصیب کس کو کہتی ہیں آپا امّاں؟" سائرہ شرارت سے بولی اور جواب مسکرا
کان میں سرگوشی میں دیا۔

"وہ گھونچو سمعان علوی ہے ناں، وہ ہی تمہارا نیک نصیب ہے۔"

"تم مجھ سے پٹو گی۔" سائرہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! مائیں تو بیٹیوں کے پیدا ہوتے ہی اُن کے نیک نصیب کی دُعائیں شروع کر دیتی ہیں۔
صورت کتنی ہی کیوں اچھی نہ ہو اگر اُس کے نصیب بُرے ہوں تو ماں باپ تو زندہ درگور ہو جاتے
آپا امّاں کی آواز کسی غم پر رندھ گئی۔ بس کچھ پل لگے تھے اُن کو سنبھلنے میں وہ پھر سے مسکرا دی تھیں۔

"جاؤ بیٹا! آپ کو بہت دیر ہو گئی ہے۔" انہوں نے لڑکیوں کی توجہ فوراً خود سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"اللہ حافظ آپا امّاں!" سائرہ کہتی ہوئی تیزی سے باہر نکلی۔

"سوری وَلی بھائی! مجھے تھوڑی سی دیر ہو گئی۔" سائرہ نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"خاتون اگر یہ آپ کی "تھوڑی" سی دیر تھی تو "زیادہ" کون سی ہو گی؟" وَلی نے گاڑی اسٹا
کرتے ہوئے کہا۔

"سوری بھائی!" سائرہ نے مُسکراتے ہوئے دوبارہ کہا۔

"اِٹس او کے بہنا! اب بار بار سوری کر کے تنگ تو نہ کرو۔" وَلی نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے کہا۔

"اچھا آپ بھی کبھی تنگ ہوتے ہیں؟" سائرہ نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔ اس کا ما
ہے کہ!

تمہارے اس سوال کی کوئی وجہ اور پس منظر ضرور ہے۔ وہ وَلی تھا بے حد ذہین اور شارپ ذہن
والا وہ بات کی تہہ تک فوراً پہنچ جاتا تھا۔

"وہ اِس لیے کہ آپ سارے کالج میں "آئرن مین" کہلاتے ہیں۔" سائرہ نے سچائی سے ا
دیا۔

"بھائی آپ نے ہمیں تو اپنے اس خطاب کے متعلق کبھی نہیں بتایا۔" نگینہ نے بھی دل چس
گفتگو میں حصّہ لیا۔ وَلی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"مائی ڈیئر سسٹرز! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بھی گوشت پوست کا انسان ہوں اور دل رکھتا
لیکن یہ شارع عام نہیں ہے کہ ہر کوئی یہاں سے گزر سکے۔ یہ بس کسی ایک کے لیے مخصوص ہو گا۔"
نے کبھی کسی کے سامنے اتنا کھل کر جواب نہ دیا تھا۔ آج وہ بے حد مختلف موڈ میں تھا۔

"ھی وَلی بھائی جیسے بہت کم مرد حضرات ایسے خیالات رکھتے ہیں۔" سائرہ نے صاف گوئی سے کہا۔
ہم ہیں لیکن یہ قبیل ہے تو ضرور، بس ہم بھی اُنھی میں سے ایک ہیں۔" وَلی نے سائرہ کے گھر کے باہر
ی روکتے ہوئے کہا۔

"میں نے اگر طارق بھائی اور آپ کو نہ دیکھا ہوتا تو شاید نہ مانتی لیکن آپ دونوں کی کئی باتیں آپس
اس طرح ملتی ہیں، جیسے ایک دوسرے کا جھوٹا کھا کر بڑے ہوئے ہوں۔" سائرہ نے اِس حقیقت کو
ے ہوئے کہا۔

"طارق صرف میرا دوست ہی نہیں وہ مُجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہے اگر اُس کی عادتیں مجھ سے ملتی
یہ میرے لیے واقعی بہت فخر کی بات ہے۔ طارق جیسے شخص کا دوست کہلانا اور اُس جیسی عادتوں کا
ا واقعی قابلِ فخر بات ہے وہ اِس دور میں بھی مردِ مجاہد ہے!" وَلی نے جملے کا آخری حصّہ منہ میں ہی
ا اور گاڑی آگے بڑھا لی تھی۔ اُس کا رُخ ہسپتال کی جانب تھا۔ جہاں سے اُسے طارق کو پک کرنا

"وَلی اپنے دوست کے بہت سے رازوں کا امین تھا۔ طارق کی محبّ الوطنی اُس سے ڈھکی چھپی نہ
ی۔ یہ جذبہ حبّ الوطنی ہی تھا، جو اُس نے اپنے لیے ایک مختلف کیریئر کا انتخاب کیا تھا۔ جب سے وہ
لینڈ میں آیا تھا، ہمیشہ اپنے ملک کی خاطر ہر طرح کی محنت و قربانی کے لیے تیار رہتا تھا۔ اب کچھ
ے سے وہ جانے کس پراجیکٹ میں انوالو تھا، جس کی وجہ سے اُسے دن رات اور یہاں تک کہ اپنی
تک کی پروانہ تھی۔

میں دُعا کرتا ہوں کہ طارق تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو اور اللہ تمہیں اپنی حفظ امان میں رکھے۔"
ی نے سچے دل سے اُسے دُعا دی اور گاڑی ہسپتال کے سامنے روک دی۔

"یہاں کیا کام ہے بھائی؟" نگینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"تم سکون سے بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔" وہ اُسے حیران و پریشان چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

یہاں کون ہے؟ نگینہ کو بے اختیار گھبراہٹ کا احساس ہوا۔

❖❖○❖❖

"آخر سحرش جا کہاں سکتی ہے؟" ڈاکٹر خالد پرویز کی جھنجلاتی آواز فون پر گونجی۔

"تم اُس کی سہیلیوں کے گھر پتا کرو تب تک میں پیشنٹ نمٹا کر آتا ہوں۔" ساتھ ہی فون بند ہو چکا
ا۔

مسز تانیہ خالد کئی پل چُپ کی چُپ رہ گئی تھیں۔

"ارے بہو میں کہتی ہوں کہ تم کیسے ماں باپ ہو، جوان بچی گھر سے لاپتا ہے اور ابھی تک تم دونوں
ھ دھرے بیٹھے ہو۔" مسز تانیہ کو پہلی بار اپنی ساس کا سحرش کے لیے لفظ جوان بچی نہ بُرا لگا تھا نہ ہی اُن
الٹی کوفت کا احساس ہوا تھا۔ بلکہ تانیہ کا بھولا بھالا چہرہ اور بھرا بھرا وجود اُن کی آنکھوں کے سامنے لہرایا
ا۔ بُرے بُرے وسوسے پہلی بار اُن کو سانس لینا دوبھر کر رہے تھے۔ آج سے پہلے ماں جی کی روک
ل اُسے دقیانوسی لگتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تانیہ کا سلیولیس، چھوٹے چھوٹے ٹاپ اور فٹ جینز پہننا نہ کبھی خالد کو بُرا لگا تھا نہ اُسے خود کو
تھا۔ ”بچوں کو زمانے کے ساتھ چلنا چاہیے!“ اُس کا اپنا ہی یہ قول آج اُس کے مُنہ پر طمانچے کی طرح
تھا۔

”اگر زمانہ آگ میں کودے گا تو کیا تم آگ میں چھلانگ لگا دو گی۔“ ماں جی اُس کی ایسی باتوں پر
چِڑ کر کہتی تھیں۔

سحرش کی کس کس سے زیادہ دوستی ہے؟ وہ تو ایسی بے خبر ماں تھی یہ تک نہ جانتی تھی۔ سحرش کو
آزادانہ ماحول دے کر وہ خود کو ایک بہترین ماں ثابت کرنے جارہی تھی۔ لیکن! اب وہ اگر کسی کو
بھی تو کس کے بَل بوتے پر کہتی۔

”بہو! میں کہتی ہوں، چُپ بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوگا اُسے تلاش کرو۔“ ماں جی نے بے چینی سے
ہوئے کہا۔

”ماں جی! وہ اسکول سے کہاں گئی کسی کو نہیں پتا۔ میں نے اسکول کی پرنسپل سے بھی پُوچھ لیا ہے
کی قریبی دوستوں سے بھی لیکن کوئی کچھ نہیں جانتی۔ ڈیڑھ بجے کے بعد کسی نے اسے نہیں دیکھا۔“
تانیہ خالد کی آواز رندھ گئی تھی۔

”اور تم تو میرے بار بار کہنے پر تین چار بجے اُس کا پتا کرنے نکلی تھیں۔ ارے لڑکی اتنی دیر سے
تھی تم نے ذرا فکر نہ کی۔“ انہوں نے کڑے تیوروں سے کہا۔

”وہ اکثر اپنی کسی دوست کے ساتھ بُک شاپ چلی جاتی تھی یا پھر کبھی مارکیٹ! میں نے سوچا
اُسے دیر ہو جاتی ہے آج بھی شاید شاپنگ پر گئی ہو۔“ مسز تانیہ کی آواز شرمندگی سے بھری ہوئی تھی۔

”شاباش بہو! تیرہ چودہ سال کی بچی کو تم اتنی آزادی دیتی ہو کہ وہ کسی بھی دوست کے ساتھ
کے بعد جا کر شاپنگ کرنے نکل جائے۔ اگر وہ تمہاری نظر میں بچی تھی تو بھی اِس لحاظ سے تو اُسے
گھومنے کی قطعی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔ گھر میں جب ڈرائیور ہے، جو اُسے لاتا اور چھوڑتا ہے
کیوں نہیں ساتھ جاتا تھا۔ اُسے کیوں وہ واپس بھیج دیتی تھی۔ وہ کس کے ساتھ آتی تھی تم نے کبھی بھی
کی، دیکھنے کی زحمت نہ کی۔ بی بی مرغی بھی اپنے چوزوں کا اتنا خیال کرلیتی ہے کہ اُن کو اپنے پَروں
چھپائے پھرتی ہے۔ کیا انسان کا بچہ مُرغی کے چوزوں سے بھی گیا گزرا ہوتا ہے؟“ ماں جی تو آج
بخشنے کو تیار نہ تھیں۔ اُن کے خاندان میں بیٹیوں اور بیٹوں میں یہ واحد لڑکی تھی، باقی سب کے ہاں
ہی تھے۔ سحرش پھوپھیوں، چچاؤں اور ماں باپ کی بے حد لاڈلی تھی۔ وہ نہ صرف اکلوتے ہونے کی
سے ہر ایک سے توجہ حاصل کرلیتی تھی بلکہ وہ بے حد حَسین بھی تھی جس کی وجہ سے پرائے بھی اُس
دیئے بغیر نہ گزر سکتے تھے۔

دادی کا پوتی کے لاپتا ہونے پر بے حد حال بُرا تھا۔ مسز تانیہ نے اپنے بھائی کو دوبارہ فون کیا جو
کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔

”نہیں باجی! ابھی تک کوئی خبر نہیں مل سکی۔“ مسز تانیہ کے چھوٹے بھائی سلطان کی آواز میں
تھی۔ مسز تانیہ نے فون کاٹ کر دوبارہ ڈاکٹر صاحب کو ملایا وہ گھر کے لیے نکل چکے تھے۔

اللہ! میری غلطیاں معاف کردے، بس ایک بار مجھے موقع دے دے، میری بچی خیریت سے گھر
آئے۔ آئندہ میں کبھی لاپروائی نہ برتوں گی۔“ مسز تانیہ خالد نے دل سے دُعا کی۔

کے شوہر بہت اچھے اور بڑے ڈاکٹر تھے۔ صبح کے وقت وہ سرکاری ہسپتال میں ہوتے تو شام میں
ائیویٹ کلینک پر ہوتے جو کسی چھوٹے سے ہسپتال سے کم نہ تھا۔ دولت اُن کے گھر کی باندی تھی۔
اُن کے تین بچے تھے، سب سے بڑی سحرش جو تقریباً چودہ سال کی تھی اُس سے چھوٹا ریحان بارہ
اور برہان جو نو سال کا تھا۔

ان کے لیے میڈ تھی، جو اُن کے سارے کام کرتی تھی۔ اِس کے علاوہ تین چار ملازم ہر کام کے
ے۔ ایسے میں اُن کو اپنی زندگی بے حد فارغ لگتی تھی۔ انہوں نے ایک کالج میں لیکچرار کے طور پر
دے دی۔ اِس طرح اچھے لباس اور جیولری کی روز نمائش بھی ہو جاتی، ایک آدھ کلاس پڑھا کر
ان سے گپ شپ کر کے اچھا ”وقت“ بھی گزر جاتا۔ وہ وقت جو صرف اور صرف اُن کے بچوں کا
ا۔ ان کو خود اعتمادی دینے کے چکر میں وہ اپنے بچوں کو بے حد ضّدی بنا چکی تھیں۔
رل کے اندر بے حد باغیانہ خیالات تھے وہ بے حد ضّدی بھی تھی۔ لیکن مسز تانیہ نے آج تک اِن
الی پروا نہ کی تھی۔

آج تو ضمیر نے اُنھیں کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا۔

خالد پرویز گھر آ چکے تھے۔ ساری صورت حال سُن کر وہ بے حد بے حال ہو رہے تھے۔ پھولوں
اُس نازک گڑیا میں اُن کی جان تھی۔ سحرش اُن کا پہلا اور آخری عشق تھی۔ ساری اولاد میں سب
ادہ اُن کو اپنی بیٹی ہی سے پیار زیادہ تھا۔ وہ بنا کچھ کہے بدحواسوں کی طرح اُس کی تلاش میں باہر
لیکن جاتے جاتے جن نظروں سے وہ اپنی بیوی کو دیکھ کر گئے تھے۔ اُس سے مسز خالد لرز کر رہ
انھیں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا وہ لہرا کر گری تھیں...

❖❖○❖❖

ام کو لگتا تھا کہ وہ مر چکی ہے۔

اگر وہ مر چکی ہے تو پھر اُس کی آنکھیں کیوں کھلی تھیں وہ سارا بھیانک منظر دیکھنے کے لیے۔
ہاں کے ساؤنڈ پروف کمروں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اُس بچی کی دل دوز چیخوں سے نہ بھاگ پائی
الکل سامنے والا کمرا ہی تو اُس کا تھا۔ تھوڑے سے کھلے دروازے سے وہ اس قیامت کو دیکھ اور
الکل مر چکی تھی۔ وہ شاید چیختے ہوئے وہاں موجود تینوں بھیڑیوں کو الرٹ کر دیتی اگر پیچھے سے کیتھی
کے مُنہ پر ہاتھ رکھ کر اُسے کھینچ نہ لیتی، وہ اُسے کھینچ کر اُس کے کمرے میں لے آئی، ماہ رخ بے
بے خبر سو رہی تھی۔

بی کیا مرنے کا ارادہ ہے؟“ کیتھی نے کچھ غصّے اور کچھ استہزائیہ انداز میں کہا۔
!وہ... “ترنم کی گھٹی گھٹی آواز اُس کے مُنہ سے نکلنا مشکل ہوگئی۔ آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا
تھا۔

جانتی ہوں!“ کیتھی نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ ابھی اسکول کی بچی تھی!'' کیتھی نے بے حد دُکھ سے آنکھیں بند کیں اور اُس بچی کا ذکر یوں
جیسے وہ مرچکی ہو۔

''میں اگر چاہتی بھی تو اُسے یہاں سے نکال نہ پاتی، یہاں اگر کوئی اُس کی ہمدردی کرتا تو ہم دونوں کو ہی ملتی تھی۔ یہاں اِس پنجرے میں باہر کو کوئی دروازہ نہیں جاتا ہے۔ پھر...... پھر اُس نے مرنا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اب وہ ایک کربناک موت کے ساتھ مرے گی!'' کیتھی اِس قدر بے حسی سے بول رہی تھی۔ اُس کے اعصاب روز یہ منظر دیکھ دیکھ کر بالکل ختم ہوگئے تھے۔ اُسے بھی اپنا وجود مرا ہوا لگتا تھا۔

''کیتھی! تین تین مرد اُس چھوٹی سی بچی کو! آہ!''

ترنم پھر سسکنے لگی۔ اُس کی مووی بنائی جارہی تھی۔ اس ظلم کی مووی بن رہی تھی۔ ترنم بین کے انداز میں بولی۔

''ہاں! یہ مووی جگہ جگہ مُنہ مانگے دام بکے گی! نیٹ پر شوقین ذہنی مریضوں کی تو یہ غذا ہے۔ کسی کو روتے چلاّتے برباد ہوتے دیکھنا اتنی اذیّت میں دیکھنا کسی کسی کا کمال ہوتا ہے۔'' کیتھی اچانک ہنسنے لگی۔

''کیتھی اگر یہ مووی بازار میں جائے گی تو ان بھیڑیوں کے چہرے پہچانے تو جائیں گے۔'' ذرا آس سی ہوئی۔

''نہیں بے بی! ان کے چہرے غیر واضح کردیئے جاتے ہیں جسم اور چہرہ تو صرف اُس مظلوم کا ہوگا!'' کیتھی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''کہاں جارہی ہو؟'' ترنم نے بے چینی سے پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر بعد ہمیں بلوا کر اُس کے ٹکڑے اکٹھے کرنے کو کہا جائے گا۔ ڈیوٹی پر جارہی ہوں بے بی۔'' کیتھی کی آواز سپاٹ تھی۔

''ٹکڑے! مطلب کیا ہے تمہارا؟'' ترنم نے خوف سے پوچھا۔

''بے بی اس قبیل کی ہوکر بھی تم بڑی معصوم باتیں کرتی ہو۔'' کیتھی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے وہ زندہ بھی ہوئی تو بھی کرچی کرچی ہوچکی ہوگی، میں نے جانے کتنی ہی خون بھری چادریں اُس بستر سے اُٹھائی ہیں، مجھے اپنا آپ کسی گورکن کی طرح لگنے لگا ہے، کبھی یہ بچیاں موقعے پر مرجاتی ہیں کبھی ایک دو روز بعد! اور اگر مرنا نصیب میں نہ ہو تو ساری عمر کے لیے وہ اس ذبح خانے میں ذبح ہونے کے لیے رہ جاتی ہیں اور جب وہ کام کی نہیں رہتیں تو وہ بھی میری طرح گورکن بن جاتی ہیں۔'' کیتھی سپاٹ وسرد لہجے میں کہتی ہی باہر نکل گئی۔ اور ترنم اور ابھی کچھ دیر پہلے نیند سے اُٹھی ماہ رخ پھٹی آنکھوں سے اُسے جاتا دیکھتی رہ گئی!

''کیا ہوا ترنم؟'' ماہ رخ نے پریشانی سے پوچھا۔

''ایک اور قتل!'' ترنم نے بے دردی سے لب کاٹتے ہوئے کہا۔

❖❖○❖❖

''یار یہ...... یہ کیا ہے، یہ چھوٹا موٹا زخم ہے؟'' وَلی طارق پر برس رہا تھا۔

''گولی چھو کر گزر گئی، لگی تو نہیں ہے۔ سب کچھ آل رائٹ ہے۔'' طارق نے ہشاش لہجہ بناتے ہوئے کہا۔

''تم کبھی نہیں سُدھرو گے۔'' وَلی نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

طارق کا بازو نِک سپوٹر سے لٹکا ہوا تھا۔ ماتھے پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی اور طارق بضد تھا کہ معمولی زخم ہے۔

''ہائے اللہ جی! یہ کیا ہوا ہے آپ کو؟'' نگینہ نے گھبرا کر طارق سے پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں، بس معمولی زخم ہیں۔'' طارق کے لہجے میں نقاہت بے حد واضح تھی۔ گاڑی تک وہ پیدل آیا تھا اُس نے ویل چیئر لینے سے انکار کردیا تھا۔ لیکن یہاں تک آتے آتے اُس کا سانس پھولنے لگا۔

''توبہ ہے طارق بھائی! آپ بھی کمال کرتے ہیں یہ معمولی زخم ہیں! رنگت کس قدر پیلی پڑ رہی ہے اور آپ کو کوئی احساس ہی نہیں۔'' نگینہ کا لہجہ بے حد فکر مند تھا۔ طارق کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اُس کی آنکھیں بھاری ہورہی تھیں۔

وَلی نے نگینہ کو چُپ رہنے کا اشارہ کیا۔ نگینہ نے فکر بھری نگاہ طارق پر ڈال کر ایک گہرا سانس لیا۔ اُس کا حساس دل ایک دَم بے چین ہوگیا تھا۔

❖❖○❖❖

''جی میڈم! آپ نے مجھے بلایا تھا!'' ماہ رخ راگنی کے بلاوے پر ایک لڑکی کی نگرانی میں یہاں تک لائی گئی تھی۔

''تم لوگوں کو چاندنی نے لیپ ٹاپ وغیرہ ہینڈل کرنا سکھائے تھے۔'' راگنی اس وقت بلیک ساڑھی میں تھی۔ حسبِ معمول اُس کے وجود کا ایک ایک حصّہ قیامت ڈھا رہا تھا۔

''جو لڑکیاں بیورو کریسی کو سرو کرنے کے لیے تیار کرنی ہوتی ہیں اُن کی ٹریننگ میں سب کچھ شامل ہوتا ہے۔'' ماہ رخ نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

یہ لمبی سی ڈائننگ ٹیبل شیشے کی بنی ہوئی تھی جس کو دو پلرز سہارا دیئے ہوئے تھے۔ پلرز کے شیپ درخت کے تنے جیسے تھے اسی طرح کی کرسیوں کی شیپ بھی درخت کے تنے جیسے تھی۔ چوبیس کرسیوں والی اس لمبی سی ڈائننگ ٹیبل پر راگنی اکیلی ایک بڑے سے کاک ٹیل گلاس میں ''سرخ'' رنگ کا مشروب لیے بیٹھی تھی۔ سامنے اُس کے لیپ ٹاپ کھلا تھا اور اُس کے موبائل سے کنیکٹ تھا۔ وہ انٹرنیٹ پر مشغال کررہی تھی۔

''کیا لوگی؟'' راگنی نے اُس سے پوچھا۔

''تھینک یو میڈم! یہاں ہر گھنٹے دو گھنٹے بعد ملازمہ کچھ نہ کچھ سرو کرجاتی ہے۔ آپ واقعی بے حد مہمان نواز ہیں۔'' ماہ رُخ نے خوش آمدانہ انداز میں کہا۔

''مہمان تو تم لگتا ہے میری مستقل ہوجاؤ گی۔ چاندنی بہت بُری طرح زخمی ہے اُس کی تقریباً ساری پسلیاں میرے ہاں ہیں، کچھ عرصے کے لیے وہ انڈر گراؤنڈ چلی گئی ہے۔ اور میرا اُصول ہے کہ نہ میں خود مفت کی کھاتی ہوں نہ کسی کو کھلاتی ہوں، تب تک تم لوگ میرے لیے کام کرو جب تک تم لوگوں کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوپر سے کوئی آرڈر نہیں آجاتا ہے۔'' میڈم راگنی نے لیپ ٹاپ کے بٹن دباتے ہوئے کہا۔ وہ بغور توجہ سے کسی فائل کو دیکھ رہی تھی۔

''میڈم جیسے آپ کہیں!'' ماہ رخ نے بظاہر بے نیازی سے کہا لیکن وہ اندر سے بے چین ہوگئی تھی۔ میڈم راگنی کی پہنچ سے وہ باخبر اور اُس کی طاقت سے بخوبی واقف تھی۔

''ٹھیک ہے تم اپنے کمرے میں چلو، دو گھنٹے تک میں تمہارا اسائنمنٹ تم سے ڈسکس کروں گی۔ ہاں وہ تمہارے ساتھ جو خاموش خاموش سی لڑکی ہے، وہ کچھ مشکوک لگ رہی ہے۔'' راگنی غضب کی رکھتی تھی ترنم کو اُس نے ایک نظر میں ہی پہچان لیا تھا۔ چاندنی میڈم کے ساتھ ترنم عرصے سے تھی، اس کی ذہنی کیفیت اکثر پرابلم کرتی تھی۔ اِس بات سے وہ بخوبی آگاہ تھی لیکن چوں کہ اُس نے اپنے ہاں ہر لڑکی کے پَر کاٹ رکھے تھے اس لیے اُسے ایسے پرابلم سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ میڈم چاندنی کو ہر لڑکی کو کام کروانے کا فن آتا تھا۔ پھر وہ اپنی لڑکیوں کے ساتھ مہربان بھی بہت تھیں۔ ماہ رخ شروع سے اُس کے ساتھ تھی اس لیے ایک دَم میڈم راگنی کے ساتھ پر کچھ اَپ سیٹ ہوگئی تھی۔

''نہیں میڈم! وہ خاصے کام کی لڑکی ہے۔ پھر آپ جانتی ہیں کہ ہمارے ہاں کسی مشکوک فرد کو نہیں رکھا جاتا۔'' ماہ رُخ نے صاف گوئی سے کہا۔

''او کے! اب تم جاسکتی ہو۔'' راگنی نے سنجیدگی سے کہا۔ ماہ رُخ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''جانے اس قید خانے سے کب آزادی حاصل ہوگی۔'' ماہ رُخ نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سوچا۔ اُسے اپنے موبائل کے نہ چلنے کا بے حد دُکھ تھا۔ لمبی لمبی کالز اٹینڈ کرنا اُس کا دل پسند مشغلہ تھا۔

''دیکھتے ہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔'' ماہ رخ نے کندھے جھٹکتے ہوئے خود کلامی کی، جیسے اُس نے ہر بات کو اپنے کندھوں سے اُتار پھینکا ہو۔

❖❖○❖❖

میں نے اِس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
جیسے سورج کی کِرن سیپ کے دِل میں اُترے
جیسے خوشبو کو ہَوا رنگ سے ہٹ کر چاہے
میں نے اِس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں!
میرا ہر خواب میرے سچ کی گواہی دے گا
وسعتِ دید نے تجھ سے تیری خواہش کی ہے
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا
میں نے دُنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے

کمرے میں چوڑیوں کی ہلکی ہلکی گونج طارق کو کسی سُریلے میوزک کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ طارق نے آنکھوں کی ہلکی سی جھری کھول کر اِک چور نگاہ نگی پر ڈالی۔ وہ سرگوشیوں میں ملازمہ کو ہدایت دے رہی تھی۔

''دیکھو بھائی کو ساری رات بخار رہا ہے۔ وَلی بھائی اور اماں جان ساری رات اِن کے سرہانے رہے ہیں۔ تم یوں کرو کہ ٹھنڈا پانی برتن میں لے آؤ۔'' طارق کا دل پسند منظر سامنے تھا، جسے اکثر وہ کھلی آنکھوں سے اپنے اردگرد چلتے پھرتے دیکھتا تھا آج سچ میں اُس کے سرہانے کھڑی تھی۔ جانے اُس کے وجود کی خوشبو تھی یا پھر وہ خوشبو ہی ایسی استعمال کرتی تھی۔ بے حد دھیمی اور مسحور کُن خوشبو نگینہ سے آرہی تھی۔

طارق کا دل چاہا کہ اِک گہری سانس لے کر اِس خوشبو کو اپنے اندر اُتار لے، نگینہ نے آگے بڑھ کر اُس کے ماتھے کو چھوا!

اُس پَل طارق کو لگا کہ نرم روئی جیسا ہاتھ اُس کی جلتی پیشانی پر کسی پھوار کی طرح، کسی ٹھنڈک کی طرح آ لگا ہو۔ نا چاہتے بھی طارق نے آنکھیں کھول دیں۔

''کیسی طبیعت ہے طارق بھائی۔'' نگی اُس کے سرہانے سے اُٹھ کر کرسی پر جا بیٹھی۔

''طبیب ایسا ہو تو کون مریض اچھا ہونا چاہے گا!'' طارق نے اِک سرد آہ کھینچ کر کہا۔

''طارق بھائی کیا آپ کا ڈاکٹر اچھا نہیں ہے۔'' نگینہ کے چہرے پر بے حد معصومیت تھی۔

طارق کی ہنسی بے اختیار تھی، وہ سی کر کے رہ گیا ہنسنے سے اُس کے سر کی چوٹ میں اچانک درد ہوا تھا۔

''تم اگر اِس قدر معصوم روح نہ ہوتیں تو شاید تم سب سے اِس قدر الگ اور پیاری نہ ہوتیں!'' طارق زیرِ لب بولا، آواز اس قدر کم تھی کہ نگینہ سمجھ نہ پائی۔

''آپ ہنس کیوں رہے ہیں، میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے؟'' نگینہ نے کچھ بُرا مانتے ہوئے کہا۔ طارق کا بغیر وجہ کے ہنسنا اُسے عجیب سا لگا تھا۔

''معذرت چاہتا ہوں اے نیک دل خاتون!'' طارق نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روک کر کہا۔

''طارق بھائی آپ سچی سے ایک بات بتائیں گے؟'' نگینہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بولو! تمہارے سامنے تو میں کبھی جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔'' طارق کی نگاہ اُس کے چاند سے چہرے کا مسلسل طواف کر رہی تھی۔

''کیا آپ واقعی پولیس میں ہیں؟ اور یہ کہ آپ کو یہ زخم گولی لگنے سے آئے ہیں۔'' نگینہ کے سوال پر طارق نے اپنے اندر بے حد بے چینی محسوس کی، وہ آن دی ریکارڈ فری لانس صحافی کے طور پر کام کرتا تھا۔

صحافی کے طور پر اُس نے کارڈ بھی چھپوا رکھا تھا۔ خفیہ میں نوکری کی وجہ سے اُسے اِن سب احتیاطوں کو اپنے اوپر ضرور لازم کرنا پڑتا تھا۔ لیکن نگینہ کو کس نے بتایا؟

''تم سے ایسا کس نے کہا؟'' طارق نے اُس کی بلوری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''وہ وَلی بھائی سے بابا سائیں آپ کے متعلق پوچھ رہے تھے، کیوں کہ وَلی بھائی کسی سے کچھ بھی کہہ دیں لیکن بابا سائیں سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔'' نگینہ نے ملازمہ کے ہاتھ سے ٹھنڈے پانی کا پیالہ پکڑتے ہوئے کہا۔

''تم جاؤ اور طارق بھائی کے لیے یخنی بناؤ اُس میں لہسن ثابت ڈال دینا۔ تھوڑا سا زیرہ وغیرہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوٹلی میں باندھ کر ڈالنا۔ لتاں جان کہہ رہی تھیں کہ اس سے فائدہ ہوگا اور ایک ٹیبل اسپون زیتون کا
ڈال کر قیمے کو اچھی طرح بھوننا۔" نگینہ نے نہایت مدھم آواز میں ملازمہ کو ہدایات دیں جو، اماں
سونے سے پہلے نگینہ کو دے کر گئی تھیں۔

طارق ایک بار پھر ہر بات بھلا کر اُسے دیکھے گیا۔ نگینہ کا اُس کا یوں خیال رکھنا اُسے بے حد اچھا
رہا تھا۔ وہ جو سپنوں میں ہر پَل بستی تھی، آج قسمت سے کچھ دیر کو ہی سہی لیکن وہ اُس کے پاس
تھی۔ طارق کو اپنے دِل کی بےخودی بے حد محسوس ہو رہی تھی۔

"طارق بھائی میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے کیا آپ مجھے جواب نہیں دینا چاہ رہے؟" نگینہ
کُھل کر پوچھ لیا۔

"ابھی تم کہہ رہی تھی کہ وَلی بھائی تمہارے بابا سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تو پھر اُس نے میر
متعلق بھی جو کہا ہوگا، سچ ہی کہا ہوگا۔" طارق نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"واؤ! یہ کتنا ایکسائٹنگ ہے۔" نگینہ نے ٹھنڈے پانی میں بھیگی پٹی اُس کے ماتھے پر رکھتے ہوئے کہا
طارق کو بے حد سکون محسوس ہوا اُس نے آنکھیں موندھ لیں۔ اُسے اندر سے خوشی ہوئی کہ نگینہ
اُس کے شعبے کو پسند کیا۔

"مجھے بچپن سے پولیس مین بہت اچھے لگتے تھے۔" نگینہ اپنی ہی دُھن میں مگن تھی۔

"میں چوں کہ خود بے حد ڈرپوک ہوں تو مجھے جب پہلی بار اماں نے بتایا کہ پولیس ہماری حفاظت
کرتی ہے تو مجھے پولیس مین بہت اچھے لگنے لگے، تحفظ دینے والے ہمارے معاشرے کے محافظ
لیکن مجھے اکثر ایک بات اب عجیب سی لگتی ہے کہ ہمارے اردگرد جتنے لوگ ہیں وہ پولیس کو ناپسند کرتے
ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے طارق بھائی؟" طارق نے اس معصوم روح کو دیکھا جس کو ماں باپ اور بھائی
محبت کا بے حد مضبوط قلعہ میسّر تھا۔ غم، تکالیف اور معاشرتی پریشانیاں ہمیشہ اُس سے دور رہی تھیں۔
صرف وہ ہی مانتی اور جانتی تھی، جو اُسے اُس کے والدین بتاتے تھے۔ کالج میں جا کر جب وہ طرح طرح
کے تبصرے اور کہانیاں سُنتی تو یوں اُس کے ذہن میں ڈھیروں سوالات اُگنے لگتے تھے۔

"پولیس کا شعبہ بُرا نہیں ہے، کچھ بُرے لوگوں کی وجہ سے بدنام ضرور ہوگیا ہے لیکن جس طرح بُرائی
اچھائی کے ساتھ لگی ہے اُسی طرح اچھائی بھی بُرائی کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ جہاں بہت سارے لوگ مل
کر کرپشن پھیلا رہے ہیں وہاں مٹھی بھر اچھے لوگوں کی سچائی اور جذبہ اِس اتنے بڑے سسٹم پر حاوی ہو
ہے۔

یہ جنگ تب تک جاری رہے گی، جب تک اچھائی، بُرائی پر مکمل طور پر حاوی نہ ہو جائے۔ اور
یقین ہے۔ "گہرے اندھیرے کو چیرنے کے لیے تو ایک دیا بھی کافی ہوتا ہے۔" طارق نے نگینہ
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ نگینہ کے چہرے پر ایک دَم بے حد آسودہ مسکراہٹ دَر آئی۔

"طارق بھائی آپ بہت اچھے ہیں!" نگینہ نے بے حد سچائی سے کہا۔

طارق کا دل کھِل اُٹھا، بے شک نگینہ نے ایسا کچھ نہ کہا تھا جو ذومعنی ہو، اُس کا اظہار بے حد
تھا۔ لیکن طارق کے سامنے اظہار کرنے والی اُس کی دل کی دھڑکنوں میں بسنے والی شخصیت تھی، جس

لی سی بات اُس کو بے حد اہم لگا کرتی تھی۔

"میں دیکھ کر آتی ہوں کہ آپ کے لیے کچھ کھانے کو تیار ہو چکا ہے کہ نہیں تا کہ آپ کو کچھ کھلا کر
ابن دی جا سکے۔" نگینہ نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

طارق نے گہری سانس لے کر اپنے اردگرد بکھری خوشبو کو اندر اُتارا، نگینہ کا سوال واقعی بے جا نہ تھا۔
کا ہر سسٹم اس وقت کرپشن میں ملوث تھا۔ ایسے میں سب سے پیش پیش لا اینڈ آرڈر کا سسٹم تھا، جس
کے لا اینڈ آرڈر میں کرپشن آ جائے اُس ملک کی بنیادیں تک کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔
لین طارق جیسے بہت سے لوگ تھے، جو اِس وطن عزیز کے لیے جان تک کی قربانی دینے سے گریز نہ
تے تھے۔ اور صرف انہی افراد کے جذبے اور جان نثاری کی وجہ سے یہ ملک ابھی تک قائم و دائم تھا۔
طارق نے صدق دل سے وطن عزیز اور اسلامی معاشرے کی سلامتی کی دُعا کی۔

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اُترے
فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
خدا کرے نہ کبھی ختم سرِ وقارِ وطن
اور اس کے حُسن کو تشویش ماہ و سال نہ ہو
ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو
خدا کرے مرے اِک بھی ہم وطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو

طارق نے بے حد چھوٹی عمر میں اپنے حصّے کی ذمّے داری کو محسوس کر لیا تھا۔ اُس کی پرورش کا پہلا
اس کے نانا ابو کے ہاں گزرا تھا۔ وہ بے حد محبّ الوطن اور پڑھے لکھے انسان تھے۔ پاکستان کو انہوں
اپنی آنکھوں کے سامنے بنتے دیکھا تھا۔ اس کی بنیادوں میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بسا تھا۔
جانے کتنی عورتوں اور جوان بچیوں کی عصمت سے آج اِس ملک کی عورتیں ایک محفوظ زندگی جینے کے
ل ہوئی تھیں۔

وہ طارق کو گود میں بٹھائے اُس زمانے میں ان خون بھری داستانوں کو سنایا کرتے تھے، جب لوگ
ان کو پریوں کی کہانیاں سنایا کرتے ہیں۔ انہوں نے طارق کے اندر بچپن سے اِس وطن کی مٹی کی قدر
لائی تھی۔ اور آج کا طارق اپنے نانا ابو کے خوابوں کی سچی تعبیر ہی تو تھا۔ ایسی تعبیر، جس پر سینہ پھلا کر
محسوس کیا جا سکتا تھا۔

❖❖○❖❖

جس حال میں سحرش ڈاکٹر خالد پرویز کو ملی وہ اسے دیکھ کر سُن ہو گئے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ اُن کے
دل دھڑکنا بند ہو چکا ہے پھر بھی وہ جانے کیوں زندہ کھڑے تھے۔ اُن کی آنکھیں بند کیوں نہ ہو رہی
تھی وہ یہ منظر کبھی نہ دیکھنا چاہتے تھے۔ دوزخ کیا ہوتی ہے اور اُس کی آگ کیسے جھلساتی ہے وہ ہی
ان سکتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیسے اُن کی جنت جیسی زندگی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھلسنے لگ گئی تھی۔ اُن کی لاڈلی اور بے حسین بیٹی اِس قدر ابتر حالت میں اُن کے سامنے تھی کہ کچھ پل کو وہ اُسے پہچان بھی نہ سکے تھے۔

تھانے سے فون آیا تھا کہ ایک بچی ایک ویران بے آباد کالونی سے ملی ہے، وہ آکر شناخت کرلیں۔ ڈھیروں وسوسے اُن کے ساتھ سفر کرتے آئے تھے۔ لیکن اُن کا ذہن اِس کرب ناک تصور کو جگہ نہیں دے پا رہا تھا۔

سحرش کی نبض بے حد دھیمی چل رہی تھی۔ برہنہ اور خون سے بھرا وجود چیخ چیخ کر گزرے دن کی داستان سنا رہا تھا۔

ایمبولینس جا چکی تھی۔ سحرش کے ماموں ایمبولینس میں ساتھ بیٹھ کر ہسپتال جا چکے تھے۔ لیکن وہ کسی کٹے درخت کی طرح وہیں ڈھے گئے، دو حولداروں نے انہیں سہارا دے کر لٹایا۔ درد کی شدید لہروں نے انہیں گھیرے میں لپیٹ لیا۔ ایس ایچ او نے کسی سے اُن کی گاڑی ڈرائیو کر کے لانے کو کہا۔ انہیں کسی بات کی خبر نہ تھی۔

وہ سامنے کھڑی موت کی دہلیز کو فوراً پار کر لینا چاہتے تھے لیکن موت بھی اُن سے دور تھی۔ وہ زندگی اور موت کے بیچ کسی بھنور میں تھے۔ اُن کی بے حد تمنا تھی کہ وہ کبھی واپس زندگی کو نہ دیکھیں تاکہ وہ کسی ایسے منظر کو نہ دیکھ سکیں جو ہر اذیّت، درد سے زیادہ تھا۔

”اوئے حولدار محمد صادق اس کو کیا ہوا ہے؟“ ایس ایچ او نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے پوچھا۔

”سائیں مجھ کو تو لگتا ہے کہ اِسے ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ دیکھو اِس کی آنکھیں کیسے اُبل اُبل کر باہر آرہی ہیں۔“ محمد صادق نے کہا۔

”اوئے اس کو بھی ہسپتال لے چلو، مجھے تو لگتا ہے کہ آج کا دن پورا برباد ہو جانا ہے۔“ ایس ایچ او نے بے زار لہجے میں کہا۔ کوئی مچھلی کی طرح تڑپ کر جان گنوا رہا تھا اور ایس ایچ او کو اپنے دن کی پڑی تھی۔

”بھائی صاحب کی حالت اچھی نہیں ہے!“ مسز تانیہ خالد کے بھائی اسد نے اٹکتے ہوئے کہا۔

خود اسد بھائی کی حالت بہت بُری تھی، وہ گھنٹوں میں بوڑھے ہو کر رہ گئے تھے۔ سحرش اِس وقت انتہائی نگہداشت میں تھی۔ ڈاکٹرز اُس کے متعلق بھی خاص پُر اُمید نہ تھے، اُس پر ڈاکٹر خالد پرویز کی حالت دگرگوں تھی۔ انہیں ایک ہی دن میں دو ہارٹ اٹیک ہو چکے تھے۔

وہ اکثر کہتے تھے کہ سحرش اُن کا دل ہے اور اُن کے دو بیٹے اُن کی آنکھیں ہیں۔

اور آج سحرش کی تکلیف پر اُن کا دل تڑپ رہا تھا۔ زندگی کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مسز تانیہ کا وجود بے روح، خالی خالی آنکھوں سے بھائی کو تک رہا تھا اس سارے معاملے میں سب سے زیادہ وہ خود قصوروار تھیں۔ مائیں تو گھر کی دہلیز، حدود ہوتی ہیں۔ انہوں نے کبھی اپنا فرض ادا کر کے نہ دیکھا تھا۔ زندگی میں خود کی ذات اس قدر اہم ہو گئی تھی کہ وہ اپنے ہی وجود کے حصّوں کو بھول گئی تھیں۔ بچے بھی نازک پھولوں کی طرح ہوتے ہیں ایک مالی بھی اپنے پھولوں کی خوب صورتی اور حفاظت کے لیے کاٹ چھانٹ کرتا ہے اور وہ سگی ماں ہو کر اس قدر لاپروا تھیں کہ جان ہی نہ سکیں، دیکھ ہی نہ پائیں کہ اُن کے بچے خود رو

ں کی طرح پل رہے ہیں۔

اُن کی لاپروائی کی وجہ سے، ایک بے خبر ماں ہونے کی وجہ سے آج اُن کا گھر تباہی کے دہانے پر کھڑا

حرش نے کچھ دیر پہلے آنکھیں کھولی تھیں اور اپنی نادانی کا اقرار کیا تھا کہ کیسے وہ اسکول سے باہر یک لڑکے کو دوست بنا بیٹھی تھی۔ اور آخری بار اُسی کے ساتھ گھومنے نکلی تھی اور وہ دھوکے سے ایک جہنم میں لے گیا۔

ہی اُس نے اُس جگہ کا ذکر کیا وہ ایک دم چیخیں مارنے لگی۔ کچھ ہی پل میں وہ ہوش وحواس سے ہوگئی، بے ہوشی میں بھی وہ باپ کو ماں کو مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ تانیہ بیگم کو یوں لگ رہا تھا کہ اُن کا ل کسی آرے میں آ کر کٹ کٹ کر ختم ہو رہا ہے۔

”یا میرے اللہ! اولاد کا دُکھ، اُس کی تباہی کس قدر ناقابل برداشت ہے!“ ماں جی اس سارے ے میں ایک بار بھی نہ بولی تھیں، یوں لگتا تھا، جیسے انہیں سکتہ ہوگیا ہے!

”اسد بھائی اُس لڑکے کا کچھ پتا چل سکا؟“ مسز تانیہ خالد کی چھوٹی بہن سدرہ نے پوچھا۔

”سحرش کی ایک دوست نے اُس لڑکے کا حلیہ بتایا ہے۔ فی الحال پولیس کا آرٹسٹ وہ حلیہ لکھ کر لے ا ہے! لیکن سدرہ اتنا بڑا نقصان جو ہوا ہے، وہ کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔ بے شک ہم اُس لڑکے کو کتنی ہی ی سزا دلوا دیں۔“ اسد بھائی کا لہجہ بے حد تھکا ہوا تھا۔

”پھر میڈیا! ایسی باتوں کو بہت اُچھالتا ہے۔ فی زمانہ انصاف حاصل کرنے کا مطلب ہے کہ کیچڑ ر پھینکنا، جو اپنے ہی وجود کو داغ دار کر دیتا ہے۔ جانے قسمت نے اور کتنے امتحان رکھے ہیں؟“ بھائی نے اِک تھکی تھکی نگاہ اپنی بہن پر ڈالی اور ڈاکٹر سے ملنے اُس کے کمرے کی جانب چل دیئے۔

❖❖○❖❖

”علیزے!“ حُسن آرا نے پالک کے پتے چنتے چنتے ایک دم رُک کر پاس بیٹھی اسکول کی کاپیاں چیک ی علیزے کو مخاطب کیا۔

”جی امی!“ علیزے نے ہاتھ میں پکڑے پین کا کیپ بند کر کے پوچھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنا م روک کر ماں کی بات پہلے سنتی تھی۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ حُسن آرا کے دل میں علیزے کا ایک الگ م تھا۔

”اپنی نگینہ کتنی پیاری بچی ہے ناں؟“ حُسن آرا نے کسی تصور میں کھوئے کھوئے کہا۔

”جی امی! اور بے حد سادہ بھی ہے، خالہ اور اُن کی فیملی میں اپنی امارت کا رتی بھر بھی غرور نہیں ہے خالہ یہاں آکر ہمارے ساتھ کسی فرق کے بغیر گھل مل جاتی ہیں اُسی طرح اُن کے بچے بھی ملتے “ علیزے نے ماں کو تفصیل سے جواب دیا۔ وہ اپنی ماں کے چھوٹے سے چھوٹے سوال کو بھی بے یت دیتی تھی۔ بڑے دونوں بہن بھائی ابّا کی طرح خود غرض تھے۔ امی کے پاس سوائے پیسوں کے بے کے کم ہی کوئی بات کرنے آتے تھے۔ اور چھوٹے بہن بھائی ابھی شعور سے کافی دور تھے ایسے یزے حُسن آرا کی ایسی سہیلی کا کردار ادا کرتی تھی، جس سے اُس کی ماں اپنے دل کی تقریباً ہر بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرلیتی تھی۔

"علیزے! اپنا کاشف اتنا لاپروا اور کام چور نہ ہوتا تو میں آپا سے نگی کے رشتے کی بات کرتی"
حُسن آرا بیگم کے لبوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ تھی۔

علیزے نے چونک کر ماں کو دیکھا وہ ایسا خواب دیکھ رہی تھیں جس کی کوئی تعبیر نہ تھی۔

"امی جان! کاشف بھائی کتنے بھی قابل اور لائق فائق ہوتے پھر بھی نگی ہمارے گھر آپ کی بہو بن کر نہیں آسکتی تھی۔ ہمارے درمیان امیری اور غریبی کی بہت واضح لکیر ہے، کیا ہوا کہ خالہ اور اُن کی فیملی ہم سے بہت اچھی طرح ملتے ہیں لیکن رشتے ناتے امی اپنے برابر کے لوگوں میں اچھے لگتے ہیں۔ ٹاٹ میں مخمل کا پیوند کبھی اچھا لگا ہے!" دھیرے دھیرے اپنی ماں کو سمجھاتی علیزے اس وقت اپنی ماں کی ہمدرد اور دوست بنی بیٹھی تھی۔ اُس کی باتوں سے حُسن آرا کچھ دیر پہلے والے خواب سے باہر نکل آئیں۔ انہوں نے ایک گہری سانس بھری۔

"تم ٹھیک کہتی ہو علیزے! یہ بات بجائے تمہارے سوچنے کے مجھے سوچنی چاہیے تھی۔ لیکن کیا کروں میں ایک ماں بھی ہوں ناں! کاشف میرا پہلا بیٹا ہے مجھے بے حد عزیز بھی ہے، بے شک اُس نے میرے خواب کبھی پورے نہ کیے لیکن میرے دل میں اُس کے لیے ارمان تو ہمیشہ رہیں گے۔ نگی کو دیکھ کر، اُس کے اتنے اچھے سبھاؤ کو دیکھ کر ہر بیٹے کی ماں کا دل للچائے گا کہ یہ چاند اُس کے آنگن میں اُتر کر اپنی چاندنی بکھیرے۔ میں جانتی ہوں کہ میری خواہش بے حد ناممکن ہے، وہ یقیناً کسی بہت بڑے گھر کی بہو بنے گی۔" حُسن آرا بیگم کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی کچھ اُداس تھا۔

"امی گڈو کدھر ہے؟" علیزے نے ماں کی توجہ بٹانے کے لیے سوال کیا۔

"چڑھا ہوگا اُوپر پتنگ لے کر۔" حُسن آرا کا لہجہ ایک دَم بے زار ہوگیا۔ بیٹے دونوں ہی اُن کے کہنے میں نہ تھے۔

"امی کتنی بار کہا ہے اسے پتنگ اُڑانے کے لیے اوپر جانے نہ دیا کریں۔" علیزے نے کاپیوں کا ڈھیر سائیڈ پر رکھ کر اوپر کی جانب جاتے ہوئے کہا۔

اوپر گڈو حسبِ معمول خود سے بے گانہ ڈور اور پتنگ سے اُلجھا ہوا تھا۔

"گڈو کے بچے چلو نیچے!" علیزے نے باقاعدہ اپنی چپل اُتار لی تھی۔

"مارے گئے...... ہٹلر آگئی!" گڈو ڈور چھوڑ کر نیچے بھاگا۔

"ٹھہرو آج میں تمہارا اس پتنگ بازی کا سارا بھوت نکالتی ہوں۔" علیزے ننگے پاؤں نیچے کی جانب بھاگی، نیچے آتے ہی وہ کسی سے بُری طرح ٹکرا گئی۔ دو مضبوط ہاتھوں نے اُسے تھام لیا، کچھ پَل کو علیزے کا سر بُری طرح گھوم کر رہ گیا حواس قابو میں آئے تو وہ ایک دَم شرم سے سُرخ پڑ گئی۔ وَلی اُسے تھامے دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر لیے بے حد شرارتی نگاہوں سے تک رہا تھا۔

"وہ میں... وہ گڈو..." علیزے کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی چپل کو اُس نے بے اختیار پیچھے چھپالیا۔

"آپ... آپ کب آئے؟" علیزے نے چپل گرا کر اپنا دوپٹا درست کیا، اُسے کچھ پَل لگے تھے،

ادا سنبھالنے میں۔

"جب آپ آکر ٹکرائیں!" جانے کیوں وَلی کے سارے خول اِس لڑکی کے سامنے چٹخنے لگتے تھے۔ علیزے کا چہرہ ایک دَم پھر سُرخ پڑ گیا۔ نگاہ بے اختیار جُھک گئی، وَلی کی مسکراہٹ بے اختیار تھی۔

"علیزے!" برآمدے سے حُسن آرا کی آواز آئی۔

"جی امی!" علیزے نے جواب دیا، میں آرہی ہوں۔

"آپ پلیز آیئے ناں!" علیزے نے وَلی سے نگاہ ملائے بغیر کہا۔

اندر تخت پر نگی حُسن آرا کے ساتھ بیٹھی باتیں کررہی تھی۔ حُسن آرا کا چہرہ بے حد کِھلا ہوا تھا۔ وَلی نے جھک کر اُن سے پیار لیا۔

"جیتے رہو! اللہ تمہاری ماں کے دل کی ٹھنڈک صدا قائم رکھے۔" حُسن آرا نے وَلی کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"خالہ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" وَلی کا طرزِ تخاطب علیزے کو ہمیشہ بے حد مختلف لگا کرتا تھا۔

"ٹھیک ہوں!"

"تم بتاؤ آپا اور بھائی صاحب کیسے ہیں؟" حُسن آرا بیگم نے علیزے کو کچھ لانے کا اشارہ کرتے وَلی سے کہا۔

"شکر الحمد اللہ! دونوں خیریت سے ہیں۔ لمّاں جان اور بابا سائیں کل سے گاؤں گئے ہوئے ہیں، گاؤں میں کچھ معاملات اُن کے منتظر تھے بابا سائیں کے اصرار پر لمّاں جان بھی ساتھ گئی ہیں۔ جانے سے پہلے نگی نے اُن سے یہاں آنے کی اجازت لے لی تھی۔ میں نے اپنے ایک مہمان دوست کو پہلے اُن کے گھر ڈراپ کیا تاکہ تسلّی سے کچھ وقت ہم آپ کے ساتھ گزار سکیں اور اس طرح ہمارا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا۔" وَلی اپنی عادت کے برخلاف حُسن آرا سے بے حد تفصیل سے بات کررہا تھا۔

"جگ جگ جیو! تم نے اپنی غریب خالہ کا دل بڑھا دیا۔" حُسن آرا کی خوشی واقعی دیدنی تھی۔

"علیزے!" حُسن آرا بیگم کی ساری نقاہت ایک دَم اُڑن چھو ہوگئی تھی۔ انہوں نے پالک کی ٹوکری سائیڈ پر رکھ کر علیزے کو آواز دی اور پھر بنا انتظار کیے خود ہی کچن میں آگئیں۔

"بچے پہلی بار ہمارے گھر اتنی دیر کو آئے ہیں۔ میرا دل کررہا ہے کہ اُن کو اچھا سا کھانا کھلاؤں۔ تم گڈو کو بلواؤ میں پیسے دیتی ہوں تم ضرورت کا سامان منگوالو۔" حُسن آرا بیگم خوشی میں یہ بالکل بھول گئیں تھیں کہ یہ مہینے کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں آج کی دعوت اگلے دس دن اُن کو بے حد پریشان کرسکتی تھی۔ لیکن وہ سب کچھ بھلائے بے حد خوش تھیں۔

علیزے نے بغور اپنی ماں کو دیکھا، چائے کے برتن سیٹ کرتے ہوئے اُس کے ہاتھ رُک گئے۔

"امی! آپ یوں ہی خوش رہا کریں، جانے کتنے دنوں بعد میں نے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی ہے۔"

حُسن آرا بیگم نے مُڑ کر اِک نرم نگاہ اُس پر ڈالی۔ انہیں علیزے اِس گھر میں اُن کے صبر کا پھل لگتی تھی۔ اُن کی نرم نگاہ میں اس نیک روح کے لیے دُعا تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ذرا جلدی کرنا! میں اُن کو کھانا کھلائے بغیر جانے نہ دوں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے پلٹیں، علیز کے ہاتھ اور دماغ دونوں تیزی سے کام کررہے تھے۔

امی کی خوشی کی خاطر اُس نے اپنے کچھ ضروری کاموں کے لیے رکھے پیسے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا وہ باہر آئی تو حُسن آرا بیگم اور اُس کی چھوٹی بہن غزالہ، نگی سے گفتگو میں مگن تھیں۔ وَلی علیزے رکھی کاپیوں میں سے ایک کاپی ہاتھ میں پکڑے پینسل سے اسکیچ بنارہا تھا۔

علیزے نے اُس کے سامنے چائے رکھتے ہوئے کاغذ پر سرسری نگاہ ڈالی تو بے اختیار ٹھٹک گئی۔ اُ نے چند ہی منٹوں میں سامنے بیٹھی تینوں خواتین کے بے حد خوبصورت کمپوزیشن میں اسکیچ بناڈالے تھے دَلی نے لاشعوری طور پر سامنے کاغذ پینسل دیکھ کر ڈرائنگ شروع کردی تھی۔

''آپ تو بہت اچھا اسکیچ بنالیتے ہیں۔'' علیزے نے اُس کے سامنے کبابوں کی پلیٹ رکھتے ہو کہا۔

''بس ایسے ہی! کاغذ پینسل دیکھ کر میں شاید رہ نہیں پایا۔'' دَلی نے سادگی سے اعتراف کرتے ہو ایک کباب اُٹھا کر اپنی پلیٹ میں ڈال لیا۔

''لیکن سوری! جانے میں نے کس کی ورک بک خراب کردی۔'' دَلی نے اُلٹ پلٹ کر کاپی کے شرو میں نام پڑھا۔ یہ علیزے کی ہی ورک بک تھی جو وہ کل ہی لائی تھی۔ اسکول کے متعلق شیڈول اور لیکچ وغیرہ لکھنے کے لیے اُسے ورک بک کی ضرورت تھی اس لیے اُس نے ایک اچھی سی ورک بک خریدی تھ اب وہ وَلی کے ہاتھوں میں تھی۔

''نہیں کوئی خاص ضروری نہیں ہے آپ اسے استعمال کرلیں۔'' علیزے نے کھلے دل سے آفر کی۔

''لے لیں بھائی جان! اپنی ہٹلر آپا کاپی کتابوں کے لیے نہایت کنجوس ثابت ہوئی ہیں اگر وہ اتفاق سے آپ پر مہربان ہو ہی گئیں ہیں تو آپ اس قدر نادر موقع ہاتھ سے جانے نہ دیجیے گا۔'' گڈو نے شرارت سے بھانڈا پھوڑا۔ علیزے اپنی لکھنے پڑھنے کی چیزیں کبھی کسی کو نہیں دیتی تھی۔

''اٹس مائی ہیئر! اگر آپ نے ہمیں کسی قابل سمجھا!'' وَلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہ ہی عبدالولی ہے جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ مسکرانے میں نہایت کنجوس ہے۔ اُسی پَل باہر دروازے کی بیل بجی، علیزے دروازے کی جانب بڑھی۔

''کون آیا ہے؟ باہر یہ لمبی سی گاڑی کھڑی ہے!'' یہ منزہ تھی جو ابھی ابھی بیوٹی پارلر سے آئی تھی۔ و ایک پارلر میں کام کرتی تھی۔ منزہ بے حد ضّدی اور خودغرض تھی۔ کاشف کی طرح وہ بھی زندگی میں کسی نہ کسی شارٹ کٹ کی تلاش میں رہتی تھی۔

''امی کے مہمان ہیں!'' علیزے نے اُس کے پُرجوش چہرے پر نگاہ ڈال کر بے نیازی سے کہا۔

''کون؟ روشن خالہ؟ یقیناً وہ ہی ہوں گی ہمارے خاندان میں سوائے اُن کے کوئی اتنا امیر نہیں۔'' منزہ ذرا اونچا بولتی آگے بڑھی، علیزے کو اپنی بہن کی لالچی طبیعت اور اُس کے اونچا بولنے پر بے حد شرمندگی محسوس ہوئی، وہ صحن میں رُکنے کے بجائے سیدھا کچن میں چلی آئی۔

باہر صحن سے منزہ کے مسلسل بولنے اور چہکنے کی آواز آرہی تھی۔

''جانے کب اِس کی سوچ بڑی ہوگی کب یہ میچور ہوگی؟'' علیزے نے تاسّف سے سر جھٹکا۔

سارا دن تقریباً کچن میں ہی اُس کا گزرا۔ نگینہ مسلسل اُس کے پاس آکر بیٹھی رہی، علیزے نے اُسے ئی ہی بار کہا تھا کہ وہ باہر چلی جائے لیکن وہ کم ہی اُٹھ کر باہر گئی۔ وہ علیزے کو ہر کام کرتے بے حد ں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں بھی کافی کچھ بنالیتی ہوں، امّاں جان میری بہت حوصلہ افزائی کرتی ہیں لیکن میں نے کبھی آٹا ں گوندھا اور نہ ہی کبھی روٹی پکائی، جب خان چاچا روٹیاں پکاتے ہیں تو مجھے اکثر یہ جادو لگتا ہے کہ ہ پیلے سے آٹے سے ایک دَم گول گول روٹیاں بن جاتی ہیں۔'' نگینہ کی باتوں میں بے حد معصومیت علیزے کو اپنی یہ کزن بہت اچھی لگی تھی۔

''تمہارا گھر تو بہت بڑا ہے اور ملازم بھی بہت سارے ہیں ہر کام کے لیے الگ الگ ملازم ہیں پھر تم چیزیں سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟'' علیزے کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑی سی تلخی گھل گئی۔

''علیزے! امّاں جان کہتی ہیں کہ کیا امیر آدمی کے ساتھ بھوک نہیں لگی ہوتی ہے؟ اور اگر کوئی خدمت موجود نہ ہو تو انسان کو محتاج ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیے اُسے خود کا کام ضرور کرنا آنا چاہیے اِس لیے امّاں مجھے اکثر کچھ نہ کچھ پکانا سکھاتی ہیں۔

کی بات ہے کہ امّاں جان کے ہاتھ میں بے حد ذائقہ ہے۔ وہ چپلی کباب اور بریانی جب پکاتی ہیں ا آجاتا ہے یہ بھائی کی پسندیدہ ڈشز ہیں۔ میں نے امّاں جان کو خود اپنے ہاتھوں سے بھائی کے کھانے پکاتے دیکھا ہے۔'' علیزے کو اُس کی سوچ سُن کر بے حد خوشی ہوئی۔

''امّاں جان کہتی ہیں کہ جب کوئی گھر کی عورت گھر والوں کو پکا کر کھلاتی ہے تو کھانے میں پیار اور یں شامل کرکے اُسے بابرکت بنادیتی ہیں، اِس طرح صحت کے ساتھ دلوں میں تعلق مضبوط ہوتا ''نگینہ کو اپنے والدین کی بتائی ہر بات کسی سبق کی طرح ہر وقت یاد رہتی تھی۔

''واقعی تمہارے خیالات سُن کر مجھے اپنی خالہ کی تربیت پر فخر ہورہا ہے انہوں نے اپنے بچوں کو Val کی تعلیم دی ہے جو انہیں ہمیشہ زندگی میں آسانیاں اور خوشیاں دیں گی۔'' علیزے نے کھلے ے اعتراف کیا۔

ب اُس کی خود کی بہن تھی، جس نے آج تک انڈا تک نہ اُبالا تھا، منزہ کا خیال تھا کہ وہ ان کاموں لیے نہیں بنی۔

ں طرح اللہ نے اُسے شہزادیوں جیسی شکل صورت دی ہے وہ بہت اچھے سیٹ اپ کو Deserve ہے۔

چھوٹے موٹے کام اُس کی شخصیت کے لائق نہیں۔ ایک نگی تھی، محلوں جیسے گھر میں رہنے کے باوجود سادہ اور عاجزی لیے ہوئے۔

رق تو یقیناً تربیت کی وجہ سے ہی تھا۔ اُن کے گھر میں امی کے بجائے زیادہ ابو کے خیالات گونجتے جس طرح کے خیالات اُس کے ابو کے تھے وہ علیزے کو کبھی پسند نہ رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا تیار کر کے علیزے نے چھوٹی سی ٹیبل پر برتن سجانے شروع کیے تو دور بیٹھے وَلی نے جو مزا باتوں پر ہوں ہاں کر رہا تھا اور بے حد بے زار نظر آ رہا تھا۔ اُس نے سب کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانے کی خواہش کی۔

''وہ بیٹا معذرت کے ساتھ! ہم لوگوں کے ہاں اتنی بڑی میز کہاں ہے کہ سب افراد پورے آ سکیں ہم تو سب نیچے دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں۔'' حُسن آرا بیگم نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''خالہ ہم کون سا مریخ سے اُترے ہیں، جو زمین پر نہیں بیٹھ سکتے، پلیز آپ ہمارے ساتھ اس طرح کے تکلفات نہ برتیں۔ اس طرح اجنبیت کا احساس بڑھتا ہے۔'' وَلی نے رسان سے کہا۔

حُسن آرا بیگم کا چہرہ ایک دَم پُرسکون ہوگیا منزہ البتہ بے حد بے چین نظر آ رہی تھی۔ امی کو کیا ضرورت تھی اس طرح سچ بولنے کی۔ اُسے وَلی بے حد پسند آیا تھا۔

وہ نہ صرف بے حد خوبرو تھا بلکہ وہ منزہ کی کوالٹیز پر پُورا اُترتا تھا۔ وہ اتنی بڑی جائیداد کا تنہا وارث تھا جس کا ذکر اکثر ابو گھر میں کرتے تھے۔ منزہ کے دل میں وَلی کو پانے کی خواہش پکی ہوگئی تھی۔

فی الحال اُسے یہ بات ناممکن لگ رہی تھی لیکن اُسے اپنے حُسن پر بے حد بھروسا تھا۔ جو اس ناممکن کو ممکن بنا سکتا تھا۔

لیکن اِس سب کے لیے اُس کا وَلی سے مسلسل ملنا ضروری تھا۔ جو فی الحال اُس کے ذہن میں نہ آ رہا تھا کہ وَلی سے مزید ملاقاتوں کا سلسلہ کس طرح بڑھایا جائے۔

کھانا بے حد اچھے ماحول میں کھایا گیا، گڈو اور وَلی آپس میں باتیں کرتے رہے، آج تو گڈو غزالہ کا بھی ریکارڈ توڑ رہا تھا۔ اُن کے گھر میں سب سے زیادہ گفتگو کرنے والی غزالہ تھی اور اتنی ہی پیٹ کی ہلکی بھی تھی۔ حُسن آرا بیگم اپنی ساری بیماری بھولے بیٹھی تھیں۔

علیزے برتن رکھتے اُٹھاتے جب جب ماں پر نظر ڈالتی، ماں کے چہرے کو بے حد روشن پاتی تھی۔

''اگر آپ لوگوں کے آنے سے میری ماں کو اس قدر خوشی ہوتی ہے تو میں مہمان داری کا بار برداشت کرنے کو تیار ہوں۔'' علیزے نے دل ہی دل میں سوچا۔

حُسن آرا بیگم دروازے تک وَلی اور رَنکیہ کو رخصت کرنے گئیں۔ علیزے وہیں تخت پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی بلکہ اُس نے گاؤ تکیہ سیدھا کر کے لیٹنے کے لیے جگہ بنائی۔

''ہائے اللہ آج تو تھکن سے حال ہی بُرا ہو گیا ہے۔'' علیزے کو نیند بھی بے حد آ رہی تھی۔ نیند سے اُس کی آنکھیں بوجھل ہو کر سُرخ ہو رہی تھیں۔

''یہاں نگی کا ہینڈ بیگ پڑا ہوگا!'' یہ وَلی کی آواز تھی۔ علیزے اُچھل کر بیٹھ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری! میں نے شاید آپ کو ڈرا دیا۔'' وَلی نے شائستہ لہجے میں معذرت کر ڈالی۔

''اِٹس او کے!'' علیزے خوش اخلاقی سے مسکرائی۔ مسکراتے ہوئے اُس کے گالوں پر بھنور پڑتے تھے بے شک وہ بے حد خوبصورت مسکراہٹ رکھتی تھی۔

وَلی نے چونک کر اُسے دیکھا۔ سرخ ہوتی آنکھیں، گلاب جیسی رنگت، گہری سیاہ آنکھیں اور اُس پر گھنیری پلکیں! تھکن اور نیند سے چہرے پر بہت خوبصورت تاثر اُبھر آیا تھا۔

''یا اللہ! کیا میں پہلی بار خوبصورت چہرہ دیکھ رہا ہوں یا پھر آج سے پہلے ایسا چہرہ مجھے دکھائی ہی نہیں دیا جو مجھے متوجہ کر سکے۔'' وَلی نے زندگی میں پہلی بار شاید کسی لڑکی کو اتنے غور سے دیکھا تھا۔

آج تک اُسے عادت تھی خود کو مرکز نگاہ بنے رہنے کی، کوئی اُس کا بھی مرکز نگاہ ہو سکتا ہے اِس کے متعلق اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وَلی نے بے اختیار ہر خیال سے چھٹکارا پانے کے لیے سر کو جھٹکا۔

''علیزے! میں چلتا ہوں!'' علیزے نے اُسے غور سے دیکھا۔

اب چونکنے کی باری علیزے کی تھی۔ وہ اُسے اُس کے نام سے مخاطب کر کے گیا تھا اور اُس کی آواز بھی ہوں سے بھاری ہو رہی تھی۔ علیزے کا دل دھڑکا۔ کیا واقعی ایسا تھا یا پھر اُس کا وہم تھا۔ نیند سے بند ہوتی آنکھوں سے اُس نے سوچا۔ تھکن اِس قدر تھی کہ وہ مزید کچھ اور نہ سوچ پائی۔

منزہ اُن لوگوں کو رخصت کر کے جب برآمدے میں آئی تو علیزے بے خبر سو رہی تھی۔

منزہ کی نگاہ اتفاقاً اُس نوٹ بک پر پڑی جس پر وَلی اسکیچنگ کرتا رہا تھا۔ منزہ وہیں کرسی پر بیٹھ کر اسکیچ بک کھول کر دیکھنے لگی۔

ایک دو اسکیچز کے بعد مسلسل کچھ اسکیچز تھے۔ پہلا خاکہ صرف آنکھوں کا تھا۔ مختلف اینگلز سے بنائی گئی آنکھیں تھیں۔

دوسرے صفحے پر آنکھیں ناک منہ بنائے تھے لیکن چہرہ ادھورا تھا۔ تیسرے صفحے پر بھی ادھورا چہرہ تھا لیکن بے حد خوبصورت خاکہ بنا ہوا تھا۔ منزہ کا خون ایک دَم اکٹھا ہو کر شریانوں میں کھولنے لگا۔

یہ...... یہ مختلف اینگلز کے خاکے علیزے کے چہرے کے تھے کیوں کہ آخری خاکے میں وَلی نے گال پر ایک نمایاں تِل بنایا تھا۔ اور یہ تِل سوائے علیزے کے کسی کے نہ تھا۔

تو اِس کا مطلب تھا کہ وَلی سارا دن علیزے کو دیکھتے اُس کی تصویریں بناتا رہا، ہر صفحے پر اُدھورے خاکے منزہ کو منہ چڑھا رہے تھے۔

منزہ نے سارے صفحے ایک ایک کر کے اکٹھے کیے اور پرزے پرزے کر دیئے۔ اتنے عرصے بعد اگر کوئی منزہ کو پسند آیا تھا وہ بھی کسی اور کو نہیں اُس کی اپنی ہی بہن کے متعلق احساسات رکھتا تھا۔

تو اِس کا مطلب ہے کہ وَلی۔ علیزے میں انٹرسٹڈ تھا۔ لیکن یہ تو اُن کی پہلی ملاقات تھی یا پھر شاید ... اری!

کیا مجھے اِس رُخ پر سوچنا چاہیے؟ منزہ نے سوچا۔ کیا واقعی وَلی کو علیزے میں دل چسپی ہے یا پھر میرا وہم؟

لیکن کچھ دیر پہلے اسکیچ پر بنا تِل ہر سوال پر حاوی ہو گیا تھا۔ منزہ نے اِک قہر بھری نگاہ سوئی ہوئی علیزے کے چہرے پر ڈالی۔

''سوتے میں جانے وہ کس بات پر دھیمے سے مسکرا رہی تھی۔ اگر یہ تمہاری مسکراہٹ وَلی کے لیے ہے تو اسے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہارے چہرے سے نوچ لوں گی۔'' منزہ نے سگی بہن ہونے کے باوجود نہایت سفاکی سے سوچا۔

❖❖()❖❖

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر خالد پرویز کا موبائل فون سُنتے ہی اُن کی حالت بگڑنے لگی۔ چار روز پہلے ہی تو وہ آئی
سے پرائیویٹ روم میں شفٹ ہوئے تھے۔

اُنھیں زیادہ تر موبائل سُننے نہ دیا جاتا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے سب ہی اُن کے روم سے نکلے
ڈاکٹر خالد کسی سے کوئی بات نہ کرتے تھے بس چُپ چاپ سب کی سُنتے رہتے تھے۔

ابھی جب موبائل کی مسلسل بیل بجی تو انہوں نے فون اُٹھا کر کان سے لگالیا۔

جو خبر انہوں نے سُنی تھی وہ ایک بار پھر اُن کی برداشت سے باہر تھی۔ انہوں نے سینڈ کا بٹن
کر کے وہ کلپ اوپن کیا، جو ابھی ابھی اُن کے موبائل پر کسی نے بھیجا تھا۔

یہ سحرش کے بلیو پرنٹ تھے۔

ڈاکٹر خالد کی سانسیں ایک دَم اکھڑنے لگیں۔ آنکھیں اُبل کر باہر آگئیں، اُن کے بدن نے
زور کا جھٹکا کھایا۔

اُن کی روح نے اِس وجود سے چھٹکارا پالیا تھا جو اتنے بڑے غم کے بوجھ سے کچل کر چکنا چور
تھا۔

مسز خالد نڈھال سی سر پر دوپٹا لیے اندر آئیں تو اُن کی چیخیں نکل گئیں وہ واپس باہر بھاگیں، ڈاکٹر
بلانے کے لیے۔ ڈاکٹرز نے آ کر اُن کے ساتھ جڑی مشینوں کو دیکھا جو بالکل بے آواز ہو گئی تھیں۔
دس منٹ وہ اپنی سی کوششیں کرتے رہے لیکن بے روح جسم سے زندگی کو کہاں سے بلایا جاسکتا ہے۔

''ہی اِز نو مور!'' ڈاکٹرز نے کہہ کر اُن کی بے حد باہر نکلی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر بند کرنے کی کوشش
لیکن آنکھیں پھر بھی اَدھ کھلی رہ گئی تھیں۔

تانیہ بیگم کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر ڈھے گئیں، ڈاکٹر خالد پرویز کی اَدھ کھلی آنکھیں
کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں...''

❀

''آخر کیا چاہتے ہیں آپ؟'' مسز تانیہ خالد نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔

''آپ کا تھوڑا سا تعاون!'' طارق نے بے حد نرم لہجے میں جواب دیا۔

''طارق صاحب! میں آپ سے پہلے بھی گزارش کر چکی ہوں کہ پلیز ہمیں تنگ نہ کریں، یہ گھر اب
وجودوں سے نہیں بستا، یہ قبرستان بن چکا ہے، ہم مرے ہوئے لوگ بھلا کیا کِسی سے تعاون کریں
گے۔'' مسز تانیہ شاید اپنے حواسوں میں نہ تھیں۔ وہ خلا میں جانے کیا تلاش کرتے بول رہی تھیں۔

''پلیز آپ میری بات تو سنیں!'' طارق کا دِل بے حد دُکھا تھا۔

''زمانے کی اتنی باتیں سُنی ہیں طارق صاحب کہ میرے کان بہرے ہو گئے ہیں، پلیز آپ یہاں
سے چلے جائیں!'' مسز تانیہ نے تیزی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

طارق لب بھینچ کر رہ گیا۔ جس سانحے سے یہ خاندان گزرا تھا، اُس سے اِن کے گھر کا شیرازہ بکھر گیا
تھا۔ ڈاکٹر خالد کی موت کے بعد اُن کی والدہ کو فالج کا اٹیک ہوا، وہ نہ بول سکتی تھیں اور نہ حرکت کر سکتی
تھیں۔

میڈیا میں سحرش کی خبریں بہت مرچ مسالے سے لگی تھیں لیکن لوگ ابھی تک اُسے خبر کی طرح ہی
ملس کرتے تھے، اُس سے کِسی کو کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اب تو خان دان والے بھی اُن سے گھبراتے
تھے۔

اور سحرش خود کسی زندہ لاش کی طرح تھی۔ نہ وہ بولتی تھی نہ سُنتی تھی، بس چُپ چاپ لیٹی رہتی تھی۔ ماں
دتی ایک دو نوالے کھلا دیتی تو کھالیتی ورنہ گھنٹوں بنا کھائے پیے رہتی، اُس کے زندہ ہونے کا ثبوت
رف اُس کی سانسیں تھیں جو ابھی تک چل رہی تھیں۔ سحرش کے دونوں بھائیوں کو اُن کے ماموں اپنے
ساتھ باہر لے گئے تھے کیوں کہ وہ بچے بے حد گھبرائے ہوئے تھے۔ لوگوں کی طرح طرح کی باتیں اور
نے اُن کی ذہنی حالت تباہ کر رہے تھے۔ اسد ماموں نے بہتر یہ ہی جانا کہ بچے اُس ماحول سے، اِس
ہانی سے دُور رہ کر ہی اچھی زندگی پاسکتے ہیں۔ جانے سے پہلے وہ سحرش کا کیس بند کروا کر گئے تھے کیوں
کہ اُنھیں انصاف کے بجائے بدنامی مِل رہی تھی۔ بیوہ بہن اِس بدنامی کے بڑھتے ہوئے پودے کے
سائے تلے زندگی نہ گزار سکتی تھی۔ انہوں نے بہتر یہ ہی جانا کہ اُنھیں چُپ ہو جانا چاہیے کیوں کہ سحرش
کے مجرموں کو پکڑوانے کی ہمت اُن میں ختم ہو چکی تھی۔

جہاں سول پولیس اِس کیس کو روز کا معمول جان کر بند کر چکی تھی وہاں طارق اِس کیس میں خاص دل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چسپی لے رہا تھا۔ وہ جس اسائنمنٹ پر کام کررہا تھا، یہ کیس بھی اُسی کی کڑی تھا۔ اور طارق جیسا جس کام میں ہاتھ ڈالتا تھا، اُسے اُس کے انجام تک ضرور پہنچاتا تھا۔

مسز ثانیہ خالد کے ہاں جانے وہ کتنے چکر لگا چکا تھا لیکن وہ ہر بار اُسے مایوس کر دیتی تھیں۔ مگر طارق کا ہی حوصلہ تھا کہ وہ مستقل مزاجی سے یہاں آ رہا تھا۔ شروع شروع میں وہ صرف اِس لیے یہاں آتا تھا کہ سحرش کے ذریعے اُسے کچھ انفارمیشن مل جائے گی، لیکن جیسے جیسے وہ اِس گھر کے افراد حالات سے شناسا ہوا، اُس کی ہمدردی بھی اُن کے ساتھ ہو گئی۔

اب وہ دِل سے چاہتا تھا کہ سحرش اور اُس کے خان دان کو تباہ کرنے والوں کو ایسا سبق سکھائے کہ سب کے لیے عبرت بن کر رہ جائیں، لیکن اِس کے لیے اُسے مسز ثانیہ اور سحرش کے تعاون کی ضرورت تھی جو فی الحال ناممکن نظر آ رہا تھا۔ لیکن وہ بھی طارق تھا اپنے نام اور ارادوں میں بے حد پکا، اُس نے زندگی میں ہر ناممکن اپنے ربّ پر یقین رکھنے کی وجہ سے ممکن کر دکھایا تھا۔

❖❖○❖❖

احمد شاہ کتنی دیر سے سجدے میں گرے ہوئے تھے۔ اِس وقت سورج بس طلوع ہونے والا تھا۔ وادی کی خوب صورتی اُن کو اپنے رب سے مزید قریب کر دیتی تھی۔ وہ فجر کی نماز پڑھنے کے لیے یہاں آئے تھے ہوا میں بے حد خنکی تھی۔ چڑیوں کی چہچہاہٹ میں، قریب بہنے والے جھرنے کے مدھم شور میں ہر آواز میں اللہ سبحان کی ثناء تھی۔ احمد شاہ نے گہری سانس کھینچ کر ماحول کی تازگی و پاکیزگی کو محسوس کیا۔ بادلوں کی اوٹ سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔ آسمان پر اتنے سارے اور خوب صورت رنگ بکھرے ہوئے تھے کہ احمد شاہ کے لبوں سے بے ساختہ سبحان اللہ نکلا۔

''اللہ تعالیٰ نے کن کن نعمتوں اور خوب صورتیوں سے ہم کو نوازا ہے، یہ ہم ہی ہیں پھر بھی ہر لمحہ ناشکری کرتے ہیں!'' احمد شاہ خود سے ہی مخاطب ہوئے۔ اُسی پل سامنے اُن کی نظر پڑی روشن آرا ملازم کے ساتھ اُنھی کی جانب آ رہی تھیں۔ ملازم کے ہاتھ میں چھوٹی سی کین کی بنی باسکٹ تھی۔

''السلام علیکم!'' روشن آرا بیگم نے قریب آ کر کہا۔

''وعلیکم السلام!'' احمد شاہ نے جواب دیا اُن چہرے پر ایک دم روشنی بکھر گئی۔ شریک سفر جب رفیق کی طرح رہے تو یہ سفر ہمیشہ راحت اور خوشی کا باعث بنتا ہے، روشن آرا نے اُن کی زندگی مکمل کی تھی، اِس قدر خوب صورت عادات کی مالک تھیں کہ انہوں نے احمد شاہ کی زندگی خوشیوں سے بھر دی تھی۔

''آپ یہاں تھے میں نے سوچا آج ناشتہ بھی اِدھر ہی کر لیا جائے۔'' روشن آرا نے چھوٹی سی چٹائی کھول کر بچھائی۔

''ہماری بیگم کی سوچ بھی اُن کی طرح زبردست ہوتی ہے۔'' احمد شاہ نے گرم گرم چائے کپ میں انڈیل کر پہلے ملازم کو دی اور پھر دوسرے کپوں میں چائے ڈالی۔

ملازم نہ نہ کرتا رہا لیکن روشن آرا بیگم نے ایک پلیٹ میں اُس کا ناشتہ ڈال کر اُسے زبردستی تھما دیا ملازم کی آنکھوں میں اِس عزت افزائی پر نمی بھر آئی!

''بیگم صاحبہ! اللہ سائیں آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، آج آپ کے اِس عمل نے مجھے خرید لیا ہے۔

سمجھا کیوں میرے بابا مجھے شہر جا کر چپڑاسی کی نوکری کرنے نہیں دیتا، وہ ہمیشہ آپ لوگوں کی بہت تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کے ہاں نوکری نہیں بادشاہی مِل جاتی ہے کیوں کہ عزت ہی غریب والوں کی سب قیمتی شے ہوتی ہے اور آپ لوگ نوکر کو بھی اپنے جیسا انسان سمجھتے ہو۔ صاحب آپ لوگ دل کے بہت اچھے ہو۔'' صدیق نے بے حد سچائی سے کہا۔

''صدیق بیٹا! اُس اللہ کے ہاں جب کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہے سِوائے اُس کے جس کے اعمال بڑے ہوں تو پھر ہم کون ہیں یا ہماری استطاعت کیا ہے کہ اس طرح کی تفریق کریں۔'' احمد شاہ کا نرم لہجہ صدیق کے اندر تک اُترتا چلا گیا۔

احمد شاہ کا یہ ہی رویّہ تھا جو لوگوں کو اپنا بنالیتا تھا۔ کبھی زمینوں پر کوئی معاملہ خراب ہوتا تو اُن کے جانثار آگے آگے ہوتے تھے۔

احمد شاہ عزت اور پیار دے کر وفاداری خریدتے تھے۔ وفاداری، نوکر کا مالک کے ساتھ ایسا رشتہ ہے جو پیسے دے کر خریدا نہیں جاسکتا۔

''شاہ جی میرا بہت دِل کرتا ہے کہ میرے ولی کی دلہن جلد از جلد آ جائے۔'' روشن آرا نے اچانک ہی اپنی خواہش کا اظہار کیا، جب صدیق خاصے فاصلے پر جا کر بیٹھ گیا۔

''ارے! اِس معاملے میں تو آپ بھی روایتی ماں نکلیں، نیک بخت اُسے اپنی تعلیم مکمل تو کرنے دو۔'' احمد شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شاہ جی! بیٹوں کی مائیں شاید میری طرح ہی اپنے بیٹے کے سر پر سہرا جلد از جلد سجانا چاہتی ہوں گی۔'' روشن آرا بھی مسکرا دیں۔

''آپ سے اپنے دِل کی ایک بات کہوں؟'' روشن آرا بیگم نے کچھ رکتے ہوئے کہا۔

''کہو روشن! تم نے کب سے اپنے دِل کی بات مجھ سے دُور رکھنی شروع کر دی، تمہاری ہر بات میرے لیے بے حد اہم ہے۔'' احمد شاہ نے نرمی سے اُن کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''حسن آرا کی بیٹی علیزے مجھے شروع سے ہی بے حد عزیز رہی ہے۔ اُسے دیکھتے مجھے اپنے بیٹے کا خیال آجاتا ہے کہ کاش وہ میری بہو بنے، دونوں کی جوڑی بے حد شاندار رہے گی۔ علیزے نہ صرف خوب صورت ہے بلکہ اُس بچی میں بے حد اچھی عادتیں پائی جاتی ہیں۔ اُس کی مسکراہٹ اتنی پیاری ہے کہ یوں لگتا ہے زندگی میں پھول کِھل رہے ہوں۔'' روشن آرا بے خودی میں کہتی دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھیں۔ تصور میں یقیناً اُن کے علیزے کا موہنا سا چہرہ تھا۔

احمد شاہ نے کچھ چونکتے ہوئے انہیں دیکھا۔ روشن آرا کے چہرے کے تاثرات سے لگتا تھا کہ وہ اپنی خواہش کے معاملے میں خاصی آگے نکل گئی ہیں۔ یقیناً وہ دِل ہی دِل میں اُس بچی کو اپنی بہو تصور کر چکی تھیں۔

''روشن! تمہاری خواہش سر آنکھوں پر! مجھے تمہاری بہن کے گھر رشتہ جوڑ کر بے حد خوشی ہوگی لیکن ہمیں اِس معاملے میں کچھ حقیقت پسندی سے کام لینا چاہیے، ولی جس ادارے میں پڑھ رہا ہے وہاں اُس کے ساتھ بے حد خوب صورت اور ذہین بچیاں بھی پڑھتی ہیں۔ ایسے میں اُن میں سے اُس کا کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے پسندیدگی رکھنا کچھ عجب نہ ہوگا ہمیں اُس کی خوشی اور پسند کا خیال ضرور رکھنا چاہیے، انسان کو کے معاملے میں ہاتھ ذرا کھینچ کر رکھنا چاہیے، چاہے سامنے اولاد ہی کیوں نہ ہو، زیادہ توقعات کبھی دل دُکھا دیتی ہیں۔'' احمد شاہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شاہ جی! ولی کی تابعداری ہی نے مجھے اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ میں اُس کے لیے خواب سکوں۔'' روشن آرا بیگم کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

''اللہ کرے کہ وہ تمہاری توقع پر پورا اُترے لیکن روشن دور بدل رہا ہے، بدلتے زمانے کے ساتھ کی جنریشن اپنی زندگی کا ہر فیصلہ خود کرنا چاہتی ہے۔'' احمد شاہ ان کو ہر طرح کی سچویشن کے لیے تیار چاہتے تھے۔

''میرا ولی کبھی نہیں بدل سکتا وہ میرا مان ہے، وہ ہمیشہ میرے دِل کی ٹھنڈک بنتا رہا ہے آج تک اُ نے میرا کہا نہیں ٹالا، پھر میں اُس کی ماں ہوں اُس کی پسند ناپسند کا معیار جانتی ہوں۔ شاید یہ ہی وجہ کہ علیزے کے لیے میرا دِل بے حد یکسو ہوا، مجھے لگا کہ ولی کبھی کسی کو پسند کرے گا تو وہ یقیناً علیزے ہی ہوگی۔'' روشن آراء بیگم نے آس سے احمد شاہ کی جانب دیکھا۔

''روشن آرا بیگم! آپ اتنی پُر اعتماد ہیں تو ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے! بس آپ میری گزارش ہے کہ کبھی کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے بچوں کی رائے اور پسند ضرور پوچھیں۔'' احمد شاہ گزارش میں بھی تھوڑا تھوڑا حکم کا عنصر پایا جاتا تھا اور یہ شاید اِس لیے تھا کہ وہ اپنی بات پر اصرار کر تھے۔ اُن کا اصرار بھی دراصل دُور اندیشی لیے ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے میں پہلے ولی سے اُس کی پسند پوچھوں گی۔'' روشن آراء احمد شاہ کی تائید پاتے ہی مطمئن ہوگئیں۔

''ایک بات اور دھیان میں رکھیے گا کہ ولی کا لاسٹ سمیسٹر چل رہا ہے، آپ اِس طرح کی گفتگو اُس کے امتحانوں کے بعد کیجیے گا میں نہیں چاہتا کہ اُس کے سالوں کی محنت اب جب کہ پھل پا والی ہے کوئی بھی بات اُس کی توجہ بٹا دے۔'' احمد شاہ نے روشن آرا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا بھی یہ ہی خیال ہے، آپ فکر نہ کریں جیسے آپ کہیں گے، انشاء اللہ ویسا ہی ہوگا۔ علیزے بات فی الحال ہم دونوں تک محدود رہے گی۔'' روشن آراء بیگم نے شوہر کی بات پر ہمیشہ کی طرح سرِ تسلیم کیا۔ احمد شاہ کو اُن کی یہ بات بے حد بھاتی تھی کہ روشن آرا بیگم کبھی کسی بات کو ضد نہ بناتی تھیں ہمیشہ مان جاتی تھیں۔

اور یہ بات ہمیشہ درست رہی ہے کہ ماننے والا ہمیشہ پاتا ہے کھوتا نہیں ہے اور روشن آرا بیگم مان ہمیشہ پاتی ہی رہی تھیں۔

❖❖○❖❖

دردگر آدمی ہوتا
تو گریباں پکڑ کر کہتے

اس طرح رہتے ہیں بے چین دلوں کے اندر؟
اس طرح کرتے ہیں بیاروں سے؟
دل میں رہنا ہے تو کچھ ٹھیک سے رہنا سیکھو
ہم تمہیں سہتے ہیں کچھ تم بھی تو سہنا سیکھو
ایک تھوڑی سی خوشی آئے تو جل جاتے ہو!

کیتھی کی آواز میں جو سوز تھا، وہ ترنم کو کس قدر مانوس لگا تھا۔ اس تڑپ سے وہ آشنا تھی اِس کیفیت کو تو وہ خود سے جھیل رہی تھی۔

''کیا ہوا کیتھی! کیوں اِس قدر افسردہ ہو؟'' ترنم نے بے حد دل سوزی سے پوچھا۔

''جانے بے بی تم میں ایسی کون سی بات ہے، جو مجھے تمہاری طرف متاثر کرتی ہے، تم سے اپنے دل کی بات کہنے کو کہتی ہے۔'' کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ وہ اس وقت ترنم کا پیڈی کیور کر رہی تھی اُس کے مساج کرتے ہوئے ہاتھ رُک چکے تھے۔ چہرے پر جذبات کا ہجوم تھا۔ جانے وہ کس طرح خود پر ضبط کر رہی تھی۔

''کیتھی تم مجھ سے اپنے دل کی بات کر سکتی ہو، تم جانتی ہو انسان کا سب سے بڑا دُکھ یہ نہیں ہوتا کہ کوئی اُس کی بات سُننے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ سُننے والے تو موجود ہوں لیکن اُس کی بات کو سمجھنے والا کوئی نہ ہو، تمہارے درد کو میں سمجھ سکوں گی کیوں کہ میں خود اِس سے کتنے ہی سالوں سے لڑ رہی ہوں۔'' ترنم نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''بس بے بی! اپنی زندگی بالکل بے کار لگنے لگی ہے۔ اکثر سوچتی ہوں یہاں اِس دنیا سے جا کر گاڈ کا سامنا کیسے کروں گی؟ میری گرینی ریگولر چرچ جایا کرتی تھی وہ ایک مذہبی عورت تھی۔ میں اُس سے اکثر ہر سنڈے پر بحث کرتی تھی کہ تمہارے گاڈ کو تمہارے چرچ آنے کا کیا فائدہ ہے۔ جوانی کا شروع دور تھا، سوچ اور جذبات بے حد بے لگام تھے۔'' کیتھی کی آواز میں دُکھ تھا۔

''پتا ہے بے بی! وہ میری باتوں کا بُرا منائے بغیر مسکرا دیتی تھی۔ وہ کہتی کہ میں کب کہتی ہوں کہ میرے چرچ جانے سے گاڈ کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ میں تو اپنے فائدے کے واسطے جاتی ہوں۔ گاڈ فائدے نقصان سے الگ ہے، یہ چیزیں تو انسان کے ساتھ لگی ہیں۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کون کیسا مال خرید کر اس دنیا سے لے جاتا ہے۔ فائدے والا یا پھر نقصان والا! تب میرے کو یہ سب باتیں **Rediculous** لگا کرتی تھیں۔ آج مجھے اپنی زندگی **Rediculous** لگتی ہے۔''

ٹاپ کی سیڑھی چڑھنے کی دُھن میں میں نے کبھی پیچھے مُڑ کر نہ دیکھا کہ میرے پیچھے واپسی کی کوئی سیڑھی بھی بچی ہے یا نہیں! میں نے بے حد نقصان والا مال خرید لیا۔ اب یہ مال یہاں سے گارڈ کے پاس کیسے لے جاؤں، کیسے اپنے لیے ہیون کا سودا کروں؟

ہیون! اِس ہیون نے مجھے کتنا خوار کیا ہے! اسے میں دنیا میں حاصل کرنے کے چکر میں ہیل **(Hell)** میں آ بیٹھی ہوں اور یہاں سے ہیل ٹو ہیل (جہنم کا جہنم تک) کا ہی رستہ نکلتا ہے۔ اس دُنیا کے ہیل سے وہاں کے بڑے ہیل تک کا ٹرانسفر! بے بی میرے کو یہ ساری چیزیں نہ جینے دیتی ہیں نہ مرنے دیتی ہیں

کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میں انوسینٹ نہیں ہوں، میں اِس راہ پر اپنی مرضی سے چلی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کچھ عرصے بعد خوب پیسا بنا کر واپس اپنی دنیا میں عیش کرنے چلی جاؤں گی لیکن میں ون وے ٹریک میں پھنس گئی ہوں! جہاں واپسی کا راستا نہیں ہے اور آگے کا راستا میرے لیے طے کرنا بے حد کٹھن ہے جو موت کی طرح ہے لیکن ایسی موت جو نجات کے بجائے مستقل رہتی ہے۔'' کیتھی تقریباً ڈھے کر کرسی کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''کچھ سالوں سے لگتا ہے کہ گرینی کی روح میرے اندر آ گئی ہے، آگہی مجھے تڑپاتی ہے بے بی! میری یوزلیس زندگی میرا سب سے بڑا پچھتاوا ہے کاش میں بھی اچھی زندگی اور اچھائی کا راستا اختیار کرنے کی آزادی رکھتی!'' کیتھی نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''کیتھی! اِس سارے معاملے میں، میں تم کو کیا تسلی دوں یا پھر امید دلاؤں تمہارا اور میرا درد مشترک ہے۔'' ترنم نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے زندگی میں معافی کا انتظار ہے! یہ واحد اُمید ہے جس کے جھولے سے لگی میں اِس (جہنم) کو پار کرنے کا خواب دیکھتی ہوں، مجھے لگتا ہے کہ زندگی میں جہاں جہاں اللہ ہے وہاں آمرزش ضرور ہے۔ بس ہمیں اپنی زندگیوں میں اللہ کو جگہ دینی ہوگی، میں جانتی ہوں اور اس چیز کا احساس مجھے بے کلتا ہے کہ مجھ جیسی نجس اور ناپاک کے ساتھ وہ پاک ذات کیسے رہ سکتی ہے۔ لیکن پھر بھی جب جب میں مایوسی سے نڈھال ہو جاتی ہوں، میرے دل میں پھر آس ہونے لگتی ہے کہ مجھے بھی شاید کبھی معافی مل جائے!

''بس یہ ہی جلتی بجھتی آس کی چنگاری اِس برف جیسے قبرستان میں زندگی کی مدت کا پتا دیتی ہے، آس بندھاتی ہے، امید دلاتی ہے۔ تم بھی اپنے دل میں اِس چنگاری کو ٹٹول کر ڈھونڈو۔ شاید تمہیں بھی کوئی آس کا جھولا مِل جائے جس پر سوار ہو کر تم (ہیل ٹو ہیل) جہنم سے جہنم کے راستے سے نکل سکو۔''
ترنم کو پہلی بار کوئی ایسا ملا تھا، جسے وہ تسلی دے رہی تھی۔

تسلی دیتے ہوئے اُسے پہلی بار محسوس ہوا کہ اُس کے خود کے اندر جو مرتی ہوئی آس کی چنگاری ہے وہ ایک دم بھڑکی ہے اُس کے اندر روشنی آ گئی تھی۔ پہلی بار اُسے محسوس ہوا کہ یقین بانٹنے سے یقین بڑھتا ہے اُسی طرح جیسے مایوسی اور بے یقینی بانٹنے سے بے یقینی بڑھتی ہے۔ ترنم یہ جانتی تھی کہ جس آمرزش کی تلاش میں وہ تڑپ رہی ہے، یقین اُس کی پہلی سیڑھی ہے۔
انجانے میں ہی سہی وہ پہلی سیڑھی پر قدم رکھ چکی تھی۔

❖❖○❖❖

منزلیں بھی اُس کی تھیں
راستا بھی اُس کا تھا
ایک میں اکیلی تھی
قافلہ بھی اُس کا تھا

''وزیراں! یہ کون بیٹھا تھا میری کرسی پر؟'' وہ غصّے سے کھڑی کانپ رہی تھیں، سمعان اپنے کمرے سے باہر نکلتا نکلتا ٹھٹکا۔ وزیراں کھڑی کانپ رہی تھی۔

''وہ بی بی جی! میرے کو ملوم نہیں میں تو کچن میں تھی۔'' وزیراں کی گھٹی گھٹی آواز سنائی دی۔

''کم آن ماما! پلیز ایزی ہو جائیں، زیادہ غصّے سے آپ کا بی پی بڑھ جائے گا۔'' سمعان نے ماں کو کام کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں سمعان! اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ کسی کو میری کرسی پہ بیٹھنے کی اجازت دے۔'' زبیدہ بیگم کا وہم جانے کیسا تھا جو کوئی دور نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں ہر وقت وہم ستاتا تھا کہ کوئی انہیں یا اُن کی چیزوں کو چھولے گا تو وہ ناپاک ہو جائیں گی۔

ماما پلیز کول ڈاؤن! آپ کی طبیعت بگڑ جائے گی۔ سمعان بھاگ کر کمرے سے اُن کی سفید چادر اُٹھا لایا اور اُسے کرسی پر بچھا دیا تا کہ وہ اُس پر بیٹھ سکیں پھر اُن کو وہاں پیار سے بیٹھا کر اپنے ہاتھ دھو کر پانی کا گلاس لایا اور ماں کو پانی پلایا۔ وہ سالوں سے اپنے باپ کو یہ کام بے حد صبر سے کرتا دیکھتا آ رہا تھا۔ قاسم علوی صاحب شاید اِس وقت گھر پر نہ تھے ورنہ تو زبیدہ بیگم کو کبھی غصّے میں آنے نہ دیتے۔

''ماما آپ ٹھیک ہیں ناں؟'' سمعان نے پریشانی سے پوچھا۔ زبیدہ بیگم کی رنگت بے حد پیلی پڑ رہی تھی۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں!'' زبیدہ بیگم کو اپنی ہی آواز جھوٹی لگ رہی تھی۔

کتنے برس بیت گئے تھے۔ وہ اِس عذاب سے نکل نہ پائی تھیں، کبھی کبھی اُن کے دل میں خیال آتا تھا کہ اُن کی حالت جس وجہ سے ہے کیا اُس وجہ کی پکڑ کبھی خدا نہیں کرے گا اور جس گندگی سے اُن کا جسم اُن کی روح لتھڑ چکی تھی کیا کبھی اُن کو اِس سے نجات مل سکے گی؟

سمعان نے غور سے اپنی ماں کو دیکھا وہ ایک بار پھر اپنے آپ میں کھو چکی تھیں۔ اُس کی ماں اُسے ہمیشہ یوں ہی اگنور کر کے تنہا کر دیتی تھیں۔ بچپن سے ہی وہ اپنی ماں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ترستا رہا تھا لیکن جانے اُن کا رویّہ اُس کے ساتھ دھوپ چھاؤں جیسا کیوں تھا۔

کبھی کبھی وہ نگاہ بھر کر پیار سے اُسے دیکھتی تو وہ کِھل اُٹھتا تھا لیکن جب جب وہ خود سے اُن کی جانب بڑھتا وہ ایک دم اجنبی بن جاتیں اُن کا رویہ اِس قدر اجنبی ہوتا، جیسے وہ اُن کا سگا بیٹا نہ ہو بلکہ کوئی دشمن ہو۔ ایسے میں سمعان کو وہ ہمیشہ اپنے سے میلوں دُور محسوس ہوتی تھیں۔

''ماما ایسی کیوں ہیں؟'' سمعان نے اپنے کندھے پر دباؤ محسوس کیا وہ پیچھے مُڑے بغیر جان گیا تھا کہ وہ اُس کے باپ کا شفقت بھرا لمس ہے۔ اُس نے بے اختیار سوال کیا تھا۔ یہ وہ سوال تھا، جو وہ بچپن سے باپ سے کرتا آیا تھا۔

''وہ جیسی بھی ہیں تمہاری ماں ہیں، تم اُن کے وجود کا حصّہ ہو، وہ کبھی بھی تم کو خود سے الگ نہیں کر سکتیں!'' قاسم علوی کا دِلاسا سمعان کو ہمیشہ کی طرح سہارا دے گیا تھا۔

''ڈیڈی پلیز! مجھے ایک بار پھر کہنے دیں کہ آپ دنیا کے سب سے اچھے باپ ہیں۔'' سمعان نے عقیدت سے باپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ قاسم علوی کے چہرے پر بہت بے چین مسکراہٹ در آئی۔ انہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بے اختیار اپنا ماتھا مسلا، آج سامنے کھڑے لڑکے نے انہیں دنیا کے سب سے اچھے باپ کا رتبہ دے دیا تھا۔ کیا وہ کبھی حقیقت جان کر بھی اِسی طرح اُن کا بنا رہے گا؟ یہ سوال اکثر اُن کے گرد اتنا شور کرتا کہ سمعان کا ہر اچھا تبصرہ اور محبت دبنے لگتی تھی۔

اندیشے، وسوسے ایسی چیزیں ہیں جو ہر خوشی کی خوشبو اور ذائقہ اُڑا کر اُسے بے رنگ، بے ذائقہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔

"ڈیڈی! آپ بھی ماما کی طرح کھو گئے ہیں۔ ارے بابا! کبھی اِس بیٹے کا خیال بھی رکھ لیا کریں کہ وہ ایسے میں بے حد تنہا پڑ جاتا ہے۔" سمعان نے محبت بھرا شکوہ کیا۔

"اچھا تمہارا آفس کیسا جا رہا ہے؟" قاسم علوی نے سمعان کی توجہ بٹائی۔

"ایک دم فرسٹ کلاس اینڈ بورنگ!" سمعان نے منہ بنا کر کہا۔

"ارے! وہ کیوں؟" قاسم علوی نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ اِس لیے کہ آپ کے منیجر صاحب مجھے بچوں کی طرح Treat کرتے ہیں۔ ڈیڈی! میں باہر سے تعلیم حاصل کر کے آیا ہوں جب کسی کو اُس کی تعلیم مکمل ہونے کی ڈگری مل جاتی ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ اب وہ بڑا ہو گیا ہے اور عملی زندگی میں خود سے فیصلے لے سکتا ہے۔ پلیز ڈیڈی مجھے ٹرینیز والے سلوک سے بچائیں، ورنہ خواجہ صاحب میرے ٹیلنٹ کو زنگ لگا دیں گے۔" سمعان کو تو موقع مِلا تھا کہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔

"ارے تم تو اکتائے بیٹھے ہو، میں نے خواجہ صاحب کے حوالے اس لیے تمہیں کیا تھا کہ تم اُن کے تجربات سے کچھ سیکھ سکو۔ وہ ایجنسی کے پرانے ملازم اور بے حد قابل و محنتی انسان ہیں۔" قاسم علوی نے اُسے پیار سے سمجھایا۔

"لیکن ڈیڈی وہ کون سا بھاگے جا رہے ہیں اُن سے دھیرے دھیرے جو سیکھنا ہوا میں سیکھ لوں گا لیکن ابھی میں خود سے کوئی پراجیکٹ ہینڈل کرنا چاہتا ہوں، مجھے اپنے آپ کو منوانے کے لیے موقع تو دیں۔" سمعان نے ضد بھرا اصرار کیا۔

"او کے! اگر تم اِس طرح خوش ہو تو ہماری ایڈ ایجنسی کا اگلا کلائنٹ تم حاصل کرو گے اور اُس کا پروجیکٹ بھی خود ہینڈل کرو گے۔" سمعان نے تو صرف پراجیکٹ بنانے کا کام مانگا تھا۔ ڈیڈی نے تو سب سے مشکل مرحلہ بھی اُس کے ذمے میں ڈال دیا یعنی کلائنٹ حاصل کرنا!

"او کے ڈیڈی! میں کر لوں گا۔" سمعان نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ اس اوکھلی میں وہ خود سر دینے پر بضد تھا۔ تو اب ڈرنا کیسا؟

قاسم علوی نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی، آخر وہ اُس کے باپ تھے!

❖❖○❖❖

جو اِس کے چہرے پہ رنگِ حیا ٹھہر جائے
تو سانس، وقت، سمندر، ہوا ٹھہر جائے

وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے
میں اُس کی آنکھوں میں جھانکوں تو جیسے جم جاؤں
وہ آنکھ جھپکے تو چاہوں ذرا ٹھہر جائے

طارق نہا کر باہر نکلا، سامنے بیڈ پر ایک خاکی کلر کا لفافہ پڑا ہوا تھا۔ طارق نے بے اختیار لفافے کی طرف ہاتھ بڑھایا لفافہ کھولتے ہی وہ مبہوت کھڑا رہ گیا۔ یہ نگینہ کا انلارج فوٹو تھا۔ سائرہ نے اُسے سیپیا (Sepia) Technique میں Develope کیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ سائرہ نے اپنی فوٹو گرافی کا ماہر اِس تصویر پر آزمایا ہو۔ نگینہ بے شک بہت خوب صورت لڑکی تھی لیکن اِس تصویر میں تو بالکل … ل نہیں جا رہی تھی۔ وہ کسی اپسرا سے کم نہ لگ رہی تھی، سائرہ نے بہت ڈرامائی لائٹ میں یہ تصویر لی تھی۔ نگینہ کی آنکھیں کسی کانچ کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ ہونٹوں کے نیچے ننھا سا تل بے حد واضح تھا، اُس کے چہرے پر بہت دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"کیوں بھائی گفٹ کیسا لگا؟" سائرہ نے شرارت سے پیچھے سے آ کر پوچھا۔

"یہ تم نے لی ہے! واقعی تم تو ماہر فوٹو گرافر ہو گئی ہو۔" طارق نے سائرہ کی شرارت کو ٹالا، وہ اپنی بات … تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ اپنے دِل کی خبر کسی کو لگنے دیتا۔

"لالہ! اِٹس ناٹ فیئر! بہن سے آپ دِل کی بات چھپا رہے ہیں، میں نے تو آج تک کوئی راز آپ سے نہیں چھپایا لیکن آپ کبھی مجھے کچھ نہیں بتاتے۔" سائرہ نے طارق کا منہ دیکھ کر منہ بنایا۔

"میری جان! جب کچھ ہوگا تو سب سے پہلے میں تم کو ہی بتاؤں گا۔" طارق نے تصویر کو دھیرے سے لفافے میں ڈال کر بیڈ پر رکھ دیا اور اپنے بالوں میں برش کرنے لگا۔

"اچھا آپ یہ سب چھوڑیں بس میرے سوال کا جواب دیں۔" سائرہ ایزی چیئر پر بیٹھ کر جھولنے لگی۔

"وہ کیا؟" طارق نے آفٹر شیو ہاتھوں پر مل کر چہرے پر لگایا، کمرے میں بے حد دلفریب خوشبو پھیل گئی۔ وہ مخصوص برانڈ کے پرفیوم اور آفٹر شیو استعمال کرتا تھا۔

"یہی کہ آپ کو نگینہ کیسی لگتی ہے؟" سائرہ نے پوچھا۔

"لڑکی لگتی ہے!" طارق نے اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"لالہ میں پوچھ رہی ہوں کہ بحیثیت لڑکی وہ آپ کو کیسی لگتی ہے؟" سائرہ نے تحمل سے پوچھا۔

"ظاہر ہے وہ ایک اچھی لڑکی ہے تو اچھی ہی لگتی ہے۔" طارق نے اپنی مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"کیا سب سے اچھی لگتی ہے؟" سائرہ نے پرجوش ہو کر پوچھا۔

"ڈیئر سسٹر! مجھے اِس وقت نہایت اہم میٹنگ کے لیے نکلنا ہے، آپ اپنا کسوٹی کسوٹی کا پروگرام کچھ … توی کر دیں۔" طارق نے صاف بچتے ہوئے کہا اور کوٹ پکڑ کر باہر نکلنے کی تیاری کی۔

"لالہ! چکنے صابن کی طرح ہاتھوں سے پھسل پھسل کر بھاگتے ہیں۔ دال میں کچھ کالا ہے! آپ مانیں … ں۔" سائرہ نے بھائی کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

"یہ دال کالی ہے یا پیلی! تم دِل لگا کر سوچو، پلیز مجھے جانے دو۔ میرے باس بڑے سخت ہیں خواہ مخواہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوکری ہاتھ سے جائے گی۔" طارق کو سائرہ سے جان چھڑانا مشکل ہوگیا تھا جتنا وہ اِس بات کو راز رکھنا چاہتا تھا وہ اِسے کھولنے پر اصرار کررہی تھی۔

"لالہ! کوئی اتنا بھی پکا نہ ہو! مجھے اِس قدر شوق ہے کہ نگینہ میری بھابی بنے۔ لیکن آپ ہیں کہ بتاتے ہی نہیں۔" سائرہ نے زِچ ہوکر کہا۔

"یار میں بوڑھا ہوگیا ہوں یا پھر بدصورت ہوں جو تمہیں ماؤں کی طرح میری شادی کی فکر ستا رہی ہے۔" طارق نے عجلت میں رُکتے ہوئے کہا۔

"لالہ پلیز بتایے ناں نگینہ آپ کو کیسی لگتی ہے؟" سائرہ نے اُس کا رستہ روک کر اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"زندگی لگتی ہے، دِل کی دھڑکن لگتی ہے!" طارق نے دل ہی دل میں کہا۔

"اچھی لگتی ہے! میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔" طارق کے چہرے پر نہ چاہتے ہوئے بھی بہت دلفریب مسکراہٹ در آئی تھی۔

"لالہ بہت زیادہ اچھی لگتی ہے ناں؟" سائرہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

طارق کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ اُس نے سائرہ کی چھوٹی سی پونی کھینچتے ہوئے اُسے راستے سے ہٹایا۔ اللہ حافظ! شام کو ملاقات ہوگی۔ وہ کہتا ہوا رُکا نہیں۔

"سائرہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اللہ آپ کی ہنسی ہمیشہ قائم دائم رکھیں، آپ کی ہنسی اتنی جاندار یقیناً نگینہ کی وجہ سے ہے، میں جانتی ہوں۔" سائرہ نے یقین سے کہا۔

"لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ آپ کے دل کی خبر جانتی نہیں اور آپ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ کیا بنے گا آپ دونوں کا؟ سائرہ وہیں ایزی چیئر پر بیٹھ گئی، کوئی نہ کوئی چکر تو چلانا ہوگا، ورنہ اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکل جائے گی۔" سائرہ گہری سوچ میں گم ہوگئی تھی۔

❖❖○❖❖

دیکھا اُسے تو آنکھ میں اُترے ہزار خواب
بکھرے ہوئے ہیں چاروں طرف بے شمار خواب
حرفِ یقین خاک کی صورت بکھر گیا
پھر دِل کو دے گیا ہے تیرا انتظار خواب
اِس وحشت و جنون کا کوئی نہیں علاج
پاگل یہ دِل جو دیکھتا ہے بار بار خواب

مسکان کا دِل کسی کام میں نہ لگ رہا تھا۔ جانے یہ کیسی تڑپ تھی، جو نہ کچھ کرنے دیتی تھی اور نہ سوچنے دیتی تھی۔ ولی کی چین ہاتھوں میں پکڑے وہ گم سم بیٹھی تھی جو مُسکان کی بے چینیوں کو عروج دے رہی تھی۔

"اگر تم مجھے نہ مِل سکے تو میں مرجاؤں گی۔" مُسکان نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے خود سے کہا۔

"جانے تم میں ایسا کیا ہے، جو مجھے بے بس کرکے تمہاری طرف کھینچتا ہے، مجھے لگتا ہے کہ کوئی انہونی بات ہے جو مجھے تمہاری طرف دھکیلتی ہے۔ تم میری محبت کے ساتھ ساتھ میرا جنون کب بن گئے مجھے خبر ہی نہ ہوسکی۔" مسکان نے چین کو لبوں سے یوں لگا کر بوسہ دیا جیسے وہ کوئی متبرک شے ہو۔ اندر آتی آپا اماں نے اُس کا جملہ سُنا تھا لیکن اُس کی یہ حرکت نہ دیکھ پائی تھیں۔

"مسکان!" اُن کی آواز برف کی طرح ٹھنڈی ٹھار تھی۔ مسکان کا دِل ایک دم خوفزدہ ہوگیا، وہ تو ہمیشہ نرم لہجے میں بات کرتی تھیں۔ آج اُن کے لہجے میں یہ سختی کیوں در آئی؟

"جی آپا اماں!" مسکان نے بے اختیار چین مٹھی میں دبا کر ہاتھ پیچھے کرلیا۔

"تم کچھ روز سے کیا سوچ رہی ہو اور تم میں کیا تبدیلی آئی ہے، میں اِس سے بے خبر نہیں ہوں۔ بے شک میں نے تمہیں جنم نہیں دیا لیکن میں نے تمہیں اتنی سی کو پالا ہے۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔

"تمہاری ماں جنتی عورت تھی۔ اُس نے اپنے ہاتھوں سے تمہیں مجھے سونپا تھا، ایک شیر خوار بچی کو میرے حوالے کیا تھا۔ مجھ پر اُسے اعتبار تھا تو اُس نے یہ قدم اُٹھایا تھا میں اُس کا اعتبار اپنے مرتے دم تک نہیں توڑوں گی اور تمہیں کسی ایسی راہ پر چلنے کی اجازت نہ دوں گی، جس سے تمہیں تکلیف پہنچے، تمہیں اس راستے سے واپس مُڑنا ہوگا، یہ میرا حکم ہے۔" آپا اماں نے سختی سے کہا۔

"لیکن کیوں آپا اماں؟" مسکان تڑپ کر بولی۔

"اُس لیے کہ یہ اچھے خاصے انسان کو دیوانگی عطا کردیتا ہے پھر وہ نہ خود کا رہتا ہے اور نہ واپسی کا راستہ کھلا ملتا ہے!" آپا اماں کے لہجے میں زندہ غم بین کررہے تھے۔

"میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی کیوں کہ اس راستے میں صرف تکلیف کا ساتھ رہتا ہے!" آپا اماں نے اُس کی آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ میرا دُکھ یا تکلیف نہیں ہے، وہ تو میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے آپا اماں!" مسکان نے پرزور اصرار کیا۔

"جب زندگی کی سب سے بڑی خوشی مل نہ پائے تو وہ زندگی کا سب سے بڑا دُکھ اور روگ بن جاتی ہے۔" آپا اماں نے ٹھوس لہجے میں کہتے ہوئے اُسے ٹوکا۔

"کیوں؟ کیوں نہ مل پائے گی میری خوشی؟" مسکان نے غصّے سے پوچھا۔

"اس لیے کہ تمہارے بابا سائیں ایسا ہونے نہیں دیں گے۔"

"کیوں وہ مجھ سے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھینیں گے جب کہ انہوں نے ہمیشہ میری چھوٹی چھوٹی خوشیوں تک کا بے حد خیال رکھا ہے۔" مسکان کے لہجے میں مان بول رہا تھا۔

"تمہیں اِس حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ وہ تمہیں چاند سورج تو لاکر دے دیں گے لیکن اِس خوشی کو تمہاری زندگی میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں گے۔ اس لیے میرے بچے میں چاہتی ہوں کہ تم اِس راستے پر اتنا دور نہ نکلو کہ واپسی پر تمہاری جان کانٹوں میں اُلجھ کر رہ جائے۔" آپا اماں نے پہلی بار ذرا نرمی سے کہا ورنہ وہ تو اِس بات کو لے کر بے حد سختی سے مسکان کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیش آئی تھیں۔

''آیا امّاں! اب بہت دیر ہو چکی، میں اِس راستے پر اتنی دُور نکل آئی ہوں کہ اُس کے بغیر میرا دم نکل جائے گا۔'' مسکان کی بات پر آیا امّاں کا دل بے اختیار ڈوبا، انہیں لگتا تھا کہ یہ آواز بازگشت کی طرح واپس مُڑ کر ماضی سے حال میں آئی ہے۔

''کیا نام ہے اُس کا؟'' آیا امّاں کی آواز کسی کنویں سے سُنائی دی۔

''ولی! عبدالولی احمد شاہ!'' مسکان نے اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

''آیا امّاں پہلے تو بے اختیار چونکی تھیں لیکن پورا نام سُن کر بے اختیار انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''تمہارے ساتھ پڑھتا ہے؟'' انہوں نے غور سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی!'' مسکان نے اِس بار بھی سر نہ اُٹھایا تھا۔

''کیا وہ بھی تمہیں اتنا ہی چاہتا ہے جتنا تم اُسے چاہتی ہو؟'' آیا امّاں کا سوال مسکان پر کسی کاری ضرب کی طرح لگا۔

''وہ... اُسے ابھی میرے دِل کی خبر نہیں ہے۔'' مسکان کا لہجہ کم زور سا تھا۔

''کیا؟'' آیا امّاں نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔

''مُسکان یہ کیا پاگل پن ہے؟'' آیا امّاں نے اُسے باقاعدہ ڈانٹا۔

''آیا امّاں! وہ ایسا ہی ہے، بے حد بے خبر اور بے نیاز جانے کیوں اُسے اپنے اردگرد کی خبر نہیں ہوتی۔'' مسکان نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

''مُسکان! تمہاری اتنی شدّت اور دیوانگی دیکھ کر میں نے یہ رسک لینے کا سوچا تھا کہ میں تم سے کہہ کر لڑکے کو گھر بلوا کر بات کرلیتی ہوں۔ اُن کا گھرانہ دیکھ لیتی ہوں تاکہ تمہارے بابا تک بات پہنچنے سے پہلے میں اُن کو کسی طور پر راضی کرسکوں۔ لیکن تم یہ کیا بتارہی ہو؟ یہ تو سراسر حماقت ہے۔'' آیا امّاں نے اُسے ڈانٹا۔

''آیا امّاں! پلیز میرا ساتھ دیں، ورنہ میں مرجاؤں گی۔ اُس کی بے نیازی مجھے بابا سائیں کے کسی فیصلے سے پہلے ماردے گی۔''

''مسکان بیٹا پاگل نہ بنو، اگر وہ تمہیں پسند نہ کرتا ہو تو تم زبردستی کیسے اُس کی زندگی میں شامل ہو جاؤ گی؟'' آیا امّاں نے اِس بار اُسے سمجھایا۔

''لیکن پھر اُسے کس نے حق دیا تھا کہ میری زندگی میں زبردستی داخل ہو کر میری اچھی خاصی زندگی کو ڈسٹرب کردے۔'' مسکان نے بچوں کی طرح ضد کی۔

''آیا امّاں اگر وہ مجھے نہ ملا تو کچھ نہ بچے گا۔'' مسکان کے لہجے کا جنون آیا امّاں کو چونکا گیا۔

مسکان دیوانگی کی جس حد پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ اِس سے وہ بے خبر تھیں۔

''تو پھر اُسے کیسے تمہاری شدّت کی خبر ہوگی؟'' آیا امّاں نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔

''مجھے یقین ہے اپنی پاکیزہ محبت پر اور اِس کی شدت پر، وہ ایک نہ ایک دِن ضرور میرے جذبوں کو جان لے گا۔'' مسکان کی بات پر آیا امّاں کا دِل سر پیٹنے کو کررہا تھا۔

ان کی خود ساختہ سوچیں اور خوش گمانیاں اگر سچ ثابت نہ ہوئیں تو۔!

مسکان کا کیا ہوگا؟ یہ ایسا سوال تھا، جس پر اُن کا دِل کسی گہری کھائی میں ڈوبنے لگا تھا۔

❖❖ ○ ❖❖

ہوٹل کا بہت بڑا سوئیٹ تھا۔ ماہ رُخ کے ہاتھ پُھرتی سے کام کررہے تھے۔ میڈم راگنی نے اُسے ...کے جس بندے کے پاس بھیجا تھا، وہ ماہ رخ کے ساتھ عیش کرکے اب شراب کے نشے میں ...دہ پڑا تھا۔

...ارخ کا اپنا اُصول تھا کہ وہ پلاتی تھی اور خود بہت کم، صرف ساتھ دینے کو پیتی تھی اور کبھی بھی نشے ...اث نہ ہوتی تھی۔ ماہ رخ نے پرس سے زپ ڈرائیو نکالی اور اُس کے لیپ ٹاپ سے لگادی۔ پاس ...اس سے نشے کی حالت میں پوچھ چکی تھی، اُس نے اپنے پاس موجود زپ ڈرائیو میں لیپ ٹاپ ...ود نہایت اہم اور سیکرٹ فائل کاپی کرلی تھی۔ ماہ رُخ نے نہایت اطمینان سے اپنا کام ختم کیا اور ...ہائل پر کسی کو مِس کال دی۔ باہر دروازے پر ہلکی سی ناک ہوئی، ماہ رُخ نہایت اطمینان سے چلتی ...دوازے تک گئی اور دروازہ کھول دیا۔

...ام سروس میڈم!'' بیرے نے اُسے چمکتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

...ا یہاں رکھ دو۔'' ماہ رُخ نے اُسے کافی سائیڈ پر رکھنے کو کہا، بیرے نے پھرتی سے ٹرالی گھسیٹی ...ل کی چھوٹی سی چمکیلی طشتری میز پر رکھ دی۔

...کے میڈم! ہیو اے نائس ڈے!'' اُس نے جھک کر کہا۔ یہ بیروں کا خاص انداز ہوتا تھا ٹِپ کی ...ا رنے کا۔

...لو۔!'' ماہ رُخ نے پانچ سو روپے کے نوٹ کو گول کر رکھا تھا، وہ اُسے دیتے ہوئے مسکرائی۔

...نکس میڈم!'' بیرے نے بہت احتیاط سے نوٹ پکڑ لیا، اُس میں زِپ ڈرائیو موجود تھی۔

...ارخ جب یہاں پہنچائی گئی تھی تو اُس کی اچھی خاصی تلاشی ہوئی تھی اور جب اُس نے یہاں سے ...نا تھا تو بھی اِسی مرحلے سے گزرنا تھا۔ میڈم راگنی کے ہاتھ بے حد لمبے تھے۔ اُس نے روم ...کے تھرو پہلے ماہ رخ تک زپ ڈرائیو پہنچوائی پھر منگوا بھی لی تھی۔ یوں نہایت صفائی سے وہ بہت ...لے اُڑی تھی۔ وہ یہ کام اِس قدر ہوم ورک اور پلاننگ کے ساتھ کرواتی تھی کہ دُوسرا آدمی ہاتھ ...جاتا تھا۔

...م راگنی بے حد خطرناک عورت تھی۔ وہ بڑے بڑے افسروں کو اپنی لڑکیوں کے ذریعے کاٹھ کا اُلّو ...تی۔

...عزیز کے اِس قدر اہم راز دُشمنوں کے ہاتھ لگتے جارہے تھے اور حکومت کے آدمی بے حد ...تھے کہ آخر غداری کون کررہا ہے، کئی افسروں کو معطل بھی کیا گیا، انکوائریز بھی کی گئیں لیکن! ...زم یا مجرم سامنے نہیں آرہا تھا۔

...کار تنگ آکر یہ کیس خفیہ کے حوالے کردیے گئے تھے۔ اس معاملے میں نہایت احتیاط برتی گئی ...یک آدھ شخص کے علاوہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اِن کیسز کو کون ہینڈل کررہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طارق کے ڈائریکٹر صاحب نے جب یہ کام طارق کو سونپا تو اُنہوں نے اُسے خود سے ٹیم بنا
اور اُس ٹیم کے ارکان کے متعلق فائلز بے حد سیکرٹ تھیں۔ فی الحال ادارے میں کوئی نہ جانتا تھا
کے ارکان میں کون کون شامل ہے ماسوائے طارق اور ڈائریکٹر کے۔ طارق جوں جوں کیس کی
کررہا تھا۔ بڑے بڑے نام سامنے آرہے تھے۔ طارق نے مختلف لوگوں میں اُلجھنے کے بجائے
تک پہنچنے کا ارادہ کیا تھا۔ میڈم چاندنی تک پہنچنے کے بعد اُسے اندازہ ہوا کہ اتنے بڑے سسٹم کو
کے باوجود وہ اِس سارے سسٹم میں ایک نہایت معمولی کارندہ تھی۔ اُس کے اُوپر بھی بگ باس
جانے اِن بگ باسز کا بگ باس کون تھا، جو انہیں اِس ملک کی معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی جڑیں کا
ٹاسک دیتا تھا۔

یہ کام بے حد ہوشیاری سے ہورہا تھا اور انداز سلو پوائزننگ کا سا تھا۔ اب جب کہ بات بے حد
لگی تھی تو اعلیٰ ترین سطح کے ذمّے دار اور حساس لوگوں کو فکر ستانے لگی تھی۔ اس طرح بہت سارے
باخبر کیے بغیر اس آپریشن کا حکم دیا گیا تھا۔

❖❖○❖❖

''واہ! کیا عیش ہیں، کدھر کی تیاریاں ہیں؟'' منزہ نے کاشف کو نک سک سے تیار دیکھ کر پوچھا۔
کاشف نے نہایت فراخ دِلی اور بے رحمی سے خود پر پرفیوم چھڑکتے ہوئے اپنے پیچھے کھڑی
دیکھا۔

''ایک اسپیشل ڈنر ہے!'' کاشف کی مسکراہٹ نہایت معنی خیز تھی۔ وہ بے حد وجاہت کا مالک
اپنی اس خوب صورتی کو ٹھیک ٹھاک کیش کروا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کی معصومیت اور خوب صو
لڑکیاں مرتی ہیں اور اُس کے نزدیک تتلیوں کی طرح چلی آتی ہیں۔ لیکن وہ خوش رنگ پھول تو
مگر اُس میں رس نہ تھا۔ وہ اِن لڑکیوں کا صرف استعمال کرتا، کچھ وقت دِل لگی کرتا اور پھر اپنا دامن
کر اُن سے جان چھڑا لیتا تھا۔

''اوہ! کون ہے وہ خوش نصیب؟'' منزہ نے دل چسپی سے پوچھا، علیزے کی طرح اُسے کاشف
سرگرمیوں پر کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا بلکہ جس طرح وہ خود ہر وقت زندگی میں کسی نہ کسی شارٹ کٹ
تلاش میں رہتی تھی، اُسے کاشف کا بھی یوں کرنا جائز لگتا تھا۔ وہ اکثر اپنے نظریات کا اظہار با آوا
کرتی نظر آتی تھی۔

جو زندگی ہمارے پاس ہے ہم اس سے بہت کہیں زیادہ کے حق دار ہیں۔ یہ ان کا خیال تھا
زندگی اُن کے لائق نہیں ہے اِس لیے انہیں ہر وہ راستا اختیار کرنا چاہیے، جس سے وہ جلد از جلد
خوشیوں تک پہنچ سکیں۔

منزہ اور کاشف نے کبھی نہ سوچا تھا کہ زندگی کسی کے لائق نہیں بنتی بلکہ خود کو اُس کے لائق بنانا
ہے۔ لیکن وہ دونوں ہی اس بات کو نہ مانتے تھے۔

''ہے ایک امیر زادی! شکل وصورت تو بالکل واجبی سی ہے لیکن محترمہ کا دِل بے حد کھلا ہے۔ پیسہ
کرنے میں بے حد فراخ دِل ہے، کل اُس نے مجھے لبرٹی سے مہنگے ترین یہ شرٹ پینٹ خرید کر گفٹ

...آج ویلج میں ڈنر دے رہی ہے۔'' کاشف نے پُر جوش لہجے میں بتایا۔
...ی احمق ہے میلے میں بیٹھ کر رومانس کرے گی۔'' منزہ نے نیل فائلر سے اپنے ناخن فائل کرتے
...کہا۔

...ں میں تو سُنا ہے کھانے پینے والوں کا بے حد رش ہوتا ہے، پی سی وغیرہ میں اچھا سا ماحول تو مِل
...دو گھڑی میٹھی باتیں کرنے کو۔'' منزہ کو واقعی اُس لڑکی کی حماقت پر ہنسی آرہی تھی۔
...یار! میٹھی باتیں صرف اِن لڑکیوں کا گزرا نہیں ہے آج کی لڑکی عملی محبت کا اظہار زیادہ پسند کرتی
...'' کاشف نے آنکھ دبا کر خباثت سے کہا۔ اِس کے لیے پرویز میرے دوست کا فلیٹ زندہ باد،
...یار ہے، اپنے تو ہر معاملے وہ خوب کام آتا ہے۔

...ف کی باتوں اور لہجے سے ذرا بھر بھی نہ لگ رہا تھا کہ اُس میں اتنی بھی غیرت اور سوچ ہے کہ وہ
...طرح کی گفتگو اپنی بہن سے کررہا ہے۔
...میرے بھائی کے کریڈٹ پر ایسی کتنی لڑکیاں ہیں؟'' منزہ نے نیل پالش لگانے کے لیے پیروں
...وں میں چھوٹے چھوٹے ٹشو پیپر کے ٹکڑے رکھتے ہوئے پوچھا۔
...ار لڑکیوں کی بھی بہت ساری قسمیں ہوتی ہیں، کچھ ذرا پہلے کھل جاتی ہیں اور کچھ بعد میں۔ بے
...نخرہ کریں لیکن سالیاں ساری کی ساری ہاتھ لگاتے پگھل کر جھولی میں گر آتی ہیں۔ یہ تو میرے
...ی بلندی ہے کہ میں ہی احتیاط کرلیتا ہوں ورنہ وہ تو شادی سے پہلے ہی صرف شادی کے نام پر
...ل کی طرح آن گرتی ہیں۔'' کاشف نے نہایت سفاکی سے کمینٹس پاس کیے، اندر آتی علیزے
...ے پر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔
...ا کی ڈھکی چھپی سرگرمیوں سے وہ کچھ باخبر تو تھی لیکن بھائی کے نظریات اور اعمال اس قدر گرے
...ہوں گے، اس کا اُسے اندازہ نہ تھا۔ اُس پر وہ یہ ساری گفتگو بے حد بے خوفی اور بے باکی سے
...نا رہا تھا۔

...ر یہ والی لڑکی کس قسم سے تعلق رکھتی ہے؟'' منزہ نے قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے پوچھا۔
...ھی چپکو قسم کی ہے، جلدی جان نہیں چھوڑے گی لیکن اِس میں سب سے بڑی خوبی ہے کہ دبا کر
...کرتی ہے اور ماتھے پر بالکل بل نہیں ڈالتی۔'' کاشف نے اپنے نزدیک اُس کی خوبی گنوائی۔
...پھر کیا برائی ہے اگر وہ تمہاری زندگی میں شامل ہوجائے، امیر ہے تو یقیناً تمہارے لیے اور
...ے کیریئر کے لیے کچھ کرے گی۔'' کاشف کا اگلا کمینٹ اُس سے بھی خطرناک تھا۔
...ے سے اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہنا مشکل ہوگیا تھا۔
...ہاں میں اور کہاں وہ سونیا رحمانی عام سی شکل کی لڑکی! ارے میں تو اُس سے شادی کروں گا جو امیر
...ینک بیلنس میں بھی اور حُسن میں بھی۔ ارے اپنی نسل میں پیوند تھوڑی لگانا ہے، میرے بچے میری
...ب صورت اور حسین وجمیل ہوں گے۔'' کاشف کے لہجے میں اُس حسن و جوانی کا غرور بول رہا
...ب سے ناپائیدار شے تھی۔
...بھائی! اُن بچوں کی آپ کو فکر ہے جن کا دُنیا میں نام ونشان نہیں ہے۔ واقعی آپ بڑی دور تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچتے ہیں لیکن کبھی آپ نے اپنے اِن اعمالوں کے متعلق سوچا جو چھوٹے چھوٹے ہوتے کتنے ا
ہوگئے ہیں کہ آپ ایک بُرے انسان بن کر رہ گئے ہیں۔" علیزے غصّے سے کانپتی ہوئی اندا
ہوئی۔

"شرم سے سر جھک کر رہ گیا ہے کہ میرا بھائی اس قدر گری ہوئی سوچ کا مالک ہے!" علیزے کی ا
جذبات میں رندھ گئی تھی۔ خود پر قابو پانے کے لیے وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

"لو آ گئی ملانی بی بی!" منزہ نے یوں مُنہ بنایا، جیسے کوئی بے حد کڑوی گولی منہ میں آ گئی ہو، علی
کی سچی باتیں واقعی اُسے کڑوی گولی کی مانند لگا کرتی تھیں جنہیں نگلنا بے حد دُشوار تھا۔

"علیزے! میں نے کبھی تمہارے کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائی، اس لیے میں تمہیں کبھی ا
نہ دوں گا کہ تم میرے متعلق اس طرح یوں باتیں کرو۔" کاشف نے تقریباً دھاڑتے ہوئے کہا
کچھ دیر پہلے ہنس ہنس کر باتیں کرنے والا کاشف ایک دم غائب ہوگیا تھا، کاشف کا اصل روپ
بدصورت رویّہ ہی تھا۔ علیزے کا دل اُس کے دھاڑنے پر سہم سا گیا۔

"کیا ہوگیا ہے، کیوں یوں چلا رہے ہو؟" حسن آرا بیگم کاشف کی اونچی آواز سُن کر گھبرا کر ا
بھاگی اندر آئی۔

"کچھ نہیں امی! یہ آپ کی بیٹی خوامخواہ میری ماں بننے کی کوشش کر رہی ہے، جب آپ نے آ
مجھے کسی بات کے لیے روکا ٹوکا نہیں تو پھر یہ کون ہے جو میرے معاملات میں بولے۔" کاشف نے
تک صرف اپنے لیے اچھا ہی اچھا سُنا تھا۔ حقیقتاً اُسے علیزے کا یوں بُرا بھلا کہنا بے حد بُرا لگا تھا۔

"کاش میں تم سے اتنی محبت نہ کرتی کہ تم کو کسی بُرے کام میں مبتلا دیکھ کر بھی چُپ رہتی۔ ا
بچے! بے شک میں گھر سے کبھی باہر نہیں نکلی لیکن اپنی اولاد کے رنگ تو سب سے پہلے ماں کو ہی نظر ا
ہیں، اولاد کس رنگ میں رنگی جا رہی ہے ماں اُس سے کبھی بے خبر نہیں ہوتی میں تم پر سختی نہ کر سکی تو ا
تمہارے باپ کے نظریات حائل تھے ورنہ سب سے پہلے تمہیں پکڑنے والی میں ہوتی۔" حسن آرا
جانے کب کی بھڑاس باہر نکال رہی تھیں۔

کاشف نے ہاتھ میں پکڑا پرفیوم زور سے دیوار پر دے مارا، پرفیوم کرچی کرچی ہوگیا کمرہ تیز
سے بھر گیا۔ پانچ ہزار کا یہ پرفیوم سونیا نے اُسے کچھ دن پہلے گفٹ کیا تھا۔ مالِ مفت دِل بے رحم!
کو اِس کی قدر کہاں سے ہو سکتی تھی۔ اُس نے تو اپنا سارا غصّہ اِس پر نکال دیا تھا۔ سارا موڈ خراب
رکھ دیا ہے!

"اِس گھر میں تو دو گھڑی کوئی چین و سکون سے نہیں گزار سکتا، امی پہلے تو آپ بھی ایسی نہ تھیں
علیزے کی بچی نے آپ کو میرے خلاف پٹیاں پڑھائی ہیں اس کو تو میں بعد میں دیکھوں گا۔"
علیزے کو خونخوار نگاہوں سے گھورتا باہر نکل گیا۔ علیزے کا دل بے حد تیز خوشبو سے متلانے لگا
اُسے کبھی بھی پسند نہ کرتا تھا۔ وہ اُس کے متعلق ہمیشہ سچ بولتی تھی جو اُسے بے حد بُرا لگتا تھا۔ منزہ کی
نہ وہ اُس کی غلط باتوں پر خوش ہوتی تھی اور نہ ہی چھوٹی کی طرح بھائی کی مہنگی مہنگی چیزوں پر خوش
تھی۔ اس لیے کاشف کو وہ ہمیشہ ناپسند رہی تھی۔

"مجھے ایک گلاس پانی کا پلواؤ علیزے!" حسن آرا بیگم کی نقاہت بھری آواز نے دونوں بہنوں کو چونکا
دیا تھا۔

"امی طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟" علیزے بے حد گھبرا گئی تھی، منزہ دوڑ کر پانی لے آئی۔

"اُس کے پاس وہ کیا کہتے ہیں بغیر تار والا جو فون ہے اُس پر اُسے فون کرو، غصّے سے گھر سے باہر گیا
ہے کہیں کچھ اُلٹا سیدھا نہ کر لے۔" کاشف اُن کی پہلی اولاد تھی اور اُن کو بے حد عزیز تھی اُس کی ذرا سی
ناراضی اُن کی جان کھینچ لیتی تھی۔

"امی جان! اگر آپ اپنی چہیتی بیٹی کو ایک بار ٹھیک سے سمجھا دیں کہ وہ یوں کاشف سے نہ اُلجھا کرے
تو نہ وہ اِس طرح غصّے سے گھر سے نکلے گا اور نہ آپ کی طبیعت اُس کے لیے پریشان ہوگی۔" منزہ دھپ
دھپ پاؤں مارتی باہر نکل گئی، علیزے شرمندگی سے قصوروار سر جھکا کر کھڑی تھی۔ حسن آرا بیگم ہاتھ میں
پانی کا گلاس لیے بے بسی سے منزہ کو جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

"یہ... یہ میری اولاد اِس قدر باغی ہوگئی ہے کہ وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں!" حسن آرا بیگم نے دُکھ
سے کہا۔

"آئی ایم سوری امی! اِس سارے معاملے میں میرا ہی قصور ہے۔" علیزے کو ماں کے بلڈ پریشر کی فکر
لاحق ہوگئی تھی۔ اُس نے جلدی سے معافی مانگی۔

حسن آرا بیگم نے اُس کی جانب غور سے دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے توانائی ملتی ہے کہ میں بالکل ناکام ماں نہیں ہوں، تم واقعی میری سب سے اچھی
بیٹی ہو۔" حسن آرا کا اقرار علیزے کی روح تک کو ٹھنڈا کر گیا۔

❖❖○❖❖

"ارے، ارے ٹھہر جاؤ، کدھر بھاگے جا رہے ہو۔" رانی کے ہاتھوں سے چھوٹا سا میمنا چھوٹ کر
آگے جا رہا تھا۔ رانی، جو بڑے سکون سے اُسے اٹھائے ماسی صابراں کے گھر سے لا رہی تھی۔ اِس
پگڈنڈی پر چڑھتے ہی وہ بُری طرح بدک گیا اور اُس کی گود سے نکل کر بھاگنے لگا۔

کم بخت تیری ٹانگیں کمزور ہیں اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھے گا۔ رانی نے اُسے پکڑنے کی کوشش میں چلّاتے
ہوئے کہا۔

کتنے دن سے وہ انتظار میں تھی کہ کب ماسی صابراں کی بکری بچے دے، اور وہ ماسی صابراں کو اُن کا
وعدہ یاد دلائے کہ ایک چھوٹا سا میمنا اُسے بھی دے۔ چار پانچ روز پہلے نفیسہ نے پیغام بھجوایا تھا کہ آ کر
اپنی امانت لے جاؤ۔ اور آج میرو اُسے نفیسہ کے ہاں چھوڑ کر آگے کھیتوں پر نکل گیا تھا۔ واپس جانا تو
اُسے شام کو تھا میرو کے ساتھ لیکن میمنے کو دیکھتے ہی اُس کا دِل فوراً گھر جا کر ماں کو دکھانے کو کیا۔ ماسی
صابراں سے بہت مشکل سے اجازت لے کر وہ واپس آئی تھی۔ وہ اُسے اکیلے بھیجنے پر تیار نہ تھیں۔

"کوئی بات نہیں ماسی بیس منٹ کا تو سارا فاصلہ ہے۔" رانی میمنے کو فوراً گھر لے جانا چاہتی تھی۔

"لیکن میرو کہیں بُرا نہ منائے۔" ماسی ہچکچائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پہلے کیا میں کبھی اکیلے گھر نہیں گئی؟" رانی نے ٹھنک کر پوچھا۔
"پہلے کی بات اور تھی، پہلے تو چھوٹی تھی اب تُو اور نفیسہ بڑی ہوگئی ہو، یوں لمبے راستوں میں اکی
جانا اچھی بات نہیں۔" ماسی نے اُسے سمجھایا۔
"پیاری ماسی جانے دو۔" رانی کی ضد پر انہیں اُسے اجازت دینی ہی پڑی۔
اب میمنا اُس کے ہاتھ سے نکل کر بھاگا تو وہ تیزی سے اُس کے پیچھے بھاگی، بھاگتے ہوئے اُس کے سر سے دوپٹہ پھسل گیا تھا۔ گندمی رنگت میں سرخی آ گئی تھی اچانک ہی اُسے رکنا پڑا، سامنے جیپ آ کر رُک تھی۔ رانی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔
یہ جیپ سید سرفراز کی تھی اور اُسے سید سرفراز سے بے حد ڈر لگتا تھا۔ سید سرفراز نے اُس کے بھر بھرے وجود کو بے حد معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ رانی کا ہاتھ بے اختیار اپنے دوپٹے کی طرف گیا اُ نے جلدی سے اپنا سینہ ڈھانپا اور گھبراہٹ میں دوبارہ واپسی کے راستے پر مڑ گئی۔
"کون ہے یہ منشی؟" سید سرفرار کی سرسراتی آواز پر منشی چونکا۔
"وہ سائیں! میرو کی بہن ہے۔" منشی نے جھٹ اطلاع دی۔
"میرو کی بہن!" سید سرفراز کی نگاہوں میں ابھی تک رانی کا بھرا بھرا جسم اور ہونٹوں پر لرزتا نمایاں تل گھوم رہا تھا۔
"منشی! میرو کی طرف تو اپنا خاصا حساب نکلتا ہے ناں!" سید سرفرار نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔
"جی سائیں! وہ تو بڑے سائیں عبداللہ نے ادا کر دیا تھا۔" منشی کو رانی کی معصومیت اور جوانی سے ہمدردی ہوئی تھی، اِس لیے وہ سید سرفراز کی توجہ بٹانا چاہتا تھا۔
"منشی اُس کی اس حرکت کا ہی تو حساب نکلتا ہے۔" سید سرفراز نے غصّے سے کہا۔
"جی، جی سائیں!" منشی نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔ اُس کی جرأت نہ تھی کہ وہ کبھی سید سرفراز کی کسی بات سے اختلاف کرے۔
"تو پھر منشی مجھے اپنا قرض واپسی چاہیے اور "پہلے سود چاہیے!" پھر ہی میرو کی عقل ٹھکانے لگے گی ورنہ اِس طرح کے باغیوں سے ہمارے لیے روز نئے مسائل کھڑے ہوں گے۔
"منشی اب یہ تمہاری ڈیوٹی ہے کہ کب تم سود جلد سے جلد لے کر آتے ہو۔" سید سرفراز کا کام منشی کو خاصا بھاری پڑ گیا تھا۔ جب سے اُس کے ہاں اپنی بیٹی پیدا ہوئی تھی، وہ سید سرفراز کے اِن کاموں سے گھبرانے لگا تھا۔
"جی سائیں جو آپ کا حکم!" منشی کی آواز خاصی کم زور تھی۔

❖❖ ○ ❖❖

"ارے کیا ہوا؟ ابھی تو کچھ دیر پہلے تم گئی تھی اور اب!" نفیسہ کا جملہ اُس کے منہ میں ہی رہ گیا۔ را کی اُڑی اُڑی رنگت اور چڑھا ہوا سانس اُسے پریشان کر گیا۔
"نی اُڑیے بول تجھے کیا ہوا؟" نفیسہ نے گھبرا کر اُسے ہلا کر پوچھا۔

"پانی!" رانی کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اُس سے بولنا دُشوار ہو رہا تھا۔ نفیسہ دوڑ کر پانی کا برتن پکڑ لائی، رانی نے نہایت بے صبری سے سارے کٹورے کا پانی پی لیا۔
"اب بول بھی چکو کیا ہوا تیرے ساتھ جو یوں بے حال ہو رہی ہے۔" نفیسہ نے اندر کمرے کی جانب دیکھا کہیں اماں سوتے میں نہ اُٹھ آئیں۔
"وہ میمنا بھاگ گیا تھا تو۔" رانی کی سانس اب تک پھولی ہوئی تھی۔
"کیا ایک میمنے کے بھاگنے سے تم اتنا ڈر گئی ہو؟" نفیسہ نے حیرت سے پوچھا۔
"نہیں! وہ راستے میں سید سرفراز کی گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ قسم سے نفیسہ وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے یوں گھور رہا تھا، جیسے کھا ہی جائے گا۔" رانی نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔
رانی کا ڈر جانا، سہم جانا بالکل جائز تھا۔ سید سرفراز کی سرگرمیاں ڈھکے چھپے انداز میں سب ہی جانتے تھے لیکن کسی کی اتنی ہمت نہ ہوتی تھی کہ جا کر اُس کا ہاتھ یا گریبان پکڑ سکے۔
"تجھے کہا بھی تھا کہ میرو کا انتظار کر لے لیکن تیرے سر پر جب کوئی بات سوار ہوتی ہے تو تُو کب کسی کی سنتی ہے، سونے پہ سہاگہ تجھے ہی وہ "بلا" ٹکرانی تھی۔" نفیسہ نے پریشانی سے کہا۔
"اب کیا ہوگا نفیسہ؟" رانی نے معصومیت سے پوچھا۔
"اب کیا ہونا ہے، کچھ بھی نہیں ہوگا۔ شکر ہے تو بچ کر نکل آئی، آئندہ احتیاط کرنا کہ اکیلے باہر نہ جانا۔ تجھے موچی مشتاق کی بیٹی زرینہ تو یاد ہوگی کیسی اُونچی لمبی جوان تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ کمیوں کی بیٹی ہے اور خالی سوکھی روٹیوں سے اتنی جوان نکلی تھی۔ نہ دُودھ نہ مکھن جیسی نعمتیں تھیں لیکن پھر بھی کیسے سرخ و سفید تھی۔ اِن شاہوں کی حویلی میں کام کرنے جاتی تھی۔ سُننے میں آیا کہ شہر سے سید سرفراز کے دوست شکار کے لیے آئے تھے۔ اُنہوں نے مرغابی شکار کیا کرنی تھی اُس معصوم کا شکار کر ڈالا۔ تین دن بعد نہر سے اُس کی لاش ملی تھی۔ موچی مشتاق کی جرأت نہ تھی کہ وہ سید سرفراز کا نام کھل کر تھانے والوں کے سامنے لے سکتا۔ بیچارا بیٹی کے غم میں تین ماہ بعد ہی اِس دنیا سے چلا گیا۔ پیچھے سے سید سرفراز نے اُس کے اٹھارہ انیس سال کے چھوکرے کو اچھی تنخواہ پر اپنا ملازم رکھ لیا۔ لو جی کہانی ختم!
اب وہ کیسے اُس کے خلاف کچھ بول سکتے ہیں بلکہ احسان مند رہتے ہیں کہ باپ کے مرنے کے بعد سرفراز صاحب نے سر پر ہاتھ رکھا تو اُن کی حالت بدل گئی۔" نفیسہ کے اندر اِس شخص کے لیے بے انتہا نفرت تھی۔ نفیسہ کے ہاتھ میں ہوتا تو اِس شخص کو کڑی سے کڑی سزا دلواتی۔
رانی کا چہرہ گھبرایا دیکھ کر نفیسہ نے ایک دم گفتگو کا رُخ موڑ دیا، چل مٹی ڈال اُس کم بخت پر۔ بھول جا سب کچھ اور کسی کو کچھ کہنے بتانے کی ضرورت نہیں، اب تُو مجھے بتا کہ تجھے اگر میں ایک اور میمنا دے دوں تو خوش ہو جائے گی۔" نفیسہ نے رانی کا موڈ ٹھیک کرنے اور اُس کا دھیان بٹانے کے لیے اُس کا پسندیدہ موضوع چھیڑا۔
"دینا ہے تو وہ ہلکے بھورے رنگ کی دھاری والا دے دے جو تُو قبضہ کر کے بیٹھی ہے۔" رانی نے نفیسہ کے پسند کیے ہوئے میمنے کا ذکر کیا۔
"اچھا چل تُو لے لے، میری اُس پر پہلے سے نیت تھی۔" نفیسہ نے فراخ دلی سے کہا اور دِل ہی دِل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں شکر کیا کہ سہیلی کا دھیان واقعی بٹ گیا تھا۔ لیکن جانے کیوں خود نفیسہ کا دِل کسی انہونی کے ہونے سے ڈر رہا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت کو خود سے بھی چھپا رہی تھی۔

❖❖○❖❖

''مبارک ہو بیٹے کی منگنی!'' ریحانہ بی بی نے بظاہر خوش ہوکر زلیخا بی بی کو بیٹے کی منگنی کی مبارک دی لیکن اندر اُس کے حسد سے آگ لگی ہوئی تھی۔

''خیر مبارک! خیر سے تمہیں بھی مبارک ہو، آخر وہ تمہارا بھی تو بڑا بیٹا ہے۔'' زلیخا بی بی اِس وقت اِس قدر خوش تھیں کہ ریحانہ بیگم کی آنکھوں میں موجود حسد و جلن کو دیکھ ہی نہ پائیں۔

''ہاں کیوں نہیں!'' ریحانہ بیگم نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

ویسے صداقت بھائی کو اچانک سید نوازش علی نے یوں کیسے معاف کردیا۔'' ریحانہ بیگم کو ابھی تک عبداللہ اور عائشہ کی بات ٹھہرنا ہضم نہ ہو رہا تھا۔ بے حد خوب صورت اور زمین والی لڑکی اُن کی بے خبری کی بنا پر آج اُن کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

سید عبداللہ کی زمینوں میں مزید اضافہ اُسے مزید طاقتور بنانے والا تھا اور یہ ریحانہ بیگم اور سید سرفراز کو ہرگز منظور نہ تھا اس لیے اس رشتے کا سب سے زیادہ دُکھ انہیں ہوا تھا۔ جس طرح کی بہو کے خواب انہوں نے اپنے بیٹے سرفراز کے لیے دیکھے تھے۔ وہ لڑکی زلیخا بی بی کو بغیر کسی محنت کے مل گئی تھی۔

''اب تم بیٹیوں کے رشتے بھی دیکھو اُن کا بھی حق ہے کہ وہ بھی اچھی زندگی گزاریں۔'' ریحانہ بیگم نے وہ موضوع چھیڑ دیا جو زلیخا بی بی کی دُکھتی ہوئی رگ تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے جو زلیخا بی بی کے چہرے پر خوشیوں کے رنگ تھے، اب وہاں پریشانی اور تفکرات کے سائے لرز رہے تھے۔

زلیخا بی بی جانتی تھی کہ پوری برادری میں سدرہ بی بی اور مریم بی بی کے جوڑ کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ ایسے میں جب وہ باہر کے خان دان میں لڑکی نہ دیتے تھے تو زلیخان بی بی کا بیٹیوں کے لیے فکرمند ہونا جائز تھا۔

''تم کہو تو میں اپنے میکے میں بات کروں، میری بھابی کا بھائی ہے، بھابی بہت عرصے سے اُس کا نکاح کرنا چاہتی ہیں۔ خیر سے اتنی زمین ہے کہ سات نسلیں بنا کام کیے کھا سکتی ہیں۔''

''لیکن! لیکن وہ تو شادی شدہ ہے اور عمر میں سدرہ بی بی سے دوگنا ہی ہوگا۔'' زلیخا بی بی نے دُکھ سے کہا۔

''تو کیا ہوا؟ مرد تو چار شادیاں کرسکتا ہے پھر وہ کون سا شوقیہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ اُسے اپنے خان دان کا وارث چاہیے، بے اولاد تو کوئی بھی مرنا نہیں چاہے گا۔'' ریحانہ بیگم نے نہایت سفاکی سے کہا۔

''پھر تم بھی تو آئیں تھی اِس حویلی میں، میں نے کبھی تم کو سوکن سمجھا؟'' ریحانہ بی بی نے دوغلے پن کی انتہا کرتے ہوئے پوچھا۔ زلیخا بی بی کچھ پل کو چپ سی رہ گئی، اپنی اتنی پیاری اور کم عمر بیٹی کے لیے اس طرح کے رشتے انہیں بے حد تکلیف دے رہے تھے۔

''میری بات اور تھی۔ سید نوازش علی مجھ سے سات آٹھ سال بڑے تھے پھر میرے بے حد قدر دان تھے۔'' زلیخا بی بی نے وہ بات کی جس کی جلن ریحانہ بیگم کو سب سے زیادہ تھی۔

''دیکھ تو زلیخا بیگم! برادری میں کوئی اور لڑکا ہے نہیں، یہ نہ ہو کہ بیٹیاں ساری عمر گھر کی دہلیز پر ہی بیٹھی رہ جائیں۔'' ریحانہ بی بی کا جملہ اور وار بے حد کاری تھا۔

زلیخا بی بی بیٹے کی ساری خوشی بھول کر ڈھے گئیں، اُن کی آنکھوں کے سامنے سدرہ بی بی اور مریم بی بی کے معصوم چہرے گھوم رہے تھے۔

''میری بچیوں کا مستقبل کیا ہوگا؟'' زلیخا بی بی کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک کر اُن کی چادر میں جذب ہوگئے تھے۔ یا اللہ کوئی فرشتہ ہی بھیج دے، جو آج تک اِس خان دان میں نہیں ہوا کہ لڑکی خان دان سے باہر نہیں بیاہی گئی وہ معجزہ میری بیٹیوں کے ساتھ ہوجائے، میری بیٹیوں کے گھر آباد ہوجائیں اُن لڑکوں کے ساتھ جو اُن کے قدر دان بھی ہوں۔'' زلیخا بی بی نے صدق دل سے دُعا کی اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ماں دُعا کرے اور وہ قبول نہ ہو!

❖❖○❖❖

''ارے نیک بخت سنتی ہو! ٹیلی گرام آیا ہے فیصل آرہا ہے!'' نفیسہ کے بابا گھر کے دروازے سے ہی اونچی آواز میں بولتے آرہے تھے۔ خوشی سے اُن کے پاؤں زمین پر پڑ نہ رہے تھے۔

''سچ سچ!'' صابراں بی بی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو رواں ہوگئے۔

''ہاں وہ پرسوں لاہور اُترے گا اور اُس کے اگلے دن سویرے گاؤں پہنچ جائے گا۔'' بابا نے ٹیلی گرام کو یوں محبت بھری نظروں سے دیکھا، جیسے وہ فیصل کا ٹیلی گرام نہ ہو بلکہ خود فیصل ہو۔

''پورے چھ برس بعد میں اُسے دیکھوں گی!'' صابراں نے ہاتھوں کی پوروں پر برس گنتے ہوئے کہا۔

''ہاں ولایت کی پڑھائی آسان تھوڑی ہے۔ وہ بہت بڑا ڈاکٹر بن کر آرہا ہے۔'' بابا کی آواز میں فخر تھا۔ وہ گاؤں کے پہلے شخص تھے، جن کی بیٹی مڈل پاس تھی اور بیٹے شہر تک جاکر پڑھے تھے۔ انہوں نے اپنی ساری کمائی اور طاقت اپنے بچوں کو پڑھانے میں لگادی تھی۔

بڑا بیٹا شہر میں وکیل تھا اور دن رات محنت سے وہ آہستہ آہستہ اپنا مقام بنا رہا تھا اور چھوٹا بیٹا آج ڈاکٹر بن کر آرہا تھا۔ نذیر احمد کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر سے جوان ہوگیا ہو۔

''بابا اب ویر کی شادی کردو۔ صادق بھائی اور فیصل بھائی دونوں کی اکٹھی ہی کردو، گھر میں بھابیاں آجائیں گی تو میرا اکیلا پن تو ختم ہوجائے گا۔'' نفیسہ نے ٹھنک کر فرمائش کی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تیرے ویر پہلے تیرے ہاتھ پیلے کریں گے پھر گھوڑی چڑھیں گے یہ وہ پہلے دن سے کہتے آرہے ہیں۔'' صابراں بی بی نے بیٹی کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

نفیسہ باپ کی موجودگی میں اپنی شادی کے ذکر پر بے حد شرما گئی۔ لمّاں آپ بی ناں! وہ ادھوری بات چھوڑ کر اندر بھاگی، صابراں بی بی اور نذیر احمد دونوں ہی ہنس پڑے۔ خوشیاں اُن کے آنگن میں بس اُترنے ہی والی تھیں۔

❖❖○❖❖

لگتا تو مجھے بھی عجیب سا ہے لیکن کیا کروں تیرے تایا جی اور تائی جی نے خود اپنے منہ سے کہا ہے کہ میں تمہیں اپنے ولایت جانے سے پہلے اُن کی جانب چھوڑ دوں۔ بھابی نے پہلی بار مجھے کچھ کہا اِس لیے

میں انکار نہ کر سکا۔

''لیکن بابا جان۔'' عائشہ ہچکچا رہی تھی۔

''اوہ بیٹیا رانی! وہ پہلے تیرے تایا جی کا گھر ہے پھر تیری سسرال ہے۔'' سید نوازش علی نے عائشہ کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میرے لیے تو تیری خوشی اہم ہے اگر تُو نہیں جانا چاہتی تو میں بھابی سے معذرت کر لیتا ہوں۔'' نوازش علی کی تو جان تھی بیٹی کے اندر۔

''نہیں بابا جان! اگر آپ کو یہ سب ٹھیک لگتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' عائشہ نے تابعداری سے کہا۔

''جیتی رہو!'' سید نوازش علی نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

وہ دِل کے مرض کی وجہ سے انگلینڈ بائی پاس کے لیے جا رہے تھے، بھابی نے اصرار کیا تھا کہ اس عرصے کے لیے عائشہ کو اُن کے ہاں حویلی میں چھوڑ جائیں جس پر عائشہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی لیکن باپ تائی جان کے اصرار پر اُس نے وہاں رہنے کی حامی بھر لی تھی۔

❖❖○❖❖

''آپا امّاں یہ میری امی کی تصویر ہے ناں؟'' مسکان آپا امّاں کی الماری صاف کر رہی تھی تب ہی ایک البم اُس کے ہاتھ آ لگا تھا۔ اُس میں ایک تصویر اُس کے بابا سائیں کی تھی، جس کے ساتھ ایک عورت کھڑی تھی گود میں زبیر بھائی اور بلال بھائی تھے۔ مسکان نے ایک آدھ بار اِس عورت کی تصویر کے البم میں دیکھی تھی۔ وہاں کی ایک بوڑھی ملازمہ نے بتایا تھا کہ یہ اس کی ماں ہے۔ مُسکان کا کتنا چاہا تھا کہ کاش یہ تصویر کچھ واضح اور بڑی ہوتی تاکہ وہ صحیح سے اپنی ماں کو دیکھ سکتی۔

لیکن آج اچانک ہی اُسے اتنی بڑی اور واضح تصویر مل گئی تھی اور اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بڑے پُرجوش انداز میں آپا امّاں سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں! یہ تمہاری امی کی تصویر ہے۔'' آپا امّاں نے ہلکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ اِس وقت بستر پر لیٹی آرام کر رہی تھیں۔ آج بی پی ہائی ہونے کی وجہ سے اُن کی طبیعت خراب تھی۔ مُسکان اُنھیں زبردستی بستر پر لٹا کر آرام کرنے کو کہا تھا۔

''آپا امّاں! ایک بات پوچھوں؟'' مسکان نے غور سے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''پوچھو۔'' آپا امّاں نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔

''میری شکل کس سے ملتی ہے، نہ بابا سائیں سے ملتی ہے نہ امی جان سے پھر میرے فیچرز کس کے ہیں۔ دیکھیں ناں زبیر بھائی ہو بہو بابا سائیں کی کاپی ہیں اور بلال بھائی بالکل امی کی طرح لگتے ہیں میری شکل کس پر ہے؟'' مسکان نے تجسس سے پوچھا آپا امّاں کے چہرے پر سایہ لہرا گیا۔

''ضروری نہیں بیٹا کہ بچے ماں باپ کی ہی شکل لے کر پیدا ہوں، وہ اپنے ددھیال، ننھیال کسی پر جا سکتے ہیں۔'' آپا امّاں نے اُس کو اطمینان تو دلا دیا خود اُن کے دل میں بے حد بے چینی بڑھ گئی تھی۔

''واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔'' مُسکان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں آپ کے لیے گرم دودھ

لے کر آتی ہوں۔ مُسکان کہہ کر باہر نکل گئی۔

لیکن اُس کا سوال نفیسہ بیگم کو ماضی میں لے نکلا تھا۔

''صائمہ بی بی! تم آخر عائشہ بی بی کی تصویر میں کیا دیکھتی رہتی ہو؟'' نفیسہ اکثر صائمہ بی بی کو عائشہ بی بی کی تصویر کے سامنے کھڑے دیکھتی تو سوال کرتی تھی۔

''سید سرفراز کبھی بھی اِس عورت کو نہیں بھولا وہ ہر مقام پر میرا اِس کے ساتھ موازنہ کرتا ہے۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ کتنی خوش قسمت عورت ہے جو یہاں نہ رہتے ہوئے بھی ہر وقت یہاں رہتی ہے۔ اور میں! میں یہاں رہتے ہوئے بھی سرفراز کو نظر نہیں آتی۔'' صائمہ بی بی نے یاسیت سے کہا۔

وہ اُس وقت حاملہ تھی، کہتے ہیں کہ آپ جیسا تصور کرو بچہ ویسی ہی شکل لے کر پیدا ہوتا ہے۔

صائمہ بی بی، عائشہ بی بی کے متعلق اتنا سوچتی تھیں کہ جب مسکان پیدا ہوئی تو ہر کوئی حیران تھا کہ وہ ایک روپ سارا عائشہ بی بی جیسا لے کر پیدا ہوئی تھی۔ جوں جوں وہ بڑی ہوئی اُس کی مشابہت بھی زیادہ واضح ہوتی گئی۔

آج مسکان کا سوال نفیسہ بیگم کو چونکا گیا تھا۔ ہم لاکھ ماضی سے نظریں چرائیں، جان چھڑائیں یہ ہمیشہ ساتھ رہتا ہے۔ جب کبھی ہم پیچھے مُڑ کر دیکھیں یہ اپنے سارے رنگوں کے ساتھ موجود ہوتا ہے اور نفیسہ بیگم کے لیے اُن کا ماضی تو کسی ناسور کی طرح تھا۔ جس کو وہ چاہتے ہوئے بھی کاٹ کر پھینک نہ سکتی تھیں۔

''نفیسہ بیگم کے سر میں درد مزید بڑھ گیا تھا۔ یادیں کسی سانپ کی طرح ڈستی تھیں۔ کاش! کاش یہ یادیں بھی اُن لوگوں کی طرح مُردہ ہو جاتیں، جو اِن میں موجود تھے۔ ان زندہ یادوں سے اُن کا اپنا وجود مُردہ ہو کر رہ گیا تھا۔ نفیسہ بیگم تو آج سے چوبیس سال پہلے مر گئی تھی۔ اُن کی موت کو تو عرصہ گزر گیا تھا لیکن یہ ماضی کا دور اس قدر زیادہ تھا کہ اُن کے مردہ وجود تک کو تڑپا دیتا تھا۔

❖❖○❖❖

''ڈیٹ شیٹ آ گئی ہے! یار میری تو تیاری بالکل نہیں ہے میں اِس بار پیپر نہیں دے رہا۔'' ٹی ٹو نے بآواز بلند اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ وہ اِس وقت گرافک اسٹوڈیو میں تھے۔ ولی اپنی کسی اسائنمنٹ کے لیے پرنٹ نکال رہا تھا۔

''اِس بار پیپر نہیں دے رہا بلکہ یوں کہو ہمیشہ کی طرح اِس بار بھی تم پیپر نہیں دے رہے۔'' ولی نے سنجیدگی سے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ٹی ٹو چپ کر کے نیڈل سے پلیٹ پر لائنز لگانے لگا۔

''کیوں یار افضل! تم کیوں اپنے کیریئر اور زندگی کے لیے اتنے غیر سنجیدہ ہو؟'' عبدالولی نے سارے کام چھوڑ کر اُس کے پاس کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

ٹی ٹو جانے کتنے سال سے اپنا وقت ضائع کر رہا تھا اُس کے جونیئر سینئر بن کر کب کے پاس آؤٹ کر گئے تھے لیکن وہ یہاں ہی تھا، غیر سنجیدہ زندگی گزارتے ہوئے۔ کالج کے لڑکے لڑکیوں نے اُسے ایک قدیم مجسمے کا نام ٹی ٹو نک دے رکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر میں یہاں سے چلا گیا تو کوئی دنیا میں بالکل اکیلا رہ جائے گا۔'' ٹی ٹو نے ٹھہرے ہوئے
میں جواب دیا۔

''جب تک میرے پاس پڑھائی کا بہانہ ہے میں اِس ملک، اِس شہر میں اپنے دادا کے پاس ر
ہوں اور اگر میں چلا گیا تو اُن میں جینے کی تمنا بالکل ختم ہو جائے گی۔ اور وہ شخص ہمیشہ کے لیے تنہائی
درد کو لیے سو جائے گا۔''

''نہیں ولی! میں اپنے والدین کی طرح بے حس نہیں ہوسکتا۔ میرے والد پندرہ سال پہلے دادا جی ۔
کر گئے تھے وہ بھی خالہ کی شادی تھی ورنہ شاید نہ آتے۔ پندرہ سال سے دادا جی، پاپا کا انتظار روز
کرتے ہیں جیسے بچوں کو صبح اسکول بھیج کر مائیں دوپہر سے گھنٹہ پہلے ہی انتظار کرنے لگتی ہیں۔ اُن
آنکھوں میں میری وجہ سے روشنی رہنے لگی ہے میں کیسے اُن میں اندھیرا کر دوں؟'' ٹی ٹو نے ہاتھوں
گراتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم تعلیم ختم کر کے یہاں جاب کر کے بھی تو رہ سکتے ہو۔'' عبدالولی نے کہا۔

''نہیں! وہ مجھے صرف پڑھنے کے لیے یہاں چھوڑ سکتے تھے، ہمیشہ سیٹل ہونے کے لیے ہرگز نہیں
اگر میں زبردستی رہ بھی جاؤں تو وہ دادا کو مجبور کریں گے کہ مجھے واپس بھیج دیں۔ اس لیے میرے
فوری شارٹ کٹ یہی تھا کہ میں اپنی تعلیم اور کیریئر کو مذاق بنالو۔'' عبدالولی نے حیرت سے کالج
سب سے غیر سنجیدہ لڑکے کو دیکھا جس کے متعلق ہر طالب علم اور ٹیچر کی رائے تھی کہ وہ نہایت لا
انسان ہے۔

''کوئی یوں بھی اپنی زندگی کے ساتھ کھیل کر کسی کی زندگی میں روشنی بھر سکتا ہے؟'' عبدالولی کو ایک
سے اپنے فیصلے پر بے حد فخر محسوس ہوا، جس لڑکے کی ساری کالج سے دوستی نہ تھی وہ صرف اُس کا دو
بنا، عبدالولی کے نہایت گنے چنے دوست تھے لیکن سب میں ایک ہی اہم بات کامن تھی۔ وہ زندگی
ویلیوز کو اہمیت دیتے تھے۔

افضل خان عرف عام ٹی ٹو میں آج کسی کو کچھ خاص نظر نہ آیا تھا۔ بلکہ اکثر لوگ حیران ہوتے تھے
عبدالولی جیسے لائق فائق لڑکے کے ساتھ کالج کے سب سے نکمے کی دوستی کیسے ہو گئی۔ عبدالولی کو پہلے
روز ٹی ٹی میں اٹریکشن نظر آئی تھی اور یوں مزاجوں کے مختلف ہونے کے باوجود وہ دوست تھے، میر
دوستوں میں کچھ خاص ہونا بے حد اہم ہے۔

''تم جانتے ہو ٹی ٹو! تم میں بھی ایک بہت خاص بات ہے کہ تم ایک بہت اچھے بیٹے ہو!'' عبدال
نے اُداس بیٹھے ٹی ٹو کا ہاتھ تھام کر اُسے گلے لگا لیا۔

❖❖○❖❖

احمد شاہ اور روشن آرا بیگم بائے روڈ گھر واپس آ رہے تھے۔ اونچے نیچے راستے جب ختم ہو گئے
سیدھی سڑک آنے پر روشن آرا بیگم نے اپنی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں موندھ لیں۔

احمد شاہ اور رحیم خان اپنی کسی باتوں میں مصروف تھے۔ اچانک گاڑی رُکی اور ساتھ ہی گاڑی

وثی چھا گئی۔ روشن آرا بیگم نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

احمد شاہ اور رحیم خان سامنے دیکھ رہے تھے۔ راستے میں کسی کی گاڑی خراب ہو گئی تھی اور وہ شخص ہاتھ
اشارے سے انہیں مدد کے لیے روک رہا تھا۔

رحیم خان کے گاڑی روکنے پر وہ بڑے بڑے قدم اُٹھاتا اُن کی جانب بڑھا۔ پلیز میری گاڑی کو کچھ
الم ہو گیا ہے اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو مجھے کچھ دور موجود ایک پیٹرول پمپ تک لفٹ دے دیں وہاں
کسی مکینک کا پتہ شاید مل سکے۔ اُس شخص نے شائستہ انداز میں اپنا مسئلہ بتایا تھا۔ لیکن جیسے ہی اُس
نظر احمد شاہ پر پڑی وہ چونک کر بولا۔ ''احمد شاہ یہ تم ہی ہو ناں؟
اور احمد شاہ کو بس ایک پل لگا تھا پہچان کی منزل طے کرتے میں۔

❁

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ تم ہی ہوناں احمد شاہ؟" اجنبی آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"شہباز... شہباز علی تم!" احمد شاہ فوراً دروازہ کھول کر باہر نکلے۔شہباز علی نے فوراً احمد شاہ کو گلے لگا لیا۔

"کتنا وقت بیت گیا ہے تم بالکل نہیں بدلے۔" شہباز علی نے احمد شاہ کا صحت مند چہرہ اور پُرسکون آنکھیں دیکھتے ہوئے کہا اور یہ سچ ہی تو تھا۔ گزرے وقت نے اُن کے سر میں بس کہیں کہیں چاندی کو جگہ دی تھی۔ وہ آج بھی اُسی طرح خوبرو تھے، جیسے آج سے سالوں پہلے نظر آیا کرتے تھے۔ یہ انسان کے اندر کا سکون ہی تو ہوتا ہے جو چہروں کے نقش کو کم ہی بدلنے دیتا ہے۔ احمد شاہ نے ہمیشہ وہ کام کیے جس سے اُن کے اندر کو ہمیشہ سکون ملتا تھا وہ لوگوں کے لیے ہمیشہ خوشی کا باعث بنتے تھے۔

"تم کچھ بوڑھے نظر آرہے ہو۔" احمد شاہ نے شہباز علی کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اپنوں سے دُوریاں انسان کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہیں۔" انہوں نے گہری سانس بھر کر کہا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر احمد شاہ کی جانب متوجہ ہوئے۔

"کیا مجھے لفٹ ملے گی؟" وہ شگفتہ لہجے میں احمد شاہ سے مخاطب تھے۔

"اتنے عرصے بعد بھی تمہاری تکلف کرنے کی عادت ختم نہیں ہوئی، چلو تم اندر بیٹھو تمہاری گاڑی ہمارا ڈرائیور ٹھیک کروا کر لے آئے گا۔" احمد شاہ نے محبت بھری دھونس سے کہا۔

"اچھا ذرا رُکو میں گاڑی سے اپنا بیگ لے آؤں۔" شہباز علی اپنی گاڑی کی جانب بڑھے اور ایک چھوٹا سا سفری بیگ اور بریف کیس تھامے اُن کے پاس آئے۔

"رحیم خان! تم گاڑی ٹھیک کروا کر گھر آ جانا، یہ لو چابیاں اور پیسے۔" احمد شاہ نے شہباز علی کی گاڑی کی چابیاں رحیم خان کو تھماتے ہوئے کہا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"یار شہباز! تمہاری بھابی بھی پیچھے بیٹھی ہیں۔" احمد شاہ نے بتایا۔

"السلام علیکم بھابی جان!" شہباز علی نے لمحہ بھر کو گردن موڑ کر کہا۔

"وعلیکم السلام!" روشن آرا بیگم نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"بھابی کتنے عرصے بعد ہم مل رہے ہیں آپ نے پہچانا اِس گمشدہ دیور کو...!" شہباز علی نے پوچھا۔

"دیور نہیں ہے یہ تمہارا جیٹھ ہے اِسے ہمیشہ عمر کم بتانے کا شوق تھا۔" احمد شاہ کے لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی۔

"بالکل نہیں! تم مجھ سے بڑے ہو یہ سب جانتے ہیں، چاچا سائیں نے مجھے تمہاری عمر بتا رکھی تھی۔"
شہباز علی کے اصرار پر روشن آرا کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

"یار چاچا اور چاچی جان کیسے ہیں؟" شہباز علی نے شوق سے پوچھا۔

"اُن دونوں کا ایک حادثے میں انتقال ہوگیا۔" احمد شاہ کا لہجہ اُداسی سے بھر گیا، ماں باپ کی کمی وہ شدت سے محسوس کیا کرتے تھے لیکن اللہ کی رضا میں ہمیشہ راضی رہا کرتے تھے۔ لیکن کبھی ان کی یاد مدھم ہو پاتی تھی۔

"اوہ! یہ تو بے حد دُکھ والی خبر سنائی ہے، وہ دونوں فرشتہ صفت ہستیاں تھیں، بے شک اُن کے جانے کے بعد ایک خلا سا محسوس ہوتا ہوگا۔" شہباز علی خود بھی اُداس ہوگئے۔

احمد شاہ کی والدہ بے حد محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ اُن کے جانے پر اُن کی بے حد مہمان نوازی کیا کرتی تھیں، احمد شاہ کی طرح اُن سے پیار کیا کرتی تھیں۔

"ہاں یہ خلا دُنیا کی کوئی نعمت پُر نہیں کر سکتی، لیکن جب بلاوا اُس مالک دو جہاں کا ہو تو ہمیں اُس کی رضا میں ہی راضی ہونا چاہیے۔" احمد شاہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"تم سناؤ کہاں ہوتے ہو آج کل؟" احمد شاہ نے گاڑی دھیان سے چلاتے ہوئے پوچھا۔

"نگر نگر گھوم کر مسافر آخر اپنے گھر ہی آتا ہے، میں بھی اِس بے مقصد فرار اور سفر سے تھک کر واپس اپنے وطن آ گیا ہوں، بہت سال اپنوں سے دُوری کاٹی ہے اب برداشت نہیں ہوتا، یہاں گھر لینے کا ارادہ ہے فی الحال ہوٹل میں ٹھہروں گا۔" شہباز علی نے کہا۔

"ہمارے ہوتے ہوئے تم ہوٹل میں ٹھہرو گے، تمہیں شرم نہ آئے گی؟" احمد شاہ نے خفگی سے کہا۔

"واقعی یہ سچ ہے کہ اتنا لمبا مہمان بننے میں مجھے شرم تو ضرور آنی چاہیے۔ جانے کتنے دنوں میں مجھے کوئی اچھا گھر ملتا ہے تم پلیز مروت نہ کرو اتنے دِن کا مہمان تو وبالِ جان کہلانے لگتا ہے۔" شہباز علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم تنگ ہوں گے یا نہیں، یہ طے کرنے والے تم کون ہوتے ہو؟ بس آج سے تم ہمارے ساتھ رہو گے اگر پرائیویسی کا مسئلہ ہے تو تمہارا انتظام انیکسی میں کروا دیتا ہوں اب میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔" احمد شاہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

"تمہاری محبت کے آگے تو میں ہمیشہ ہی بے بس رہا ہوں، تمہیں یاد ہوگا میں تمہاری حویلی ایک دن کے لیے آتا تھا اور پندرہ پندرہ دن رہ کر جاتا تھا۔" شہباز علی کہیں دور ماضی میں کھو گئے تھے۔

"بس تو پھر یہ طے پا گیا کہ تم آج سے ہمارے ساتھ رہو گے۔" احمد شاہ نے مسکراتے ہوئے گیئر بدلا۔

"اب میں مزید کیا کہوں۔" شہباز علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"گڈ! یہ ہوئی ناں اچھے بڑوں والی بات۔" احمد شاہ نے کہا۔

"نو... نو! یہ بات تو میں کبھی نہیں مانوں گا تم بڑے تھے اور رہو گے۔" شہباز علی نے فوراً ٹوکا۔

جواب میں احمد شاہ کا دھیما سا قہقہہ گاڑی میں اُبھرا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''روشن آرا یہ مانے یا نہ مانے تم اِس کو جیٹھ جی ہی بلانا۔''

''بھابی! دیکھ لیں اِس عمر میں بھی یہ اپنی عمر چھپاتا ہے۔'' شہباز علی نے روشن آراء کو بھی گفتگو میں شامل کیا۔

''میں تو آپ کو بھائی صاحب کہوں گی کیوں کہ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔'' روشن آرا نے اُن کی نقطہ ہی مٹا دیا۔

''ہاں بڑا بھائی!'' احمد شاہ نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

''بھابی کا بڑا بھائی بن کر مجھے خوشی ہوگی۔'' شہباز علی نے خوشی سے کہا۔ جواب میں روشن آرا دھیما سا مسکرائیں۔

گاڑی احمد شاہ کے وسیع وعریض بنگلے کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ احمد شاہ کے ہلکے سے ہارن پر بھی گارڈ نے الرٹ ہوکر گیٹ کے ساتھ بنے چھوٹے سے واچ روم کی کھڑکی سے منہ باہر نکال کر اور چوکیدار کو گیٹ کھولنے کی وِسل دی۔ چوکیدار نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا اور بڑھ کر سلام کیا، گاڑی رُکنے پر اندر سے ملازم دوڑتا ہوا آیا اور مؤدب ہوکر احمد شاہ کا دروازہ کھولا۔

''صادق یار! وہ انیکسی کو ٹھیک کروادو ہمارے مہمان رہیں گے۔''

گھر کا سیٹ اپ اِس قدر منظم تھا کہ کبھی کوئی کونہ کھدرا بھی صفائی کے بغیر نہ رہتا تھا۔ خالی انیکسی کی بھی روز صفائی ہوتی تھی، وہاں کے دونوں کمروں کی چادریں صوفوں کے کور ہفتے بعد بدل دیے جاتے تھے۔

''چلو یار! تمہاری بھابی کے ہاتھ کی گرما گرم چائے پیتے ہیں۔'' احمد شاہ نے شہباز علی کو اندر آنے کی دعوت دی۔ تب ہی گاڑی کا ہارن بجا اور گیٹ کھلنے کے ساتھ ہی ایک جیپ اندر داخل ہوئی۔ جیپ سے ولی اور طارق باہر نکل کر اُن کی جانب بڑھے تو روشن آرا بیگم یوں بے قرار ہوکر آگے بڑھیں، جیسے وہ سا روز بعد نہیں سات مہینوں بعد ولی سے مل رہی ہوں۔

''السلام علیکم!'' ولی اور طارق نے قریب آکر مشترکہ سلام کیا۔

''وعلیکم السلام، جیتے رہو۔'' روشن آرا بیگم نے باری باری دونوں کے سروں پر پیار دیا۔

''کیسی ہیں امّاں جان!'' ولی تو باقاعدہ اُن کے سینے سے جالگا تھا۔

''شکر الحمدللہ!'' روشن آرا بیگم نے پیار سے ولی کی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

''السلام علیکم!'' طارق نے باری باری احمد شاہ اور شہباز علی کو سلام کیا۔ شہباز علی تو جانے کس کیفیت میں تھے وہ طارق کو یک ٹک دیکھے چلے جارہے تھے۔ طارق نے چونک کر اُن کو دیکھا۔ (یہ صاحب مجھے کیوں گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں؟) طارق نے سوچا!

''ولی اِن سے ملو یہ میرے بہت اچھے دوست ہیں اور بہت قابل ڈاکٹر۔'' احمد شاہ نے ولی سے شہباز علی کا تعارف کروایا۔

''یار یہ میرا بیٹا عبدالولی ہے اور یہ اُس کا دوست طارق ہے۔'' احمد شاہ کے الفاظ مجسمہ بنے شہباز علی چونکا گئے، طارق کو دیکھتے ہی اُنھیں اُس کے چہرے میں کسی کی جھلک نظر آئی تھی۔ جسے وہ اپنا وہم سمجھ رہے تھے۔ لیکن اُس کا نام اُنھیں اپنی زندگی میں روشنی کی کرن لگا تھا۔

''آپ کا پورا نام کیا ہے بیٹے!'' شہباز علی نے اُس پر سے نگاہ ہٹائے بغیر پوچھا۔

''طارق علی!'' طارق نے جواب دیا۔ شہباز علی کا دِل دھڑکنا بھول گیا۔

''لگتا ہے ان کی کوئی بیٹی ہے، جس کے لیے تم اُنہیں پسند آگئے ہو، دیکھو تمہیں کیسے واری صدقے جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں!'' ولی نے طارق کے کان میں سرگوشی کی۔

''میں ان کو قربانی کا بکرا نظر آتا ہوں!'' طارق نے ولی کو خفگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا انکل میں چلتا ہوں، مجھے کچھ کام ہے۔'' طارق کو اب شہباز علی کی نگاہیں اُلجھن میں ڈال رہی تھیں۔

''ارے رکو بیٹے! چائے تو پی کر جاؤ۔''

''پھر کبھی آنٹی جان! مجھے بے حد ضروری کام سے کہیں پہنچنا ہے۔'' طارق نے کہہ کر اجازت لی۔

''اوکے ولی... اوکے انکل! پھر ملاقات ہوگی۔'' اللہ حافظ طارق کہہ کر جیپ کی جانب بڑھا۔

جیپ باہر نکل کر غائب ہوچکی تھی۔ روشن آرا بیگم اور ولی اندر جاچکے تھے لیکن شہباز علی وہیں ساکت کھڑے تھے۔ احمد شاہ کو وہ نارمل نہ لگ رہے تھے۔

''کیا بات ہے شہباز؟ پریشان لگ رہے ہو؟'' احمد شاہ نے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''چلو اندر چلتے ہیں، تم یہاں کیوں کھڑے ہوگئے؟'' احمد شاہ حیران ہوکر پوچھ رہے تھے۔

''یہ... یہ لڑکا؟'' شہباز علی نے احمد شاہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''کون؟ طارق! ہاں وہ ولی کا دوست ہے!'' احمد شاہ نے نہ سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ طارق علی ہے نا؟ اِس کے نانا کا نام راشد ملک ہے نا؟ شہباز علی کی آواز میں آس و نراش دونوں ہی تھیں۔

''راشد ملک؟'' احمد شاہ نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''شاید! یہ نام میں نے سن رکھا ہے لیکن کنفرم کیے بغیر میں کچھ بتا نہیں سکتا، لیکن یار! تم کیوں اتنی تفصیل سے پوچھ رہے ہو؟'' احمد شاہ نے پوچھا۔

''کیوں کہ میرا دل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ ہی میرا لختِ جگر ہے۔'' شدّت جذبات سے شہباز علی کی آواز بھاری ہوگئی۔

''تو کیا... یہ بچہ...! تمہارا ہے؟'' احمد شاہ نے گیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''احمد شاہ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ ہی میرا کھویا ہوا لال ہے، دُعا کرو اِس مسافر کو اب اُس کی منزل مل جائے، ایک باپ کی تڑپ کیا ہوتی ہے، تم سے بہتر کون جان سکتا ہے، تم بھی تو ایک باپ ہی ہو احمد شاہ پلیز میرے لیے دُعا کرو میں نگری نگری گھوما ایک تھکا ہوا انسان ہوں۔'' شہباز علی نے کہا۔

''اُس سب سے بڑی ذات پر یقین رکھو شہباز علی وہ تمہیں تمہارے اپنوں سے ضرور ملوائے گا۔'' احمد شاہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ!'' شہباز علی کی آنکھوں کے سامنے چھ فٹ اونچا مضبوط کاٹھی والا وہ سراپا لہرایا، جس کی آنکھیں بالکل سارہ جیسی تھیں۔ سارہ! جو اُن کی زندگی تھی اور اُن کی زندگی ایک سفاک دِل والی عورت کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سازش کا شکار ہوگئی تھی۔ نیلوفر! میں تمہیں کبھی معاف نہ کروں گا!'' انہوں نے اپنے دل کے اندر ا ہوئے لاوے کو بہ مشکل دباتے ہوئے کہا، کچھ لوگ بھی تو گرم لاوے کی طرح ہی ہوتے ہیں، جو ہر جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔

❖❖○❖❖

''بی بی جی! ایک بات کہوں آپ سے؟'' بشیراں نے زلیخا بی بی کے پاؤں دباتے ہوئے کہا۔

''ہوں!'' زلیخاں بی بی آج کل بے حد چپ چاپ اور نڈھال رہتی تھیں۔ سدرہ بی بی اور مریم کی جوانی اُن کو گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔ دِن رات وہ بیٹیوں کو غور سے دیکھتی رہتی تھیں۔ ا میں تو ہر لڑکی کے خوابوں کی ایک دنیا ہوتی ہے اور اس دنیا میں وہ کبھی اکیلی نہیں ہوتی بلکہ ایک ساتھی ہے وہ ہی اُس کے خوابوں کا مرکز ہوتا ہے۔

''کیا میری بیٹیوں کا حق نہیں ہے کہ اُن کو بھی جیون ساتھی ملے؟''

''آہ!'' وہ آہ بھر کر رہ جاتیں، اِس معاملے میں اُن کو ذرا بھر صبر نہ آتا تھا۔ اب بھی کچھ دیر پہلے بی بی نہا کر بال سکھا کر اُن کے پاس بیٹھ کر گئی تھی ہر چیز اللہ نے اُسے نوازی تھی۔ موہنی سی شکل وصور قد کاٹھ بے حد دل کش پھر... پھر یہ محرومی کیوں تھی؟ اس سوچ نے اُن کی ساری توانائی چھین لی تھی بے حد نڈھال ہو کر لیٹ گئیں۔

''بی بی جی! وہ نہر پار پیر سائیں کا مزار ہے! آج تک وہاں جس نے جو مانگا ہے، پیر سائیں سفارش قبول ہوتی ہے اور بندے کی مُراد پوری ہو جاتی ہے۔

پیر سائیں اللہ کے بڑے اچھے بندے ہیں اُن سے جس دُعا کی سفارش کرواؤ قبول ہوتی ہے۔ ا وہاں منت کا دیا جلاتے ہیں آپ بھی بڑی بی بی اور چھوٹی بی بی کو لے کر وہاں منت کا دیا جلاؤ، سائیں ہماری بیبیوں کے لیے اچھے جوان سر کا سایہ دے گا۔'' بشیراں نے تیز تیز بولتے ہوئے کہا۔

زلیخا بی بی بے حد دل گرفتہ بیٹھی تھیں۔ بشیراں عام حالات میں یہ بات کرتی تو وہ شاید اُسے ڈانٹ چپ کروا دیتیں لیکن اس وقت اُن کو بشیراں کی یہ بات ڈوبتے کو تنکے کا سہارا لگی تھی۔ وہ آس جو دھیر دھیرے مرتی جا رہی تھی، جس سے اُن کے اندر زندگی کی رمق ختم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اچانک زندہ ہو کی امید جاگی تھی۔

''شاید ہو سکتا ہے کہ منت مانگ لوں تو کوئی معجزہ ہی ہو جائے!'' یہ سوچ اُن کے بے جان وجود پھر سے توانائی لے آئی تھی۔

''بشیراں! صادق محمد سے کہو کہ گاڑی تیار کرے بیبیوں کو درگاہ جانا ہے۔'' زلیخا بی بی نے فوراً ا ہوئے بشیراں کو حکم دیا۔

''لمّاں جان! آپ بھی کس کی باتوں میں آ رہی ہیں۔'' سدرہ بی بی، زلیخا بی بی کی بات سُن کر م چلی گئی۔ یہ الگ بات تھی کہ اُس کی ہنسی میں ٹوٹے کانچ کا درد شامل تھا۔

''بس تم دونوں میرے ساتھ چل رہی ہو، میں ظہر کی نماز پڑھ کر آ رہی ہوں تم دونوں تیار رہنا۔'' بی بی اُن کو حکم دیتی باہر نکل گئیں۔

''ہونہہ! منت کا دیا! اب اِن اندھیروں میں کوئی بھی منت کا دیا کیا روشنی کرے گا۔'' سدرہ بی بی نے کمر سے نیچے جاتے بالوں کو پراندے میں ڈال کر جھٹکتے ہوئے سوچا۔

''لمّاں تم ہمارے اندھیروں میں روشنی کہاں سے لاؤ گی؟''

❖❖○❖❖

''اللہ کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے۔'' نفیسہ نے خوشی سے بادلوں سے گھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''خاک اچھا موسم ہے، ساری دُھول مٹی آنکھوں میں گھسی چلی آ رہی ہے۔'' فیصل نے تیز ہوا سے ال ہوتے ہوئے کہا۔

''ویرے! تم ولایت میں جا کر کچھ زیادہ نازک نہیں بن گئے! تمہیں اگر یاد ہو تو اِسی دھول مٹی اور اِن کے تم کس قدر دیوانے تھے۔ وہاں جا کر انگریزوں کی طرح نخریلے ہو گئے ہو۔'' نفیسہ نے کچی پگڈنڈی پر تیز تیز چلتے ہوئے کہا۔ جواب میں فیصل دھیرے سے مسکرا دیا۔

''کبھی انسان اپنی جڑوں سے الگ ہو کر جی پایا ہے؟ مجھے ہمیشہ سے خیال رہا ہے کہ مجھے اپنے وطن، گاؤں واپس جانا ہے، مجھے اپنا گاؤں اِس کا ماحول اور اپنے لوگ ہر جگہ سے عزیز ہیں۔ ہاں تمہاری بات کچھ درست ہے کہ باہر رہ کر میں اِن موسموں کا کم عادی نہیں رہا لیکن بہنا! کچھ روز میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' فیصل نے خوش دلی سے اپنے گھنے اُڑتے بالوں کو ماتھے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''ویرے! اب تو تم بڑے ڈاکٹر بن گئے ہو، تم پھر شہر چلے جاؤ گے اور ہم ہمیشہ کی طرح تمہاری شکل دیکھنے کو ترستے رہ جائیں گے۔'' نفیسہ نے رُک کر فکر مندی سے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ میری چھوٹی سی چھوٹے دِل والی بہنا! میں نے اگر جانا ہوتا تو واپس ہی کیوں آتا؟ میں انشاء اللہ یہاں اپنے گاؤں میں چھوٹا سا ہسپتال بناؤں گا، مجھ پر اِس مٹی کا اِس زمین کا بے حد قرض ہے جو مجھے یہاں کے لوگوں کی خدمت کر کے اتارنا ہے۔'' فیصل کی یقین دہانی نے نفیسہ کے سب وسوسوں کو بھاپ کی طرح اُڑا دیا۔

''اچھا تم یہ بتاؤ کہ یہ لمّاں کن عقیدوں کو پامال کر بیٹھی ہیں، ہر جمعرات کو تم لوگ درگاہ پر دیا جلانے جاتے ہو یہ سب کیا ہے؟ دنیا چاند پر پہنچ گئی اور ایک یہ ہمارے لوگ ہیں جو کنویں کے مینڈک بنے بیٹھے ہیں۔'' آج ماسی صابراں کی طبیعت خراب تھی، اِس لیے انہوں نے فیصل کو زبردستی نفیسہ کے ساتھ درگاہ پر بھیجا تھا وہ ہر جمعرات کو درگاہ پر حاضری ضرور دیتی تھیں۔

''یہ سب کچھ آپ لمّاں سے کہنا، بہرحال مجھے پہلے رانی کو لینے اُس کے گھر جانا ہے وہ بھی درگاہ جانے کے لیے میرے انتظار میں بیٹھی ہو گی۔''

''مائی گاڈ! کیا یہاں کی ساری عورتیں اتنے ہی کم زور عقیدے کی ہیں!'' فیصل نے واقعی پریشان ہو کر پوچھا۔

''مجھے نہیں پتا! آپ بہت مشکل باتیں کرنے لگے ہو۔'' نفیسہ نے فیصل کی بے زاری دیکھ کر موضوع بدل دیا۔

رانی اپنے گھر کے دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ فیصل کو دیکھ کر اُس کی سانولی رنگت میں سُرخی

جھلک پڑی، بار بار انگلیوں پر چادر کا کونا لپیٹنا اس کے اندر کے اضطراب کو واضح کر رہا تھا۔

''یہ فیصل آج یہاں کیسے؟'' رانی نے نفیسہ سے ملتے ہوئے ہلکی سی سرگوشی میں پوچھا۔

''تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگ رہا تو تم دونوں اکیلی چلی جاؤ۔'' فیصل درگاہ جانا نہ چاہ رہا تھا چھڑا کر نکلنا چاہتا تھا۔

''ارے! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' رانی نے گھبراتے ہوئے کہا۔

''چلیں چلتے ہیں... موسم تو آگے ہی خراب ہو رہا ہے۔'' رانی نے فوراً ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

ہَوا میں بے حد تیزی آ گئی تھی۔ فیصل منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ ابھی انہوں نے نہر کا پُل ہی کیا تھا کہ بارش زوروں کی شروع ہو گئی ساتھ ہی بادلوں نے سورج کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ اُجالا رات کے اندھیرے میں بدل گیا۔ رانی نے ڈر کر نفیسہ کا بازو زور سے پکڑ لیا۔

''اب جلدی چلو!'' فیصل پھاڑ کھانے کو دوڑا تھا۔

جب وہ درگاہ پہنچے تو اچھے خاصے بھیگ چکے تھے۔ نفیسہ اور رانی عورتوں کے حصے کی جانب بڑھ گ جس کو چھوؤں سے الگ کیا گیا تھا۔ فیصل مردانے میں آ گیا، پھر جانے اُسے کیا سوجھی وہ برآمدے سیڑھیوں میں آ کر بیٹھ گیا۔ بارش کا رُخ دوسری جانب تھا۔ اُس پر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی جو اتنی گر کے بعد بہت بھلی لگ رہی تھی۔ سامنے بوڑھا برگد ہَوا سے اِدھر اُدھر جھوم رہا تھا اور اُس کے نیچے کا سائیں لوک پیروں میں گھنگھروں باندھے اُس سے زیادہ تیز جھوم رہا تھا۔ ہَوا اُس کے لمبے چولے گُرتے میں بھر کر اُسے غبارہ سا بنا گئی تھی لیکن وہ اِن سب سے بے خبر اپنے دائرے میں گھومنے میں م تھا۔ اُسی پَل درگاہ میں چار خواتین بھاگتی ہوئی برآمدے کی طرف آئیں، ہَوا اُن کے کپڑوں اور چادرو سے چھیڑ خانی کر رہی تھی۔ اُوپر سے تیز بارش جو آنکھوں میں گھسی چلی جا رہی تھی۔ سیڑھیوں سے پہلے کا فرش کچا تھا۔ پاؤں زمین میں دھنستے تھے۔ بس سیڑھیاں اور اندر سے درگاہ پکی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی فیصل نے لاشعوری طور پر اُن کو دیکھا، دو نے چہرے چادروں میں چھپائے ہوئے تھے جبکہ دو کھلے تھیں۔

''ہائے اللہ! میرے پاؤں گندے ہو گئے!'' بے حد سُریلی اور نخریلی آواز برآمدے کی سیڑھیوں پاس آ کر اُبھری۔

''بشیراں سامنے کنویں سے تھوڑا پانی لا کر بی بی کے پاؤں دُھلا دو۔'' ایک باوقار آواز نے کھلے والی عورت سے کہا۔ وہ یقیناً اُن کی ملازمہ تھی۔

''بی بی آپ چھوٹی بی بی کو لے کر زنانے میں جاؤ، میں سدرہ بی بی کے پاؤں دھلا کر لاتی ہوں'' بشیراں نے کہا۔

''ٹھیک ہے جلدی آنا!'' وہ بھی شاید بارش کی تیزی سے گھبرا کر اندر چلی گئیں کیوں کہ ہَوا اپنے کو بدل کر اب بارش کا پانی برآمدے میں پھینک رہی تھی۔

''بی بی آپ ذرا اِدھر ستون کے پیچھے ہو جاؤ، بارش سیدھی آپ پر پڑ رہی ہے۔'' بشیراں نے کہا۔

''اب خیال آ رہا ہے ہماری پریشانی کا، تب نہ آیا جب امّاں جان کو اُلٹی سیدھی پٹیاں پڑھا کر ا

لے کر آئیں، اب جاؤ پانی لاؤ، میرے سارے پاؤں گندے ہو گئے ہیں۔'' سدرہ کی سریلی آواز فیصل کو متوجہ کر لیا تھا۔

بشیراں ڈانٹ کھا کر باہر بھاگی، سدرہ اور مریم کو سید نوازش علی نے اس قدر پیار اور نازوں سے پالا کہ انہوں نے کبھی ننگا پاؤں زمین پر نہ رکھا تھا۔ سدرہ تو زیادہ نازک اندام تھی۔ کبوتر کی طرح پاؤں ذرا جو گندے ہو جاتے تو وہ بے چین ہو جاتی تھی۔

فیصل نے دل چسپی سے اِس بھیگی لڑکی کو دیکھا، جو گاؤں میں رہ کے مٹی سے گھبراتی تھی۔

فیصل ایک دَم مسکرا دیا، وہ خود بھی تو گارے مٹی سے گھبرا جاتا تھا۔ سدرہ کی نظر اپنی جانب تکتے فیصل پر پڑی، اُس کا دل بے حد تیزی سے دھڑکا۔ وہ گاؤں کے جوانوں سے بے حد مختلف تھا۔ اُس کا حلیہ پھر بے حد خوب رو بھی تھا۔ زندگی میں پہلی بار کوئی مرد یوں اکیلے میں اُس کے قریب بیٹھا تھا۔ نہ صرف بیٹھا بلکہ اُس کا بھرپور جائزہ بھی لے رہا تھا۔ سدرہ نے بے چینی سے رُخ بدل لیا لیکن ہَوا کو اُس کی یہ ادا پسند نہ آئی وہ شرارت سے اُس کے کپڑوں میں گھسی چلی آ رہی تھی۔ سدرہ نے بے اختیار قمیص کے دامن پر ہاتھ رکھے لیکن جس ہاتھ سے وہ چادر سے منہ چھپائے کھڑی تھی وہ چھوٹنے سے اُس کا چہرہ ایک دم کھل گیا، چادر پھڑ پھڑا کر فیصل کے منہ پر آئی۔ فیصل کو ایک دَم موتیے کی خوشبو نے آ گھیرا۔

''موتیا!'' اُس نے پکارا، ساتھ ہی چہرے سے چادر ہٹا کر اُسے دیکھا اور پھر ایک دَم مبہوت رہ گیا۔ دراز قد، دراز بالوں کے ساتھ سامنے بے حد خوب صورت آنکھوں والی ڈری سہمی لڑکی کھڑی تھی۔

''کچھ پَل جادو اثر ہوتے ہیں، اپنا کام دکھا جاتے ہیں۔'' اور اِس پَل نے دونوں کے دلوں پر سحر کر دیا تھا۔ فیصل بے خود اُسے دیکھتا ہاتھ میں چادر کا کونا تھامے اُس کی جانب بڑھا۔

''یہ لیں۔'' اُس نے آگے بڑھ کر چادر اُسے تھمائی، جو بالکل بے جان ہو کر رہ گئی تھی۔

سدرہ کے ہاتھ اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ اُس نے بے جان ہوتے وجود کے ساتھ چادر کو پھر سے اوڑھ لیا۔ فیصل کو یوں لگا کہ چاند پھر سے بادلوں میں چھپ گیا ہو، سدرہ کانپتی ٹانگوں کے ساتھ ستون کی اوٹ میں ہو گئی۔

فیصل اِس قدر بے خود تھا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے ہٹ نہ سکا بلکہ کچھ فاصلے پر بنی سیڑھیوں پر دوبارہ بیٹھ گیا اِس بات سے بے خبر کہ وہ بارش میں بُری طرح بھیگ رہا تھا۔

''لو بی بی! پانی! پاؤں دھولو۔'' بشیراں ہانپتی ہوئی پانی کی مٹکی اُٹھائے اس کے پاس پہنچی۔

سدرہ نے اپنے پاؤں جوتی سے نِکال کر سامنے کر کے شلوار کا پائنچہ اونچا کر دیا۔ بشیراں نے جلدی پانی سے اُس کے پاؤں دھوئے پھر جوتی دھو کر اُس کے پیروں میں پہنا دی۔ سدرہ کے پاؤں کی نرم گلابی ایڑی دیکھ کر فیصل کے دل میں بے اختیار خیال آیا کہ اِن پیروں میں پازیب کس قدر اچھی لگے گی۔

سدرہ نے چور نگاہوں سے فیصل کی جانب دیکھا۔ وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سدرہ سے اپنے دل کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا، جو عجیب طرح سے دھڑک رہا تھا۔

''چلو بی بی چلیں!'' بشیراں نے اُسے بلا کر چونکا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آ... ہاں چلو۔" وہ اندر کی جانب بڑھیں، فیصل نے اُسے بے چینی سے واپس جاتے دیکھا۔ سدرہ نے بھی اُسی پل مُڑ کر اُسے دیکھا۔

"موتیا!" وہ دھیرے سے پکارا۔

"ہوں!" سدرہ نے بے اختیار پھر پلٹ کر دیکھا۔

"موتیا!" فیصل پھر بولا، وہ شاید اُس کا نام پوچھ رہا تھا۔

"سدرہ بی بی جلدی چلو!" بشیراں جو آگے بڑھ چکی تھی زور سے بولی، بارش نے بے چاری کا حال کردیا تھا۔ اُسے اندر جانے کی جلدی تھی۔

"نہیں سدرہ!" سدرہ کو جانے کیا ہوا وہ رُک کر بولی۔

"نہیں! موتیا ہو تم!" فیصل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سدرہ گھبرا کر اندر بھاگی لیکن فیصل کو لگا کہ جو چیز اتنے سالوں سے اُس کے دائیں جانب دھڑک کر دل کا احساس دلاتی تھی۔ وہ اب لگتا تھا کہ وہاں نہیں ہے۔ وہ چُپ چاپ کھڑا ابھی تک وہیں دیکھ رہا تھا جہاں سے سدرہ اندر گئی تھی۔

"آگ کے قریب گھی رکھو اور کہو کہ گھی پگھلے گا نہیں!

آگ کے نزدیک پیٹرول رکھ دو اور کہو کہ پیٹرول آگ پکڑے گا نہیں!

بارش میں کسی کو دھکیل دو اور کہو کہ یہ بھیگے گا نہیں!

کسی کے زور سے چاقو گھونپو اور کہو کہ خون نکلے گا نہیں!" فیصل نے مُڑ کر دیکھا، یہ سائیں لوک تھا، اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے بابا؟" فیصل نے برآمدے کے اندر جاتے ہوئے پوچھا، بابا نے اپنا ایک پاؤں زور سے زمین پر مارا۔ گھنگھروؤں کی چھن چھن کی آواز دُور تک گئی۔

"محبت! یہ سب محبت کا کھیل ہے، یہ محبت کی جگہ ہے یہاں کا سے بھی محبت کے گرد بھاگتا ہے کوئی اپنی خواہشوں کی محبت کا دیا جلاتا ہے اور کوئی اپنے دِل کا دیا جلاتا ہے ہر کوئی اپنی اپنی چاہ کو پانے کو یہاں آتا ہے!" سائیں لوک نے ہنستے ہوئے کہا۔

دھن دئے جی راکھیے جی رے رکھیے لاج
جیو لاج دھن دیجیے اِک پربت کے کاج
پربت کرے ایسی کرے جیسے راسی ڈور
گلا پھنساوے اپنا لاوے پڑ جھکور

(محبت کا سبق ڈول اور رسی سے سیکھو، ڈول گلے میں پھندا ڈال کر پانی لاتا ہے)

فیصل کے دل پر سائیں لوک کی باتیں جادو کی طرح اثر کر رہی تھیں۔

"محبت بہت قیمتی شے ہے پُتر!" سائیں لوک نے اُس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ ہوئے کہا۔

"جان، عزت اور دولت دے کر بھی ملے تو لے لو۔ محبت وہ نہیں ہوتی کبھی ہو جائے، کبھی سو جائے۔ محبت تو وہ ہے جو روم روم میں بس جائے۔ محبت کی نشانی تو یہ ہے کہ جو پریم رس پی لیتا ہے وہ خوشی خوشی سر دے دیتا ہے۔" سائیں لوک نے کہہ کر اپنا ڈنڈا اُٹھا کر جھومنا شروع کر دیا۔ فیصل کتنی ہی دیر اُس کا انتظار کرتا رہا کہ وہ کچھ کہے، لیکن سائیں لوک پھر سے بے نیاز اور مگن ہو چکا تھا۔ اُس کے پاؤں اِک عجیب سی لے میں اُٹھ کر زمین پر آ رہے تھے۔ وہاں نہ ساز تھا نہ آواز لیکن یوں لگ رہا تھا کہ وہ کسی خاص دُھن پر ناچ رہا ہے اور یہ دُھن صرف اُسے ہی سنائی دے رہی تھی۔

"جو پریم کا رس پی لیتا ہے وہ خوشی خوشی سر دے دیتا ہے!" فیصل کے گرد جیسے سائیں لوک کے لفظ ناچنے لگے تھے۔

"کیا مجھے محبت ہو گئی ہے؟" فیصل نے بے اختیار سوچا، ساتھ ہی دو بھوری آنکھیں اُس کے ذہن کے پردے پر اُبھریں۔

موتیا! وہ مسکراتا ہوا اندر چلا گیا، جہاں رانی اور نفیسہ اُس کے انتظار میں کھڑی تھیں۔

❖❖○❖❖

"ماشاء اللہ! ماشاء اللہ! میری دھی رانی آئی ہے!" زلیخا بی بی آگے بڑھ کر عائشہ سے ملیں۔

"السلام علیکم!" عائشہ نے آگے بڑھ کر اُنھیں سلام کیا اور سر جھکا کر اُن سے پیار لیا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو، اللہ سائیں تمہیں ہمیشہ خوش رکھے آباد رکھے۔" زلیخا بی بی نے دل سے اُسے دُعائیں دیں۔

"تمہارے بابا کی طبیعت کیسی ہے؟" زلیخا بی بی نے عائشہ سے پوچھا، جس کے صبیح چہرے پر اُداسی نے ڈیرا ڈال دیا تھا۔

"وہ ٹھیک نہیں ہیں، مجھے وہ صحیح طرح سے کچھ نہیں بتاتے لیکن جس طرح اُن کی صحت گر رہی ہے اِس سے صاف لگتا ہے کہ معاملہ بہتری کی جانب نہیں ہے۔ تائی جان میرا دل بے حد گھبراتا ہے میں نے تو ماں بھی نہیں دیکھی، میری زندگی کا قیمتی ترین اثاثہ میرے بابا ہیں۔ اللہ اُن کو صحت تندرستی لمبی زندگی دیں۔" عائشہ کے لفظ لفظ میں باپ کے لیے محبت جھلک رہی تھی۔

"ربّ سائیں سے دُعا کرو، دُعا تقدیر بدلتی ہے، یہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے، اللہ تمہارے باپ کو لمبی حیاتی دے۔ وہ تیری اور تیرے بچوں کی خوشیاں اُسے دیکھنا نصیب کرے، تُو دِل نہ تھوڑا کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" زلیخا بی بی نے اُسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

عائشہ کے اندر تک سکون اُتر آیا۔ ماں کا لمس اور اُس کی آغوش کی خوشبو کیسی ہوتی ہے، یہ وہ نہ جانتی تھی لیکن زلیخا بی بی کے سینے سے ممتا بھری خوشبو نے اُسے ایک دَم پُرسکون کر دیا تھا۔ اُسے اپنے بابا کا فیصلہ ایک دَم بہت اچھا لگا، زلیخا بی بی جیسی پیار کرنے والی، خیال کرنے والی ساس واقعی کسی بھی لڑکی کی خوش قسمتی ہی ہو سکتی تھی۔

"امّاں جان کدھر ہیں بشیراں؟" سید سرفراز علی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا، سامنے ہی عائشہ بیٹھی تھی اُس نے گھبرا کر منہ موڑ لیا۔

"شاید یہ سید عبداللہ ہے!" اس سوچ نے اُس کی نگاہ زمین میں گاڑ دی۔

"السلام علیکم بڑی امّاں!" سید سرفراز کی نگاہ عائشہ پر تھی لیکن سلام وہ زلیخا بی بی کو کر رہا تھا۔

''وعلیکم السلام! جیتے رہو۔'' زلیخا بی بی نے جواب دیا۔

''کون ہے یہ اپسرا؟'' سید سرفراز کی کم زوری خوب صورتی اور عورت تھی اور یہ لڑکی تو بالکل الگ سی تھی۔ حالاں کہ کچھ عرصے سے وہ زبیدہ کے متعلق سوچتا تھا کہ وہ بالکل الگ سی لڑکی ہے۔

''بڑی لتاں مہمان کدھر سے آئے ہیں؟'' سید سرفراز کی بے باکی اکثر زلیخا بی بی کو چبھتی تھی۔ لیکن اِس وقت وہ عائشہ کی وجہ سے بے حد خوش گوار موڈ میں تھیں۔

''آجاؤ سرفراز! اپنی بھرجائی کو سلام کرو، یہ عبداللہ کی منگ ہے۔'' یہ سن کر عائشہ کے تنے ہوئے اعصاب پرسکون ہوگئے۔

''بھائی صاحب کی منگ میری بھرجائی؟'' سید سرفراز نے چونکتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ منگنی کب ہوئی کہ مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔'' سرفراز کو اپنی لاعلمی پر واقعی دُکھ ہوا تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ سید سرفراز یہ خبر سُن کر بے حد بے چین ہوگیا۔

''السلام علیکم! کیا نام ہے آپ کا؟'' سید سرفراز نے سامنے آتے ہوئے پوچھا اور دل کا ملال بے حد بڑھ گیا۔ ہر اچھی اور نایاب چیز بھائی عبداللہ کے حصّے میں ہی کیوں آتی ہے۔ وہ بِنا نظر ہٹائے اسے دیکھے گیا۔ عائشہ ایک لڑکی تھی اور لڑکی مرد کی ہر نگاہ پہچانتی ہے، یہ راڈار تو اللہ نے ہمیشہ سے اُس کے اندر رکھا ہے۔

عائشہ نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن اُس کے دِل پر ناگواری سی چھا گئی تھی۔ اکلوتا دیور وہ بھی نظر کا بُرا...!

اُس کا دل بے حد بُرا ہوا تھا۔

❖❖○❖❖

گزر رہی ہے زندگی
نہ آس ہے نہ بے خودی
نہ بے قراریاں ہیں اب
نہ جستجو کوئی رہی
کہاں پہ ہوں میں کیا پتا
میں چل رہی ہوں بس یوں ہی
نہ جانے کس خیال میں
یہ اشک بھی ہیں تھم گئے
اور دل میں اِک سوال ہے
بس اتنا مجھ کو یاد ہے
میں تھک گئی ہوں بے سبب
نہ جانے کیسے کس گھڑی میں
مر گئی ہوں بے سبب

ال بے شک بہت سارا گزر گیا تھا لیکن وہ کچھ پلوں میں قید ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ بے رحم عمل! جو اُن رگی کا رُخ بدل گئے تھے جو کسی آسیب کی طرح اُن کی خوشیوں سے چمٹ گئے تھے۔ اب اِس کی میں کوئی روشنی نہ تھی بس اِس آسیب کا سایہ ہی رہ گیا تھا۔ زخموں کو اگر پالا جائے تو وہ ناسور بن کر اروگ بن جاتے ہیں۔

ات کا جانے کون سا پہر تھا، وہ یوں ہی بے چین پھر رہی تھیں۔ اتنے ٹھنڈے موسم میں بِنا کوئی گرم الیے وہ برف ہوتے اعصاب کے ساتھ کھڑکی میں کھڑی تھیں۔ چاند پورا تھا اُس کی روشنی میں بھوتوں کی طرح لگ رہے تھے۔ انہوں نے جھرجھری لی، اچانک ہی سارے درخت ایک ہی کی شکل اختیار کر گئے تھے وہ شکل جو اُنھیں کبھی نہ بھولتی تھی، جس کی وجہ سے اُن کو اپنا آپ بے حد لگنے لگتا تھا۔ دھیرے دھیرے اُس چہرے نے اُن کی جانب آنکھیں گاڑ کر قہقہے لگانے شروع یے۔ زبیدہ بیگم نے ایک بڑی سی چیخ ماری اور لہرا کر گر گئیں۔

''زبیدہ!'' قاسم علوی آدھے سوئے جاگے اُن کی جانب بڑھے۔

''چھوڑ دو! چھوڑ دو! مجھے چھوڑ دو...!'' وہ بے ہوشی میں مسلسل کسی سے لڑ رہی تھیں۔

''میں نے تو تم سے سچی محبت کی تھی! تم... تم میرے ساتھ دھوکا کیسے کر سکتے ہو؟'' یہ وہ سوال تھا، جو سالوں سے یوں ہی دہرا رہی تھیں۔ قاسم صاحب نے گہرا سانس کھینچا!

''زبیدہ بس کر دو اِس سوال کو خود سے پوچھنا! اِس سوال کے چکروں میں تم ہم سے بہت دُور ہو چکی ہو ان دیواروں کے باہر تم کو کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا، پلیز واپس آجاؤ!'' انہوں نے زبیدہ بیگم کے دھان وجود کو اُٹھا کر بیڈ پر لٹاتے ہوئے کہا۔

''بہت سارا وقت گزر گیا ہے، دیکھو زندگی کے بے حد قیمتی سال تمہارے اِس پچھتاوے میں گزر گئے اب میں تھکنے لگا ہوں، جوانی ختم ہو چکی ہے بڑھاپا آنے کو تیار کھڑا ہے، کیا تم اب بھی واپس نہ آؤ گی؟'' زبیدہ بیگم سے بے حد خاموش محبت کرنے والے قاسم علوی آج اپنے شکوے کو آواز دے گئے تھے۔ ساری زندگی دھوپ کی طرح گزری تھی۔ کچھ عرصے سے اُن کو شدید طلب ہونے لگی تھی کہ چھاؤں کا سایہ ملے اور وہ بھی دو گھڑی آرام کر لیں۔

''کاش تم لوٹ آؤ!'' انہوں نے دُکھتے سر کے ساتھ آنکھیں بند کرتے ہوئے دُہرایا، اُن کے جسم کا ایک حصّہ دُکھنے لگا تھا۔ روح اور جسم کی طلب نے اُن کو جب بے حال کر دیا تو انہوں نے کروٹ لے کر زبیدہ بیگم کو دیکھا۔

''زبیدہ تم کو جلد واپس ہونا ہوگا، زندگی کی یہ دھوپ اب ناقابلِ برداشت ہوگئی ہے، میں تھکنے لگا ہوں!'' ایک گہرا سانس اُن کے سلگتے وجود سے نکلا جب کہ زبیدہ بیگم خود سے بیگانہ اُن سے بیگانہ ہوش و حواس سے دُور گہری غنودگی میں چلی گئی تھیں۔

❖❖○❖❖

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا، اب اس کا حال بتائیں کیا
کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں، پھر سچا شعر سنائیں کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ہجر جو ہم کو لاحق ہے' تادیر اِسے دہرائیں کیا
وہ زہر جو دِل میں اُتار لیا، پھر اِس کے ناز اُٹھائیں کیا

''مائی گاڈ! یہ ترنم تو چھپی رستم نکلی! اِس کی آواز میں کس قدر سوز ہے، کس قدر سحر ہے۔'' پارو
کہا۔ نیو ایئر پارٹی کی تیاریاں ہو رہی تھیں جب ترنم نے ہال میں قدم رکھا تو مونا وہاں شوقیہ بیٹھی سا
گانا سُنا رہی تھی بلکہ سب ہی باری باری کچھ نہ کچھ سُنا رہے تھے۔ ترنم کی باری آنے پر وہ وہاں سے
چاہ رہی تھی لیکن ماہ رخ نے اُسے زبردستی روک لیا اور گانے پر مجبور کیا۔
اب وہ جس خوب صورت آواز سے غزل سُنا رہی تھی۔ سب لڑکیوں کے لیے حیران کن تھا۔

اِک آگ غم تنہائی کی' جو سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو' پھر دامنِ دل کو بچائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا...!
دو آنسو موتیوں کی طرح اُس کی خوب صورت آنکھوں سے ٹپکے، ترنم نے آنکھیں ایک دَم کا
دلی کا مسکراتا ہوا چہرہ اُس کے سامنے تھا۔ اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔
واؤ! ونس مور... ونس مور! سب لڑکیوں نے کورس میں اصرار شروع کر دیا تھا۔ ترنم کا دِل کانوں م
دھڑکنے لگا۔

''یا اللہ! مجھے محبت کی اس دلدل سے بچا!'' ترنم نے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھے۔
''ونس مور... ونس مور۔'' لڑکیوں نے تالیاں بجا بجا کر شور مچایا۔
''نہیں... نہیں! وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر ہال سے باہر بھاگی۔ دروازے پر وہ میڈم راگنی سے ٹکرا
ٹکراتی بچی۔
''سوری میڈم!'' وہ اپنے آپ پر قابو پا کر بولی۔ اُس کی آواز ابھی تک رندھی ہوئی تھی۔
''اِٹس اوکے! بٹ آر یو آل رائٹ؟'' میڈم راگنی نے اُس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھتے ہو
پوچھا۔
''یس۔'' وہ گھبرا کر وہاں سے نکلی اور تقریباً بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔
''یہ ابھی کون گا رہا تھا۔'' میڈم راگنی نے ہال میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔
''ہم سب ہی کچھ نہ کچھ گا رہے تھے میڈم!'' پارو نے ہنستے ہوئے کہا۔
''نہیں! میں ابھی کی بات کر رہی ہوں، یہ غزل کون گا رہا تھا۔'' میڈم راگنی نے وہاں ایک لڑکی
خالی کی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
''وہ... وہ تو اپنی ترنم تھی۔'' ماہ رخ نے کہا۔
''اِس لڑکی ترنم کی آواز میں تو واقعی بہت ترنم ہے۔ میں حیران ہوں کہ چاندنی لڑکیوں کا در
استعمال نہیں کرتی رہی۔ ہر ہیرے کی الگ الگ چمک ہوتی ہے یہ جوہری پر منحصر ہوتا ہے کہ کس ہیر۔
کس طرح تراش کر اُس کی چمک اور شکل کو سامنے لاتا ہے۔ ہمارے ہاں شاعرانہ مزاج رکھنے والی
نازک لڑکیاں بیوروکریسی میں خاص مقام رکھتی ہیں۔ پڑھے لکھے ماحول میں ایسی لڑکیاں بے حد

ملا ہیں۔ ماہ رخ تم اُسے میرے پاس بھیجو! آج کل ایک آفیسر بہت مشکل ثابت ہو رہا ہے اُسے
اما نے کے لیے بہت خاص طرح کی لڑکی چاہیے، میرا خیال ہے ترنم ہی وہ رائیٹ گرل ہے!'' میڈم
راگنی نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے ہوئے کہا۔
''ماہ رخ وہ تمہاری دوست ہے نا!'' اچانک ہی میڈم راگنی نے اُس سے سوال کیا۔
''جی...!'' ماہ رخ اندر سے کچھ گھبرائی۔
''راز کے معاملے میں اِس لڑکی کا پیٹ کیسا ہے؟'' میڈم راگنی نے پُر سوچ انداز میں پوچھا۔
''اوہ!'' ماہی نے پُرسکون ہوتے ہوئے گہرا سانس لیا۔
''بہت گہری ہے میڈم! مشکل کام بھی کر لیتی ہے۔'' ماہ رُخ نے گارنٹی دی۔
''اِس کا مطلب ہے میں ایک بہت اہم پروجیکٹ کا کام اِس سے لے سکتی ہوں۔'' میڈم راگنی کے
چہرے پر نہایت شاطر مسکراہٹ تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''منشی میں نے تم کو لڑکی لانے کو کہا تھا!'' سید سرفراز اِس وقت نشے میں دُھت تھا۔ اُسے لذت کے عروج پر دوہرے نشے کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ نشہ وہ عورت کے وجود سے حاصل کرتا تھا۔ چاہے اس کے لیے کسی غریب مزارے کی عزت ہی کیوں نہ داؤ پر لگتی۔

''وہ.... وہ سائیں!'' منشی نے تھوک سے حلق تر کرتے ہوتے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

''کیا... ؟'' سید سرفراز زور سے دھاڑا۔

''وہ جی میں نے تو منظورے کو پیسے دے کر بندوبست کرنے کا کہہ رکھا تھا لیکن عین وقت پر لڑکی نہ آسکی!'' منشی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ سید سرفراز نشے میں بالکل وحشی جانور بن جاتا تھا۔

''منشی! تم وہ میرو کی بہن کا پتا کرو، کم بخت اتنی جوانی لیے اَن چھوئی کب تک پھرے گی۔'' سید سرفراز کا قہقہہ بے حد مکروہ تھا۔

''جی سائیں...!'' منشی کی مری مری آواز نکلی۔

جب سے اُس کے اپنے گھر بیٹی پیدا ہوئی تھی، اُسے لڑکیاں سپلائی کرنے کا کام نہایت گھٹیا لگنے لگا تھا۔

''کم بخت نے دلال بنا کر رکھ دیا ہے، اچھا ہوتا جو میں شہر جا کر کوئی مزدوری کر لیتا، لوگوں کی بددُعاؤں سے تو بچ جاتا، جس لڑکی پر اِس آدمی کی نگاہ پڑ جاتی ہے وہ تو زندگی بھر کے لیے میلی ہو جاتی ہے۔'' منشی سید سرفراز کو نشے میں دُھت چھوڑ کر بڑ بڑاتا باہر نکل آیا۔

❖❖○❖❖

''سچ مچ! خبر تو واقعی خوشی والی ہے میرو کی ماں!'' میرو کے باپ دین محمد نے لسی کا گلاس ہاتھ میں تھامتے ہوئے کہا۔

''بس اُس ربّ سائیں کے ہاں دیر ہو سکتی ہے اندھیر نہیں۔'' میرو کی ماں نے اپنے شوہر کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''لیکن ایک بات جو تھوڑی مسئلے والی ہے، وہ یہ کہ دائی نے کہا ہے کہ بشریٰ نو مہینے بڑے آرام سے رہے، کوئی بھاری کام تو دُور کی بات ہے اُس نے اُسے گھر کے عام کاموں سے بھی روک دیا ہے اللہ نے سولہ سال بعد یہ خوش خبری دکھائی ہے۔ بشریٰ تو بہت خوش ہے لیکن ویر الٰہی بخش بڑا ڈرا ہوا ہے۔ دائی نے کہا ہے کہ بشریٰ کی احتیاط ہی بچے کی زندگی بچا سکے گی۔'' میرو کی ماں نے اپنے دیور اور دیورانی کے متعلق بتاتے ہوئے فکر کا اظہار کیا۔

''اللہ سائیں سب خیر کرے گا۔'' دینو نے بھی فکر مندی سے دُعا دی۔ سولہ سال پہلے بھائی کے ہاں اللہ نے خوش خبری دکھائی تھی۔ جڑواں لڑکے تھے لیکن بشریٰ اپنی نا تجربہ کاری کی وجہ سے بچوں سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ جب سے آج تک اُس کی گود خالی تھی۔

''الٰہی بخش نے رانی کو اپنے ہاں بھیجنے کا کہا ہے۔'' میرو کی ماں نے چنگیر اور لسّی کا گلاس اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''تقریباً سال بھر کی ہی بات بن جائے گی۔ اتنا لمبا کہاں رانی کو اکیلے چھوڑوں۔'' میرو کی ماں گھبرا رہی تھی۔

''اوہ نیک بخت! وہ اُس کے سگے چاچا چاچی کا گھر ہے پھر ساتھ والا گاؤں ہے۔ تو اللہ کا نام لے کر اُسے وہاں چھوڑ کر آ...''

''اگر بشریٰ کے ساتھ دوبارہ کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو ساری عمر کے لیے ہمارا نام بدنام ہو جائے گا کہ مشکل وقت میں بھائی بھائی کے کام نہ آ سکا۔ اب بشریٰ کے میکے میں بھی کوئی نہیں ہے ورنہ اور بات تھی۔'' دین محمد نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

''رانی رہ لے گی تو نے رانی سے پوچھا۔'' دین محمد کو ساتھ ہی بیٹی کی فکر ستائی۔

''سوائے نفیسہ کی جدائی کے اُسے اور کوئی بات نہیں تنگ کرتی، وہ تو سُن کر بڑی خوش ہے ویسے بھی بشریٰ رانی کو دھیوں کی طرح چاہتی ہے، کیسے ہر تہوار پر اُس کے کپڑے جوڑوں کے ساتھ ہار بُندے لاتی ہے، رانی کا پراندہ خود اپنے ہاتھ سے بناتی ہے۔ اللہ اُسے اپنی اولاد بھی دے۔'' میرو کی ماں نے دل سے اپنی دیورانی کو دُعا دی۔

''تو پھر ٹھیک ہے رانی کو کہو کہ اپنا سامان تیار کر لے میں بخشو کو تانگے کا کہہ آتا ہوں کہ سویرے تڑکے اپنا تانگہ لے آئے۔ سویرے سویرے نکلیں گے تو دھوپ تیز ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔'' دین محمد چارپائی سے اُٹھا اور صحن میں بنے کھرے میں ہاتھ دھونے لگا۔

''کہاں جا رہی ہے رانی؟'' میرو نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''بشریٰ کو اللہ نے خوش خبری دی ہے اب کچھ عرصہ رانی وہیں رہے گی۔'' ماں نے میرو کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا کہ کہیں بیٹے کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ وہ اپنی بہن کے بغیر کھانا تک نہیں کھاتا تھا۔

''امّاں کیا جانا ضروری ہے؟ اپنا گھر رانی کے بغیر بہت سُونا ہو جاتا ہے۔'' میرو نے وہی بات کی، جس کا ڈر ماں کو تھا۔

''رانی جب بیاہ کر جائے گی تو تیرا کیا بنے گا؟ ارے پگلے بہنوں کے ساتھ اتنا پیار نہیں پالتے، پرایا دھن ہوتی ہیں یہ دھی رانیاں! اِک دن ان کو بابل کا گھر چھوڑ کر جانا ہوتا ہے۔'' ماں نے موضوع بدل دیا اور میرو کا ذہن اصل بات سے ہٹ گیا۔

''امّاں ہم رانی کی شادی قریب ہی کریں گے، میری ایک ہی بہن ہے۔'' میرو نے چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اللہ سب خیر کرے گا، جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اللہ میرا دمی کے نصیب چنگے کرے۔'' میرو کی ماں نے بیٹی کے لیے دُعا کرتے ہوئے کہا۔

❖❖○❖❖

''یہ کس کا کمرا ہے؟'' عائشہ نے پیانو کی چکنی سطح پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ایک بٹن دبا دیا۔ کمرے میں ایک دَم ساز کی آواز اُبھری۔

''عبداللہ سائیں کا ہے یہ کمرا۔'' بشیراں نے اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ پھُرتی سے کمرے کی جھاڑ پونچھ کرتے ہوئے کہا۔

''یہاں اتنی دُور جہاں تعلیم ہی بہ مشکل پرائمری تک تصور کی جاتی ہے، تمہارے عبداللہ سائیں نے ایک لندن آباد کر رکھا ہے۔'' عائشہ نے کمرے کی سجاوٹ اور فرنیچر دیکھتے ہوئے کہا۔

''بی بی جی! یہ ساری باتیں ہمارے لیے خواب ہوسکتی ہیں لیکن آپ بڑے لوگوں کے لیے تو عام سی بات ہے میں بھی جب اِس کمرے میں آتی ہوں تو اس نیلی روشنی پھینکنے والے بُت کو حیران ہوکر دیکھتی ہوں۔'' بشیراں نے خوب صورت مجسّمے کو دیکھتے ہوئے کہا، جس کی آنکھوں میں اصلی ہیرے لگے ہوئے تھے جو دِن میں مختلف اور رات میں مختلف رنگت اختیار کر لیتے تھے۔

''یہ دیکھیں کتنی بڑی تصویر ہے جیسے اصلی ہو۔'' بشیراں نے دیوار پر لٹکی ایک میورل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جس کے قدرتی مناظر واقعی اصلی کا گمان ظاہر کر رہے تھے۔

''تمہارے عبداللہ سائیں کے مزاج تو بڑے آرٹسٹک قسم کے ہیں۔'' عائشہ نے وہیں راکنگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کون سے مزاج ہیں بی بی جی؟'' بشیراں نے نہ سمجھنے کے انداز میں پوچھا۔ عائشہ بشیراں کے انداز پر ہنس پڑی، کمرے میں بہت مترنم ہنسی کی گونج اُبھری تھی۔ سید عبداللہ کے قدم دروازے پر ہی رُک گئے۔

''وہ جی جیسے بھی ہیں، سب سے اچھے ہیں اللہ اُن کو وڈی حیاتی دے، بڑے نیک طبیعت کے ہیں اپنے عبداللہ سائیں۔ آج تک کسی کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ نوکرانیوں کو کبھی اکیلے میں اپنے پاس نہیں بلایا۔'' بشیراں نے وہ خوبیاں گنوائیں، جو یہاں کے مردوں میں ناپید تھیں۔ ایسے میں سید عبداللہ تو اُن کو بے حد اچھا لگا کرتا تھا جو نگاہ اور زبان دونوں کا بے حد اچھا تھا۔

عائشہ کے اندر بے حد طمانیت کا احساس اُترا وہ آنکھیں بند کر کے مسکرا دی۔ سید عبداللہ نے بغور اُسے دیکھا گڑیا جیسا سراپا، اُجلی رنگت نین نقش بے حد پُرکشش تھے۔ سر پر دوپٹا جمائے وہ اُسے نہایت پاکیزہ روح لگی۔

''واقعی امّاں جان! آپ کی پسند کی داد دینی پڑے گی، شاید ایسی ہی شریکِ زندگی کا تصور میرے ذہن میں تھا۔'' سید عبداللہ مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''سلام سائیں!'' بشیراں نے ماتھے تک ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''وعلیکم السلام ماسی! کیسی ہو؟'' سید عبداللہ کی آواز پر عائشہ ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ربّ کا لاکھ شکر ہے۔'' ماسی بشیراں مالک کی اتنی سی نگاہ پر بھی بے حد خوش ہوگئی تھی۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' سید عبداللہ نے عائشہ کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام!'' عائشہ فطری طور پر شرمیلی تھی۔ اِس وقت بھی سید عبداللہ کا سامنا کرتے ہوئے وہ بے حد گھبراہٹ کا شکار تھی، جس کو سید عبداللہ نے شدت سے محسوس کیا۔

''چچا جان کی کوئی خیر خیریت معلوم ہوئی۔'' سید عبداللہ نے اُسے نارمل کرنے کے لیے سادہ سی گفتگو شروع کی۔

''جی... جی ہاں! بابا سائیں کا خط بھی آیا تھا۔ پھر شہر میں ہمارے ایک وکیل انکل ہیں ان کے دفتر بابا سائیں کی خیریت کا فون بھی آ گیا تھا۔'' عائشہ کی آواز بے حد نرماہٹ لیے ہوئے تھی شاید اُس کی شخصیت کی سب سے بڑی کشش ہی اُس کی آواز اور چہرے کی نرماہٹ تھی۔

''یہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں؟'' سید عبداللہ جب اُس کے سامنے آ کر بیٹھے تو عائشہ کو نگاہ اُٹھانا محال ہوگیا۔ اُس نے بے شک گریجویشن تک تعلیم حاصل کی تھی لیکن سید نوازش علی نے اُس کی تربیت اِس حویلی کی روایات کو مدنظر رکھ کر کی تھی، جس کی وجہ سے عائشہ کے اندر خاص طرح کا حجاب پیدا ہوا تھا۔ جو زلیخا بی بی کو بے حد پسند تھا۔

''جی... جی بالکل نہیں!'' عائشہ نے کمرے میں نگاہ دوڑائی، بشیراں جانے کب چپکے سے کمرے سے جا چکی تھی۔

''آپ پلیز ایزی ہو جائیں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے، جیسے میں آپ سے گن پوائنٹ پر گفتگو کر رہا ہوں اور آپ سوائے جی ہاں اور جی نہیں کہ کچھ بول کر نہیں دے رہیں۔'' سید عبداللہ کے بے حد نرم لہجے نے عائشہ کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے کر دیے تھے۔

بابا سائیں نے کیوں سید عبداللہ ہی کا انتخاب اُس کے لیے کیا آج وہ جان گئی تھی۔ بابا سائیں نے یہ رشتہ خود سے دینے سے پہلے سید عبداللہ کے کردار و مزاج کی چھان پھٹک لندن میں موجود اپنے دوست سے کروائی تھی۔ عائشہ میں اُن کی زندگی تھی اور وہ اپنی زندگی کو قدر دان ہاتھوں میں دینا چاہتے تھے۔

''اچھا آپ کو کتابوں میں دل چسپی ہے؟'' سید عبداللہ نے اُس کی پسند کی بات پوچھی، جس پر وہ بغیر جھجک کے بول سکتی تھی۔

''جی بالکل ہے۔ مجھے اردو اور انگلش ادب دونوں پڑھنا بے حد پسند ہے میرے بابا سائیں نے میرے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے لیے ایک چھوٹی سی لائبریری بنوا رکھی ہے اور مجھے وہ چھوٹی سی لائبریری کسی جنت سے کم نہیں لگتی۔'' عائشہ بے حد روانی سے بول رہی تھی۔

سید عبداللہ نے اپنی مسکراہٹ پر بہ مشکل قابو پایا آخر وہ عائشہ کو بولنے پر آمادہ کر چکے تھے۔

''کن کن رائٹرز کو آپ پڑھنا زیادہ پسند کرتی ہیں؟'' سید عبداللہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''قرۃ العین حیدر، امرتا پریتم اور جمیلہ ہاشمی کو میں نے زیادہ پڑھا ہے۔ جمیلہ ہاشمی کا ''دشت سوس'' میرا پسندیدہ ناول ہے۔ انگلش لٹریچر چوں کہ میں نے کالج میں بھی رکھا تھا، اِس لیے میرے پاس تقریباً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب ہی اچھے رائٹرز کا انتخاب ہے۔"

"گڈ! میرا اپنا خیال ہے کہ کتاب بہترین دوست ثابت ہوتی ہے ہمیں اچھی بری رائے بنا قابل بناتی ہے۔ مجھے اچھا لگے گا اگر آپ سدرہ آپی اور مریم کو بھی اپنی پسند میں شریک کریں۔ خا روایات کی وجہ سے اُن کی تعلیم کا سلسلہ بند ہو گیا ہے، اِس چیز کو میں پسند نہیں کرتا لیکن بڑوں کے آ بول بھی نہیں سکتا۔"

"مریم کو تو خاصا انٹرسٹ ہے پڑھنے میں۔" سید عبداللہ اِس طرح اپنے دل کی بات کرتے عا اہمیت دیتے بے حد اچھے لگ رہے تھے۔

"جی مجھے اندازہ ہے کیوں کہ مریم کو بے حد شوق ہے پڑھنے کا اِس لیے وہ مجھ سے کالج کے وہاں کی پڑھائی کے متعلق بہت سوالات کرتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ اِس بات سے ڈرتی ہے کہ بابا جانے اُس کے شوق کو کس نظر سے دیکھیں۔" عائشہ نے بھی اتنے دِنوں میں جو بات محسوس کی تھی وہ کہہ دی۔

"اِس میں بھی ہمارے ہی سیٹ اپ کی غلطی ہے مردانہ، زنان خانہ بنا کر ہمیں پابند کر دیا گیا ہے بہنیں مجھ سے ملنے سے پہلے ملازمہ کو بھجوا کر مجھ سے وقت لیتی ہیں اور پھر جا کر ملاقات ہوتی حالاں کہ میں اُن کا سگا بھائی ہوں، وہ جب چاہیں میرے پاس آ سکتی ہیں۔ اب ایسے میں وہ کیا سو ہیں میں نہیں جان سکتا!" سید عبداللہ کو واقعی اپنی بہنوں سے بے حد پیار تھا وہ اُن سے دوست بن کر چاہتا تھا لیکن وہ جب بھی اُن کے پاس آتی تھیں، ڈری سہمی ہی رہتی تھیں۔

"اِس معاملے میں اگر آپ میری مدد کریں گی تو مجھے بے حد اچھا لگے گا۔" سید عبداللہ نے پلوں فاصلہ مٹایا تھا۔

"مطلب؟" عائشہ نے پوچھا۔

"میری دونوں بہنوں کے دلوں میں میرے متعلق گمان درست کرنے میں اور ہمارے درمیان پیدا کرنے میں کہ وہ اپنے دِل کی ہر بات مجھ سے شیئر کریں۔" سید عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ تعالیٰ! مجھے آپ اس معاملے میں اپنے ساتھ پائیں گے۔" عائشہ نے کہا اور ساتھ جانے کے لیے دروازے کی جانب مڑی۔

"عائشہ!" سید عبداللہ نے اُسے پیچھے سے پکارا۔ سید عبداللہ کا گھمبیر لہجہ عائشہ کی کانوں کی لویں تک ر کر گیا۔

"جی!" وہ واپس پلٹی۔

"میں چاہوں گا کہ صرف اِس معاملے میں ہی نہیں آپ میرے ساتھ زندگی کے ہر معاملے رہیں۔ کہیے دوستی منظور؟" سید عبداللہ نے اپنی شفاف ہتھیلی آگے پھیلا دی۔

عائشہ کے سارے وجود کو گھبراہٹ نے گھیرے میں لے لیا۔

"جی!" وہ بہ مشکل اتنا ہی کہہ پائی۔

"اوں ہوں... ایسے نہیں! ہاتھ تھام کر وعدہ کریں۔"

عائشہ نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ سید عبداللہ کے ہاتھ میں تھما دیا، جسے سید عبداللہ نے گرم جوشی سے دبا کر ڑ دیا، پھر عائشہ وہاں رُکی نہیں بلکہ تقریباً دوڑتی ہوئی وہاں سے نکلی۔

کمرے میں آ کر اپنی اتھل پتھل سانسوں کو کتنی ہی دیر وہ سنبھالتی رہی۔ سامنے آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے وہ بے اختیار شرما گئی، چہرے پر کیسے انوکھے حسین رنگ تھے۔ عائشہ نے بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھا جہاں دل کی دھڑکن ایک ہی نام الاپ رہی تھی... عبداللہ کا نام!

"تمہیں عبداللہ اچھا لگا؟" کوئی اندر سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں... بہت اچھا! یوں لگتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو صدیوں سے جانتے ہوں، اِک عجیب سی اپنائیت کا احساس ملتا ہے اُس کو دیکھ کر، سُن کر۔" اُس نے اعتراف کیا۔

عائشہ نے آنکھیں موندھیں، تھوڑا گردن جھکائے بیٹھی تھی، سر سے آنچل ڈھلک چکا تھا۔ بالوں کی لمبی ڈھیلی چوٹیاں سینے پر آن گری تھیں۔ اِس وقت اُس کے چہرے پر اتنے رنگ تھے کہ وہ کسی مصور کا خوب صورت شاہکار لگ رہی تھی۔

سید سرفراز علی بنا آہٹ کیے، دستک دیے کھلے دروازے کو پار کرتا اندر آ گیا، عائشہ نے کسی دوسرے وجود کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اُس کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے تھے اور اتنے خوب صورت رنگ تھے جیسے پہلی رات کی دلہن کی آنکھوں میں سحر ہوتا ہے جو جکڑ لیتا ہے، اپنی طرف بلاتا ہے۔ سید سرفراز علی اُس ایک پَل میں قید ہو گیا تھا۔ عائشہ کی آنکھوں نے رنگ بدلے اور وہاں ناگواری نے جگہ لے لی۔

سید سرفراز نے غالباً اُس کے چہرے کے ناگوار تاثرات نہ دیکھے تھے۔ وہ نہایت بے باکی سے وہاں کھڑا تھا۔ عائشہ نے اپنا رُخ موڑ کر آنچل ٹھیک کیا۔

"بھائی سرفراز! میرا خیال ہے کہ آپ اس حویلی کی روایات بہ خوبی جانتے ہوں گے۔ آپ بنا دستک دیے، اجازت لیے آج تو میرے کمرے میں آ گئے آئندہ جرأت نہ کیجیے گا۔ میں سید نوازش علی کی بیٹی ہوں اور اِس طرح کی گستاخیاں میں برداشت کرنے والی نہیں ہوں۔" پہلی ملاقات میں عائشہ سید سرفراز کی بدنظری جان چکی تھی۔ آج اُس نے سید سرفراز کے قدموں کو یہیں پر روکنے کا فیصلہ کیا تھا۔ عائشہ کے رویّے سے لگ ہی نہ رہا تھا کہ یہ ہی وہ چھوئی موئی سی عائشہ ہے، جو ابھی کچھ دیر پہلے سید عبداللہ کی قربت سے گھبرا کر بھاگی تھی۔

"بھرجائی تو تم ہماری بعد میں بنوگی، پہلے تو تم ہماری کزن لگتی ہو پھر اتنی غیریت کیوں؟" سید سرفراز نے بنا نگاہ ہٹائے کہا۔

"بھائی سرفراز! میں آپ سے پہلی اور آخری بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے اِس طرح کی باتیں نہایت ناپسند ہیں۔ اگر آپ اپنی حدود میں رہ کر مجھ سے ملیں گے تو میں بھی پہلے اچھی بہن بنوں گی اور پھر آپ کی بھرجائی!" عائشہ جتا کر باہر نکل آئی۔ سید سرفراز نے اُس کی متوازن چال کو دیکھا!

"بہت خوب...!" پہلی بار کوئی لڑکی نظر آئی ہے، جو بات کرتی ہے تو مقابل کو پسپا کر کے رکھ دیتی ہے۔ ایسا ہیرا تو صرف سید سرفراز کی انگوٹھی کے قابل ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت خوب! وہ اپنے آپ ہی ہنستا چلا گیا اُسے قریب سے جاننے والے جانتے تھے کہ اُس کی اس ہنسی میں وہ جنون شامل ہوتا تھا، جو کسی طوفان کے اٹھنے کی خبر دیتا تھا۔

❖❖○❖❖

''یار یہ ''مائم'' کا کیا کھڑاک ہے؟'' ٹی ٹو نے اسٹوڈیو میں داخل ہوتے ہوئے ولی سے پوچھا۔

''یار کشمیر ڈے آرہا ہے اور میں اِس ایونٹ پر کچھ خاص طرح کا پیغام دینا چاہتا ہوں، جو دلوں پر اثر کرجائے، تم شروع سے دیکھتے آرہے ہو کہ ایسے موقعوں پر عام طور پر ملی نغمے اور تقریریں کرکے ایک روٹین بھگتالی جاتی ہے میں اِس روٹین کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔'' ولی نے جوش سے کہا۔

''لیکن یار ایگزام سر پر کھڑے ہیں ایسے میں تم کیسے یہ سارا مینج کرپاؤ گے؟'' ٹی ٹو نے اپنی جیکٹ سے مونگ پھلی نِکال کر ولی کو دی اور پھر خود بھی منہ بھرنے لگا۔

''وہ سب ہوگیا ہے میں ہر کام پلاننگ سے کرتا ہوں اِس لیے میرے کام میری پڑھائی پر اثر انداز نہیں ہوتے۔'' ولی کچھ غلط بھی نہ کہہ رہا تھا۔ آج تک اُس کی غیر تعلیمی سرگرمیاں اُس کی تعلیم پر اثر انداز نہ ہوسکی تھیں۔

''تم اِسے کالج میں کررہے ہو یا پھر کہیں اور...؟'' ٹی ٹو نے پوچھا۔

''میں اِسے الحمرا میں کرنے کا پروگرام رکھتا ہوں، جی سی کالج کوئی انگلش ڈراما کررہا ہے۔ میں نے اُن سے بات کرلی ہے کہ وہ ہر کالج کے آرٹ ڈیپارٹمنٹ سے لڑکے لڑکیوں اور ٹیچرز کو انوائیٹ کریں۔ اس طرح ان ٹکٹس کے پیسوں کو کشمیر فنڈ میں جمع کروادیا جائے گا اور مہمان خصوصی تم تو جانتے ہی ہو کہ پہلے کوئی نہ کوئی گورنر یا وزیر ہوتا ہے اِس طرح یہ فنکشن بہت زبردست ہوجائے گا۔'' ولی کی ہر بات پروفیشنل تھی۔ وہ آئندہ دنوں میں عملی زندگی میں قدم رکھنے کو بالکل تیار تھا۔

''گڈ! تو میرا یار ہمیشہ کی طرح تیاری میں ہے۔'' ٹی ٹو کو تسلّی ہوگئی، ابھی جو کچھ دیر پہلے وہ نوٹس بورڈ پر ''مائم'' ڈراما کا دعوت نامہ پڑھ کر آیا تھا اُس سے کچھ فکر مند ہوگیا تھا۔ لیکن ایسا کیسے ہوسکتا تھا کہ کسی کام میں عبدالولی پڑے اور وہ کام زبردست نہ ہو۔

❖❖○❖❖

''بابا سائیں اور لتاں جان آپ کو ضرور آنا ہے! یہ سارا مائم میں **Direct** کررہا ہوں، اِس سیٹ ڈیزائننگ سے لے کر میوزک تک پر میں نے خود کام کیا ہے۔ پلیز بابا سائیں آپ کو آنا ہوگا پھر میرا لاسٹ پروگرام ہے اُس کے بعد کالج تو ختم ہوجائے گا۔'' عبدالولی نے بالآخر احمد شاہ کو منا ہی لیا۔

''او کے! ہم لوگ ضرور آئیں گے۔'' احمد شاہ اور روشن آرا نے ہامی بھرلی۔

''اگر تمہیں بُرا نہ لگے تو بیٹا میں بھی اِس پروگرام میں آنا چاہوں گا۔'' شہباز علی نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ انہیں احمد شاہ نے روز کی طرح شام کی چائے کے لیے پیغام بھجوایا تھا۔ وہ اِس لیے آئے تھے لیکن ولی کی بات سُن کر انہیں دوبارہ سے طارق سے ملنے کی آس ہوئی تھی اس لیے انہوں نے پروگرام میں شامل ہونے کا کہا تھا۔

''ضرور انکل! مجھے بے حد خوشی ہوگی۔'' عبدالولی نے خوش دلی سے کہا۔

''تمہارا وہ دوست طارق بھی اس پروگرام میں شامل ہے؟'' شہباز علی سے زیادہ دیر اپنے دل کی بات چھپائی گئی۔

''طارق! ارے نہیں انکل! وہ تو کسی اور فیلڈ سے ہے۔ ہاں البتہ طارق کی بہن سائرہ اور اُس کی دوست مسکان اِس میں کام کررہی ہیں۔ آج خود سائرہ اپنا اور اپنی دوست کا نام لکھوانے آئی تھی۔'' عبدالولی نے سرسری انداز میں کہا۔

''سائرہ...!'' شہباز علی کے ہونٹ بدبدائے، انہوں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، جیسے وہ کسی آبِ حیات کی خبر سُن رہے ہوں۔

''تو میرے دل کی گواہی سچی تھی، وہ میرے ہی بچے ہیں۔'' شہباز علی ایک دَم بیٹھے سے اُٹھ کھڑے ہوئے اُن کی بے چینی کسی سے چھپ نہ سکی۔

''کیا ہوا انکل! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔'' ولی نے بھی فکر مندی سے پوچھا۔

''آں... ہاں! میں... ٹھیک ہوں۔'' وہ شاید خود میں ہی نہ تھے۔ وہ ایک دَم باہر چل دیے۔

''شہباز تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے؟'' احمد شاہ تیز قدموں سے اُن کے پیچھے ہولیے۔

''احمد شاہ! یہ میرے ہی بچے ہیں، میں نہ کہتا تھا کہ میرا دل کہتا ہے کہ طارق میرا بیٹا ہے۔'' شہباز علی نے تڑپتے ہوئے کہا۔

''اوہ! تو مجھے اِس لیے طارق کا چہرہ جانا پہچانا لگتا تھا۔'' احمد شاہ نے اُس احساس کو لفظ دے ہی دیے جو طارق سے مل کر ہوتا تھا۔

''چلو تم آؤ ہم آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں تمہارا اِس طرح اپ سیٹ ہونا تمہاری صحت کے لیے خطرناک ہوسکتا ہے۔'' شہباز علی، احمد شاہ کو بتا چکے تھے کہ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔

''چائے ہماری انیکسی میں ہی آجاتی ہے۔'' احمد شاہ انہیں لیے انیکسی کی جانب بڑھے۔

شہباز علی جوں جوں اپنی کہانی سناتے جارہے تھے اِک عجب سا درد اُن کے نقوش کا حصہ بنتا جارہا تھا۔

''اوہ! تو تم نے اپنے بچوں سے پہلے ملنے کی کوشش کیوں نہ کی؟'' احمد شاہ کو ساری بات سُن کو حقیقتاً دکھ ہوا تھا۔

''سارہ کی وجہ سے...! وہ اِس قدر بدگمان ہوچکی تھی کہ وہ میری شکل دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر اگر میں سارہ سے بچے بھی چھین لیتا تو اُس بیچاری کے پاس کیا بچتا! اِس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ سارہ جو ایک سازش کا شکار ہوکر مجھ سے دُور ہوگئی ہے کبھی سچائی جانے گی تو خود کو بہت اکیلا محسوس کرے گی۔ پس تنہائی وجدائی کا کڑوا گھونٹ میں نے خود پینے کا سوچا۔''

''لیکن وہ نیلوفر! اُس بے ایمان عورت نے مجھے خبر ہی نہ ہونے دی کہ سارہ اِس دنیا میں نہ رہی تھی اور بچے اُس کے زیر سایہ خود کو یتیم و مسکین سمجھتے رہے۔ اب سے چار سال پہلے میری ایک پیشنٹ آئی وہ سارہ کی گہری دوست تھی اُس سے مجھے معلوم ہوا کہ جس کی خاطر میں نے بن باس کاٹا وہ تو جانے کب سے منوں مٹی تلے جاسوئی تھی۔ اور میں نے اتنے سال صدیوں کی طرح کاٹے! لیکن اب مجھ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برداشت نہیں ہوتا میں اپنے بچوں سے ہر صورت ملنا چاہتا ہوں۔'' شہباز علی کی بے قراری دیکھی نہ جا رہی تھی۔

''شہباز... اللہ نے تم سے تمہارے بچے ملوانے تھے، اس لیے تم میرے ہاں آئے۔ تم اِسے اتفاق نہ سمجھو! یہ ہی اللہ کی رضا ہے اب اُسی ذات پر بھروسا رکھو اور صبر سے کام لو۔ تم انشاء اللہ اپنے بچوں سے ملو گے اور باعزت طریقے سے ملو گے۔'' احمد شاہ کی تسلی، شہباز علی کے اندر توانائی کی طرح اُتر رہی تھی۔

❖❖○❖❖

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدادارا وجم
دِل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے؟ دل یا شکم؟

جو اپنے رازق کو نہ پہچانے اِس کا شکر گزار نہ ہو اس پہ تکیہ نہ کرے اسے پھر ملوک کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ اور اگر تو اِس خالق اور رازق کو پہچان لے، اِس سے جڑ جائے تو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ جیسے دارا اور جمشید تھے، وہ تیرے تابع ہوں گے۔ تیرے فقیر اور پیروکار ہوں گے۔

دل کی آزادی ہی اصل شہنشاہی ہے۔ فکر و نگاہ کی خودمختاری اور آزادی کے برعکس جو پیٹ سے سوچتے ہیں اسی کے گرد اِن کی ساری سوچیں گھومتی ہیں۔ اصل میں وہ پیٹ بھرے کا سامان، مفادات وقتی حصول نہیں، موت کا ساماں ہے۔

اِس بات کا فیصلہ کہ تو کون کون سا طرزِ عمل اور طرزِ زندگی اختیار کرے، تُو نے ہی لینا ہے۔ دِل کی آزادی اور سوچ و فکر کی خودمختاری ہو سکتی ہے اور پھر وقتی دنیاوی مفادات اور کم نظری کا فیصلہ کر کے وہ گھٹیا زندگی گزار سکتا ہے۔

''یہ تو ہوگا ہمارے مائم کے اسٹارٹ کا تھیم اِس کے کیریکٹرز کا سٹیومز پر خاص توجہ دینی ہے۔ ڈفرنٹ سورس آف لائٹ سے ڈراما کری ایٹ ہوگا۔'' ولی اسٹیج پر بیٹھا سب طالب علموں کو بریفنگ دے رہا تھا جو جو مائم میں حصہ لے رہے تھے۔

''بیک گراؤنڈ کی آواز ہمیں بے حد پاورفل چاہیے۔ اس کے لیے میں نے ایک ریڈیو کے ڈی جے سے رابطہ کیا ہے، جو رات میں غزل ٹائم کرتا ہے۔ اُس کی آواز میں واقعی خاص طرح کا جادو ہے۔'' ولی کی باتوں کو سب ہی بہت غور سے سُن رہے تھے لیکن مُسکان کا حال حسبِ معمول تھا۔ وہ ولی کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

''مسکان! خدا کے لیے حواسوں میں رہا کرو۔'' سائرہ نے مسکان کو ہلا کر کہا۔

''سائرہ! ولی کچھ عرصے بعد کالج سے چلا جائے گا تو میرا کیا بنے گا؟ اُسے نہ دیکھوں تو میرا تو سانس رُکنے لگتا ہے، جیسے کسی نے مجھے فلاسک میں بند کر دیا ہو۔'' مُسکان نے بے بسی سے کہا۔

''مسکان اپنے آپ میں رہو، کس ڈگر پر چل پڑی ہو، تمہارا انجام کیا ہوگا کبھی سوچا ہے۔'' سائرہ سب اسٹوڈنٹس کو باہر نکلتے دیکھ کر ذرا اونچی آواز میں کہا۔

اب ہال میں کوئی نہ تھا۔ سائرہ نے اب باقاعدہ مسکان کی کلاس لینے کا سوچا۔

تم سے جب بھی ملوں تم سے کہنا چاہوں
میں تو ہر پل تیرے ساتھ رہنا چاہوں
سائے کا کیا بھروسا سورج ڈھلے تو چھپ جائے
میں تو بن کے لہو تیری رگوں میں بہنا چاہوں

مسکان نے ایک دَم اسٹیج پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں نہایت جذب سے کہا۔

''سائرہ! اِس دیوانی پاگل جوگن کو کہنے دو اُس کے دل کی بات کہ وہ محبت کرتی ہے۔ بے حد محبت کرتی ہے، ہاں وہ عبدالولی سے محبت کرتی ہے۔ ایسی محبت جو عشق کی حدوں میں شامل ہو کر جنون بن گئی

اگر وہ مجھے نہ ملا تو میں مرجاؤں گی اور مرنے سے پہلے اگر میری دُنیا تباہ ہوگئی تو میں سب کچھ تباہ کر کے مروں گی۔''

''پاگل لڑکی نیچے اُترو!'' سائرہ نے غصّے سے مُسکان کو کہا، جو اپنے حواسوں میں بالکل نہ تھی۔ ''تم جیسے لوگ ہی خودکشی کرتے ہیں۔'' سائرہ نے جل کر کہا۔

''بالکل میں خودکشی کرلوں گی اگر مجھے میرا محبوب نہ ملا۔'' مسکان نے بلند آواز میں کہا۔

''مسکان!'' سائرہ نے مصنوعی خفگی سے اُسے گھورا۔

''آئی لو یو، ولی! آئی لو یو ولی!'' مسکان نے ایک دَم آنکھیں بند کر کے جنونی انداز میں کہا۔ مُسکان! ولی کی عجیب سی آواز اُس کے کانوں میں پڑی، جس میں بے حد گھبراہٹ شامل تھی۔

''کیا ہوا؟ سچ بولنے دو سائرہ۔ اِس لاوے کو باہر آنے دو جس میں میں جل رہی ہوں۔'' مسکان کہتے کہتے ایک دَم رُک گئی اُسے لگا کہ وہ کسی جھولے پر سوار ہو، جہاں آسمان و زمین دونوں گھوم رہے تھے۔ زمین واقعی اُس کے پیروں تلے سے کھسک گئی تھی کیوں کہ وہاں ہال کے دروازے کے بیچوں بیچ ولی کھڑا تھا۔

شرمندگی سے جان نکلنا کیا ہوتا ہے مسکان کو پہلی بار پتا چلا تھا۔
بھرم کا پردہ ایسے چاک ہوگا! سائرہ سوچ بھی نہ سکتی تھی۔
مسکان کی رنگت خطرناک حد تک پیلی پڑ گئی تھی، جیسے اُس نے ولی کے بجائے کسی بھوت کو دا
ہو۔

"ولی بھائی!" سائرہ کی مری مری آواز نکلی، اُس نے سب سے پہلے اپنے حواس قابو کیے، ولی ا
فی الحال بے تاثر تھا۔ سائرہ اندازہ نہ کر پا رہی تھی کہ ولی اُن کی کس قدر گفتگو سُن چکا ہے اور اگر ،
چکا تھا تو اُس کے تاثرات کیا تھے؟

"مسکان آر یو آل رائیٹ؟" سائرہ نے فکرمندی سے دھیمی آواز میں اُس سے پوچھا۔ مسکا
یوں لگ رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے وہ اتنا کچھ بول چکی ہے کہ اب وہ مزید کچھ نہیں بول سکتی۔ وہ کسی بے
پُتلے کی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ ولی دھیرے دھیرے چلتا اُن کے قریب آ رہا تھا۔ اُس کے قدمو
آہٹ کھلے ہال کی وجہ سے بے حد واضح تھی۔ مسکان نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں خود سائرہ کا ڈ
عجب طریقے سے گھبرا رہا تھا۔

"یہ میں آپ لوگوں کے لے آؤٹ لایا ہوں، اِن کو آپ غور سے پڑھ بھی لیں اور ذ
Visual بھی بنالیں تا کہ پرفارم کرنے میں آسانی رہے۔" ولی کا ٹھہرا ہوا پُرسکون لہجہ سائرہ اور مُ
دونوں کو چونکا گیا۔ اُس کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہ تھا کہ اُس نے کچھ خاص سُن رکھا ہو۔

"جی ٹھیک ہے!" سائرہ نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں! آپ لوگوں کو خاص احتیاط کرنا ہوگی کیوں کہ اسپاٹ لائٹ آپ لوگوں پر زیادہ رہے
ولی نے مُڑتے مُڑتے پلٹ کر کہا۔

"کیوں کہ کبھی کبھی ذرا سی بے احتیاطی بڑے نقصان سامنے لاتی ہے!" ولی نے مسکان کے
رُکتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ مسکان نے چونک کر اُسے دیکھا، ولی نے ایک بے حد گہری نگاہ
ڈالی۔ مسکان کے سرد وجود پر مزید برف گری تھی۔ لیکن اگلے ہی پل وہ اپنے پُرانے لہجے میں
آ گیا تھا۔

"مرکزی کردار بے حد اہم ہوتا ہے! وہ مرکزی خیال کے گرد گھومتا ہے اور باقی سارے کردار اُ
گرد گھومتے ہیں۔ تم لوگوں پر بے حد ذمّے داری ہے! اُمید ہے تم لوگ مجھے مایوس نہیں کرو گے۔"

"جی انشاء اللہ!" سائرہ نے یقین دلایا۔

"او کے! پھر شام میں ملتے ہیں الحمرا ہال میں ریہرسل کے لیے!" ولی رُک رُک کر بولا۔

"او کے!" جواب سائرہ ہی نے دیا تھا۔

"اب کیوں سانپ سونگھ گیا؟" سائرہ نے تقریباً دھاڑتے ہوئے کہا۔

"آ جاؤ حواسوں میں محترم جا چکے ہیں۔" سائرہ نے اُسے باقاعدہ جھنجوڑا۔

"کیوں...... کیوں مسکان! تم اِس قدر بے خود ہو چکی ہو کہ تمہیں کسی بات کے نتیجے کی پروا ہی نہیں
ہوتی؟"

"سائرہ میں اُس سے سچی محبت کرتی ہوں، میں واقعی اُس کے بنا نہیں رہ سکتی یہ محبت کب اتنی
شدت اختیار کر گئی مجھے پتا ہی نہ چل سکا اور اب۔ اب سائرہ میں اُس پتھر کے بغیر نہیں رہ سکتی!" مسکان
کا اعتراف سائرہ کو سُن کر گیا۔

"تم جانتی ہو کہ ولی بھائی بے حد مختلف مزاج اور کردار کے ہیں انہوں نے کبھی تم کو نگاہ بھر کر نہیں
دیکھا۔ پھر مسکان یہ ناممکن کیسے ممکن ہوگا؟ دو اشخاص تب ہی مِل کر زندگی شروع کر سکتے ہیں، جب
دونوں جانب یکساں آمادگی ہو، ون سائڈڈ محبت روگ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی!" سائرہ نے بے حد دُکھ
سے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کیوں! مجھ میں کیا کمی ہے، جو وہ میرے وجود سے اور میری محبت سے انکار کرے گا؟" مسکان کے
لہجے میں اُس کی ازلی ضد نمایاں تھی کہ آج تک وہ جو چاہتی رہی ہے اُس نے پایا تھا۔ پھر وہ اپنی زندگی
کی اتنی بڑی خواہش سے کیسے دست بردار ہو سکتی تھی۔

"مسکان فرض کرو اگر ولی بھائی بھی تمہارے لیے ویسے ہی محسوس کرنے لگیں، جیسے تم محسوس کرتی ہو،
کیا تمہارے بابا سائیں مان جائیں گے؟" سائرہ کے سوال نے واقعی مُسکان کو ہوش دلایا تھا۔

"انہوں نے زندگی میں کبھی میری بات نہیں ٹالی، وہ تو بنا کہے میری ہر ضرورت، ہر خواہش کو جان
لیتے ہیں پھر وہ کیوں اختلاف کریں گے؟" مسکان شاید خود سے سوال کر رہی تھی۔

"بیٹیوں کی محبت باپ کے لیے غیرت کا سوال بن جاتی ہے! ایسے میں باپ اولاد کے بجائے اپنی
اصولوں کی بنی عزت اور خاندان دیکھتا ہے، ایسا اکثر میرے نانا ابو کہا کرتے تھے۔"

"بڑوں کی باتیں تجربوں کا نچوڑ ہوتی ہیں اُن کی باتیں وقت گزرنے کے ساتھ سمجھ میں آتی ہیں۔"
سائرہ نے مسکان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں! میرے بابا جان ایسے نہیں ہیں۔" مسکان شاید خود کو یقین دلا رہی تھی۔

"اور یہ جو ہر وقت تمہارے ساتھ ڈرائیور نما باڈی گارڈ رہتا ہے، گھر میں آپا امّاں ہیں تمہارے پل
پل سے باخبر رہنے کے لیے، کیا یہ ساری باتیں تمہارے بابا کے مزاج کو واضح نہیں کرتیں؟ تمہیں ہر چھوٹی
سی سرگرمی کے لیے گھر سے اجازت درکار ہوتی ہے، بغیر اجازت کے تم دس پندرہ منٹ گھر سے باہر نہیں
رہ سکتیں، ایسے میں تمہارا زندگی کے لیے کیا جانے والا اتنا بڑا فیصلہ کون مانے گا؟" سائرہ نے اُسے
خوابوں کی دنیا سے کھینچ کر حقیقت میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بابا سائیں کو میری بات ماننی ہوگی، ہر صورت ماننی ہوگی۔ اگر وہ میری بات نہیں مانیں گے تو میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی جان دے دوں گی۔ سائرہ میں خودکشی کرلوں گی!'' مُسکان کے اندر کی بے انتہا ضدی لڑکی نے سائرہ کو حیران کردیا۔

سائرہ نے اُس کی آنکھوں میں عجیب طرح کا جنون دیکھا جو اُس کے لفظوں کی سچائی کی گواہی دے رہا تھا۔

''میرے اللہ! اِس لڑکی کا کیا بنے گا؟'' سائرہ اُسے کچھ کہتے کہتے رُک گئی... مُسکا اِس وقت کھائی کے بالکل کنارے پر کھڑی تھی۔ اُسے کسی کا مشورہ سمجھ نہ آتا تھا۔ جس اُڑان کے لیے وہ بے چین تھی، اُسے کھائی میں بھی گرا سکتی تھی۔

''کیا واقعی محبت اندھی بہری ہوتی ہے؟ کہ انسان کو اپنا اچھا بُرا نظر آنا، سنائی دینا بند ہوجاتا ہے؟'' سائرہ نے مُسکان سے دھیرے سے پوچھا۔

''محبت! سائرہ محبت بس اِک آگ ہے جس میں دھیمے دھیمے سلگنا مزہ دیتا ہے اور اِس آگ میں سے انسان چاہ کر بھی نہیں نکل سکتا۔'' مسکان نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

''کیا کہوں تمہیں؟ یہ محبت تو نہیں ہے اچھی خاصی خوداذیتی ہے۔'' سائرہ نے چڑ کر کہا۔

جواب میں مُسکان جنونی سی ہنسی ہنستی چلی گئی۔

دِل جہاں لے جائے، دِل کے ساتھ جانا چاہیے
اِس سے بڑھ کر اور کوئی رہنما ہوتا نہیں

اب مُسکان، سائرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہی تھی۔

''چاہے یہ دِل تمہیں خوار ہی کیوں نہ کرے؟'' سائرہ نے کہا۔

''کہا نا! تم سے یہ دِل جہاں لے جائے، دِل کے ساتھ جانا چاہیے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی رہنما ہوتا نہیں ہے!'' مسکان نے اپنی بات پر اصرار کیا۔

''بھاڑ میں جائے ایسا نا سمجھ دل جو تباہیوں کی جانب رہنمائی کرے۔'' سائرہ نے بیگ اُٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ اب اُن کو یہاں سے چلنا چاہیے۔

''کیسی تباہی؟'' مُسکان نے معصومیت سے پوچھا۔

''ابھی جو ولی بھائی تمہاری کھلم کھلا بکواس سُن لیتے تو کیا تمہارا بھرم رہ جاتا اور کیا تمہارا امپریشن پڑتا۔'' سائرہ کی بات پر مُسکان کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑگئی تھی۔

واقعی بعض سچائیاں ہر رنگ چوس لیتی ہیں۔ مسکان چاہے مانتی یا نہ مانتی آج کی یہ سچائی اُس کے لیے بے حد شرمندگی کا باعث تھی۔ وہ ولی کو بے حد چاہتی تھی لیکن اِس طرح کا اظہار تو وہ خود بھی نہیں چاہتی تھی۔ پہلا اظہار اگر مرد کی جانب سے ہو اِسی میں لڑکی کی عزت ہوتی ہے۔

❖❖○❖❖

میں اُداس رستہ ہوں شام کا' مجھے آہٹوں کی تلاش ہے
یہ ستارے سب ہیں بجھے بجھے، مجھے جگنوؤں کی تلاش ہے

وہ جو ایک دریا تھا آگ کا، بس راستوں سے گزر گیا
ہمیں کب سے ریت کے شہر میں نئی بارشوں کی تلاش ہے

ظالم کی آواز اُس کی شکل کی طرح بے حد خوب صورت تھی۔ مبشر حسن بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ نیو ایئر پارٹی میڈم راگنی نے دی تھی شہر کی کریم اور بیورو کریٹ، وزیر آج بھی اس پارٹی میں شامل تھے۔ اِس قدر ٹھنڈ میں بھی میڈم راگنی سلیولیس بلاؤز اور باریک سی ساڑھی میں بے حد متحرک تھی۔ کالا اور سرخ رنگت اُس کا پسندیدہ تھا لیکن آج وہ سی گرین کلر میں زمرد کی طرح دمک رہی تھی۔ آج کی پارٹی کے لیے میڈم راگنی نے ٹاپ کے پارلرز سے بیوٹیشنز بلوا کر اپنی لڑکیوں کو تیار کروایا تھا۔

ان کے آؤٹ فٹس شہر کے مہنگے ترین ڈیزائنر نے ڈیزائن کیے تھے۔ خود وہ ڈیزائنر بھی اِس پارٹی میں اپنی بیوی کے ساتھ شامل تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اگر اُس کے بازوؤں میں شہر کی ٹاپ کلاس ماڈل رقص کر رہی تھی تو اس کی بیوی کسی اور کے ساتھ اسی کوٹھی کے ایک لگژری روم میں مصروف تھی۔ اِن لگژری بیڈ رومز کا انتظام خود میڈم راگنی نے کروایا تھا۔ آج بہت سے سال بھر کے رُکے کام سال کے آخر میں ہو جانے تھے۔ یہ پارٹی میڈم راگنی کی ایسی انوسٹمنٹ تھی جس کا منافع اُسے سال بھر کھانا تھا۔

ماہ رُخ بیک لیس اسکن ٹائٹ وائٹ میکسی میں تھی۔ جب وہ چلتی تو اُس کی میکسی پر لگے پرلز رقص کرنے لگتے وہ آج کسی جل پری کی طرح لگ رہی تھی۔ اُس کے اسائمنٹ میں آج ایک وزیر تھا اس لیے وہ مسلسل اُس کے ساتھ تھی۔ اسی طرح ہر لڑکی کسی نہ کسی پر مقرر تھی۔ بظاہر دلوں کو لبھاتی، جذبات کو بھڑکاتی یہ تتلیاں اِن آفیسرز پر فدا نظر آرہی تھیں لیکن اندر سے وہ جن خطرناک عزائم پر کام کررہی تھیں وہ ملک کے لیے نہایت خطرناک تھے۔ میڈم راگنی غیر ملکی کمپنیوں اور ایجنسیوں کو بے حد مہنگے داموں یہ راز بیچا کرتی تھی۔ رنگ و روشنی کی یہ محفل صبح تین بجے تک جاری رہنا تھی اور اس روشن رات میں آج کتنی سیاہیاں پھیلنی تھیں، اس سے سب بڑے باخبر ہونے کے باوجود بے خبر بنے بیٹھے تھے۔ یوں لگتا تھا کوئی اپنی مرضی سے تباہ ہونے کو تیار ہے، مبشر حسن میڈم راگنی کو بے حد ٹف ٹائم دے رہا تھا۔ وہ کم ت جس عہدے پر تھا وہاں وہ میڈم راگنی کی بے حد اہم فائلز دبا کر بیٹھا تھا عورت اُس کی کمزوری نہیں تھی! یہ بات وہ بارہا باور کرواچکا تھا۔ لیکن میڈم راگنی کا اپنا ایک نظریہ تھا۔

وہ کیسا مرد ہے جس کی کمزوری عورت نہیں تھی! ہر مرد کی کمزوری عورت ہی ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے، کہ ہر مرد کی ٹائپ الگ ہوتی ہے اور میرے پاس ہر ٹائپ کی عورت ہے! میں اِس مبشر حسن کا دعویٰ غلط کردوں گی، یہ کوئی پہلا مرد نہیں ہے پھر بعض مردوں کو مردانگی جھاڑنے کی بیماری ہوتی ہے لیکن بعد میں یہ ہی مرد کسی چابی کے گڈے کی طرح ہمارے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ اور یہ بھی ناچے گا! ضرور ناچے گا! بس کچھ ٹائم لگے گا اور آج اِس دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے اس نے ترنم کا انتخاب کیا تھا۔ انہوں نے اپنی تقریباً ساری لڑکیوں کے جسم کی نمائش کا خاص خیال رکھ کر اُن کے لباس بے حد عریاں رکھوائے تھے۔ مگر ترنم کے لیے لباس کے معاملے میں خاص خیال رکھا تھا کہ وہ سیکسی ضرور نظر آئے لیکن عریاں ہرگز نہیں! بعض مرد ڈھکی چیز پسند کرتے ہیں اور انہوں نے اندازہ کرلیا تھا کہ مبشر حسن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان ہی میں سے ایک ہے۔ ترنم کو بہت زیادہ وقت نہیں لگا مبشر حسن کی نظروں میں آنے میں، تھوڑی دیر پہلے جو نا قابلِ شکست قلعہ بنا بیٹھا تھا وہ ترنم کے سامنے ہار چکا تھا۔ ترنم تو اپنے مزاج سے فوراً ہاتھ نہیں آتی تھی۔ میڈم راگنی نے ترنم کی اِس خاص ادا کو استعمال کیا تھا اور مبشر حسن والی کے پاس یوں بیٹھا تھا، جیسے سدھایا ہوا گھوڑا!

"تم اِن سب سے مختلف ہو!" مبشر حسن نے چھوٹا پیگ ترنم کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ شراب اور ترنم کے وجود کا نشہ اُس کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

"اچھا!" ترنم کی ہنسی استہزائیہ تھی۔

"میں نے تو آپ کے متعلق بھی کچھ ایسا ہی سُنا تھا۔" ترنم کا لہجہ بے حد چُبھتا ہوا تھا۔

"کیا؟" مبشر حسن نے اگلا گلاس بھی لبوں سے لگالیا۔ اب آہستہ آہستہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو رہا تھا اور وہی چابی کا گڈا بننے جارہا تھا، جس کے متعلق وہ ایک سال سے انکار کررہا تھا۔

حالات کی چکی میں قلندر نہیں مرتا
ٹوٹے بھی ستارہ تو زمیں پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں سبھی شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

تمہارے متعلق سب خیالات غلط ہوگئے ہیں! تم بھی اوریجنل آدمی نہ نکلے! اور آ گئے خود سے گر... دام میں پھنسنے کے لیے! ترنم کی زبان آگ اگل رہی تھی لیکن مبشر حسن کو شاید کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ اُس کی بھٹکی نگاہیں ترنم کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ ترنم نے ایک حقارت بھری نگاہ اُس پر ڈالی۔

"ترنم ڈارلنگ!" میڈم راگنی کی خوشی بھری آواز اُس کی پشت پر اُبھری۔

"مبشر صاحب کو بیڈروم میں لے چلو، یہ تھک گئے ہوں گے۔" میڈم راگنی نے ترنم کو وہ خاص اشا... دیا جس سے ترنم کی جان جاتی تھی۔

"ہوں مبشر صاحب آرام کرنا چاہیں گے؟" میڈم راگنی نے نشے سے مدہوش ہوتے ہوئے مبشر... سے پوچھا۔

"ضرور۔ اگر میزبان ترنم ہو تو؟" مبشر حسن نے بے باکی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"گزشتہ ایک سال سے میری اتنی لڑکیوں کو ریجیکٹ کرچکا تھا، جیسے ولی ہو!" میڈم راگنی مُنہ ہی میں بڑبڑائی، البتہ اُس کے چہرے کی خوب صورت مسکراہٹ قائم تھی۔

"جاؤ ترنم ڈارلنگ! یہ ہمارے خاص مہمان ہیں ان کو اتنا خوش کرو کہ یہ ہمارے ریگولر مہمان بن جائیں۔" میڈم راگنی نے واضح اشارہ دے دیا تھا۔

"ہا۔ ہا۔ ہے۔ ہے۔" مبشر حسن نہایت بے ڈھنگے انداز میں ہنسا تھا۔

ترنم کو اُس سے بے حد کراہیت محسوس ہوئی تھی۔

"مبشر صاحب آپ کی ٹیبل پر ہمارا بہت سارا کام رُکا پڑا ہے۔" میڈم راگنی نے اپنے دونوں بازو...

...مبشر حسن کے برابر جھک کر کہا۔ یہ کہتے ہوئے وہ اُن سے مزید قریب آ گئیں۔

...جائے گا! ہوجائے گا۔" مبشر حسن نے ترنم کو اپنے نزدیک کھینچتے ہوئے کہا۔

...لا۔" میڈم راگنی کا جواب میں فاتحانہ قہقہہ ترنم کو آگ لگا گیا، تمہارا یہ سارا گڈ ہمارے مستقبل کو ...ے گا۔ کاش! کاش! کوئی واقعی مردِ قلندر آجائے، جو اِس سسٹم کو اگر توڑ نہیں سکتا تو کم از کم اُسے ...کی شروعات ضرور بن جائے۔" ترنم نے مبشر حسن کے بھٹکتے ہاتھوں سے اپنے آپ کو چھڑانے کی ...کرتے ہوئے سوچا لیکن مبشر حسن اِس وقت جانور بن چکا تھا۔ ترنم کو اندازہ ہوگیا تھا کہ آج رات ...روع ہونے سے پہلے اُس کی بوٹی بوٹی نوچی جانے والی ہے۔ کاش جس طرح آج سال کی آخری ...ہے، میری زندگی کی بھی آخری رات ہوجائے اِس گناہ کی آخری رات ہوجائے! لیکن شاید ابھی ...الل باقی تھی اس لیے اُس کی زندگی باقی تھی۔ سردی کا قہر باہر پھیل رہا تھا لیکن شراب و شباب کے ...مست نیو ایئر کو ویلکم کرنے کے لیے سب ناچ رہے تھے۔ گذشتہ سال نے جاتے جاتے آہ بھر کر ...اری ہچکی بھرنی تھی۔ وہ اپنے دامن میں بے گناہوں کے خون کے چھینٹے، انسانیت کا قتل اور تہذیب ...کی سانسوں کا دُکھ لے کر روانہ ہورہا تھا۔ اِس سال کو بھی ہم رتی بھر خوشی نہ دے سکے تھے۔ جیسے ہی ...سے چُور چُور سال نے آخری ہچکی بھری، لائٹس جو کچھ دیر کے لیے آف کی گئی تھیں آن ہوگئی تھیں ...وگی سے چیخ رہے تھے، چلا رہے تھے میوزک کی تیز آواز کے ساتھ رقص کرنے والوں کے قدم تیز ...گئے تھے۔ وہاں بنے کوریڈور اور اوپر کی منزل میں لگژری بیڈروم تیار تھے۔ کچھ دیر بعد ساتھ ہی ہر ...رے کے باہر ڈونٹ ڈسٹرب کا کارڈ لٹک رہا تھا۔ تتلیوں نے بہت ناچ لیا تھا اب چابی کے گڈوں کی ...ری تھی!

❖❖○❖❖

...لی ڈرائیونگ کرتے ہوئے بے حد بے چین تھا۔ کچھ دیر پہلے کے مناظر اور الفاظ اُسے بے ڈسٹرب ...رہے تھے۔ سائرہ اور مسکان کے سامنے تو وہ اپنے تاثرات چھپا گیا تھا۔ اس حد تک چھپا گیا تھا کہ ...کو یہی گمان ہوا تھا کہ ولی نے کچھ نہیں سُنا لیکن اب وہ چاہ کر بھی وہ منظر نہ بھلا پارہا تھا۔ مسکان کا ...اسٹیج پر کھڑے ہوکر آنکھیں بند کرکے با آواز بلند دیوانہ وار اظہار! ولی کی خاموش جھیل جیسی دل کی ...میں بے چین پتھر کی طرح آ کر لگا تھا۔ وہ صنفِ مخالف کے لیے بے حد کشش رکھتا تھا اور وہ اِس ...بات کو بہت پہلے سے جانتا بھی تھا۔

اُس کا اسٹیٹس، اُس کی ذہانت! یہ اِس کشش کے مزید لوازمات تھے۔ لیکن اِن ساری حقیقتوں کے ...اد جو خول اُس نے خود پر چڑھا رکھا تھا اُس سے ہمیشہ تسلی رہتی تھی کہ کوئی بھی لڑکی اُس کے واضح ...اب کے بعد آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کرسکتی۔ لیکن مُسکان؟ اُس کا اظہار، وہ صرف کسی سے انسپائر ...نے کا اثر نہ تھا۔ اُس کے لہجے میں اُس کے لفظوں میں جنون بول رہا تھا۔ وہ کس مقام پر کھڑی تھی یہ ...کے چہرے کے رنگوں سے پتا چل رہا تھا۔ مجھ سے کہاں چوک ہوئی؟ اب وہ خود سے سوال کررہا ...میرے رویے اور لفظوں میں کہاں لچک آئی کہ اُس نے اتنا بڑا گمان پال لیا؟ عورت اُس کی نظروں ...بے حد قابلِ احترام تھی۔ یہ بات اُس کی تربیت میں شروع دِن سے ڈالی گئی تھی۔ لڑکیوں سے وقت

گزارنے کے لیے دوستی کرنا اُسے عورت کی توہین لگا کرتا تھا۔ اِس لیے اُس نے خود پر ایک خول چڑھا
تھا تا کہ کوئی لڑکی کبھی بھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔

''لیکن مسکان! پھر اُسے آج تک معلوم کیوں نہ ہو سکا؟'' ولی نے بے چینی سے گاڑی موڑی، اُسے خود بھی نہ پتا چل سکا کہ کب اُس کی گاڑی علیزے کی گلی کے باہر آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا حُسن خالہ کے گھر کے پاس آ رُکا تھا۔ اُس کا دل اِس وقت ایک چہرہ دیکھنے کو شدت سے مچل رہا تھا بیل پر ہاتھ رکھ کر جیسے ہی اُس نے ہٹایا دروازہ کھل گیا تھا۔ سامنے کوئی سراب نہ تھا اُس کے دل نے جس چہرے کی تمنا کی تھی، وہ سامنے تھا۔ بے حد پاکیزہ، حیا آلود چہرہ! دروازہ علیزے نے کھولا تھا۔ پر میرون گرم شال ڈالے اُس کی گوری رنگت دمک رہی تھی۔

تیرے بغیر یہ دِل میرا کہیں نہ لگے
تجھ کو تجھ سے چُرا لوں اگر بُرا نہ لگے
اگر تم پہ مرنا ہے تو اِس طرح مروں
دل تو کیا دھڑکن کو بھی پتہ نہ لگے

''ارے آپ؟ السلام علیکم!'' علیزے نے خوش دلی سے کہا، ولی شاید کسی خواب کی کیفیت سے جاگا تھا۔ دل جو بے سکون تھا اُسے ایک دم قرار آ گیا۔

سارے سوالوں کا جواب مل گیا تھا۔ ولی ہر بار علیزے سے ملنے کے بعد ایک خاص قسم کے احساس سے دوچار ہوتا تھا اور اُسے رد کرتا تھا۔ وہ بے چینی علیزے کو دیکھ کر سکون میں ڈھل گئی تھی۔

''نگینہ، خالہ خالو کیسے ہیں؟ آپ ٹھیک ہیں؟ پلیز اندر آئیے نا!'' علیزے نے اُس کی گہری نظروں سے گھبرا کر کہا اور ساتھ ہی اُسے اندر آنے کو راستہ دیا۔

''آپ کیسی ہیں؟'' ولی کے تلاطم میں کمی آ گئی تھی۔ اِس لیے اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''جی ٹھیک ہوں، پلیز آپ اندر آئیے نا!'' علیزے کو اپنی ماں کا پروٹوکول یاد تھا، جو وہ خالہ اور اُن کے بچوں کو دیکھ کر ہمیشہ دیتی تھیں۔ اِس لیے علیزے کو ولی کا دروازے پر زیادہ دیر کھڑا ہونا گراں گزر رہا تھا۔

''نہیں بس میں چلتا ہوں!'' ولی کے یوں اچانک واپس مُڑنے پر علیزے باقاعدہ بوکھلا گئی تھی۔

''سنیے!'' وہ گھبرا کر بولی۔

ولی کو اُس کا یوں پکارنا بے حد بھایا۔

''جی سنائیے۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے کسی سے نہیں ملیں گے؟'' علیزے کو ولی کا یوں اچانک آ کر مُڑ جانا بے حد عجیب سا لگ رہا تھا۔

''وہ تو میں مل لیا۔ جس سے ملنے آیا تھا اُسی سے مل کر جا رہا ہوں۔'' ولی نے تھوڑا جھک کر اس کے قریب آ کر کہا۔ علیزے بُری طرح بوکھلا گئی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیا سکتہ ہو گیا ہے؟'' پیچھے سے منزہ کی آواز آئی، ولی تو کتنی ہی دیر ہوئی جا چکا

لیکن اُس کا ذو معنی لہجہ، بولتی آنکھیں علیزے کو ساکت کر گئی تھیں۔ وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

''دروازے پر کون تھا؟'' منزہ نے اُسے ہلا کر پوچھا۔

''ولی تھے۔'' علیزے نے کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیا۔ منزہ کو چار سو چالیس واٹ کا جھٹکا لگا تھا۔

''کون ولی؟ روشن آرا خالہ کا بیٹا؟'' منزہ نے تفتیشی انداز میں پوچھا تو علیزے ایک دم جیسے جاگ گئی۔

''ہاں! وہ ہی تھے۔'' اب علیزے نے اپنے لہجے میں بے نیازی دکھانے کی کوشش کی۔

''لیکن وہ اندر کیوں نہیں آئے، دروازے سے ہی کیوں مُڑ گئے؟'' منزہ کو بات سے بات نکالنے کی ات تھی۔

''مجھے کیا معلوم؟'' علیزے دروازہ بند کر کے کمرے میں آ گئی۔

''تمہیں نہیں معلوم! یہ کیا جواب ہوا، آخر کیا کہہ رہے تھے، کچھ کہے بغیر کیسے جا سکتے ہیں بغیر وجہ کے تو الی نہیں آتا۔'' منزہ نے اُس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''میں کیا کہوں۔'' امی کا پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہا گھر میں نہیں ہیں وہ چلے گئے۔'' علیزے نے اونچی آواز میں کہا۔ اب وہ کیا کہتی کہ وہ واقعی بنا کچھ کہے سُنے چلا گیا اور جو کہہ کر گیا تھا بھلا وہ کسی ایا بتاتی کہ...

''تم جیسا بے وقوف دنیا میں کوئی ہوگا۔'' اب منزہ کو علیزے پر غصہ آنے لگا تھا۔

''امی آئیں گی پتا چلنے پر کتنا دُکھ محسوس کریں گی۔'' منزہ کو واقعی ولی کے یوں جانے کا بے حد دُکھ تھا۔

''کوئی اندر نہ آئے تو کیا میں ہاتھ پکڑ کے لے آؤں۔'' ہاتھ میں اُٹھائے کپڑے علیزے پہلے ہی یشان تھی اُس نے بے حد چڑ کر جواب دیا اور باہر چل دی جنھیں وہ دھونے کے لیے نکال رہی تھی۔

''احمق'' منزہ نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

جب کہ باہر سرف میں کپڑے بھگوتی علیزے ابھی تک اُلجھی بیٹھی تھی، کیا واقعی ولی صرف مجھ سے ملنے ل دور آئے تھے! لیکن وہ مجھ سے ملنے کیوں آئے تھے؟ کچھ ایسا احساس اُسے گھیرنے لگا تھا، جسے الحال وہ کوئی نام نہ دے پا رہی تھی۔

❖❖○❖❖

''کیا بات ہے میری جان! کچھ ڈسٹرب ہو؟'' روشن آرا بیگم نے کمرے کی لائٹ آن کرتے ہوئے ا۔

''نہیں کچھ ایسے ہی۔'' ولی کے پاس اُن کے سوال کا جواب نہ تھا۔ اِس لیے ادھورا جملہ بہ مشکل بول

''ماں ہوں تمہاری، میرے دِل کے ریڈار پر اپنی اولاد کے ماتھے کی ایک ایک شکن نوٹ ہو جاتی ہے، اں ہی کیا، جو اولاد کے دِل کے موسم کو نہ جان سکے۔'' روشن آرا بیگم نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

''ولی کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ کچھ پل اُس نے سوچ کر ساری بات روشن آرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کہہ ڈالی۔"
"تمہیں وہ لڑکی مسکان پسند ہے؟" روشن آرا جان ہی نہ پائیں کہ کب اُن کی آواز بے جان ہوگئی تھی۔ احمد شاہ کا خیال کہیں درست ہی نہ ہونے جا رہا ہو، اُن کا دل علیزے کے لیے اس قدر یکسو تھا کہ ولی کے ساتھ کوئی اور لڑکی دیکھنا اُن کے لیے مشکل تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اولاد پر جبر کی بھی قائل نہ تھیں۔

"نہیں امّاں جانی! میں نے کبھی اُسے اِس نگاہ سے نہیں دیکھا اور شاید دیکھ بھی نہ پاؤں۔" ولی نے نہایت سچائی سے کہا۔

روشن آرا بیگم نے بے اختیار طمانیت بھرا سانس لیا۔

"کیا تمہیں کوئی اور پسند ہے؟" انہیں ایک اور وسوسہ ستا رہا تھا۔

"ارے نہیں امّاں جانی۔" ولی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اِٹس ٹو ارلی۔ ابھی تو مجھے اپنا بزنس سیٹ کرنا ہے پھر کہیں اِن مسئلوں میں اُلجھا جا سکتا ہے۔" ولی نے اپنی پلاننگ بتائی۔ روشن آرا ایک دم کھل کر مسکرائی تھیں۔

"پھر پرابلم کیا ہے؟" اب وہ اُس کی پریشانی کی وجہ جاننا چاہتی تھیں۔

"وہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے، اس کا اس طرح خود کو میرے لیے خوار کرنا مجھے بے حد دُکھ دے رہا ہے۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ کوئی لڑکی دلی و ذہنی طور پر میری وجہ سے تباہ ہو۔" ولی نے سچائی سے کہا۔

"لیکن اس سارے معاملے میں تم کہیں انوالو نہیں ہو، میرا نہیں خیال کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت ہے، پھر ایسی باتیں جو خود کے بس میں نہ ہوں وہ اُس سب سے بڑی ذات کے حوالے کر دینی چاہیے، وہ جو بہتر چاہے گا وہ ہو جائے گا۔" روشن آرا نے اُسے تسلی دی۔

"آئی تھنک آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میرے پریشان ہونے سے مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔" ولی نے ماں کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔

"ویسے ایک بات پوچھوں؟" روشن آرا کسی خیال کے تحت مسکرا اُٹھیں۔

"حکم میری پیاری امّاں جان!" ولی نے اپنی جلتی آنکھوں پر اُن کے ہاتھ رکھ کر سکون محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھے تمہارے لیے کوئی لڑکی پسند ہو تو کیا تم میری پسند کو قبول کر لو گے؟" روشن آرا کی جھجک ولی کو بُری طرح محسوس ہوئی تھی۔

ایک پل کو بھی ولی کو اپنے دل کی کسی خواہش کا خیال نہ آیا تھا۔ اُس کے نزدیک اپنے ماں باپ کی بات ہر چیز سے اہم تھی۔

"اماں جان! آپ چاہے میرے لیے کوئی لولی لنگڑی پسند کر لیں مجھے یقین ہے وہ دُنیا کی بہترین لڑکی ہوگی، کبھی بھول کر بھی آپ میرے متعلق کسی وسوسے کا شکار نہ ہوں۔" ولی نے اپنے دل پر اُبھرتی علیزے کی شبیہہ کو دباتے ہوئے کہا۔

"اللہ نہ کرے کہ میں اپنے چاند جیسے روشن دل رکھنے والے بیٹے کے لیے کوئی لولی لنگڑی پسند کروں

مانو وہ بھی بے حد پیاری بچی ہے، علیزے کو شروع سے میں تمہارے لیے پسند کرتی آ رہی ہوں۔"
آرا بیگم کے الفاظ ولی کے دل پر کسی ٹانک کی طرح اُترے۔
لی بے اختیار مسکرایا، اُس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں بلکہ اُسی طرح روشن آرا بیگم کی گود میں سر رکھے ا رہا۔ ایک حیا آلود چہرہ چھم سے اُس کے تصوّر میں آ گیا۔
"میں نے کہا تھا ناں امّاں جان! آپ کی پسند کی ہوئی لڑکی دُنیا کی بہترین لڑکی ہوگی۔" ولی کے لہجے وشی چھلک رہی تھی۔
"تو تم کو علیزے کیسی لگتی ہے؟" روشن آرا بیگم نے اُمید سے پوچھا۔
"جیسی آپ کو لگتی ہے!" ولی نے دامن بچایا۔
"مجھے تو بے حد اچھی لگتی ہے۔" روشن آرا بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔
"مجھے بھی۔" ولی نے دل ہی دل میں کہا۔

❖❖○❖❖

"اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ایک ہی حجاب حائل ہے اور اُس کا نام نفس ہے" میاں جی نے لی چھوٹی لکڑیاں اکٹھی کرتے ہوئے کہا۔ میرو بے حد دھیان سے اُن کی باتیں سُن رہا تھا ساتھ ساتھ لی مدد کے لیے وہ بھی لکڑیاں اکٹھی کر رہا تھا۔
"میاں جی اِن تینوں گاؤں کی واحد ہستی تھے، جو بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دے رہے تھے۔ گاؤں تعلیم کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ لوگوں میں مذہب کا شعور بے حد کم تھا ایسے میں کمزور عقیدہ لوگ فتوں، ال پر بے حد یقین رکھتے تھے۔
"میاں جی! میری چاچی کے ہاں بہت عرصے بعد اولاد کی اُمید جاگی ہے اور اُس نے منت مان لی کہ گاؤں کی جمعدارنی "چوڑا" نام ہے اُس کا وہ اپنی بیٹی کو اُس عیسائی عورت کی گود میں ڈال کر اس نام سے ہی پکارے گی اگر لڑکا ہوا تو اُس کے میاں کا نام "لبھا" ہے۔ وہ اپنے لڑکے کا نام جمعدارنی یاں لبھے کے نام پر رکھ لے گی۔ میاں جی کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟ میرو کو اپنے گاؤں کے اس طرح رسم و رواج ہمیشہ سے بُرے لگتے تھے۔
"استغفراللہ! ہمارے پیارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہو تو اس معنی اور اچھا نام رکھو اور سات دن بعد اُس کا عقیقہ کرو۔" میاں جی نے وہیں ایک ٹیلے پر بیٹھتے ئے کہا۔
"میاں جی ہمارے گاؤں کے لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟" میرو نے معصومیت سے پوچھا۔
"اپنے سب سے بڑے مالک سے دوری کے سبب، اُن کے پاس علم اور یقین کی کمی ہے۔" میاں جی لہجے میں تاسف تھا۔
یہ اللہ رحمٰن و کریم پر یقین ہی ہے، جو ہمیں ہر مشکل سے نکالتا ہے، اللہ پر یقین نہ کرنے والے اپنے سے نکل کر ہمیشہ یوں ہی بھٹکتے رہتے ہیں۔"
پھر ایسا کیا کیا جائے کہ ہمارے لوگ اس طرح کی بدعت سے بچ جایا کریں۔" میرو نے سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لکڑیوں کا گٹھا بنا کر اپنے کندھے پر اُٹھالیا تھا۔ میاں جی بھی ساتھ ہی کھڑے ہو گئے۔
''ان سب باتوں سے عملی انکار کیا جائے، عمل ہی اِن بے بنیاد رسموں کو توڑے گا۔''
''لیکن میاں جی! کس میں اتنی ہمت ہے کہ اپنے بڑوں کے آگے کھڑا ہو جائے؟'' میرو واقعی ان بنیاد رسموں سے نکل جانا چاہتا تھا۔
''تم بنو! ہاں تم بنو بارش کا پہلا قطرہ! تمہیں دیکھ کر بہت سارے لوگ سامنے آئیں گے، جو اِن رسم سے بے زار ہوں گے لیکن اپنی کم ہمتی کے باعث اُن میں سامنے آنے کی ہمت نہ ہوگی۔'' میاں جی اُسے ہمت دلائی۔
''میں؟ لیکن میاں جی میں کیا کرسکتا ہوں؟'' میرو نے حیرانی سے پوچھا۔
''تم اپنے عمل کے ذریعے انکار کر سکتے ہو، تم اپنے گھر سے شروعات کر سکتے ہو اپنے چچا کے بچے کا بدل کر۔ بظاہر یہ معمولی سی بات لگتی ہے لیکن تبدیلی کا عمل چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں سے ہی ہوتا ہے۔ کہو تم میں عمل کی ہمت ہے؟'' میاں جی کا سوال میرو کے اندر سوئے ہوئے جذبے کو جگا رہا تھا۔
''آپ ہی تو کہتے ہیں کہ انسان اللہ کی مدد سے سب کچھ کرسکتا ہے انشاء اللہ میں بھی اللہ کی مدد۔ کوشش کروں گا۔'' میرو کے لہجے سے سچائی چھلک رہی تھی۔
''انشاء اللہ! اللہ تمہاری مدد فرمائے۔'' میاں جی نے ساتھ ہی اُسے دعا دی۔ اُسی پل سامنے۔ دھول کے بگولے اُڑاتا کوئی گھوڑے پر سوار آیا۔ میرو نے بازو پکڑ کر میاں جی کو سائیڈ پر کیا۔ گھوڑس سینہ تانے گردن اکڑائے اُن کے پاس سے گزر گیا لیکن کچھ دور جا کر واپس پلٹا، میرو کے ماتھے پر وا ناگواری کی لکیریں اُبھر آئی تھیں۔ یہ سیّد سرفراز تھا، جو اپنی زمینوں کا دورہ کر کے لوٹا تھا۔ گھوڑے پر س وہ جب میلوں اپنی زمین کا سفر کرتا تو زمینوں کا بڑھتا سفر اُسے مزید تکبر میں مبتلا کر دیتا۔ ''سید سرفراز ا زمینوں کا اکلوتا مالک ہے!'' وہ یہ جملہ مسلسل دُہراتا، ایسے میں وہ سید عبداللہ، اپنی بہنوں اور اپنے باپ مخص کو بھول جاتا تھا۔ لالچ اُسے گھیر لیتا تھا۔
''کدھر جا رہے ہو میرو!'' سید سرفراز نے گھوڑے کو گول دائرے میں چکراتے ہوئے پوچھا۔
''میاں جی کو مسجد تک چھوڑنے جا رہا ہوں۔'' میرو نے نہایت ضبط سے کہا۔ ماں باپ کی دی ہوئی د نہ ہوتی تو میرو کبھی یوں سید سرفراز سے عاجزی سے بات نہ کرتا۔ یہ وہ ہی جانتا تھا کہ کس دل سے وہ سرفراز کے سامنے بات کرتے ہوئے اپنی آواز اور نگاہ نیچی رکھتا تھا۔
''ہا۔ ہا۔ ہا۔'' سید سرفراز میرو کے تاثرات سے لطف اندوز ہوا۔
''اور کیا حال ہے تمہارا مولوی؟'' سید سرفراز کے لہجے میں بے انتہا بدتمیزی تھی۔
''الحمدللہ!'' میاں جی نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔
''سنا ہے بڑے بچے اکٹھے کر کے درس ورس دیتا ہے تُو؟'' سید سرفراز نے گھوڑے کو اس طرح گھ کہ ساری دُھول مٹی میاں جی اور میرو کے چہرے پر آئی، دونوں نے بے اختیار اپنے ہاتھ آنکھوں رکھے۔
''ہا۔ ہا۔ ہا۔'' سید سرفراز نے بے ڈھنگے انداز میں قہقہہ لگایا

''اوئے میرو! یہ بات کبھی اپنے ذہن سے نہ نکالنا کہ جو بھی ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے گا ایسے ہی ں میں خوار ہوگا یہ... یہ جو تیرا باغی چہرہ ہے نا سب بولتا ہے!'' سید سرفراز نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی میرو کی ٹھوڑی سختی سے چھوئی۔ میرو نے سلگتی سانسوں کے ساتھ اُسے دیکھا۔
''اوئے! نگاہ نیچی کر۔'' سید سرفراز دھاڑا، میرو شاید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میاں جی نے اس کا ہاتھ تھام ا روکا۔
''تیری اکڑ تو میں شوں کر کے نکال دوں گا۔ تُو سید سرفراز کو نہیں جانتا کہ جو اُس کے سامنے سر اُٹھاتا واُس کا سر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جُھک کر رہ جاتا ہے۔ ہونہہ!'' سید سرفراز نے ایک تضحیک بھرا ہنکارا بھر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اُس کے جاتے ہی ہر طرف دھول تھی۔ میرو نے غصّے سے مٹھائیاں بھینچ لیں۔
''بیٹا غصّہ پی جانے والا اپنے نفس پر فتح حاصل کر لیتا ہے، تُو کیوں اِس غصّے کے آگے ہارتا ہے!'' اں جی نے دھیرے سے اس کا کندھا دبا کر تسلی دی۔
''میاں جی! ہم اگر غریب ہیں تو کیا ہماری کوئی عزت نہیں ہے؟'' میرو نے سلگ کر پوچھا۔
''ہے کیوں نہیں ہے، لیکن لوگوں کے اچھے بُرے رویے آپ کی عزّت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انسان کو ں کرنا چاہیے کہ اُس کے عمل کو سے بس اللہ رحمٰن کے سامنے باعزت رکھیں۔''
''جی!'' میرو نے بہ مشکل خود پر قابو پا کر کہا۔
''چلو بیٹا پھر گھر چلیں!'' میاں جی نے پوچھا۔
''جی چلیں۔'' میرو ڈھیلی سی چال چلتا آبادی کی طرف چل دیا لیکن اُس کا دِل بے حد ٹوٹا ہوا تھا اور لے ہوئے دل اکثر بڑے خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔

❖❖○❖❖

ا کون ہے
ں کون ہوں، سب لوگ ہیں
پھڑے ہوئے
ن زہر ہیں
ے مہر ہیں، سب شہر ہیں
ڑے ہوئے
رے لیے
رے بہت سے عہد ہیں
الے ہوئے
رے لیے
ے بہت سے خواب ہیں
ٹے ہوئے
چلے جاؤ یہاں سے، سب چلے جاؤ تم سب ناپاک لوگ جان بوجھ کر میری چیزوں کو ہاتھ لگا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناپاک کرتے ہو، ناپاک! غلیظ!'' زبیدہ بیگم کا تنفس بگڑنے لگا تھا۔

سمعان اندر آیا تو اُس کے سر میں پتھر کا ڈیکوریشن پیس لگا تھا۔ وہ سر تھام کر بیٹھتا چلا گیا، قاسم علوی اُس کے پیچھے ہی داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی گھبرا کر سمعان کے اوپر جھکے تھے۔ سمعان کے سر سے خون بھل بھل باہر نکل رہا تھا۔

''سمعان!'' قاسم علوی بے حد گھبرائے تھے۔

''زبیدہ! اِسٹاپ دِس آل نان سنس۔'' قاسم علوی نے چلّا کر کہا، زبیدہ بیگم کا ہاتھ فضا میں اُٹھا ہوا تھا ایک دم نیچے گر پڑا، ابھی تک انہیں اپنی کی ہوئی کارگزاری سمعان کے ماتھے پر نظر نہ آئی تھی۔ وہ اس قدر غصّے میں پاگل ہو رہی تھیں کہ سامنے اُن کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''تم کیسی ماں ہو؟'' زندگی میں پہلی بار قاسم صاحب کی زبان پر شکوہ آیا تھا۔

''اُٹھو سمعان جلدی سے!'' قاسم علوی کے لہجے میں بے حد تڑپ تھی، سمعان کی ساری شرٹ اُس کے خون سے بھیگ رہی تھی۔

''اُٹھو بیٹا! انہوں نے اُسے سہارا دے کر اُٹھایا۔ اور تم زبیدہ بس کردو! یہ ناپاکی کا وہم تمہارے دماغ میں کسی کینسر کی طرح پھیل گیا ہے۔ ناپاکی، ناپاکی! خدا کے لیے اب بس کردو!'' قاسم علوی دُکھ سے کہتے سمعان کو سہارا دے کر باہر نکل گئے اور زبیدہ بیگم بے اختیار نیچے بیٹھتی چلی گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ واقعی میرا وہم کینسر بن گیا ہے، یہ مجھے مار کر ہی دم لے گا۔ لیکن... لیکن ناپاکی تو ہے نا، میرے وجود کے ساتھ لگ گئی ہے۔ وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اُن کا رُخ باتھ روم کی طرف تھا، جہاں انہوں نے اب گھنٹوں مل مل کر نہانا تھا اُس گندگی کو اُتارنے جو اُن کے وجود کو لگ گئی تھی۔

❖❖○❖❖

کچھ کہنے کچھ سننے کو دِل چاہتا ہے
تجھے دِل کی بات بتانے کو دِل چاہتا ہے
سوچا اپنی بے بسی بیان کر ہی ڈالوں
پر ابھی اِسے اور بڑھانے کو دِل چاہتا ہے

ولی نے برش پیلٹ Palatt میں رکھ کر پاس پڑے اسٹول پر بیٹھ کر پینٹنگ کو غور سے دیکھا، علیزے کی تصویر تھی، جو سفید دوپٹہ اوڑھے ہوئی تھی۔ اُس کا آدھا چہرہ دوپٹے کی اوٹ سے نظر آ رہا تھا ڈارک بلیو بیک گراؤنڈ میں بنا یہ پورٹریٹ بہت ہی خوب صورت بنا ہوا تھا، جیسے چاندنی رات میں چاند چمک رہا ہو، علیزے کے چہرے پر بنا تل بے حد نمایاں تھا۔ ولی کو پتا بھی نہ چل سکا کہ کب وہ اتنا خود ہوا تھا کہ تین گھنٹے مسلسل کینوس کے سامنے کھڑے رہ کر اُس نے وہ چہرہ بنایا تھا، جو اُسے اپنے دل کی خبر دے گیا تھا کہ عبدالولی کی زندگی میں بھی کوئی بے حد اہم ہو گیا ہے۔

''اوں!'' ولی کو اپنی پشت پر کھانسے کی آواز آئی۔

''یہ تمہارا تخیل ہے یا پھر حقیقت؟'' طارق بلیک لیدر کی جیکٹ اور لانگ شوز پہنے پوری تیاری میں آ رہا تھا۔

''نہ سلام نہ دُعا! پولیس کی طرح آتے ہی تفتیش شروع کردی۔'' ولی خوش دِلی سے مسکراتے ہوئے اِس سے بغل گیر ہوا۔

''کیسے ہو، کہاں تھے اتنے دن؟ تمہارا سیل بھی بند تھا۔ تم تو اچانک ہی منظر سے غائب ہو جاتے ہو اگر تمہاری یاد آئے تو تمہیں کہاں ڈھونڈا جائے؟'' ولی نے کرسی اُس کے لیے خالی کی جس پر اُس کی اسکیچ بک رکھی ہوئی تھی۔

''ارے۔ ارے! تم نے تو سوالات کی بمباری شروع کردی کہ جواباً سننے کو کچھ تیار نہیں ہو۔'' طارق نے اپنی جیکٹ اُتار کر کرسی کے ساتھ لٹکا دی۔ اس کی بیک بیلٹ کے ساتھ لٹکا موزر بے حد نمایاں تھا۔

''یار رابطے میں رہا کرو۔'' عبدالولی واقعی اُسے مِس کر رہا تھا۔ دِل کی دنیا میں ایسی زبردست تبدیلی آئی تھی کہ وہ فوراً اسے اپنے فاسٹ فرینڈ سے شیئر کرنا چاہ رہا تھا۔

''بس یار کچھ بے حد مصروفیت کا سامنا تھا۔'' طارق نے اپنی جلتی آنکھوں پر ہاتھ رکھے، وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ وہ تین راتوں سے مسلسل جاگ رہا تھا۔ عبدالولی نے انٹر کام پر کافی اور سینڈوچ کا کہا۔ انٹر کام ڈائریکٹ کچن سے رابطہ ہو جاتا تھا۔

''خانساماں نے دس منٹ میں آنے کو کہا ہے تب تک تم اِدھر ریسٹ کرلو۔'' عبدالولی نے سائیڈ پر بنے فوم کم بیڈ کی جانب اشارہ کیا جو اُس نے اسٹوڈیو میں رکھا ہوا تھا۔ جب رات گئے وہ کام کرتے تھک جاتا تو یہیں پر سوجایا کرتا تھا جن دِنوں وہ کسی اسائنمنٹ پر کام کر رہا ہوتا تھا وہ زیادہ تر وقت اپنے اسٹوڈیو میں گزارتا تھا۔ ایسے میں کھانا چائے اس کے لیے یہیں آتی تھی۔

''یار یہ تو بے حد نیکی کی ہے۔'' طارق نے ایک سیکنڈ نہیں لگایا لیٹنے میں، وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ عبدالولی نے پیار بھری نگاہ اُس پر ڈالی، طارق اُسے بھائیوں کی طرح عزیز تھا۔ اُس پر وہ بہترین عادات کا مالک تھا۔ طارق کو چند پل لگے تھے بے خبر ہونے میں، سوتے میں اُس کا چہرہ بے حد معصوم نظر آ رہا تھا۔

عبدالولی نے اونچے لمبے طارق پر کمبل ڈال کر اسٹوڈیو میں زیرو پاور کا بلب آن کیا اور خود باہر نکل آیا۔

''آپ نے کافی کے دو کپ منگوائے تھے، کیا کوئی مہمان آیا ہے؟'' نگینہ ہاتھ میں اپنی سیامی بلّی تھامے کوریڈوز میں عبداللہ کو ملی۔

''ہاں طارق آیا ہوا ہے اور میرے اسٹوڈیو میں آرام کر رہا ہے کسی کو ڈسٹرب نہ کرنے دینا، میں کچھ دیر کے لیے اپنے کمپیوٹر پر ہوں۔ آج مجھے اپنے تھیسز کے کچھ لے آؤٹ نکالنے ہیں۔'' عبدالولی یہ کہتے ہوئے تیزی سے کمرے کی جانب بڑھا۔

''مانو رانی! شی، چپ شور نہیں کرنا طارق بھائی آرام کر رہے ہیں۔'' نگینہ نے اپنے بازوؤں میں تھامی بلّی سے کہا، جو مسلسل میاؤں میاؤں کہہ کر کھیلنے کے لیے مچل رہی تھی۔ یہ وقت وہ نگینہ کے ساتھ کھیل کر گزارتی تھی۔ اُسی پل فون کی بیل بجی، نگینہ نے بلّی کو زمین پر چھوڑا اور خود کوریڈور میں رکھا فون اُٹھالیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ فون سے فارغ ہوئی تو بلّی غائب تھی۔ نگینہ نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو بلّی سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ﮯ اسٹوڈیو کے دروازے سے اندر گھس گئی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ! وہ بلی کے پیچھے بھاگی۔ رانی رُکو۔ لیکن نٹ کھٹ بلی جسے سارے گھر میں گھومنے کی عادت تھی اندر جاچکی تھی۔ بھائی کہہ رہے تھے کہ طارق بھائی کو ڈسٹرب نہیں کرنا اس خیال کے تحت ﻟ نگینہ بے حد تیزی سے اسٹوڈیو میں داخل ہوئی۔ باہر روشنی سے ایک دم اندھیرے میں آ کر نگینہ کو کچھ نظ نہ آیا۔ لیکن جیسے ہی اُس کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں وہ نہایت تیزی سے طارق کی جانب بڑھی، رانی بڑے مزے سے اُس کے کمبل میں گھس گئی تھی۔

"رانی باہر نکلو۔" نگینہ نے گھبرا کر اُسے پکڑنا چاہا لیکن شرارتی رانی اُچھل کر دوسری جانب ہوگئی، نتیﺠ میں نگینہ اپنا وزن نہ سنبھال نہ پائی اور سیدھی بے چارے بے سُدھ سوئے طارق پر جاگری۔ طارق ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ نگینہ شرمندگی سے فوراً پرے ہوگئی۔

"کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟" طارق نے اپنی نیند بھری آنکھوں کو ملتے ہوئے خود سے با آوا بلند سوال کیا۔

"لیکن یہ کِس قدر حسین خواب ہے۔" طارق کا لہجہ بھاری ہو رہا تھا اس کے وجود سے اُٹھنے وال پرفیوم کی خوشبو نگینہ کو عجیب سا احساس دلا رہی تھی۔ وہ بے حد گھبرا گئی تھی۔

"سوری طارق بھائی! یہ جو رانی ہے نا بہت شرارتی اور بدتمیز ہے اس کی وجہ سے آپ کی نیند ڈسٹرب ہوئی ہے۔" نگینہ نے سرگوشی میں یوں کہا، جیسے ابھی بھی وہاں کوئی سویا ہو۔

"کون رانی؟" طارق نے حیرت سے اُس بے خبر حُسن کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میری بلّی!" نگینہ نے رانی کو پکڑ کر سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے، آپ کی بلّی کا نام تو خاصا شاہانہ ہے کسی ریاست کی رانی مہارانی کی طرح۔" طارق کا دِل نگینہ سے بات کرنے کو چاہ رہا تھا اس لیے وہ اِدھر اُدھر کی غیر ضروری باتیں کر رہا تھا۔

"مجھے واقعی رانی کی طرح لگتی ہے اپنے مزاج میں اپنی مرضی کی مالک۔" نگینہ نے کھڑے ہوئے کہا۔ اُس کے سنہری بال آج ڈھیلی ڈھالی چوٹیوں سے باہر نکل آئے تھے اور اُس کے چہرے گرے ہوئے تھے طارق کو اِس منظر سے نگاہ ہٹانا دُشوار ہو رہا تھا ہلکی روشنی میں معصوم سی نگینہ طارق کو۔ چین کرگئی۔

"نگینہ!" طارق نے بھاری آواز میں اُسے مخاطب کیا شدّت جذبات سے اُس کی آواز میں بھا پن بے حد نمایاں تھا۔

"جی طارق بھائی!" نگینہ نے پوچھا۔

"پلیز تم یہاں سے جاؤ۔" طارق نے ایک دم بے رُخی سے کہا۔

"تمہارا یہاں کھڑا ہونا میرے لیے کسی امتحان سے کم نہیں۔" انہوں نے دِلی جذبات چھپاتے ہو۔ کہا۔

"جی بھائی۔" نگینہ خود طارق کی نیند ڈسٹرب ہونے پر شرمندہ تھی۔

"سوری میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا!" وہ جاتے جاتے بولی۔

"تم مجھے ہمیشہ بے حد ڈسٹرب کرتی ہو۔" طارق نے بے حد مدھم آواز میں کہا۔

نگینہ تو جاچکی تھی لیکن اُس کے وجود کی خوشبو ابھی تک وہاں تھی۔

"اے خوشبو جیسی لڑکی، اے معصوم رنگوں سے گندھی لڑکی! کاش میں تم کو بتا سکوں کہ تم میرے لیے کتنی ﺍﮨﻢ ہو۔" طارق نے گہری سانس بھر کر تکیے پر سر گراتے ہوئے کہا۔ اب وہ چاہ کر بھی نہ سو سکتا تھا۔

❖❖○❖❖

دیوار پہ لَرزہ ہے تو دَر کانپ رہا ہے
بچھڑے ہو تو اُجڑا ہوا گھر کانپ رہا ہے
تم آنکھ کی پتلی میں چھپے سچ کو بھی دیکھو
مُجرم تو نہیں ہے وہ اگر کانپ رہا ہے
ویران ہے اِس درجہ ترے بعد مرا دِل
اِس شہر میں آتے ہوئے ڈر کانپ رہا ہے
اِک میں کہ جُدائی نے مجھے کردیا ساکت
اِک تو ہے کہ صدمے سے اُدھر کانپ رہا ہے
آنگن کو پلٹ نہ جاؤں نہ میں چھوڑ کے اُس کو
صحرا میں مرا خواب سفر کانپ رہا ہے
یا تو مری بینائی پہ ہے خوف مُسلط
یا نہر کے پانی میں شجر کانپ رہا ہے
بجھنے نہیں دوں گا میں کبھی ہجر کے صدمے
دل میں تری یادوں کا شرر کانپ رہا ہے

"اب کیسا محسوس کررہے ہو شہباز علی؟" احمد شاہ نے ڈاکٹر کے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"اتنے عرصے بعد خوشی اِس قدر ملی احمد شاہ کہ میرا کمزور دل اُسے برداشت نہیں کرپایا۔" شہباز علی کی ﺁواز میں صدیوں کی تھکان نمایاں تھی۔ آج صبح وہ عبدالولی کے مائم کی ریہرسل دیکھنے الحمرا چلے گئے ﺗﮭﮯ۔ سفید روشنی میں سفید لباس پہنے، جو لڑکی اسٹیج پر کھڑی تھی وہ بلاشبہ سارہ نہ تھی لیکن بالکل سارہ کی چھائیں تھی۔ وہ سائرہ تھی اُن کی بیٹی۔ شہباز علی واقعی اچانک ملی خوشی سنبھال نہ پائے تھے۔ سائرہ کو ﺩﯾﮑﮫ کر سارہ کی یاد شدت سے اُن کا دل دُکھا گئی تھی وہ کھڑے کھڑے گر گئے تھے۔ احمد شاہ بے حد ﮔﮭﺒﺮا گئے سب لڑکے لڑکیاں بھی گھبرا کر اُن کے گرد کھڑے ہوگئے۔ عبدالولی نے جلدی سے شہباز علی کو ﺍﭨﮭﺎ کر گاڑی تک پہنچایا۔

احمد شاہ چونکہ حقیقت سے آگاہ تھے اِس لیے بے حد پریشان تھے۔

ڈاکٹر کے ذریعے انہیں معلوم ہوا کہ شہباز علی دل کے مریض ہیں اور کوئی بھی اچانک خوشی یا صدمہ اُن ﮐﮯ لیے خطرے کا باعث ہوسکتا ہے، ڈاکٹر انہیں مختلف انجکشن لگا کر چلا گیا تھا۔ شہباز علی دو تین گھنٹے ﺩﻭﺍﺋﯿﻮں کے زیرِ اثر سوتے رہے۔ احمد شاہ اُن کے پاس ہی رُکے ہوئے تھے۔ نیند میں شہباز علی مسلسل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائرہ، سائرہ اور طارق کو پُکارتے رہے تھے۔ احمد شاہ کا دِل شہباز علی کے لیے بے حد دُکھا تھا۔ اِس لمبے سفر نے بے حد مسافت کاٹی تھی اور اب وہ تھکنے لگا تھا۔ وہ حق دار تھا کہ اولاد کی خوشیاں اب اُسے ضرور ملیں۔ ابھی شہباز علی کے ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر انہیں چیک کر کے گیا تھا اور گھر لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

''شہباز تم کب سے اتنے کمزور ہو گئے؟'' احمد شاہ نے اُن کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

''بظاہر بڑے بڑے مضبوط درخت اچانک گر پڑتے ہیں انہیں بھی میری طرح شاید جُدائی کا روگ لگ جاتا ہوگا۔'' شہباز علی نے بے حد نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

''احمد شاہ! اپنی بیٹی کو دیکھ کر یہ دِل اتنا خوش ہوا کہ بجائے اُسے بڑھ کر گلے لگاتا ایک دم کمزور پڑ گیا احمد شاہ میں اپنے بچوں کو اپنی پہچان کے ساتھ فوری ملنا چاہتا ہوں، پلیز میری مدد کرو۔ احمد شاہ پلیز!'' شہباز علی کسی بچے کی طرح مچلے۔

''ہمت سے کام لو، میں دیکھتا ہوں کہ میں فوری طور پر کیا کر سکتا ہوں۔'' احمد شاہ نے شہباز علی کو تسلی دی جو ایک پل ضائع کیے بغیر اپنے بچوں سے فوراً ملنا چاہتے تھے، انہیں گلے لگا کر اپنی برسوں کی پیاس بجھانا چاہتے تھے۔

❖❖○❖❖

دھن دے، جی راکھیے جی دے رکھیے لاج
جیو لاج دھن دیجیے اک پربت کے کاج
پربت کرے ایسی کرے جیسے راسی ڈور
گلا پھنسا وے اپنالا وے نیر جھکور

آسمان پر ستارے ٹنکے ہوئے لگ رہے تھے۔ گاؤں میں باہر سونے کا رواج تھا۔ نفیسہ نے سب بستر باہر لگائے تو فیصل سے پوچھ کر اُس کا بستر بھی باہر کھلے آنگن میں لگا دیا، سب سو چکے تھے جب فیصل کھوئے کھوئے انداز میں لیٹا ہوا تھا۔ سفید کبوتر جیسے پاؤں بار بار اُس کے ذہن میں آ رہے تھے. کوئی اتنے خوب صورت پاؤں بھی رکھ سکتا ہے؟ پھر وہ خود ہی ہنس دیا۔ یہ سب تو اللہ کی بنائی ہوئی چیز ہیں لیکن اُس لڑکی میں خاص طرح کی کشش تھی۔ لندن میں اُس نے پتلی، سبز آنکھوں والا بے حد دیکھا تھا لیکن کوئی اُسے اپنی طرف نہ کھینچ سکا تھا اور کل وہ بھوری آنکھوں کے سحر میں جکڑ گیا تھا۔ کچھ واقعی جادو جیسے ہوتے ہیں جکڑ لیتے ہیں، فیصل اُسے دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ کون تھی وہ نہ جانتا تھا لیکن اُسے دیکھ کر خاص طرح کی اُنسیت کا احساس ہوا تھا۔ وہ اُس کے لیے اجنبی ہرگز نہ تھی، یوں جیسے شروع سے اُس کے دِل کی مکین ہو۔ گاؤں کی گوری پر تمہارا دل آ گیا؟ فیصل نے کروٹ لیتے ہوئے سے سوال کیا۔ تم جو گاؤں کی دھول مٹی سے گھبراتے تھے، کبھی کم پڑھی لکھی لڑکی تمہاری بیوی بنے گی تم سوچا تک نہ تھا۔ شاید وہ بالکل اَن پڑھ ہو، لیکن... لیکن تمہارے دل کی ساری فیور اُس کے ساتھ. ایسا کیا خاص تھا جو مجھے اُس کی جانب کھینچ رہا ہے، پہلی نظر کی محبت جس پر میں اعتبار نہ کرتا تھا آج شکار میں خود ہو گیا ہوں، میرا دل کس قدر بے چین ہے، اُسے دیکھنے کے لیے، فیصل ایک دم چارپائی

اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی تھی؟ میں اُس کے متعلق کچھ بھی تو نہیں جانتا، فیصل کو ایک دم پیاس کا احساس جاگا تھا۔ رات کی چاندنی ہر سُو پھیلی ہوئی تھی، وہیں صحن میں پانی کے مٹکے بھر کر رکھے جاتے تھے، اُس پر مٹی کے آب خورے موجود ہوتے تھے۔ فیصل نے پانی لینے کے لیے مٹکے کے ڈھکن کو اٹھایا، مٹکے کے منہ پر امّاں یا نفیسہ میں سے کسی نے موتیے کے پھول پُرو کر ہار بنا کر ڈالا ہوا تھا، جس کی بھینی بھینی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ موتیے کی خوشبو نے اُس اَن جانی لڑکی کی یاد میں شدت پیدا کر دی تھی۔ فیصل نے نہایت بے دِلی سے دو گھونٹ پانی پیا۔

سدرہ بی بی کے بال بے حد لمبے تھے اس لیے زلیخا بی بی اُس کے لیے دو تین قسم کے تیل ملا کر اُس کی چوٹی کرتی تھیں اِن تیلوں کی خوشبو مل جُل کر پھولوں جیسی ہو جاتی تھی، اِس لیے سدرہ میں سے ہر وقت خاص طرح کی خوشبو کا احساس ملتا تھا۔ فیصل جب اُس سے ملا تھا تو یہ خاص طرح کی خوشبو اُسے بھی متوجہ کر گئی تھی۔ اِسی لیے تو اُس نے اُسے بے اختیار ''موتیے'' کے نام سے پُکارا تھا۔

''موتیا! کون ہو تم؟ میں تم سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔ جب سے تم مِلی ہو مجھے اپنا آپ تمہارے بغیر ادھورا لگنے لگا ہے۔'' ڈاکٹر فیصل نے بے اختیار اپنی بے بسی کا اظہار کر ڈالا۔

''پتر سوئے نہیں؟ خیر تو ہے، تیرا جی اچھا ہے؟'' ماسی صابراں نے بیٹے کو چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے دیکھا تو خود اُن کی نیند بھاگ گئی تھی۔

''کچھ نہیں امّاں! میں ٹھیک ہوں۔'' فیصل نے ماں کی پریشانی کے خیال سے فوراً چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔

''تیری آواز اور شکل ایک دم کیسے پریشان ہو گئی ہے، جب سے تُو درگاہ سے آیا ہے چُپ چُپ ہے، تُو سات سمندر پار سے آیا تو تیرے مزاج کی تبدیلیاں میری انگلیوں کی پوروں میں تھیں۔ میں ماں ہوں تیری ساری رمزیں جانتی ہوں، کیا بات ہے پُتر کیوں اتنا کھویا کھویا سا ہے، کیا اپنی ماں سے بھی چھپائے گا؟'' ماسی صابراں نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''میں کیا بتاؤں امّاں؟ جب مجھے خود بھی ٹھیک سے نہیں پتا کہ میں کس بات کو لے کر اتنا بے چین ہوں۔'' فیصل نے بے بسی سے کہا، یہ دل کی لگی تھی وہ کیسے اتنی جلدی اقرار کر لیتا پھر جب وہ اُس لڑکی کے اصل نام تک سے واقف نہ تھا تو وہ امّاں کو کیا بتاتا۔

''اللہ خیر کرے، میرے گھبرو جوان اتنے قابل پُتر کو نظر تو نہیں لگ گئی؟'' ماسی صابراں کو پُرانا وہم ستایا، اس گاؤں کا کوئی لڑکا دسویں بھی نہ کر سکا تھا۔ ایسے میں واحد اُن کے بیٹے تھے، جو نہ صرف پڑھ گئے تھے بلکہ بے حد قابل ثابت ہوئے تھے۔ فیصل بے حد قابل ڈاکٹر تھا یہ حقیقت بے شک ابھی وہ پوری طرح نہ جانتی تھیں لیکن اپنی اولاد کو سارے گاؤں میں واحد پڑھا لکھا پا کر جہاں اُن کا سر فخر سے بلند ہوتا تھا وہاں دل وسوسوں سے پریشان ہو جاتا تھا۔

''فیصل پُتر اِدھر میرے پاس آ۔'' انہوں نے سر پر دوپٹہ لے کر آیت الکرسی اور چاروں قُل پڑھ کر اس پر پھونکے۔ چل شاوا میرا بیٹا کلمہ شریف پڑھ کر آنکھیں بند کر کے سو جا، انشاء اللہ بڑی اچھی نیند آئے گی۔'' انہوں نے اُس کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے کہا، فیصل کے اندر تک واقعی ٹھنڈک اُتر آئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ وہ بے اختیار مسکرادیا۔

"تھینک یو لتاں! تم بہت سادہ اور اچھی ہو واقعی مائیں ٹھنڈی چھاؤں ہوتی ہیں۔" فیصل نے دل سے اعتراف کیا۔

"اللہ تجھے وڈی حیاتی دے، بھاگ لگائے۔" ماسی صابراں کا تو ہر سانس اُسے ہمیشہ دعائیں دیتا تھا۔

فیصل کو بس کچھ پل لگے پرسکون نیند میں گم ہوتے۔

❖❖○❖❖

"لتاں جان! عائشہ جیسی لڑکی تو آپ کے بیٹے کی دلہن بننی چاہیے تھی۔" سید سرفراز نے کڑے تیوروں سے کہا۔

"پتر! عائشہ کے باپ نے اپنی مرضی سے عبداللہ کو پسند کیا ہے، پھر مجھے بہت دیر سے اِس رشتے کے متعلق پتا چلا۔" ریحانہ بی بی نے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں! آپ کچھ بھی کرو اور یہ رشتہ روکو۔" سید سرفراز کے لہجے میں ضد تھی۔

"اگر تجھے لڑکی امیر چاہیے تو اُس کا انتظام میں نے کرلیا ہے۔ میری چچا زاد کی بیٹی ہے بہت ساری زمین لائے گی، عائشہ سے بھی دوگنی زمین ہے اُس کی۔" ریحانہ بی بی نے بیٹے کو لالچ دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن لتاں جان! وہ عائشہ تو نہ ہوگی۔" سید سرفراز کی آنکھوں کے سامنے عائشہ کا مغرور چہرہ لہرا گیا۔ اُس کی ادائیں اُس کی غیرت کو للکارتی تھیں۔ وہ ضد بنتی جارہی تھی اُس کی، جن نگاہوں سے وہ اُسے دیکھتی تھی وہ سید سرفراز کو آگ لگادیتی تھیں۔ آج تک عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھنے والا سید سرفراز عائشہ کی اُٹھی گردن اور متوازن چال کو اپنی توہین سمجھنے لگا تھا۔

"لیکن پتر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ سید نواز اور سید عاشق علی دونوں نے اپنی مرضی سے رشتہ طے کیا ہے، بھلا کیسے اِس رشتے کو توڑنے دیں گے۔" ریحانہ بی بی نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لتاں کوئی چکر چلائیں، کچھ کریں لیکن وہ لڑکی صرف اور صرف میری ہونی چاہیے۔" سید سرفراز یوں ضد کر کے چل دیا، جیسے ریحانہ بی بی سے وہ کوئی کھانے پینے کی چیز مانگ رہا ہو۔ ریحانہ بی بی نے پریشانی سے اپنا ماتھا مسلا، کیا کروں اِس لڑکے کا؟ اُلٹی ضد پکڑ کر بیٹھ گیا ہے اس کے باپ چچا سے میں کیسے اس کے بارے میں کہوں، بات ہی ایسی تھی کہ وہ بے حد پریشان تھیں کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ سید سرفراز علی بے حد ضدی ہے۔ جب تک اُس کی بات نہ مانی جائے وہ چین سے بیٹھتا ہے نہ بیٹھنے دیتا ہے۔ اگر وہ کچھ نہ کرسکیں تو بھی وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا، چاہے اس کا نقصان کچھ بھی ہوتا۔

بشیراں حقہ تازہ کر لائی تھی۔ انہوں نے حقہ کو منہ لگایا تو اُس کی گڑگڑ کی آواز کمرے میں پھیل گئی۔ انہوں نے بے دِلی سے حقے کی نالی سائیڈ پر رکھ دی، اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکلنا چاہیے اب اُن کا شاطر ذہن مختلف منصوبے بنانے میں مصروف ہوگیا تھا۔

❖❖○❖❖

"کیا بات ہے بی بی چُپ چُپ ہیں؟ نہ آج آپ کبوتروں کو دانہ ڈالنے آئیں اور نہ ہی کمرے سے کسی کام سے باہر نکلیں۔" عذرا جو سدرہ بی بی کی خاص ملازمہ تھی، اُس نے پوچھا۔ اِس وقت وہ سدرہ بی بی کے لمبے بال کھولے اُن میں تیل لگا کر چوٹی کر رہی تھی۔ یہ اُس کے روز کے معمول میں شامل تھا۔ سید نوازش علی نے بیٹیوں کو بہت پیار سے رکھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے الگ سے ملازمائیں رکھ چھوڑی تھی۔ انہیں ان کی ہر چیز کی پروا تھی سوائے اُن کی شادیوں کے، جب جب اُن کی شادی کی بات ہوتی تو وہ خاموش ہوجاتے تھے۔ تب انہیں نہ کوئی بیٹی یاد رہتی تھی اور نہ اُس کی ضروریات یاد رہتی تھیں۔

"بس ایسے ہی!" سدرہ بی بی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"بی بی میں تو اُس روز حویلی نہیں آئی تھی سُنا ہے آپ درگاہ گئی تھیں بڑی بی بی کے ساتھ، کیا آپ نے بھی وہاں دیا جلایا تھا؟" عذرا نے شوق سے پوچھا۔

"منت کا دیا؟" سدرہ بی بی ابھی بھی کھوئی کھوئی سی تھی۔

"ہاں بی بی! اگر تم نے منت کا دیا جلایا ہے تو تمہیں ہر جمعرات کو وہاں ضرور جانا ہوگا۔ ورنہ!!! عذرا نے اُسے ڈراتے ہوئے کہا۔

"جب تک منت نہ پوری ہو آپ ضرور جانا۔" عذرا اصرار کر رہی تھی۔

میں کیا کروں گی وہاں جا کر، اُس روز بھی لتاں جان کے مجبور کرنے پر میں اور مریم گئے تھے۔ سدرہ چوٹی مکمل ہوتے ہی لیٹ گئی، وہ سارا سارا دن کمرے میں لیٹی رہتی تھی۔ ہر وقت اُس اجنبی کا خیال کسی سہانے خواب کی طرح اُس کے گرد رہتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی مرد کی نگاہ اُس پر پڑی تھی اور شاید اس نے بھی پہلی بار اتنے قریب سے کسی مرد کو دیکھا تھا۔ پھر اُس کی نگاہیں کس قدر بولتی تھیں۔ سدرہ کے من میں گدگدی ہونے لگتی تھی۔

کچھ نئے پن کا کچھ انوکھا سا احساس اُس کے گرد رہتا تھا، جو اُسے بے حد سکون و مزہ دے رہا تھا۔ جب سب سامنے کے جائز دروازے بند کردیے جائیں تو ایسے میں انسان زندگی میں بے حد حبس محسوس کرتا ہے تب ہمیشہ چور کھڑکیاں کبھی کھلیں تو تازہ ہوا کا جھونکا لگتی ہیں۔ سدرہ بھی اتنی پابندیوں میں جہاں کسی غیر مرد کا ذکر ممنوع تھا اپنے خیالات کی دنیا ایک اجنبی مرد کے تصور سے بسا چکی تھی۔

"کیا ہورہا ہے جناب؟" عائشہ نے اُس کے کمرے میں اچانک داخل ہوکر پوچھا، سدرہ یوں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی، جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

"سوری! میں نے شاید تم کو ڈرادیا۔" عائشہ نے شرمندگی سے کہا۔

"ارے نہیں عائشہ!" سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آؤ اِدھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔" سدرہ کو عائشہ بے حد پسند آئی تھی، اُسے عائشہ سے بات کر کے ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔

"آپی آپ کے بال کس قدر خوب صورت ہیں۔" عائشہ نے سدرہ کی لمبی کمر سے بھی نیچے چوٹی دیکھ کر بے اختیار کہا۔

"ہاں لیکن اِن کو سنبھالنا بے حد مشکل کام ہے۔" لتاں جان ہر ہفتے انہیں لسی سے دھلاتی ہیں پھر آملہ ریٹھا سیکا کائی کو پسوا کر میرے بال اُس سے دھوتی ہیں پھر بال گھنٹے دو گھنٹے بعد سوکھ جائیں تو اپنا بنایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاص تیل لگاتی ہیں، تب جا کر انہیں باندھنے کی اجازت ملتی ہے ایسے میں سارا دن ان بالوں کی ن ہو جاتا ہے، سچ مانو تو میرا دِل اِن سے اُکتا جاتا ہے، یہ اکیلے مجھ سے نہ سنبھلتے ہیں اور نہ سلجھتے ہیں ام خاصا مسئلہ ہیں یہ، صرف ان کی ظاہری خوب صورتی پر نہ جانا۔'' سدرہ نے نہایت تفصیل سے جواب دیا باتیں کرنے کے لیے اُن دونوں بہنوں کے پاس آپس کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ زبیدہ کے علاوہ کوئی سہیلی تھی ایسے میں عائشہ کا سدرہ کو بلانا سدرہ کو بے حد اچھا لگا تھا۔

''آپی آپ کتنا پڑھی ہیں؟'' عائشہ نے اُن کے پلنگ پر پاؤں اُٹھا کر بیٹھتے ہوئے پوچھا یہ پلنگ رنگی پایوں والا تھا اور بے حد اونچا تھا۔ مسہری کی شکل کی طرح بے حد خوب صورت تھا۔

''میں نے میٹرک کیا ہے۔'' جب کہ مریم نے ایف اے کا کورس چوری چھپے منگوایا ہے اُسے پڑھنے بے حد شوق ہے ابھی وہ سب سے چھوٹی ہے شاید اس لیے اُسے اپنے شوق پر قابو پانا نہیں آتا، اس لیے امّاں جان اکثر اس کی بات مان لیتی ہیں۔'' سدرہ کے لہجے میں بے حد یاسیت تھی۔ کچھ عرصے بعد جب اُسے ذرا شعور آ جائے گا تو ساری ضدیں بھول جائے گی کیوں کہ یہاں صرف اور صرف مردوں کے شوق، مردوں کی خوشی مقدم جانی جاتی ہے، ہم کیا چاہتے ہیں اور ہماری کیا خواہشیں ہیں، اِس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں۔''

''لیکن تعلیم تو آپ کا بنیادی حق ہے۔'' عائشہ نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ بنیادی حق! بنیادی حقوق تو بہت سے ہیں لیکن اُن کے متعلق بات کرنا گناہ ہے اور سزا موت ہے۔'' سدرہ کے دِل میں پہلی بار اتنی شدّت سے شادی کا خیال آیا تھا اپنے گھر اور بچوں کا خواب مچا تھا اس لیے وہ اپنے دل کی اصل بات بتائے بغیر دُکھی ہو کر بول رہی تھی۔

''آپی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟'' عائشہ نے گھبرا کر پوچھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں عائشہ۔ اس حویلی کی بیٹیوں کو کپڑے گہنے دے کر بہلانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہمیشہ بے حد پیار دیا جاتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ کا برادری میں بَر نہ ملے تو وہ ساری عمر اِس حویلی میں گزار دیتی ہے، ایسے میں وہ اگر بولے گی تو اُسی نازوں پلی بیٹی کی زبان کاٹ دی جائے گی۔'' سدرہ کا لہجہ بے حد پُر اسرار تھا۔ عائشہ کا دِل بے اختیار گھبرانے لگا، بابا نے اُسے تو کبھی ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔ بڑی حویلی اُن کی حویلی جیسی ہی ہے یہی انہوں نے کہا تھا۔ اُن کی حویلی تو بے حد اچھے ماحول کی تھی اس نے خود تعلیم حاصل کی تھی اور اُس کی شادی بھی ہو رہی تھی، پھر یہ سدرہ آپی کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں؟

''تمہیں شاید میری باتوں پر یقین نہیں ہے۔'' سدرہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''آؤ میرے ساتھ!'' سدرہ عائشہ کو کھینچتی ہوئی لمبے لمبے دالان پار کر کے حویلی کی پچھلی جانب لے آئی یہاں الگ سے کمرے بنے ہوئے تھے درمیان میں صحن تھا۔ صحن میں ایک کنواں تھا اور ایک بوڑھا درخت! یوں لگتا تھا کہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ہمراز ہوں، وہاں عجیب سی ویرانی کا احساس ہوتا تھا۔ خشک پتے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ عائشہ کو اتنی خاموشی، اتنی ویرانی سے ایک دم جھرجھری سی آ گئی۔

''یہ تم مجھے کہاں لے آئیں آپی؟'' عائشہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔

''یہ زندہ قبرستان ہے۔'' سدرہ نے مری مری آواز میں کہا، ساتھ ہی سامنے بند دروازے کو کھول دیا، کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ فوری طور پر عائشہ کو کچھ دکھائی نہ دیا سامنے مسہری کے پائے کے ساتھ ایک ضعیف بوڑھی عورت سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اُن کے اندر آنے پر اُس نے سر اُٹھا کر اُن کی جانب دیکھا اُس کی آنکھوں میں اِس قدر وحشت اور درد تھا کہ عائشہ کا دِل بے اختیار ڈوبنے لگا۔

''کون ہے یہ؟'' عائشہ نے دھیمے سے پوچھا۔

''یہ فاطمہ ہے۔'' مرحوم کو مرے ہوئے بیس سال ہو گئے ہیں، نہ جانے یہ حویلی کے لوگ اسے دفناتے کیوں نہیں ہیں۔'' سدرہ نے اُس عورت کے کھچڑی بنے بالوں کو اُس کے چہرے سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''مطلب؟ مطلب کیا ہے تمہارا؟'' عائشہ نے خوف زدہ نگاہوں سے اس عورت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تمہاری اور ہماری پھوپھو فاطمہ ہیں۔'' سدرہ نے دھماکہ کیا۔

''جانتی ہو یہ ہماری دادی کی عمر کی دکھائی دینے والی عورت اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی اور لاڈلی تھی۔ اور آج یہ کیسی دکھائی دیتی ہیں ایک چلتا پھرتا مردہ۔ کبھی ہماری ماؤں کے ہر وقت مہندی سے رنگے ہاتھ دیکھنا، ہیرے سونے کی موٹی موٹی انگوٹھیوں سے لدے پھندے ہوئے اور اِس غریب کی سوکھی چمرخ انگلیاں دیکھو! اور ہاں اُس کے ہاتھ دیکھو، یہاں جو قسمت کی لکیر ہوتی ہے نا؟ وہ تک مٹا دی گئی ہے۔'' سدرہ کی آواز ایک دم پھٹنے لگی تھی۔

''اِدھر آؤ اِدھر! اس کو پاس سے دیکھو، تم ڈر کیوں رہی ہو؟ یہ بے زبان تو کچھ بول بھی نہیں سکتی اُس کی زبان تو آج سے بیس سال پہلے کاٹ دی گئی تھی۔ حویلی کی کوئی بیٹی اپنے حق کے لیے بول نہیں سکتی یہ گناہ یہ بے چاری کر بیٹھی تھی اور تم جانتی ہو اس کی زبان اس کے سگے بھائی نے کاٹی تھی، سگے بھائی نے اپنے ہاتھوں سے۔'' سدرہ ایک دم اُٹھ کر وہاں رکھی چھوٹی سی میز کے پاس جا کر پھلوں کی ٹرے میں سے چھری نکال لائی تھی۔

''ایسے کاٹ دی گئی ہوگی'' سدرہ نے اپنی زبان نکال کر چھری سامنے کرتے ہوئے کہا۔ عائشہ کو وہ ایک دم ابنارمل لگی۔

عائشہ نے گھبرا کر اُس سے چھری کھینچ لی کہ کہیں وہ واقعی اپنی زبان نہ کاٹ بیٹھے۔

''ہا۔ ہا۔ ہا۔'' عائشہ تم ڈر کیوں رہی ہو، تم جانتی ہو کہ اس کی زبان کس نے کاٹی تھی۔ سید عاشق علی نے کاٹی تھی۔ تمہارے باپ نے جس کو تم کسی دیوتا کی طرح پوجتی ہو جن کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ وہ بہت اچھے باپ ہیں، بہت آزاد خیال ہیں جو لڑکیوں کو تعلیم دلانے کے حق میں ہیں۔ تم کس خوش فہمی میں تھیں اگر تمہارے ہاں کا بَر اِس برادری میں نہ ہوتا تو تم نے بھی یہیں آنا تھا۔ لیکن تم خوش قسمت نکلیں کیوں کہ تمہیں بچانے کے لیے عبداللہ بھائی جو تھے۔ اگر تمہاری بیٹیوں کے لیے کسی عبداللہ کا جنم نہ ہوا تو پھر تم کیا کرو گی۔''

''عائشہ؟'' سدرہ کا سوال عائشہ کے وجود کا سارا خون نچوڑ گیا تھا۔

''کیا تم ہمارے بعد اپنی بیٹیوں کو اِس کمرے میں آباد نہ کرو گی؟ تم کو کرنا پڑے گا، یہاں کی روایت یہی ہے!'' سدرہ ایک دم ہنسنے لگی۔

''نہیں۔'' عائشہ نے ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹائے۔

''ہاں ایسا ہی کرنا ہوگا۔'' سدرہ ہنستی چلی گئی۔ عائشہ کو وہاں ایک دم آکسیجن کی کمی کا احساس ہوا اور سے سانس لینا دوبھر ہوگیا تھا۔

''نہیں!'' وہ الٹے قدموں باہر بھاگی۔

اور سدرہ کے بین کرتے قہقہے کسی بھوت کی طرح اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِک ساعتِ گراں ہوں، مجھے بھول جایئے
بیتا ہوا سماں ہوں، مجھے بھول جایئے
جو میرے ساتھ وقت گزارا، وہ خواب تھا
میں نقشِ بے نشاں ہوں، مجھے بھول جایئے
یہ قصرِ زرنگار مبارک ہو آپ کو
خستہ سا اِک مکاں ہوں، مجھے بھول جایئے

''تم نے میری بات کو غیر سنجیدہ لیا ہے!'' ترنم نے ٹوٹے کانچ جیسی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

مبشر حسن آج بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا اور اپنی عمر سے خاصا کم دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی سانولی رنگت اُن جانے سے جوش کی وجہ سے دمک رہی تھی۔ وہ ترنم کے حُسن کو نظروں ہی نظروں میں پیتے ہوئے مدہوش ہوا جارہا تھا۔ ہوٹل کی یہ میز مبشر حسن نے آج کے ڈنر کے لیے خاص طور پر بک کروائی تھی۔

''تم واقعی ایک نشہ ہو، تمھیں کوئی کیسے چھوڑ سکتا ہے؟'' مبشر حسن نے دِل ہی دل میں کہا۔

''مبشر صاحب پڑاؤ کبھی منزل نہیں ہوا کرتے۔'' ترنم نے فریش لائم کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ تم ہی میری منزل ہو۔'' مبشر حسن نے جذباتی انداز میں کہا۔

''آپ تو خاصے سمجھ دار دکھائی دیتے ہیں، کیوں جانتے بوجھتے اِن انگاروں کو جھولی میں ڈالنا چاہتے ہیں؟'' ترنم نے غور سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کچھ نہیں جانتا! تم ہی وہ لڑکی ہو جس کے لیے میں سالوں سے سرگرداں تھا، میں یہ شادی ہر صورت کرنا چاہتا ہوں۔''

''ارے۔ ارے مبشر صاحب! ہم تو ہیں ہی عزت کے معاملے میں خالی ہاتھ، کچھ اپنی عزت کی پروا کیجیے۔ یہ زمانہ آپ جیسی شخصیتوں کی اس طرح کی لاپروائیوں کو خبروں میں اُچھالنے لگتا ہے۔ کیوں خسارے کا سودا کرنا چاہتے ہیں؟''

''تم سے شادی کیا خسارے کا سودا ہے؟''

''جو ہر رات کی دُلہن ہوتی ہیں، اُن کی کبھی شادیاں نہیں ہوتیں، آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھ لیتے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ترنم نے کچھ بے زار ہوتے ہوئے کہا۔ خود کو اپنی ہی زبان سے بُرا کہنا اِس آئینے کو دیکھنا خاصا تکلیف دہ عمل تھا اس کے لیے۔

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں، دوبارہ پھر کہہ رہا ہوں کہ میں جب سے تم سے ملا ہوں، مجھے احساس ہوا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو، جس کے لیے میری روح پیاسی پھرتی تھی۔ سالوں کی تلاش تم پر آ کر ختم ہوئی ہے۔"

"حیرت ہے کہ اِس تلاش کے دوران آپ نے شادی بھی کی اور بچے بھی پیدا کر لیے، کیا آپ عورتوں کو ٹیسٹ کرتے رہتے ہیں؟"

"وہ عورت، جو آپ کے گھر میں موجود ہے، وہ بے چاری آپ کی تلاش کے دوران کون سا پڑاؤ تھی؟ اُس کا کیا قصور ہے؟" ترنم سے اس طرح کی باتوں کی توقع مبشر حسن کو رتی بھر نہ تھی۔ اُس کے چہرے کا ایک رنگ آ رہا تھا تو ایک رنگ جا رہا تھا۔

"منزل تک جانے کے لیے آپ لوگ بہت سے پڑاؤ ڈال لیتے ہیں، وہاں شادی کر لیتے ہیں، بچے پیدا کر لیتے ہیں اور وہ عورت جب آپ کو ہمیشہ کے لیے اپنی منزل مان لیتی ہے تو آپ کو کوئی اور عورت اپنی منزل نظر آنے لگتی ہے۔"

"مبشر صاحب! بُرا نہ مانیے گا۔ ہم دونوں مفاد کے رشتے سے جڑے ہیں۔ میں اگر آپ کی راتوں کی تنہائی دُور کرتی ہوں تو بدلے میں آپ کے قلم سے آپ کے خوب صورت آٹو گراف، مختلف فائلز پر ہوتے ہیں، غرض کے رشتوں میں کوئی مستقل رشتہ پیدا نہیں ہو سکتا!" ترنم نے اپنے خوب صورت کھلے ریشمی بالوں کو پیچھے کر کے ذرا جھک کر مبشر حسن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی ماں نہیں ہوں، جو آپ کو اِس عمر میں بھی اچھے بُرے کی تمیز سکھاؤں، آپ اپنا اچھا بُرا خود سمجھیں! یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔ مجھے آپ سے نہ محبت ہے اور نہ ہمدردی! میرے لیے آپ کوئی نہیں ہیں ہاں البتہ کل رات جب آپ ایک معصوم عورت کا حق مجھ پر لُٹا کر گہری نیند میں سوئے ہوئے تھے تو ایک بے چاری عورت کا فون آیا تھا، جسے اپنے شوہر کی بے وفائی سے غرض نہ تھی بلکہ وہ اپنے بچوں کے باپ کی خیر خیریت جاننا چاہتی تھی۔" ترنم نے دُکھ سے گہری لمبی سانس بھری۔

"میرے آپ کوئی نہیں ہیں لیکن اُس عورت کے سب کچھ ہیں مبشر صاحب! جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں وہاں فائدے، منافع کی باتیں ہوتی ہیں اور سکھائی جاتی ہیں۔ آپ اپنی زندگی کا سودا بھی منافع بخش کریں! یہ وہ مشورہ ہے، جو میں آپ کے ساتھ اچھا وقت گزارنے پر آپ کے لیے سچے دل سے دے رہی ہوں ورنہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارا تعلق عورتوں کی اُس بُری قسم سے ہے، جو گھروں کو تباہ تو کر سکتی ہیں بنا نہیں سکتیں۔" ترنم نے اپنا پرس اُٹھایا اور چلنے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلتی ہوں مبشر صاحب! تھینکس فار دِس ڈنر!" ترنم نے میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر وہ مسکراتی ہوئی متوازن چال چلتی باہر نکل گئی۔ مبشر حسن کتنی ہی دیر اُس جل پری جیسی لڑکی کی پشت کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ باہر نکل کر غائب ہو گئی لیکن اس کی خوش بو اب بھی اُن کے اطراف میں پھیلی ہوئی تھی۔

"ترنم!" اِک آہ کی طرح اُس کا نام اُن کے لبوں سے ادا ہوا تھا۔

"میں ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو، جس کی مجھے برسوں سے تلاش تھی جو... جو صرف دلوں کو عام طور دھڑکانا ہی نہیں جانتی بلکہ ہمیشہ کے لیے دھڑکن بن کر دِل میں بس جاتی ہے۔" مبشر حسن کے موبائل کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ انہوں نے فون کانوں سے لگا لیا فون اُن کے گھر سے تھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں، تم لوگوں نے کھانا کھا لیا کیا؟" مبشر کو اپنی آواز بے حد اجنبی لگ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر میرا انتظار کرو۔ تیار ہو جاؤ ہم سب باہر ڈنر کرتے ہیں۔" مبشر حسن نے موبائل بند کر کے ایک گہری سانس لی، آج ایک عورت ایک مردہ ہوتی عورت کو اُس کی زندگی لوٹا گئی تھی۔ ایک شخص کو اُس کے ہی گھر کا راستا بتا گئی تھی۔

"ترنم! واپسی کا راستا مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ تمہارے لیے میرے احساسات مزید شدّت اختیار کر گئے ہیں۔ تمہارے ساتھ بتایا وقت ہمیشہ اچھی یاد کی طرح میرے ساتھ رہے گا!" مبشر حسن نے اپنے دل میں اُداسی محسوس کرتے ہوئے خود سے کہا۔

"کبھی کبھی تتلیاں بھی ہاتھوں پر خوش رنگ، رنگ چھوڑ جاتی ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے۔"

❖❖○❖❖

"زہے نصیب! آج تو مجھے کچھ بانٹنا چاہیے، میری دوست کو آج میرا خیال کیسے آ گیا؟" میڈم راگنی نے اُٹھتے ہوئے میڈم چاندنی کا استقبال کیا۔

"کچھ اپنے ہی مسائل میں اُلجھ کر رہ گئی تھی۔ بگ باس کی ہدایت پر فوراً انڈر گراؤنڈ جانا پڑا، اُس کم بخت خفیہ کے بندے نے جانے کیسے ہماری ساری تنظیم کے گرد دائرہ سخت کر دیا تھا۔ وہ تو جب پانی سَر سے اوپر ہوا تو ہمیں خبر ہوئی۔" میڈم چاندنی نے سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگا لیا۔

"خیر ہمارے سارے بڑوں کی مجھ سمیت بچت ہو گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہماری بہت قیمتی لڑکیاں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئیں، جس کا مجھے بے حد دُکھ ہے۔ ابھی تو مجھے اپنا ٹھکانہ پھر سے مضبوط کرنا ہے پھر مجھے اُس بندے سے بدلہ ضرور لینا ہے۔ ایسا بدلہ کہ وہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔" میڈم چاندنی نے غصّے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔" میڈم راگنی نے میڈم چاندنی کو تسلی دی۔

"ارے ایک ایک لڑکی پر میرا لاکھوں روپیہ لگا ہے۔ خریدنے سے لے کر اِن کو پالش کرنے تک میں نے کبھی سرمایہ نہیں دیکھا۔"

"سچ کہو تو کسی ماں کی طرح میں نے اپنی ہر لڑکی کو ناز و نعم سے تیار کیا تھا۔ کم بخت اُس بندے نے میری آدھی سے زیادہ لڑکیوں کو جیل بھجوا دیا۔ اتنے نازک وجود جھونک کر رکھ دیے ہیں۔" میڈم چاندنی نے ٹرے سے خاص مشروب اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"نام کیا ہے اُس بندے کا؟" میڈم راگنی نے اُس شخص کے اتنے کارنامے سُنے تو خود کو الرٹ رکھنے کے لیے فوراً اُس کا نام پوچھا۔

"طارق! طارق احمد علی!" میڈم چاندنی نے یوں منہ بنایا، جیسے منہ میں کوئی گولی رکھ لی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہیں اُس کا اوپر سے بندوبست کرنا تھا اُس کا ٹرانسفر کروادیتیں۔ اُس کے بڑوں سے مِل کر اُس
بند کردیتیں۔'' میڈم راگنی کو اِس طرح خفیہ کے ایک معمولی سے بندے سے ڈرنا اچھا نہ لگا۔

''بتایا نا، اُس کم بخت نے اِس ہوشیاری سے گھیرا تنگ کیا کہ ہمیں احساس تک نہ ہوا۔ وہ تو ہمارے
کچھ بے حد وفا دار دوست سول پولیس میں ہیں، جنہوں نے عین موقعے پر اطلاع دے کر ہمیں بچالیا۔''
میڈم چاندنی گزشتہ مہینوں کی ٹینشن کا سوچ کر دوبارہ سے ٹینس ہو گئیں۔

''ہوں! تو بندہ واقعی ہوشیار نکلا! مجھے اُس کا پورا بائیو ڈیٹا لا کردو، ابھی اُس کا بندوبست کردیتے ہیں۔''
میڈم راگنی نےکہا۔

''بہت پتا کروایا ابھی تک پوری معلومات نہیں ملیں۔ اِن خفیہ والوں کی یہ بات مجھے بہت بُری لگتی ہے
کہ یہاں لوگ بکتے نہیں ہیں انہیں خریدنے کے لیے پیسے کے ساتھ ساتھ بے حد محنت بھی کرنا پڑتی ہے۔
اب اِس بندے کا پتا کروانے کے لیے کنویں میں بانس ڈلوانے کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ اِن لوگوں کی
انوکھی منطق ہے۔ کام خفیہ کے لیے کرتے ہیں لیکن فرنٹ ڈیسک پر ان کی ملازمتیں مختلف شعبوں میں
ہیں۔ اِن کی نقلی نوکریوں کی وجہ سے یہ نہ پہچانے جارہے ہیں اور نہ ان کی پراپر پکڑ ہوتی ہے۔''

''اچھا چھوڑو، مارو گولی دیکھ لیں گے اُسے بھی! ایسے کتنے سورما ہمارے پیچھے دُم ہلائے پھیرتے ہیں۔
ایسا مزہ چکھائیں گے اسے کہ ساری وطن پرستی یا بڑے لوگوں کے بقول حب الوطنی سب بھول جائے
گا۔'' میڈم چاندنی کو میڈم راگنی نے بے حد تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''تم سناؤ میری باقی لڑکیاں کیسی جارہی ہیں؟'' میڈم چاندنی اصل بات پر آ گئی۔

میڈم راگنی کی ایک دو لڑکیوں پر نظر تھی لیکن میڈم چاندنی کے واپسی کے مطالبے پر وہ اندر ہی اندر
سے بدمزہ ہوگئی، اس نے اپنے اتنے اچھے ہیروں کو صرف اور صرف جسم فروشی پر لگادیا تھا۔ چاندنی کا
بیک گراؤنڈ بازارِ حُسن سے تھا۔ اُس کی پہنچ جسم فروشی اور فلموں تک ہی تھی، اِس سے ہی وہ اتنا کمالیتی تھی
کہ اِس سے آگے اُس نے سوچا نہ تھا۔ پندرہ سال پہلے راگنی نے چاندنی کو اپروچ کرکے اپنے گروہ میں
شامل کیا تھا۔

پورنو گرافی، لچر ڈانسز کی ویڈیوز وغیرہ نہایت سستے داموں چھوٹے چھوٹے ہوٹلز اور نیٹ کیفوں میں
مہیا کرنے کا پراجیکٹ چاندنی کو ملا تھا، جسے اُس نے نئی طرز سے بے حد کامیابی سے کیا تھا۔ وہ ان
کیسٹس کو بے شک نہایت سستے داموں بیچتی تھی لیکن بگ باس ہر اسائنمنٹ مکمل ہونے پر بے حد پیسے
دیتے تھے یہ بگ باس کون تھے ڈائریکٹ میڈم چاندنی بھی نہ جانتی تھی۔ اُسے تو بس آرڈر ملتا تھا۔ اس
کے علاوہ چاندنی اپنے اسٹائل کو کبھی بدل نہ سکی تھی، وہ لڑکیاں اُٹھوا کر یا پھر ورغلا کر بھی حاصل کرتی تھی۔
اِس گناہ کی دلدل میں کوئی ایسا طریقہ نہ تھا، جو یہ چھوڑتی ہو۔

''اچھا تم میری لڑکیوں کی کارکردگی سے خوش تو رہیں؟'' چاندنی نے راگنی سے پوچھا۔

''ہاں اِن میں کچھ تو بالکل میرے ٹیسٹ کی ہیں اِن فیکٹ میں تم سے ان کی ڈیل کرنا چاہتی ہوں۔''
میڈم راگنی نے موقع دیکھ کر بات کرنا چاہی۔

''میرا تو پہلے بڑا نقصان ہوگیا ہے۔''

''میں نے ایک بہت اہم لڑکی کھوئی ہے، اِس سارے پروجیکٹ کے دوران اُس کا نام پَری تھا۔''
''کم بختوں نے جانے کہاں غائب کردی، اب میں فوری طور پر تم کو لڑکیاں نہیں دے پاؤں گی، ہاں
سال کے آنے پر میرا وعدہ ہے کہ تمہیں بالکل اچھی لڑکیاں دوں گی۔ خوب صورت کو مستقل رکھنا اور کم
والی کی بے شک پورنو بنا کر ختم کر ڈالنا۔'' چاندنی اس طرح بات کررہی تھی، جیسے وہ بھیڑ بکریوں کے
کی بات کررہی ہو۔

''لڑکی بھی انسان ہوتی ہے یہ وہ کبھی خیال نہیں کرتی۔'' ترنم نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''ماہ رخ تم نے اپنی بندریا کی باتیں سُنی ہیں!'' ترنم اور ماہ رخ جو اچانک ہی ہال کمرے کی جانب
جا رہی تھیں میڈم چاندنی اور راگنی کی گفتگو سُن کر رُک گئی تھیں۔ ماہ رخ تو اِس لیے بھی رُکی تھی کہ وہ میڈم
کی کے اِس بند قلعے سے جلد از جلد نکلنے کی راہ چاہتی تھی۔

''یہ باتیں نئی نہیں ہیں البتہ نئی بات یہ ہے کہ اِس بند قلعے سے رہائی ملنے کے آثار نظر آرہے ہیں۔''
ماہ رخ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

''ہونہہ! ایک بڑی جیل سے دوسری چھوٹی جیل میں ٹرانسفر کو تم رہائی کہتی ہو۔'' ترنم نے سیڑھیاں
چڑھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

''ویسے یار یہ میڈم چاندنی واقعی پیسے کی بندریا ہے، جہاں پیسا دیکھا وہاں ناچنا شروع کردیا۔'' ترنم
استہزائیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

''ترنم!'' ماہ رخ نے مصنوعی گھوری گھورتے ہوئے اُسے کہا۔ جواباً ترنم کھل کھلا کر ہنستی چلی گئی، جیسے
اس نے کوئی بہت بڑا لطیفہ سُن لیا ہو پھر اچانک ہی اُسے اپنی ہنسی کو بریک لگانے پڑے، سامنے ادھ
کھلے دروازے سے ہلکی ہلکی چیخوں کی آواز آرہی تھی۔

''کیا ایک اور سحرش؟'' ترنم نے سہمی سہمی نگاہوں سے ماہ رخ کو دیکھا۔ دونوں ہی چپ چاپ کمرے
کی جانب بڑھیں، ترنم نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا، سامنے کا منظر دیکھ کر اُس کی بے اختیار
چیخ نکلی۔ کیتھی ایک لڑکی کے پاس بیٹھی اس کے دوا لگا رہی تھی۔ اُس لڑکی کا سارا چہرہ تیزاب سے جھلس کر
سیاہ ہو چکا تھا، گلے سڑے گوشت کے لوتھڑے نما چہرے کو دیکھنا ترنم اور ماہ رخ کے بس سے باہر تھا۔

''یہ... یہ کون ہے؟'' ماہ رخ نے سہمی سہمی آواز میں پوچھا۔

''کیتی آرا!'' کیتھی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''کیا! یہ کیتی آرا ہے؟'' دونوں کی دبی دبی چیخ نکلی ترنم تو لہرا کر ماہ رخ کے بازو میں جھول گئی۔ ماہ
رخ نے پریشانی سے ترنم کو سنبھال کر وہاں موجود صوفہ کم بیڈ پر لٹا دیا۔ پھر اس نے ڈرتے ڈرتے بے حد
ترس سے کیتی آرا کو دیکھا۔

''مائی گاڈ!'' ابھی کچھ روز پہلے نیو ایئر پارٹی میں وہ حسین تتلی سب کی آنکھوں کا مرکز بنی اِدھر اُدھر گھوم
رہی تھی تب اُس کی خوب صورتی لوگوں کے ہوش اُڑا رہی تھی۔ آج اُس کی بے حد بھیانک، بدصورت
شکل ہوش اُڑا رہی تھی۔

''اِس کے ساتھ یہ حادثہ کیسے ہوا؟'' ماہی نے کیتھی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حادثہ نہیں ہوا بلکہ اِسے یہاں سے بھاگنے کی سزا ملی ہے۔'' کیتھی نے برف جیسے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''سزا؟'' ماہی نے ایک دم خشک لبوں پر زبان پھیری۔

میڈم راگنی سخت تھیں اِس کا اندازہ تو اُسے تھا لیکن اِس قدر ظالم اور سخت ہوں گی، یہ بات اُس کا خون خشک کرگئی۔ ماہی نے بے حد پریشان ہوکر پہلے گیتی آرا کو دیکھا پھر بے ہوش پڑی ترنم کو اُس میں پہلی بار ماہی کو احساس ہوا کہ وہ اِن لوگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں ہیں۔ اگر وہ اُن کی مرضی پر نہیں چلیں گی تو وہ کسی بھی لمحے ڈور کھینچ کر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے کار بنادیں گی یا پھر کیتی آرا کی طرح بدصورت بنا کر عبرت بنادیں گی۔ ماہ رُخ کو اپنا سانس رُکتا محسوس ہورہا تھا۔

❖❖○❖❖

''باجی کیا واقعی سورج ہاتھ کی مٹھی کے گرد گھومتا ہے؟'' غزالہ نے گاجریں کش کرتی ہوئی علیزے سے پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' علیزے کا گلابی رنگ گاجریں کش کرنے سے مزید سُرخ ہورہا تھا۔

''باجی میری سہیلی رابعہ بتارہی تھی کہ جب پاکستان میں مٹھی کے اِس طرف سورج ہوتا ہے تو امریکہ اندھیرے میں ڈوبا ہوتا ہے اور جب مٹھی کے اِس طرف سورج چلا جاتا ہے جہاں امریکہ ہے تو پاکستان میں اندھیرا ہوجاتا ہے۔'' غزالہ نے معصومیت سے کہا۔ علیزے بے اختیار مسکرادی۔

''اور وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ ہاتھ کی مٹھی کے اوپر پاکستان موجود ہے اور نیچے امریکا! باجی کیا وہ اُلٹے چلتے ہوں گے؟'' غزالہ کی پریشانی پر علیزے کو اپنا قہقہہ دبانا مشکل ہوگیا۔

''واقعی بے چارے امریکی چلتے تو اُلٹے ہی ہیں، اُن کے کام کون سے سیدھے ہیں۔'' علیزے نے ہنستے ہنستے کہا۔

''باجی آپ میرا مذاق اُڑارہی ہیں، میری بات کو آپ سنجیدگی سے نہیں لے رہیں!'' غزالہ نے دم روٹھ کر مُنہ پھلالیا۔

''ارے میری پیاری بہنا! تم کیوں ناراض ہورہی ہو تم تو میری بے حد ذہین بہن ہو۔'' علیزے نے اُسے فوراً منایا۔

''پھر آپ میری باتوں پر ہنسیں کیوں؟'' غزالہ کی خفگی بس ایک آدھ پل سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔

''یار ویسے تمہاری پیاری پیاری شکل دیکھ کر دِل خوش ہوجاتا ہے۔'' علیزے نے کش کی ہوئی گاجریں کچن میں لے جاتے ہوئے کہا۔ اُسی پل باہر بیل ہوئی، دروازہ گڈو نے کھول دیا تھا۔ گھر میں حسن آرا تھیں وہ محلے میں میلاد شریف میں گئی تھیں۔ علیزے نے سوچا کہ شاید ماں گھر آگئی ہے وہ فوراً کچن سے باہر چلی آئی۔ آج صبح صبح ابو گجریلا بنانے کا حکم دے گئے تھے، علیزے اُسی کی تیاری میں کچن میں مصروف ہوئی تھی لیکن جب علیزے باہر آئی تو آنے والی لڑکی کو حیرت سے دیکھنے لگی۔ فوری طور پر اُسے خیال آیا کہ یہ شاید منزہ کی دوست ہے۔

''آپ ... آپ کون؟'' علیزے نے سانولے سے رنگ والی پرکشش نقوش کی حامل اُس لڑکی

''یہ کاشف کا گھر ہے؟'' اُس نے بجائے علیزے کے سوال کا جواب دینے کے، خود سوال کر ڈالا۔

''بھلا اِس لڑکی کو کاشف بھائی سے کیا کام؟'' علیزے کی حیرت بجا تھی وہ تو اُسے منزہ کی دوست سمجھ رہی تھی۔

''جی یہ کاشف کا گھر ہے۔'' علیزے نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اوہ'' وہ پورے کا گھر کا جائزہ لینے لگی۔ علیزے کو اُس کی نِگاہوں سے کوفت ہونے لگی تھی۔

''یہ ایکسرے مشین کون ہے؟'' علیزے نے بے زاری سے سوچا۔

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کون ہیں؟ اور آپ کو کِس سے ملنا ہے؟''

''مجھے کاشف سے ملنا ہے وہ دو دِن سے یونیورسٹی نہیں آیا!'' لڑکی نے پھر بھی اپنا تعارف نہ کروایا۔

''تو آپ کاشف بھائی کی کلاس فیلو ہیں!''

''حیرت ہے اتنی ماڈرن ہے کہ ایک کلاس فیلو کا پتا کرنے اُس کے گھر پہنچ گئی۔'' علیزے لڑکے، لڑکی کی بے تکلفی سے نا آشنا تھی۔ اُس کی پرورش ہی حسن آرا نے اپنے ماحول کے مطابق کی تھی۔

''صرف کلاس فیلو نہیں ہوں اُس کی خاص الخاص دوست ہوں بلکہ یوں کہیں کہ واحد دوست ہوں اور ...'' وہ جانے کیا کہنے جارہی تھی کہ کاشف بھائی اُوپر سے سیڑھیاں اُترتے نظر آگئے۔

''کاشی یار! تم اتنے دن سے کہاں تھے؟'' وہ بے حد بے تابی سے اُس کی جانب بڑھی تھی۔

کاشف اُسے اچانک اپنے گھر دیکھ کر باقاعدہ بوکھلا گیا تھا، بے شک گھر میں ہر وقت وہ اپنی من مانی کرتا رہتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُسے اپنے گھر کے ماحول کا بھی پتا تھا۔ امی کو پتا چلتا تو وہ یقیناً اُس کی درگت بنادیتیں۔

''تم تانیہ! یہاں؟'' کاشف کو اِس وقت وہ کسی بھوت سے کم نہیں لگی تھی۔ گھبراہٹ اور کچھ خوف اُس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ کاشف نے چور نِگاہوں سے کچن کے دروازے پر کھڑی علیزے اور غزالہ کو دیکھا۔

''ہاں تم دو دن سے یونیورسٹی نہیں آئے تو میں بے حد پریشان ہوگئی تھی، بڑی مشکل سے تمہارا ایڈریس مِلا۔'' وہ بے تکلفی سے کاشف کے بے حد قریب جا کھڑی ہوئی۔

''وہ دراصل میری طبیعت کچھ خراب تھی۔'' کاشف کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُسے دھکے دے کر گھر سے باہر نِکال دے۔

''کم بخت چیونگم ہی ہوگئی ہے!'' کاشف منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

''اور تمہیں دیکھ کر تو میری طبیعت مزید خراب ہونے والی ہے، چلو کہیں باہر چل کر بات کرتے ہیں۔'' وہ اُسے زبردستی باہر لے گیا۔

''ارے! لیکن میں تو انکل آنٹی سے بھی مل کر جاؤں گی۔'' تانیہ نے دروازے میں رُکتے ہوئے کہا۔

''تانیہ میرے والدین تمہارے کلاس فیلو نہیں ہیں، جن کی خیر خیریت پوچھے بغیر تمہارا گزارہ نہ ہو۔'' کاشف نے کچھ سخت لہجے میں سرگوشی کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیسی باتیں کرتے ہو کاشی؟ آخر میں بھی تو تمہیں اپنے پیرنٹس سے ملوا چکی ہوں اور مجھے بھی لگتا ہے کہ یہی رائٹ ٹائم ہے کہ میں بھی اُن سے ملوں۔" تانیہ نے اصرار کیا۔

"لیکن تم رائٹ پرسن ہرگز نہیں ہو!" کاشف نے اُس کی سانولی رنگت کو حقارت سے دیکھتے ہوئے سوچا، کہاں میں رات کو بھی سورج کی طرح چمکتا دمکتا ہوا اور کہاں تم دِن میں بھی لوڈ شیڈنگ! کاشف نے دِل ہی دِل میں کہا۔

تانیہ اگر کاشف کے نادر خیالات سے آگاہ ہو جاتی تو یقیناً بے ہوش ہو جاتی۔

"اچھا ہوا کاشف اسے لے کر گھر سے نکل گیا۔ جاتے جاتے بتا رہا تھا ابو امی دونوں گھر میں ہیں!" کاشف نے سچ ہی کہا تھا۔ اگر امی ابو گھر میں ہوتے بھی تو وہ اُسے اُن سے ملواتا بھی نہیں۔

"چلو چندا باہر کہیں چلتے ہیں، جہاں کچھ پرائیویسی بھی ہو!" کاشف کی گمبھیر آواز تانیہ کی کمزوری تھی۔ کاشف کو دیکھ کر کچھ ایسی شدتیں اُس کے دِل میں سمندر کی لہروں کی طرح چڑھتی تھیں کہ اُس کا جی چاہتا تھا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُس میں سما جائے۔ اُس کی فیملی بے حد ماڈرن تھی، شریکِ زندگی چننے کا پورا پورا حق دیا جاتا تھا۔ تانیہ کاشف کو اپنا لائف پارٹنر چن چکی تھی یہ بات اُس کے گھر والے جانتے تھے۔ تانیہ کا خیال تھا کہ اب یہ بات کاشف کے گھر والوں کو بھی جاننی چاہیے۔

"ٹھیک ہے کہیں باہر چلتے ہیں۔" تانیہ یوں ہی ہر بات میں کاشف کے ساتھ سرنڈر کر جاتی تھی۔

کاشف اور تانیہ تو باہر چلے گئے لیکن علیزے ابھی تک حیرت سے وہاں کھڑی تھی۔

"یہ کاشف بھائی کون سا کھیل، کھیل رہے ہیں؟" وہ بچی نہ تھی کہ تانیہ کے لب و لہجے اور نگاہوں سے جھلکتی ہوئی شدتیں محسوس نہ کر سکتی۔

"باجی!" غزالہ نے علیزے کو ہلا کر آواز دی۔

"ہوں!" علیزے کھوئی کھوئی سی تھی۔

"باجی یہ کاشف بھائی کی سہیلی تھی۔" غزالہ نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

"سہیلی! اچھا مزے کا لفظ ہے۔" علیزے استہزائیہ ہنسی ہنس دی۔

"کاشف بھائی! بہنوں کے بھائی تو ہر قدم اتنی احتیاط سے رکھتے ہیں کہ اُن کے قدموں کی ہلکی سی لغزش اُن کی بہنوں کے مستقبل پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ لیکن آپ کے قدم تو غلط راستے کی جانب سر پٹ بھاگ رہے ہیں! کبھی بھائی بھی ایسے لاپروا ہوتے ہیں؟"

"اور کیا اچھے انسان بھی ایسا کرتے ہیں؟ کسی کا دِل اور زندگی سے کھلونے کی طرح کھیل جانا یہ اچھے لوگوں کا کام تو نہیں ہے۔" علیزے دُکھ سے سوچتی اندر کچن میں آ گئی جہاں کش کی ہوئی گاجریں اگلے مرحلے کے انتظار میں تھیں۔ لیکن علیزے کا دِل بالکل اُچاٹ ہو چکا تھا۔

"باجی!" غزالہ اُس کے پیچھے ہی چلی آئی۔ علیزے نے چونک کر غزالہ کو دیکھا، جس کی آنکھیں سوالوں سے بھری پڑی تھیں۔

"جاؤ بیٹا باہر کا دروازہ بند کر آؤ!" علیزے نے اُسے ٹالا، غزالہ تو چلی گئی لیکن علیزے اپنے دِل کو کیا کرتی جس کے وسوسے ٹالنا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

❖❖○❖❖

جانے کیوں ہر امتحان کے لیے
زندگی کو ہمارا پتا یاد ہے

شہباز علی نے بے حد دُکھ سے سائرہ کی باتیں سُنی تھیں۔

سب کو خوشیاں مل جاتی ہیں
میرا حصّہ کیوں کھو جاتا ہے

وہ ایک بار پھر سرد آہ بھر کر بولے۔

"تم یوں اپنے دِل کو نہ لگاؤ وہ نا سمجھ بچی ہے پھر خالہ نے جو بتایا ہوگا، وہ ہی اُس کے ذہن میں پختہ ہو گیا ہوگا!" احمد شاہ نے شہباز علی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"جو خود دِل کا ٹکڑا ہوں، اُن کی باتیں یوں ہی دِل دُکھا دیتی ہیں۔" شہباز علی کی طبیعت پھر سے خراب ہو گئی تھی۔ آج سائرہ، نگینہ سے ملنے آئی تھی۔ احمد شاہ نے باتوں ہی باتوں میں اُس کے والد کا ذکر کیا تو وہ پہلے تو ہونٹ کاٹتی رہی پھر ایک دم غصّے سے بولی۔

"میرا باپ بے شک زندہ ہے لیکن وہ ہمارے لیے مر چکا۔ انکل پلیز اگر آپ اِسے گستاخی نہ جانیں تو میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ مجھ سے اُس شخص کے متعلق بات نہ کیجیے گا۔" سائرہ کا دو ٹوک لہجہ پاس بیٹھے شہباز علی نے بھی سُنا تھا اور تب سے لے کر اب تک وہ جو نڈھال پڑے تھے، جیسے کسی نے جسم کی ساری توانائی نچوڑ لی ہو۔ بعض سخت الفاظ بھی تو ایسے زہریلے ہوتے ہیں، جو انسان کی رگوں سے خون نچوڑ لیتے ہیں۔

احمد شاہ کی کتنی تسلیوں کے باوجود شہباز علی ہمت چھوڑتے جا رہے تھے۔ پہلے یہ فکر تھی کہ بچے کہاں ہوں گے، کیسے اُن سے ملوں گا؟ اب اگر بچے مل گئے ہیں تو کیسی بے بسی ہے کہ میں بڑھ کر انہیں اپنے سینے سے نہیں لگا سکتا اُن کے ماتھے پر بوسہ نہیں دے سکتا۔ درد بھری آہ ایک بار پھر اُن کے لبوں سے نکل گئی۔ اب ایک اور امتحان پہاڑ کی طرح ہمارے بیچ حائل ہے، وہ ہے اُن کی بدگمانی، جو پہاڑ کی طرح مضبوط ہو چکی ہے۔

"بولو احمد شاہ! میں اِس پہاڑ کو کیسے سر کر پاؤں گا؟ میں جو ایک تھکا ہوا، بوڑھے ہوتے حوصلوں والا انسان ہوں کیسے یہ سب کر پاؤں گا اور... اور جو مجھے میرے بچے نہ ملے تو یہ جو میری گنی چنی سانسیں ہیں شاید وہ بھی بہت جلد پوری ہو جائیں گی۔" شہباز علی رُک رُک کر گہرے گہرے سانس لینے لگے مسلسل بولنے سے وہ تھکنے لگے تھے۔ احمد شاہ نے سائیڈ ٹیبل سے گلاس اُٹھا کر پانی بھر کر جلدی سے شہباز علی کو دیا جو انہوں نے فوراً لبوں سے لگا لیا۔

احمد شاہ نے اپنے دِل میں شہباز علی کے لیے بے حد درد محسوس کیا۔

"شہباز پلیز تم تکیہ سیدھا کر کے سونے کی کوشش کرو۔"

"یار زندگی نے تو ساری نیندیں چھین لی ہیں لگتا ہے اب ابدی نیند ہی کچھ آرام دے پائے گی۔" شہباز علی کا دِل دُکھ سے پھٹنے کو تھا۔ جب تک انسان اپنی مرضی سے صبر کرتا ہے تو اُس کی برداشت بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھ جاتی ہے اور جب انسان کو جبری ص[illegible] ہے تو اُس کی برداشت کا برتن چھوٹا پڑ جاتا ہے۔ منہ زور خواہش اُس میں سے چھلک کر بہنے [illegible]تی ہے! شہباز علی جب تک بے خبر تھے کہ سارا دنیا میں نہیں ہے وہ اپنے بچوں کی دوری کسی روگ کی طرح مسلسل سہتے رہے لیکن جیسے ہی انہیں پتا چلا جس کی خوشی کی خاطر وہ نگر نگر آوارہ پھرتے رہے وہ اِس دنیا میں نہیں ہے تو اپنے بچوں سے ملنے کی خواہش ہر چیز پر حاوی ہوگئی۔

اور آج انہیں لگتا تھا کہ اگر اُن کے بچے جلد از جلد اُن سے نہ ملے تو وہ شاید مزید جی بھی نہ پائیں۔

''شہباز علی پلیز! مجھے کچھ وقت دو شاید میں درست صورت حال جان کر تمہیں کچھ بتا سکوں، ممکن ہے کوئی ایسا موڑ بن جائے کہ بچے اپنی بدگمانیاں ختم کر کے اپنے باپ سے ملنے کو تیار ہو جائیں۔'' احمد علی کی تسلی شہباز علی کو آخری اُمید کی طرح دکھائی دی۔

❖❖○❖❖

کبھی یوں بھی ہو کہ تم ہم سے سرِ عام ملو
سرِ عام ملو اور ہر شام ملو
میں وفا کے رستے پر قدم قدم چلا کروں
اور تم ہر رستے پہ مجھے ہر گام ملو
میں ہستی ذات میں اپنی جب جب اُتروں
تم مجھے، مجھ سے ہر دم ہم کلام ملو
میں صحرائے محبت کی بنوں پیاس کبھی
تو تم بن کے چاہت کا جام ملو
میری راتوں میں اماوس کے اندھیرے جب جب اُتریں
تب تم بن کے ماہ تمام ملو

مسکان جانے کتنی دیر سے ہاتھ کی مٹھی میں عبدالولی کی چین پکڑے کھوئے کھوئے انداز میں بیٹھی تھی۔ کبھی وہ آپ ہی آپ مسکرا دیتی اور کبھی مسکراتے مسکراتے بیچ میں اُس کی مسکراہٹ کا تسلسل ٹوٹ جاتا اور وہ پھر سے کھو جاتی۔

دروازہ پر اچانک دستک سے وہ ایک دم ہڑ بڑا کر اُٹھ کھڑی ہوئی، جیسے کسی نے اُسے چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا ہو یہ سچ ہی تھا کہ اُس نے چوری چوری اَنکھی خوابوں کی ایک دنیا بنالی تھی اور وہ اِس دنیا میں کھو کر بہت خوش رہنے لگی تھی۔

سید سرفراز علی گرم شال لیے ہمیشہ کی طرح سفید کپڑوں میں ملبوس اندر داخل ہوئے۔ اندر آتے ہی اُن کی مخصوص خوشبو بھی ساتھ ہی آئی تھی۔ وہ بہت اچھی قسم کا پرفیوم استعمال کرتے تھے۔

''السلام علیکم بابا سائیں!'' مسکان کی بوکھلاہٹ میں مزید اضافہ ہوا، آج تک اُن سے اپنے دل کی ہر بات شیئر کرنے والی بیٹی پہلی بار زندگی میں کوئی کام اپنے باپ سے چھپا کر رہی تھی۔ یہی وجہ تھی مسکان کے چہرے کے اجنبی رنگ سید سرفراز جیسے بندے کو چونکا گئے۔

''وعلیکم السلام پُتر! کیا حال ہے میری رانی بیٹی کا؟'' سید سرفراز نے اُسے گلے لگا کر پوچھا۔ ساتھ ہی اور اُس کے چہرے کا تاثرات کا جائزہ لیا۔

''میری بیٹی رانی کس بات پر، پریشان ہے؟'' مسکان کا سانس ایک دم بے ترتیب ہوگیا۔

''کچھ بھی تو نہیں ہے؟'' وہ گہرا سانس لے کر بولی، جیسے اپنے آپ کو Manage کرنا چاہتی ہو۔

''کچھ تو بات ہے، میری بیٹی رانی کے چہرے کا ایک ایک رنگ مجھے پتا ہے وہ کب پریشان ہے کب نہیں۔'' سید سرفراز کا دعویٰ کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا وہ اپنی بیٹی سے بے انتہا محبت کرتے تھے جانے رب سائیں نے اُن کے کٹھور اور پتھر دل میں اُن کی بیٹی کی اتنی شدید محبت کیوں ڈال دی تھی۔ جو شخص کسی سے پیار سے بات نہ کرتا تھا، وہ مسکان کو بے حد پیار کرتا تھا۔

''بابا سائیں میں نے پہلے کبھی آپ سے کچھ چھپایا ہے کیا؟ اب بھی اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو سب سے پہلے آپ ہی کو آ کر بتاؤں گی۔'' مسکان نے ایک دم ہلکا پھلکا ہو کر کہا، دل کا راز جو اپنے سے چھپائے بیٹھی تھی کیسے وہ سب پر عیاں کر دیتی۔ اُس کے دل کو ولی کے اقرار کا انتظار تھا وہ اپنی محبت کو با عزت دیکھنا چاہتی تھی۔

''مجھے اپنی بیٹی پر خود سے زیادہ اعتبار ہے۔'' سید سرفراز نے فخر سے کہا اندر داخل ہوتی آپا اماں کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔

''کبھی کبھی اعتبار اندھی کھائی ثابت ہوتے ہیں سید سرفراز!'' مسکان نے چونک کر انہیں دیکھا، وہ بابا سائیں کے ساتھ اسی طرح اکثر بے حد کڑوی باتیں کر جاتی تھیں۔

''آؤ نفیسہ بیگم! کیا حال ہے تمہارا؟'' سید سرفراز علی جانے کیوں اُن کی کسی کڑوی بات کا پلٹ کر اب جواب نہ دیتے تھے۔

''جن کا ماضی عبرت ناک بن چکا ہو اُن کا حال کیسا ہونا چاہیے؟'' آپا اماں نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ آپا اماں کو بابا سائیں کے آجانے پر کیا ہو جاتا ہے، کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی ہیں۔'' مسکان نے کچھ کوفت زدہ ہو کے سوچا۔

سید سرفراز نے انہیں یوں دیکھا، جیسے آپا اماں کی بات سُنی ہی نہ ہو۔

''میں بلال کو لے کر آیا تھا۔ اُس کے سائیکاٹرسٹ سے آج شام کا وقت تھا تم بھی اُس سے مل لو۔ تمہارا بہت پوچھ رہا تھا۔'' انہوں نے آپا اماں سے کہا۔

''سید سرفراز اُسے دوا سے زیادہ دُعا کی ضرورت ہے تمہاری سزا اگر وہ معصوم بچہ بھگت رہا ہے تو تمہاری توبہ اُسے اِس مصیبت سے نکال بھی دے گی۔'' آپا اماں نے نہایت سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

''تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ بچوں کے سامنے اول فول نہ بولا کرو۔'' سید سرفراز علی جانے کیسے خلاف مزاج اتنی دیر سے برداشت کیے بیٹھے تھے اب ایک دم غصے سے آگ بگولا ہو کر بولے۔ لیکن آپا اماں کے چہرے کے تاثرات پر کچھ اثر نہ ہوا تھا۔

''میں نے تمہارے ایسے ایسے بُرے روپ دیکھے ہیں کہ تمہارا چھوٹا موٹا غصہ مجھ پر اب کوئی اثر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کرے گا؟ آپا امّاں نے دِل ہی دِل میں سوچا۔

''بابا سائیں میں بلال بھائی سے مِل کر آتی ہوں!'' مسکان نے باپ کا موڈ دیکھتے ہوئے وہاں سے کھسک جانا ہی بہتر سمجھا۔

''سید سرفراز احمد! اَب بیٹی بڑی ہوگئی ہے اس کی شادی کردو۔'' آپا امّاں نے باہر جاتی مسکان کو دیکھتے ہوئے کہا، جس کی چال میں خاص طرح کی لچک آ گئی تھی جیسے وہ بن پیے نشے میں ہو۔ اور یہ نشہ کس چیز کا تھا وہ بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔

''ابھی اُس کی عمر ہی کیا ہے!'' سید سرفراز نے بے تکلفی سے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ ہی عمر ہوتی ہے شادی کی، آم پک کر خوش بو دینے لگ جائے تو کچھ دن بعد وہ گل سڑ جاتا ہے۔ اِسی طرح لڑکیوں کے خواب بھی خوش بو دینے لگتے ہیں اگر وقت پر تعبیر نہ ملے تو وہ بھی گل سڑ جاتے ہیں۔'' آپا امّاں کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' سید سرفراز گرج کر بولے۔

''مطلب یہ ہے کہ یہ سدرہ بی بی یا مریم بی بی نہیں ہے، تمہاری بیٹی ہے کیا اِس کی قسمت بھی وہ اندھا کنواں ہے؟ اِس کے مستقبل کا کچھ سوچو!'' آپا امّاں مسکان سے بے حد پیار کرتی تھیں آج وہ سید سرفراز کو قائل کرنا چاہتی تھیں۔

''تم کیوں بھول رہی ہو کہ میری بیٹی بعد میں ہے، پہلے حویلی کی بیٹی ہے وہ!'' سید سرفراز کی بات پر آپا امّاں کو لگا کہ اُن کا دھڑکتا دِل ڈوب رہا ہے۔

''تو کیا تم نے مسکان کو اُس زندہ قبرستان میں دفنانے کے لیے اتنے ناز و نعم سے پالا تھا۔'' آپا امّاں کو بولنا مشکل ہوگیا۔

''اُس کے جوڑ کا خاندان میں کوئی نہیں ہے لیکن سید اسد علی نے مسکان کے لیے پیام دیا ہے۔'' سید سرفراز نے اپنے ایک دُور پرے کے کزن کا حوالہ دیا۔

''وہ؟ وہ مسکان کی باپ کی عمر کا شخص... سید سرفراز! میں سمجھتی تھی کہ بیٹی کی محبت تمہیں اور تمہاری کھوکھلی روایات کو بدل دے گی لیکن...'' آپا امّاں نے نہایت تاسف سے انہیں دیکھا۔

''دیکھو نفیسہ! وقت سے پہلے کسی بات پر بے وقوف ہی پریشان ہوتے ہیں ابھی بچی دوسرے سال میں پڑھ رہی ہے، دو سال ابھی مزید ہیں، ویسے بھی سید اسد علی پہلے اپنی بیٹی کی شادی کرے گا پھر اپنی کرے گا، اتنا وقت تو لگ ہی جانا ہے۔'' سید سرفراز علی نے نہایت آرام سے جواب دیا۔

''اس کی بیٹی کہاں جارہی ہے؟ اُس کا بیاہ کہاں ہو رہا ہے؟'' آپا امّاں نے کڑی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرا اپنا خیال بلال کے لیے ہے وہ ذرا ٹھیک ہو لے پھر میں بات کروں گا۔''

''یا میرے اللہ! اِس شخص کو کوئی نہیں بدل سکتا نہ اولاد کی محبت، نہ اولاد کی آزمائش۔'' آپا امّاں نے بے اختیار اپنا دِل تھام لیا۔

زمین بڑھانے کی حرص کیسا خوف ناک روگ ہے، جو رشتوں اور انسانوں دونوں ہی کو نگل جاتا ہے۔

''سید سرفراز تمہارے ظلم کی کوئی حد بھی ہے؟'' آپا امّاں برسوں بعد ایک بار پھر بہت کڑے تیوروں ...ان سے بات کر رہی تھیں۔

''نفیسہ۔'' سید سرفراز دھاڑے۔

''مت بھولو تم کس سے بات کر رہی ہو اپنا لہجہ اور آواز دبا کر بات کرو تمہیں اپنی اوقات نہیں بھولنی ...'' سید سرفراز کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

''اور ایک بات تم کیوں بار بار بھول جاتی ہو کہ مسکان میری اولاد ہے۔ تم نے صرف اُسے پالا ہے ...اس کے متعلق جو مرضی فیصلہ کروں یہ میرا حق ہے۔'' سید سرفراز علی پاؤں پٹختے باہر نکل گئے۔

''یا ...ے اللہ! بعض نسلوں کی قسمت تک کو گھن لگ جاتے ہیں آج مجھے اندازہ ہوگیا۔ بڑی حویلی کی ...ان کی قسمت کبھی نہیں بدل سکتی۔ لیکن کیا میں یہ سب کچھ مسکان کے ساتھ ہونے دوں؟''

''نہیں! میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔''

''...یس سال پہلے جو نفیسہ سید سرفراز کے لیے حلق کا کانٹا بن گئی تھی آج ایک بار پھر وہ کسی معصوم کے ...دوبارہ سے کھڑی ہوگی۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔''

''سید سرفراز! کائی زدہ جھیل کے پانی کی طرح جس عورت کو تم نے رکھ چھوڑا تھا۔ تم دیکھو گے کہ اتنے ...ے میں اِس کے اندر جو لاوا پک رہا ہے وہ تمہاری جھوٹی انا کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔'' آپا امّاں ...مٹھیاں بھینچ کر با آواز بلند کہا۔

❖❖○❖❖

کسی کو کیوں پکاروں غیر سے امداد کیوں مانگوں
...مری فریاد سننے کو مرا اللہ کافی ہے
کسی کے آستانے پر جھکاؤں سر، نہیں ممکن
...جبین عجز کے سجدے کو اک درگاہ کافی ہے
...تلاش پیر و مرشد میں پریشان گھومنے والو!
...ہدایت کے لیے ذاتِ رسول ﷺ اللہ کافی ہے
کسی شجرے کی کیا حاجت، یہ ملفوظات کیا شے ہیں
...جو ہو علم و بصیرت تو کتاب اللہ کافی ہے
...فقیہ شہر کے فتووں کی مجھ کو کیا ضرورت ہے
...تمیز حق و باطل کو دِل آگاہ کافی ہے

...کوئی کل کی مسزِ ثانیہ اور آج کی مسزِ ثانیہ کو دیکھتا تو بالکل پہچان نہ پاتا۔ مچھلی پتھر چاٹ کر واپس آئی ...

...زندگی، جو وہ پہلے جی کر آئی تھیں، انہیں لگتا تھا کہ وہ تو ایک پشیمانی کا دور تھا۔ وہ بالکل بدل گئی تھیں۔ ...شوہر کی اتنی بُری موت اور بیٹی کی بربادی نے اُن کی بند آنکھیں کھول دی تھیں لیکن اِن کھلی آنکھوں ...بربادی کا منظر دیکھنا بے حد دُشوار تھا۔ سحرش ایک مرے ہوئے پھول کی طرح آخری سانسیں لیتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُن کی زندگی کا سب سے بڑا روگ تھی۔ طارق کے بار بار آنے اور اصرار پر انہوں نے بڑی مشکل طارق کو سحرش سے ملنے کی اجازت دے دی تھی لیکن پہلی بار انہیں یہ احساس ہوا کہ انہوں نے زندگی کوئی اچھا قدم اُٹھایا تھا۔

سحرش کی پتھر جیسی آنکھوں میں ہلکی سی حرکت، زندگی کی اُمید بن کر اُبھری تھی۔

طارق دو، دو گھنٹے اُس کے پاس بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہتا تھا مگر وہ پتھر کا بُت بنی چپ بیٹھی رہتی تھی۔ لیکن ایک دِن جب طارق بہت دنوں بعد اُس سے ملنے آیا تو سحرش کے پتھر وجو ردِعمل تھا اور یہیں سے مسز ثانیہ خالد نے ایک انہونی سی خواہش پال لی تھی سحرش اور طارق کے ہونے کی۔ انہیں لگتا تھا کہ یہ واحد شخص تھا، جو اُن کی مری ہوئی بیٹی کے وجود میں روح پھونک سکتا ہے۔

"لیکن کیا سحرش کے داغ دار وجود کو طارق جیسا ہیرا صفت لڑکا اپنی زندگی میں شامل کر لے گا؟ ناممکن تھا!"

"لیکن کیا اُن کی خود کی واپسی کبھی ممکن تھی؟"

"بالکل نہیں! تو آج اگر وہ ٹھوکر کھا کر بھی واپس آئی تھیں تو یہ ناممکن کا شیشہ آخر ٹوٹ ہی گیا تھا۔" پس انہوں نے یہ ناممکن دعا اور خواہش اللہ رحمان سے کرنی شروع کر دی تھی اُن کے سجدے اور دعا گریہ زاری بنتی جا رہی تھیں۔

"بیگم صاحبہ باہر طارق صاحب آئے ہیں!" ملازمہ نے اندر آ کر انہیں پیغام دیا۔

"یہ طارق کے آنے کا مخصوص وقت تھا۔"

"سحرش کیا کر رہی ہے؟" انہوں نے جاءِ نماز لپیٹ کر ملازمہ سے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ میں کچھ دیر پہلے اُن کو وہیل چیئر پر بٹھا کر لان میں گھمانے گئی تھی وہ وہیں ہیں اور طا صاحب بھی وہیں ہیں۔" سحرش کا زندگی سے تعلق توڑنے کی وجہ سے وہ بالکل بے جان لوگوں کی طر رہتی تھی، نہ وہ خود سے چلتی تھی نہ کھاتی تھی نہ پیتی تھی اور نہ ہی نہاتی تھی۔ مسز ثانیہ خود ہی اُس کے سار کام کرتی تھیں اگر وہ اُسے کہیں بٹھا کر بھول جاتیں تو وہ گھنٹوں بغیر ہلے وہاں ایک ہی اینگل میں بٹ رہتی تھی اِس لیے مسز ثانیہ اُسے گھمانے کے لیے وہیل چیئر کا استعمال کرتی تھیں۔

"ٹھیک ہے تم چائے لے کر لان میں آ جاؤ میں بھی وہاں آتی ہوں۔" مسز ثانیہ آنسوؤں سے بھر چہرے کو اپنی چادر سے صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"جی اچھا!" ملازمہ نے ایک تاسف بھری نگاہ اپنی مالکن پر ڈالی، جس کی آنکھوں سے اُس نے آ کبھی خشک ہوتے نہ دیکھے تھے۔

"طارق بیٹا! تم کیوں روز چلے آتے ہو؟ تمہاری آمد تمہارے کام کا حصّہ اِس لیے بھی نہیں بن سکتی سحرش تمہارے کسی کام کی نہیں ہے وہ اِس قدر ذہنی طور پر تباہ ہو چکی ہے کہ اُسے برسوں لگیں گے ٹھ ہونے میں۔" مسز ثانیہ خالد آج اُس کے بار بار آنے کو کوئی نام دے دینا چاہتی تھیں۔

طارق کچھ پَل کو چپ کھڑا رہ گیا۔ وہ اِس وقت سحرش کے سامنے خوب صورت طوطوں کا پنجرہ کھڑا تھا پہلے تو سحرش نے نگاہ اُٹھا کر بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ پھر اچانک ہی اُس کی نظریں اُن طوطوں ل کے ساتھ حرکت کرنے لگی تھیں اور یہ نہایت مثبت ردِعمل تھا۔ کہاں وہ ساکن نظروں سے گھنٹوں ا رہتی تھی۔

"آنٹی! میں خود نہیں جانتا کہ میں یہاں بغیر کسی غرض کے کیوں چلا آتا ہوں، پہلے پہل تو میں کیس لیے سحرش سے انفارمیشن حاصل کرنے آتا تھا۔ پھر جب پہلی بار میں سحرش سے ملا تو مجھے خود شرمندگی نے لگی اِس معاشرے کا حصّہ ہونے کی وجہ سے میں خود کو بھی سحرش کی حالت کا ذمّے دار سمجھتا ہوں۔ اور سحرش کا انسانیت کا بھی تو رشتہ ہے۔" طارق نے سچائی سے کہا۔

"لیکن بیٹا! کیا سحرش کو تم دھیرے دھیرے اپنا عادی نہیں بنا رہے؟ وہ تمہارے آنے پر ردِعمل کا اظہار ی ہے کیا تمہاری ہمدردی سحرش کا ساری عمر خیال رکھ سکتی ہے؟" مسز ثانیہ خالد کا سوال بے شک اپنے بہت سارے سوال رکھتا تھا۔ وہ بہت آس سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔

"آنٹی پلیز! میری نیک نیتی پر شک نہ کریں آپ اللہ پر اعتبار رکھیں۔ وہ ان شاء اللہ سحرش کے ساتھ اچھا کرے گا۔" طارق نے نہایت سچائی سے جواب دیا۔

مسز خالد کچھ کہتے کہتے رُک گئیں۔ اب بات اللہ کے اعتبار پر تھی اور وہ بندوں سے بات کہہ کر گنوانا ا چاہتی تھیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا! میں اپنے اللہ سے ہی آئندہ سوال کروں گی۔" انہوں نے دِل ہی دِل میں کہا۔

❖❖○❖❖

"کہاں جا رہی ہو؟" سید سرفراز نے بے باکی سے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"زبیدہ کو یوں لگا کسی آگ نے اُسے چھو لیا ہو اور وہ کسی موم کی طرح پگھل رہی ہو۔

"شاہ جی ہاتھ چھوڑیئے۔" زبیدہ کی آواز میں گھبراہٹ کم تھی البتہ شرم سے اُس کا چہرہ لال ہو رہا تھا۔

"یوں بھاگنا ہی ہوتا ہے تو پھر کیوں بہانے بہانے حویلی آتی ہو؟" سید سرفراز کو وہ دودھ مکھن جیسی ی دُور دُور سے دیکھنا حماقت لگنے لگی تھی اب وہ اُسے چکھنا چاہتا تھا۔ زبیدہ کے والد سید سرفراز کے بابا ئیں کے بے حد اچھے دوستوں میں سے تھے یہی وجہ سید سرفراز کو زبیدہ کے قریب جانے سے روکتی ل۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی زبیدہ کے معاملے میں محتاط ہو جاتا لیکن زبیدہ کی بے تابی، بار بار حویلی کے ر لگانا، آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈھیروں پیام لیے وہ سید سرفراز کو کسی تازہ پیسٹری کی طرح خود کی ف متوجہ کرتی تھی۔

وہ لوگ جو عورت کا احترام نہیں کرتے ہیں اُن کی نظر میں عورت کا دِل یا اُس کی محبت ہرگز نہیں آتی اُن کی نگاہ صرف اور صرف اُن کا وجود دیکھتی ہے۔ اُن کو صرف اُن کے جسم کی طلب ہوتی ہے۔

"کیسا بہانہ شاہ جی؟" زبیدہ نے اپنی کالی سیاہ آنکھیں اُٹھا کر معصومیت سے پوچھا۔ وہ بے حد معصوم ی تھی اپنے دِل کی بے تابی پر اُس نے سچے دِل سے اقرار کر لیا تھا۔ بس اُس کی یہ ہی خطا تھی۔

"مجھ سے ملنے کا بہانہ۔" سید سرفراز نے مخمور لہجے میں کہا۔ وہ بے حد قریب کھڑی اُس پر نشہ طاری ر رہی تھی۔

"شاہ جی!" زبیدہ کی آواز اُس کے حلق میں پھنسنے لگی حیا کے کتنے ہی رنگوں نے اُس کے خوب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صورت چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

"ہاں جی!" سید سرفراز اِس نشے کی بند بوتل کو فوراً پینے کی طلب اپنے اندر شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑیئے! دُکھ رہا ہے۔" سید سرفراز کے آہنی سانولے ہاتھوں میں زبیدہ کا سفید ہاتھ دبے سرخ پڑنے لگا تھا۔ اُسے تکلیف محسوس ہونے لگی تھی۔

"سید سرفراز کبھی چھوڑنے کے لیے ہاتھ نہیں پکڑتا۔" سید سرفراز کا گمبھیر لہجہ زبیدہ کی رہی سہی جان نکال گیا۔

"بشیراں، مریم کہاں ہے؟" زلیخا بی بی کی آواز کہیں قریب سے آرہی تھی جس کا مطلب تھا وہ اِدھر ہی آرہی تھیں۔

"شاہ جی مہربانی کریں میرا ہاتھ چھوڑیئے بڑی بی بی آرہی ہیں۔" زبیدہ نے تقریباً روتے ہوئے گھبراہٹ سے اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

"ایک شرط پر اگر تم ڈیرے پر آؤ مجھ سے ملنے کے لیے!"

"میں وہاں اُس ویرانے میں اکیلی کیسے آؤں گی؟" زبیدہ نے قدموں کی چاپ قریب سنتے ہوئے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم آؤ گی نہیں تو میں جاؤں گا نہیں۔ بس میں یہیں ہی کھڑا ہوں۔" سید سرفراز نے ضد سے کہا، وہ دِل سے چاہتا تھا کہ زبیدہ فوراً حامی بھرے تا کہ وہ فوراً یہاں سے نِکل سکے۔ بی بی زلیخا کا سامنا وہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہ شہر کی لڑکیاں، توبہ کس قدر نخرہ کرتی ہیں۔

"ٹھیک ہے میں آؤں گی! اب خُدا کے لیے میرا بازو چھوڑیں اور یہاں سے جائیں۔" زبیدہ نے ہتھیار پھینک کر کہا۔

"شاباش! اب چڑیا دام میں آئی نا!" سید سرفراز نے مکروہ ہنسی ہنستے ہوئے سوچا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

زبیدہ وہیں بے دم ہو کر زمین پر بیٹھ گئی اُس کی ٹانگوں میں کھڑے ہونے کی رَتی بھر سکت نہ تھی۔ سانسوں کی بے ترتیبی اور دِل کی دھڑکن کا تیز ہونا، یہ سب مل کر اُسے بدحواس کر گئے تھے۔

"ارے زبیدہ پُتر کیا ہوا؟" بی بی زلیخا مریم اور بشیراں کے ساتھ سامنے سے آرہی تھیں۔ اُسے یوں بیٹھے دیکھ کر بے حد پریشانی سے آگے بڑھیں۔ زبیدہ کا حال اِس قدر بُرا تھا کہ اُس سے فوری طور پر ایک لفظ تک نہ بولا گیا۔

"پُتر کیا ہوا؟ ایسے کیوں راہ داری میں بیٹھی ہے؟ تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" انہوں نے زبیدہ کی پیلی پھٹک رنگت دیکھ کر سوال کیا ساتھ ہی اُسے اُٹھا کر کھڑا کیا۔

زبیدہ پھر بھی کچھ نہ بول سکی۔ وہ بہت معصوم اور کمزور اعصاب کی لڑکی تھی۔ اُس میں کسی قسم کا دوغلا پن اور تیزی طراری نہ تھی۔ سید سرفراز کی بے باکی، کھلم کھلا اظہار اور ساتھ ہی ملنے کا مطالبہ سب کچھ ایک دم ایک ساتھ ہوا تھا۔ جو اُس سے فوری برداشت نہ ہوا۔

حیا اور بزدلی دونوں اُس کی شخصیت کا حصّہ تھے۔ کسی بھی قسم کے حالات پر قابو کیسے پایا جا سکتا ہے، وہ نہ جانتی تھی نہ وہ گہرا سوچتی تھی اور نہ ہی گہرے راز پال سکتی تھی۔ اُس نے تو سید سرفراز سے معصوم سی محبت کی تھی، جس کی آخری حد بس شادی ہی تھی۔

"پتر بولتی کیوں نہیں؟" زلیخا بی بی نے اُسے کمرے میں بٹھا کر پانی کا گلاس دیا، جسے زبیدہ نے نہایت بے صبری سے پی لیا۔

"خالہ جان! میرا دِل ایک دم گھبرا گیا تھا اور چکر سا آ گیا تھا۔" آخر کار زبیدہ نے بہانہ بنایا۔

"بشیراں جا، جا کر لیموں میں نمک چینی ڈال کر شکنجی بنا کر لا، کُڑی کے دِل کو گرمی پڑی ہے گرمی بھی تو بہت ہے..." زلیخا بی بی نے فوراً بشیراں کو حکم دیا۔

"کیا ہوا تمہیں؟"

"کیا تمہیں سچ میں اتنی گرمی لگی کہ تمہارے چہرے کے رنگ اِس بُری طرح اُڑ گئے۔" مریم بی بی نے سوال کیا۔

"لگتا تو ایسے ہی ہے کہ تم نے کسی جن بھوت کو دیکھ لیا ہو۔" مریم نے زبیدہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"مریم میرا دِل سچ میں بہت گھبرا رہا ہے۔" زبیدہ نے پسینے پسینے ہوتے چہرے کے ساتھ کہا۔

"ارے بابا رے!" مریم نے اُسے فوراً پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔

"تم لیٹ جاؤ اس سے تھوڑا بہتر محسوس کرو گی۔" مریم نے ہمدردی سے کہا اُسے اپنی یہ سہیلی بہت عزیز تھی۔ ایک زبیدہ ہی تو تھی، جو خود آ کر اُن سے مل جاتی تھی ورنہ اِس بند حویلی سے باہر نِکلنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔

"ہاں۔ ہاں پُتر لیٹ جاؤ ورنہ جج صاحب کہیں گے کہ اُن کی بیٹی کو بیمار کر کے بھیج دیا۔" زلیخا بی بی نے پیار سے اُس کے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"جی!" زبیدہ نے سعادت مندی سے کہہ کر آنکھیں موند لیں، وہ اِس وقت تنہا رہنا چاہتی تھی۔ زلیخا بی بی اُسے شربت کا گلاس پلا کر باہر نکل گئیں مریم بھی اُن کے ساتھ ہی باہر نکل گئی۔

"شاہ جی! کِس مشکل میں میری محبت کو ڈال دیا ہے؟ آپ کے قریب آتی ہوں تو موم کی طرح پگھلنے لگتی ہوں۔ اور دُور رہ کر بنا آگ کے ہی سلگتی رہتی ہوں۔" زبیدہ کا دِل عجیب سی کشمکش کا شکار ہو رہا تھا۔

❖❖○❖❖

"کیا بات ہے پُتر! مجھے بشیراں نے بتایا کہ تمہیں بہت تاپ (بخار) چڑھا ہوا ہے، میں تمہاری خبر لینے آرہی تھی تو راہ میں زبیدہ مل گئی۔ اپنے جج صاحب کی بیٹی ہے بچپن سے یہاں آ جا رہی ہے میری بچیوں سے بہت پیار اور دوستی ہے اکثر دو دو دن رہ کر جاتی ہے اُس کے دل کو گرمی پڑ گئی۔ نمانی ہے بھی تیری طرح نازک سی، میں نے جلدی جلدی شربت بنوا کر پلوایا تب جا کر بچی کے دل کو سکون ہوا۔" زلیخا بی بی نے عائشہ کے بستر کے پاس پڑی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پتر تمہیں تو بہت تاپ ہے؟" زلیخا بی بی نے عائشہ کا ماتھا چھوا اور پھر بخار کی شدت محسوس کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوراً گھبرا کر کہا۔

"کیا بات ہے بولتی کیوں نہیں؟" عائشہ کی نم آنکھیں دیکھ کر زلیخا بی بی نے پریشانی سے پوچھا۔

"تائی جی!"

"کیا؟" عائشہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اُن سے سوال کرے۔

"کیا بات ہے بیٹا؟ کیا پوچھنا چاہتی ہے؟"

"اس حویلی میں اگر بیٹیوں کے بَر برادری سے نہ ملیں تو کیا انہیں اکیلے کمرے میں الگ سے بند کرا جاتا ہے؟" عائشہ نے ٹوٹے پھوٹے بے ربط انداز میں سوال کیا۔

زلیخا بی بی کچھ پَل کو بالکل چُپ کی چُپ رہ گئیں، اندر آتی مریم کو دیکھ کر انہوں نے آہ کے انداز میں سانس لیا۔

"مریم پُتر تو ذرا اپنے کمرے میں جا کر زبیدہ کی خبر تو لے۔" زلیخا بی بی نے مریم کو وہاں سے ہٹایا۔

"بیٹا! یہ کون سی نئی بات ہے۔" زلیخا بی بی نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"تو کیا یہ سچ ہے؟" عائشہ نے ہراساں نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ خونی سچ اِس حویلی کی سب سے بڑی بدصورتی ہے، تم اس حویلی کی بڑی بہو بننے جا رہی ہو تمہیں ان سب باتوں کو ذہن نشین کر لینا چاہیے، مجھے حیرت ہے کہ سید عاشق علی نے تمہیں اس بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا؟"

"تائی جی! کیا سدرہ آپی اور مریم کا جوڑ خاندان میں موجود ہے؟" عائشہ نے نقاہت بھرے انداز میں پوچھا۔

زلیخا بی بی کے کلیجے کو ہاتھ پڑا تھا۔ یہ ایسا سوال تھا، جو اُن کی زندگی کا روگ بنتا جا رہا تھا، جن بیٹیوں کو نازوں سے پالا پوسا تھا کیسے اُن کو بند دیواروں کی زینت بنا دیتیں۔

"بس پُتر! قسمت کی بات ہے کہ تیرے جوڑ کے لیے اِس گھر میں دو دو بَر تھے اور میری دونوں بیٹیوں کے لیے کوئی ایک بَر بھی خاندان میں موجود نہیں ہے۔" زلیخا بی بی کا بات کرتے کرتے یوں سانس چڑھ گیا، جیسے وہ کوئی لمبی مسافت طے کر کے آئی ہوں۔

"تو کیا آپ سدرہ آپی اور مریم کی شادی کبھی نہیں کریں گی؟" عائشہ اِس کڑی حقیقت کو سُن کر بے حد دُکھی ہو رہی تھی۔ کل کو اُس کی بیٹی ہوئی تو کیا وہ بھی اتنی ہی بے بس ہو جائے گی کہ اُس کا جائز حق تک اُسے نہ دلا سکے گی۔

زلیخا بی بی نے ایک دم سسکی بھری۔

"ایک ماں کبھی نا اُمید نہیں ہوتی، شاید یہ ہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ ناممکن کی دعا کرنے بیٹھ جاتی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ سدرہ اور مریم کی شادی کی دُعا ایک ناممکن دُعا ہی ہے! میری پھول جیسی بیٹیاں اس حویلی میں بند ہو کر مُرجھا جائیں گی، اِس حقیقت کو میں جانتی ہوں لیکن میں ماننا نہیں چاہتی۔" وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دیں، عائشہ جو پہلے ہی بھری بیٹھی تھی، وہ بھی اُن کے دُکھ میں شامل ہو گئی۔

یہ آنسو کسی کی زندگی چھن جانے پر تھے، اِس حویلی کی بیٹیوں کی قسمت پر بہائے جا رہے تھے۔

"کاش اے رب سائیں! کوئی معجزہ ہو جائے میری سدرہ، مریم کا کوئی جوڑ پیدا ہو جائے۔" زلیخا بی بی ہمیشہ کی طرح ناممکن اور ایک بے بس سی دُعا کر رہی تھیں۔

❖❖○❖❖

موسم بے حد حسین تھا بالکل اُسی طرح جس طرح اُس کے دل میں گھٹن تھی۔ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھتی اور پھر بے چینی سے ٹہلنے لگتی لیکن دل کی بے چینی میں فرق نہ پڑتا تھا۔ بہت سارے دِن اُس اجنبی کے انتظار میں اُس نے گزار دیے تھے، اُس کے دِل کو بہانہ مل گیا تھا کہ وہ صرف اِس تصور سے بہلتا رہے گا لیکن یہ سدرہ کی خام خیالی ثابت ہوئی تھی۔ ہر بڑھتے پَل اُس کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا تھا اُس کا دل تصور سے زیادہ مانگنے لگا تھا اور یہاں سے وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ جب بے چینی بڑھنے لگی تو وہ گھبرا کر باہر آ گئی۔

صغراں اتنی گرمی میں بیری کے درخت تلے بیٹھی چکی پر آٹا پیسنے بیٹھی ہوئی تھی۔ قریب ہی اُس کی بڑی بیٹی اپنے سانولے سانولے ہاتھوں سے سوکھی ہوئی سرخ مرچوں کی ڈنڈیاں اُتار رہی تھی۔ صغراں نے شاید آٹا پیسنے کے بعد مرچیں پیسنی تھیں۔ صغراں کی بیٹی گوگی جب جب ہاتھ جھٹک کر صاف مرچیں الگ کرتی تو اُس کی سانولی کلائیوں میں پڑی سُرخ اور سبز چوڑیاں چھنک اُٹھتیں۔ سدرہ کے دل پر ان چوڑیوں کی کھنک کاری ضرب کی طرح پڑ رہی تھی۔ گوگی کی کچھ عرصے پہلے شادی ہوئی تھی۔ اُس نے اِس قدر شدید گرمی میں بھی ریشمی قمیض شلوار پہن رکھی تھی پسینے سے نچڑتے کپڑوں میں بھی وہ نہایت سکون سے کام میں مصروف تھی۔ سدرہ کو اپنا آپ بالکل تہی دامن لگا کہ وہ اِس قدر مہنگے اور نرم لباس پہن کر بھی گوگی کے سکون کا ایک فیصد بھی نہ حاصل کر سکتی تھی۔

اُسے گوگی اپنے سے کہیں زیادہ خوش قسمت لگی، جو سستا سا لباس پہنتی تھی مگر پھر بھی کسی کی توصیف اس کے چہرے کی خوشی کا باعث بن جاتی تھی۔

گوگی نے چاندی کے جھمکے اور ناک میں لونگ بھی پہن رکھا تھا یہ واحد زیور اُس کے پاس تھا۔ تیل میں چپڑے بال اور ان بالوں سے بہتا تیل اُس کی سُرمہ بھری آنکھوں تک آ جانے سے اُس کا چہرہ عجیب مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ مٹی سے بھرے پاؤں اور اُس میں پڑی پازیب بہت بدنما لگ رہے تھے۔

"سلام بی بی جی!" گوگی کو وہ اتنے غور سے دیکھ رہی تھی۔ گوگی نے کام کرتے کرتے چونک کر اُس کی جانب دیکھا اور جھٹ اُسے سلام کر دیا۔

"سلام بی بی جی!" اب صغراں نے بھی اُسے چکی روک کر سلام کیا۔

"کیسی ہو ماسی؟" سدرہ نے سَر کے اشارے سے سلام کا جواب دے کر پوچھا۔

"سب آپ لوگوں کا کرم ہے۔ اللہ بڑی بی بی کو سلامت رکھے، ہم غریبوں کا بہت خیال کرتی ہیں۔"

"یہ گوگی ہے نا؟ اِس کی تو شادی ہو گئی تھی پھر یہ تمہارے ساتھ کیسے؟" سدرہ نے کھڑے کھڑے پوچھا۔

"ہاں جی یہ گوگی ہی ہے! خیر سے دُوسرے جی سے ہے میں اِسے کچھ دِنوں کے لیے اپنے ہاں لائی ہوں ورنہ اُس کا بندہ تو اِسے آنے ہی نہیں دیتا۔" ماسی صغراں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

’’کیوں کیا اِس کا شوہر اچھا آدمی نہیں ہے جو اِس پر پابندیاں لگاتا ہے؟‘‘

’’اونہیں بی بی جی! وہ تو اس کے پیچھے سودائی ہے سودائی! اُس کی خاطر اپنی بے بے سے طعنے سُن گارن مریدی کے، لیکن اِس کو میکے میں رات نہیں رہنے دیتا۔‘‘ ماسی صغراں نے ہنستے ہوئے کہا۔

سدرہ نے حیرانی سے گوگی کا سانولا چہرہ دیکھا، جو اَن دیکھے خوب صورت رنگوں سے ایک دم لم صورت ہوگیا تھا۔

’’کسی کی محبت کا اعجاز بدصورت چہروں کو خوب صورت کرسکتا ہے، سدرہ بی بی اپنی آنکھوں سے ا رہی تھی۔‘‘

’’کیا کرتا ہے تمہارا شوہر؟‘‘ سدرہ نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔

’’اپنا کام ہے جی اُس کا، ہماری طرح تیرے میرے گھروں میں مزدوری کی ضرورت نہیں ہے۔ مٹی کے برتن بناتا ہے۔‘‘ گوگی نے نہایت فخر سے کہا، جیسے اُس کا شوہر مٹی کے برتن نہ بناتا ہو کہیں ا بادشاہ ہو۔

گوگی کے باپ بھائی سارا خاندان جانے کتنی نسلوں سے حویلی کے خدمت گار تھے۔ ایسے میں ا کے شوہر کا اپنا نام کام ہونا واقعی اُن سب کے لیے بڑی خاص بات تھی۔

’’گوگی جیسے ماسی بتا رہی ہے کہ وہ تجھے رات تک رہنے مشکل سے دیتا ہے کیا واقعی وہ تجھ سے اتنا پا کرتا ہے؟ سدرہ کے لہجے میں بے حد حسرت تھی۔

’’ہاں جی!‘‘ گوگی نے شرما کر سَر جُھکالیا۔

’’اُف اللہ! اس قدر رنگ؟‘‘ سدرہ کو گوگی کے چہرے کے اتنے سارے خوب صورت رنگوں سے ایک دم حسد ہوا۔

’’کیوں! کیوں رب سائیں اتنی نا انصافی؟ کیا فائدہ اِس رنگ روپ کا جس کو کوئی دیکھنے والا نہ ہو، سراہنے والا۔‘‘ سدرہ کے دل میں ایک دم اِس قدر تپش بڑھی کہ بے اختیار اُس نے اپنے دِل کو مس ڈالا۔

’’بی بی جی آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ آپ گرمی میں کیوں باہر نکل آئیں؟ چل گوگی فٹافٹ بی جی کو پانی لاکر پلا۔‘‘ صغراں نے سدرہ کی اُڑی اُڑی رنگت دیکھ کر کہا۔

’’آپ اپنے کمرے میں چل کر بیٹھو اگر بڑی بی بی کو خبر ہوگئی تو وہ ہم سب سے ناراض ہوں گی. صغراں نے گھبرا کر سدرہ کو فوراً اندر جانے کا کہا۔ اتنے سخت موسم حویلی کی مالکنیں کیسے جھیل سکتی تھیں سدرہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب مُڑگئی۔ گوگی پانی لینے دوڑی تھی۔

’’بی بی جی پانی پی لو!‘‘ گوگی بڑے سے سلور کے گلاس میں شکر اور ستو گھول کر لائی تھی، سدرہ۔ بڑے سے آئینے میں اپنا عکس دیکھا، پھل پک کر تیار ہوچکا تھا۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا جو اِس پھل کی قد کرسکتا۔

’’ناگن کی طرح بل کھاتی لمبی موٹی چٹیا، دودھ کی طرح سفید رنگت، کالی بھنورسی بڑی بڑی آنکھیں اونچا لمبا قد! لیکن یہ سب بے کار تھا اُس سے اچھی تو گوگی تھی، جو کالے سانولے رنگ کے باوجود پیا

ں کی رانی تھی، جس کی کوکھ میں پلنے والا بچہ اُس کی تکمیل کرنے والا تھا۔ اُسے دنیا کا سب سے بڑا درجہ انے والا تھا۔ ماں کا درجہ!‘‘ گوگی کے مکمل وجود کے سامنے سدرہ کو اپنا وجود نہایت نامکمل لگا۔

’’تم ایک نامکمل عورت ہو اور رہوگی!‘‘ کوئی نہایت سفاکی سے اُس کے اندر سے ہنسا تھا۔

’’بی بی جی پانی پی لو!‘‘ گوگی، سدرہ کی گھورتی نظروں سے کچھ گھبرا کر بولی، سدرہ نے ایک دَم اُس ے ہاتھ سے گلاس پکڑ کر آئینے پر دے مارا۔ اُس آئینے میں اُس کا نامکمل وجود شیشے کی کرچیوں میں بھی ے جا رہا تھا۔ سدرہ پر ایک دم جنون سوار ہوگیا تھا۔

’’تم... تم میرا مذاق اُڑانے اِس کمرے میں چلی آئی ہو نا؟‘‘ سدرہ ایک دم گوگی پر جھپٹی اور نوچ کر اں کے جھمکے اُتار پھینکے، گوگی کی درد اور گھبراہٹ سے چیخیں نِکل گئیں۔ سدرہ پر جانے کیا جنون سوار ہوگیا تھا وہ گوگی پر پل پڑی۔

’’ہائے میں مرگئی!‘‘ ماسی صغراں نے روتے ہوئے گوگی کو سدرہ کے چُنگل سے چھڑایا۔

’’رحم بی بی جی! یہ نمانی دوسرے جی سے ہے بی بی جی معاف کردو۔‘‘ ماسی صغراں گوگی کی ڈھال بن گئی تھی۔

بی بی زلیخا اور ریحانہ بی بی دونوں ہی دوڑی آئیں۔ انہوں نے بہ مشکل سدرہ کو سنبھالا تھا۔

’’دیکھو! دیکھو اِس ماں کو، یہ اپنی اولاد کی خاطر ڈھال بن گئی ہے۔‘‘ سدرہ نے چیخ کر زلیخا بی بی سے کہا۔

’’تم کیسی ماں ہو؟‘‘ سدرہ کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل رہی تھیں۔

’’سدرہ پُتر!‘‘ زلیخا بی بی نے اُس کے ہاتھ چومتے ہوئے اُسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

’’تم ہی میری دُشمن ہو، تم نے مجھے ایک بیٹی کیوں پیدا کیا۔‘‘ سدرہ کو ہانپتے ہانپتے ایک دَم سے اپنے اعصاب جکڑے ہوئے محسوس ہوئے، ساتھ ہی اُس کے ہاتھ پاؤں مُڑ گئے، دانتوں کے بیچ میں زبان آگئی، سدرہ کو بہت بُرا دورہ پڑا تھا۔

’’ہائے میری بچی!‘‘ زلیخا بی بی اُسے سنبھالتے سنبھالتے بے سُدھ ہونے لگیں۔

کچھ دیر پہلے والی بنی ٹھنی زلیخا بی بی کے بال بکھر چکے تھے اور وہ پاگلوں کی طرح چیخ چیخ کر سدرہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کررہی تھیں۔ جب کہ ریحانہ بی بی کے لبوں پر نہایت استہزائیہ مسکراہٹ تھی اور چہرے پر بے انتہا سکون۔ اِس دُکھ بھرے منظر سے اُن کے دل کو بے حد خوشی مل رہی تھی۔

’’مریم، مریم!‘‘ زلیخا بی بی نے مریم کو پکارا، جو سکتے کی کیفیت میں بہن کی خراب حالت کو دیکھ رہی تھی۔

’’مریم جا، جا کر عبداللہ کو بُلا کر لا!‘‘ مریم میں جیسے دوبارہ سے جان پڑی تھی، وہ باہر مردانے کی طرف بھاگی۔ بشیراں اور جنتے نے بڑی مشکل سے سدرہ کے دانت کھول کر اُس کے منہ میں پانی ڈالا، جنتے نے پاس پڑی سدرہ کی جوتی اُس کی ناک کے پاس کی تو زلیخا بی بی نے تڑپ کر اُسے ڈانٹا۔

’’یہ کیا کررہی ہو؟‘‘

’’بی بی جی! وہ میں تو چھوٹی بی بی کو ہوش میں لانے کے لیے...‘‘ جنتے نے شرمندہ ہوکر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہٹاؤ اِسے!'' زلیخا بی بی نے جنتے کو درشت لہجے میں کہا۔

''میری پھولوں سے نازک گڑیا کبھی ننگے پاؤں نہیں چلی، کبھی جوتی کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور تم اُس کی ناک پر جوتی رکھ رہی ہو!''

''ابھی تو شروعات ہے! آگے دیکھنا کہ تمہیں کیسی سزا بھگتنی پڑے گی... آخر کو تم نے اِس حویلی کو اولاد جیسی نعمت دی تھی نا۔ اب اُسی اولاد کا بیڑا غرق ہوتے دیکھو گی۔'' ریحانہ بی بی نے دِل ہی دِل میں ہنستے ہوئے کہا۔

''امّاں جان! بھائی تو مردانے میں نہیں ہیں۔'' مریم گھبرائی گھبرائی واپس آئی۔

سدرہ بے ہوش تھی اُس کا جسم اپنی پہلی حالت میں واپس آ گیا تھا۔ زلیخا بی بی نے ایک سرد آہ بھری وہ دھیرے دھیرے سدرہ کا سر دبا رہی تھیں۔

''میری بچی کو جانے کِس کی نظر لگ گئی، اچھی بھلی تو تھی۔'' وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

''بی بی جی! ہماری بی بی ماشااللہ سے چاند کا ٹکڑا ہیں مجھے تو لگتا ہے کہ کوئی سایہ وغیرہ ہوگیا ہے۔'' جنتے نے اپنی رائے دی۔

''بی بی جی بُرا نہ مانو تو نہر پار جو درگاہ ہے وہاں سے بی بی کو دم کروا دیں یا پھر تعویذ لے آئیں۔'' بشیراں کا تو سارا اعتقاد درگاہ کے گرد گھوما کرتا تھا۔

''تم کتنے بھی تعویذ کرلو یا پھر دَم دُرود کرلو بچی پر اِن جھوٹی تسلیوں کا اثر نہ ہوگا۔ آخر آج ابتدا ہو گئی ہے جو اِس حویلی میں رہنے والی لڑکیوں کی قسمت میں ہوتی ہے۔''

''تمہیں یاد ہے ناں زلیخا بی بی! فاطمہ بھی شروع شروع میں یوں ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بے ہوش ہوجایا کرتی تھی۔'' ریحانہ بی بی نے نہایت سفاکی سے کہا۔

''لیکن میں اپنی سدرہ کو ایسا نہیں بننے دوں گی۔ میں اُس کی ماں ہوں میں اُس کی تنہائی بانٹوں گی میں اُسے اکیلا رہنے ہی نہیں دوں گی۔'' زلیخا بی بی نے سدرہ کے ماتھے پر بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

''کیا تم اُس کی گود ہری کرسکتی ہو، کیا تم اُسے ایک گھر، شوہر اور بچے لاکر دے سکتی ہو؟'' ریحانہ بی بی نے سفاکی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''کسی بھی لڑکی یا لڑکے کی بنیادی ضرورتوں سے ہم کیسے انکار کرسکتے ہیں۔ گھر بار، شوہر اور بچوں سے زندگی رواں دواں رہتی ہے یہ نہ ہوں تو زندگی کی موت ہوجاتی ہے! بیٹیوں کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے؟ تمہیں تو بس بیٹے کی شادی کا ارمان ہے۔'' ریحانہ بی بی ناخواندہ تھیں لیکن اِس وقت وہ کسی پڑھے لکھے انسان کی طرح بات کررہی تھیں۔ یہ اور بات تھی کہ اُن کی باتوں نے تسلی کے بجائے فکر کو مزید بڑھادیا تھا۔

زلیخا بی بی نے زندگی میں پہلی بار اپنے آپ کو بے حد بے بس محسوس کیا تھا، ریحانہ بی بی بے شک سوت تھیں لیکن آج اُن کی باتیں زلیخا بی بی کو حقیقت پر مبنی لگی تھیں۔

''مجھے عبداللہ اور سید نوازش علی سے اِس سلسلے میں بات کرنا ہوگی۔'' انہوں نے مصمم ارادہ کرتے ہوئے سوچا۔ اُن کا دل بے حد گھبرا رہا تھا کہ یہ ایسا مسئلہ تھا جس کے متعلق بنا کہے ہی فیصلہ سامنے تھا۔

''نہیں! میں ایک ماں ہوں اور ماں کمزور نہیں ہوتی!'' انہوں نے خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''کیا میں صغراں سے بھی گئی گزری ہوں، جو اپنی بچی کے لیے ڈھال بن گئی تھی۔ نہیں مجھے ہر صورت اِس بات کو کرنا ہوگا۔'' وہ اِس بات کی وجہ سے آنے والے طوفان کو ابھی سے دیکھ سکتی تھیں لیکن وہ صرف ایک بار اپنی سی کوشش کرنا چاہتی تھیں۔

❖❖○❖❖

''ہاں بھئی نوجوان! کِس لیے آئے ہو؟'' سید نوازش علی نے پاس کھڑے ملازم کے ہاتھوں میں تین کتوں کی زنجیریں تھمائیں۔

''بخشو! یہ اپنا شیرو کچھ سست ہے اِس کو شہر سے ڈاکٹر بلوا کر دکھاؤ۔''

''کتوں کو شیر کہنے والے کتنے عقل مند ہوسکتے ہیں؟ جانے بابا مجھے یہاں کیوں لے آئے۔'' فیصل نے بے زاری سے سوچا۔

''سائیں یہ میرا بیٹا ہے، ولایت سے پڑھ کر آیا ہے آپ کی مہربانی سے...'' فیصل کے باپ نے خوش آمد کرتے ہوئے کہا۔ فیصل کو اپنے باپ کا یہ لہجہ بالکل پسند نہ آیا تھا۔

''اوئے تجھے ہماری برابری کا شوق ہونے لگا ہے! تو اپنے پُتر کو شہر پڑھنے بھیج سکتا تھا، یہ ولایت کیوں بھیجا اور ہمیں کیوں نہ بتایا۔'' سید نوازش علی نے غصے سے چلاّتے ہوئے کہا۔

فیصل کا باپ تھر تھر کانپنے لگا۔ واقعی فیصل کی تعلیم اور ولایت روانگی اُس نے گزشتہ پانچ سال سے چھپا رکھی تھی۔ لیکن اب وہ کب تک چھپاتا؟ یہ بات زیادہ دِن تک چھپ نہ سکتی تھی گاؤں کا کوئی بھی حاسد شخص جاکر سید نوازش علی کو خبر دے سکتا تھا اور انجام کس قدر بُرا ہوسکتا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لیے آج وہ خود ہی اپنے بیٹے کو یہاں لے آیا تھا تاکہ کچھ معافی تلافی کرکے بات کو سنبھالا جائے۔

''قسم لے لو شاہ جی! میں ایسی گستاخی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ لڑکا شروع ہی سے پڑھنے کا شیدائی تھا کچھ سال پہلے یہ شہر پڑھنے گیا تو ہم سے رابطہ بالکل توڑ دیا ہم بہت تڑپے، بلکے لیکن اِس بختوں والے کا کہیں پتا نہ چلا۔ میری گھر والی تو اِس کی جدائی میں بستر سے لگ گئی تھی۔'' فیصل کا باپ ہاتھ جوڑے خوشامد کرتے ہوئے بول رہا تھا، فیصل کو اپنا آپ کسی کینچوے کی طرح لگا۔

''کوئی سال ڈیڑھ سال بعد اِس کا خط آیا۔ کہ یہ اپنے کسی امیر کبیر دوست کی مہربانی سے ولایت چلا گیا ہے۔ اب ہم غریب لوگ کیسے یقین کرلیتے کہ کوئی خوامخواہ اتنا مہربان ہو کہ اتنا پیسا کسی اجنبی پر خرچ کر ڈالے، ہم ہمیشہ یہ ہی سوچتے رہے کہ یہ کہیں شہر کی رونقوں میں گم ہوگیا ہے اور ہم سے جھوٹ بول رہا ہے۔ بس شاہ جی یہ ہی غلطی ہم سے ہوئی کہ ہم نے آکر آپ کو اصل بات نہ بتائی، بیٹے کی جدائی ہم غریبوں کا دُکھ تھا آپ کو میں اپنے مسئلے سُنا کر پریشان نہ کرنا چاہتا تھا۔'' فیصل کے باپ نے اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگی تو فیصل کو اپنا آپ اور اپنا باپ دونوں کسی کیڑے مکوڑے کی طرح لگے جن کا اپنا کوئی وجود نہ تھا، جن کو زندہ رہنے کی اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی۔

اگر ماں نے گھر میں قسم دے کر نہ بھیجا ہوتا تو وہ کب کا یہاں سے نکل چکا ہوتا۔

''آپ تو ہمارے سرکار ہو آپ ہماری یہ غلطی معاف کردو، ہماری کہاں جرأت کہ ہم آپ کی برابری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرسکیں۔" فیصل کا باپ ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

سیدنوازش علی نے بہ غور دونوں کا جائزہ لیا۔

سیدوں کے بیٹوں سے زیادہ تعلیم حاصل کرنے کا جرم بے شک اُس لڑکے نے کیا تھا۔ لیکن اُس کے باپ کے رویے سے لگ رہا تھا کہ وہ اُن سے کبھی بغاوت نہ کرے گا۔ یہ سیدنوازش علی کو بالکل منظور نہیں تھا کہ گاؤں کے لوگ، جنہیں وہ اپنی رعایا سمجھتے تھے۔ وہ کبھی بھی ترقی کرسکیں۔

تعلیم جو شعور دیتی ہے وہ شعور حاصل کر کے برابری کرسکیں۔

"کیوں کیا پڑھ کر آئے ہو؟" سیدنوازش علی نے فیصل سے سوال کیا۔

"السلام علیکم بابا سائیں!" اُسی پل سید عبداللہ وہاں چلے آئے۔

"وعلیکم السلام پتر! کدھر تھے پرسوں سے نظر ہی نہیں آئے۔" سیدنوازش علی کی آنکھوں کی روشنی سید عبداللہ کو دیکھ کر بڑھ گئی تھی۔

"بس بابا سائیں شہر گیا ہوا تھا، کچھ شاپنگ وغیرہ کی ہے۔" سید عبداللہ نے کہا۔

"میرے پتر کے شوق بھی نرالے ہیں، بجائے کوئی گھوڑا یا اعلیٰ نسل کا کتا وغیرہ خریدنے کے رنگ خریدنے شہر گیا تھا۔" سیدنوازش علی کو سید عبداللہ کا Painting کرنے کا شوق کوئی خاص پسند نہ تھا لیکن اُن کے ہاں بیٹوں کو کبھی کسی بات سے روکنے ٹوکنے کا رواج نہ تھا۔

"لڑکے تو باپ کی شان ہوتے ہیں اور انہیں ہر کام کرنے کی اجازت تھی۔"

"بابا سائیں آپ واقعی بے حد اچھے ہیں اپنی ناپسندیدگی کے باوجود آپ نے میرے شوق پر بھی پابندی نہیں لگائی۔" سید عبداللہ نے نہایت نرم لہجے میں جواب دیا۔

سیدنوازش علی نے اسے شفقت پدری سے دیکھتے ہوئے اپنے ساتھ لگالیا۔

"تم تو میری آنکھوں کی روشنی ہو، تمہیں بھلا میں کیسے ناراض کرسکتا ہوں۔" اُن کا کھلم کھلا اظہار اُن کی سید عبداللہ کے ساتھ بے حد محبت کو واضح کررہا تھا۔

"ہاں بھئی لڑکے بتایا نہیں کیا پڑھ کر آئے ہو؟" سیدنوازش علی کا غصہ سید عبداللہ کی وجہ سے جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔

"ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے آیا ہے!" فیصل کے باپ نے سر جھکا کر اپنے جرم کا اقرار کیا۔

"کیا؟" سیدنوازش علی نے ایک دم بھڑک کر کہا، شدید غصّے سے وہ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا اَب وہ نفرت سے کانپ رہا تھا۔

❀

ہدالولی دو راتیں مسلسل کالج کے اسٹوڈیو میں کام کرنے کے بعد بے حد تھکا ہوا گھر واپس آرہا تھا، ں کی چار سال کی محنت تھی، وہ جس طرح شان دار کامیابیوں کے ساتھ پہلے امتحان پاس کرتا آیا تھا ار بھی اپنا رکارڈ قائم رکھنا چاہتا تھا اِس کے ساتھ وہ بے حد یونیک کام کر کے سب کو چونکانا بھی چاہتا ہں وہ اپنے کام کے لیے نہ دن دیکھ رہا تھا اور نہ ہی رات! مسلسل دو دِن کام کرنے سے وہ بے حد گیا تھا پھر نگینہ اور امّاں جان کے مسلسل فون اور اصرار نے اُسے مجبور کیا کہ وہ گھر کا چکر لگائے ہرا ہو موسم کا اتنی شدید سردی میں اچانک بارش پر وہ خود بھی بوکھلا گیا تھا اُس نے گاڑی کا ہیٹر آن ا ایک دم سکون رگوں میں اُتر آیا، عبدالولی کے دل میں شدت سے خواہش اُبھری کہ وہ گرما گرم پیئے، عبدالولی نے گاڑی فوراً "زینوا" کی جانب موڑی۔ وہاں کی کافی اُسے بے حد پسند تھی۔ ں سے تیزی سے بھاگتے ہوئے عبدالولی دروازے تک گیا۔ دربان نے فوراً بڑھ کر دروازہ کھول اندر کا ماحول بے حد گرم اور پُرسکون تھا۔ دھیمی دھیمی موسیقی اور ییلو لائٹ نے مل کر عجب پُرفسوں ں بنا رکھا تھا۔

ہدالولی نے سارے ہال میں نگاہ دوڑائی، ہال میں موجود تقریباً ساری ٹیبلز مصروف تھیں، عبدالولی ں کو رگڑتے ہوئے اپنی مخصوص ٹیبل کی جانب بڑھا۔

ارے آپ؟" عبدالولی، جو وہاں کسی کو بیٹھے دیکھ کر دُوسری میز کی جانب مُڑ رہا تھا اسے پیچھے سے شناسا آواز سنائی دی۔ عبدالولی نے مُڑ کر دیکھا، وہ ترنم تھی۔

حیرت ہے جب یہ لڑکی میرے ذہن سے نکلنے لگتی ہے تو پھر اس کا سامنا ہو جاتا ہے!" عبدالولی کے نے خود کلامی کی۔

پہچانا آپ نے؟" ترنم نے اُسے یک ٹک دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جی میں نے پہچان لیا ہے! میری یادداشت خاصی اچھی ہے لیکن آپ کہاں تھیں؟ آپ کے ساتھ جب ملاقات ہوتی ہے آپ اچانک سامنے آتی ہیں اور بنا بتائے غائب ہو جاتی ہیں۔ اَب اِس کے تعلق کو کیا نام دیا جائے۔" عبدالولی نے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں ڈالتے ہوئے کہا، وہ اِس طرح تھا جیسے ابھی مُڑ جائے گا۔ ترنم نے عبدالولی کا بے حد عجلت بھرا انداز دیکھا تو جلدی ڑی ہوگئی اُس کے دل میں عبدالولی کو دیکھنے اور سُننے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔

کاش یہ پل یہیں رُک جائیں!"

"سب سوالوں کے جواب کھڑے کھڑے ہی مانگیں گے، پلیز بیٹھیے نا۔" ترنم نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

عبدالولی جو آگے بڑھ رہا تھا جانے کیا سوچ کر رُک گیا، بند راز کی طرح تجسس سے بھری یہ لڑکی اُس کے لیے ہمیشہ توجہ کا باعث بن جاتی تھی، وہ خلافِ عادت اُس کی جانب متوجہ ہو جاتا تھا۔

"اگر آپ کو بُرا نہ لگے تو پلیز بیٹھیے۔" ترنم نے نہایت آس بھرے لہجے میں کہا۔

"پلیز۔!" عبدالولی نے اُسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"چائے یا کافی؟" ترنم نے آدابِ میزبانی نبھاتے ہوئے پوچھا۔

"صرف کافی! اور پلیز آرڈر میں کروں گا، مجھے پرسنلی خواتین کا میزبان بننا پسند نہیں ہے۔" عبدالولی نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"لڑکیاں بغیر مجبوری کے ڈرائیونگ کریں یا پھر بل بھریں مجھے کبھی اچھا نہیں لگا۔" عبدالولی نے خود ہی وضاحت کردی۔

"میرا دل یوں ہی تمہاری طرف نہیں کھنچا، تم خالص مرد ہو! خود داری اور انا لیے، غیرت مند اور بے حد مضبوط کردار کے مالک! عبدالولی تم واقعی چاہے جانے کے قابل ہو!" ترنم نے دل ہی دل میں سوچا۔

"زہے نصیب!" ترنم نے دھیمی سی مسکان کے ساتھ کہا۔

"ویسے تو میں ہر بار زبردستی کی ذمّے داری اور مہمان بنی ہوں آپ کی۔" ترنم نے پچھلی ملاقاتوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرا سوال اب بھی موجود ہے کہ آپ اتنا عرصے کہاں رہیں اور پچھلی بار بھی بنا بتائے گئیں۔" عبدالولی نے ویٹر کو کافی اور کچھ اسنیکس کا آرڈر دیتے ہوئے ترنم سے پوچھا۔

ترنم کو بے اختیار وہ بون فائر والی رات یاد آ گئی اور اُس رات کا وہ پہر بھی، جب وہ اپنے آپ میں تھی اور ولی کے سامنے کھلتی چلی گئی تھی۔ ولی کی اوڑھائی ہوئی شال آج بھی کسی قیمتی سرمائے کی طرح اُس کے پاس تھی۔

"بے جڑ کے پودے کو کہیں بھی رکھ دیں، وہ کہاں اپنا کوئی ٹھکانا بنا پایا ہے ولی صاحب!" ترنم نے طویل گہرا سانس لیتے ہوئے رُک کر اُسے دیکھا۔

"عبدالولی صاحب! ہم بھی بے جڑ پودے ہیں، جہاں حالات جاتے ہیں وہیں رہ جاتے ہیں۔ آپ کو بنا بتائے جانا بھی ان ہی حالات کی وجہ سے تھا۔ جو لوگ اپنا قصور مانتے ہوں انہیں معافی دے دینی چاہیے، ہمارے لیے بھی خاص معافی کی گنجائش دل میں رکھ لیں۔" ترنم نے بے حد اُداسی سے کہا۔

عبدالولی نے اُس کی آنکھوں میں تیرتی اُداسی دیکھ کر بے حد بے چینی محسوس کی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو مجھے اپنے متعلق کچھ بتائیں! ہم جب بھی ملے ہیں ہمیشہ ہماری ملاقات کا اختتام اجنبیوں کی طرح ہی ہوا۔" عبدالولی آج جانے کس موڈ میں تھا، جو بے حد نرم لہجے میں بات کر رہا تھا اُس کی شخصیت کا سخت خول اِس لیے بھی کچھ نرم پڑ گیا تھا کہ اب اُسے اپنا دل سنبھال سنبھال کر رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ علیزے کے لیے خاص طرح کی فیلنگس کو وہ نام دے چکا تھا، وہ اور اُس کا دل دونوں

بے حد مطمئن رہنے لگے تھے۔

"عبدالولی صاحب! پلیز بھرم رہنے دیں!" ترنم نے بے حد منت بھرے لہجے میں کہا۔

"بعض لوگوں کے سامنے ہمیشہ دل چاہتا ہے کہ بھرم رہ جائے، چاہے جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔" ترنم نے بے حد اُداسی سے کہا۔ ولی کچھ کہتا کہتا چپ ہو گیا۔

"آئینہ دیکھنا اتنا آسان نہیں ہوتا، خاص طور سے بدصورت لوگوں کے لیے خود کو آئینے میں دیکھنا بے حد مشکل ہوتا ہے!" ترنم نے سامنے رکھا پانی کا گلاس لبوں سے لگالیا اور گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگی جیسے وہ اپنے اندر کے لاوے کو اندر ہی اندر پی رہی ہو۔

"ہم اگر شناسا سے اجنبی رہیں تو بھی میرے لیے بہت کافی ہے!" ترنم بات کرتے کرتے رُکی۔

"شناسا سے اجنبی!" عبدالولی نے زیرِ لب دُہرایا۔

"جی ہاں! اس پہچان میں رشتہ نہیں ہوتا نہ نفرت کا اور نہ محبت کا، لیکن انسان دوستی ضرور ہوتی ہے!" ترنم نے گرم اسکارف سر پر لپیٹتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم اگر میرا تعارف اِس قدر شرم ناک نہ ہوتا تو میں آپ جیسے اچھے انسان کے لیے سوال کا باعث کبھی نہ بنتی۔" وہ مزید گویا ہوئی۔

"آپ کے تعارف میں ایسی کون سی شرم ناک بات ہے، جو آپ مجھے نہیں بتا سکتیں؟"

"عبدالولی صاحب! جن انسانوں کے ساتھ محترم رشتے نہ ہوں اور کوئی شخص محترم رشتہ اُس سے بنانا چاہے، میں بھی اُسی قبیل سے تعلق رکھتی ہوں۔" وہ اپنے آپ میں نہ تھی۔

"میں... میں ایک بُری لڑکی ہوں!" اتنا کہنے میں ہی ترنم کا سانس مزید پھولنے لگا، وہ ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نے آپ سے درخواست کی تھی ناں! کہ میرے اِس جھوٹے بھرم کو رہنے دیتے!" وہ چیخ پڑی۔ ترنم کا تنفس بے حد بے ترتیب ہو رہا تھا آنسوؤں کی لڑی چہرے کو بھگوتے گردن سے اسکارف میں جذب ہو رہی تھی۔

ولی کے تو ایک دم چودہ طبق روشن ہو گئے اُس کے لیے ترنم کا یہ ردِعمل نہایت غیر متوقع تھا۔ اُس نے اردگرد نظر دوڑائی کسی پل اچھا خاصا ڈراما بن سکتا تھا۔ اُس کے تو خواب خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ چھوٹی سی ملاقات باقاعدہ سین کری ایٹ کر دے گی۔

"آپ... آپ پلیز بیٹھ جائیے، لوگ ہماری جانب متوجہ ہو رہے ہیں۔" عبدالولی نے دبی دبی آواز میں کہا۔

اُس جیسا مضبوط اعصاب کا مالک انسان بھی اِس وقت بوکھلا گیا تھا۔ ترنم نے نہایت زخمی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"ٹوٹے ہوئے شیشے کو کوئی اور کتنا توڑ سکتا ہے! لیکن پھر بھی جانے کیوں بعض لوگوں کے سامنے ٹوٹنا اچھا نہیں لگتا! کاش... کاش آپ سمجھ سکتے! آپ میرے لیے کیا ہیں۔" وہ کہہ کر تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنے آپ میں نہ تھی، اِسی لیے اپنا پرس بھی ٹیبل پر چھوڑ گئی، عبدالولی کے تو باقاعدہ پسینے چھوٹ گئے تھے۔ ایک گہری سانس لے کر اُس نے اپنے اعصاب کنٹرول کرنے کی کوشش کی، اچانک اُس کی نگاہ سامنے پڑے ترنم کے ہینڈ بیگ اور موبائل پر پڑی۔

''اوہ مائی گاڈ! وہ احمق لڑکی گھر کیسے جائے گی۔'' ولی نے جلدی جلدی والٹ سے پیسے نکال کر ٹیبل پر رکھے اور ترنم کا بیگ اور موبائل لے کر اُس کے پیچھے بھاگا۔ اِس اچانک ملاقات اور اُس کے انجام پر وہ خاصا بوکھلا گیا تھا، اس سے پہلے کبھی ایسی پہیلی نما لڑکی سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

''یار عبدالولی! تیرا ساری زندگی کا وہ ہی اُصول اچھا تھا کہ اِس ''لڑکی مخلوق'' سے ہمیشہ بچ کر نکل جاؤ، یہ تو واقعی نہ سمجھ میں آنے والی مخلوق ہے۔ اَب میں نے کون سا پہاڑ توڑ دیا تھا، جو وہ یوں روتے ہوئے اِس سردی کی بارش میں نکل گئی۔'' عبدالولی بڑبڑاتا ہوا باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سامنے سڑک پر وہ احمق ڈولتے قدموں کے ساتھ جارہی تھی۔

''یار یہ کیا چیز ہے؟'' ولی نے ماتھا مسلا۔ اُس کی آنکھوں میں اُلجھن تھی۔

عبدالولی نے جھنجلا کر اُس کے اور اپنے فاصلے کو دیکھا اور فوراً گاڑی میں آ بیٹھا۔ اُس لڑکی کا تو دماغ خراب تھا، جو اِس قدر تیز بارش میں بھیگتے ہوئے واک کرنے کا پروگرام بنائے بیٹھی تھی لیکن خود اُس کا اپنے ایگزام کے قریب ہونے کی وجہ سے بیمار ہونے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ عبدالولی نے گاڑی عین ترنم کے پاس جا کر روکی۔

''محترمہ اندر آکر بیٹھیں ورنہ اِس سردی میں بے موت ماری جائیں گی۔'' عبدالولی نے خاصی کوشش سے اپنے لہجے کو سخت ہونے سے روکا۔ ترنم کچھ پل اُسے غائب الدماغی سے یوں دیکھتی رہی، جیسے اُسے پہچاننے میں دقت ہورہی ہو، بارش کا پانی آنسوؤں میں مل رہا تھا۔ اُس سے پوری طرح آنکھیں بھی نہ کھولی جارہی تھیں۔

''ایسے خوش قسمت نہیں ہیں ہم کہ ہمیں موت جیسی مہربان آغوش پناہ دے، اِس لیے آپ بے فکر ہوکر جائیے۔'' ترنم نے خاصی بے اعتنائی سے کہا۔

سردی کی شدت سے ترنم کے ہونٹ اور ناک نیلے پڑتے جارہے تھے، عبدالولی کو لگا کہ یہ لڑکی بس کچھ پل میں مرجائے گی، اُس کا سارا لباس بھیگ چکا تھا۔

ولی نے نہایت غصّے سے اُسے دیکھا اور تیزی سے باہر نکل کر اُسے تقریباً دھکا دے کر گاڑی میں بٹھایا اور خود دوسری جانب آکر بیٹھ گیا لیکن اِس ساری کارروائی کے دوران وہ خود بھی بُری طرح بھیگ گیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اُسے سردی کی شدّت کا احساس ہوا اور ساتھ ہی اُس کا موڈ بھی بے حد آف ہوگیا۔

''ضد کرتی لڑکیاں مجھے زہر لگتی ہیں! میں نے ساری عمر اپنی ماں اور بہن کو بے حد نرم مزاج دیکھا ہے، کبھی کسی بات پر ضد اور بحث نہیں کی لیکن جانے آپ کیسی لڑکی ہیں، ہر بات پر کوئی نہ کوئی جملہ حاضر ہوتا ہے۔ اَب انسان کتنی دور تک اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے، ہر ہر بات اور جملے کا سِرا پکڑنے کے لیے؟'' عبدالولی بنا اُسے دیکھے غصّے سے نان اسٹاپ بول رہا تھا۔

''لڑکیوں کو بس سیدھا سادہ ہونا چاہیے اور سیدھی سادی باتیں کرنی چاہئیں۔ خُدا کی قسم آپ کی اُلجھی

باتوں سُن کر ہمت جواب دینے لگتی ہے کہ...'' ولی نے گاڑی ڈرائیو کرتے کرتے منہ موڑ کر دیکھا اور اچانک زبان اور گاڑی دونوں کو بریک لگانی پڑی۔

ترنم ہوش وحواس سے بیگانہ بے سُدھ پڑی تھی۔

''اوہ نو! یا میرے اللہ کہاں پھنس گیا ہوں۔''

عبدالولی کو آج کی رات برباد ہوتی نظر آرہی تھی، وہ بے حد تھکا ہوا تھا اُس پر اِس اجنبی لڑکی کو ہمیشہ ہی کیوں ملتا تھا ہر بار وہ اُسے بکھرے وجود کے ساتھ ملتی تھی اور اُسے نہ چاہتے ہوئے بھی اِس لڑکی کو سنبھالنا پڑ جاتا تھا۔

''اَب اِسے کہاں لے جاؤں؟'' ولی نے اُس کے نیلے پڑتے چہرے کو دیکھ کر پریشانی سے سوچا۔

ماتھے پر گہری سوچیں لیے وہ خاصی تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے اُس نے گہری سانس لی۔ بہر حال اُسے اَب ہر بات کا جواب دینا ہی تھا۔ چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ ولی تیز رفتاری سے گاڑی اندر گیراج میں لے گیا۔

''یا اللہ مدد!'' اُس نے بے اختیار دُعا کی۔

''آئندہ سے اپنے اُصول نہیں توڑوں گا نہ میں اِس سے بات کرتا، نہ یہ مشکل گلے پڑتی۔'' عبدالولی نے پچھلی سیٹ پر بے سُدھ وجود کو دیکھتے ہوئے دِل ہی دل میں کہا۔

''اماں جان اور نگینہ کہاں ہیں؟'' ولی نے ملازم سے پوچھا۔ وہ اپنے اندر شدید بے چینی محسوس کررہا تھا۔

''بڑی بی بی تو بڑے صاحب کے ساتھ اپنی بہن کی طرف گئی ہیں اُن کی طبیعت خراب تھی اور وہ ہسپتال میں ہیں اور چھوٹی بی بی آپ کا انتظار کررہی تھیں شاید اُوپر کمرے میں چلی گئی ہوں۔'' بوڑھے ملازم نے کہا، وہ منتظر کھڑا تھا کہ اُسے اگلا حکم سنایا جائے تاکہ وہ اپنا کام مکمل کرکے سونے کے لیے جائے۔

''بابا آپ سونے کے لیے جائیں، میں نگی سے مل کر آتا ہوں۔'' ولی نے رِسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا گھڑی رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔

''صاحب کھانا؟'' ملازم اپنی ڈیوٹی ادا کرنا چاہتا تھا۔

''نہیں بابا! آپ جا کر آرام کریں۔'' ولی نے تیزی سے موبائل پر نمبر ملاتے ہوئے کہا۔

''جی بابا سائیں میں گھر آ گیا ہوں!'' ولی نے سلام کرنے کے بعد احمد شاہ کو اطلاع دی۔

''کتنی دیر مزید لگے گی؟'' عبدالولی نے فکرمندی سے پوچھا، حسن خالہ کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ وہ ہسپتال میں ایڈمٹ تھیں۔

''چلیں ٹھیک ہے!''

''اوکے! جی میرا کل واپس جانے کا پروگرام ہے آپ فکر نہ کریں، بس آپ اپنا خیال رکھیے گا!'' ولی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بول رہا تھا اُس کے ایک ایک عضو سے بے چینی ٹپک رہی تھی۔

''بھائی کہاں رہ گئے تھے؟'' نگی شال اوڑھے فر والے سلیپر پہنے سامنے کھڑی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"رہ نہیں گیا تھا یار! پھنس گیا تھا بلکہ ابھی تک پھنسا ہوا ہوں۔" عبدالولی اُس کا ہاتھ پکڑے گا سے باہر نکل آیا۔

"کہاں لے کر جا رہے ہو بھائی؟ باہر اتنی زیادہ سردی ہے۔" نگی نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

"بھائی یہ؟ یہ..." نگی نے گاڑی کے اندر بے سُدھ وجود کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم اِسے جانتی ہو، تم نے ہی تو بتایا تھا کہ یہ تمہاری کلاس فیلو تھی۔" عبدالولی نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"لیکن یہ آپ کو کہاں سے ملی؟ اور... اور اسے ہوا کیا ہے؟" نگی نے گاڑی کے اندر ایک بار جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے اس کو باہر نکالو، کہیں سردی سے مر ہی نہ جائے پھر تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں کہ محترمہ کیسے خوامخواہ ہر بار ٹکرا جاتی ہیں۔" ولی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"بھائی! میرے اکیلے کی بس کی بات نہیں ہے!" نگی نے ترنم کو باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم ہٹو میں دیکھتا ہوں۔" ولی نے آگے بڑھ کر ترنم کو بازوؤں میں اُٹھالیا۔

"میں اپنا کمرا کھول دیتی ہوں۔" نگی یہ کہہ کر اندر بھاگی، عبدالولی ترنم کے پھولوں جیسے وجود کو اندر آ گیا۔ تیز روشنی میں ایک دم اُس کی نگاہ ترنم کے چہرے پر پڑی، ولی جیسا مضبوط انسان بھی کچھ کو ڈگمگایا تھا۔

بے حد معصوم چہرہ جو جانے اپنے اندر کس داستان کا دُکھ لیے خاموش تھا۔ بدن سے چپکا لباس، اسکارف سے بے نیاز لمبے بال اور بند آنکھیں۔

ولی نے فوراً نگاہ اُس پر سے ہٹالی، ہر نظر قیمتی ہوتی ہے، جذبوں کے اظہار کے لیے امانت ہوتی ہے۔ ہر نگاہ ہر کسی کے لیے نہیں ہوتی ہے۔

"بھائی اِدھر لٹا دیں۔" نگی وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے مصروف انداز میں بولی۔

عبدالولی نے جھک کر اُسے بیڈ پر لٹایا اور جب پلٹ کر کھڑا ہونے لگا تو ترنم کا ہاتھ مضبوطی سے اُس کی کلائی پکڑے ہوئے تھا۔ ولی نے مُڑ کر اُسے دیکھا، وہ بے ہوشی میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ اس نے غور سے اُسے سُننے کی کوشش کی، جانے وہ کیا کہنے جا رہی تھی۔ لیکن اُس کی گفتگو میں مسلسل ولی کا نام آ رہا تھا۔ عبدالولی کو اُس کا لمس کچھ عجیب سی بے چینی دے رہا تھا عبدالولی نے نرمی سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ سے چھڑایا۔

"نگی تم اس کا لباس بدل دو اور ہیٹر چلا کر کمرا گرم کر دو۔" عبدالولی اپنے اندر کے احساسات دباتے ہوئے باہر نکل آیا۔ اُس کے اپنے گیلے کپڑے بھی اُسے پریشان کر رہے تھے وہ فوراً اپنا لباس تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ کپڑے بدلنے کے بعد اُسے کافی کی شدید طلب ہوئی۔

کچن میں کھڑے کافی بناتے ہوئے اُس کا دماغ ایک بار پھر ترنم کی جانب بھٹکا۔

"میں ایک بُری لڑکی ہوں!" ترنم کا جملہ اُس کے دماغ میں گونجا۔

"وہ ایک بُری لڑکی ہے! لیکن کس قسم کی بُری لڑکی! بہ ظاہر تو وہ معصوم چہرہ ایک اچھی لڑکی نظر آتی ہے۔" عبدالولی نے گرم گرم کافی کا سِپ لیتے ہوئے سوچا۔

"لیکن ایک بُری لڑکی تمہارے گھر کیا کر رہی ہے؟" عبدالولی کا دِل کافی سے ایک دم اُچاٹ ہو گیا۔ اُس نے مگ سامنے شیلف پر رکھ دیا۔

"آپ نہیں جانتے آپ میرے لیے کیا ہیں!" ترنم کا جملہ اُس کے گرد گونجا۔

"عبدالولی! اَب اِس لڑکی کے متعلق جاننا ضروری ہو گیا ہے، بابا سائیں اور اماں جان اگر کچھ پوچھیں گے تو کیا بتاؤ گے؟"

"یہ کیا معما ہے، آخر کون ہے یہ لڑکی؟" عبدالولی نے اوپر نگی کے کمرے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سوچا وہ آج اُس کے متعلق ہر بات جان لینا چاہتا تھا لیکن اِس کے لیے اُس کے ہوش میں آنے کا انتظار بے حد ضروری تھا۔

❖❖○❖❖

زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی مری جان تجھے چاہوں گا
تو ملا ہے تو یہ احساس ہوا ہے مجھ کو
یہ مری عمر محبت کے لیے تھوڑی ہے
اِک ذرا سا غمِ دوراں کا بھی حق ہے جس پر
میں نے وہ سانس بھی تیرے لیے رکھ چھوڑی ہے
تجھ پہ ہوجاؤں گا قربان تجھے چاہوں گا
میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا

طارق راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے گیت میں گم تھا۔

"طارق کیا بات ہے آج میرا بیٹا کچھ خاموش خاموش سا ہے!" آنی نے اندر داخل ہو کے اسے بہ غور دیکھتے ہوئے کہا، طارق نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور ریموٹ کنٹرول سے سی ڈی بند کر دی۔

"آئیے آنی! آج تو آپ وقت سے پہلے گھر آ گئیں خیریت تھی؟" طارق نیلوفر کی باقاعدگی کو سالوں سے دیکھتا آ رہا تھا آج خلاف توقع اُسے گھر دیکھ کر اُس کا سوال کرنا عجب نہ تھا۔

"تم سے ملنے کے لیے میری جان! صرف تم سے ملنے کے لیے آج میں گھر رُکی ہوں۔" نیلوفر نے اوڑھنی کا آنچل سنبھال کر سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جب تم رات میں آتے ہو تو میں سو رہی ہوتی ہوں اور صبح میں تم سو رہے ہوتے ہو یا پھر گھر ہی نہیں ہوتے، تم سے تو ملاقات کے لیے ٹائم کو باقاعدہ پلان کرنا پڑتا ہے۔" آنی کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"سوری آنی! آج کل میں کچھ زیادہ مصروف تھا۔" طارق نے نگاہ چُراتے ہوئے کہا۔ سحرش کی ذمے داریوں میں وہ بے حد گم تھا، جس کی وجہ سے گھر پر پوری طرح سے وقت نہیں دے پا رہا تھا۔

"اٹس او کے میری جان! مجھے تم پر پورا ٹرسٹ ہے آخر کو تم میری تربیت ہو!" نیلوفر نے فخر سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ الگ بات تھی کہ طارق اور سائرہ کی تربیت میں زیادہ تر عمل دخل اُن کے مرحوم نانا کا تھا لیکن نیلوفر نے اُن دونوں بچوں پر ہمیشہ اپنا حق جتایا تھا۔

''اچھا طارق جان! میں تم سے جو خاص بات کرنے آئی تھی کہیں وہ بھول نہ جاؤں۔'' نیلوفر نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی، وہ اپنا پَل پَل بے حد حساب کتاب سے گزارتی تھیں۔

''جی حکم کریں آنی۔'' طارق نے تابع داری سے کہا۔

''طارق! تم مسز ہمدانی اور اُن کی فیملی کو تو جانتے ہو گے لاسٹ ٹائم میں نے افطار پارٹی میں اُن سے اور اُن کی دونوں بیٹیوں، لائبہ اور تمنا سے ملوایا تھا۔ مجھے تو دونوں لڑکیاں بے حد پسند ہیں میرا اُن کے لیے تمہارا خیال ہے اگر تم گرین سگنل دو تو میں بھی بات آگے بڑھاؤں، مسز ہمدانی خود بھی باتوں باتوں میں تمہارے لیے مجھ سے بات کر چکی ہیں۔'' آنی نے طارق کا چہرہ ٹٹولتے ہوئے کہا اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''آنی! آر یو سیریس؟'' طارق نے پوچھا۔

''یس آئی ایم سیریس!'' آنی نے سنجیدگی سے کہا۔

''یعنی میری آنی میرے لیے اکٹھی دو، دو لڑکیوں کو فائنل کر رہی ہیں، میرے اندر آپ کو آخر کیا نظر آیا کہ دو، دو لڑکیاں اکٹھی۔'' طارق کا چہرہ سنجیدہ تھا لیکن لہجہ بے حد شرارتی تھا۔

''طارق! میں اُن میں سے کوئی ایک لڑکی منتخب کرنے کو کہہ رہی ہوں۔'' آنی نے مصنوعی خفگی سے اُسے گھورا۔

''آنی! آپ اتنی دُور دُور کیوں لڑکیاں تلاش کر رہی ہیں؟ آپ کی تو ماشاءاللہ قریب کی نظر بہت اچھی ہے۔'' طارق نے ہنسی ہنسی میں دل کی بات کہنے کی کوشش کی۔

''مجھے باتوں میں نہ اُلجھاؤ، مسز ہمدانی کی فیملی شہر کی بارسوخ اور امیر ترین فیملی ہے اگر کوئی اور ہم پلّہ لوگ ہیں تو کھل کر بتاؤ۔'' آنی نے کچھ بے چینی سے پہلو بدلا، آج تک طارق نے اُن کی کہی کسی بات سے انکار نہ کیا تھا مگر آج اُس کی باتوں میں اُس کی اپنی مرضی کی خواہش جھلک رہی تھی۔

''آنی! کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟'' سائرہ جو نہ جانے کب وہاں آ کھڑی ہوئی تھی درمیان میں بولی۔ طارق واقعی گڑبڑا گیا۔ سائرہ بہت پہلے اُس کے دل کی بات جان گئی تھی۔

''تم دونوں مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟'' آنی نے کچھ ناراض ہوتے ہوئے شکوہ کیا۔

''نہیں آنی! ہماری جرأت ہے کہ اپنی عزیز از جان آنی سے کچھ چھپائیں۔'' سائرہ نے اُن کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''پھر مجھے کھل کر بتاؤ اُس لڑکی کا نام!'' آنی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ویسے تو لالہ نے آج تک میرے سامنے بھی اپنی پسندیدگی کا اقرار نہیں کیا، لیکن کیا کروں میں اُن کی بہن ہوں اور بھائی کو اِس مشکل دوراہے سے نکلنے میں مدد دینا میری مجبوری ہے۔'' سائرہ بات تو کر رہی تھی آنی سے لیکن نظریں طارق کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

''لالہ میں آنی کو بتا دوں، اجازت ہے؟'' سائرہ نے شرارت سے کہا۔

''یار طارق! اگر تمہاری مشکل اتنی آسانی سے حل ہو رہی ہے تو اَب بات کھلنے دو۔'' طارق نے دل ہی دل میں کہا۔ نگی سے برسوں کی محبت چھوٹے سے پودے سے تناور درخت میں تبدیل ہو گئی تھی اور اب یہ درخت اظہار مانگتا تھا۔

''آنی اُس کا نام نگینہ ہے!'' آخر سائرہ نے وہ دھماکہ کر ہی دیا، جو بہت برسوں سے ایک بند راز تھا۔

نیلوفر کے تنے اعصاب ایک دم ڈھیلے ہو گئے۔

''نگینہ تو مسز ہمدانی کے خاندان سے زیادہ دولت مند خاندان سے تعلق رکھتی تھی، طارق کی پسند اُن کی شرائط پر پورا اُتر رہی تھی، وہ ایک دم سے مطمئن ہو گئیں۔''

''کیا سائرہ درست کہہ رہی ہے؟'' آنی نے طارق سے کنفرم کرنا چاہا۔ طارق جیسا آدمی ایک دم کھل کھلا کر ہنس دیا، منہ سے اُس نے کچھ بھی نہ کہا تھا لیکن اُس کی جان دار ہنسی سب اقرار کر گئی تھی۔

''اوکے! تو پھر... مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے میری تو دیکھی بھالی لڑکی ہے!'' آنی نے فوری طور پر اُٹھتے ہوئے کہا۔

''مسز ہمدانی کو تو بے حد جلدی تھی لیکن نگی ابھی پڑھ رہی ہے، روشن آرا بھابی کا تو ابھی ارادہ ہے کہ اسے گریجویشن ضرور کروائیں اس کا مطلب ہے کہ ابھی اتنی جلدی مچانے کی ضرورت نہیں۔'' آنی خود ہی ٹہلا کرتی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''لیکن بہر حال میں جلد ہی موقع دیکھ کر یہ بات اُن کے کانوں سے ضرور نکال دوں گی، لڑکی اور خاندان بے حد اچھا ہے۔ لوگ تو ایسے خاندان پر ہمیشہ نظر رکھے بیٹھے ہوتے ہیں۔'' آنی نے حسبِ عادت ہر بات کو جمع تفریق کر کے اُس کا فائدہ نکالتے ہوئے سوچا۔

''کیوں طارق تمہارا کیا خیال ہے؟'' آنی نے جاتے جاتے اُس سے بھی رائے لی۔

''بڑے ہی نیک خیالات ہیں۔'' سائرہ اتنی آواز میں بولی کہ سرگوشی صرف طارق تک سنائی دی تھی۔

''آنی! آپ کے فیصلے اور حکمت عملی ہمیشہ پرفیکٹ ہوتے ہیں، جو آپ کو بہتر لگے وہ کریں۔'' طارق نے نیلوفر کے کندھے پر بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن طارق جان! مجھے تم سے اِس بات کا گِلہ ہمیشہ رہے گا کہ تم نے اپنے دل کی بات اور وہ بھی اس قدر اہم بات مجھے نہیں بتائی۔''

''سوری! لیکن آنی بعض اوقات کچھ باتیں خود کو کنفرم کرتے کرتے بھی تو ٹائم لگ جاتا ہے نا؟'' طارق نے آنی کو اُن کا سکھایا ہوا اُصول بتایا۔

''گڈ! تم اگر یوں ہی ہر قدم پر پلس، مائنس کو مدِ نظر رکھو گے تو کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرو گے۔'' آنی ایک کامیاب بزنس وومن تھیں، وہ حاصل جمع کو بہت اہمیت دیتی تھیں۔

سائرہ نے نہایت کوفت سے بھائی اور خالا کو دیکھا۔

''اوکے ڈیئرز! رات کھانے پر ملاقات ہوگی۔'' وہ اپنی ساڑھی کا آنچل سنبھالتے ہیل کی ٹھک ٹھک کے ساتھ باہر نکل گئیں۔

''بھائی اور وہ بھی میرا؟ اِس طرح کی باتیں کرے یقین نہیں آتا!'' سائرہ نے کچھ خفگی سے طارق کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھتے ہوئے کہا۔

''کم آن لٹل سسٹر! تم تو آنی کی نیچر جانتی ہو اگر اُن کی ٹون اور اسٹائل میں رہ کر بات کی جائے تو وہ ہمیشہ خوش رہتی ہیں اور وہ اُسی بات کو کامیابی جانتی ہیں۔'' طارق نے سائرہ کا دل صاف کرنے کی کوشش کی۔

''لالہ! آپ واقعی بہت تیز ہوگئے ہیں۔'' سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جواباً طارق بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔

''لیکن لالہ! اَب تو زبان سے اپنی چُھپی ہوئی بلکہ سات پردوں میں چھپا کر رکھی محبت کا اظہار کر ہی دیں۔'' سائرہ نے اصرار کیا۔

''کیا یہ ضروری ہے؟''

''یار مشرقی لڑکے کو اتنا مجبور تو نہ کرو، بتاؤ اظہار کرنا ضروری ہے؟'' طارق نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے معصومیت سے سوال کیا۔

''میرے سامنے تو اتنا ضروری نہیں ہے جتنا نگی کے سامنے ضروری ہے۔''

''لیکن اُسے تو تب بتایا جائے، جب وہ کچھ مزید سمجھ دار ہو جائے، نگاہ اور چہرہ پڑھنے کے قابل ہو جائے ابھی تو وہ ظالم حسینہ بھائی بھائی کہہ کر ''بھائی چارے'' کے رشتے کو ہی پکّا کرتی رہتی ہے۔'' طارق نے جس بے بسی سے کہا تھا۔ سائرہ کا قہقہہ کسی فوارے کی طرح پھوٹا تھا۔

''واقعی نگینہ آج کل کی لڑکیوں سے ذرا مختلف ہے بے حد معصوم اور سادہ۔ اِس میں اُس کے گھر کے ماحول کا بھی دَخل بھی ہے کیوں کہ روشن آنٹی نے کبھی اُس پر غیر ضروری بات کا بوجھ نہیں ڈالا، ہر وقت اُسے پروں میں چھپائے رکھتی ہیں، جب تک انسان کے سامنے مسائل نہ آئیں وہ خود مختار ہو کر اُن کو حل نہ کرے، تب تک چہرے پڑھنا نہیں آتا۔'' سائرہ نے سنجیدگی سے تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

''ارے! کہیں مَیں حیرت سے بے ہوش نہ ہو جاؤں۔ میری بہن اِس قدر سمجھ دار ہے اور مجھے معلوم ہی نہیں۔'' طارق نے واقعی اُسے توصیفی نظروں سے دیکھا۔

''لالہ آپ تو آج کل جانے کہاں گم رہتے ہیں، گھر میں رہیں تو گھر والوں کی خبر رہے۔'' سائرہ نے شکوہ کیا۔

طارق کا دھیان ایک دم پھر تقسیم ہوگیا تھا اُسے سحرش کے خیال نے بے چین کر دیا وہ چھوٹی سی لڑکی واقعی ہمدردی کے قابل تھی۔ طارق نے گھڑی پر نگاہ ڈالی آج اُسے سحرش سے بھی ملنے جانا تھا۔

''اچھا سائرہ جان! تم ایک اچھا سا سینڈوچ بنوا دو ساتھ میں چائے، مجھے فوراً ایک ضروری کام سے نکلنا ہوگا۔'' طارق نے وارڈ روب کھول کر لباس کا انتخاب کرتے ہوئے کہا۔

''لو ہو گئیں شروع آپ کی مصروفیات!'' سائرہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کچھ بیزاری سے کہا۔

''یوں لگتا ہے کہ میرا بھائی ہی دُنیا کا مصروف ترین آدمی ہے جو اپنی زندگی کے اتنے خوب صورت پہلو پر بات کرنے کے لیے بھی وقت نہیں نکال سکتا۔''

''کم آن سائرہ!'' طارق نے ایک پَل کو رُک کر کہا۔

''کچھ چیزیں، کچھ رشتے جب تک لیگل نہ ہو جائیں تب تک اُن پر بات کرنے اور اظہار کرنے میں ...ں آتا۔'' طارق ایک بند کتاب جیسی شخصیت رکھتا تھا، زندگی میں جینے کے اُصول اُس کے اپنے ہی ...

''لالہ! آپ اور آپ کے دوست ولی میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ آپ لوگوں کے دِل میں کیا ...اور کیا چل رہا ہوتا ہے کبھی پتا نہیں چلتا۔'' سائرہ نے بے اختیار کہا۔

''خیریت آج ولی کو کیوں شامل تفتیش کر لیا؟'' طارق کے کان ایک دم کھڑے ہو گئے، وہ اپنی بہن ...لیے بے حد حسّاس تھا۔

''ایسے ہی بھائی صاحب!'' شاید ہر وقت لڑکیوں کو اُس کے متعلق ''آئرن مین'' آئرن مین کہتے سُن ...یہ خیال آیا ہے۔ وہ بھی بھائی بے حد خاموش سے انسان ہیں اُن کے دِل میں کیا ہے کبھی اندازہ نہیں ...ا۔'' سائرہ کو ولی کا اُس دِن ڈراما ہال میں کھڑے باتیں سننا یاد آ گیا لیکن اُس نے کیا سُنا تھا وہ اُس ...چہرے سے بالکل جان نہ پائی تھی۔

''اچھا مزے کا لفظ ہے آئرن مین!'' طارق نے بے حد ریلیکس ہوتے ہوئے کہا۔ بہن کی نگاہوں ...بے حد سادگی تھی۔ وہ یقیناً ایک عمومی سی بات کر رہی تھی۔

''انگلینڈ میں جتنے سال ہم دونوں پڑھتے رہے ہیں ہمیں کسی گرل فرینڈ کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، ...نے اُس دور کو بے حد انجوائے کیا ہے۔ گھڑ سواری، تیراکی اور کرکٹ! بس یہی ہماری سرگرمیاں تھیں ...اِس پورے عرصے میں کسی لڑکی کی گنجائش نہ تھی۔ میرا نہیں خیال کہ لڑکی سے دوستی کرنا اور اُسے جھوٹے ...اب دکھانا اچھی بات ہے۔'' طارق نے بے حد وضاحت سے جواب دیا۔

''اَب تو ایک سینڈوچ اور چائے کا کپ مِل ہی جانا چاہیے ہمشیرہ صاحبہ!'' طارق نے باتھ روم کی ...ب بڑھتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔

''بس دو منٹ لالہ!'' سائرہ کہہ کر باہر نکلی۔

''آئرن مین! کیا نام رکھا ہے ولی یار تیرا لڑکیوں نے۔'' طارق مسکرایا اور ایک وہ تمہاری بہن کوئین ...ینٹ کبھی کوئی نگاہ نہیں جان پاتی۔

''اچھا یار طارق! اُمید پر دُنیا قائم ہے اَب ایک بے خبر سے دل لگا ہی لیا ہے تو انتظار کرو۔'' وہ خود ہی ...ڑایا۔

طارق کی نگاہوں میں نگی کا معصوم چہرہ لہرایا تو ساتھ ہی سحرش کا چہرہ بھی نگاہوں میں آ گیا۔ طارق ...ایک دم اپنے اندر بے چینی محسوس کی لیکن یہ بے چینی کیوں تھی، وہ جان نہیں پایا۔

❖❖○❖❖

میڈم چاندنی بپھری ہوئی ناگن بنی ہوئی تھی۔

''جون کچھ پتا چلا اُس طارق کے خاندان کے متعلق؟'' میڈم چاندنی نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے ...ہا۔

''آپ کے لیے ایک کام کی خبر ہے۔'' جون نے ہنستے ہوئے کہا۔ اُس کے مکروہ چہرے پر خباثت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹپک رہی تھی یقیناً اُس کے شیطانی دماغ میں کچھ چل رہا تھا۔

''بولو!'' میڈم چاندنی نے راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔

''اُس کی بس ایک ہی بہن ہے اور جو اُسے جان سے پیاری ہے!'' جون نے جملہ مکمل کر ل
قہقہہ لگایا۔

''پتا کرو اُس کی بہن کی کیا عمر ہے اور وہ کہاں رہتی ہے؟'' میڈم چاندنی کا چہرہ جوش سے دمکنے

''اِس طارق کے بچے کو ایسا سبق سکھاؤں گی کہ ہاتھ جوڑ کر ہماری فائلیں واپس کر کے جائے گا میری طاقت اور غصّے کا اندازہ نہیں ہے، جتنا کم بخت مجھے نقصان پہنچا چکا ہے اِس کا خمیازہ تو اُسے ہوگا۔'' میڈم چاندنی نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

''او کے میڈم! جیسا آپ کہیں ویسا ہی ہوگا۔'' جون نے بے حد تابع داری سے کہا۔

''اور ہاں! وہ کالج والی لڑکیوں کا سلسلہ کہاں تک گیا؟ میں اِن لڑکیوں کے لباس سے لے کر ہر ا کا خرچا اِس لیے نہیں برداشت کرتی کہ یہ اپنی عیاشیوں میں وقت برباد کریں، مجھے رزلٹ چاہیے مہینے لڑکیاں پہنچ جانی چاہئیں۔ کاروبار تو ویسے ہی کرائسس میں جارہا ہے میں مزید کوئی کوتاہی بردا نہیں کروں گی۔'' میڈم چاندنی نے دوٹوک انداز میں حکم دیا۔

''او کے میڈم!'' جون نے سر ہلا کر کہا۔

''اور ہاں! یہ طارق والا معاملہ فوراً حل ہونا چاہیے، یہ لڑکا تو حلق کا ایسا کانٹا بنتا جارہا ہے جو نہ جاسکتا ہے اور نہ اُگلا جاسکتا ہے۔'' میڈم چاندنی نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''آپ فکر نہ کریں میں جتنی جلدی ہوسکا سب معلومات اکٹھی کرلاؤں گا۔'' جون نے کہا۔

اور یہ تو چاندنی جانتی تھی کہ جس کام کو جون کے سپرد کیا جائے وہ کام ضرور ہوتا ہے۔

''طارق! اب تم اپنی خیر مناؤ اور دیکھو کہ تم نے کس بَلا سے پنگا لیا ہے۔'' میڈم چاندنی نے دل دل میں کہا۔

❖❖○❖❖

''مُسکان! نماز پڑھ لی تم نے؟'' آپا اماں نے مسکان کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا اُسے فجر کے لیے اُٹھانے آئی تھیں جب دو تین آوازوں پر بھی مسکان نے جواب نہ دیا تو وہ فکر م سے آگے بڑھیں۔

مُسکان نیند میں گُم مسلسل کسی کا نام لے رہی تھی آپا اماں نے قریب ہو کر اُسے دیکھا۔

''ولی؟'' آپا اماں نے زیرِ لب دُہرایا کیوں کہ مُسکان مسلسل ایک ہی نام پکارے جارہی تھی اُس ہاتھ میں سونے کی زنجیر دبی ہوئی تھی۔ آپا اماں نے دبے پاؤں آگے بڑھ کر آرام سے وہ زنجیر اُس ہاتھ سے نکال لی۔

آپا اماں کو لگا کہ آسمان اُن کے سر پر آن گرا تھا یا زمین اُن کے پیروں تلے سے کھسک گئی تھی اُس لاکٹ کو بہت اچھی طرح پہچانتی تھیں۔

''یہ... یہ لاکٹ تو سید عبداللہ کا تھا!'' اُن کی سانس رُکنے لگی۔

''لیکن ایسا لاکٹ تو کسی کے پاس بھی ہوسکتا ہے!'' دِل نے اُن کو تسلی دی۔ انہوں نے کانپتے ہاتھوں اس مخصوص قسم کے لاکٹ کو کھولا۔

''اوہ میرے خدایا!'' وہ پاس پڑی کرسی پر گر پڑیں۔

اندر بی بی عائشہ اور سید عبداللہ کی تصویر موجود تھی! انہیں لگا کہ ہر جانب بم دھماکے ہو رہے ہیں اور اسی ان یہ گھر بھی تباہ ہوگیا اور اُن کا وجود اُس ملبے میں دب گیا ہے۔

''سید عبداللہ تو آج سے بیس سال پہلے... تو پھر یہ لاکٹ کہاں سے آیا؟'' انہوں نے خوف زدہ وں سے سوئی ہوئی مُسکان کو دیکھا۔

''اور یہ لاکٹ مسکان کے پاس کہاں سے آیا؟'' اُن کے ذہن میں کچھ روز پہلے والا وہ لڑکا گھوم گیا دیکھ کر انہیں سید عبداللہ کا گمان ہوا تھا۔

وہ انہیں ہو بہو سید عبداللہ جیسا لگا تھا لیکن انہوں نے اُسے اپنا گمان جان کر نظر انداز کردیا تھا حالاں تنہائی میں اکثر انہیں وہ چہرہ ڈسٹرب کرتا تھا لیکن وہ اُسے اپنا وہم اور نظر کا دھوکا ہی گمان کرتی رہی ں۔

لیکن یہ لاکٹ ایک حقیقت تھا، جسے وہ اگنور نہیں کرسکتی تھیں اور یہ کیسی سلگتی ہوئی حقیقت تھی، جس سے کے ہاتھ ہی نہیں روح تک جل رہی تھی۔

❖❖○❖❖

''تمہیں میں نے ڈیرے پر بلایا تھا۔'' سید سرفراز نے حویلی کی راہ داری میں ہی زبیدہ کا ہاتھ تھام کر ا۔

بیدہ ایک دم بوکھلا گئی۔ سید سرفراز کے یوں اچانک آجانے سے وہ ہمیشہ بوکھلا جاتی تھی۔

''شاہ جی!'' زبیدہ حیا سے سُرخ پڑ گئی۔ سید سرفراز کا لمس اب اُسے ایک لطیف سا احساس دے رہا

''آج میں ڈیرے پر تمہارا انتظار کروں گا اور تمہیں آنا ہوگا اِس بار وعدہ کر کے توڑا تو پھر کبھی تم سے تک نہیں کروں گا۔'' سید سرفراز نے پیار بھری دھمکی دی۔

بیدہ نے تڑپ کر اُسے دیکھا وہ اُس کی خاموش محبت تھا وہ اُسے کس طرح ناراض کرسکتی تھی۔

''بولو آؤ گی نا!'' سید سرفراز نے اُس کے ہاتھ کو مزید دباتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں!'' زبیدہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

ید سرفراز نے دھیمے سے اُس کے گالوں کو چھوا اور ساتھ ہی اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''میں انتظار کروں گا!'' اُس نے گمبھیر لہجے میں ایک بار پھر کہا۔

بیدہ تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے گئی، سید سرفراز نے ایک گہری سانس لے کر اُس کی خوش بو کو اندر ۔ اُس پر ابھی سے نشہ طاری ہونے لگا تھا۔

''سید سرفراز! تمہارے آئندہ دن اچھے گزرنے والے ہیں۔'' اُس نے اپنے آپ سے کہا۔

''ہونہہ! یہ بی بی عائشہ خود کو کیا سمجھتی ہے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اگر دیکھے کہ کیسے سیدسرفراز کے ایک بار کہنے پر لڑکیاں بھاگی چلی آتی ہیں۔" سیدسرفراز کو ایسی کم
عائشہ کی کہی باتیں نہ بھولی تھیں جانے اُس لڑکی کی نگاہوں میں اتنی بے باکی، خود اعتمادی دیکھ کر اُسے ا
انسلٹ کیوں محسوس ہوتی تھی۔ اُسے آج تک ڈری سہمی لڑکیاں ہی ملی تھیں، ایسے میں عائشہ کا رویّہ اُ
اور اُس کی غیرت کو مزید تنگ کرتا تھا۔ زبیدہ کی جانب فوراً جھکاؤ بھی اس لیے تھا کہ اُسے اپنی انا ک
تسکین چاہیے تھی اور چاہے اِس تسکین میں کسی کی زندگی تباہ ہوجائے اُسے کسی کی پروا کب تھی۔
سیدسرفراز کو تڑپتے سسکتے انسان اور جانور بے حد پسند تھے وہ اپنے اندر خاص طرح کی تسکین محسوس
کرتا تھا جب کوئی بے بس مزارع یا ملازم اُس کے آگے گڑگڑاتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا ا
خودمختار سمجھتا تھا۔ سب اُس کے رحم کرم پر ہیں۔ طاقت کا نشہ ایسا تھا کہ جتنا بھی بڑھتا اتنا ہی اُسے لطف
آتا تھا۔

وہ نہایت اکڑ کے ساتھ وہاں سے چل دیا، کلف لگے کھڑکھڑاتے کپڑے دور تک آواز پیدا کرتے
گئے۔

"کون ہے، جو سیدسرفراز کے سامنے کھڑا ہوسکے؟" وہ ہنکارا بھر کر بولا۔

❖❖○❖❖

"امّاں جان! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟" سیدعبداللہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"تم سے اِس حویلی کی روایات ڈھکی چھپی تو نہیں ہیں!" زلیخا بی بی نے آہ بھر کر کہا۔

"لیکن میں ان باتوں کو نہیں مانتا! یہ تو نہایت غیر انسانی سلوک ہے۔" سیدعبداللہ نے تڑپ کر کہا۔

"لیکن یہ پشتوں سے چلا آرہا ہے، باپ اور بھائی اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹیوں کو قربان کرتے آئے
ہیں یہ زمینیں ہمیشہ بیٹیوں کا خون مانگتی آئی ہیں۔ میرا اگر کوئی بھائی ہوتا تو آج میری بھی شادی نہ ہوتی
لیکن میں اپنے باپ کی تین بیویوں سے اکلوتی اولاد تھی، میرے بابا سائیں کے لاکھ چاہنے کے باوجود کوئی
اور اولاد نہ ہوسکی اور پھر میری شادی تمہارے بابا سائیں کے ساتھ ہوئی جو پہلے سے شادی شدہ تھے، مجھے
ساری عمر سوکن کا خطاب ملا۔ تمہاری بڑی ماں ہمیشہ مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی رہیں لیکن میں پھر بھی
خوش ہوں، مجھے تنہائی کاٹنے کے لیے دیواریں نصیب میں نہیں لکھی گئیں۔ میری گود میں تمہاری صورت
میں اور مریم، سدرہ کی صورت میں اولاد تھی۔ رب سائیں نے میری زندگی تم لوگوں کے وجود سے ہرا
بھری کردی اور میں ہر بات بھول گئی۔" زلیخا بی بی نے گہرا سانس لیا۔

"اولاد ایسی نعمت ہے، جو ہر عورت کو مکمل کردیتی ہے اُس کے من کے خالی پن کو بھردیتی ہے! سدرہ
اور مریم کے جوڑ کے بَر خاندان میں نہیں ہیں لیکن ..." زلیخا بی بی کچھ کہتے کہتے رُک گئیں۔

"امّاں جان، لیکن کیا؟" عبداللہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"لیکن تمہاری بڑی امی کے میکے میں ایک دو خاندان ایسے ہیں، جہاں رشتہ ہوسکتا ہے۔" اس کا ذکر
اُس نے خود سے کیا تھا۔

زلیخا بی بی کچھ کہتے کہتے پھر رُک گئیں۔

"تو پھر یہ تو اچھی بات ہے اِس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" عبداللہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں

...ا۔

"وہ پہلے سے شادی شدہ مَرد ہیں اور عمر میں بھی بہت بڑے ہیں!" زلیخا بی بی نے آخر وہ بات کہہ
...ادی جو وہ اتنی دیر سے نہ کہہ پارہی تھیں۔

"اوہ مائی گاڈ!" سیدعبداللہ نے باقاعدہ اپنا سر تھام لیا۔

"امّاں جان پلیز! میری پھول سی بہنوں کے متعلق آپ کیا سوچے بیٹھی ہیں، اگر بابا سائیں میری
...ان سے لاپروا ہیں تو آپ بھی تو اُن کے لیے ایک مشکل زندگی کا انتخاب سوچ جارہی ہیں کیا... کیا
...انصاف ہے؟" سیدعبداللہ کی گوری رنگت ایک دم غصّے سے سُرخ پڑگئی۔

"کم از کم وہ اِن دیواروں کی قید سے بچ جائیں گی میں تو کچھ کم عذاب والا راستا دیکھ رہی ہوں۔ اُن
...کے پاس اچھی زندگی کا راستا ہے ہی نہیں تو پھر ایسے میں کچھ کم عذاب والا راستا زندگی کی کچھ خوشیاں اُن
...کی جھولی میں ڈال سکتا ہے، اُن کو اولاد مل سکتی ہے، گھرداری کی مصروفیت مل سکتی ہے، یہ بہت کافی ہوگا
...ان کے لیے۔" زلیخا بی بی نے آخری سطح کو سوچ کر یہ فیصلہ کیا تھا۔ اپنی نند کی عبرت ناک زندگی اُن کو
...اس طرح کا فیصلہ لینے پر مجبور کرگئی تھی۔

"پلیز امّاں جی!" سیدعبداللہ شدت جذبات سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ سب کیا ہے؟ آج گاؤں کے ایک آدمی پر بابا سائیں اِس بات پر غصّہ ہورہے تھے کہ وہ ولایت
...سے تعلیم حاصل کرکے کیوں آیا؟ حالاں کہ انہیں تو اِس بات پر فخر ہونا چاہیے تھا کہ اُن کے گاؤں کا کوئی
...اِس قدر تعلیم حاصل کرکے آیا ہے لیکن انہوں نے اِس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔" سیدعبداللہ
...کہتے کہتے پھر رُکے۔

"میں... میں تو صرف یہ سمجھتا رہا تھا کہ یہاں صرف دوسرے لوگوں کے حقوق کی پامالی کی جاتی ہے
...لیکن نہیں، یہاں تو اپنے ہی گھر کی بیٹیوں کو بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ یہ سب کیا ہے؟" سیدعبداللہ
...آج بڑی مشکل سے فیصل کو سیدنوازش علی کے عتاب سے بچا کر آیا تھا، سارے راستے وہ اپنے بابا سائیں
...کے رویّے پر کڑھتا آیا تھا اور گھر آکر اِس موضوع کو سننے کے بعد اُس کے اعصاب ایک دم جواب دے
...گئے تھے۔

"پتر! یہ تو ہماری پشتوں سے چلا آرہا ہے اور اِس سارے نظام کو آج تک کوئی بدل نہیں سکا۔" زلیخا
...بی بی نے بیٹے کو سنبھالنے کی کوشش کی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اُن کا بیٹا غصّے میں اپنے باپ سے اُلجھ پڑے
...اور اِس طرح سدرہ، مریم کا مسئلہ بھی اُلجھ جائے۔

"لیکن میں ایسے کسی نظام کو نہیں مانتا، جو انسان کو انسان نہ سمجھے!" سیدعبداللہ نے ماتھے پر تیوری
لیتے ہوئے کہا۔

"پتر! تو اگر اِس طرح غصّہ کرے گا تو تیری بہنوں کی بات بگڑ سکتی ہے، تو یہ کیوں نہیں سمجھتا؟" زلیخا
بی بی نے منت کرتے ہوئے اُس کے غصّے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ سیدعبداللہ نے گہرا سانس لے کر
...اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"خود اچھی جگہ کروں گا چاہے اس کے لیے مجھے کسی سے بھی ٹکر لینی پڑے، یہ میرا خود سے وعدہ ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور آپ سے بھی، میں اس ظلم کو روکوں گا۔'' یہ بات کرتے ہوئے اور کہتے ہوئے سید عبداللہ کو علم نہ تھا کہ سید نوازش علی اور اس کے اصولوں سے ٹکرانا اس قدر آسان نہیں ہے، بہتے دھارے کے ساتھ بہتا پانی صاف ہو یا گدلا! ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔ اس کی مخالف سمت تیرنے کے لیے مضبوط قوت ارادی کی ہی نہیں مضبوط اعصاب کی بھی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔

جاگیرداروں اور زمینداروں کے ہاں نسل در نسل سے ماننے والے، اطاعت کرنے والے ہی ہوتے ہیں وہ چاہے اولاد ہو یا ملازم۔ ہر دو صورتوں میں ان کی سوچیں اور صورتیں اکثر اپنے بڑوں کی پیروی کرنے اور رضا پانے کی جستجو میں ویسی ہی ہو جاتی ہیں۔ سید عبداللہ کی صورت اور سوچ دونوں ان کی اپنی تھیں، یہ اُس کی مضبوطی بھی تھی اور کمزوری بھی۔

❖❖○❖❖

سید نوازش علی گھوڑے پر سوار ہو کر ڈیرے سے نکلے ہی تھے کہ اُن کی نظر جورے کے بیٹے پر پڑی پانچ چھ سال کے بچے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اسے دوبارہ دیکھا بھی جاتا، ننگے پاؤں، بدن پر صرف ایک لمبی سی قمیص، جس کے کف اور گریبان کے بٹن کھلے تھے۔ بٹن ہوتے ہی نہیں کوئی بند کیا کرتا۔ قمیص کا دامن بچے کی ایڑیوں کو چھو رہا تھا اور اس نے قمیص کے نیچے کوئی نیکر بھی نہیں پہنی ہوئی تھی بغیر دھلے منہ پر کہیں کہیں مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اس کی نظر میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا کہ جس پر غصہ آتا یا غصہ کیا جاتا، مگر سید نوازش علی جو اپنی زمینوں کے معمول کے دورے پر ابھی نکلے ہی تھے غصّے سے آگ بگولا ہو گئے۔ گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلنے والے دونوں ''کمیوں'' نے ان کے مزاج کی سختی محسوس کی اور بھاگ کر باگیں پکڑ لیں۔ سید نوازش علی بجلی کی طرح تڑپ کر گھوڑے کی پیٹھ سے زمین پر آئے، ان کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں، نتھنے پھول رہے تھے اور نگاہیں بدستور بچے کے گندے ہاتھوں پر مرکوز تھیں جو کچھ کھا رہا تھا۔ کام کرنے والے کمّی مزدوروں کے بچے اسی طرح گلیوں اور ڈیروں پر گندے ہاتھوں میں کچھ نہ کچھ کھاتے پیتے نظر آتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ سید نوازش علی انہیں دیکھتے ہوئے بھی لاتعلقی اختیار کر لیتے تھے۔ ڈیروں کا کلچر ایسے ہی معمولات سے بنا ہوتا ہے، جس پر نہ وڈیرے اور زمینداروں کو اعتراض ہوتا ہے اور نہ انہیں کسی کی صفائی ستھرائی سے غرض ہوتی ہے اور نہ تہذیب و تمدن کی تعلیم ان کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ ان کے اختیار و اقتدار کی گاڑی کے پُرزے ہر وقت رواں رہنے چاہئیں اپنی اپنی جگہوں پر اپنی اپنی حدود میں، اپنے اپنے دائروں اور مخصوص کاموں میں۔ جورا اپنے باپ دادا کی طرح ان کا ملازم اور وفادار تھا اس کے ذمّے ڈیرے کا کوئی کام نہیں تھا۔ نہ مہمانوں کی دیکھ بھال کا، نہ صفائی ستھرائی کا، اسے باقی لوگوں کے ساتھ بیٹھنے اور میل ملاپ بڑھانے کی اجازت بھی نہ تھی۔ ان کا کام ڈیرے کی پچھلی جانب ایک باڑے میں تھا، جس میں ایک قطار میں تین مسلسل کمرے بنے ہوئے تھے، ان کمروں تک سب کی رسائی نہیں تھی۔ جورا انھی پر تعینات تھا دوسرے نوکروں کے لیے یہ ایک طرح سے علاقہ غیر تھا۔ جب جب سید نوازش علی کو شکار پر جانا ہوتا تو جورے کو آواز پڑتی اور وہ سر جھکائے، آنکھیں زمین پر گاڑے حاضر ہو جاتا، اس لمحے اس کا پورا بدن کان بنا سید نوازش علی کی آواز پر لگا ہوتا کہ جانے کس لمحے کوئی حکم آئے اور وہ اسے بجا لائے، جس میں لمحے بھر کی تاخیر نہ کر بیٹھے، کبھی

ہی ہوتا کہ شہر سے کوئی خاص مہمان آئے ہوتے تو جورے کو آواز پڑتی۔ یہ آواز کوئی نہ کوئی کمّا، کوئی کمّی دیتا اور جورا بھاگتے ہوا حاضر ہو جاتا۔ جورے کو یاد نہیں کہ کبھی سید نوازش علی نے خود اسے نام لے کر اپنی زبان سے بلایا اور پکارا ہو۔

''جورے۔'' یہ آواز سید نوازش علی کے منہ سے کسی گولی کی طرح نکلی اور جلتے انگارے کی طرح جورے کے کانوں تک اپنی پوری حدت اور شدت سے پہنچی تھی۔

پکارے جانے کے انداز میں غصّے اور نفرت کی کچھ ایسی شدت تھی کہ جس جس نے سنا بھاگتا ہوا آیا۔ جورا سر جھکائے حکم کا منتظر تھا مگر وہاں آج اس کے لیے کوئی حکم نہیں ایک سوال تھا۔

''بچوں کو کھانا دے دیا؟''

''جی سرکار۔'' جورا منمنایا۔

''کوئی کمی بیشی۔''

''نہیں سرکار۔'' چھوٹا لیلا تھا۔ پورے کا پورا ڈال دیا ہے۔

''تمہیں یاد ہے بچے تمہارے سپرد کرتے ہوئے کیا کہا تھا؟''

''جی سرکار! آپ نے کہا تھا، سر چھپانے کو گھر، کھانے کو سبزی، فصل اور پہننے کو کپڑا لتّا سب ملے گا مگر تم اور تمہاری اولاد بھی وہ نہیں کھاؤ گے جو یہ بچے کھائیں گے۔''

یہ چھ بچے تھے، جو جورے کے حوالے کیے گئے تھے ان کے الگ الگ نام تھے۔ سائزوں اور رنگوں کا فرق کسی کی پہچان بھلانے نہیں دے سکتا تھا۔ یہ کسے ہوئے جسموں والے شکاری کتے تھے، جو سید نوازش علی کو کتنے ہی انسانوں سے زیادہ عزیز تھے۔

ان کی خوراک، علاج، دیکھ ریکھ کا وہ اس قدر خیال رکھتے کہ بعض نوکروں کو رشک آتا مگر ایسی بات زبان پر کوئی نہ لا سکتا تھا۔

''تاجو! جاؤ جورے کے گھر اور اس کے چولھے اور برتنوں کو دیکھ کر آؤ، کیا پکا ہے؟''

''سرکار!'' جورا ہاتھ جوڑ کر زمین پر گرا۔

''مجھ وفادار پر شک نہ کریں، برسوں کی خدمت میں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ آج اس قدر بدظن کیوں ہیں؟''

''مائی باپ! میں تو سوتے میں بھی آپ کے حکم کے خلاف جانے کی جرأت نہیں کر سکتا، میں کیا میرے چاروں بچے اور بیوی آپ ہی کا دیا کھاتے اور پہنتے ہیں، ہم میں سے کوئی بھی آپ کے حکم سے باہر نہیں۔'' جورا زمین پر گرا فریاد کر رہا تھا۔ اس کے منہ سے نکلے لفظ بے وقعت اور بے مطلب تھے کیوں کہ جس نے سننا تھا وہی نہیں سُن رہا تھا۔

پھر ایک دم سب کی نظریں اِدھر اُٹھ گئیں، جہاں سے تاجو ایک کالی مٹی کی بنی ہانڈی اُٹھائے آ رہا تھا ایک عورت اس کے دامن سے لپٹ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ہانڈی اس سے چھین لے مگر چھیننے پر قادر نہ تھی۔ وہ لمحہ آن پہنچا تھا، جو جورے کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، جس کا وہ سوچ کر ہی کانپے جا رہا تھا۔

"سرکار! ہانڈی میں گوشت کی ایک بوٹی پڑی ہے۔" اس ایک جملے نے ڈیرے کے باہر کھڑے کمی اور مزارعوں میں ایک سراسیمگی دوڑا دی۔

کچھ انہونی ہو چکی تھی۔ کچھ انہونی ہونے والی تھی۔

"مائی باپ! مجھے قسم ہے آپ کے احسانوں کی میں نے حکم عدولی نہیں کی، میں نے تو پچھلے پ سال سے گوشت کی بوٹی چکھ کے نہیں دیکھی، میری بیوی نے جب سے وہ بیاہ کر میرے پاس آئی ہے کبھی گوشت کھایا نہ کبھی مانگا اس کے سامنے میں ہر دوسرے دن بکرا ذبح کرتا ہوں، سارے کا سارا کے پنجروں میں ڈالتا ہوں اپنے گھر لانے، پکانے کا تو ہم نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا۔ میں جانتا یہ بوٹی ہانڈی میں کیسے آئی، کس نے پکائی۔"

سید نوازش علی کے منہ سے گالیوں کی ایک بوچھاڑ یوں نکلی، جیسے کسی اسٹین گن سے گولیاں نکلتی ہیں

"جورے!"

"جاؤ اس کے "بال" کو اُٹھا لاؤ، ایک بوٹی ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہوگی۔

ٹھہرو! اِدھر لانے کی ضرورت نہیں ہے اسے جنگلے کے اندر پھینک آؤ۔

یہی طے تھا، یہی کہا تھا میں نے کہ جس روز جس نے میرے بچوں کی خوراک کو ہاتھ لگایا اس کو کے پیچھے جانا ہوگا۔ میرے شکاری بچوں کی خوراک بننے کے لیے۔

"تم نے پندرہ سال تعمیل کی... زندہ رہے، تعمیل کرتے رہو گے جیتے رہو گے، مگر تمہارے بال نے کھائی، اسے اَب ان کی بوٹی بنا پڑے گا۔" جورے کی بیوی اور جورے کی چیخوں سے ڈیرہ گونج رہا وہ سید نوازش علی کے قدموں میں گرنا چاہتے تھے اسے منانا چاہتے تھے مگر ڈر اور خوف کے مارے اس قدموں کو بھی چھو نہیں سکے۔

تاجو ان کے سامنے لمحہ لمحہ ڈیرے سے باہر جا رہا تھا۔ تاجو اس لمحے ایک کتا، ایک کارندہ نہیں، موت فرشتہ تھا، جو موت بن کر ان کے بیٹے کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ دونوں جانتے تھے کہ سید نوازش علی حکم کو ٹالنے، روکنے اور بدلوانے کی طاقت کسی میں نہیں۔

فیصلہ سنا کر سید نوازش علی دوبارہ گھوڑے کی طرف بڑھے، وہ مرتے بچے کی چیخیں نہیں سننا چاہتے اور جانتے تھے کہ ان کے شکاری کتے اس بچے کو یوں چیر پھاڑ دیں گے، جیسے کسی خرگوش کو کھاتے ہیں۔

سید سرفراز حویلی سے نکلا تو ذہن میں صرف زبیدہ کا سراپا گھوم رہا تھا آج اس سے انتظار مشکل تھا۔ کب رات ہوگی، کب ملاقات ہوگی۔ وہ خلافِ معمول ملاقات کی تفصیلات طے کر رہا تھا۔ زبیدہ معصومیت سے زیادہ اس کے شہری حسن اور نکھار پہ اس کا دل آیا ہوا تھا۔ اَب تک کی ہوئی چند ہلکی ملاقاتوں اور اشاروں سے وہ یہ تو بہ خوبی جان گیا تھا کہ زبیدہ کے دل میں اس کے لیے پسندیدگی ہے، اسے وڈیرے حق نواز کا بیٹا یاد آ رہا تھا جس نے ایک بار کالج کا منہ دیکھا تھا اور وہاں کی کہا سناتے نہ تھکتا تھا اسی نے بتایا تھا کہ ہمیشہ لڑکی کی آمادگی اور مسکراہٹ ہی مسئلے حل کرتی ہے اور مسئلے بھی یہی کرتی ہے۔ کسی اور نے لقمہ دیا تھا۔

سید سردار نے سوچتے ہوئے ڈیرے کا رخ کیا اسے یاد آ رہا تھا کئی سال پہلے زبیدہ جب پہلی بار

الد کے ساتھ حویلی آئی تھی تو کیسے ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی پھرتی تھی اس کے والد جج تھے اور سید ازش علی کے گہرے دوستوں میں شامل تھے۔ ان بالادست طبقوں کے لوگ دوستیوں کو ہمیشہ گہرا کرنے سوچتے ہیں اور خاندانی طور پر ملنے کو ترجیح دیتے ہیں اسی دوران زبیدہ کی مریم بی بی سے دوستی بھی ئی۔ اُن دنوں شاید وہ اسکول کی آخری کلاسوں میں سے کسی جماعت میں تھی اور اَب ایف اے کی البہ بن چکی تھی۔ یہی عمر ہوتی ہے جب لڑکی کچی کلی جیسی ہوتی ہے۔ ادھ کھلی اور کھلنے کو بے تاب، اس عمر ں لڑکیوں کو خواب دیکھنے کا نیا نیا شوق ہوتا ہے مگر سلیقہ نہیں آتا اس لیے اکثر ایسے خواب دیکھ بیٹھتی ہیں ن کی تعبیر کبھی خوشیاں اور خوب صورتیاں نہیں لاتی۔

اچانک ڈیرے سے سید نوازش علی کو نکلتے دیکھ کر سید سرفراز کے قدم ذرا تیز ہو گئے۔

قریب پہنچ کر ابھی وہ باپ سے سلام دعا کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ سید نوازش علی کی آواز آئی۔

"اچھا ہوا، یہ تم ہو سرفراز!"

جاؤ دیکھو! میں نے راجو کم ذات کو شکاری کتوں کا گوشت اپنے بیٹے کو کھلانے کی سزا دی ہے۔ یہ واقعہ رت کے طور پر سب ملازموں کو بھی یاد رہے اور آس پاس کے گوٹھ گراں تک بھی اس کا تذکرہ پہنچے۔ ینداریاں اور ڈیرے داریاں دہشت اور اسی طرح کے فوری انصاف سے ہی قائم رہتی ہیں۔ تمہارے انے ایک بار کتوں کے رکھوالے کو ایسی ہی حرکت پر سب گاؤں والوں کے سامنے بھوکے کتوں کے گے ڈلوا دیا تھا پچیس تیس سال پہلے، پھر کسی ملازم کو جرأت نہیں ہوئی۔ اب یہ واقعہ تمہارے آنے والے وں میں حوالہ بنا رہے گا۔ بس دھیان رکھنا تمہارے بھائی سید عبداللہ تک اس کی بھنک تب تک نہ پہنچے ب تک جانور ہڈیاں چبا کر نہ چھوڑ دیں۔

میں راجو اور اس کی بیوی کو روتے چھوڑ آیا ہوں جب فیصلے پر عمل کروانا ہو تو پھر آنکھیں نہیں ملاتے، نظر انداز کرتے ہیں۔ حکمرانی کے لیے رونے والے ضروری ہوتے ہیں۔ وہ روئیں گے تو دوسروں کو نا ہوں گے۔

انسانوں کا معاملہ ہاتھی کے بچوں جیسا ہوتا ہے پاؤں میں ایک بار سختی اور رعب کی زنجیر ڈل جائے تو سلوں کے پاؤں سے اس کے داغ اور نشان نہیں جاتے، پھر ہر بار سختی نہیں کرنی پڑتی، کبھی مسکرا دو تو ی دنوں، ہفتوں خوش رہتی ہے، تذکرے کرتے ہیں کہ سرکار کا مزاج اچھا ہے۔"

سید سرفراز کو لگا موقع اچھا ہے سید عبداللہ کے حوالے سے باپ سے دو چار باتیں کرلوں، جونہی اس بات کرنے کے لیے منہ کھولا سید نوازش علی نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ وہ بغیر کسی کام کے وقت گزاری پنے ناروا فیصلے پر عمل درآمد کے انتظار میں تھے۔

سید سرفراز حیران رہ گیا، جب اس نے دیکھا کہ جورے اور اس کی بیوی کو کئی نوکروں نے جکڑا ہوا اور راجو کتوں کے کمروں کے آگے خالی احاطے میں کھڑا تھا۔ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار، ہر سطح پر ا ہوتے ہیں۔ انہوں نے جورے اور اس کی بیوی کو تڑپنے کی بھی اجازت نہ دی، بے شک وہ ان تھا مگر اس وقت وہ سرکار کی طرف سے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے متعین تھے۔

اجو واپس آیا تو کانپ رہا تھا اس نے سید سرفراز کے پاؤں چھو لیے اور دھاڑیں مار کر رو پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لا پریشانی کے سرے کو پکڑ نہ پا رہی تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر پریشانی سے زبیدہ کی جانب دیکھا۔

❖❖○❖❖

"چاند میاں! زبیدہ کی طبیعت بہت خراب ہے تم اُسے فوراً لے آؤ، گاڑی بڑی والی لے جانا۔" تایا ا نے کتابوں میں کھوئے ہوئے چاند میاں سے کہا۔

"گاؤں؟" چاند نے حیرت سے پوچھا۔

گاؤں میں دادا، دادی رہتے تھے، جنہوں نے آج تک اسے اور اس کی ماں کو قبول نہ کیا تھا وہ ان کی ل دیکھنا تک پسند نہ کرتے تھے۔ گاؤں تو اُن کے لیے ممنوعہ علاقہ تھا ایسے میں تایا جی اُسے کیسے گاؤں نے کا کہہ سکتے تھے۔

"ہاں بیٹا! تم ہی زبیدہ کو گاؤں سے لاؤ گے، میں اپنے بعد صرف تم پر بھروسا کرتا ہوں، مجھے بہت اری مقدمے کا فیصلہ سنانا ہے ایسے میں، میں فوراً گاؤں نہیں جا سکتا۔ اور ابا جی نے گاؤں سے بندہ ا ہے زبیدہ کو شدید بخار ہے، وہاں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے جو اُس کا باقاعدہ علاج کر سکے۔" جج صاحب اصل وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ دادا جی؟" چاند نے اپنا سوال اُدھورا ضرور چھوڑا تھا پھر بھی جج صاحب اُس کا مطلب سمجھ ا تھے۔

"تم نے جانا اور آنا ہے، میں تم کو وہاں رُکنے کے لیے مجبور نہیں کر رہا۔" جج صاحب خود بھی جانتے کہ ابا جی چاند میاں کے ساتھ کوئی بد اخلاقی ضرور کریں گے اس لیے وہ خود نہیں چاہتے تھے کہ چاند ں میں رُکے۔

"ٹھیک ہے تایا جان! میں چلا جاتا ہوں۔" چاند نے ہمیشہ کی طرح تابع داری سے کہا۔

"تایا جان کیا وجہ ہے کہ اس دور میں بھی آپ کا گاؤں ڈاکٹر جیسی سہولت سے محروم ہے؟" چاند نے ال کیا۔

"وہ اس لیے کہ وہاں کے مالک ایسا نہیں چاہتے"۔ جج صاحب نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"کیوں! وہاں کے مالک بیمار نہیں پڑتے؟ سید نوازش علی تو آپ کے بہت اچھے دوست ہیں آپ اُن ہ کہیں کہ وہاں کوئی چھوٹی موٹی ڈسپنسری کا انتظام کریں۔" چاند نے اپنی جانب سے بہترین حل بتایا۔

"بیٹا! انسان جیسی چیز پر انہوں نے اپنی اجارہ داری جما رکھی ہے۔ ہسپتال، ڈسپنسری وغیرہ تو بہت بڑی د ہے وہ اپنے گاؤں میں کسی قسم کی سہولت نہیں چاہتے۔ اُن کا خیال ہے کہ سہولت اُن کے اس تصور کو ار کر دے گی کہ وہ "انسان" ہیں اور یہ کہ زندگی کی بنیادی سہولتیں اُن کا بھی حق ہے۔" جج صاحب نہایت تاسف سے کہا۔

"کیوں! وہاں رہنے والے انسانوں کو نہیں پتا کہ وہ انسان ہیں؟ تایا جان یہ کیا بات ہوئی۔"

"وہاں رہنے والے سالوں سے غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں جو اُن کے غلام نہیں ہیں انہیں وہ ت سے زیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہاں رہنے والے ڈرے سہمے لوگ زندگی کے بنیادی حقوق ہولتوں کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہاں آگہی کی روشنی اور تازہ ہوا کے آگے سب سے بڑی

"اللہ جانے اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے؟" زبیدہ کی دادی نے اُس کے دادا سے فکرمندی سے کہا۔

"تین روز سے بخار میں جل رہی ہے، دیکھو ہوش میں نہیں ہے۔" دادی نے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کے ماتھے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تم اس کے باپ کو خبر کرواؤ تا کہ وہ اِسے شہر کے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھادے یہاں حکیم کی دوائیوں میں اور کتنا اثر ہوگا!" دادی نے زبیدہ کے دادا کو شہر اطلاع کرنے پر اصرار کیا۔

"لیکن اچھی بھلی لڑکی کو اچانک ہوا کیا؟" دادا ابھی تک پریشان تھے۔ زبیدہ کی رنگت زرد پڑ گئی تھی، آنکھوں کے نیچے واضح حلقے موجود تھے، تین دن کے بخار نے اُسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"پتا نہیں! بڑی حویلی گئی تھی آتے ہی بستر میں گھس گئی۔ میں ماسی سے گندم صاف کروا رہی تھی تب میں نے دھیان نہ دیا لیکن جب تین چار گھنٹے کمرے سے نہ نکلی تو پریشان ہوگئی۔ جا کر دیکھا تو یہ بے سُدھ پڑی تھی۔" دادی نے ایک سانس میں ساری کہانی کہہ ڈالی۔

"اچھا! میں کسی بندے کو بھیجتا ہوں، شہر جا کر اس کے باپ کو اطلاع کر آئے۔" دادا نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ذرا جلدی کرو۔ اللہ خیر کرے بن ماں کی بچی ہمارے ہاں اگر چار دن رہنے آجاتی ہے تو بے چاری کو یوں کسی بیماری کو تو نہیں سونپا جا سکتا۔ اس کا باپ کیا کہے گا کہ ہم اس کا خیال بھی نہیں کر سکتے۔" دادی نے زبیدہ کے چہرے پر آئی لٹ کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

"شاہ!

"نہیں! یہ سب ٹھیک نہیں ... یہ ٹھیک نہیں!" زبیدہ ایک بار پھر نیم غنودگی میں وہ ہی الفاظ دُہرا رہی تھی جو گزشتہ تین راتوں سے مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

جب انسان کسی کو ٹوٹ کر چاہتا ہے تو اُس پر اندھا اعتبار بھی کرنے لگتا ہے۔ اور کبھی کبھی اس اندھے اعتبار کی وجہ سے پاؤں ایسی گہرائی میں جا گرتے ہیں، جو اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاتال میں گرا دیتے ہیں اور انسان کی زندگی میں تمام عمر ایک پچھتاوا رہ جاتا ہے۔

دادی نے زبیدہ کو غور سے دیکھتے ہوئے اُس کے کہے الفاظ پر بھی غور کرنے کی کوشش کی۔

"زبیدہ کیا کہہ رہی ہے؟ کیا ٹھیک نہیں ہے؟" دادی نے زیرِ لب پوچھا، یہ سوال اُن کا خود سے تھا لیکن کچھ ایسا ضرور تھا جو اُن کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ یہ پریشانی اُن کے دل کو ستا رہی تھی لیکن وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکاوٹ سید نوازش علی کا خود کا وجود ہے اُس کا خاندان ہے۔'' جج صاحب نے سچائی سے جواب دیا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا کہ لوگ ایسی بھی زندگی گزارتے ہیں۔'' چاند نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا

''اچھا بیٹا! تم ابھی نکل جاؤ، میں بھرجائی کو خود بتادوں گا۔'' جج صاحب نے اپنا چشمہ رومال رگڑتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں!'' چاند کے دل میں رتی بھر آمادگی نہ تھی لیکن تایا کا کہا اُس کے لیے ہمیشہ حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ ڈھیلے قدم اُٹھاتا، اپنے کمرے کی جانب بڑھا تا کہ لباس تبدیل کر سکے۔

''زبیدہ! جانے گاؤں میں ایسا کیا رکھا ہے جو تم بھاگ بھاگ کر وہاں جاتی ہو۔'' چاند نے کڑھتے ہوئے سوچا۔

زبیدہ کی بے نیازیاں اکثر اُس کا دِل جلایا کرتی تھیں۔ اُس کی خاموش محبت کو کبھی بھی زبیدہ نے محسوس نہ کیا تھا۔

❖❖○❖❖

سفر نہایت تھکا دینے والا تھا۔ وہ چار یا پانچ گھنٹے مسلسل گاڑی چلاتا آیا تھا کیوں کہ اُسے دوپہر تک وہاں پہنچنا تھا اور پھر شام سے پہلے وہاں سے نکلنا بھی تھا۔ گاؤں پہنچ کر اُس نے گاڑی روک دی۔

''ملک نواز کا گھر کہاں ہے؟'' اُس نے دو خواتین سے پوچھا جو سر پر چادر کا گٹھر اُٹھائے جارہی تھیں۔ گاؤں میں صرف دو تین ہی گھرانے بے حد خوش حال تھے اس وجہ سے وہ بے حد نمایاں بھی تھے۔

''ملکاں دے گھر جانا اے؟'' پکی عمر کی پکے رنگ والی عورت نے دُوپٹے سے ماتھے کا پسینا پونچھتے ہوئے پوچھا۔

''جی!'' چاند نے مختصر جواب دیا۔

''تسی کون؟'' آگے سے مزید سوال ہوا۔

''میں؟'' چاند کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ وہ بھلا کیسے کہہ سکتا تھا کہ وہ ملک نواز کا سگا پوتا ہے، زبیدہ کے والد تو دادی کے پہلے شوہر کی اولاد تھے پھر بھی ملک نواز زبیدہ کو ہی اپنی پوتی مانتے تھے اور زبیدہ کے والد کو ہی اپنا بیٹا کہتے تھے۔ اپنے سگے بیٹے کی نافرمانی کو وہ آج تک معاف نہ کر سکے تھے اور یہ ناراضی اُس کے اور اُس کی ماں کے حصّے میں آگئی تھی۔

''میں ملک نواز کا رشتے دار ہوں۔'' چاند نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''تو پھر اس والی گلی مُڑ جاؤ۔ وہاں جو پکی حویلی ہوگی جس کا ہرے رنگ کا بڑا سا پھاٹک ہے، وہ ملکوں کا گھر ہے۔'' عورت نے اپنی تسلی کرنے کے بعد چاند کو گھر کا پتا بتایا۔

زندگی میں، رشتوں میں، رویوں میں اگر خوشیاں چاہیں تو معافی کس قدر ضروری ہے، آمرزش کس قدر ضروری ہے۔ آمرزش جو زندگی کی نوید ہے، آمرزش جو روشنی کا رستہ ہے! آمرزش جو ٹوٹے ہوئے راستوں میں پل ہے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑتی ہے!'' چاند میاں نے آسمان پر اُڑتے پرندوں کو دیکھ کر گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''دادا! کاش آپ جان سکتے کہ میرے اندر آپ کے پیار کی کمی کی وجہ سے کتنا بڑا خلا آگیا ہے۔ میں آپ کے گلے سے لگ کر اپنے بابا کا لمس محسوس کرنا چاہتا ہوں!'' چاند نے پانی کی بوتل منہ سے لگالی، پانی بھی بے حد گرم تھا گرم پانی کے گھونٹ اندر تک تلخی اور بے چینی بڑھا گئے۔

''بعض اوقات کچھ رشتے بھی تو گرم پانی کے گھونٹ بن جاتے ہیں۔'' اُس نے لکڑی کے بڑے پھاٹک کی زنجیر بجاتے ہوئے سوچا۔ وہ اس دہلیز تک آتو گیا تھا لیکن اُس کو پار کرنے کی، وہاں کی چھاؤں میں بیٹھنے کی اُس کو اجازت بالکل نہ تھی۔

''کس سے ملنا ہے جی؟'' ملازم نے باہر آکر پوچھا۔

''جج صاحب نے زبیدہ بی بی کو لینے بھیجا ہے۔ اندر جا کر اطلاع کر دیں۔''

''آپ کا نام کیا ہے صاحب؟'' ملازم نے سوال کیا۔

دادی کے پہلے شوہر علوی تھے جج صاحب کے ساتھ اُن کے باپ کا نام لگتا تھا۔ جب وہ اس دنیا میں آیا تو باپ دادا کی شفقت سے محروم ہو چکا تھا اُس کو جج صاحب نے اپنا نام دیا تھا۔ یہ اُس پر اُن کا سب سے بڑا احسان تھا۔

''میرا نام قاسم علوی ہے!'' اُس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ملازم ایک دم چونکا۔

''جی میں اندر اطلاع کر دیتا ہوں۔'' ملازم نے اندر کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

''کون ہے صادق علی؟'' ملک نواز نے کڑکتے لہجے میں پوچھا۔ اُن کی چھڑی کی ٹِک ٹِک اور آواز دونوں ایک ساتھ چاند میاں کے کانوں تک پہنچی تھیں۔

''جی وہ... قاسم علوی صاحب آئے ہیں شہر سے زبیدہ بی بی کو لینے۔'' ملازم نے اٹکتے ہوئے اطلاع دی۔

ملک نواز کی چھڑی پر گرفت ایک دم کمزور پڑ گئی۔

''اندر جا کر بڑی بی بی کو اطلاع دو کہ زبیدہ کو تیار کر کے فوراً بھیج دیں، میں زیادہ دیر تک اُس لڑکے کا وجود اپنے گھر کے باہر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔'' ملک نواز نے اپنے کمزور لہجے پر قابو پاتے ہوئے اُسی گونج دار آواز میں کہا۔

چاند نے تھک کر جیپ کی سیٹ پر سر ٹکا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ایسے ہی سلوک کی توقع رکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی اُسے بے حد دُکھ ہو رہا تھا۔

ملک نواز نے ملازم کے اندر جاتے ہی اِدھر اُدھر دیکھا پھر چوروں کی طرح آگے قدم بڑھائے۔ اور پھاٹک کے ادھ کھلے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔

''وہ کتنا تھکا ہوا تھا، گندمی رنگت گرمی کی حدت سے سرخ ہو رہی تھی، وہ اپنی عمر سے زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ نین و نقش میں وہ ملک نواز سے کس قدر ملتا تھا! وہ اُن کا خون تھا۔'' اُن کے دِل میں ہوک سی اُٹھی۔ دِل چاہا کہ بڑھ کر سینے سے لگالیں، ٹھنڈے کمرے میں بٹھائیں، میٹھا ٹھنڈا پانی پلائیں، ہر وہ پکوان پکوائیں، جو اُسے پسند ہو۔ وہ ایک قدم آگے بڑھے۔

''ملک صاحب آپ کو بڑی بی بی بُلا رہی ہیں۔'' پیچھے سے ملازم کی آواز نے قدم روک دیے اور اُن

کی جھوٹی انا کی دُنیا میں واپس انہیں کھینچ لیا۔

''اچھا تم چلو میں آ رہا ہوں!'' وہ ایک دم بے حد تھک سے گئے تھے انہوں نے مُڑ کر اُس پر ایک پیاں نگاہ ڈالی، وہ ابھی تک اپنے آپ میں گم بیٹھا تھا۔

''صادق!'' انہوں نے کڑکتی آواز میں ملازم کو پکارا۔

''جاؤ اُسے ٹھنڈا شربت پلاؤ! ہمارے دروازے پر دُشمن بھی آئے تو سوکھے مُنہ نہیں جاتا۔'' انہوں نے اُسے سناتے ہوئے کہا۔ چاند نے مُڑ کر دیکھا لیکن وہ اپنی سُنا کر اندر جا چکے تھے۔

''جی ملک جی!'' صادق ایک بار پھر الٹے قدموں مُڑا۔

چاند نے ایک افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ شربت کا گلاس تھام لیا۔ ٹھنڈے پانی میں شکر اور ستو گھولے گئے تھے۔ صادق اُسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جو گلاس تھامے جانے کس سوچ میں گم تھا۔

''صاحب!'' صادق کی آواز پر وہ ایک دم چونک گیا۔

''پانی پی لو!''

''واپس لے جاؤ چاچا!'' چاند نے گلاس واپس کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن کیوں! اتنی دور سے آئے ہو، پیاس سے حال بُرا تو ہوگا؟'' صادق نے گلاس لینے کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا۔

''لے لو چاچا! اگر پلانے والے کی آمادگی نہ ہو تو پینے والا پانی پی کر بھی پیاسا رہ جاتا ہے! پھر ایسے پانی کا کیا فائدہ؟'' چاند نے گلاس اُسے تھما دیا۔

اُسی پَل ملازمہ کے سہارے زبیدہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ باہر آئی۔ چاند نے ایک دم آگے بڑھ کر اسے تھام لیا اور بہت احتیاط سے گاڑی میں لا کر بٹھایا، جیسے وہ کانچ کی بنی ہو۔

''چلیں زبیدہ؟'' چاند نے جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں!'' زبیدہ نے نقاہت سے جواب دیا۔

گاڑی کی رفتار ذرا تیز ہوئی تو ہَوا کے گرم تھپیڑے چہرے پر پڑنے لگے۔ چاند نے ایک دم گاڑی روک دی، زبیدہ جو بے خبر سو رہی تھی ایک دم جاگ گئی۔

''کیا ہوا؟'' زبیدہ نے سرخ آنکھیں کھول کر پوچھا۔

''کچھ نہیں؟ گرمی زیادہ ہے، میں جیپ کی چھت بند کر رہا ہوں۔'' اوپن جیپ کو چاند نے دیکھتے ہی دیکھتے کوَر کرتے ہوئے کہا۔

زبیدہ نے اثبات میں سر ہلا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

پھر وہ ایک دم چونک گئی اُس کے نقاہت بھرے وجود میں ایک بجلی دوڑ گئی، وہ ڈیرے کے پاس کھڑے تھے اور ابھی ابھی اُس کے سامنے سید سرفراز جیپ سے اُتر کر اندر گیا تھا۔

''چاند!'' زبیدہ نے سرسراتے لہجے میں اُسے پُکارا۔

''ہوں!'' چاند گاڑی اسٹارٹ کرنے کے لیے برابر میں آ بیٹھا۔

''مجھے ذرا کچھ دیر کے لیے اندر جانا ہے!'' زبیدہ کی ایک دم فرمائش پر چاند حیران ہوا۔

''یہاں کیا ہے؟'' چاند نے حیرت سے پوچھا۔

''میری دوست مریم یہاں آئی ہوئی ہے اور یہ گاڑی اُسی کی ہے میں جانے سے پہلے اُس سے ملنا اتی ہوں۔'' زبیدہ نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

چاند کچھ ہچکچایا۔ لیکن آج تک اُس نے زبیدہ کی کوئی بھی بات نہ ٹالی تھی۔

''لیکن میں تمھیں اکیلے کیسے جانے دوں؟ یہ جگہ بھی خاصی سنسان ہے!'' چاند نے اعتراض کیا۔

''پلیز چاند! بس پانچ منٹ میں واپس آ جاؤں گی۔'' زبیدہ نے مزید پوچھنا اور رُکنا گوارا نہ کیا اور پ سے اُتر کر آگے بڑھ گئی۔

''زبیدہ رُکو میں ساتھ چلتا ہوں۔'' چاند نے جیپ کو لاک کرتے ہوئے اُسے آواز دی۔

''نہیں! تم یہاں رُکو! اور پلیز تم میرے پیچھے نہ آنا، میں پانچ منٹ میں واپس آ جاؤں گی۔'' زبیدہ لے ایک دم چیخ کر کہا۔

زبیدہ کے لہجے اور چہرے پر اس قدر تناؤ تھا کہ چاند کے بڑھتے ہوئے قدم ایک دم سے رُک گئے۔

زبیدہ تقریباً بھاگتی ہوئی اندر گئی کچھ روز پہلے یہ جگہ اُسے خوابوں کی جگہ لگتی تھی، جہاں وہ اور اُس کا ابوں کا شہزادہ ملنے والے تھے۔ لیکن وہ خواب ایک دم ڈراؤنی تعبیر میں بدل جائیں۔ گے اُس نے سوچا ل نہ تھا۔ ایک پَل بس ایک پَل! اُس کمزور پَل جب اُس کے قدم ڈگمگا گئے تھے اور وہ سید سرفراز کی ہت درازی کو روک نہ سکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سید سرفراز کا کمرا کون سا ہے اس لیے وہ دبے قدموں اسی لوری بیڈ روم کی جانب بڑھی، جہاں اس کا سب کچھ لٹ گیا تھا۔

اندر قہقہوں کی آوازآ رہی تھی اور ان میں ایک آواز سید سرفراز کی بھی تھی۔ اُس پَل اُس کا دھیان ہری آوازوں پر ہرگز نہیں گیا تھا وہ صرف سید سرفراز کی آواز کو سُن رہی تھی وہ صرف اُس سے بات کرنا اہتی تھی اُس نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا۔ اندر ایک دم سناٹا چھا گیا۔

سید سرفراز کے دو تین دوست شراب سے شغل کر رہے تھے۔ سید سرفراز کے ماتھے پر بَل ایک دم نمایاں اگئے۔

''اوہو! یار تم تو کہہ رہے تھے کہ آج لڑکی کا انتظام نہیں ہے! پھر یہ گوری گوری ملائم سی مکھن کی ڈلی ان ہے؟'' سید سرفراز کے اوباش دوستوں میں سے ایک نے اپنی گندی نگاہوں سے زبیدہ کا طواف رتے ہوئے کہا۔

زبیدہ کو اپنے حلیے اور اپنی پوزیشن کی پروا ہرگز نہ تھی۔ وہ اس پَل کچھ دیکھ اور سمجھ نہیں پا رہی تھی، اُس نگاہیں صرف سید سرفراز پر تھیں۔

''شاہ!'' زبیدہ نے اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟ میں نے تمھیں بلایا تو نہیں تھا۔'' سید سرفراز نے دبے دبے لہجے میں کہا یہ بات تھی کہ اُس کا لہجہ چنگاریوں سے بھرا تھا۔ اُس کا بس چلتا تو زبیدہ کو نِگاہوں سے بھسم کر دیتا۔

''شاہ! مجھے تم سے بات کرنی ہے!'' زبیدہ نے جلدی سے کہا۔

''کر لینا۔ کچھ باتیں ہم سے بھی ہو جائیں۔'' سید سرفراز کے دوستوں میں سے ایک آگے بڑھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چوہدری غضنفر!'' سید سرفراز نے اشارے سے اُسے روکا۔

''کیا ہوا یار؟ ہم تو ہمیشہ مل بانٹ کر کھاتے ہیں۔'' سید سرفراز کے دوست نے ہنستے ہوئے کہا۔

سید سرفراز کی نگاہوں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ رُک گیا۔

''تم چلو باہر...!'' سید سرفراز اُسے باہر دھکیلتے ہوئے لے آیا۔

''کیا بات کرنی ہے؟ اور یوں بِنا بلائے مُنہ اُٹھا کر کیوں آ گئی ہو؟ یہاں طرح طرح کے لوگ آ ہیں۔'' سید سرفراز پھنکار کر بولا۔ وہ اگر سید نوازش علی کے دوست کی بیٹی نہ ہوتی تو وہ کبھی لحاظ نہ کرتا۔

''شاہ!'' زبیدہ کے لب لرزے۔

''اُس دن جو کچھ...'' زبیدہ کے حلق میں لفظ اٹکنے لگے۔

سید سرفراز نے ماتھے پر بَل ڈال کر اُسے دیکھا۔

''میرا مطلب ہے جو کچھ ہمارے بیچ ہوا، وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' زبیدہ نے سوکھے لبو پھیرتے نگاہیں چُراتے ہوئے کہا۔

''تو تم یہاں یہ کہنے آئی ہو!'' سید سرفراز نے بے پروائی سے کہا۔

زبیدہ نے زخمی نظروں سے اُسے دیکھا وہ کتنا بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ یا وہ تھا ہی ایسا، وہ اُس کی اص نہ جان سکی تھی۔

''شاہ پلیز!''

''اُس دن میں نے کوئی زبردستی تو نہ کی تھی!'' یہ سب کچھ سید سرفراز کہہ رہا تھا، جس کا پاگلوں انداز ہر بند توڑ گیا تھا۔

''شاہ! اَب ہمیں شادی کرلینی چاہیے!'' زبیدہ نے ہانپتے ہوئے کہا۔ بے شک اُسے اتنا کہنے بے حد دشواری ہوئی تھی۔

''کیا کہا تم نے؟'' سید سرفراز نے ایسے پوچھا، جیسے اُسے اس بات کی سمجھ نہ آئی ہو۔

''یہی کہ اَب ہمیں شادی کرلینی چاہیے...!'' زبیدہ نے منت بھرے انداز میں کہا۔

''شا... شادی۔'' سید سرفراز کا قہقہہ بے ساختہ تھا جیسے اُس نے کوئی بہت بڑا لطیفہ سنا ہو۔

''شاہ! تم ایسے، کیسے ہنس رہے ہو؟ جب ایک لڑکی کسی کو اپنا سب کچھ سونپ دیتی ہے تو ساری ع اُس کی رہتی ہے۔'' زبیدہ نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''زبیدہ! تم تو پڑھی لکھی شہر کی لڑکی ہو، تم نہیں جانتیں کہ ہم لوگ خاندان سے باہر شادی کرتے۔'' سید سرفراز نے زبیدہ سے خاصا دِل رکھنے والا بہانہ بنایا ورنہ اُس کا تو دِل کررہا تھا کہ صاف اُس سے یہاں سے نکل جانے کو کہے۔

''لیکن ... پھر تم نے میرے ساتھ وہ سب کچھ...؟'' زبیدہ کے حلق میں آنسوؤں کے گولے لگے۔

''وہ سب کچھ تمہاری مرضی سے ہوا تھا!'' سید سرفراز نے سفاکی سے کہا۔

''شاہ! تم میری محبت کا یوں مذاق نہیں اُڑا سکتے؟'' زبیدہ چلائی۔

''چلاؤ نہیں، اور یہاں سے چلی جاؤ۔ اور ہاں تمہارے لیے اچھا ہوگا کہ تم میرے اور اپنے بیچ اُس یاد کو بھول جاؤ۔'' سید سرفراز نے ہر بات سے مکرتے ہوئے کہا۔

''سید سرفراز! تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے؟'' زبیدہ نے اونچی آواز میں رونا شروع کردیا پھر وہ آگے بڑھ کر اُسے جھنجوڑنے لگی۔

''تمہارے لیے اچھا یہی ہوگا، چپ چاپ ہر بات کو پی جاؤ۔'' سید سرفراز نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم برابر کے شریک ہو! اور میں سب کو بتادوں گی۔'' زبیدہ نے دھمکی دی۔

''میرا کیا جائے گا؟ بدنامی تمہاری ہی ہوگی اور میں اگر نہ مانوں تو تم کیسے ثابت کروگی۔ میں تمہارے اور اپنے بابا کی دوستی کا لحاظ کر رہا ہوں، ورنہ میں ہر لڑکی پر یوں اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔'' سید سرفراز نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

''شاہ! میری بات سنو!'' زبیدہ اُس کی جانب لپکی۔

''زبیدہ!'' سید سرفراز دھاڑا۔

''چلی جاؤ یہاں سے...'' اُس نے اپنا بازو چھڑا کر زبیدہ کو دھکا دیا۔

زبیدہ لڑکھڑاتے ہوئے دور جا گری لیکن زمین پر گرنے سے پہلے دو ہاتھوں نے اُسے تھام لیا۔ زبیدہ نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے سر اُوپر اُٹھا کر دیکھا۔ وہ چاند تھا۔ بے حد سنجیدہ!

چاند نے بڑی کڑی نظروں سے سید سرفراز اور زبیدہ کو دیکھا۔

''چاند! وہ...'' زبیدہ سے مزید کوئی بات نہ ہو رہی تھی۔

''چلو زبیدہ...'' چاند نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''چاند مجھے بات کرنے دو!'' زبیدہ منمنائی۔

''چلو۔'' چاند نے اُس کے بازو کو سختی سے تھام کر باہر کا رُخ کیا۔

زبیدہ بے جان قدموں سے لڑھکتی ہوئی اُس کے ساتھ جیپ تک آئی اور بے دم ہو کر سیٹ پر آ پڑی۔ چاند نے جس تیز رفتار سے گاڑی چلانی شروع کی تو گھر آکر بریک لگایا۔ سارے راستے وہ مسلسل گاڑی چلاتے آیا تھا۔ ہونٹ بھینچے، ماتھے پر گہری سوچ کی لکیریں لیے وہ سامنے ہی دیکھتا آیا تھا۔ اُس نے ایک پَل کو بھی مُڑ کر زبیدہ کو نہ دیکھا نہ اُس سے کوئی بات کی تھی۔ زبیدہ کچھ دیر تو ہوش میں رہی پھر بخار کی شدت سے بے سُدھ ہوگئی۔ لیکن چاند نے مُڑ کر اُسے نہ دیکھا۔

گاڑی پارک کرکے اُس نے باہر آتی ملازمہ کو زبیدہ کو اندر لے جانے کو کہا۔ جاتے جاتے ایک نگاہِ غلط اُس نے زبیدہ پر ڈالی۔ سبز کپڑوں میں اُس کا چہرہ ہلدی کی طرح پیلا ہو کر بے حد نمایاں ہو رہا تھا۔

''زبیدہ! تم سے میری محبت اس قدر پاکیزہ تھی! تم خود جس قدر معصوم اور پاکیزہ تھیں میں کیسے مان لوں کہ جس لڑکی کو میں بچپن سے پیار کرتا آیا وہ...'' وہ سر جھٹکتا تقریباً بھاگتا ہوا اپنے کمرے میں آیا۔ س کا سارا وجود جل رہا تھا وہ بے حد سلگ رہا تھا اُس نے باتھ روم میں گھس کر شاور کھول دیا کپڑوں سمیت جانے وہ کتنی دیر بھیگتا رہا۔ آخر تھک ہار کر وہ فرش پر بیٹھ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں؟ کیوں خوشیاں مجھے راس نہیں آتیں، کیوں رشتے مجھے راس نہیں آتے؟ کیوں میرا ہر راہ بننے سے پہلے ہی بگڑ جاتا ہے؟" چاند نے پاس پڑا جوتا شیشے پر دے مارا۔ باتھ روم کا شیشہ چکنا چور ہوگیا بالکل اُس کے دِل کی طرح!

اور پہلی بار چاند زندگی کے اِس مذاق پر دھاڑیں مار کر رو دیا۔

❖❖○❖❖

"وے جورے جا، جا کر میرے لال کو لے آ!" جورے کی بیوی کا رو رو کر گلا خشک ہوگیا تھا۔ جورا سر جھکائے چپ چاپ یوں بیٹھا تھا، جیسے وہ بے جان بُت ہو۔

"وے جورے! تو بولتا کیوں نہیں؟ جورے!" جورے کی بیوی بین کرتے کرتے ادھ موئی ہورہی تھی۔

"ایک بوٹی، صرف ایک بوٹی میرے بچے نے کھائی تھی اتنے سالوں سے ایک اوجڑی تک ہم نے نہ پکائی تھی چھ مہینے سے میرا بچہ ایک بوٹی صرف ایک بوٹی مانگ رہا تھا۔ ہائے میں کرموں جلی اِن ہاتھوں سے میں نے اُسے موت پکا کردی!" جورے کی بیوی نے زور سے ہاتھ دیوار پر دے مارے۔

"میرا بچہ! میرا لال! ہائے..." وہ منہ اونچا کر کے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

"میرا بچہ!

"وے جورے تو بولتا کیوں نہیں، ہمارا بچہ انسان کا بچہ تھا! کیا انسان کا بچہ کتوں سے بھی گیا گزرا تھا؟ ہائے اُن کتوں کے آگے میرے بچے کو ڈال دیا! میرا بچہ!" وہ پھر منہ اونچا کر کے رونے لگی۔

"ہم تو کتوں سے بھی کم تر ہیں۔ کاش ہم کتے ہی ہوتے، کوئی ہمارے بچے کو یوں نہ مارتا!" جورے کی ماں ہذیان بکنے لگی۔

جورے نے ایک دم سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ کوئی بارہ گھنٹے بعد اُس نے اپنی پوزیشن بدلی تھی۔

کاش ہم کتے ہی ہوتے!

"ہائے ربا! میرا لال! تو مجھے بھی اُٹھا لے! بڑا درد ہے، نہیں برداشت ہوتا یہ درد۔" جورے کی بیوی نے پاس پڑی کچی ہانڈی اُٹھا کر دیوار پر دے ماری۔

"بول جورے بول! تجھے میرے سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔ تو اگر آج نہ بولا تو قیامت کے دِن تو میرا جواب دہ ہوگا۔ بول کہاں ہے میرا پُتر؟ کہاں ہے وہ؟"

"ارے ظالم اُس کی تو ہڈیاں تک وہ کتے کھا گئے۔ ہائے میں مَر کیوں نہیں جاتی! بول جورے!" جورے کی بیوی نے اُسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"بھوں، بھاؤں، بھوں!" جورا ایک دم بھونکنے لگا۔

"جورے؟" جورے کی بیوی نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"بھوں۔ بھوں!" جورا کتوں کی طرح بھونکتے بھونکتے غرّانے لگا۔ پھر کتوں کی طرح منہ اونچا کر کے کتوں کی آواز میں رونے لگا، جورے کی بیوی کا سانس سینے میں ایک دم اٹک گیا۔

جورا اپنے حواس کھو چکا تھا لیکن اُس کا وجود بین کر رہا تھا، احتجاج کر رہا تھا، انصاف مانگ رہا تھا۔ ظالم کی رسی کتنی ہی کیوں نہ دراز ہو، اِک دِن پھندا اُس کے گلے میں ضرور پھنستا ہے۔

"تیرا بیڑا غرق ہو سید نوازش علی! تو نے جو آگ اِس ماں کے دِل میں لگائی ہے وہ آگ تیری نسلوں کو لگے، تجھے خوشیاں کبھی راس نہ آئیں، تیرے گھر بھی آگ لگے، تو بھی بیٹوں کا درد اُٹھائے!" جورے کی بیوی منہ اُٹھائے، سسکتے ہوئے سید نوازش کو بددُعائیں دے رہی تھی، جب کہ جورا منہ اوپر اُٹھائے کتوں کی طرح رو رہا تھا، بلک رہا تھا۔ آج ایک انسان نے اپنی پہچان کھو دی تھی اور اللہ کا عذاب کسی لاوے کی طرح سید نوازش علی کا منتظر تھا۔

❖❖○❖❖

"کیا ہوا شاہ صاحب؟" زلیخا بی بی نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ ابھی ابھی ملازمہ انہیں سید نوازش علی کا بلاوا دے کر گئی تھی۔

"وہ..." سید نوازش علی جو بے چینی سے کمرے میں چکر لگا رہے تھے ایک دم رُک گئے۔

"وہ سید عاشق علی کی طبیعت انگلینڈ میں خراب ہوگئی ہے، ہمارے شہر والے بنگلے میں اُس کا فون آیا تھا شہر سے بندہ ابھی خبر لے کر آیا ہے۔"

"پھر؟" زلیخا بی بی نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"اُس کا کہنا ہے کہ عبداللہ اور عائشہ کا فوراً نکاح کر دیں۔" سید نوازش علی نے وہ اہم اطلاع اُن کو دی بس کو بتانے کے بعد انہوں نے زلیخا بی بی کو بلایا تھا۔

"کب تک یہ کام کرنے کا ارادہ ہے؟" زلیخا بی بی نے پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ سید نوازش علی اُسے صرف اطلاع دے رہے ہیں۔

"آج شام ہی نکاح ہوگا۔ تم کوئی رونق میلا کرنا چاہتی ہو تو کرلو۔"

"ہاں! لڑکیوں کو شگن میں پچیس پچیس تولے سونے کا سیٹ ہماری طرف سے دینا، آخر اُن کے ویر کی پہلی خوشی ہے۔" سید نوازش علی نے خوشی سے کہا۔

"تم ابھی شہر چلی جاؤ، دو گھنٹے میں بچیوں کے اچھے سے کپڑے لے آؤ۔ ہاں عائشہ کے لیے اچھا سا جوڑا لانا تمہیں جو کچھ کرنا ہے اِن چند گھنٹوں میں ہی کرنا ہے۔" سید نوازش علی نے ہتھیلی پر سرسوں جماتے ہوئے کہا۔

"شاہ جی! وقت اتنا کم ہے سب کچھ کیسے ہوگا۔ اگر کل شام کا وقت رکھ لیں تو!" زلیخا بی بی جانتی تھیں کہ انہیں رائے دینے کا حق نہیں پھر بھی وہ کہے بنا نہ رہ سکیں۔

"نہیں! ہم نے جو کہا ہے ویسے ہی ہوگا۔" سید نوازش نے اٹل لہجے میں کہا۔

زلیخا بی بی نے گہری سانس لی، اَب اُن کے پاس جادو کی چھڑی تو تھی نہیں جو اتنے کم وقت میں یہ سب کچھ ہو سکتا۔ پھر بھی وہ اچھا جی کہہ کر باہر آ گئیں۔

عائشہ کے لیے انہوں نے سُرخ رنگ کا وہ لباس نکالنے کا سوچا جو انہوں نے بہت چاؤ سے سدرہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے بنوایا تھا۔

"اللہ کرے میری سدرہ، مریم پر بھی ایسا خیر کا وقت آئے تو میں اِس سے بھی پیارا جوڑا تیار کرواؤں گی کہ دنیا دیکھے گی۔" وہ خود کو تسلیاں دیتی ہوئی کپڑے نکال رہی تھیں۔

"امّاں جان آپ نے ہمیں بلایا؟" مریم، سدرہ کے ساتھ اُن کے کمرے میں داخل ہوئی۔

زلیخا بی بی اپنے سامنے اٹیچی کیس کھولے بیٹھی تھیں۔ پاس ہی اُن کے زیورات کے ڈبے پڑے تھے۔

"آؤ لڑکیوں! تمہارا انتظار تھا۔" ریحانہ بی بی جو ایزی چیئر پر بیٹھی جھول رہی تھیں انہوں نے جواب دیا، ریحانہ بی بی کا رُواں رُواں سلگ رہا تھا ابھی سید سرفراز کو خبر نہ ہوئی تھی، ابھی تو اُس کی طوفانی طبیعت کا سامنا باقی تھا۔ ریحانہ بی بی نے لاکھ چاہا کہ یہ رشتہ ٹوٹ جائے لیکن سید نوازش علی کے ہاں اچانک فیصلہ لینے پر وہ کچھ بھی نہ کر سکیں۔ اَب اُن کی سازشی طبیعت مختلف پلان سوچ رہی تھی۔ جب وہ کچھ نہ کر پاتیں تو اپنی باتوں سے سامنے والے کو اِس قدر اذیت دیتیں کہ سامنے والا ہمیشہ تڑپتا رہتا تھا۔

"بڑی امی خیریت ہے کس بات کی تیاری ہے؟" مریم نے ریحانہ بی بی سے پوچھا، جو چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ لیے بیٹھی تھیں۔

"تمہارے بھائی کی شادی ہو رہی ہے!" ریحانہ بی بی نے جواب مریم کو دیا تھا لیکن وہ چہرہ سدرہ کا دیکھ رہی تھیں۔ سدرہ کا چہرہ ایک دم فق ہوگیا۔ شادی بیاہ، ڈھولک کی آواز سے سدرہ کی طبیعت گھبرانے لگتی تھی۔

"سدرہ بیٹا اِدھر بیٹھو!" زلیخا بی بی نے اُسے منت بھرے لہجے میں اپنی جانب پکارا۔

سدرہ چپ چاپ اُن کے پاس آ بیٹھی۔

"دیکھو، یہ کپڑے میں نے تم دونوں کے لیے نکالے ہیں۔ اگر تم کو پسند نہیں ہیں تو بتادو پھر میں جا کر خرید لاؤں گی۔ شام میں نکاح ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے۔" زلیخا بی بی جلدی جلدی کہتے مسلسل سدرہ کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

سدرہ بالکل گم صم تھی، جیسے وہ اپنے آپ میں نہ ہو۔ زلیخا بی بی کا دِل گھبرانے لگا اُن کے لیے تو بیٹیاں دونوں برابر تھے۔

"بیٹا! میں پوچھ رہی تھی کہ کون سے کپڑے پسند ہیں۔" زلیخا بی بی نے ڈرے ڈرے لہجے میں پوچھا کیوں کہ وہ سدرہ کی آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت دیکھ رہی تھیں۔

"کپڑے!"

"امّاں... یہ کپڑے نہیں، یہ تو خون ہے خون! اس میں فاطمہ پھوپو کا خون لگا ہوا ہے۔" سدرہ نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیٹا... یہ" زلیخا بی بی کہتے کہتے رُک گئیں کیوں کہ سدرہ قہقہے لگا کر ہنسنے لگی تھی۔

"امّاں میرے بھائی کی شادی ہے! میرے بھائی کی شادی!" سدرہ ہنستے ہنستے رونے لگی۔

اُسی پل عائشہ بھی اندر داخل ہوئی۔ اُسے بھی زلیخا بی بی نے کپڑے اور زیور پسند کرنے کے لیے ا... تھا۔

"عائشہ!" سدرہ اُس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"عائشہ تیری شادی ہو رہی ہے مبارک ہو، تجھے مبارک ہو! اَب تیرے ہاتھوں میں مہندی لگے گی، تو ...ا بنے گی۔ تیرے لیے اِس چار دیواری کا قید خانہ، نہ ہوگا۔ مبارک ہو تمہیں عائشہ!" سدرہ نے عائشہ ...کو تھام کر کہا۔

"تم اَب مکمل ہو جاؤ گی! میری یا مریم کی طرح ادھوری عورت نہ کہلاؤ گی۔ تمہارے بھی پیارے ...ے بچے ہوں گے، تمہیں کوئی چاہنے والا ہوگا۔ کوئی نہ کوئی قدر دان ہوگا لیکن... لیکن میں تمہیں دُعا ...گی کہ تمہاری کوئی بیٹی نہ ہو، تمہیں بیٹی کا درد نہ ملے۔" سدرہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

عائشہ تو ایک دم سہم گئی، اُس سے تو کچھ بولا ہی نہ گیا۔

"آپی! تم بھائی کی شادی پر خوش نہیں ہو؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"میں خوش ہوں، بہت خوش ہوں!" سدرہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"لیکن مریم! کیا خوشیاں صرف بھائیوں کے لیے ضروری ہیں؟"

"بے ادب لڑکی! تم میں رتی بھر حیا نہیں؟ تمہیں ہر وقت اپنی شادی کی پڑی رہتی ہے۔ شادی، ...ادی۔"

"کیا بات ہے سدرہ تم سے اپنی جوانی سنبھالی نہیں جا رہی؟" ریحانہ بی بی نے ایک دم غصّے سے ...لتے ہوئے اُس کے پاس آ کر کہا۔

"یہ آپ کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں؟" زلیخا بی بی نے تڑپ کر ریحانہ بی بی سے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں زلیخا، اپنی بیٹی اور اُس کے جذبات کو سنبھالو، ایسا نہ ہو کل کو یہ کوئی گل کھلائے اور ...ے بھائیوں کے ہاتھ اپنے گندے خون سے رنگ دے۔ تم اِس کو روکو۔" ریحانہ بی بی نے زلیخا بی بی ...ے غصّے سے کہا۔

"آپ میری بیٹیوں کو گندا خون کہہ رہی ہیں؟" زلیخا بی بی کی آواز بھی اِس بار بلند ہوگئی۔

"جو بیٹیاں اِس طرح کی حرکت کریں اُن کو یہی کہا جاتا ہے یہاں؟" ریحانہ بی بی نے بے خوف ...از میں کہا۔

زلیخا بی بی تو تھک کر یوں بیٹھ گئیں، جیسے اَب دوبارہ کبھی اُٹھ نہ سکیں گی۔ بیٹیاں اُن کی کمزوری بن ...ا تھیں۔ زلیخا بی بی کو یوں ہاتھ پاؤں چھوڑتے دیکھ کر عائشہ اور مریم دونوں فوراً اُن کی جانب بڑھیں۔

"تائی جان! آپ کو پانی دوں؟" عائشہ نے اُن کے ٹھنڈے ہاتھ مسلتے ہوئے پوچھا۔ سدرہ بھی کچھ ...اسوں میں آئی تھی۔

"امّاں جان! معاف کر دیں میری وجہ سے آپ پریشان ہوگئیں۔" سدرہ کو اچانک اپنی بے بسی پر ...، حد شرمندگی ہوئی، پہلے کبھی اُس کے جذبات اِس قدر بے قابو نہ ہوئے تھے لیکن جب سے وہ فیصل کو ...چنے لگی تھی اُس کے تصوّر کا ہیولا بھرپور شکل کے ساتھ اُس کے سامنے آ گیا تھا۔ ایسے میں جب زندگی ...ئی نوید سناتی نظر نہ آتی تو وہ بے حد گھٹن محسوس کرتی اور بے اختیار ایک وحشت سی اُس پر طاری ...ہاتی، اُس وحشت میں ہی وہ اول فول بولنے لگتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بیٹا! کون ماں ہوگی، جو اپنی اولاد کی خوشیاں نہ چاہے گی؟ تم میری جانب سے کبھی بدگمان نہ تمہاری ماں خود بڑی بے بس ہے!" زلیخا بی بی نے ہانپتے ہوئے سدرہ سے کہا۔

"لیکن اِس کمزور ماں کی دُعائیں وہ رب سوہنا ضرور سنے گا۔" زلیخا بی بی نے دھیرے سے کہا۔

"انشا اللہ!" عائشہ نے با آواز بلند کہا۔

"ہرگز نہیں! ریحانہ بی بی نے یہ دل ہی دل میں کہا اور فوراً کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ سب ل اِس خوشی کے موقع پر دل آزاری چاہتی تھیں اُن کا کام ہوگیا تھا۔ اِن سب کو دُکھی کر کے اُن کا دل ٹھ تھا۔

"ہونہہ! تم لوگوں کو کبھی خوشیاں راس نہ آئیں گی!" ریحانہ بی بی نے تنفر سے سوچا۔ ابھی وہ را میں تھیں کہ سید سرفراز غصّے سے پھنکارتا اُن کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"امّاں جان! میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ عائشہ کی شادی آپ کو مجھ سے کروانی ہے!" سید سر نے حسبِ معمول اپنی ضد دُہرائی۔

"پاگل ہوگئے ہو لڑکے!" ریحانہ بی بی نے زِچ ہو کر کہا۔

"اچھا اندر چلو! اندر چل کر بات کرتے ہیں!" ریحانہ بی بی نے یوں سرِ راہ بات کرنا مناسب سمجھا۔

"امّاں جان! آپ نے آخر کچھ کہا کیوں نہیں؟" سید سرفراز نے ناراضی سے کہا۔

"کرنے کے لیے مناسب وقت اور موقعے کی تلاش تھی اور تمہارے بابا کے اچانک فیصلے نے ا کرنے ہی نہ دیا۔" ریحانہ بی بی نے اپنی مجبوری بتائی۔

"ٹھیک ہے پھر مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا!" سید سرفراز پھنکارتے ہوئے ایک دم باہر نکل گیا۔

"لیکن تم کرو گے کیا؟" ریحانہ بی بی نے پریشان ہو کر پیچھے سے آواز دی۔

"جو میرا دِل چاہے گا!" سید سرفراز کہہ کر رُکا نہیں باہر نکل گیا۔ ریحانہ بی بی نے دہل کر دِل پر ہا رکھا۔

"اِس لڑکے کے تیور اچھے نہیں لگتے!" وہ خود سے بولیں۔

❖❖○❖❖

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ ہمارے گاؤں میں کوئی پڑھا لکھا نوجوان بھی ہے۔" سید عبداللہ نے فیص سے کہا۔

اُس روز فیصل کو سید نوازش علی سے بچانے والا عبداللہ ہی تھا۔ پھر عبداللہ نے خود فیصل کو بلایا اُسے پڑھا لکھا نوجوان بے حد پسند تھا۔ دو تین ملاقاتوں میں وہ فیصل سے بے حد بے تکلف ہوگیا تھا اور اُ میں دوستی ہوگئی تھی اور سید عبداللہ کو فیصل سے خاص طرح کا لگاؤ ہوگیا تھا۔

"لیکن آپ کے والد صاحب کو دیکھ کر نہیں لگتا کہ انہیں اِس طرح کی خوشی محسوس ہوئی ہو۔" فیصل نہ چاہتے ہوئے بھی لہجہ تلخ ہوگیا۔

"کم آن یار! اُن کے خیالات سے تو سب واقف ہیں۔ ویسے از نائس مین!" سید عبداللہ نے اپنے پ کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"تو اپنے نائس باپ سے ہسپتال یا چھوٹی سی ڈسپنسری کی اجازت تو لے کر دکھائیں۔" فیصل نے دل ل میں کہا۔

"میرا دِل چاہتا ہے کہ اپنے گاؤں میں بھی میڈیکل ایڈ کی سہولت میسّر ہو۔" سید عبداللہ نے جھاڑیوں ایک بڑی سی چھڑی سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ وہ اِس وقت واک کرتے کرتے گاؤں سے دُور نکل آئے فیصل کے دِل میں جو کچھ دیر پہلے سید عبداللہ کے لیے بدگمانی آ گئی تھی، اُسے اُس پر شرمندگی ہوئی، د عبداللہ بے شک دل کا بہت اچھا انسان تھا۔

"تم اِس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟" سید عبداللہ نے اُس سے اُس کی دلی رائے مانگی۔

"میری تو خود دلی آرزو ہے کہ میں یہاں پریکٹس کروں۔" فیصل نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے تم رف سا پلان بنا کر مجھے دو، میں اپنی زمین پر ایک چھوٹا سا ہسپتال بنانا چاہتا ں۔" سید عبداللہ نے فوراً کہا۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ آپ جیسا انسان ہمارے گاؤں میں موجود ہے!" فیصل نے گرم جوشی سے س کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

سید عبداللہ بھی خوش دِلی سے مسکرایا۔

"تم مجھے ایک دم اپنے اپنے سے لگے ہو، میری خواہش ہے کہ تم ہمیشہ میرے اچھے دوستوں میں شامل ہو۔" سید عبداللہ نے اپنی دِل کی بات واضح کی۔

"انشا اللہ!" فیصل نے کہا۔

اُسی پَل ایک سنسناتی ہوئی گولی سید عبداللہ کے بازو کو چیرتی ہوئی گئی۔ سید عبداللہ تڑپ کر نیچے گرا۔

"عبداللہ!" فیصل نے چیخ کر اُسے پکارا۔

پھر اُس پر مسلسل فائرنگ شروع ہوگئی۔ فیصل، عبداللہ کی ڈھال بن کر اُسے بچاتا ہوا دُور لے آیا پھر ک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں ہو کر اُس نے سید عبداللہ کو لٹا دیا۔ حملہ آور منہ پر کپڑا باندھے شکاری توں کی طرح اُن کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

"یار سلطان! میں نے بڑا تاک کر عبداللہ شاہ کا نشانہ لیا تھا، اُس کا بچنا مشکل ہے! تم بے فکر ہو کر لو۔" اُن میں سے ایک آدمی نے کہا۔

سید عبداللہ کی درد سے چیخیں نکل رہی تھیں، جنہیں فیصل کے ہاتھ نے دبا کر رکھا تھا۔

"لیکن یار! شاہ صاحب کا حکم ہے کہ سید عبداللہ بچ نہ پائے۔" دوسرے نے کہا۔

"اوئے میرا نشانہ بڑا ظالم ہے۔" دوسرے نے اکڑ کر کہا۔

"لیکن وہ دونوں گئے کہاں؟" پہلے نے سوال کیا۔

ابھی وہ سوال کر ہی رہے تھے کہ سامنے سے دو جیپیں آتی نظر آئیں، جو حویلی ہی کی تھیں۔ انہوں نے اِس سے بھاگنا بہتر سمجھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فیصل نے اُن کو بھاگتے دیکھ کر فوراً سید عبداللہ کو کندھوں پر اُٹھایا اور راستے میں آ کھڑا ہوا۔ اُسے سید عبداللہ کو ہسپتال پہنچانا تھا۔ جیپیں اُن کے پاس آ رُکیں۔

"اوئے جوان! کون ہو تم؟" جیپ سے ایک آدمی نے اُتر کر پوچھا اور پھر اُس کا سوال منہ میں ہی رہ گیا۔ سید عبداللہ خون میں لت پت سامنے تھا۔

"سائیں!" آدمی نے گھبرا کر سید عبداللہ کو دیکھا اور جیپ کی جانب بڑھ گیا۔

"کیا ہوا رمضان؟" جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی زلیخا بی بی اور سدرہ بی بی جو شہر جا رہی تھیں، انہوں نے پوچھا۔

"بی بی جی! وہاں تو سید عبداللہ زخمی حالت میں راستے میں پڑے ہوئے ہیں۔" رمضان نے گھبرا کر کہا۔

"میرے اللہ! زلیخا بی بی گھبرا کر باہر نکل آئیں پیچھے ہی سدرہ بھی گھبرا کر چلی آئی۔ دونوں نے بڑی بڑی چادروں میں نقاب کر رکھے تھے۔

"میرا بچہ! اِسے کیا ہوا؟" زلیخا بی بی سید عبداللہ کو خون میں لت پت دیکھ کر رونے لگیں۔

"انہیں فوراً ہسپتال لے جانے کی ضرورت ہے ورنہ زیادہ خون بہنے سے اِن کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔" فیصل نے نگاہ اُٹھا کر کہا اور پھر ٹھٹک کر رہ گیا، جسے وہ کتنے دنوں سے تصور میں سوچتا رہا تھا بے شک وہ ہی لڑکی اُس کے سامنے تھی، وہ اُن خوب صورت پیروں کو نہیں بھول سکا تھا، اُس کی مخصوص خوشبو کو نہیں بھول سکتا تھا۔

"موتیا!" اُس نے زیرِ لب دُہرایا۔

سدرہ بھی سامنے فیصل کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ بس ایک پَل کو دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں پھر فیصل کا دھیان فوراً سید عبداللہ کی جانب مڑ گیا۔

"مہربانی کر کے جلدی سے انہیں اُٹھا کر گاڑی میں ڈالیں۔" فیصل نے رمضان اور دوسرے آدمی کی مدد سے سید عبداللہ کو گاڑی میں لا کر لٹایا۔

"شہر جانے میں دو ڈھائی گھنٹے تو لگیں گے لیکن تب تک خون زیادہ بہہ جائے گا۔ آپ میرے گھر رُکیں پہلے میں اِن کو کچھ فرسٹ ایڈ دے دوں۔" فیصل نے اُن لوگوں سے کہا۔

"جلدی کرو بیٹا! میرے بچے کا خون بہت بہہ رہا ہے۔" زلیخا بی بی نے کہا۔

زلیخا بی بی، سدرہ اور سید عبداللہ تینوں کو ایک ہی جیپ میں لا کر بٹھایا گیا تھا۔ زلیخا بی بی کو حکم تھا کہ سدرہ یا مریم اکیلے سفر ہرگز نہیں کریں گی۔ جگہ تنگ ہو گئی تھی لیکن مجبوری تھی آپ پلیز جگہ دیں میں اِن کا خون روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔" فیصل نے آگے بڑھ کر کہا۔

"بیٹا میں اپنے بچے کے ساتھ خود رہنا چاہتی ہوں اور بیٹی کو دوسری گاڑی میں اکیلے بٹھانے کا حکم نہیں ہے تم بھی اِدھر آ جاؤ۔" یہ سیٹیں آمنے سامنے تھیں۔ فیصل اندر آ کر بیٹھا تو رمضان نے پیچھے کا دروازہ بند کر دیا جس سے اندر روشنی ایک دم کم ہو گئی۔ سید نوازش علی نے گھر کی عورتوں کے سفر کے لیے خاص طور پر گاڑی میں پردے لگوا رکھے تھے ایسے میں اندر بیٹھنے والا باہر نہ دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی باہر والے کو اندر

انسان کا پتا چلتا تھا۔

فیصل کے گھٹنے مسلسل سدرہ سے مَس کر رہے تھے۔ سدرہ کے اندر برقی رو دوڑنے لگی تھی کچھ بھائی کی وجہ سے وہ پریشان تھی۔ اُس پر فیصل کی موجودگی اور اُس کا ہلکا سا لمس اُسے بوکھلا گیا تھا۔

فیصل کے لیے کسی کا قرب نئی بات نہ تھی لیکن وہ لڑکی اُس کے خوابوں کی لڑکی تھی، جو بے حد اہم تھی مگر اُس کا ذہن مسلسل سید عبداللہ میں اُلجھا ہوا تھا، ایسے میں اُس کی مکمل توجہ سید عبداللہ پر تھی۔ فیصل نے لڑکی کا ایک پردہ کھینچ دیا تھا۔

"آپ کے پاس کوئی کپڑا ہوگا۔"

"یہ رومال کام آئے گا؟" سدرہ نے پرس سے رومال نکال کر پوچھا۔

"یہ تو بہت چھوٹا ہے!" فیصل نے رومال ہاتھ میں پکڑ کر کہا۔

"بیٹا! تم میرا یہ دوپٹا استعمال کرلو، میں نے چادر تو اوڑھ رکھی ہے۔" زلیخا بی بی نے اپنے گلے کا دوپٹا نکال کر دیا۔

فیصل نے اُن کی نگاہ بچا کر رومال اپنی جیب میں ڈال لیا اور دوپٹے سے سید عبداللہ کا بہتا ہوا خون روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

"سائیں تمہارا گھر یہ ہی ہے نا؟" ڈرائیور نے گاڑی فیصل کے گھر کے سامنے روک کر پوچھا۔

"ہاں!" فیصل تیزی سے گاڑی سے اُترا۔

"کون ہیں یہ لوگ؟" فیصل کی ماں سوال کرتے کرتے رُک گئی، پیچھے کھڑی گاڑیوں کو وہ پہچانتی تھی اس لیے اُس نے دونوں نقاب پوش عورتوں کو اندر آنے کو راستا دیا۔

"اماں جان! یہ سید عبداللہ کی امی ہیں، سید عبداللہ پر کسی نے حملہ کیا ہے گولی لگنے سے بہت خون بہہ گیا ہے۔" فیصل نے رمضان کی مدد سے سید عبداللہ کو اندر لٹایا اور اپنا میڈیکل باکس نکال کر سید عبداللہ کو فرسٹ ایڈ دینے لگا۔

زلیخا بی بی اور سدرہ جب فیصل کی ماں کے ساتھ اندر داخل ہوئیں تو دونوں ملازم احتراماً باہر نکل گئے۔

سدرہ غور سے فیصل کے تیزی سے چلتے ہاتھ دیکھ رہی تھی۔ عجیب بات تھی اُسے بھائی کی پریشانی بالکل نہ تھی جیسے فیصل کی موجودگی پر اُسے بے حد حوصلہ تھا کہ وہ سب کچھ سنبھال لے گا۔ ابھی ابھی اُس نے اُن کو بتایا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہے یہ خبر سدرہ کے لیے بے حد خوش کُن تھی۔ فیصل نے سید عبداللہ کو پین کلر انجکشن دیا اور پھر میڈیکل باکس بند کر کے گہری سانس لی۔

"میں نے زخم چیک کیا ہے گولی بازو اور کندھے دونوں کو چھو کر گزر گئی ہے، خون بند ہو گیا ہے میں نے انجکشن بھی لگا دیا ہے اب اِن کو ہسپتال لے جانے کی ضرورت تو نہیں ہے اگر آپ اپنی تسلی کرنا چاہیں تو اِن کو شہر لے جائیں۔" فیصل نے اپنے ہاتھوں سے دستانے اُتارتے ہوئے اُن سے کہا۔

"اللہ تیرا شکر ہے!" زلیخا بی بی نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا۔

"بی بی جی! آپ یہاں بیٹھ جاؤ۔" فیصل کی ماں نے انہیں پاس بچھی چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ وہاں بیٹھ گئیں۔

"آپ جیسے بڑے لوگوں کو بٹھانے کے لیے ہمارے گھر ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو آپ کے قابل ہو"
فیصل کی ماں نے کہا تو فیصل کے ماتھے پر بَل پڑ گئے۔ جب اُس کے ماں باپ اس طرح گریہ (زاری) کرتے تو اُسے اپنا آپ اشرف المخلوقات کے بجائے کینچوا لگنے لگتا تھا۔
"یہ لسّی پی لیں۔" نفیسہ چاندی کی چمکتی ٹرے میں بڑے بڑے لسّی کے گلاس لے کر اندر آئی۔ شدید گرمی میں سب کو بے حد پیاس کا احساس ہو رہا تھا۔
زلیخا بی بی نے تکلف بھی نہ کیا اور شکریہ کہہ کر گلاس تھام لیا۔ سدرہ نے ماں کی شکل دیکھی پھر اُس نے بھی گلاس تھام لیا۔ زلیخا بی بی نے چہرے سے نقاب اُتار دی اور گھونٹ بھرنے لگیں۔
سدرہ نے چہرہ موڑ کر گلاس منہ کو لگایا اور دھیرے دھیرے گھونٹ بھرنے لگی۔ سدرہ کے ہاتھ کانپنے لگے، کسی کی نظروں کی تپش اُسے بوکھلائے دے رہی تھی۔

بہت کچھ میں نے کہنا ہے
بہت کچھ تو نے کہنا ہے
دِلوں میں جتنے جذبے ہیں
لبوں تک اِن کو لانا ہے
مگر یہ ماجرا کیا ہے
کہ ہم خاموش بیٹھے ہیں
نہ مجھ سے بات ہوتی ہے
نہ تم اظہار کرتی ہو
تمہیں معلوم ہے سب کچھ
جو میرے دِل میں پنہاں ہے
تمہارے دِل کی کیفیت سے
میں آگاہ ہوں لیکن
مجھے خاموش رہنا ہے
تمہیں خاموش رہنا ہے
مگر یہ کب تلک ہوگا
ہمیں خاموش لمحوں نے
جدا گر کر دیا تو پھر؟
مجھے تم سے گلہ ہوگا
تمہیں مجھ سے گلہ ہوگا
ہمیں اَب ہجر کے لمحات سے خود کو بچانا ہے۔
دلوں میں جتنے جذبے ہیں لبوں پر اِن کو لانا ہے۔

سدرہ کو احساس ہو رہا تھا کہ فیصل اُسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ بے شک وہ دونوں خاموش تھے لیکن اُن کی نگاہیں بول رہی تھیں۔

"بیٹا! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم نے ہمارے خاندان پر وہ احسان کیا ہے جو ہم تا عمر اُتار نہیں سکتے، تم نے نہ صرف حویلی کے وارث کو بچایا ہے بلکہ ایک ماں کو دوبارہ زندگی عطا کی ہے۔" زلیخا بی بی نے فیصل کے کندھے پر ہاتھ پھیر کر اُسے پیار کیا۔
"بولو میں تمہارے لیے کیا کروں، میں تمہاری بے حد احسان مند ہوں۔" زلیخا بی بی نے کہا۔
"آپ یوں مجھے شرمندہ نہ کریں، میں ایک ڈاکٹر ہوں اور انسانی جان بچانا میرا پہلا فرض ہے۔" فیصل نے زلیخا بی بی کا ہاتھ تھام کر کہا۔
"پھر آپ میری ماں جیسی ہیں! میں آپ سے صرف دُعا کا طالب ہوں۔"
"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے، تم اپنے ماں باپ کی آنکھوں کی ہمیشہ ٹھنڈک بنے رہو۔" زلیخا بی بی نے اُس کے سر پر پیار کرتے ہوئے دُعا دے ڈالی۔
"اور میری خوشی آپ کے پہلو میں بیٹھی ہے مجھے وہ چاہیے!" فیصل نے سدرہ کی پشت کو نگاہ بھر کر دیکھا اور دل ہی دل میں کہا۔
"آج میرے بیٹے کا نکاح تھا، جانے کس دشمن کو آگ لگی ہے، جو میرے بچے کو جان سے مارنے کی کوشش کی۔" زلیخا بی بی نے کہا۔
"گھر میں ڈھولک رکھی ہوئی ہے خوشیاں منائی جا رہی ہیں تم نے آج ہماری خوشیوں کو بچایا ہے۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔" زلیخا بی بی نے کہا۔
اُسی پل باہر جیپ رُکنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی کسی کے اُونچا اُونچا بولنے کی آواز بھی آئی تھی۔ زلیخا بی بی اِس آواز کو اچھی طرح پہچانتی تھیں یہ سید نوازش علی کی آواز تھی۔ زلیخا بی بی ہی نے آدمی بھیج کر انہیں اطلاع کروائی تھی۔
"کس کی موت آئی ہے جس نے میرے بیٹے پر گولی چلائی ہے!" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔
"کیسا ہے عبداللہ؟ چلو اُٹھاؤ اِسے ہسپتال لے کر چلیں۔" انہوں نے فکرمندی سے کہا۔
"اَب اللہ کے کرم اور اِس بچے کی مہربانی سے عبداللہ خطرے سے باہر ہے ورنہ پہلے تو بے حد خون بہہ رہا تھا۔" زلیخا بی بی نے آگے بڑھ کر صحیح صورتِ حال بتائی۔
"جوان! ہم تمہارے احسان مند ہیں اور ہم کسی کا احسان نہیں رکھتے، بولو تمہیں کیا چاہیے؟" سید نوازش علی نے تنفر سے کہا۔
"شکریہ شاہ صاحب!" فیصل نے کڑوا گھونٹ بھر کر جواب دیا۔ اُسے یہ شخص بے حد بُرا لگتا تھا ہر انسان کو یوں مخاطب کرتا جیسے وہ اُن کا خدا ہو۔
"نہیں جوان! ہم تمہیں انعام دینا چاہتے ہیں، سید نوازش علی اگر دشمنوں کے لیے موت ہے تو اپنے وفاداروں کے لیے بادشاہ آدمی ہے۔" سید نوازش علی نے حسب عادت گردن اکڑا کر کہا۔
"استغفر اللہ!" فیصل دل ہی دل میں بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مہربانی ہے آپ کی، لیکن اگر اپ کا اصرار ہے تو میں وقت آنے پر کبھی آپ سے کچھ مانگ ل[ُوں]
گا۔" فیصل نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اپنے قول سے کبھی نہیں مکرتا تم کو جو چیز چاہیے بلا جھجک مانگ لینا۔" سید نوازش [علی]
نے بے نیازی سے کہا۔

"چلو رمضان! چھوٹے شاہ کو گاڑی میں لٹاؤ۔" سید نوازش علی نے سب کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"اور ہاں! آج میرے بیٹے کا نکاح تھا لیکن اَب تو کل پر بات چلی گئی، تم کل شام ہمارے خا[ص]
مہمانوں میں شریک ہو، تم اپنے خاندان کے ساتھ کے ساتھ ضرور آنا۔" سید نوازش علی نے اُسے [عزت]
بخشی۔

"جی ضرور!" فیصل نے سید عبداللہ جو نیم بے ہوشی میں تھا اُسے سہارا دے کر اُٹھایا۔

جب سب باہر نکل گئے تو زلیخا بی بی نے ایک بار پھر اُس کے سر پر پیار کیا۔

"جیتے رہو، شاد رہو!" وہ کہہ کر نکلیں، پیچھے ہی سدرہ نکلنے لگی۔ لیکن ایک دم سدرہ کا دم نکل گیا ا[س]
کی چادر کو پیچھے سے کسی نے پکڑ لیا تھا۔ سدرہ نے فیصل کی بے باکی پر حیرت سے پیچھے مڑ کر اُسے [خشمگیں]
نظروں سے دیکھا۔

جواباً فیصل نے ایک دم دونوں ہاتھ اُٹھا کر سامنے کر دیے۔ اُس کے چہرے پر ایک بہت معنی خیز ا[ور]
پیاری مسکراہٹ تھی۔

"میں بھلا بلا اجازت یہ گستاخی کیسے کر سکتا ہوں!" فیصل نے کہا، سدرہ کی چادر کا کونا دروازے م[یں]
اٹک گیا تھا۔ فیصل نے آگے بڑھ کر اُس کی چادر چھڑائی۔

"شکریہ!" سدرہ کہہ کر مُڑنے لگی۔

"سنو موتیا! جس طرح میرا دِل تمہیں روکنے کو بے چین ہے اُسی طرح یہ گھر بھی تمہیں روک [رہا]
ہے۔" فیصل نے بے حد جذب سے کہا۔

"میں اَب چلتی ہوں!" سدرہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"کیا کوئی جانتا ہے کہ وہ کسی کے دِل پر چل کر واپس جا رہا ہے۔" فیصل پھر سے بے ساختہ گویا ہوا۔
سدرہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اُٹھا کر اُسے دیکھا اُس کا دِل اِس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا ک[ہ]
یوں لگتا تھا پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔

سدرہ بے حد تیزی سے باہر نکلی۔ یہ دو ڈھائی منٹ کی ملاقات تھی اور یہ سدرہ نہ جانتی تھی کہ یہ ملاقات
اُس کی ساری زندگی پر محیط ہونے والی ہے، حویلی کی تاریخ بدلنے والی تھی۔

❖❖○❖❖

حویلی میں جہاں میراثن آ کر شگن کے گیت گا رہی تھی، وہیں گاؤں کی لڑکیاں گھیرا بنائے بیٹھی تھیں۔
بشیراں دوڑتی ہوئی اندر آئی۔ اُس کے چہرے کی ہَوائیاں بتا رہی تھیں کہ اُس کے پاس خیر کی خبر نہ تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ کیوں، یوں بوکھلائے پھر رہی ہو۔" ریحانہ بی بی جو بڑے سے پنگوڑے میں گاؤ تکیہ
لگا کر بیٹھی تھیں، ماتھے پر تیوری ڈال کر پوچھا۔

"سائیں عبداللہ کو کسی نے گولی ماری ہے اور سائیں نوازش علی گولی مارنے والے کو اپنے شکاری کتے
لے کر ڈھونڈنے گئے ہیں۔" بشیراں نے پاس آ کر بے حد دھیمی آواز میں کہا۔

"ہائے میں مرگئی!" ریحانہ بی بی ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اُن کے یوں اُٹھنے سے گیت گاتی
[می]راثن ایک دم چُپ ہوگئی، ساتھ ہی سب لڑکیاں عورتیں فوراً ریحانہ بی بی کی جانب متوجہ ہوگئیں۔

"کچھ نہیں ہوا! تم کیوں چُپ ہوگئیں! خوشی کا موقع ہے چل کوئی اچھا سا سہرا گا۔" بشیراں نے فوراً
[ب]ات سنبھالی۔ میراثن کی آواز سے خاموشی ٹوٹ گئی۔

ریحانہ بی بی تقریباً بھاگتی ہوئی اندر آ گئیں۔

"عبداللہ کو کہاں گولی لگی؟ اور کہاں ہے وہ؟" ریحانہ بی بی سید سرفراز کے کمرے کی جانب بڑھیں۔

"گولی تو جانے کہاں لگی تھی لیکن وہ اَب خیریت سے ہیں۔" بشیراں نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"سرفراز!" ریحانہ بی بی نے اندر داخل ہو کر اُسے آواز دی۔ اِس وقت وہ بھلا کب اپنے کمرے میں
[م]لتا ہے۔ ریحانہ بی بی نے اُسے کمرے میں نہ پا کر خود ہی کو جواب دیا۔ وہ فوراً مردانے میں بھاگیں!
[و]ہاں سرفراز کسی آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔

"تم جاؤ!" سید سرفراز نے ماں کو آتے دیکھ کر کہا۔

"لیکن سائیں۔" وہ کچھ کہتے کہتے رُکا۔

"تم کو جیسا کہا ہے وہ کرو۔" سید سرفراز غرایا۔

آدمی جی اچھا کہہ کر بے حد تیزی سے باہر نکلا۔

"امّاں جان! آپ یہاں مردانے میں بغیر پردے کے کیا کر رہی ہیں؟" سید سرفراز نے ماتھے پر بَل
[ڈ]ال کر کہا۔

"ماں کے لیے تم کو بڑی غیرت ہے اور تم جو کر چکے ہو، اُس کے متعلق کچھ خیال ہے؟" ریحانہ بی بی
نے کڑے تیوروں سے کہا۔

"کس کے متعلق پوچھ رہی ہیں؟" سید سرفراز نے نِگاہ چُراتے ہوئے پوچھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کس کے متعلق پوچھ رہی ہوں؟ ماں ہوں تمہاری! تمہارے دل میں
کیا اُگ رہا ہے اور تم کیا کاٹتے ہو، میں سب جانتی ہوں۔" ریحانہ بی بی نے دھیرے لیکن کڑی آواز
[م]یں کہا۔

"جب جانتی ہیں تو پوچھتی کیوں ہیں؟" سید سرفراز نے بے چینی سے کہا۔

"اِس لیے کہ تمہارا باپ شکاری کتوں کے ساتھ مجرم کو ڈھونڈنے نکلا ہے اور تھوڑی دیر میں وہ لوگ
پکڑے جائیں گے اور تمہارا نام سامنے آ جائے گا۔" ریحانہ بی بی نے فکرمندی سے کہا۔

"اگر وہ لوگ پکڑے گئے تو بھی میرا نام نہیں لیں گے۔" سید سرفراز نے اطمینان سے کہا۔

"تمہارے باپ کے پالے اُن خونخوار شکاری کتوں کے سامنے تو بڑے بڑے بول اُٹھتے ہیں، کون
ہے جو موت کو گلے لگانا چاہے گا۔" ریحانہ بی بی نے سید سرفراز کو غور سے دیکھتے ہوئے سوچا، ایسا کیا
[ا]نتظام تھا، جو اُس کے بیٹے نے کر رکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ماں میری! بس میں نے اگر رقم لگائی ہے تو ساتھ ایسا انتظام بھی کیا ہے کہ وہ کبھی منہ نہیں کھولیں گے، موت کو گلے لگالیں گے ورنہ اُن کے خاندانوں کی خیر نہیں ہے۔" سید سرفراز نے ماں کو یقین دلایا۔

"لیکن میرا دل ڈر رہا ہے، تم سید نوازش علی کے غصّے کو نہیں جانتے وہ تو بال کی کھال اُتارنے والا شخص ہے اُس کا عتاب، اُس کا غصّہ بڑا ظالم ہے۔" ریحانہ بی بی نے فکرمندی سے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

"امّاں جان! آپ بات کو بس یہیں ختم کر دیں ہم نہیں جانتے کہ عبداللہ پر کس نے حملہ کروایا ہے اور ہاں میں خود اپنے بھائی کے دشمنوں کو ڈھونڈنے نکل رہا ہوں۔" سید سرفراز نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا...!" ریحانہ بی بی نے پہلے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا پھر سمجھ کر ایک دم اطمینان سے مسکرانے لگیں۔

"اور تم فکر نہ کرو میں عائشہ سے سوگنا بہتر لڑکی تمہارے لیے لاؤں گی۔" ریحانہ بی بی نے اُسے تسلی دی۔

"ہونہہ! عبداللہ نہ بچتا تو آج کے بعد وہ صرف میری ہوتی۔ اَب میرے لیے جو بھی لڑکی ہو لیکن عائشہ تو ہرگز نہ ہوگی۔" سید سرفراز سر جھٹکتے ہوئے باہر نکلا۔

"توبہ ہے اِس لڑکے کا غصّہ کسی دن کوئی چاند نہ چڑھادے۔ اَب جا کر اداکاری کرنی پڑے گی سید نوازش علی کے سامنے۔" ریحانہ بی بی نے افسردہ سا چہرہ بنا کر خود سے کہا۔

❖❖○❖❖

"شاہ صاحب! کم بخت مر گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔" سید نوازش علی کے منشی نے اندر آ کر کہا۔

"اُسے تڑپا تڑپا کر مارنا تھا۔" سید نوازش علی نے غصّے سے چلّاتے ہوئے کہا۔

"سائیں ہمارے کتوں نے اُس کی بوٹی بوٹی کر دی تھی۔" منشی نے مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اُس بندے کے خاندان کا پتا کرو اور دھیان رکھنا اُس کے خاندان میں کوئی ذی بچہ بچ نہ پائے، اُس کی روح تک تڑپ کر رہ جائے کہ اُس نے کس پر حملہ کیا تھا۔ سید نوازش علی کے کلیجے پر ہاتھ ڈالنے والا مرنے کے بعد بھی تڑپتا رہے گا۔"

"جناب جیسا آپ کا حکم!" منشی نے سر جھکا کر کہا۔

سید نوازش علی نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔ کیوں کہ وہ ہی یہاں قانون بھی تھا اور آرڈر بھی، اُسے روکنے والا کوئی نہ تھا کیوں کہ اُس کے اِردگرد ایسے بزدل اور کم عقل لوگ بستے تھے، جو اپنی جان و مال کی حفاظت تک تو کر نہ سکتے تھے البتہ نوازش علی کے لیے جان دینے پر آمادہ رہتے تھے۔

"اوئے بخشو! میرے پتر کی خوشی ہے کوئی ڈھول تاشوں کا، کوئی موج میلے کا بندوبست کرو۔" سید نوازش علی نے بدلے کا بوجھ اُترنے کے بعد ایک دم جوش سے کہا۔

سید نوازش علی کا یہ روز کا معمول تھا وہ کسی کے گھر موت کا اندھیرا کر کے اپنے ہاں چراغاں کیا کرتا

تھا۔ کمرے میں نڈھال سا عبداللہ بے حد دُکھی تھا۔ ابھی ابھی منشی اُسے بھی اُس کے مجرم کی موت کی خوش خبری سنا کر گیا تھا۔

"اِس قدر گندا سسٹم ہے! مجھے اور میرے بچوں کو، میری بہنوں کو اِس سسٹم کا حصّہ نہیں بننا۔" اُس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا۔

"نسل در نسل حکم رانی اور ظلم اَب ختم ہو جانا چاہیے۔" سید عبداللہ نے حتمی طور پر فیصلہ کیا۔

لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اگر یہاں سید نوازش علی کی حکم رانی ختم بھی کر دی جائے تو بھی یہاں کے رہنے والے خود کو آزاد محسوس نہ کر سکیں گے۔ اُن کے دِل و دماغ اِس غلامی میں رہنے کے عادی ہو گئے تھے کیوں کہ وہاں اِس علم کی روشنی نہ تھی، جو انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا احساس دیتی ہے۔ دنیا کے خالق اور مالک سے جوڑتا ہے اور انسانوں کے خوف سے آزاد کرتا ہے۔

❖❖○❖❖

تیرے در سے آس بہت ہے، اللہ سائیں دیکھ
قطرہ قطرہ پیاس بہت ہے، اللہ سائیں دیکھ
میرے نام کی ایک خوشی تُو اس جھولی میں ڈال
دُکھ جس کے پاس بہت ہے اللہ سائیں دیکھ

سدرہ کتنی دیر سے سر جُھکائے بیٹھی تھی۔ گہرے سبز رنگ کے کپڑوں پر شیشوں والی میرون چادر اوڑھے وہ تازہ گلاب لگ رہی تھی۔ باہر ڈھول پیٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ درگاہ کے اندر چپ چاپ بیٹھی اُس والی سرکار سے مانگ رہی تھی، جو سب کو دینے والا تھا۔

ریحانہ بی بی، زلیخا بی بی، مریم اور وہ درگاہ پر شکرانے کی چادر چڑھانے آئی تھیں۔ کل بھائی عبداللہ کی جان بچ جانے پر بڑی امّاں نے شکرانے کی چادر چڑھانے کی منت مانی تھی اور آج صبح صبح وہ لوگ درگاہ پہنچ گئے تھے۔ ریحانہ بی بی نے غریبوں میں کپڑے تقسیم کرنے کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ سید نوازش علی، ریحانہ بی بی کا فکرمندانہ رویہ دیکھ کر بے حد خوش ہوئے تھے کہ وہ بھی سید عبداللہ کو سگی اولاد کی طرح چاہتی تھیں۔

باہر ڈھول کی تھاپ پر ملنگ بابا گھنگھرو باندھے مست ہو کر گول دائرے میں ناچ رہا تھا۔ اُس کے پاؤں یوں لگتا تھا کہ پانی میں تیر رہے ہوں، زمین پر نہ پڑ رہے ہوں۔

سدرہ نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ سامنے جھروکے پر، جس پر ہری جھنڈیاں اور ہار پھول لٹک کر اُلجھ چکے تھے۔ وہاں سے باہر صحن کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا ملنگ کے گرد بہت سارے بچے کھڑے تھے اُن کے لیے ملنگ کا ناچ کسی تماشے سے کم نہ تھا۔

سدرہ نے حیرت سے دیکھا کہ نہ ڈھول بجانے والے کے ہاتھ رُک رہے تھے اور نہ ہی ملنگ کے پاؤں! یوں لگتا تھا کہ اُن دونوں میں کوئی رشتہ تھا ایک جذبے کا رشتہ تھا، دِل کی لگی کا رشتہ تھا دونوں ہی اپنے اپنے دل کی سلگن پر تڑپ رہے تھے۔ یہ وہ تڑپ تھی جو عشق کے راستے میں بہت خوار کرتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سدرہ چپکے سے باہر نکل آئی صحن میں کوئی مَرد نہ تھا۔ وہ کسی مسمریزم کے زیرِ اثر تھی۔ اُس کی درویش کے پیروں پر ٹکی تھی کوئی جنون، لاوے کی صورت بند توڑ کر باہر آنے کو مچل رہا تھا۔ سدرہ اپنی اِس کیفیت کو سمجھ نہ پارہی تھی۔

''موتیا!'' اُسے لگا کہ ہَواؤں نے سرگوشی کی ہو، یہ آواز تو ہر وقت اُس کے کانوں میں گونجتی تھی سدرہ نے اُسے اپنا وہم جان کر نظر انداز کردیا۔

''موتیا!'' اِس بار آواز بے حد قریب تھی۔ سدرہ نے مُڑ کر دیکھا تو فیصل سچ مچ کھڑا تھا۔

''یہ بالکل درست ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میں جانے کس کام سے نکلا تھا لیکن میرے دل کی بے چینی کے ہاتھوں جانے کب میرے قدم اِس راستے کی جانب مڑ گئے اور پھر میں نے دیکھا میرے دل کی بے چینی نے یہاں لا کھڑا کیا۔'' فیصل اُس کو بہ غور دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم میری بے چینی اور میرے جذبے کی شدّت کا اندازہ یہاں سے لگالو کہ میں تمہیں تمہاری اس نما چادر میں بھی پہچان لیتا ہوں۔'' فیصل ایک قدم اور بڑھا۔

سدرہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''تمہاری خوش بو مجھے تمہارے ہونے کا پتا دے دیتی ہے!''

''خدا کے واسطے آپ یہاں سے جائیں اگر کسی نے دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی۔'' سدرہ نے اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور جو قیامت میرے دِل کی دُنیا میں برپا ہے اُس کا کیا؟'' فیصل نے نہایت بے بسی سے کہا۔

''آپ... آپ نہیں جانتے کہ آپ کے جذبوں نے ایک غلط لڑکی کا انتخاب کرلیا ہے! میں خالی ہاتھ ہوں اور روایات میں پھنسی ہوئی لڑکی، بھلا کیسے اِس طرح...'' سدرہ کی بات ادھوری رہ گئی اُسے شک گزرا کہ سامنے جھروکے میں بڑی امی کھڑی ہیں۔

''مجھے میری بڑی امّاں نے دیکھ لیا ہے!'' سدرہ نے خوف زدہ لہجے میں کہا اور ادھوری بات چھوڑ اندر بھاگ گئی۔ فیصل مایوس سا ہوکر برگد کے نیچے آبیٹھا۔

''وہ چلی گئی؟'' فیصل نے پیچھے مُڑ کر سوال کرنے والے کو دیکھا۔

یہ وہ ہی فقیر تھا، جو اُس روز اُسے بارش میں ملا تھا۔

''ہاں!'' فیصل نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ یک طرفہ جذبے، محبت یوں ہی انسان کو تھکا دیتے ہیں

''تم اُس کو چاہتے ہونا؟'' فقیر آج بالکل نارمل انسانوں کی طرح باتیں کررہا تھا۔

''ہاں!'' فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا وہ بھی تم کو چاہتی ہے۔'' فقیر کے سوال پر فیصل نے گہری سانس بھری۔

''میں نہیں جانتا۔ لیکن میں جاننا چاہتا ہوں میں بے حد پریشان ہوں کہ اللہ نے میرے دل میں اُس لڑکی کی اِس قدر شدّت سے محبت کیوں ڈالی، جو ہر لحاظ سے میری پہنچ سے دُور ہے۔'' وہ پاگل سا فقیر اُس کے بے ضرر ہونے کی وجہ سے فیصل اپنا دِل اُس کے سامنے کھولتا چلا گیا۔

''سنو میری بات۔'' فقیر نے اُس کے پاس ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی تمہیں بہت چاہتی ہے اور تم ہی اُس حویلی کی خونی دیواروں میں روزن بنو گے، تمہارا جذبہ اور کسی ماں کی شدید دُعاؤں کا نتیجہ ہو۔'' فیصل نے نہ سمجھنے والے انداز میں اُس فقیر کو دیکھا، کھچڑی بالوں والا یہ بابا کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

''لیکن تم اُسے پاکر بھی پا نہ سکو گے ہاں وہ تمہیں ضرور پائے گی۔'' فقیر نے پُراسرار انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' فیصل نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کی باتوں میں کھوسا گیا۔

''مطلب بتانے کی ہم کو اجازت نہیں ہے۔'' فقیر کہہ کر وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے چہرے پر وہ ہی جنونی سی اجنبیت چھاگئی جو اُس کے نقوش کا حصّہ تھی۔

''بابا!'' فیصل نے اُسے آواز دی۔ فقیر نے ایک مسکراتی نگاہ مُڑ کر اُس پر ڈالی۔

دھن دے، جی راکھیے، جی دے رکھیے لاج
جیو لاج دھن دیجیے اِک پریت کے کاج
پریت کرے ایسی کرے جیسی راسی ڈور
گلا پھنسا وے اپنا لاوے پر جھکور

فقیر پاؤں زمین پر مارتا با آواز بلند بولتا چلا گیا۔

ارے ایسی پریت کر جیسی چندر چکور
چونچ بھکی گردن جھکی جنون واہی اور

(محبت کرنی ہے تو ایسی کرو جیسی چاند و چکور میں ہے، دانہ پانی کی فکر نہیں کرتا محبوب کے غم میں زندگی ادیتا ہے)

فقیر نے ایک بار پھر پاؤں زور سے مارے، گھنگروؤں کی چھنک دُور تک پھیل گئی۔

ذات، مذہب ایہہ عشق نہ پچھا
عشق شرع دا ویری
جس تن لگیا عشق کمال
ناچے بے سُر تے بے تال

فقیر پاؤں زمین پر مارتا ہاتھ اوپر اُٹھاتا پھر اُسی مست کیفیت میں چلا گیا جس میں وہ ناچ رہا تھا۔

فیصل کو جہاں اُس فقیر کی کہی باتیں اُلجھا رہی تھیں، وہیں اُس فقیر کی فلسفیانہ باتیں حیرت میں ڈال رہی تھیں جو کسی پڑھے لکھے شخص کی طرح، کسی اسکالر کی طرح شعر و شاعری سناتا تھا۔ لیکن جیسے ہی کسی کے چہرے پر اُس کی ذات کے متعلق سوال آتا تھا۔ وہ یوں ہی بے نیاز ہوجاتا تھا۔

''کس قدر عجیب ہے نا یہ بابا! کون ہے یہ بابا؟''

فیصل نے خود سے کہا تھا۔

❖❖○❖❖

ظہر کی نماز کے بعد سید عبداللہ کا نکاح عائشہ سے پڑھایا گیا۔ سید عبداللہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے فید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

براق کُرتا شلوار پہنے اپنی بیماری کے باوجود بے حد اچھا لگ رہا تھا۔ فیصل کی آمد پر وہ اُس سے ملا کھڑا ہو کر ملا۔

"آپ پلیز بیٹھ جائیں۔ زیادہ حرکت فی الحال آپ کے زخم کے لیے اچھی نہیں۔" فیصل نے کہا۔

"تمہارے آنے سے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے!" سید عبداللہ نے بشاشت سے کہا۔ جواباً فیصل مسکرایا۔

"تو تم ہو جس نے بھائی صاحب کی جان بچائی۔" سید سرفراز علی ماتھے پر بَل ڈالے فیصل کو دیکھ رہا تھا۔

"کم بخت نے میری ساری محنت اکارت کر ڈالی!" سید سرفراز دل ہی دل میں بَل کھا کر رہ گیا۔

فیصل نے کچھ دیر بعد جانے کی اجازت مانگی تو سید عبداللہ نے اصرار کر کے اُسے کھانے پر روک لیا

"ارے رکو رکو... میں نے کچھ شغل میلے کا بندوبست بھی کیا ہے۔" سید سرفراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

سید عبداللہ نے کچھ ناگواری سے اُسے دیکھا اُسے معلوم تھا یہ شغل میلہ کیا ہوسکتا تھا۔ شہر سے مشہور طوائف بلوائی گئی تھی، سب کی دِل پشوری کرنے کے لیے۔

فیصل نا چاہتے ہوئے بھی سید عبداللہ کی خاطر بیٹھ گیا جب محفل شروع ہونے لگی تو سید عبداللہ کو پہلو میں تکلیف شروع ہوگئی۔

"فیصل پلیز مجھے کمرے تک لے چلو۔" سید عبداللہ نے پاس بیٹھے فیصل سے کہا۔

"اگر چلنے میں تکلیف ہو رہی ہے تو کسی ملازم سے کہوں مدد کے لیے؟" فیصل نے سید عبداللہ سے کہا۔

"نہیں سب خوشی خوشی مگن بیٹھے ہیں ملازم بابا سائیں کو بتا کر پریشان کر دیں گے، آپ مجھے لے چلیں۔" سید عبداللہ نے فیصل کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

"آپ آرام کیجیے اتنی دیر بیٹھنا مناسب نہیں۔" فیصل نے پروفیشنل انداز میں کہا۔

"ہوں! آپ ٹھیک کہہ رہے ہو!" سید عبداللہ نے نقاہت سے کہا اور آنکھیں موند لیں۔

"آپ کو میوزک کا شوق ہے؟" فیصل نے سید عبداللہ کے کمرے میں موجود پیانو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میوزک، پینٹنگ اور قدرتی مناظر میری کمزوری ہیں۔" سید عبداللہ نے آنکھیں بند کیے کہا۔

"حیرت ہے جہاں کے مَرد صرف کتوں، گھوڑوں کو پالنے کے شوقین ہوں وہاں اتنے نازک جذبات رکھنے والا مَرد سب سے الگ ہی نظر آتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ مِس فٹ نظر آتا ہے۔" فیصل نے مسکراتے ہوئے سے کہا۔

"یار ڈاکٹر! چھوڑو اِس بے معنی بحث کو۔ میں اِس موضوع سے بیزار ہوں۔" سید عبداللہ نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے آپ آرام کریں پھر ملاقات ہوگی۔" فیصل اجازت لیتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔

لمبی راہ داری میں بنے اتنے سارے کمروں کو دیکھ کر فیصل اُلجھ گیا کہ وہ کہاں سے جائے؟ بے شک واپسی کا راستا بھول گیا تھا۔ اندازے سے وہ چلتا ہوا پہلے آنے والے موڑ پر مُڑ گیا۔

"یا اللہ کیا حویلی ہے! انسانوں سے زیادہ کمرے ہیں لگتا ہے کہ ہر ایک کام کے لیے الگ کمرا ہوگا۔" فیصل خود سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"بشیراں! یہ میرے بال تو سلجھا کر باندھ دو۔" سامنے برآمدے نما ہال میں بے شک وہ سدرہ ہی تھی گھٹنوں کو چھوتے ہوئے لمبے بال اُس کے چہرے پر گرے ہوئے تھے۔

وہاں موجود مریم، سدرہ اور بشیراں تینوں کے چہرے پر حیرت اور پریشانی تھی، پریشانی اور حیرت اُن کی بالکل بجا تھی ایک اجنبی زنان خانے میں کھلم کھلا کیا کر رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" مریم نے غصّے سے پوچھا۔

"میں۔" فیصل کی نگاہیں ابھی تک سدرہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، جو حیرت سے بت بنی بیٹھی تھا۔

"میں سید عبداللہ کا دوست ہوں اُن کو کمرے میں چھوڑ کر آ رہا ہوں لیکن مجھے باہر جانے کا راستا نہیں معلوم، میں شاید غلطی سے اِدھر نکل آیا ہوں۔" فیصل نے وضاحت کی۔

"بشیراں اِن کو فوراً باہر لے جاؤ کوئی آ گیا تو بہت مصیبت ہو جائے گی۔" سدرہ نے حواسوں میں آتے ہوئے کہا۔

"چلو صاحب!" بشیراں اُسے دُوسری جانب لے گئی۔

"تمہاری قسمت اچھی ہے صاحب کہ تم زنان خانے آئے اور یوں خیریت سے واپس بھی جا رہے ہو ایسی جگہ ہے جہاں شاہ جی بھی بتا کر آتے ہیں۔ اَب تم یہاں سے جاؤ اور اپنا یہاں تک آنے کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔" بشیراں نے اُسے باہر پہنچا کر کہا۔

"آپی! تم نے اُس اجنبی کو یوں کیسے جانے دیا؟ تم جانتی ہو نا کہ کسی مَرد کا یہاں آنے کا جرم، اس کی سزا کیا ہے۔" مریم نے سدرہ سے اُلجھ کر پوچھا۔

"مریم! تم جانتی ہو وہ کون تھا!" سدرہ نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"کون؟" مریم نے سوال کیا۔

"وہ ہی جو تمہاری آپی کے خوابوں کا مرکز ہے! وہ ہی جو مجھے درگاہ میں ملا تھا۔" سدرہ نے بے خوفی سے کہا۔

"کیا؟" مریم نے حیرت سے کہا۔

"ہاں! یہ وہ ہی ہے، جسے میں چاہتی ہوں!" سدرہ نے اعتراف کیا۔

"اوہ میرے اللہ!" مریم سر تھام کر رہ گئی۔ وہ جسے اپنی بہن کا تصور سمجھتی تھی، وہ تو ایک حقیقت تھا۔

"آپی تم جانتی ہو کہ تمہارے اِس جرم کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟" مریم کی آنکھوں کے سامنے فاطمہ پھوپھو کا چہرہ لہرا گیا۔

"ہاں!" سدرہ کی آنکھوں میں بے خوفی تھی۔

"آپی یہ سراسر خودکشی ہے۔" مریم نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"منظور ہے۔ یہ خودکشی بھی تو اِن دیواروں سے آزادی کا ایک ذریعہ ہی ہے نا۔" سدرہ نے بے خوفی

سے کہا۔

مریم پھٹی پھٹی نگاہوں سے سدرہ کو دیکھ رہی تھی، وہ یقیناً پہلی لڑکی تھی جو جانتے بوجھتے خوشی خوشی موت کو گلے لگانا چاہ رہی تھی۔

اِس حویلی میں لڑکی کے محبت کرنے کی سزا صرف اور صرف موت تھی۔ ایک بھیانک اور عبرت ناک موت۔

❀❀❀

میں!
میں درپن دیکھ کر رویا
جیون کی اِس دوڑ میں، میں نے
کیا کھویا، کیا پایا
سمے کے ہاتھوں پڑ گئیں مُکھ پر
ایسی گہری لکیریں
جیسے ہزاروں سال پُرانے
دَور کی ہوں تحریریں
پتھرائی بے جان سی آنکھیں
چہرہ سویا سویا
میں درپن دیکھ کے رویا
اِک پَل کو پہچان نہ پایا
میں اپنی ہی صورت
مکڑی کے جالے میں جیسے
قید ہو کوئی مورت
رنگ و رُوپ کے اُجڑے پن میں
من سے کھویا کھویا
میں درپن دیکھ کے رویا

ترنم کتنی ہی دیر سے چُپ چاپ بیٹھی اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ کمرا گرم تھا، باہر بارش بھی رُک چکی تھی۔ کمرے کی خاموشی میں عبدالولی کے سانسوں کی آواز بہ خوبی سنائی دے رہی تھی، جو ترنم کے ہوش میں آنے کے انتظار میں جانے کب سوگیا تھا۔

ایگزیمنیشن کی تیاری کی وجہ سے وہ پہلے ہی دو راتوں سے بے آرام تھا اُس پر ترنم کا یوں اُس سے ٹکرانا اور پھر بے ہوش ہو جانا اُسے مزید اَپ سٹ کرگیا تھا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ ترنم کی پُر اسرار شخصیت اُسے عجیب سے وہم میں مبتلا کر گئی تھی، آج وہ اِس لڑکی کے متعلق سب کچھ جاننا چاہتا تھا اُ

وہ ترنم کے پاس پڑے صوفے پر بیٹھ گیا اور جانے کب انتظار کرتے کرتے اُس کی آنکھ لگ گئی۔

ترنم جب ہوش میں آئی تو اُسے فوراً اپنی اور ولی کی ریسٹورنٹ میں ملاقات یاد آ گئی ساتھ ہی اُس کا ال کہ وہ کون تھی۔

"میں ایک بُری لڑکی ہوں! سُنا عبدالولی! میں ایک بُری لڑکی ہوں تمہارے پاکیزہ گھر میں میرا کیا ام؟" ترنم نے اِدھر اُدھر نِگاہ دوڑائی، جوتے پیروں میں ڈال کر وہ کھڑی ہوئی تو ایک پَل کو اُسے چکر گیا۔

"تم اُٹھو گے اور پھر مجھ سے وہ سوال دُہراؤ گے۔ اور میرے اندر تمہارے سامنے اپنا بھیانک روپ لنے کا حوصلہ نہیں ہے۔" ترنم نے پیار بھری نگاہ اُس کے تھکے تھکے چہرے پر ڈالی۔

"اللہ کرے ہم دوبارہ کبھی نہ ملیں!" ترنم نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئی، باہر ٹھنڈی یخ ہوا اُس کا استقبال کیا۔ صبح چڑیوں کی چوں چوں پر ولی کی آنکھ کھلی صوفے پر بے آرامی سے لیٹنے پر اُس گردن مُڑ گئی تھی اور اُسے خاصی تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔

عبدالولی ایک دم چونک کر اُٹھا سامنے بستر خالی تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلا سب کمروں کو جھانکتا وہ نیچے ل میں پہنچا جہاں نگی گرم کپ چائے کا لیے بیٹھی تھی۔

"السّلام علیکم بھائی!"

گی نے اُسے دیکھتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! وہ...."

عبدالولی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ ترنم کے متعلق پوچھے یا نہ پوچھے۔

"وہ آپ کی مہمان رات ہوش میں آتے ہی باہر نکل آئی، وہ تو اتفاق سے میرا سامنا اُس سے ہوگیا۔ نے اُسے روکا کہ وہ اتنی رات اور بارش میں کہاں جا رہی ہے لیکن وہ بالکل نہ مانی۔ اپنا پرس اور ائل وہ مجھ سے لے کر باہر جانے پر جب زیادہ ضد کرنے لگی تو میں نے اُسے ڈرائیور کے ساتھ روانہ ردیا لیکن... لیکن ڈرائیور پانچ منٹ بعد ہی واپس آ گیا اور کہنے لگا کہ باجی بیچ راستے میں اُتر گئی تھی۔"

نے ساری تفصیل اُسے سنائی۔

عبدالولی کا ایک دم خون کھولنے لگا۔ یعنی کہ حد ہوگئی، اپنے باپ کا غلام سمجھا ہے ہر بار مصیبت بن کر ے گلے پڑ جاتی ہے اور نوابوں کی طرح اُٹھ کر چل دیتی ہے اَب اگر یہ لڑکی مجھے ملی تو دیکھوں گا کہ بھاگتی ہے! اُس کا رویّہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہے۔" عبدالولی نے ماتھے پر تیوری ڈال کر سوچا۔

"لیکن تمہیں اِس سے کیا کہ وہ کون ہے اور کیوں ہر وقت بھاگتی ہے؟ تمہیں اُس سے دِل چسپی ں؟" عبدالولی کے اندر سے کوئی بولا۔

"شاید! اِس لیے کہ اُس نے میری جان بچائی تھی۔" ولی نے خود کو جواب دیا۔

"نہیں ولی! تم کہیں نہ کہیں اُس سے انسپائر ہوا!" کوئی پھر اُس کے اندر سے بولا۔

"نہیں! بالکل نہیں! میں صرف علیزے سے محبت کرتا ہوں!" عبدالولی نے سچائی سے کہا۔

"تو پھر یہ لڑکی ترنم؟" اندر سے پھر سوال ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ صرف ایک تجسس ہے! اُس کا یوں پُراسرار ہونا مجھے اکثر اُس کی جانب بلاوجہ مائل کرتا ہے" عبدالولی نے یک سوئی سے کہا۔

"میں اَب اِس اسرار اور اِس تجسس کا پتا ضرور لگاؤں گا!" عبدالولی نے خود سے کہا، اُس کے چہرے پر، پُرسوچ لکیریں تھیں۔

"تم کون ہو؟ اور کہاں چلی جاتی ہو، میں ضرور جانوں گا!" عبدالولی نے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے سوچا...

❀

کچھ کرو ایسا، تمہارے بعد بھی
نیک نامی کا ذریعہ ہو وہ کام
رہتی دنیا تک تمہارا نام ہو
ذکر جاری ہر جگہ ہو صبح و شام

سید عبداللہ نے مسکرا کر فیصل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نہ صرف خوش ہوں بلکہ بے حد ممنون بھی کہ آپ نے اس گاؤں میں مجھے پریکٹس کرنے کے لیے نہ صرف اجازت دی بلکہ زمین بھی دی۔" ڈاکٹر فیصل نے بے حد پیار بھری نگاہ سید عبداللہ پر ڈالی۔

سید عبداللہ کو اللہ نے نہ صرف خوب صورت شکل دے رکھی تھی بلکہ بے حد نرم اور پیار کرنے والا دل بھی دے رکھا تھا۔ ڈاکٹر فیصل کو وہ بے حد اچھا اور مختلف لگا تھا۔

"لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال بھی آتا ہے کہ آپ کے والد اور بھائی آپ کے اس عمل سے بے حد ناراض ہیں۔ آپ نے میرے کہنے پر بہت بڑی ناراضی مول لے لی ہے، بڑے شاہ صاحب کا غصہ سارے گاؤں میں مشہور ہے۔" ڈاکٹر فیصل نے سید عبداللہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری امّاں جان کہتی ہیں کہ جس کام میں سب کی بھلائی ہو اُس کے صدقے میں کسی کی ناراضی مول لینی پڑے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں کیوں کہ جس سے اللہ راضی ہوتا ہے صرف وہ ہی عمل اچھا ہے۔" یہ کہتے ہوئے سید عبداللہ کا چہرہ بے حد مطمئن تھا۔

"عبداللہ! مجھے فخر ہے کہ مجھے آپ جیسا صاحبِ دِل شخص دوست کی صورت میں ملا۔" ڈاکٹر فیصل نے اعتراف کیا۔

"میں بھی تمہارے لیے بہت اچھے اور مانوس سے جذبات محسوس کرتا ہوں۔ اس گاؤں میں تم جیسا پڑھا لکھا شخص میرے لیے بھی غنیمت ہے۔" سید عبداللہ نے کہا تو ڈاکٹر فیصل ایک دم ہنس دیا۔

"اس طرح کی گفتگو کرتے رہے تو مقابلہ شروع ہو جائے گا، آپ کو ماننا پڑے گا کہ میری بات زیادہ درست ہے کہ آپ بہت زیادہ اچھے ہیں۔" ڈاکٹر فیصل نے اصرار کیا۔

"سائیں۔ سائیں جی!" مشتاق سید عبداللہ کا ملازم حواس باختہ دوڑتا ہوا آیا۔

"کیا ہوا؟" سید عبداللہ نے پوچھا۔

"سائیں... وہ... وہ!" مشتاق کی سانسیں ابھی تک بے ترتیب تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"روشن! اِس میں زیادہ قصور تو انور میاں کا ہے، وہ ہمیشہ حسن آرا بہن کو اپنی باتوں سے اذیت دیتے آئے ہیں۔" احمد شاہ نے پہلی بار اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

ہسپتال میں بھی انور میاں، احمد شاہ کو باتوں باتوں میں کتنی بار اپنی خیریت کا سنا چکے تھے۔ ساتھ میں امیر رشتے داروں کی بے حسی کا ذکر کرتے رہے جو غریب رشتے داروں کو پوچھتے تک نہیں، احمد شاہ نے ہسپتال کے سارے بل بھرے تھے، لیکن انور میاں کا موڈ پھر بھی بے حد خراب تھا۔ یہاں تک کہ وہ بیمار بیوی کو بھی باتیں سناتے رہے تھے۔

"شادی ہمارے معاشرے میں اکثر ون وے ہوتی ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جہاں سے انسان واپس مُڑ کر نہیں آ سکتا۔ حسن آرا نے بھی ساری عمر اس رشتے کو نبھانے کی کوشش کی یہ اور بات ہے کہ وہ اِسے نبھاتے نبھاتے روگی ہوگئی!" روشن آرا بیگم کے لہجے میں بے حد دُکھ تھا۔

بہن کا مرجھایا چہرہ اُن کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا تھا۔ شادی شدہ زندگی میں شوہر کی محبت اور توجہ عورت کو ہرا بھرا کر دیتی ہے تو اُس کی لاپروائی اُس کو مرجھا کر رکھ دیتی ہے۔ اور حسن آرا بھی ایک مرجھایا ہوا پودا تھیں۔

"امّاں جان! کیا کوئی لڑکی اگر اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہ ہو تو بھی اُسے اُس کے ساتھ ہی رہنا ہوگا؟" نگی نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! عورت کے لیے تو اُس کا شوہر ہی سب کچھ ہوتا ہے چاہے وہ کیسا بھی ہو!" روشن آرا بیگم نے کہا۔

نگی کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی اور اُس کا معصوم دل سہم کر رہ گیا۔

"روشن! میرا خیال ہے کہ تم علیزے کا رشتہ عبدالولی کے لیے مانگ لو، اِس سے حسن آرا کو سکون و خوشی ملے گی۔" احمد شاہ کو روشن آرا عبدالولی کی رضا مندی پہلے بتا چکی تھیں اس لیے آج انہوں نے بچوں کے سامنے کھلم کھلا شادی کی بات کی تھی۔ اِس قدر پریشانی میں بھی یہ بات روشن آرا بیگم کے چہرے کو کھلا گئی۔

"آپ کی اجازت ہے؟" وہ گویا ہوئیں۔

"بالکل! مجھے آج وہ بچی بے حد اچھی لگی۔ ہمیں ایسی ہی خیال کرنے اور پیار کرنے والی بہو چاہیے تھی۔" احمد شاہ نے کہا۔ عبدالولی کے چہرے پر بے حد پُرسکون مسکراہٹ تھی۔

"کیا امّاں جانی! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟" نگی نے پُرجوش ہوکر پوچھا۔

"یہی کہ علیزے تمہاری بھابی بن کر اس گھر میں آئے گی۔" روشن آرا بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اللہ! کس قدر مزا آئے گا نا۔ میرے ساتھ بھی کوئی رہنے آئے گا۔" نگی نے خوشی اور معصومیت سے کہا۔

"جناب وہ کچھ دن کے لیے نہیں ہمیشہ کے لیے آئے گی، سوچ لو کہیں امّاں بابا کی توجہ بٹ گئی تو تمہیں ہی سب سے زیادہ تکلیف ہوگی۔" عبدالولی نے شرارت سے کہا۔

"ایک اچھی سی بھابی کے لیے مجھے سب کچھ منظور ہے۔" نگی نے دل بڑا کرتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ، وہ لگارکھی ہے؟" سید عبداللہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"سائیں! سید عاشق علی کی طبیعت بہت خراب ہے اور وہ ولایت سے واپس آ گئے ہیں، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ بڑے شاہ صاحب نے کہا ہے کہ آپ کو بلا لاؤں تا کہ سائیں عاشق علی بی کے ہاں جایا جاسکے۔"

"اچھا فیصل! پھر ملاقات ہوگی اگر زندگی رہی تو۔" سید عبداللہ نے ڈاکٹر فیصل سے اجازت لیتے ہوئے کہا۔

"ارے ابھی تو آپ کی زندگی شروع ہوئی ہے اور آپ اس طرح کی اَنٹ شنٹ باتیں کررہے ہیں۔" ڈاکٹر فیصل نے کہا۔

سید عبداللہ نے مشتاق کو جانے کا اشارہ کیا۔

"دراصل صبح جب میں گھڑ سواری کے لیے نکلا تو میرے گھوڑے کی زین کی بکل توڑ دی گئی تھی، کل میرے دودھ میں زہر تھا، جسے ہماری بلی پی کر مرگئی۔ یہ سب باتیں میں نے ابھی تک کسی کو نہیں بتائیں لیکن کوئی ہے ضرور جو مجھے زندہ دیکھنا نہیں چاہتا۔" سید عبداللہ نے کچھ ایسے مطمئن انداز میں بتایا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"اتنا کچھ ہورہا ہے اور آپ خاموش ہیں۔" ڈاکٹر فیصل نے فکرمندی سے پوچھا۔

"زندگی، موت اللہ رحمٰن کے ہاتھ میں ہے، جب وہ بلائے گا تب ہرصورت جانا ہوگا لیکن اُس کی مرضی کے بغیر میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ میرا یقین ہے میرا خیال کرنے کے لیے وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والی ذات ہے نا!" سید عبداللہ نے بے حد مطمئن انداز میں کہتے ہوئے رخصت لی۔

"کچھ لوگوں کی زندگی میں واقعی اللہ پر یقین سے خیر پڑی رہتی ہے، جیسے کہ سید عبداللہ!" ڈاکٹر فیصل نے بے اختیار کہا۔

"آخر ترنم کہاں گئی؟" عبدالولی نے گاڑی کچھ ہی دور جا کر روک دی۔ وہ کہیں بھی نہ تھی اور سائے کا پیچھا نہیں کیا جاسکتا۔ کیسی پہیلی کی طرح وہ لڑکی گنجلک بنی اُس سے ملتی تھی۔ عبدالولی نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کی جانب متوجہ ہو جاتا تھا۔

اُس کی بے حد اُداس آنکھیں جو زیادہ تر نم رہتی تھیں، یوں جیسے وہ تکلیف میں ہو، لیکن وہ تکلیف کیا تھی وہ نہیں جانتا تھا۔ اور وہ خود کیا تھی وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا اور جب اُس نے اُسے جاننے کی خواہش کی تو وہ کسی مجرم کی طرح اُس سے دور بھاگ گئی۔ عبدالولی ڈھیروں سوالوں سے گھبرا کر واپس گھر میں داخل ہوا تو روشن آرا بیگم اور احمد شاہ واپس آ چکے تھے۔

"کیا ہوا امّاں جان! خیریت تھی؟" عبدالولی نے سلام کے بعد روشن آرا بیگم سے خالہ کی طبیعت پوچھی۔

"ہاں خیریت ہی رہی، اللہ نے بڑا کرم کردیا، ہلکا سا انجائنا کا اٹیک تھا لیکن حسن آرا بے حد کمزور ہوتی جارہی ہے، جانے کس چیز کا غم اُسے کھائے جارہا ہے۔" روشن آرا بیگم نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چلو اچھا تم نے تو جلد ہی ہار مان لی ورنہ میں تمہاری خاطر تین مزید خواتین کو برداشت کرنے کو تیار تھا۔'' ولی نے شرارت سے کہا۔ احمد شاہ اور روشن آرا بیگم ولی کی شرارت سمجھ کر مسکرا دیے جب کہ نگی ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔

''اللہ بھائی! کس قدر مزا آئے کہ میری ڈھیر ساری بھابیوں والی خواہش پوری ہوجائے۔'' نگی کی احمقانہ بات پر ولی نے ایک دم لاحول پڑھی۔

''لڑکی! تم میرے لیے اتنا ہولناک مستقبل سوچے بیٹھی ہو۔'' عبدالولی نے خوف زدہ شکل بنا کر پوچھا۔

''بھائی! میری دوستوں کی دو، دو تین، تین بھابیاں ہیں۔'' نگی نے بچوں کی طرح جواب دیا۔

''کیا ایک ایک بھائی کی؟'' ولی نے پوچھا۔

''نہیں! سب کی ہے تو ایک ایک بیوی لیکن بھائی دو تین ہیں۔'' نگی کے جواب پر سب کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا۔

''آپ سب میری بات پر ہنس کیوں رہے ہیں؟'' نگی نے برا مناتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں! تم کو ولی کے معاملے میں ایک بھابی پر ہی اکتفا کرنا ہوگا۔'' روشن آرا نے کہا۔

''امّاں جانی! کوئی کوئی آدمی دو شادیاں بھی کرتا ہوگا۔ ہم بھائی کی دو شادیاں کر دیں تو زیادہ رونق ہوجائے گی نا؟'' نگی کی بات پر روشن آرا نے دہل کر اُسے ٹوکا، کوئی وقت سنے جانے کا بھی ہوتا ہے، بات پوری ہوجانے کا وقت!

''نگی بیٹا! اب تم بڑی ہوگئی ہو بات کرتے ہوئے پہلے سوچ لیا کرو۔'' روشن آرا بیگم نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''سوری امّاں جانی! میں تو اِس گھر میں اپنی تنہائی سے اِس قدر گھبرا جاتی ہوں کہ مجھے کسی دوست اور سہیلی کی کمی کا احساس بے حد ہوتا ہے ایسے میں، میں نے اکثر بہن جیسی بھابیوں کی دعا کی تھی۔'' نگی نے اپنا موٴقف بیان کرنے کی کوشش کی۔

''بیٹا! ہم تمہاری شادی وہاں کر دیں گے، جہاں رونق ہو، لیکن تم ولی کے لیے اچھی اچھی باتیں سوچا کرو۔'' وہ بولیں۔

''امّاں جان! کیا دو شادیاں بری بات ہے؟'' نگی کے سوال تھے کہ ختم ہونے کو نہ آرہے تھے۔

''بالکل بُری بات ہے۔'' روشن آرا نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ وہ نگی کو اُس کی بچگانہ باتوں سے ہٹانا چاہ رہی تھیں۔

''جی!'' نگی نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

اُن میں سے کوئی نہ جانتا تھا کہ تقدیر اُن کے لیے کیسے کیسے سرپرائز لیے بیٹھی تھی۔ معصومیت میں مانگی دعائیں ویسے بھی بہت جلد قبول ہوجاتی ہیں۔

❖❖○❖❖

دِن رات کی بے حد محنت کے بعد آخر کار عبدالولی کے فائنل ایگزام کا پروجیکٹ مکمل ہوگیا تھا۔

عبدالولی اپنے پروجیکٹ کو ملٹی میڈیا میڈیم پر بھی کرنا چاہ رہا تھا تا کہ وہ اُسے کمرشلی بیچ سکے۔ اُس کے لیے اُسے کسی پروفیشنل کی مدد کی ضرورت تھی جس کے پاس سامان ہو، انتظام ہو ہر طرح کا شوٹ اور اینیمیشن کرنے کے لیے، اُس کے پاس اسٹوڈیو کی سہولت موجود ہو۔ ایسے میں اُسے سمعان علوی کا خیال آیا جس سے اُس کی ملاقات طارق کے فارم ہاؤس پر ہوئی تھی۔

''میں طارق کو فون کرتا ہوں کہ مجھے سمعان کا نمبر دے!'' ولی خود کلامی کے انداز میں بولا مگر طارق کا نمبر تھا کہ مل کے نہیں دے رہا تھا۔

''میرا خیال ہے سائرہ کے پاس بھی سمعان کا نمبر ہوگا۔'' ٹی ٹو نے مشکل کا حل پیش کیا۔

''ہوں! ٹھیک ہے اُسی سے نمبر لے لیتے ہیں۔'' ولی کہتے ہوئے ٹی ٹو کے ساتھ ڈرائنگ اسٹوڈیو چلا آیا۔ اس وقت سائرہ اور مسکان کی کلاس ڈرائنگ اسٹوڈیو میں ہورہی تھی۔ کلاس کے باہر بیٹھے اسٹوڈنٹ نے بتایا کہ ہاف ٹائم ہے اس لیے اکثر اسٹوڈنٹس باہر کھانے پینے کے لیے گئے ہوئے ہیں۔

''ٹھیک ہے ہم انتظار کر لیتے ہیں۔'' ٹی ٹو نے سائرہ اور مسکان کے ایزل کے پاس پڑے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ولی اور ٹی ٹو بہت سینئر طالب علم تھے اِس لیے اسٹوڈیو کے نگران نے انہیں اندر بیٹھنے کی اجازت دے دی تھی ورنہ کسی کو اجازت نہ تھی کہ دوران کلاس اندر آ کر بیٹھے کیوں کہ ہر طالب علم کا بیگ اور کتابیں وغیرہ کھلی رکھی ہوتی تھیں اور بریک ٹائم میں طالب علم اپنی ہر چیز کھلی چھوڑ کر باہر چلے جاتے تھے۔

ولی موبائل پر طارق کو میسج کر رہا تھا، جب کہ ٹی ٹو نے حسبِ عادت کتابیں کھول کھول کر دیکھنی شروع کر دیں۔ یہ کتابیں مسکان کی تھیں، اُس کے پاس ہی مسکان کی اسکیچ بک بھی پڑی تھی ٹی ٹو اُسے بھی بے خیالی میں کھول بیٹھا۔

تھوڑی دیر کے لیے تو ٹی ٹو ہکا بکا ہی رہ گیا۔ وہ کبھی اسکیچ بک کو دیکھتا کبھی موبائل پر میسج کرتے ولی کو دیکھتا۔ بیس، تیس کی شیٹس پر بنی یہ بڑی سی اسکیچ بک ولی کے پورٹریٹس سے بھری پڑی تھی۔

بس وہ شخص اچھا لگا اسے صاف کہہ ڈالا
دل کی بات تھی ہم سے منافقت نہ ہوئی

ایک اسکیچ کے نیچے لکھا ہوا المیہ شعر مُسکان کے دِلی جذبات عیاں کر رہا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' عبدالولی کی نگاہ اچانک ٹی ٹو کے اُڑے چہرے پر پڑی تو اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

''خدا کی قسم اگر کوئی مجھ پر یوں مرتا تو میں کبھی ناشکری نہ کرتا۔'' ٹی ٹو نے اسکیچ بک ولی کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

ولی ایک دم چونکا۔ مسکان کی پسندیدگی اپنی حدود سے نکل کر محبت کی حد میں جا داخل ہوچکی تھی۔ عبدالولی نے نہایت خاموشی سے اسکیچ بک بند کر کے واپس رکھ دی۔

''کیوں! اب کیا گونگے کا گڑ کھالیا۔ جب میں کہتا تھا کہ وہ سنہری بالوں والی گڑیا تمہیں عجیب نگاہوں سے دیکھتی ہے تو تم نہیں مانتے تھے، جب تم نے مائم کروایا تھا تو یہ لڑکی ساری دنیا سے بے خبر تمہیں دیکھا کرتی تھی۔ تم اب بھی مکر جاؤ کہ ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔'' ٹی ٹو نے ولی کی آنکھوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ چلتے ہیں، میں نے طارق کو پیغام دے دیا ہے وہ خود ہی مجھے میسج کر دے گا۔" ا نے نگاہ چُراتے ہوئے کہا۔ مسکان کا اقرارِ محبت وہ اُس کی زبان سے سُن چکا تھا۔ ولی نہیں چاہتا تھا ا ایسے میں اُس کی جانب سے مُسکان کو کوئی خوش فہمی ملے۔

"اے بے نیازی کے بادشاہ! اے حضورِ اعلیٰ!" ٹی ٹو نے اُسے پیچھے سے پکارا۔

"کیا ہے یار؟" عبدالولی جو کچھ کام کی وجہ سے تھکا ہوا تھا کچھ مسکان کے جذبات جان کر بے ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

"وہ تم سے محبت کرتی ہے یار ولی!" ٹی ٹو قدم بڑھاتا اُس کے پاس آیا۔

"لیکن میں اُس سے محبت نہیں کرتا!" عبدالولی نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"لیکن وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور تمہیں چاہتی بھی بہت ہے ایسے میں کیا پرابلم ہے؟" ٹی ٹو کو مسکا سے ہمدردی ہونے لگی تھی۔

"اُس میں کوئی خرابی نہیں ہے! محبت کے جواب میں محبت دینا ضروری ہوتا ہے اور میری محبت کسی ا کے لیے مخصوص ہو چکی ہے۔" عبدالولی نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے دِل کا راز عیاں کر دیا۔

"یار ولی! تم کو بھی کسی سے محبت ہو سکتی ہے؟" ٹی ٹو نے بے یقینی سے پوچھا۔

"کیوں! کیا میں نارمل انسان نہیں ہوں؟" ولی مسکرایا۔

"حرکتیں تو تمہاری پتھروں جیسی تھیں۔" ٹی ٹو نے سچائی سے اعتراف کیا۔

"میرا رویّہ میرے کردار کی ڈھال ہے! میں ہتھیلی پر دِل لیے پھرنے والے مَردوں میں سے نہیں ہوں۔" عبدالولی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کون ہے وہ خوش نصیب، جس سے تم محبت کرتے ہو؟" ٹی ٹو نے اب کی بار کچھ تجسس اور دِل چسپی سے پوچھا۔

ولی اور ٹی ٹو دونوں نہیں جانتے تھے کہ سائرہ اور مسکان اسٹوڈیو آ چکی تھیں اور اِس وقت بڑے سے ایزل کے پیچھے کھڑی اُن کی ہی گفتگو سُن رہی تھیں۔

مُسکان کا سارا وجود کان بنا ہوا تھا وہ ابھی آئی تھی سائرہ کو اُن کی باتیں سنتے دیکھ کر وہ بھی وہاں کھڑی ہو گئی تھی۔

"علیزے! اُس کا نام علیزے ہے۔" عبدالولی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مسکان کو لگا کہ سامنے کا منظر دھندلا گیا ہے۔ زمین ایک دم سے گھومنے لگی ہے، اُس نے سہارا لینے کے لیے پاس کھڑی سائرہ کا ہاتھ تھاما۔ لیکن صدمہ اِس قدر گہرا تھا کہ وہ خود کو سنبھال نہ سکی اور لہرا کر سائرہ کے بازوؤں میں آن گری۔

ٹی ٹو اور عبدالولی نے کھٹکے پر مڑ کر دیکھا اور تیزی سے آگے بڑھے۔

"اِسے کیا ہوا؟" ٹی ٹو نے پوچھا۔ سائرہ تو خود اس صورتِ حال پر حیران و پریشان تھی۔

"کیا ہوا سائرہ؟" ولی نے بے ہوش مسکان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ما........معلوم نہیں!" سائرہ نے پریشانی سے جواب دیا۔

"اِن کو پلیز اٹھانے میں مدد دیں۔" عبدالولی نے سائرہ سے کہا جو خود ہاتھ پاؤں چھوڑے بیٹھی تھی۔

سائرہ، عبدالولی اور ٹی ٹو کی مدد سے مسکان کو سِک روم میں لے آئی لیکن اُسے ہوش نہ آ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اِسے ہسپتال لے چلتے ہیں۔" ٹی ٹو نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے میں اِس کی آپا امّاں کو بھی فون کر دیتی ہوں۔" سائرہ نے کہا۔

"ولی بھائی پلیز! اُسے ہسپتال پہنچانے میں میری مدد کریں۔" سائرہ نے سنجیدہ کھڑے ولی سے کہا۔

"شیور!" عبدالولی نے فوراً ہامی بھری۔

زندگی میں کبھی کبھی انسان بنا قصور کے ہی قصور وار بن جاتا ہے، عبدالولی کو بھی اپنا وجود قصور وار لگ رہا تھا۔ مسکان کی بند آنکھوں میں وہ بہتا پانی، پانی نہ تھا بلکہ آنسو تھے۔

عبدالولی کے دِل میں عجیب سی چبھن تھی، جس کو وہ کوئی نام نہ دے پا رہا تھا۔

❖❖○❖❖

"برین ہیمبرج؟" سائرہ نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ڈاکٹر کی بات دُہرائی۔

عبدالولی تھک کر وہیں بنچ پر بیٹھ گیا، وہ بے حد ذہین آدمی تھا بہت سی باتیں اُس کے زبردست مشاہدے کی وجہ سے اُس تک وقت سے پہلے پہنچ جاتی تھیں۔ مسکان کی نگاہ میں جو پیغام ہوتا تھا وہ اُسے پڑھ سکتا تھا۔ لیکن وہ اپنے دِل کا کیا کرتا جو کبھی اُس کی جانب مائل ہی نہ ہو سکا تھا۔

"مسکان! آئی ایم سوری!" عبدالولی نے دل ہی دِل میں کہا۔ اُسے مسکان سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی اور ہمدردی میں محبت نہیں ہو سکتی!

"سائرہ، مسکان کدھر ہے؟" یہ آواز عبدالولی کو بہت قریب سے سنائی دی، جیسے ہی عبدالولی نے اپنا جھکا ہوا سر اُٹھایا تو مسکان کی آپا امّاں کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ اپنی بات کہتے کہتے رُک گئیں۔

"سید عبداللہ!" آپا امّاں نے کانپتی آواز اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اُسے دیکھ کر اشارہ کیا۔ اُن کے چہرے پر اِس قدر مختلف رنگ تھے کہ ولی خود بھی بوکھلا گیا۔ لیکن اِس ساری بوکھلاہٹ میں بھی وہ آپا امّاں کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کو نہ بھولا تھا، ایسے ہی تاثرات کا اظہار ایک بار پہلے وہ تب دیکھ چکا تھا جب وہ میاں جی کے گاؤں گیا تھا اور وہاں ایک کھنڈر حویلی کی سیر کرتے ہوئے گاؤں کا ایک آدمی اُسے ملا تھا۔ اُس نے بھی اُسے سید عبداللہ کے نام سے پکارا تھا۔

"سید عبداللہ!" یہ نام اُسے کچھ مانوس سا لگا تھا اور دنوں اُسے ڈسٹرب کیے رکھا تھا۔ اب یہ عورت بھی اُسے اِس نام سے پکار کر پریشانی و حیرانی سے تک رہی تھی۔ وہ جسے اپنا وہم، اپنا تصور خیال کرتی تھیں وہ تو حقیقت تھا! آپا امّاں دِل میں سوچتی ہوئی کبھی مسکان کو اور کبھی عبدالولی کو تکے جا رہی تھیں۔

"آپا امّاں! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" سائرہ نے اُن کے گم سم ہوتے وجود کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آ۔ ہاں!" وہ اب تک بوکھلائی ہوئی تھیں۔

"یہ عبدالولی بھائی ہیں، طارق بھائی کے بیسٹ فرینڈ اور ہمارے سینئر بھی ہوتے ہیں کالج میں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائرہ نے عبدالولی کا مکمل تعارف کرواتے ہوئے بتایا۔

''کیا؟''

''کیا واقعی تمہارا نام عبدالولی ہے؟ آیا امّاں کی آواز سرگوشی میں تبدیل ہوگئی، جیسے وہ کوئی راز والی بات پوچھ رہی ہوں۔

''جی ہاں!'' عبدالولی نے حیرت سے اُس عورت کو دیکھا، جو مسلسل اسے تکے جارہی تھی۔

''تمہاری بہن کا نام نگینہ ہے نا؟'' آیا امّاں نے ڈوبتے دِل سے پوچھا۔ ولی کو وہ عورت بے حد عجیب لگی تھی اور اُس کے سوال پر وہ بے اختیار چونکا تھا۔

''یہ نگینہ کو کیسے جانتی ہے؟'' ولی نے سوچا۔

''آپ میں سے سائرہ کون ہے؟'' ڈاکٹر نے ایک دم باہر آکر پوچھا تو کچھ پَل کو سب کی توجہ اُس کی جانب ہوگئی۔

''جی میں ہوں!'' سائرہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

''آپ مریضہ کی کیا لگتی ہیں؟'' عمر رسیدہ ڈاکٹر نے پوچھا۔

''جی وہ میری بہن جیسی ہے۔'' سائرہ نے سچائی سے جواب دیا اور یہ سچ ہی تھا۔ کیوں کہ سائرہ مسکان کے لیے اپنے دِل میں بہنوں جیسی تڑپ محسوس کررہی تھی۔

''آپ میرے ساتھ آئیے!'' ڈاکٹر سائرہ کو لے کر اندر چلی گئی۔

''جی ڈاکٹر صاحبہ! مسکان تو ٹھیک ہے نا؟'' سائرہ نے پریشانی سے پوچھا۔

''اُس کا بے حد خیال کرنا ہوگا کہ وہ آئندہ کسی قسم کی ٹینشن یا کسی کام کا Stress نہ لے اور!'' ڈاکٹر کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

''اور کیا؟'' سائرہ نے پوچھا۔

''اور یہ کہ یہ ولی کون ہے؟'' ڈاکٹر کے ایک دم پوچھنے پر سائرہ گڑبڑا گئی۔

''جی؟'' سائرہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

''بے ہوشی میں بھی وہ کسی ولی کو مسلسل پکار رہی ہے یا پھر سائرہ یعنی آپ کا نام لیا تھا۔ میں بھی ایک ماں ہوں اور نوجوان نسل عموماً اپنی پہلی پہلی محبت کے لیے جذباتی ہوتی ہے، میں بچی کی بدنامی نہیں چاہتی تھی، اس لیے آپ کو تنہائی میں لاکر بتایا ہے۔''

''جی! ولی ہمارا سینئر ہے اور مسکان شاید اُسے پسند کرتی ہے!'' سائرہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''اوہ! میرا اندازہ درست تھا۔ آپ کو خیال کرنا ہوگا کہ اب اُسے کوئی دُکھ کی خبر نہ ملے ویسے بچی کے والدین کدھر ہیں؟ مجھے یہ سب باتیں اُن سے کرنی چاہئیں۔'' ڈاکٹر نے سائرہ سے کہا تو سائرہ کو ایک دم آیا امّاں کا خیال آیا، جو ولی کو دیکھ کر پریشان ہورہی تھیں۔

''میں بھیجتی ہوں، مسکان کی والدہ باہر ہیں۔'' سائرہ کہتے ہوئے اُٹھی۔

''ویسے اب مُسکان خطرے سے باہر ہے نا؟'' سائرہ نے مُڑ کر پوچھا۔

''جی ہاں!'' ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''مسکان کیسی ہے؟'' آیا امّاں بے تابی کے ساتھ سائرہ کی جانب بڑھیں۔

''آپ آئیے میرے ساتھ، ڈاکٹر آپ سے ملنا چاہ رہی تھیں۔'' سائرہ آیا امّاں کو لیے اندر چلی گئی تو ...ا نے ایک گہرا سانس بھرا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم چلتے ہیں، شام کو واثق کے ہاں سے ٹرانسپیرنسیز بھی لینی ہیں۔'' ولی نے ٹی ٹو ...کہا۔ تھیسز کے ڈسپلے کی ڈیٹ قریب آرہی تھی ولی کو اُس کی بھی ٹینشن تھی۔

''چلو یار! چلتے ہیں یہاں تو خواتین تمہیں اِس قدر میٹیریلس انداز میں دیکھتی ہیں، جیسے تم کمبھ کے فلمی ...ے میں کھوئے ہوئے اُن کے گم شدہ لختِ جگر ہو۔'' ٹی ٹو کا اشارہ آیا امّاں کی جانب تھا جن کا رویّہ ولی ...کچھ عجیب سا تھا۔

''ایسا کیوں ہے؟ آئی کانٹ انڈر اسٹینڈ! چلو یار کام بہت پڑا ہے۔'' ولی، ٹی ٹو کے ساتھ بہت ...ت کے ساتھ ہسپتال سے نکلا تو سامنے آتے ایک شخص سے بُری طرح ٹکرا گیا۔

''سوری ویری سوری!'' ولی نے اُس سے معذرت کی جب کہ وہ ولی کو ہونقوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔

''سائیں عبداللہ!'' اُس نے کہا۔

ولی جاتے جاتے ایک دم رُک گیا۔ تیسری بار وہ ایک ہی نام سُن رہا تھا۔

''کیا کہا آپ نے؟'' ولی نے مڑ کر پوچھا۔ جب کہ وہ شخص ڈر کر بھاگ گیا۔ عبدالولی کے ماتھے پر ...ک دم تیوری آگئی تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ آج تمہاری شکل کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے، کوئی تمہارے پورٹریٹ بنا بنا کر برین ...ہرج کروالیتا ہے، کوئی تمہیں دیکھ کر ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔ آج پہلی بار مجھے اپنی معمولی شکل وصورت ...ر ہورہا ہے۔'' ٹی ٹو نے ولی کی سنجیدہ شکل دیکھتے ہوئے اُسے ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی۔

''کچھ نہ کچھ ہے تو ضرور جو بی ہائنڈ دا اسکرین ہے!'' ولی نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کم آن یار! کیا ہوسکتا ہے بی ہائنڈ دا اسکرین؟ اجنبی لوگ، جن کو تم جانتے تک نہیں تو پھر بھلا کیا ...ت ہوسکتی ہے؟'' ٹی ٹو اُسے کھینچ کر باہر لے آیا۔ لیکن عبدالولی کا دماغ مسلسل ایک ہی نام کو سوچے ...رہا تھا۔ یہ سید عبداللہ کون ہے؟

''سید عبداللہ! کتنا مانوس سا لگتا ہے یہ نام!'' عبدالولی نے سوچا۔

سید عبداللہ! کون ہے وہ؟'' عبدالولی کا ذہن ایک ہی نقطے پر اٹک کر رہ گیا تھا۔

❖❖○❖❖

''رمضان یہ کام ہوجانا چاہیے، میں کوئی بھی کوتاہی برداشت نہ کروں گا۔'' سید سرفراز نے کتوں کی ...یریں دوسرے ملازم کو تھماتے ہوئے کہا۔ وہ روز اِس وقت اپنے پالے ہوئے کتوں کا معائنہ کرنے آتا ...لیکن آج اُس کا یہاں آنے کا مقصد کچھ اور تھا۔

سید عبداللہ اور سید نوازش علی آج رات سید عاشق علی سے ملنے اُن کے ہاں جانے والے تھے اور سید ...راز چاہتا تھا کہ سید عبداللہ پر ایک کامیاب حملہ ہو اور اُسے ماردیا جائے۔

''لیکن سائیں! آپ بھول رہے ہیں کہ گاڑی میں بڑے سائیں بھی ہوں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رمضان عرف رمضو کے لیے یہ بات ہضم کرنا مشکل تھی کہ ایک بیٹا باپ اور بھائی دونوں کا
دشمن ہوسکتا ہے۔ چلو بھائی تو ماں کی جانب سے سوتیلا تھا لیکن باپ تو سگا تھا۔

"رمضان! کبھی کبھی کچھ حاصل کرنے کے لیے کچھ قربانیاں دینی پڑتی ہیں، ویسے حملہ تو بھائی صاحب پر ہوگا، بابا سائیں ہمارا ٹارگٹ نہیں ہیں۔" سید سرفراز لالچ اور بے حسی کی اُس انتہا پر کھڑا تھا، جہاں اُسے خونی رشتہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا زمین اور حکمرانی کا لالچ اُسے اندھا کر چکا تھا۔ اور وہ ہر حد پار کرنے کو بے چین تھا۔

"اِس کام کے لیے جگو کو بھیجو، اُس کی شکل سب کے لیے اجنبی ہے۔ کام مکمل ہو یا نامکمل دونوں صورتوں میں اِس کی زبان پر ہمارا نام نہیں آنا چاہیے۔" سید سرفراز نے کڑی وارننگ دی تھی۔

"جی سائیں! جیسا آپ چاہیں گے، ویسا ہی ہوگا۔" رمضو نے سر جھکا کر تابع داری سے کہا اور الٹے قدموں واپس مڑا۔

"ہونہہ! چلے ہیں حاتم طائی بننے۔ زمین دی جارہی ہے ہسپتال کے لیے، پیسا لگایا جارہا ہے گاؤں کے اسکول کے لیے تا کہ کل کو یہ ہی کیچوے جیسے انسان، شیر بن کر ہمیں اور ہماری حکم رانی کو اُدھیڑ کر رکھ دیں!"

"نہیں بھائی صاحب! آپ جیسے لوگوں کا ہمارے ہاں کیا کام؟ آپ تو جنّتی بندے ہیں! اور آپ کو اپنی جنّت میں جلد از جلد چلے جانا چاہیے، آپ کی جنت آپ کا انتظار کررہی ہے!" سید سرفراز نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"اور اُس جنت میں جانے کے لیے آپ کو مرنا ہوگا۔" سید سرفراز نے ایک اور سفاکانہ قہقہہ لگایا، اُسے اندر تک اپنی کامیابی کا یقین تھا۔

❖❖○❖❖

"تائی جی!" عائشہ نے سسکی بھری۔

"حوصلہ رکھو دھی رانی! زندگی اور موت تو اُس سوہنے رب کے ہاتھ میں ہے، اُس سے عاشق کی زندگی مانگو۔" زلیخا بی بی نے عائشہ کو گلے لگاتے ہوئے حوصلہ دیا۔

"چلو اُٹھو چلنے کی تیاری کرو، باپ تمہارا انتظار کررہا ہے۔" زلیخا بی بی نے عائشہ کو تیاری کرنے کے لیے اُٹھایا۔ عائشہ بوجھل قدموں سے باہر نکل گئی۔

"زلیخا بی بی نے ایک گہرا سانس بھرا۔ اُن کے دل پر بہت بوجھ تھا۔ عاشق علی نے اُن کی نند سے ملنے کا اصرار کیا تھا۔ وہ فاطمہ، جس کی زبان اُس نے اپنے ہاتھوں سے کاٹ ڈالی تھی جو گزشتہ کئی برس سے ایک کمرے میں بند زندہ لاش کی طرح رہ رہی تھی۔ اِس حویلی کے مرد ہمیشہ سے عورتوں کی زندگی سے کھیلتے آئے تھے لیکن اپنے اس عمل پر وہ کبھی نہ پچھتائے تھے، پہلی بار کوئی پچھتایا تھا لیکن نوازش علی کسی طور فاطمہ کو لے جانے پر آمادہ نہ ہوئے تھے۔ اُن کے خیال میں سید عاشق علی کی یہ خواہش سراسر حماقت تھی اور سید نوازش علی حماقتیں کرنے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔" سید نوازش علی نے دو ٹوک انداز میں کہہ دیا تھا۔

"کاش سید نوازش علی تم مان لو کہ تم کس قدر برائی کی جانب جارہے ہو، معصوم زندگیوں سے کھیلتے ہو۔ اے کاش تمہارا دل کانپ جائے اور تم اِس گھناؤنے کھیل سے باز آ جاؤ۔ تم میرے شوہر ہو میں تو تمہیں بد دعا نہیں دے سکتی!" زلیخا بی بی کے لہجے میں بے حد بے بسی تھی۔

❖❖○❖❖

"یہ زبیدہ کو کیا ہوا ہے؟ بہت خاموش رہنے لگی ہے۔" جج صاحب نے ناشتے کی ٹیبل پر اپنی بھابی سدرہ اور چاند کی ماں سے پوچھا۔

"اب تو اُس کا بخار بھی اُتر گیا ہے لیکن جانے کیوں ہر وقت کمرا بند کیے خاموش بیٹھی رہتی ہے۔" سدرہ چچی نے بھی فکرمندی سے کہا۔

"کیوں چاند بیٹا! کوئی بات ہوئی؟ وہ تمہارے تو بے حد قریب ہے!" سدرہ چچی نے خاموش بیٹھے، ناشتے کو گھورتے چاند میاں سے پوچھا۔

"ہونہہ! قریب! میں بھی اسی خوش فہمی میں تھا۔ لیکن وہ تو ہمیشہ مجھ سے دور ہی رہی ہے۔" چاند نے اندر ہی اندر کلستے ہوئے سوچا۔

"چاند! بھابی بیگم تم سے کچھ پوچھ رہی ہیں، تم کہاں کھوئے ہوئے ہو؟" جج صاحب نے چاند سے پوچھا انہیں چاند بھی کچھ عرصے سے اُلجھا اُلجھا نظر آ رہا تھا۔

"نہیں امی! میں بھی اِس بارے میں کچھ نہیں جانتا" چاند کا صرف یہ ایک جملہ ادا کرنے میں سانس پھولنے لگا تھا۔ وہ زوردار جھٹکے سے کرسی پرے کر کے اُٹھا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا ڈائننگ روم سے نکل گیا۔

"اُسے کیا ہوا؟" خود میں ہمیشہ گم رہنے والی سدرہ چچی بھی بیٹے کی اس تبدیلی پر حیران ہو کر بولیں۔

"بھابی بیگم! آپ پیار سے زبیدہ سے بات کریں کہ اُس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے، ہنستی کھیلتی ہماری بیٹی اِس طرح کیوں کملا گئی ہے؟ پھر چاند میاں کا رویّہ بھی کچھ عجیب سا ہے، جانے یہ بچے ہم سے کیا چھپا رہے ہیں۔" جج صاحب بے شک بے حد مصروف انسان تھے لیکن اولاد کے چہرے پر کیا لکھا ہے اُسے وہ پڑھ سکتے تھے۔

"شاید وہ کسی مضمون میں رہ گئی ہے۔" سدرہ چچی کی سوچ بس اتنے تک ہی جاسکتی تھی کیوں کہ جج صاحب زبیدہ کی پڑھائی کے لیے بے حد سخت تھے۔ وہ بچپن سے ہی اگر کم نمبر لیتی تو ڈر کے مارے اپنے باپ سے چھپتی رہتی تھی۔

"ہوں! میرا خیال ہے آپ درست کہہ رہی ہیں کیوں کہ کچھ روز پہلے ایف اے کا رزلٹ آیا ہے ہم اُس کی گاؤں سے واپسی کا انتظار کررہے تھے، آ کر رول نمبر دے تا کہ اُس کا رزلٹ پتا کروایا جائے۔ اُن گاؤں سے وہ بیمار واپس آئی تو کچھ روز کے لیے ہم بھی یہ بات بھول گئے۔ یقیناً آتے ہی اُسے اپنے رزلٹ کا پتا چلا ہوگا۔ شاید وہ اِس بار کم نمبر لے پائی ہے۔" جج صاحب نے باآواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"بھابی بیگم! میں تعلیم کے معاملے میں سخت تو ضرور ہوں لیکن سب سے زیادہ عزیز مجھے میری اولاد ہے۔ اُسے حوصلہ دیں کہ وہ یوں ڈر کر گم سم نہ ہو، میں اُس کا دوستوں جیسا باپ ہوں، مجھ سے ہر بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیئر کیا کرے۔" جج صاحب کے لہجے میں اپنی بیٹی کے لیے بے حد فکر تھی۔

"جی اچھا!" سدرہ چچی نے ہامی تو بھرلی تھی لیکن کسی سے بات کرنا یا دُکھ سکھ شیئر کر
نہ تھا وہ تو خود اپنے آپ میں کھوئی کھوئی رہتی تھیں۔

زبیدہ کے لیے چاند کا وجود انہیں غنیمت لگا کرتا تھا۔ وہ بِنا کہے زبیدہ کا خیال رکھتا آیا تھا اِس
سدرہ چچی کو کبھی زبیدہ کے معاملے میں اتنی فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی، لیکن جانے کیا ہوا
جو چاند بھی آنکھیں چرائے چرائے گھومتا تھا۔ اپنے خول سے باہر نکل کر کسی کی خبر گیری کرنا سدرہ چچی
لیے ایک ناپسندیدہ کام تھا۔ اس لیے اُن کے ماتھے پر بے انتہا تیوریاں تھیں۔

"آخر یہ چاند آج کل کہاں گم رہتا ہے؟ گھر کی اُسے کوئی خبر نہیں رہتی۔" وہ چاند سے بات کر
اُس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"چاند! تم مصروف تو نہیں؟" انہوں نے چاند کے کمرے کی دہلیز پر کھڑے ہوکر پوچھا۔

"خیریت امی جان! آج آپ کو بیٹے کی اچانک یاد کیسے آگئی۔" چاند، زبیدہ کی وجہ سے بے
ڈسٹرب تھا کچھ ماں کی ہمیشہ کی لاتعلقی اُسے اندر سے جلاتی رہتی تھی اِس لیے وہ سدرہ چچی سے جلے
انداز میں گویا ہوا تھا۔

"کیوں! کیا میں تمہارے کمرے میں نہیں آسکتی؟"

"آتو سکتی ہیں لیکن آج سے پہلے آئی نہیں اِس لیے میری حیرت کے اظہار پر آپ کی حیرت کیسی

"اچھا چھوڑو اِن باتوں کو، مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔" وہ چاند سے کسی قسم کی بحث نہ
چاہتی تھیں، کسی بات پر اُلجھ کر اُسے سلجھانے کے لیے اپنی دنیا سے باہر نکلنا نہ چاہتی تھیں، چاند نے
حد دُکھ سے انہیں دیکھا، اُس کی ذات سے ماں کی لاتعلقی اُسے ہمیشہ تکلیف دیتی تھی۔

"جی کہیے!" چاند نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"زبیدہ سے پوچھو اُسے کیا مسئلہ ہے؟ وہ میرے ساتھ کبھی بھی بے تکلف نہیں رہی لیکن تمہاری تو
کے ساتھ بہت اچھی دوستی ہے، وہ تمہیں ہر بات بتاتی بھی ہے، بھائی صاحب اُس کے لیے
پریشان ہیں۔" سدرہ چچی نے اپنی ذمّے داری ہمیشہ کی طرح اُس پر لادتے ہوئے کہا۔ ان کی بات
چاند کے لیے بھڑکتی آگ پر تیل کا کام کیا۔

"سوری امی جان! مجھے تو اِس معاملے میں معاف ہی رکھیں۔ نہ تو میری اُس سے کوئی دوستی ہے اور
وہ اپنے معاملات مجھ سے شیئر کرتی ہے۔" چاند تو اِس قدر تپا ہوا تھا کہ وہ اپنی بات کہہ کر وہاں رُکا بھی نہیں
پہلی بار سدرہ نے فکر مندی سے اُسے جاتے دیکھا۔ بچوں میں جانے کیا بات ہوئی تھی جو اُن
مزاجوں میں اِس قدر تبدیلی آگئی تھی۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" وہ کچھ کچھ حیرت اور پریشانی سے خود سے سوال کررہی تھیں۔ وہ نہیں جانتی
کہ آنے والے دِنوں میں کیسا طوفان اُن کے گھر اُٹھنے والا ہے جو بربادی کی خبر لانے والا
بربادی جس کی آنچ اُن کے بیٹے کی زندگی کو جھلسانے والی تھی۔

❖❖○❖❖

"وہ تم سے ملنا چاہتا ہے!" زلیخا بی بی نے خستہ حال فاطمہ بی بی سے کہا جو ٹکر ٹکر انہیں دیکھے جا رہی
تھیں۔

"سید عاشق علی نے تمہاری زندگی تباہ کردی لیکن شاید اُسے اب پچھتاوا گھیر رہا ہے شاید اِسی لیے وہ تم
سے ملنا چاہتا ہے۔" زلیخا بی بی نے فاطمہ بی بی کے پتھر چہرے کو غور سے دیکھا۔ اُن کا دل بے اختیار
تھا کبھی کبھی انہیں اُس کے چہرے میں سدرہ کا چہرہ دکھائی دینے لگتا تھا۔ کبھی مریم کا چہرہ دکھائی دیتے
تو اُن کا خود کا دم گھٹنے لگتا تھا۔

"اِس بے زبان سے آپ کیا باتیں کررہی ہیں؟ یہ آپ کی کسی بات کا جواب بھلا کب دے سکتی
ہیں!" سدرہ نے جل کر کچھ اونچی آواز میں کہا۔

"میں تو بس ایسے ہی بتارہی تھی کہ یہ شاید اُس کی موت جیسی بیماری کی خبر سُن کر اُسے معاف
کردے۔" زلیخا بی بی نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔

"کیوں امّاں جان! آخر یہ ہی کیوں اُسے معاف کرے۔ اگر اُس نے ظلم کیا ہے تو اللہ سائیں کی سزا
کے لیے وہ تیار بھی رہے۔" سدرہ نے تلخی سے کہا جب کہ اِس ساری گفتگو سے لاتعلق فاطمہ بالکل
خاموش تھی۔

"خدا کے لیے فاطمہ کبھی رو ہی لیا کرو، ورنہ تمہاری آہیں کسی دِن ہم سب کو بھی برباد کردیں گی۔"
زلیخا بی بی نے فاطمہ بی بی کو جھنجوڑا، جواباً وہ زلیخا بی بی کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔

"کیا کچھ نہ تھا اِس زخمی مسکراہٹ میں۔" فاطمہ بی بی کا چہرہ عکس ہوتے محسوس ہوا۔

"نہیں میرے اللہ! میری بچیوں کے ساتھ تو ایسا کبھی نہ ہو، اے اللہ میری بچیوں کو اُن کے ہان (بر)
کر۔" انہوں نے گڑگڑا کر دعا کی۔

❖❖○❖❖

"بابا سائیں میرا جانا کون سا اتنا ضروری ہے!" سید سرفراز علی، سید نوازش کی بات پر گڑبڑا گیا تھا۔

"ضروری ہے بیٹا! بہت ضروری ہے۔" سید نوازش علی نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"عاشق علی اپنی ساری زمینیں عائشہ کے نام لکھ رہا ہے تم یہ سارا معاملہ دیکھ لینا۔ ویسے تو عائشہ کے
... میں کوئی نہیں ہے لیکن ایسے موقعوں پر سو طرح کے شریکے نکل آتے ہیں۔ تم کو زمینوں کے
... کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ عبداللہ کو تو میں نے ولایت بھیج کر بےکار کردیا ہے ہر وقت رنگوں اور
... میں مگن رہتا ہے یا پھر گاؤں والوں کے لیے خدمت خلق شروع کررکھی ہے۔" سید نوازش علی، سید
... کے ہسپتال بنانے کے اقدام سے سخت خفا تھے۔ لیکن بیٹے کی محبت سے مجبور ہوکر انہوں نے
... دے دی تھی۔

"ولایت تو آپ نے خود بھیجا تھا انہیں!" سید سرفراز نے دِل کی جلن باہر نکالی کیوں کہ اُسے بابا
... نے نہیں بھیجا تھا۔

"وہ تو ملکوں کا لڑکا باہر پڑھنے گیا تھا تو ہم کیوں اُن کا سر اونچا ہونے دیتے۔ ہمارے پاس کس چیز کی
... پھر عبداللہ پڑھائی میں اچھا تھا تو اِس ...

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکوں سے کسی طور کم نہیں۔'' سید نوازش علی نے سید عبداللہ کو پڑھنے کی اجازت بھی اس لیے دے دی تھی کہ وہ ملکوں سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔

عبداللہ شروع سے خوش قسمت رہا ہے کہ اُس کی ماں اپنے دس گاؤں کی زمین ساتھ لائی تھی اور اب بیوی بھی اچھی خاصی زمین ساتھ لا رہی ہے لیکن اُس کم عقل کو زمین سنبھالنی نہیں آتی، ہاتھ ملی طاقت ا استعمال نہیں کرتا۔'' سید نوازش علی کو عبداللہ کی ہر معاملے میں لاتعلقی سخت ناپسند تھی۔

''بس اب تم کو ہمارے ساتھ ہر صورت چلنا ہے ہم دس پندرہ منٹ میں نکلنے والے ہیں تم بھی ہا آ جاؤ۔'' سید نوازش علی اتنا کہہ کر باہر نکل گئے جب کہ سید سرفراز ایک دم بوکھلا گیا۔ نہر پار اُس کے کارندے حملے کے لیے تیار بیٹھے تھے اُسے اپنا پلان بدل کر اُن کارندوں کو فوری اطلاع کروانی تھی۔ ا عجلت میں حویلی کے پچھواڑے گیا، جہاں اُس نے رمضو کو فوراً بلوایا تھا۔

''جی سائیں!'' رمضو پھولی سانسوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ وہ بھاگتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔

''تم فوراً میری جیپ لے کر نکلو اور جگو کو اطلاع کرو کہ سید عبداللہ پر حملہ جاتے ہوئے نہیں آ ہوئے ہوگا۔'' سید سرفراز نے بے چینی سے کہا۔

''لیکن سائیں کیوں؟'' رمضو نے چابیاں پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''اس لیے کہ بابا سائیں مجھے بھی ساتھ لے جانے پر مجبور کر رہے ہیں، میں انہیں مزید انکار نہیں کر سکوں گا، واپسی پر میں ایک روز بعد آؤں گا اس لیے میں اُن کے ساتھ نہ ہوں گا۔''

''جی سائیں! جیسے سرکار کا حکم۔'' رمضو بھاگتا ہوا نکلا۔

''سید سرفراز اپنی بات کہہ کر مُڑا تو کچھ پَل کو اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ بیل لپٹے ستون کے پاس سدرہ کھڑی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں سید سرفراز کے لیے کبھی بھی پیار ہوتا تھا۔ لیکن آج تو نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

سید سرفراز کو یوں لگا کہ سارا کھیل اُلٹ گیا ہے۔ اور وہ بُری طرح پھنسنے جا رہا ہے۔

❖❖○❖❖

''دیکھ فیصل! مجھے تو رانی بہت پسند ہے بڑی ہی پیاری بچی ہے۔'' ماسی صابراں نے فیصل کے سامنے بھنا گوشت اور ساتھ گھی سے چپڑی روٹی رکھی۔ آج ماسی صابراں نے اپنی سب سے عزیز مرغی حلال کر کے بیٹے کے لیے خاص طور پر گوشت بھونا تھا۔ یہ اُس کی محبت کے اظہار کا ایک طریقہ تھا۔

''امّاں پلیز!'' فیصل اِس موضوع پر بات نہ کرنا چاہ رہا تھا۔

''یہ پولیس پولیس ماں کو کیوں سنا رہا ہے، اِس معاملے میں پولیس کہاں سے آ گئی؟'' ماسی صابراں نے معصومیت سے کہا۔ فیصل جو اس موضوع پر بُرا سا منہ بنا کر بیٹھا تھا ایک دم مسکرا دیا۔

''اوہ میری بھولی پیاری سی ماں! میں پولیس نہیں پلیز کہہ رہا ہوں جس کا مطلب ہے کہ اے میری پیاری امّاں برائے مہربانی ابھی شادی کا موضوع نہ چھیڑیں۔ میں ہسپتال کے کام میں بے حد مصروف ہوں۔''

ابھی تو ہسپتال کی عمارت تیار ہو رہی ہے تو اِس قدر مصروفیت ہے۔ پھر اُس کے لیے مشینری اور عملے

لام بھی کرنا ہے یہ ساری ذمے داری سید عبداللہ نے مجھ پر ڈال دی ہے۔ اگر وہ شخص معاشی اور اخلاقی ، میرا اِس قدر ساتھ دے رہا ہے تو میرا بھی فرض ہے کہ میں پوری ایمان داری اور توجہ سے اِس کام مل کروں۔

''لیکن پُتر! میں تو صرف رشتے کی بات کر رہی ہوں، بیاہ پھر سال چھ مہینے بعد سہی۔'' ماسی صابراں کو کا بار بار اِس موضوع سے جان چھڑانا فکر مند کر رہا تھا۔

''امّاں! مجھے کچھ سال شادی نہیں کرنی۔'' فیصل نے بالآخر دوٹوک جواب دے دیا۔

''لیکن کیوں؟ اگلے سال تو پورے انتیس سال کا ہو جائے گا۔ یعنی بلقیس کے پتر جتنا جس کا پہلا بیٹا ایں پڑھتا ہے۔ نہ... نہ!''

''نہ جی پتر... میں نے اب تجھے بڈھا کر کے نہیں بیاہنا، لوگوں کے بیٹوں کے ہاں بچے بھی آ گئے اور تُو کنوارا کا کنوارا پھر رہا ہے۔''

''امّاں! آپ کو پتا ہے کہ باہر کے ممالک میں چالیس سال شادی کے لیے آئیڈیل عمر سمجھی جاتی ہے۔'' فیصل کی بات نے ماسی صابراں کو تو دہلا کر رکھ دیا۔

''ہائے ربا! نہ پتر! اِس عمر میں تو بندہ اپنے بچے بیاہنے کی سوچتا ہے۔ توبہ توبہ انگریز بڈھے ہو کر شادی رتے ہیں ہم کو نہیں کرنی اُن کی (نقل) میں تو تیری شادی جلد از جلد کر دوں گی۔ اگر تو باہر پڑھنے نہ ا تو میں ضرور تیرا بیاہ وقت پر کر دیتی۔'' ماسی صابراں نے یوں کہا، جیسے بہت سارا وقت گزر گیا ہو۔

''امّاں مہربانی کریں، میں سکون سے کھانا کھا لوں؟''

''کھا پتر۔ رج رج کھا لیکن یہ تیرے بیاہ کا معاملہ میں نہیں ٹالنے والی۔'' ماسی صابراں کے ارادے ناک لگ رہے تھے۔

''امّاں! آپ قیصر بھائی کی شادی پہلے کر دیں۔'' فیصل نے اپنی جان چھڑانے کے لیے قیصر کا ذکر یا۔

''لو بھلا میں اُس کی شادی پہلے کیسے کر دوں ٹھیک ہے کہ وہ صرف سال ہی تم سے چھوٹا ہے پھر بھی ی کی باری پہلے تمہاری ہے۔'' ماسی صابراں نے پریشانی سے بیٹے کو دیکھا جو بالکل اُلٹ بات کر رہا بھی چھوٹوں سے بھی شادیاں شروع ہوئی ہیں۔ وہ معصوم عورت حیرت سے بیٹے کی بات کو سوچ رہی

''امّاں! تم باریوں کا انتظار نہ کرو بلکہ تم سب سے پہلے نفیسہ کی شادی کرو۔'' فیصل کو نئی سوجھی تھی۔

'باہر سے پڑھ کر آیا ہے جانتی ہوں میں۔ لیکن میٹھی مت مجھے نہ پڑھا!'' ماسی صابراں کو فیصل کا یا ذرا نہ پسند آیا تھا۔

'بس مجھے رانی پسند ہے! اگر تجھے کوئی اور اچھی لگتی ہے تو بتا دے ورنہ میں رانی سے تیرا رشتہ پکا ں گی۔'' ماسی صابراں کی دھمکی پر فیصل پہلی بار گڑبڑا گیا۔

فیصل پتر! اپنی ماں کی دھمکیوں کو ایویں نہ سمجھنا یہ جو کہتی ہے زیادہ تر وہ کر دیتی ہے اور بندہ اس کے لیے پر گزارا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔'' فیصل کے بابا جو دوسری چارپائی پر لیٹے ہوئے ماں بیٹے کی گفتگو

خاموشی سے سُن رہے تھے، لقمہ دے کر فیصل کو ڈرایا۔

"وہ جو محلوں میں رہنے والی رانی ہے میرے دِل میں آن بسی ہے، اب اُس کے بعد تو کسی اور کا تو بھی ممکن نہیں ہے۔" فیصل نے دل میں کہا۔

"امّاں! مجھے کوئی اور پسند ہے۔" فیصل نے وہ بم پھوڑ ہی دیا، جو تباہی لا سکتا تھا۔ وہ اپنے دِل کی بات کہنے جا رہا تھا۔

"کون ہے وہ؟" ماسی صابراں بیٹے کی شادی کے ارمان میں کوئی ناراضی نہ دکھانا چاہتی تھیں، اِس لیے انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"آپ اُسے جانتی ہیں اور اُسے دیکھا بھی ہے۔" فیصل نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہا۔

"کون ہے؟" ماسی صابراں نے کچھ سوچتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ فیصل کے بابا بھی اشتیاق سے اُس کو تک رہے تھے۔

"وہ۔ اُس کا نام سدرہ ہے اور وہ سید عبداللہ کی چھوٹی بہن ہے!" فیصل نے دھماکہ کر دیا تھا۔

ماسی صابراں کے ہاتھ میں پکڑا اسلور کا گلاس ایک دم چھوٹ گیا اور اِس کے بابا ایک دم لیٹے سے اُٹھ بیٹھے۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟" وہ دھاڑے۔

"اگر سید عبداللہ دو لفظ پیار کے بول کر تجھے اپنے برابر بٹھا لیتا ہے تو اِس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے تم ان کی برابری کرنے اُٹھ کھڑے ہو۔" بابا کا غصّہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ اُن کا بیٹا ایسی حماقت بھی کرے گا، انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"بیٹا کبھی مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا ہے؟" ماسی صابراں جوان بیٹے کو رام کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"امّاں! کسی کو پسند کرنے کا حق تو سب کو ہے۔" فیصل نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تم اس بارے میں سوچنا بھی نہ! سید نوازش علی کو تمہارے اِس ارادے کی خبر مل گئی تو وہ تمہارے وجود کے اتنے ٹکڑے کروائے گا کہ ہمیں، تمہیں رونے کے لیے کوئی قبر بھی نہ مل سکے گی۔" بابا دھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیسی خوف ناک باتیں کر رہے ہیں فیصل کے بابا!" ماسی صابراں نے دہل کر شوہر کو ٹوکا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اسے کہو کہ اپنی اِس ناسمجھی کو اپنے دِل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دے ہمیں اِس عمر میں زندہ درگور ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ سیدوں کی لڑکیاں ہمیشہ خالص رہتی ہیں! شادی تو ناممکن ہے پھر ہم جیسے کمیوں کے ساتھ تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیوں یہ اِس عمر میں میرے سر میں خاک ڈلوانا چاہتا ہے۔" بابا کی آواز ایک دم رُندھ گئی۔

فیصل جو سر جھکائے اُن کی ڈانٹ سُن رہا تھا، یک دم تڑپ کر اُن کے پاس آ بیٹھا۔

"بابا! میں جانتا ہوں کہ میں نے آسمان کا چاند مانگا ہے۔ لیکن بابا اللہ جب اِس دِل میں اُس کا خیال ڈال دے تو پھر وہ کیا کرے؟" فیصل نے بے بسی سے سوال کیا۔

"نہیں بیٹا! تم کو اِس راستے سے واپس آنا ہوگا، میں تمہیں اپنے سامنے موت کے کنویں میں چھلانگ نہیں لگانے دوں گا۔" بابا نے اِدھر اُدھر سر ہلا کر نفی میں جواب دیا۔

"بابا میں مجبور ہوں!" فیصل کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"اگر تم اتنے مجبور ہو تو لو اِس سے میرا اور اپنی ماں کا سر کاٹ ڈالو۔" بابا نے لکڑیوں کے ڈھیر سے کلہاڑی اُٹھا کر فیصل کے ہاتھ میں دے دی۔

"بابا!" فیصل نے لرز کر انکار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ ہی بہتر ہے۔ تمہاری ضد، ہمیں تمہارے بعد بھی مار دے گی اِس سے بہتر ہے کہ تم ہمیں اپنے ہاتھوں سے ختم کر دو۔" بابا نے تھک کر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

فیصل نے ایک دُکھ بھری نگاہ اپنے ماں باپ پر ڈالی، جن کی آرزوؤں اور تمناؤں کا محور اُن کی اولاد تھی اور آج اُس کی بے بسی نے انہیں دُکھی کر دیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھا اور بِنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔

"فیصل۔" ماسی صابراں نے پیچھے سے آواز دی۔

"جانے دو اُسے۔" بابا نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"جوان بیٹے سے یوں بات کی جاتی ہے؟" ماسی صابراں نے گھبرا کر کہا۔

"وہ بے حد دُکھی ہو کر نکلا ہے اُسے پیار سے سمجھا لیتے۔"

"نہیں! اُسے اِس راستے سے سختی سے روکنا ہوگا۔ یہ کون سا دور ہے جہاں ہیر رانجھا یا سسی پنوں کی محبت کی طرح جان گنوا دی جائے۔ اُسے ہماری خاطر اِس سے دور رہنا ہوگا۔ وہ نہیں جانتا کہ سید نوازش اور سید سرفراز کتنے ظالم بھیڑیے ہیں۔" بابا نے بیوی کو سمجھایا۔

"تم جورے کو بھول گئی ہو کیا؟ اُس کے معصوم سے بچے کے ساتھ اُس ظالم شخص نے کیا کیا؟ صرف اُن کے کتوں کی خوراک سے ایک بوٹی کھانے کا گناہ گار تھا وہ ننھا سا بچہ اور اُس بچے کی بوٹی بوٹی اُس کے کتے کھا گئے تھے۔ ایک انسان کے بچے کو سید نوازش علی نے کتوں کے سامنے ڈال دیا۔ وہ کس قدر جابر اور ظالم ہے اِس سے اندازہ کر لو۔ جو شخص اپنے کتوں کے معاملے میں اتنا سخت ہے تم سوچو کہ اپنی بیٹی کے معاملے میں تو وہ ہم سب کو ذلیل کر کے مار ڈالے گا۔" بابا نے ماسی صابراں کو حقیقت بتائی۔

"تمہیں اُسے روکنا ہوگا یہ میرا فیصلہ ہے، اِسی میں ہم سب کی زندگی اور بھلائی ہے۔" بابا کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور باہر نکل گئے۔ اور ماسی صابراں اپنے پیروں میں گرے سلور کے گلاس کو دیکھ رہی تھی جس میں سے پانی چھلک کر مٹی میں جذب ہو گیا تھا۔ اُن داستانوں کی طرح جو سید نوازش علی کے ظلم سے پیدا ہوئی تھیں اور ایک کے بعد ایک اِس پانی کی طرح مٹی میں جذب ہو گئی تھی اور اُسے کوئی کچھ کہنے والا نہ تھا۔

فیصل نہیں جانتا تھا کہ اُس کے قدم بے اختیار درگاہ کی جانب کیوں اُٹھ رہے تھے۔ بوڑھے برگد تلے پنہواڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ ہی وہ جگہ تھی جہاں اُسے عمر بھر کا روگ لگ گیا تھا۔

بس کچھ پَل... کچھ جادو اثر پَل اُس کی زندگی کو بدل گئے تھے وہ خوشبو جیسی لڑکی اُس کے حواسوں پر ایسی چھائی کہ اُسے بے بس کر گئی۔ یا میرے اللہ! اچھی خاصی زندگی تھی تو نے مجھے اُس سے کیوں ملوایا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر اِس دل میں اُس کی اتنی طلب کیوں ڈالی؟ میں تو خود اپنی شدتوں پر حیران ہوں۔ کیا [illegible] زندگی پر اِس طرح بھی حاوی ہوسکتے ہیں؟

''ہوسکتے ہیں!'' وہ سوال جو اُس نے خود سے کیا تھا اُس کا جواب اُسے اُس کی پشت پر کھڑے شخص نے دیا تھا۔ فیصل نے ایک دم سر اُٹھا کر پیچھے دیکھا، وہ ہی درویش سامنے کھڑا تھا۔

''محبت ایک ایسا احساس ہے جو کسی کو چھو جائے تو وہ رب کو پہچان لیتا ہے، محبت ہی انسان کو اُس کی پہچان دیتی ہے، محبت کی توفیق بھی کسی کسی کو ملتی ہے۔ عشق مجازی ہی عشق حقیقی کی پہلی سیڑھی محبت ہی تو عشق کے ساتھ تعارف کرواتی ہے ایک ایسے جذبے سے جو بالکل سچا ہے۔'' درویش عادت اپنے آپ میں نہ تھا۔ فیصل کسی معمول کی طرح اُسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ شخص ہمیشہ میرے دِل کے بھید پڑھ لیتا ہے یہ کون ہے؟'' فیصل نے سوچا۔

''نہ... نہ! ایسا نہ کہہ!'' درویش نے اپنی لاٹھی زمین پر ماری، جس کے ساتھ گھنٹی بندھی ہوئی تھی زمین پر لگنے سے بجنے لگتی تھی۔

''بھید سارے صرف ایک ہی ذات جانتی ہے وہ ہی جانتا ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے اور کوئی کچھ نہیں جانتا!'' درویش کہتا ہوا مست انداز میں آگے بڑھا۔

''بابا۔ بابا!'' فیصل ایک دم اُس کے پیچھے بھاگا۔

''تم میرے متعلق اتنا کچھ جانتے ہو تو بتاؤ کیا مجھے میری محبت ملے گی؟'' فیصل نے بے تابی سے پوچھا۔

''ہٹ پرے! تجھے کہا نا کہ جاننے والا صرف ایک ہی ہے میں بھلا کیا جان سکتا ہوں؟'' فقیر نے مناتے ہوئے کہا۔

''بابا پلیز! میری مدد کرو میں اِس جذبے کی تپش سے ایسا جھلس رہا ہوں کہ تن من عجیب سے اوپرے اوپرے لگتے ہیں۔'' فیصل کو اپنے احساسات کا ٹھیک سے بتانا بھی نہ آرہا تھا۔

''تن میں لگی ہے؟'' فقیر نے مُڑ کر ایک دم دِل چسپی سے پوچھا۔

''ہاں۔'' فیصل نے اقرار کیا۔

''من میں بھی لگی ہے؟''

''ہاں بابا۔'' فیصل بولا۔

''تو پھر ٹھیک ہی ہے تیرا جذبہ سچا ہے تو ضرور پائے گا۔'' فقیر کے منہ سے یہ بات سُن کر فیصل ایک دم خوش ہوگیا۔

''لیکن!''

''لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تو اپنی مرضی ہی کی مراد پائے۔ اب یہ تو دینے والے پر منحصر ہے کہ وہ کیا دیتا ہے، وہ تجھے بھی دے گا ضرور دے گا تو اُس کی بہت قدر کرنا کیوں کہ وہ تیرے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔''

''تو ضرور پائے گا! ضرور پائے گا اب یہ دینے والے پر منحصر ہے وہ تجھے کیا دیتا ہے!'' فقیر اپنی بات مسلسل دُہرا رہا تھا۔ فیصل اُس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ ایک بار پھر اپنے چہرے پر ازلی اجنبیت سجائے بڑے بڑے قدم اُٹھاتا چلا گیا۔

الف اللہ! بس تو ہی سچا۔

الف اللہ! اِک تیرا رشتہ۔ بس وہ ہی سچا۔

الف اللہ! بس تو ہی سوہنا!

الف اللہ! بس تو ہی ہے باقی رہنا۔

الف اللہ! بس تو ہی سچا۔

فقیر کی آواز میں بے حد مٹھاس تھی، جیسے وہ اپنے محبوب سے دُلار کر رہا ہو، اپنے پیار کا اظہار کر رہا ہو۔

الف اللہ! تو ہی سب سے بڑا۔

فقیر کی آواز دور جارہی تھی۔ فیصل بالکل سیدھا کھڑا ہاتھ چھوڑے اُسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

''مجھے دِل کی لگی ہے بابا تم دعا کرو کہ وہ مجھے مل جائے۔'' فیصل نے اُسے جاتے دیکھ کر کہا۔ وہ ڈھیلے ڈھالے قدموں سے اندر درگاہ میں فاتحہ پڑھنے کے لیے بڑھا۔ ایک عورت اُس کے پاس سے گزری اور پھر واپس مُڑی۔

''ڈاکٹر باؤ کیا حال ہے تیرا؟'' عورت نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔ فیصل نے بے خیالی سے اُسے دیکھا۔ اُسے وہ جانی پہچانی تو لگی تھی لیکن اُسے یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ اُس نے اُسے کہاں دیکھا ہے؟

''ٹھیک ہوں شکر الحمدللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' فیصل نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں بشیراں ہوں ڈاکٹر باؤ۔'' بشیراں کا انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ کوئی مشہور شخصیت ہو اور فیصل کا نہ پہچاننا حیران کن ہو۔

''کون؟'' فیصل نے کچھ بیزار ہوتے پوچھا۔

''وہ میں بڑی حویلی میں کام کرتی ہوں، میں سدرہ اور مریم بی بی کی خاص ملازمہ ہوں۔'' بشیراں نے ہَوا میں تیر چلایا۔ وہ اتنا تو اندازہ کرچکی تھی کہ اِس لڑکے کا حویلی کی بیبیوں میں سے کسی ایک کی طرف جھکاؤ تھا۔ لیکن کس کی طرف وہ یہ جاننا چاہتی تھی۔

اب کی بار فیصل اُسے نظرانداز نہ کرسکا۔

''اچھا!'' فیصل بس اتنا ہی کہہ سکا۔ اُس کی نظروں کے سامنے کچھ دیر پہلے اپنے ماں باپ کا چہرہ لہرا گیا تھا، اِس لیے وہ فوراً محتاط ہوگیا۔ بشیراں کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ ڈاکٹر باؤ نے تو کوئی دِل چسپی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

''ڈاکٹر باؤ! میں بہت کام کی چیز ہوں، کبھی کوئی کام ہو تو ضرور بتانا۔ بیوہ ہوں بہت غریب ہوں میرے پانچ لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں سب چھوٹے چھوٹے ہیں، تین وقت پیٹ بھر کر کھانا تک نہیں ملتا۔ تم بڑے لوگوں کا کام کر کے ہمیں دو پیسے ہی مل جائیں گے۔'' بشیراں نے کھلے ڈھلے لفظوں میں مدد کی پیش کش کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فیصل نے حیرت سے اُس عورت کی پیش کش کو سنا اور غور کرنے لگا۔ عجیب طرح کا لالچ اُس کے دل میں آیا۔ ایک پَل کو فیصل کا دِل چاہا کہ ہر طرح کی مصلحت بالائے طاق رکھ کر وہ سدرہ کو ملنے کا پیغام دے، دے۔

''میں تم پر کیسے اعتبار کرلوں؟'' فیصل نے بے اعتباری سے کہا۔

''آپ کے پاس اللہ نے میری صورت میں ایک وسیلہ بھیجا ہے، ورنہ بڑی حویلی میں کوئی غیر مرد داخل ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' بشیراں کو ڈاکٹر باؤ کے رویے سے خاصی مایوسی ہوئی تھی۔

''اچھا تم میرا ذکر بیبیوں کے سامنے کردینا۔ اگر تم اُن کے لیے قابل اعتبار ہوئیں تو وہ خود ہی تمہارے ذریعے مجھے پیغام دے دیں گی۔'' فیصل نے محتاط انداز میں کہا۔

''لیکن میں آپ کا ذکر کس بی بی کے پاس کروں؟'' بشیراں نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

''تم بس دونوں کے سامنے کہہ دینا کہ ڈاکٹر باؤ تمہیں ہر جمعرات کو درگاہ پر ملتا ہے وہ بھی وہاں دیا جلانے آتا ہے۔ جس کو تم پر اعتبار ہوگا وہ خود بول پڑے گی۔'' فیصل نے نہایت ہوشیاری اور عقل مندی سے کام لیا۔ اُس نے اِن ڈائریکٹ اپنا پیغام بھی دے دیا تھا۔

''اچھا ڈاکٹر باؤ، کہہ دوں گی۔'' بشیراں بدمزہ ہوگئی۔ ڈاکٹر باؤ اُس کی سوچ سے کہیں زیادہ عقل مند تھا۔

❖❖○❖❖

آپا بے حد خفا ہیں کہ اُس وفاقی وزیر پر اتنا وقت برباد کیا۔ لیکن عین وقت پر سنہری کا اتنا بُرا ایکسیڈنٹ ہوا کہ وہ اپنا پروجیکٹ مکمل کر ہی نہ سکی۔'' ماہی نے ڈائٹ کوک کا ٹن کھول کر سوہنی اور پھر ترنم کو پکڑایا۔

''لیکن میں حیران ہوں کہ آخر سنہری کا کون اتنا دشمن تھا، جس نے اُس پر یہ حملہ کروایا۔'' سوہنی ابھی تک سنہری کی حالت کی وجہ سے بے حد خوف زدہ تھی۔

''ہم جس ماحول اور دنیا کے لوگ ہیں وہاں ہمارا کوئی دوست نہیں ہوسکتا یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔'' ترنم نے زہریلی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''کسی حد تک ترنم ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' ماہی نے بھی ترنم کی بات سے اتفاق کیا۔

''کیا مطلب؟'' سوہنی جو اپنے نام کی طرح بے حد سوہنی تھی اُس نے نہ سمجھنے کے انداز میں پوچھا۔

''وہ دو سال تک ایک جاگیردار کے لیے بُک تھی۔ جاگیردار نے اُسے بُک کرنے سے پہلے میڈم چاندنی سے کہا تھا کہ اِس دوران اِس کا کوئی مزید عاشق نہ پیدا ہوگا اور نہ ہی یہ خود کسی سے ملے گی اور جب جب وہ شہر آئے گا تو وہ اتنے دِن مکمل طور پر اُس کے ساتھ رہے گی۔ ایسے میں وہ جب ہفتے یا مہینے کے لیے آتا تو سنہری کو بے حد پریشانی ہوتی، وہ ہر وقت اسے اپنی کوٹھی میں بند رکھتا کوئی فون کال تک اٹینڈ کرنے کی اجازت نہ دیتا۔''

''اب... سنہری کھلی فضاؤں میں اُڑنے والی تتلی اور ہر وقت بھنوروں میں گھری رہنے والی کہاں اتنی پابندیاں سہنے والی تھی۔ وہ اکثر اُس جاگیردار کو گالی دے کر کہا کرتی تھی کہ کم بخت مجھے اپنی بیوی سمجھنے لگا ہے، سنہری اُس سے بیزار رہنے لگی تھی، جب وہ نہ ہوتا تو وہ فارغ رہ رہ کر بور ہونے لگی تھی۔'' ماہی نے

ر اُسی کنزرویٹو نے جب سنہری کو کسی وقت اُس وفاقی وزیر کے ساتھ دیکھا تو اُس نے سنہری کو ک بھی دی تھی لیکن سنہری اُس جاگیردار سے بیزار ہوچکی تھی۔ پس وہ نہ مانی اور بدلے میں اُس یردار نے اُسے اُٹھوا کر مارا پیٹا الگ اور اُس کے خوب صورت بال منڈوا دیے اُس کے نازک اعضاء گریٹ سے داغا کہ بے چاری کا خوب صورت بدن بدنما ہوکر رہ گیا ہے۔'' ماہی نے دُکھ کے ساتھ ا۔

''اُس کے گناہوں کے بوجھ کی وجہ سے اگلے جہنم میں داغا جاتا تو چلو اسی دنیا میں پریکٹس ہوگئی۔ ‌م بے اختیار ہنستی چلی گئی۔ ماہی اور سوہنی دونوں نے اُسے بے حد غصّے سے دیکھا۔

''کیا ہوگیا ہے تمہیں ترنم، کیا تمہارے اندر انسانیت بالکل ختم ہوگئی ہے۔'' ماہی نے ماتھے پر بل ڈال پوچھا۔

''میرے تو اندر کا انسان ہی مرگیا ہے پھر انسانیت کی ڈیمانڈ کرنا سراسر حماقت ہے۔'' ترنم نے ایک ہ ہنستے ہوئے کہا۔ اُس کی ٹوٹے کانچ جیسی ہنسی ماہی کو بے حد چبھی تھی۔

''تم ایسی کیوں ہو ترنم؟'' سوہنی نے کچھ کچھ حیرت سے پوچھا۔

''کبھی بھڑکا ہوا سا، کبھی بجھا بجھا سا۔''

''اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے۔'' ترنم نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اُسی پَل میڈم چاندنی اپنے تھل تھل رتے وجود کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

''سنہری کا معاملہ پریس میں چلا گیا ہے، اُس دو ٹکے کے رپورٹر نے سنہری کے گنجے سر کے ساتھ ایریں لے لی ہیں۔ اگر اِس طرح کی تصویریں مزید شائع ہوگئیں تو سمجھو سنہری کا ساری عمر کے لیے ریئر برباد ہوگا اور اُس کی مارکیٹ ویلیو ساری عمر کے لیے ختم ہوجائے گی، ساتھ ہی میرا اُس پر اتنا سارا روپیہ اور محنت برباد ہوجائے گی۔'' میڈم چاندنی نے تفکر سے کہا۔

''سو سمپل! اُس رپورٹر اور فوٹو گرافر کو اُٹھوالیں مسئلہ حل ہوجائے گا۔'' سوہنی کو میڈم چاندنی کا یوں فکر نا کچھ عجیب سا لگا تھا۔

''نہیں! آج کل ایک خفیہ کا آدمی ہمارے ہر کام کے پیچھے پڑا ہوا ہے، وہ تو موقعے کی تلاش میں ہے ہم کب غلطی کریں اور ہماری کوتاہی کا چھوٹا سا سرا پکڑ کر ہماری اصل پہچان کھینچ کر باہر لے آئے۔ ں آئندہ کچھ دنوں کے لیے زیادہ محتاط ہوکر رہنا ہوگا یہ ہی بگ باس کی طرف سے ہدایات ہیں۔''

''تو پھر آپ کیا کریں گی؟'' ماہی نے بھی دِل چسپی کا اظہار کیا۔

''اُسے فوراً چارہ ڈالنا ہوگا!'' میڈم چاندنی نے سب پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر دے دیں اُسے پیسا، خود ہی اُس کا منہ بند ہوجائے گا۔'' سوہنی نے بہت خوب صورت سا لی رنگ کا چھوٹا سا ڈبا کھولتے ہوئے کہا۔ اُس ڈبے پر گلابی ہی رنگ کے خوب صورت پھول بنے ئے تھے اور اندر پنسل سائز کے نفیس سے سگریٹ موجود تھے۔

سوہنی نے ایک سگریٹ سلگا کر پہلے میڈم چاندنی کو دیا اور دوسرا سلگا کر خود اُس کے کش لگانے لگی۔

''نہیں! وہ تو پیسے سے بھی نہیں مان رہا۔ ہمارے ایک بندے کے ساتھ اُس کی کچھ تو تو میں میں ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ کچھ ضد میں آ گیا ہے۔ اب اُسے کچھ پیار محبت سے منانا ہوگا۔'' میڈم چاندنی کی ساری گفتگو کے دوران ترنم بالکل لاپروائی کے انداز میں اپنے کالج کی کتابیں کھول کر بیٹھی رہی، یہ تعلیم کا ڈھونگ بھی میڈم چاندنی کا ہی شروع کروایا ہوا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ!'' ماہی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

''اِسی لیے میں تم لوگوں کے پاس آئی تھی۔ وہ پڑھا لکھا نوجوان ہے اُسے بے باکی پسند نہیں آئے گی اِس لیے یہ کام ترنم کرے گی۔'' میڈم چاندنی نے رُخ ایک دم ترنم کی جانب کیا تو ترنم نے دِل ہی دل میں میڈم چاندنی کو بہت بڑی گالی دی۔

''ترنم!'' اب میڈم چاندنی ترنم سے مخاطب تھی۔

''جی!'' ترنم نے بیٹھی بیٹھی آواز میں جی کہا۔

''آصف ہے اُس لڑکے کا نام اور یہ اُس کا ایڈریس اور اُس کی روٹین کی فائل ہے، تم اِس پر چوبیس گھنٹے کام کرو گی مجھے ایک دن کے اندر اندر ساری تصویریں بمع نگیٹو چاہئیں۔'' میڈم چاندنی نے اُسے آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن میں اُس سے یہ سب کیسے حاصل کروں گی؟'' ترنم نے کچھ پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''اِسی طرح معصوم شکل کے ساتھ اُس کے ساتھ جا کر مِلو، اُس سے کہو کہ تم گھر سے بھاگ کر آئی ہو، ماں باپ تمہارے مر چکے ہیں۔ تمہاری چچی تمہاری شادی ساٹھ سال کے بوڑھے کے ساتھ کرنا چاہتی ہیں اور تم گھر سے بھاگ کر دارالامان میں جانا چاہتی ہو، اِس کے لیے تمہیں اُس کی مدد کی ضرورت ہے اور ہاں! خیال رہے کہ تم اُس کے پاس رات میں جاؤ گی کیوں کہ وہ بارہ بجے کے بعد گھر جاتا ہے اور اُس وقت کوئی دارالامان بھی نہیں کھلا ہوتا تم اُس کو اپنے جال اور معصومیت سے اِس طرح قابو میں کرو گی کہ وہ تمہیں اپنے گھر لے جانے پر مجبور ہو جائے اور وہاں اُس کے گھر پہنچ کر تمہیں اُس کے لیے کمزور لمحے پیدا کرنے ہوں گے اور مجھے تمہیں یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں ہے کہ اِن کمزور لمحوں میں اپنا کام کس طرح نکلوانا ہے۔'' میڈم چاندنی نے خباثت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ترنم کے اندر تو آگ کے بھابھڑ جل رہے تھے اُس نے ایک تھکی تھکی سانس بھری۔

''مجھے اِسی دنیا میں اپنے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔'' اُس نے دِل ہی دِل میں خود سے کہا۔

''جی اچھا!'' کہہ کر ترنم میڈم چاندنی کی لائی فائل دیکھنے لگی۔

''میری زندگی میں جانے اور کتنے سانپ لکھے ہیں اور کب تک مجھے اپنا جسم ان سانپوں سے ڈسوانا ہوگا!'' ترنم کو فائل میں رپورٹر کی لگی تصویر بھی کسی سانولے سے سانپ جیسی لگ رہی تھی۔

میری تے اپنے مقدر دے نال لگدی اے!

(میری اپنی قسمت کے ساتھ ہی دشمنی ہے!)

میں نے اپنی اچھی بھلی قسمت کو خود داغ لگایا تھا۔

❖❖○❖❖

''تم آخر اُس لڑکی کے جال میں پھنس کیسے گئے؟'' طارق نے آصف سے پوچھا۔ طارق مسلسل ہاتھ ...ہا تھا ہر بار وہ کوئی نہ کوئی جال بُنتا تھا لیکن میڈم چاندنی اور میڈم راگنی چکنی مچھلی بن کر ہمیشہ نکل جاتی ...ں۔

...صف آئی بی کے نیٹ ورک کا تھا اور طارق کو رپورٹ کرتا تھا۔ اخبار کے رپورٹنگ ڈیسک پر وہ ...ت صحافی کام کرتا تھا، میڈم چاندنی نے بہت صفائی سے اپنا کام کر ڈالا تھا اور اس کی ساری محنت ...کردی تھی۔

''ہوا کیا تھا؟'' طارق نے ماتھے پر بَل ڈال کر پوچھا۔

...آصف کے ماتھے پر پسینا آ گیا۔

''میں جانے کیسے کمزور پڑ گیا وہ اتنی معصوم اور خوب صورت لڑکی یوں اتنا اہم میٹریل لے اڑے گی ...وچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' آصف کے چہرے پر ملال تھا، اُسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ...ں جیسی خوب صورت اور کومل سی لڑکی اُس گروہ میں شامل تھی۔

...س کی خوشبو ابھی تک اُس کے سانسوں میں موجود تھی، آصف ایک عجیب سی کسک ابھی تک اپنے دِل ...سوس کر رہا تھا۔ وہ بہت مشکل میں تھا فرض سے کوتاہی اور دِل کا خالی پن دونوں ایک ساتھ اُسے ...ہے تھے۔

...صف نے ساری بات دھیرے دھیرے طارق کے سامنے دُہرادی کہ کیسے وہ لڑکی خوشبو بن کر آئی ...س کے حواسوں کو معطل کر کے سب کچھ لے اُڑی۔

''مائی گاڈ! تم تو بہت پکے کردار کے مالک تھے۔'' طارق کو آصف کا یوں بہکنا بہت بُرا لگا تھا۔

''سوری سر! میں شرمندہ ہوں یہ میری کوتاہی ہے۔'' آصف نے اِقرار کیا۔

''میں مانتا ہوں کہ میں بھی عام سا انسان ہوں کوئی فرشتہ نہیں، لیکن میں اپنے فرض سے کوتاہی کر کے ...احق دار بھی ہوں۔'' آصف نے سچائی سے کہا۔ طارق نے اضطراری کیفیت میں کھڑے ہو کر چکر ...شروع کر دیے۔

''میں کوشش کروں گا، تمہیں کوَر کرنے کی لیکن تمہیں ڈائریکٹر صاحب کی ڈانٹ کے لیے تیار رہنا ...۔ خیر جب وہ تمہیں بلائیں گے تو میں وہیں سب سنبھال لوں گا۔'' طارق نے آصف کو تو تسلی دے کر ...تھا لیکن وہ خود بے حد بے چین تھا۔ اب تک اس کیس پر کام کرتے وہ کتنوں ہی کو پکڑ چکا تھا لیکن وہ ...مچھلی پر ابھی تک ہاتھ نہ ڈال سکا تھا۔ ملک کے اِس قدر اہم راز کیسے لیک آؤٹ ہوتے تھے وہ جان ...تا۔ لیکن وہ چاہتا تھا کہ اس بڑی مچھلی کو پکڑے جو سارے سسٹم کو پلان کے ساتھ خراب کر رہی تھی۔

...معصوم لڑکیوں کی پورنوگرافی کی سی ڈیز کا بزنس بے حد عروج پر تھا اُس نے ان پورنوگرافی اور بے ...مجروں کی سی ڈیز کی دکانوں پر کامیاب چھاپے مار مار کر اپنے شہر میں اِس کی سرکولیشن کافی حد تک ...دی تھی۔ لیکن یہ تو بُرائی کی ایک زنجیر تھی، جس کی ہر کڑی میں گناہوں کا کاروبار عروج پر تھا۔ اپنے ...ے وطن کی جڑیں کھوکھلی کی جا رہی تھیں، نئی نسل کو ذہنی طور پر تباہ کیا جا رہا تھا۔ آنے والا کل بے حد ...یک نظر آ رہا تھا۔ طارق کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ کس طرح اِن کالی بھیڑوں سے اپنے وطن عزیز اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے لوگوں کو بچالے۔

نئی نسل کو ایسے ایسے غیر فطری کاموں کی ترغیب دی جا رہی تھی کہ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام تھا طارق بے حد ڈسٹرب تھا ابھی پرسوں ہی اُس نے ایک بوائز کالج کے ہاسٹل پر ریڈ کی تھی، کتنی ہی معصوم جانیں جو بہت ساری آنکھوں کے ارمان تھے خواب تھے اپنی زندگی تباہ کر بیٹھے تھے۔ طارق کو ریڈ کے دوران ایک لڑکا ایسا بھی ملا، جو بالکل ہوش وحواس سے بیگانہ تھا اُسے بالکل یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ اُسے استعمال کرنے کے لیے جانے کتنے عرصے سے نشے کے انجکشن لگائے جا رہے تھے۔

وہ قوم جس کو بیدار کرنے کے لیے اقبال نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دی تھیں جس قوم کو اقبال شاہین کی طرح دیکھنا چاہتے تھے اُسی قوم کو دوسرے لوگ باقاعدہ پلان کے ذریعے انہیں زمین پر چلنے والے کیچوے بنا رہے تھے، طارق کو یہ سب اپنی توہین لگ رہا تھا ایسی توہین اُس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

مری بستی، شتر مرغوں کی بستی ہے
ہم اتنا دیکھ لیتے ہیں
جسے خود میں سمونے کا ہمیں یارا نہیں ہوتا
جسے مفہوم دینے کو
ہمارے کاسہ سر میں کوئی گوشہ نہیں ہوتا
شعور ولاشعور اِک کشمکش میں پھر بھی رہتے ہیں
مگر اس جنگ میں
جس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا
ہم اتنا دیکھ لیتے ہیں
جسے آنکھوں کی سرحد سے
گزرنے کا کوئی رستہ نہیں ملتا!

طارق نے اپنا ماتھا مسلا، اُس کی نگاہوں میں کئی چہرے گڈمڈ ہو رہے تھے، یہ چہرے کئی معصوم لڑکوں، لڑکیوں کے تھے، بے بس والدین کے تھے، جن کی لڑکیاں اغوا ہونے کے بعد ایسی غائب ہوئیں کہ وہ اُن کا نشان تک نہ پا سکے تھے۔

”راگنی اور چاندنی! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا! ایک بار، صرف ایک بار میرے پاس ٹھوس ثبوت آ جائیں تو تم لوگوں پر ہاتھ ڈالنا ایسا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ کتنی ہی معصوم لڑکیاں تم لوگوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی ہیں۔“ طارق نے آنکھیں بند کر کے سر کرسی سے ٹکایا تو چھم سے ایک مظلوم چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

یہ چہرہ سحرش کا تھا۔ خالی خالی آنکھوں کے ساتھ وہ گھنٹوں ایک ہی جگہ کو تکتے جاتی تھی۔ اُس کے چہرے پر بے اعتباری کسی نقش کی طرح جگہ بنا گئی تھی اُسے یقین ہی نہ آتا تھا کہ زندگی جو تتلی کے رنگوں

کی طرح رنگ برنگی لگتی تھی، ایک دم کیسے بھیانک خواب میں بدل گئی، جہاں اب اُس کے ناز اُٹھانے والا باپ بھی نہ تھا جہاں سارے زمانے کی نظروں میں اُس کے لیے فہمائش تھی۔ ہر نگاہ اُسے تلوار کی طرح کاٹ کر رکھ دیتی تھی اب وہ ایک مکمل لڑکی نہیں تھی بس ٹکڑوں میں بکھری ایک ٹوٹا پھوٹا وجود تھا۔ وہ ٹوٹا پھوٹا وجود طارق سے بے حد ہمدردی حاصل کرنے لگا تھا۔

ایسا کیوں تھا وہ خود بھی نہ جانتا تھا۔ ہر انسان خواہش اور مقدر کے بیچ کھڑا ہوتا ہے اگر اُس کی خواہش کے جذبے میں طاقت زیادہ ہوگی تو وہ اپنی خواہش کو پا لے گا اور اگر اُس کے مقدر کے لکھے کو خواہش کی طاقت بدل نہیں پاتی تو انسان کو اُس کے مقدر کا صرف لکھا ملتا ہے۔ طارق کی خواہش تو صرف ایک ہی چہرہ تھا۔ اور وہ تھا نگی کا چہرہ! لیکن اب اُس کے مقدر میں کیا لکھا ہے وہ نہیں جانتا تھا۔

اُس کا سارا دِل نگی کی محبت سے بھرا پڑا تھا۔ نگی اُس کی بچپن کی محبت تھی لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ نگی کی محبت کے بعد بھی کوئی گنجائش نکل سکتی تھی۔ ایک ہمدردی کا رشتہ اتنا مضبوط ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے ساتھ باندھ لے، جیسے طارق محسوس کر رہا تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سحرش سے ہمدردی کرنے پر مجبور تھا زندگی کا کھیل تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اب تو دیکھنا تھا کہ جیت کس کی ہونی ہے، خواہش کی یا پھر مقدر کی!

❖❖○❖❖

پالیا آج وہ سہارا
جو کبھی نہ گرنے دے گا
آج ہے اسے میں نے پکارا
جو میری ہر بات سنے گا
ہے جو میری شہ رگ
سے بھی قریب
بناتا ہے جو ہم سب
کا نصیب
ہے جو پوری کائنات کا مالک
ہے جو میری زندگی کا مالک
ہے جو ہم سب کا مالک
بس تو ہی تو
اے اللہ! اللہ اللہ اللہ!

روشن آرا ہاتھ اُٹھائے بلند آواز میں دُعا مانگ رہی تھیں۔

ولی تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا اُن کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ ماں کے فارغ ہونے کے انتظار میں نے کب اُس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ روشن آرا بیگم اپنی لمبی دُعا کے بعد فارغ ہو کر مڑیں تو بیڈ سے ٹیک لگائے کارپٹ پر ولی بے خود سو رہا تھا۔ روشن آرا بیگم نماز بے حد لمبی اور دُعا بے حد تفصیلی مانگا کرتی تھیں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنی دُعاؤں میں اللہ کے ساتھ محوِ گفتگو ہوتی تھیں۔

''لگتا ہے میرا انتظار کرتے ہی سوگیا ہے!'' روشن آرا بیگم نے کہتے ہوئے کمبل اُٹھا کر اُس پر ڈال دیا۔

برسوں پہلے کی وہ سردیوں کی ٹھنڈی رات یاد آ گئی جب احمد شاہ سات آٹھ سالہ ولی اور نگینہ کو کمبل میں لپیٹے اُن کے پاس لے کر آئے تھے۔ کس قدر شکوہ تھا نا انہیں اپنی زندگی سے لیکن آج اللہ نے کیسے اُن کی سُونی کوکھ میں لال ہیرے جیسے بچے دے دیے تھے جن کی پرورش کرتے ہوئے انہوں نے بارہا شکر ادا کیا تھا اُس بڑی ذات کا، جس نے اُن کی زندگی کی ہر کمی پوری کردی تھی۔ جانے کن ماں باپ کی ایسی نیک طبیعت اولاد تھی، جو اُسی طرح ڈھلتے گئے جیسے انہوں نے چاہا تھا۔ آج ولی کی طبیعت میں جو مضبوط قلعے تھے وہ انھی کی رکھی بنیادوں پر کھڑے تھے۔

نگی کے چہرے کی پاکیزگی اور والدین کی تابع داری سب کچھ اُن کے دیے ہوئے ماحول کی وجہ سے تھی۔

''اللہ تیرا شکر ہے!'' انہوں نے بے اختیار شکر ادا کیا اور سوئے ہوئے ولی پر انہیں بے اختیار پیار آیا۔ انہوں نے جھک کر ولی کے ماتھے پر پیار کیا تو ولی اُن کے لمس کی نرمی محسوس کر کے اُٹھ گیا۔

''السلام علیکم امّاں جان!'' ولی نے اُن کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

''وعلیکم السلام! اللہ سائیں تم کو دین و دنیا کی خوشیاں عطا کرے اور تمہیں اور تمہاری سات نسلوں کو رحمتوں کے سائے میں رکھے۔'' کچھ لوگ ہمیشہ دُعائے خیر کرتے ہیں۔ اُن کی دی ہوئی دعائیں دِل اور روح تک ٹھنڈک اُتار دیتی ہیں۔ ولی جو جلتے تپتے وجود کے ساتھ آیا تھا، اُس کے اندر تک سکون اُتر آیا۔

''تھینکس امّاں جان!'' ولی نے بے اختیار اُن کے ساتھ لگ کر کہا۔

''کس لیے ماں کی جان؟'' امّاں جان نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ اکثر پنجابی میں لوگ کہتے ہیں نا کہ ''ماواں ٹھنڈیاں چھاواں'' تو وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں امّاں جان! میں اِس قدر بے سکون ہو کر گھر آیا تھا لیکن آپ کے لمس اور دُعا نے میرے اندر تک سکون اُتار دیا، مجھے ایک دم ہلکا پھلکا کر دیا ہے۔'' ولی نے اقرار کیا۔

''لیکن میرا بیٹا اتنا پریشان کیوں ہے؟'' روشن آرا بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے آپ سے مسکان کا ذکر کیا تھا نا؟'' ولی نے کہا۔

''ہاں! مجھے وہ بچی اچھی طرح یاد ہے کیا ہوا اُسے؟'' روشن آرا بیگم نے پوچھا۔

''برین ہیمبرج ہوگیا ہے اُسے آج، اور ہوا بھی شاید میری وجہ سے ہے! میں بہت گلٹی محسوس کر رہا ہوں۔''

ولی نے دھیرے دھیرے ساری بات روشن آرا بیگم کو سنا ڈالی۔

روشن آرا بیگم ساری بات سن کر ایک دم سنجیدہ ہوگئیں۔

''اللہ تعالیٰ اُس بچی پر رحم کرے، تم قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی قصوروار ہوگئے ہو۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں کہ تم کس طرح کی اُلجھن میں گھرے ہو اگر تم چاہو تو میں علیزے کا خیال دِل سے نکال کر اُس بچی کے باپ سے مل لیتی ہوں۔'' وہ جوان بیٹے کی ماں تھیں انہیں اپنے بچے کی خوشی اور

...کے لیے دِل بڑا کرنا ہی پڑتا تھا، بے شک علیزے سے دست بردار ہونے میں وہ سراسر ناخوش ... لیکن انہیں ولی کی خوشی زیادہ عزیز تھی۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید ولی اُن کی وجہ سے اپنے دِل کی بات ...ہار رہا تھا۔

''نہیں امّاں جان! ہرگز نہیں! میں نے مسکان کو کبھی اِس نگاہ سے دیکھا ہی نہیں ہے۔ پھر وہ میرے خیالی ...پر پوری نہیں اُترتی، جو اُترتی ہے، وہ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔'' ولی نے جملے کا دوسرا حصہ دِل ہی دِل ...ادا کیا۔

''پھر...؟'' روشن آرا بیگم نے نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ میرے لیے دعا کریں۔ اُس لڑکی کے لیے بھی دعا کریں کہ میرا تصور اُس کے دل و دماغ ...اتر جائے تاکہ وہ اپنی زندگی بہترین انداز میں گزار سکے۔'' ولی نے سچے دل سے مسکان کی بہتری ...کہا۔

''ٹھیک ہے! لیکن تم صرف اِس بات کو ہی لے کر اتنے پریشان ہو؟'' روشن آرا بیگم نے ولی کا چہرہ ...سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ ماں تھیں اور وہ اُن کی انگلیوں کی پوروں میں تھا، وہ جان گئی تھیں کہ ولی ...اِس بات کو لے کر پریشان نہ تھا۔

''امّاں جان وہ....'' ولی کچھ کہتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ وہ خود بھی سمجھ نہ پا رہا تھا کہ کس طرح اپنے ...کی اِس پریشانی کو ماں کے ساتھ شیئر کرے۔ اُسی پَل احمد شاہ اندر داخل ہوئے، ماں بیٹا اپنی باتوں ...اِس قدر مشغول تھے کہ دبیز قالین کی وجہ سے احمد شاہ کے آنے کی خبر تک انہیں نہ ہوئی۔

''کہو بیٹا کیا مسئلہ ہے؟'' روشن آرا بیگم نے اُس سے پیار سے پوچھا۔

''امّاں جان!'' ولی نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''یہ سید عبداللہ کون ہے؟'' ولی نے پوچھا۔

روشن آرا بیگم تو ایک دم سکتے میں آ گئیں۔

''ولی کو یہ نام کس نے بتایا؟''

کچھ اس طرح کی کیفیت سے احمد شاہ بھی گزر رہے تھے۔

کیا وہ واپس اپنی پہچان کی جانب لوٹ رہا تھا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احمد شاہ اور روشن آرا بیگم ایک دم چپ ہو گئے۔ عبدالولی کو اُن کی خاموشی سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"عبدالولی!" آخر احمد شاہ بولے۔ لیکن جس طرح انہوں نے عبدالولی کا پورا نام لے کر پکارا تھا۔ ولی کو زندگی میں پہلی بار سامنے کھڑے شخص میں اجنبیت کا احساس ہوا۔ اُونچے لمبے جوان کا دِل سہم کر اتنا چھوٹا ہو سکتا ہے؟ عبدالولی باقاعدہ محسوس کر سکتا تھا۔ ساری عمر احمد شاہ اور روشن آرا بیگم کی محبت اور توجہ حاصل کی تھی۔ آج اِس کے ایک سوال نے کیسی اجنبیت کی فضا قائم کر دی تھی۔ عبدالولی کو ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا شاید اُس نے بے حد غلط سوال کر دیا تھا۔

"سیّد عبداللہ کون تھا؟" یہ صرف اس کا تجسس تھا۔

"جی بابا سائیں! آپ کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔" عبدالولی نے متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

احمد شاہ بے حد پریشان تھے ایک نہ ایک دن ولی اور نگینہ کو اُن کی پہچان بتانی تھی۔ لیکن اس طرح اچانک بتانا، جہاں دونوں بچوں کے لیے مفید نہ ہوتا وہاں انہیں بابا صاحب سے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھانا تھا۔ زندگی میں واقعات کی ترتیب حسبِ منشا رہے تو کبھی حادثے نہیں ہوتے، زندگی ... دوراہے نہیں دیکھتی لیکن سب کچھ انسانوں کے ہاتھ میں کہاں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی وہ ہو جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔ احمد شاہ خود کو بھی کچھ اِسی قسم کے دوراہے پر محسوس کر رہے تھے۔

"ولی! تم ہمیشہ سے میرا فخر رہے ہو۔" احمد شاہ اتنا کہہ کر کچھ دیر کو خاموش ہو گئے، جیسے وہ مزید کچھ کہنے کے لیے الفاظ ترتیب دے رہے ہوں۔

"آج میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ کی طرح وہ مانو جو میں چاہتا ہوں۔" احمد شاہ ابھی تک خود میں حوصلہ نہ پا رہے تھے کہ یوں سچائی کو منظرِ عام پر لے آئیں۔

"آپ کہیے بابا سائیں! میرے لیے دنیا میں بس وہ ہی سچ ہے جو آپ کہیں گے۔" ولی نے ہمیشہ کی طرح تابع داری سے کہا۔ اُس کی بات سُن کر احمد شاہ نے خود کو ایک دم بے حد توانا محسوس کیا۔

ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ محبت بوئیں اور نفرت حاصل کریں، محبت بونے والے ہمیشہ محبت ہی حاصل کرتے ہیں۔ ولی کے اندر بھی اُن کی محبت کا بیج تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

"ولی! مجھے تمہیں کچھ سچائیاں بتانی ہیں یہ تمہارا اُدھار ہے مجھ پر، لیکن تم ہمیں کچھ وقت دو اور یقین رکھو کہ ہم تم سے اتنا پیار کرتے ہیں کہ تم سے کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے۔" احمد شاہ نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

آج احمد شاہ کی تربیت کا امتحان تھا کہ عبدالولی کتنا پورا اُترتا ہے۔ تجسس اور اندر کے سوال اِس قدر پریشان کریں کہ انسان اپنے آپ میں بے بس ہو جائے لیکن ایسے میں اُسے صبر و انتظار کا کہا جائے ا...

...ار بھی ایسا جس کی کوئی مدّت مقرر نہ کی جائے۔ احمد شاہ نے عبدالولی کو کچھ اِسی قسم کی مشکل میں ڈال دیا تھا۔

عبدالولی نے چونک کر احمد شاہ کو دیکھا۔ سامنے کھڑا شخص اُس کا ایسا مہربان باپ تھا، جس نے اُسے ...ہ پیار ہی دیا تھا، وہ اُس کی بات کسی طور نہیں ٹال سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے بابا سائیں!" عبدالولی نے اپنے اندر شور مچاتے سوال کو دبا کر کہا۔ سیّد عبداللہ سے اُس کا کوئی تعلق ضرور تھا یہ تو وہ جان ہی گیا تھا۔ احمد شاہ اور روشن آرا کے چہروں کے تاثرات اُسے بتا گئے تھے یہ نام اُن کے لیے اجنبی نہ تھا۔ لیکن یہ تعلق کس نوعیت کا تھا اِس کے لیے اُسے انتظار کرنا ہی تھا کیوں کہ ایسا احمد شاہ نے کہا تھا اور عبدالولی کے لیے احمد شاہ کا کہا کسی حکم سے کم نہ تھا۔

"جیتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہیں دین و دنیا کی خوشیاں عطا کرے۔ تم جیسا بیٹا تو قسمت والوں کو ملتا ہے، کسی انعام سے کم نہیں۔" روشن آرا بیگم نے آگے بڑھ کر عبدالولی کی پیشانی چوم لی، عبدالولی کے اندر کے سوال ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے۔ بے شک اُن کی محبتوں کے آگے تو کچھ بھی اہم نہ تھا۔ روشن آرا نے خود کو ایک دَم بے حد پُرسکون محسوس کیا، کچھ پَل پہلے والی پریشانی اور کھو دینے کا احساس اب ختم ہو گیا تھا۔

"اماں جان! میں واقعی شرمندہ ہوں کہ میرے ایک سوال نے آپ دونوں کو پریشان کر دیا۔" عبدالولی نے اُن کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بچے! یہ تمہارا حق ہے! بس تم کچھ دیر کے لیے ٹھہر جاؤ، جب اللہ کا حکم ہو گا تو وہ ہمارے اور تمہارے اندر بات سننے اور کہنے کی ہمت دے گا۔" روشن آرا بیگم نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اچھا اُس بچی کی خبر لینے میں ہسپتال جانا چاہتی ہوں۔" روشن آرا بیگم نے ایک دَم بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔

"کون! مُسکان؟" عبدالولی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! میرا بھی خیال ہے کہ ہمیں اُس بچی کی خبر لینی چاہیے۔" احمد شاہ نے کہا۔

"لیکن۔" عبدالولی واقعی ہچکچا رہا تھا۔

"تم پریشان نہ ہو بیٹا! اللہ سوہنا کرم کرے گا۔ تم خود پر اُس کے متعلق کوئی بوجھ نہ لو، اللہ سوہنا کسی کو اُس کی استطاعت سے بڑھ کر نہیں آزماتا۔" روشن آرا بیگم نے عبدالولی کو تسلی دی۔

"اماں جان! آپ دُعا کریں کہ اُس لڑکی کے دِل سے میرا خیال نکل جائے میں نہیں چاہتا کہ ایک لڑکی میری وجہ سے ڈسٹرب ہو جائے۔" عبدالولی کو مُسکان سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں بیٹا! کیوں نہیں! بیٹیوں کے دِل تو بہت نازک ہوتے ہیں، تم فکر نہ کرو تم مجھے اُس کے پاس لے چلو۔" روشن آرا بیگم نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کو لے چلوں گا۔" عبدالولی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

اُن سے ملنے کے لیے اُس کے دِل میں رتی بھر آمادگی نہ تھی لیکن وہ ماں کا کہا ٹال نہیں سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اِس طارق کے بچے نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے۔" میڈم چاندنی نے غصّے سے پھنکارتے ہو
کہا۔

"بگ باس نے جو پارٹیز ارینج کرانے کا کہا تھا، وہ اِس طارق کی وجہ سے ممکن نہیں ہو پارہیں" میڈم راگنی نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

"وہ لوگ خاص خاص مقامات پر ہوموسیکس پارٹیز ارینج کرواتے تھے، جس میں کالج کے لڑکے شا تھے۔ اَپر کلاس لڑکے اِس کام کے لیے اُس نے مقرر کیے تھے، جو مڈل کلاس لڑکوں کو ورغلا کر اِن پارٹیز حصّہ بناتے تھے۔ بگ باس ہر کام بڑے پلان سے کرواتا تھا۔"

"جب تک اُسے اُوپر سے سپورٹ ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔ تم اُوپر سے یہ کام رکواؤ تو یہ لو ہمارے لیے مصیبت بنتے جارہے ہیں۔" میڈم چاندنی نے اپنی جانب سے حل پیش کیا۔

"اِن کا ڈائریکٹر بڈھا کھوسٹ سا ہے، آگے پیچھے اُس کے ہے کوئی نہیں اور عورت میں اُس کی دل چسپی صفر ہے، پھر ہے بھی شریف! اب تم بتاؤ میں اُوپر سے کس طرح یہ کام رکوالوں؟" میڈم راگنی پنسل نما لمبا سا سگریٹ سُلگاتے ہوئے کہا۔

"اگر ڈائریکٹر کی کوئی کمزوری نہیں ہے تو طارق کی تو کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوگی۔ جوان آدمی ہمیں طارق کو ٹارگٹ کرنا ہوگا۔" میڈم راگنی نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا۔

"ہاں! اُس کی ایک کمزوری ہے، اُس کی ایک بہن ہے۔" میڈم چاندنی نے شاطرانہ مسکراہٹ ساتھ کہا۔

"تو پھر دیر کس بات کی ہے! اُسے فوراً اُٹھوالو اور صرف اُٹھوانا نہیں ہے اُس کی زبردست قسم کی شو کرڈالو۔ آئندہ وہ کم بخت ہمارے راستے میں آنے کی کوشش کرتے ہوئے سو بار سوچے گا۔" میڈم را نے غصّے سے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، اِس طوفان کو روکنے کا صرف ایک یہ ہی حل ہے، لیکن راگنی ذرا د سے ہاتھ ڈالنا۔ وہ خفیہ کا خاصا اہم افسر ہے کہیں لینے کے دینے نہ پڑجائیں۔" میڈم چاندنی نے کیوں کہ وہ اندر سے کچھ ڈر بھی رہی تھی۔ طارق نے اُس کے کئی ٹھکانے تباہ کرڈالے تھے۔

"ٹھیک ہے!" میڈم راگنی نے اپنے موبائل پر کچھ نمبر پُش کیے اور اِس کام کے لیے مارک کو خا ہدایات دیں۔

"اب دیکھتے ہیں یہ لڑکا کیسے ہمارے راستے میں آتا ہے۔" میڈم راگنی نے موبائل آف کرکے چاندنی سے کہا۔

اُس کے چہرے پر بے حد اطمینان تھا۔ اب وہ جو کرنے جارہی تھی، وہ طارق کی سات نسلوں کو سبق سکھانے کے لیے کافی تھا۔

❖❖○❖❖

"مُسکان! میری جان! خُدا کے لیے خود کو سنبھالو۔" سائرہ نے نڈھال سی مُسکان سے کہا ابھی ا سیّد سرفراز علی مُسکان کے کمرے سے بے حد فکرمندی سے نکلے تھے، اُن کے سوالات پر آپا امّاں کا

ایک دم فق ہوگیا تھا۔

اگر اچانک نرس ڈرپ کے لیے اندر نہ آتی تو آپا امّاں بچ نہ پاتیں کیوں کہ اُن کے پاس فوراً کوئی بہانہ نہ تھا اس لیے وہ ایک دم سے بوکھلا گئی تھیں۔

"سائرہ! وہ صرف میری چاہت ہی نہیں، میری زندگی کا مرکز و محور بھی ہے۔ ایسا محور کہ اگر میں اُس کے گرد نہ رہی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خود سے بچھڑ جاؤں گی۔" مُسکان کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر اُس کے سنہری بالوں میں جذب ہوگئے۔

"اِس لڑکی کا کچھ نہیں ہوسکتا۔ اچھی بھلی زندگی کو روگ لگالیا ہے۔" سائرہ نے دِل میں بے حد دُکھ محسوس کیا۔

"سائرہ اُس سے کہو کہ مجھے اپنی زندگی میں جگہ دے۔" مُسکان ایک دم ضدی بچوں کی طرح مچلی۔

"یہ کیا بے کار کی ضد ہے۔" سائرہ نہ چاہتے ہوئے بھی سختی سے بولی۔

"یہ ضد نہیں سائرہ! میری بے بسی ہے۔" مُسکان نے تقریباً ہانپتے ہوئے کہا۔ اُس سے نقاہت کی وجہ سے بولنا دُشوار ہورہا تھا۔

میں تمہارے احساسات بہت پہلے سے جانتی ہوں لیکن میں اِس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی بلکہ کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کرسکتا اِس لیے پلیز تم اِس پاگل پن سے باہر نکلو۔ سائرہ نے اُسے کوئی بھی دلاسا نہ دیا۔

"نہیں! وہ میرا جنون ہے اگر وہ نہ ملا تو میں مرجاؤں گی اور میری موت ہی اِسے میری اہمیت کا احساس دلائے گی۔" مُسکان نے بالکل پاگلوں کی طرح کہا۔

اُسی پَل آپا امّاں اندر داخل ہوئیں۔ مُسکان کی بات وہ سن چکی تھیں اور بے حد دُکھی تھیں۔

"کیا ہماری اُنیس بیس سال کی محبت پر تمہاری دو سال کی محبت حاوی ہوگئی ہے جو تم یوں اپنے مرنے کی باتیں کرنے لگی ہو، تمہیں صرف اپنے دِل کی پڑی ہے! دوسرا کوئی اور تمہیں نظر نہیں آتا! ایسی تو میری تربیت نہ تھی۔" آپا امّاں نے افسوس سے کہا۔

"آپا امّاں! میں چاہ کر بھی خود کو کنٹرول نہیں کرپاتی۔ پلیز آپا امّاں اُسے کہیں کہ وہ میری محبت کو نہ ٹھکرائے، میں نے اُسے بہت چاہا ہے، وہ نہ ملا تو میرا دم نکل جائے گا۔" مُسکان ایک دَم پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور اُس کے اِس طرح رونے سے سائرہ اور آپا امّاں دونوں ایک دم بوکھلا گئیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اُسے بے حد سکون سے رکھیں، مُسکان کا یوں رونا اچھا نہ تھا۔

"مُسکان بیٹا! خدا کے لیے چپ ہوجاؤ، تمہاری خاطر تمہاری یہ کمزور ماں ہر روایت، ہر رسم اور ہر انسان سے لڑ جائے گی، یہ میرا وعدہ ہے۔" اُن کا یہ وعدہ انہیں خود کو بھی بہت مہنگا پڑسکتا تھا۔

سیّد سرفراز سے مُسکان کا راستہ عبدالولی کے لیے صاف کرانے کا پہاڑ طے بھی انہیں کرنا تھا جو حکم رانی کے نشے میں اپنی سگی اولاد تک کے حقوق دینے کو تیار نہ تھا۔

❖❖○❖❖

"مُسکان کو کیا ہوا ہے نفیسہ؟" سیّد سرفراز علی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

نفیسہ بیگم کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑتی محسوس ہوئی، بہت برس پہلے اِسی طرح سیّد سرفراز علی کا سامنا نفیسہ بیگم نے کیا تھا تب بھی انہوں نے اپنی جان کی پروانہ کی تھی اور آج تو اتنے برسوں بعد اُن کا اپنا آپ ویسے ہی کسی لاش کی طرح لگتا تھا۔ آج اگر اُن کا دِل ڈر رہا تھا تو مُسکان کی محبت کی وجہ سے ڈر رہا تھا۔

گزرتے سالوں میں مُسکان اُن کے دِل میں ایک خاص مقام حاصل کرچکی تھی۔ پھر مُسکان، صائمہ بی بی کی امانت تھی اُن کے پاس۔ صائمہ بی بی کا اُن کی ذات پر ایک بہت بڑا احسان تھا، آج بھی وہ خود کو اُن کے احسان تلے محسوس کرتی تھیں، ایسے میں مُسکان کے لیے لڑنا اُن کو اپنے فرائض میں شامل لگتا تھا۔

''نفیسہ! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟'' سیّد سرفراز علی نے کڑکتے لہجے میں اپنا سوال دُہرایا۔

''سچ جاننا چاہیں گے یا اپنی جھوٹی آن کو قائم رکھنے کے لیے مجھ سے کوئی جھوٹ سننا چاہیں گے؟'' نفیسہ بیگم نے ٹھہر ٹھہر کر بے حد پُرسکون انداز میں کہا۔

''نفیسہ! تم ہمیشہ میرا ضبط آزماتی ہو، لیکن آج تمہاری خیر اِسی میں ہے کہ تم مجھے سچ سچ بتاؤ۔'' سیّد سرفراز علی کا سانولا چہرہ غصّے سے سیاہ پڑنے لگا۔

''مُسکان تو خود آپ کی اولاد ہے کیا اُس کی غلطی کو معافی ملے گی؟ اپنی اولاد کے لیے تو انسان کے دِل میں بے انتہا وسعت ہوتی ہے۔'' آپا امّاں نے سیّد سرفراز علی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم جانتی ہو ہمارے ہاں لڑکیوں کی غلطیوں کو معاف نہیں کیا جاتا۔'' سیّد سرفراز علی نے ایک دَم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ آپ کی لاڈلی بیٹی مُسکان ہے کوئی عام لڑکی نہیں۔'' آپا امّاں نے اُن کی دِل میں مُسکان کی محبت کو جگانے کی کوشش کی۔

''نفیسہ تم صاف صاف کہو، ہمارے اندر مزید صبر کا حوصلہ نہیں ہے۔'' سیّد سرفراز علی نے بے چینی سے کہا، کہیں اندر سے وہ مُسکان کے لیے کمزور پڑ رہے تھے۔

''مُسکان سے بھی وہ غلطی ہوئی ہے جو آج سے برسوں پہلے سدرہ بی بی سے ہوئی تھی۔'' آپا امّاں نے سیّد سرفراز علی کے سر پر بم دھماکہ کیا۔

سیّد سرفراز علی کا چہرہ جو غصّے سے سیاہ پڑ رہا تھا ایک دَم پھیکا پڑ گیا وہ صوفے پر یوں گرے جیسے کوئی کٹا ہوا درخت زمین پر گرتا ہے۔ اُن کے وجود پر صدیاں گزر گئی تھیں، وہ ایک دَم اپنے آپ کو بے حد کمزور اور بوڑھا محسوس کرنے لگے تھے۔

''کون ہے وہ؟'' کچھ دیر موت جیسی خاموشی کے بعد وہ بے حد ٹوٹے ہوئے لہجے میں مخاطب ہوئے۔ آج اُن کو شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ مُسکان اُن کی مضبوطی نہیں کمزوری ہے۔ اللہ نے اِس بچی کے لیے ان کے دِل میں بہت شدید محبت ڈال دی تھی، جس کے سامنے وہ خود کو بھی بے بس محسوس کرتے تھے۔

''عبدالولی۔'' آپا امّاں نے اُن کا کمزور چہرہ دیکھ کر عجیب طرح کا سکون محسوس کیا۔

''عبدالولی؟'' سیّد سرفراز علی بُری طرح چونکے۔ آج سے دو سال پہلے اُن کو اُن کے بندوں نے خبر لا تھی کہ کالج کا کوئی لڑکا عبدالولی ہے، جس کے متعلق مُسکان اکثر باتیں کرتی ہے لیکن وہ کسی لڑکے سے ملتی ہے، یہ نہیں بتایا تھا۔ اگر مُسکان کسی سے ملتی نہیں تھی تو وہ کسی سے انوالو کیسے ہوگئی؟'' یہ سوال ہیں بُری طرح پریشان کر رہا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ مُسکان کی ''راکھی'' بے حد احتیاط سے کی تھی پھر بھی ن کی بیٹی کس طرح بغاوت کرگئی؟

''کون ہے یہ لڑکا اور اِس نے مُسکان کو کب ورغلایا؟'' سیّد سرفراز علی نے غصّے سے پوچھا۔

''لڑکا بہت اچھے خاندان کا ہے اور اُس نے ہرگز مُسکان کو نہیں ورغلایا، وہ تو آپ کی بیٹی کے جذبات سے بالکل بے خبر ہے۔ یہ مُسکان کی یک طرفہ محبت ہے۔'' آپا امّاں نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔

''ہونہہ! یک طرفہ محبت! یہ یک طرفہ محبت نہیں، سراسر حماقت ہے اور تم نے اُسے اِس حماقت سے کیوں نہیں روکا؟ تم بھی اُس کے قصور میں برابر کی شریک ہو۔'' سیّد سرفراز علی ایک دَم چلاّئے۔

''بہت خوب سیّد سرفراز علی! بہت خوب! یہ تمہارا پرانا وطیرہ ہے اپنا قصور بھی کسی اور کے ذمّے آسانی سے لگادیتے ہو۔''

''کیوں کیا تم پر مُسکان کی مکمل ذمّے داری نہیں تھی، تمہیں اُسے اِن فضولیات سے روکنا چاہیے تھا۔ لیا تم اپنی بے خبری کی قصوروار نہیں ہو؟'' سیّد سرفراز علی ایک بار پھر چلاّئے۔

''میں ہرگز بے خبر نہیں ہوں، بے خبر تو آپ ہیں جو اولاد کی جائز خوشیاں روک لیتے ہیں یہ بھی تو پ کی خاندانی روایت ہے نا؟'' آپا امّاں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہم نے اُسے اُس کی اوقات سے زیادہ خوشیاں دی ہیں اُس کی ہر طرح کی خواہش اور ضرورت ری کی ہے۔'' سیّد سرفراز علی نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

''تو پھر اُس کی اِس خواہش کو بھی حماقت کا نام دینے کے بجائے پورا کردیں، پریشانی کیا ہے۔'' آپا امّاں نے بے نیازی سے کہا۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی جو صائمہ کی بات مان کر اپنی بچی کی پرورش تمہارے حوالے کی، تم تو ایشہ سے میری دُشمن رہی ہو، تم کیوں کر میری اولاد کا فائدہ چاہوگی؟'' سیّد سرفراز علی لڑنے کے انداز میں بولے۔

مُسکان میرے لیے کس قدر اہم ہے یہ مجھے آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں، اب آپ یہ سوچیں کہ آپ کو ایک اچھا باپ بننا ہے یا پھر اچھا جاگیردار؟'' آپا امّاں نے اپنے سر کی چادر درست کرتے ہوئے کہا۔

''مُسکان میری بیٹی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اُس کے لیے کیا اچھا ہے اور کیا بُرا! تم مُسکان کا چھوٹا موٹا سامان پیک کردو، وہ ہمارے ساتھ واپس گاؤں چلے گی۔ ہم جلد ہی اُس کی شادی کررہے ہیں۔'' سیّد سرفراز نے ایک دَم سے دھماکا کیا۔ آپا امّاں کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''سیّد سرفراز علی! تم اتنے ظالم کیسے ہوسکتے ہو؟ اتنی سی بچی کی شادی تم اُس بڈھے سے کروگے۔ تم کو، تمہارے دِل کو ایسا کرتے کچھ نہ ہوگا؟'' آپا امّاں نے نفرت سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مُسکان کا جوڑ فی الحال خاندان میں کوئی نہیں ہے۔ اگر یہاں رشتہ نہیں کریں گے تو پھر ہمیشہ کے لیے مُسکان کو بنا شادی کے رہنا ہوگا اور پھر یہ بہترین رشتہ ہے بدلے میں اپنی بہت پیاری بیٹی کا رشتہ بلال کو دے رہا ہے۔ بلال کی حالت جس طرح کی ہے، ایسے میں اُسے کوئی خاندانی لڑکی نہیں مل سکتی، یہ بھی تو سوچو کہ مُسکان کے ذریعے اُس کے بھائی کو بھی بَر مل رہا ہے لڑکی لا زمین کی مالک ہے۔"

"سیّد سرفراز علی! اِس میں دونوں جانب ایک بار پھر دونوں لڑکیاں ہی خسارے میں رہیں۔ ایک کو بوڑھا لالچی شوہر ملے گا اور دوسری کو پاگل خبطی شوہر۔"

"نفیسہ!" سیّد سرفراز نے آپا لقاں کی بات پوری ہونے سے پہلے کاٹ دی۔

"میں تمہارا بہت لحاظ کر رہا ہوں۔ بس اب وہ ہی ہوگا، جو ہم چاہیں گے۔ مُسکان کل ہمارے ساتھ گاؤں چل رہی ہے۔"

"لیکن ابھی اُس کی حالت ٹھیک نہیں ہے جب تک ڈاکٹر چھٹی نہیں دیں گے وہ کیسے جاسکتی ہے؟" آپا لقاں کسی بھی طرح سیّد سرفراز علی کو اُس کی اِس جلد بازی سے روکنا چاہتی تھیں۔ وہ خود نہیں جانتی تھیں کہ بات اِس قدر بگڑ بھی سکتی ہے۔

"ہم یہاں سے نرس اور لیڈی ڈاکٹر کو ہائر کرلیں گے وہ اُس کی دیکھ بھال گاؤں میں بھی کرلیں گی۔" یعنی سیّد سرفراز کا فیصلہ اٹل تھا، جس میں ردوبدل نہیں ہونے والا تھا۔

"مُسکان کی تعلیم؟" آپا لقاں نے بوکھلا کر کہا۔

"بہت حاصل کرلی تعلیم، آزادی اور ہماری محبت اور اُس کا ناجائز فائدہ! اب سب کچھ ختم، اب صرف اُس کی شادی ہوگی۔" سیّد سرفراز علی نے اٹل فیصلہ کیا اور ایک دَم اُٹھ کر باہر نکل گئے یعنی اب وہ ہی ہونا تھا جو وہ سوچ چکے تھے۔

"سیّد سرفراز علی! تم یہ بھول جاؤ کہ تم میری مُسکان کے ساتھ بھی وہ کرو گے جو تم اپنی پھوپو اور بہنوں کے ساتھ کر چکے ہو، اگر عبدالولی سے مُسکان کی شادی ناممکن ہے تو اُس بوڑھے کھوسٹ کے ساتھ میں اپنی بچی کی زندگی تباہ نہیں ہونے دوں گی، چاہے اِس کے لیے مجھے اپنی جان سے بھی جانا پڑے۔ ابھی تم کرلو جو کرنا ہے لیکن میں کبھی وہ نہ ہونے دوں گی جو تمہارے خاندان میں عورتوں کی ساتھ ہوتا آیا ہے۔"

آج سے برسوں پہلے سیّد عبداللہ نے ایک عورت کی زندگی بچا کر اپنے سارے خاندان کی زندگی گنوادی تھی۔ میں اُس کی قربانی کو ضائع نہ جانے دوں گی، میں دوسری نسل کی اِس لڑکی کو بچاؤں گی کیونکہ سُنا ہے کہ ایک نسل کی عورت کی قسمت، دوسری نسل کی عورت کو بھی ملتی ہے۔ اگر تیسری نسل بچا جائے تو پھر وہ قسمت بدل جاتی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اِس رسم کو توڑنے کے لیے اگر مجھے اپنی جان گنوانی پڑے تو میں یہ ضرور کروں گی۔" آپا لقاں نے با آواز بلند کہا۔

❖❖○❖❖

ہر طرف روشنی کا سیلاب تھا۔ ہال کو بلبز اور بلیو لائٹ سے سجایا گیا تھا جب یہ دونوں لائٹیں موو کر

ئی ملتیں تو ایک دَم سبز روشنی میں منتقل ہو جاتیں، جس سے بہت خوب صورت تاثر مل رہا تھا۔ ہال کی ٹ بھی موو ایبل تھی۔ آج میڈم راگنی نے اِس پارٹی کو بالکل الگ طرح کا رنگ دینے کا سوچا تھا۔ وہ لی کچھ لڑکیوں کو لانچ کر رہی تھی اس کے علاوہ آج کی پارٹی میں بہت سے وزرا اور افسروں سے بہت اہم فائلوں پر کام لینا تھا۔ نیو ایئر پارٹی کے بعد میڈم راگنی کوئی اور پارٹی نہ کرسکی تھی، وجہ طارق تھا، جو ن کی بو سونگھتا پھر رہا تھا۔ لیکن آج کی پارٹی کے متعلق میڈم راگنی بے حد بے فکر تھی کیوں کہ جس وقت پارٹی اپنے عروج پر ہوتی تھی، اُس وقت طارق کو خود اپنے ہی مسئلے میں اس قدر اُلجھا ہوا ہونا تھا کہ وہ ان کو قطعی ڈسٹرب نہ کرسکتا تھا۔

"واؤ! چاندنی جی آج تو آپ نے ہمارے حواس باقاعدہ اُڑا دینے کا پورا پورا بندوبست کر رکھا ہے۔" گورمانی نے مدھم میوزک پر ایک خوب صورت سی لڑکی کو ناچتے دیکھ کر کہا۔ وہ لڑکی بے حد کم عمر تھی اور بے حد کم لباس میں اپنی قاتل اداؤں سے بہت ساروں کو گھائل کر رہی تھی۔

"ارے گورمانی صاحب! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے آج بارہ بجے آپ اصل حُسن دیکھیں گے۔" میڈم راگنی آج بہت آفت قسم کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ یہ پانچ لاکھ کی ساڑھی اُس نے اپنے ڈیزائنر بیٹے سے ڈیزائن کروائی تھی۔ اُس کا بیٹا اپنے سرکل میں بے حد بدنام تھا نو عمر لڑکوں کو برائی کی جانب لا کر وہ اُن کو تباہ کر دیتا تھا۔ وہ لڑکے یا تو کچھ عرصے بعد خودکشی کرلیتے یا پھر عادی ہو کر اُس کے گروہ کا حصہ بن جاتے تھے۔ وہ اکثر افسروں کو سرو کرتے تھے، مختلف ایمبیسی کے غیر ملکی افسر اپنی ضرورت کے لیے "بنی" سے رابطہ کرتے تھے۔ اب تو اس برائی کا چسکہ بہت سے ملکی افسروں کو بھی پڑ گیا تھا۔

"بنی" ایسے بے باک جملوں سے اپنی ماں کی تعریف کر رہا تھا کہ تیار ہوتی ماہی نے دِل ہی دِل میں اس بے غیرت کو گندی سی گالی دی۔

"مجھے آج لگ رہا ہے کہ عورت ہو کر بھی ہماری اہمیت ختم ہو رہی ہے۔" پری نے جل کر کہا۔ اِس وقت ٹاپ کی بیوٹیشنز اُن سب کا میک اپ کر رہی تھیں، لڑکیوں کے مختلف لُکس کے متعلق میڈم راگنی کی خاص ہدایات تھیں۔

"کیوں؟ تم ایسا کیسے سوچ رہی ہو اگر ہماری اہمیت کم ہوتی تو یہ وزرا ہمارے تلوے نہ چاٹتے۔" سونی نے اپنے آپ کا جائزہ آئینے میں لیتے ہوئے کہا۔

"اس "بنی" کی وجہ سے کہہ رہی ہوں، کم بخت آدھا مرد! اپنے لڑکوں کو کیوں اِس پارٹی میں لے کر آیا اور یہ لڑکے یوں پیسٹری بن کر آئے ہیں، جیسے ہمارا پتہ کاٹنا مقصود ہو۔" پری کا تجزیہ کچھ غلط بھی نہ تھا۔

"کم آن یار! یہ تو ورائٹی ہے ورائٹی! کسی کو میٹھا، کسی کو کھٹا، کسی کو نمکین اور کسی کو سلاد چاہیے، میڈم راگنی نے تو اِس پارٹی میں ہر طرح کی سروس پرووائیڈ کی ہے اِس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" مالا نے اپنے بیک لیس بلاؤز کے ہکس بند کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ عورت ذات کی توہین ہے کہ ہم عورت ہو کر مرد کی ضرورت پوری نہیں کرسکتیں کہ وہ اِدھر اُدھر منہ ماری کرے۔" سونی کو واقعتاً بنی اور اُس کے لڑکوں سے خار محسوس ہو رہی تھی۔

''توہین؟ یعنی بے عزتی!'' ترنم، جو کب سے چپ چاپ اُن سب کی گفتگو سن رہی تھی ایک دم قہقہہ لگا کر ہنسی۔

''ارے بے عزتی تو اُس کی ہوتی ہے، جس کی کوئی عزت ہو، تم لوگوں کو تو ایسے معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ تمہاری...''

''شٹ اپ ترنم!'' سوہنی نے غصّے سے اُس کی بات کاٹی۔

''یو شٹ اپ۔'' ترنم تو ڈرگ کی اچھی خاصی ڈوز لے کر بیٹھی تھی، وہ ایک دَم آپے سے باہر ہوگئی۔

''تم! تیسرے درجے کی طوائف، بے غیرت...'' ترنم تابڑ توڑ گالیاں دے رہی تھی۔

''ترنم میں کہتی ہوں اپنی بکواس بند کرو، تم خود کون سی سیّد زادی یا دودھ سے دھلی ہو۔'' سوہنی نے ایک گندی گالی دی۔

''تمہارے جیسی نہیں ہوں، جو سات نسلوں سے طوائف ہے، جس کے باپ تک کا پتا نہیں، تمہاری ماؤں کے اتنے چاہنے والوں میں تمہارے باپ کا کیا پتا چلتا ہوگا۔'' ترنم جو ستاروں والا نیلا ٹاپ اور جیا جیسے چھوٹے سے اسکرٹ نما لباس میں ملبوس تھی، جس میں سے اُس کی لمبی گوری ٹانگیں بے حد نمایاں تھیں، ایک دَم محلے کی پینڈو لڑاکا عورتوں کی طرح کھڑے ہو کر لڑنے لگی۔ نشہ چڑھ کر اُس کے حواس معطل کر گیا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' ماہی نے اپنا سر تھام لیا وہ جان گئی تھی کہ ترنم نشے میں ہے اور وہ نشے میں بے حد خطرناک ہو جاتی تھی۔ آج تو سوِنگ (جھولے) پر اُس کی بھی انٹری تھی۔ مووایبل چھت سے دَس جھولے اُترنے تھے اور اِن دس جھولوں پر میڈم راگنی نے اپنی آئیٹم گرلز بٹھانی تھیں، جو حاضرین کے حواس معطل کر کے اُن کے ٹارگٹس کو پورا کرنے والی تھیں۔

''تم...'' سوہنی گالی دیتے ہوئے ترنم پر جھپٹی۔ اِس طرح کی ہاتھا پائی کے لیے وہاں موجود ترنم سمیت کوئی تیار نہ تھا۔

پنسل ہیل سے سوہنی نے ترنم کے بازوؤں پر پاؤں مارے، زمین پر گری مار کھاتی ترنم ایک دم قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی اور اُس کے ہنسنے پر سوہنی کے چلتے ہاتھ رک گئے، سوہنی کو ہٹانے والی لڑکیاں بھی حیرت سے ترنم کو دیکھنے لگیں۔ ترنم ہنستے ہنستے ایک دَم رونے لگی۔ اُس نے سوہنی کے ہاتھ سے اُس کا ہائی ہیل جوتا پکڑ لیا۔

''اُدھر نہیں اِدھر مارو!'' ترنم نے جوتا پکڑ کر اپنے سر پر مارتے ہوئے کہا۔ ''میں، ترنم، اِس قابل ہوں کہ میرے سر پر جوتے لگیں میں نے ایک معصوم پاکیزہ بیٹی ایمان فاطمہ کا قتل کیا ہے، میں قاتل ہوں مجھے تو پھانسی دے کر ہمیشہ کے لیے لٹکا دینا چاہیے تاکہ ہر ڈولنے والے قدم مجھ سے عبرت حاصل کریں۔'' ترنم اتنا کہہ کر ہانپنے لگی۔ سوہنی کی مار سے اُس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور اُس کے چہرے پر ہلکی سی خون کی باریک لکیر بن گئی تھی۔

''یہ سب کیا تماشا ہے؟'' ڈریسنگ روم میں میڈم راگنی نے داخل ہو کر پوچھا۔ پھر ترنم کے چہرے پر خون اور سوہنی کے ہاتھ میں جوتا دیکھ کر ایک دَم بھڑک اُٹھی۔

''ایک تو چاندنی نے ان کو اتنا لو پروفائل میں رکھا ہے کہ سوائے کال گرل ہونے کے یہ کچھ نہیں بن
ل۔ جسم فروشی کے علاوہ یہ کچھ نہیں سیکھ سکیں، کتے بلیوں کی طرح لڑتی ہیں۔ پارٹی عروج پر ہے اور تم
ہ کی انٹری ہونے والی ہے اور تم نے یہ تماشا لگا رکھا ہے۔ پانچ منٹ میں اپنے اپنے حلیے درست
کے اپنی پوزیشنز سنبھالو ورنہ تم لوگوں کی کھال گلانے کے لیے میرے پاس شان دار تیزاب موجود
ہ۔'' میڈم راگنی نے چلاّتے ہوئے کہا اور دھپ دھپ پاؤں مارتی باہر نکل گئی۔

سوہنی کے تو بدن سے جان نکل رہی تھی، گیتی آرا کے ساتھ جو کچھ ہو چکا تھا سب کے سامنے تھا۔ وہ
راپلٹ کر اپنی بیوٹیشن سے اپنا حلیہ ٹھیک کروانے لگی جب کہ ماہی نے بڑھ کر ترنم کو اُٹھا کر پانی پلوایا۔

''مینا اِس کا میک اپ ٹھیک کرو اور دیکھو زخم کو کس طرح چھپانا ہے۔'' ماہی نے کہا۔

بیوٹیشن کی اسسٹنٹ جو گھبرا کر ایک جانب کھڑی تھی فوراً ترنم کی جانب لپکی، دِل ہی دِل میں وہ ان
ہ خوب صورت آفتوں پر لعنت بھیج رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ایسے موقوں پر گندم کے ساتھ گھن بھی ضرور
ا ہے۔

''کم آن گرلز! تم سب کے سونگ تیار ہیں، سب سے پہلے تین جھولے اُتریں گے اور چھ منٹ کے تیز
زک کے ساتھ تم سب کو اپنی پرفارمنس دینی ہوگی۔ اور پھر تم سب کے جھولے تھوڑا فاصلہ لے کر کارنر
ا جائیں گے۔ اِسی طرح تین تین کر کے جھولے اُتریں گے اور چھ چھ منٹ کی پرفارمنس ہے۔ آخر میں
ڈ میوزک کے ساتھ یہ جھولے نیچے زمین کی جانب جائیں گے اتنا کہ تم لوگ جمپ کر کے نیچے اُتر
۔ ڈانسنگ فلور کو کچھ دیر کے لیے میں سلو کروادوں گا اتنا یاد رہے کہ تم سب نے جمپ ایک ساتھ کرنا
، یہ سب بہت خوب صورت لگنا چاہیے۔'' بنی اُن سب کو ہدایات دے رہا تھا۔

''کم آن بنی! یہ کسی فلم کی شوٹنگ تھوڑا ہی ہے جو تم اِس قدر کانشس ہو رہے ہو۔'' پری نے کچھ
وائی سے کہا۔

''اب جن کو لڑکیاں چاہئیں وہ تو اِس سب کے بغیر بھی قیمت ادا کر دیں گے۔'' پری نے کچھ بیزار
تے ہوئے کہا، گذشتہ نو دِن اور رات سے وہ مسلسل ڈانس پریکٹس کر کے تھک گئی تھی۔

''مائی ڈیئر ڈول! یہ دور کمپیٹیشن کا ہے! ہماری فیلڈ میں کئی لوگ ہیں لیکن سب بڑے بڑے کلائنٹ صرف
ی پارٹیز اٹینڈ کرنے آتے ہیں تو اُس کی وجہ ہماری لڑکیوں کی کیٹ واکس، گلیمر اور نیا پن ہے۔ مام اگر
ب کھیل تماشے نہ کریں تو لوگ جو دِنوں ہماری پارٹیز کا انتظار کرتے ہیں وہ کبھی نہ کریں اور ہاں یہ
۔ میں تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں تاکہ تم جان لو کہ اگر مام ہر چیز کو پلان کرتی ہیں تو سب وجوہات کو
لر رکھ کر پرفیکٹ رزلٹ حاصل کرنے کے لیے یہ سب کرتی ہیں۔ اب جلدی جلدی تیار ہو جاؤ، نینی آتا
ہوگا۔'' بنی کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

کچھ ہی دیر بعد نینی گلے میں کیمرا لٹکائے داخل ہوا۔

''اوہ لٹل ڈولز! سیزلنگ، اگر تیار ہو تو تصویریں بنوا لو کیوں کہ بنی کا موڈ بے حد خراب ہے۔'' نینی جو
، کلاس فوٹو گرافر تھا، وہ عام سی لڑکی کو حور بنا کر پیش کر دیتا تھا۔ اُس نے باری باری سب کی تصویریں
شروع کر دیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کمال کی پارٹی ہے راگنی!'' میڈم چاندنی کو پہلی بار موقع ملا تھا راگنی کی پارٹی کا حصہ بننے کا، اِس لیے اُس کا جوش بھی بہت زیادہ تھا۔ میڈم راگنی کی مسکراہٹ میں بے نیازی تھی، وہ شروع سے م کہلائی جارہی تھی جب کہ چاندنی کو بائی سے میڈم کا سفر طے کرنا پڑا تھا اور میڈم راگنی اِس واضح فرق پاٹنے کا کوئی خاص ارادہ نہ رکھتی تھی۔ وہ تو بگ باس کی اگر خاص ہدایات اور چاندنی کے پاس اس خاص لڑکیاں نہ ہوتیں تو اُسے کبھی گھاس نہ ڈالتی۔

''واقعی! کمال کی پارٹی ہے۔'' میڈم چاندنی نے بیسیوں بار دُہرایا جملہ پھر دُہرایا۔ آج تو کروڑوں ڈیل ہو رہی تھی۔ واقعی میڈم راگنی کے ساتھ کام کرنے سے ایک دَم اُس کا اسٹیٹس بڑھ گیا تھا۔

میڈم چاندنی نے برسوں کی محنت کے بعد اپنی لڑکیوں اور خود کی گرومنگ کی تھی۔ بگ باس کے کام وہ بھی مسلسل کر رہی تھی لیکن راگنی جیسی گڈ بک میں نہ تھی اور آج وہ جان گئی تھی کہ اِس عورت کے پاس کریٹو دماغ ہے وہ ہر کام کے لیے پہلے سے پلان کرتی تھی اور یہ ہی پلاننگ اُسے نمایاں کامیابی دلاتی تھی۔

''آج میں تم سے کچھ لڑکیوں کی ڈیل کرنا چاہ رہی ہوں۔'' میڈم راگنی نے ماہی، ترنم اور مالا کو دیکھتے ہوئے میڈم چاندنی سے کہا۔ وہ ہیرے جیسی لڑکیاں میڈم چاندنی کے ساتھ رہ کر اپنا آپ ماند کر رہی تھیں اور میڈم راگنی کی عادت تھی کہ وہ ہر لڑکی کو اُس کے پروفائل کے مطابق ڈیل کرتی تھی۔

''دیکھو راگنی! ہم سب مل کر کام کرلیتے ہیں پھر بگ باس بھی تو کچھ اِس قسم کی ہدایات دے رہے ہیں۔'' میڈم چاندنی نے جان بچاتے ہوئے کہا۔ اتنی کم عقل وہ ہرگز نہ تھی کہ اپنی ٹرینڈ لڑکیاں کسی اا کے حوالے کردے۔

میڈم راگنی کے چہرے پر ہلکی سی ناگوار لہر نمودار ہوئی لیکن پھر فوراً غائب ہوگئی۔ اُسے اپنے جذبات پر بے حد کنٹرول تھا اور یہ ہی اُس کی کامیابی کی کنجی تھی۔

''راگنی! تم نے اُس طارق کے بچے کا کیا کیا؟'' میڈم چاندنی نے ویٹر سے خاص مشروب کا گلاس تھامتے ہوئے پوچھا۔ میڈم راگنی نے تو ویٹرز تک کو سیکسی لباس پہنوا کر گلیمر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

''وہ تم کو بہت جلد پتا چل جائے گا۔'' میڈم راگنی مطمئن انداز میں بولی۔

''میں اُس طارق کو ایسا سبق سکھانے والی ہوں کہ وہ ہمارے متعلق کیس بنانے کے بجائے ہمارا نام تک لینے سے ڈرے گا۔'' میڈم راگنی نے ہنستے ہوئے کہا۔

جواباً میڈم چاندنی نے اثبات میں سر ہلایا۔ یقیناً راگنی نے کوئی دُور کی پلاننگ کی ہوگی، وہ راگنی کی پلاننگ کی تو خود بے حد قائل اور قدردان ہوگئی تھی۔

❖❖○❖❖

مُسکان کو ڈاکٹرز نے ابھی تک جانے کی اجازت نہیں دی ہے؟ سائرہ نے آیا امّاں سے کہا۔

''میں جانتی ہوں لیکن میں سیّد سرفراز علی کے حکم کے آگے مجبور ہوں۔'' آیا امّاں نے مُسکان کا سامان ایک باسکٹ میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

''وہ اُس کا باپ ہے، ہر فیصلہ لے سکتا ہے''

''عجیب انسان ہیں!'' سائرہ، مُسکان کے بابا کا لحاظ کر کے اس کے علاوہ کچھ نہ کہہ سکی۔

''ٹھیک ہے۔ لیکن کچھ دِن بعد ہمارے ایگزام شروع ہونے والے ہیں، آپ مُسکان کو جلدی واپس [illegible] دیجیے گا۔'' سائرہ نے آیا امّاں کی مدد کرتے ہوئے مزید بکھری چیزیں اُن کے پاس رکھتے ہوئے ہا۔

''واپس؟'' آیا امّاں کے لہجے میں فکر نمایاں تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ کمزور لہجے میں بولیں۔

''اللہ جانے آئندہ کیا کیا حالات ہوں گے؟'' آیا امّاں دِل ہی دِل میں بولیں۔ مُسکان دوائیوں کے اثر گہری نیند سو رہی تھی، چند دِن میں اُس کی گوری رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔ اُس کی بیماری جو نظر آتی تھی ی نہیں، یہ تو آیا امّاں ہی جانتی تھیں کہ اُسے کون سا روگ لگ چکا ہے۔

''آج شام وہ گاؤں کے لیے نکل رہے تھے آئندہ آنے والے دن بے حد مشکل ہوں گے یہ اُن کو ادہ تھا لیکن کیا مُسکان اپنے باپ کا دوسرا روپ برداشت کر سکے گی، اپنی محبت کے نہ ملنے کا دُکھ اور پ کے بدلے ہوئے روپ کا دُکھ! کیا مُسکان سہہ پائے گی۔'' آیا امّاں کے اندر سوال کسی سانپ کی رح سرسرا رہے تھے وہ ایک دَم بے چین ہو کر مُسکان کے پاس آن کھڑی ہوئیں۔

عائشہ بی بی کی کتنی جھلک تھی اُس میں اور کچھ کچھ سدرہ بی بی سے بھی اُس کی مشابہت تھی۔

''اللہ کرے تمہاری قسمت کی مشابہت اُن جیسی نہ ہو۔'' آیا امّاں نے اُسے دِل ہی دِل میں دُعا دی۔

❖❖○❖❖

''ارے آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' طارق نے گاڑی واپس موڑ کر نگینہ سے پوچھا، جو اپنی گاڑی اہر یونیفارم میں ملبوس پریشان کھڑی تھی۔

''دیکھیں نا طارق بھائی! ہماری گاڑی بند ہوگئی ہے اب اتنی شدید دھوپ میں گاڑی بغیر اے سی کے اں برداشت ہوتی ہے۔ ڈرائیور شاید کسی مکینک کو لینے گیا ہے۔'' نگینہ نے اپنی کالج فائل کی موٹی جلد ہوا جھلنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ! اچھا تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں گھر ڈراپ کر دیتا ہوں ڈرائیور گاڑی ٹھیک کروا کر خود ہی ائے گا۔'' طارق نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اُسے بیٹھنے کو کہا۔

''لیکن ڈرائیور مجھے غائب پا کر پریشان ہو جائے گا۔'' نگینہ کی بات بھی درست تھی۔

''چلو اُس کا انتظار کر لیتے ہیں۔ تم بتاؤ کیا پیو گی؟'' طارق نے اُسے گاڑی میں بٹھا کر پوچھا۔

''ٹھنڈا سادہ پانی۔'' نگینہ نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''اِدھر سامنے شادمان کا سلش بہت مشہور ہے میں وہ لے کر آتا ہوں، تم تسلی سے بیٹھو کوئی کیسٹ کرلو۔'' طارق کہتے ہوئے سڑک پار کر گیا۔

''ایک لیمن اور بلیک بیری!'' طارق نے آرڈر کر کے پیسے جیب سے نکالے۔

''یس سر!'' دکاندار لڑکے نے ربڑ بینڈ کے ساتھ جیلٹن پیپر سے گلاس کو کور کر دیا تھا۔

طارق دونوں گلاس تھامے سڑک کراس کر رہا تھا، جب اُس نے اپنی گاڑی کے پاس ایک بڑی پیروڈو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رُکتی دیکھی۔ اُس میں سے جو شخص نکلا اُس نے طارق کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ طارق تیزی سے گاڑی کی جانب بڑھا جب کہ دوسری گاڑی سے چار آدمی نکل کر طارق کی گاڑی کا گھیرا کر چکے تھے۔ نگینہ تو اپنی بزدلی کی وجہ سے ہمیشہ گاڑی لاک کر کے بیٹھتی تھی۔ اب بھی اگر اُس نے گاڑی لاک نہ کی ہوتی تو وہ لوگ کب کا نگینہ کو نکال چکے ہوتے۔

''اے!'' طارق نے انہیں دور سے للکارا۔ مارک نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو طارق دوڑتا ہوا اُن کے پاس ہی آ رہا تھا۔

مارک کے ساتھیوں نے اچانک فائر کھول دیے تو طارق نے رستے میں کھڑی گاڑی کی آڑ لے کر جوابی فائرنگ کی۔ طارق کی گاڑی کا ایمرجنسی لاک کا الارم مسلسل بول رہا تھا۔ فائر کی آواز اور الارم کی آواز سے کئی دکاندار باہر نکل آئے تھے۔ مارک اور اُس کے ساتھی یہ دیکھ کر ایک دَم بھاگے۔

طارق نے اُن کی گاڑی کے ٹائر کا نشانہ لینا چاہا لیکن وہ نکل چکے تھے۔ طارق دوڑتا ہوا اپنی گاڑی کے پاس آیا، جہاں اِردگرد مختلف لوگ اکٹھے ہو چکے تھے۔ طارق نے نہایت پریشانی سے گاڑی کا لاک کھولا، اندر نگینہ بے سُدھ پڑی تھی۔ خوف و دہشت سے وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

''شکر کرو باؤلڑکی بچ گئی۔'' رش میں سے کسی نے کہا۔

طارق نے سیٹ بیلٹ نگینہ کے ساتھ باندھ کر اُس کی سیٹ کو کھول دیا تا کہ وہ آرام سے لیٹ سکے۔ گاڑی اپنے دوست کے کلینک کی جانب لے جاتے ہوئے طارق مسلسل پریشانی سے اپنا ماتھا مسل رہا تھا۔ آج کل وہ جس گروہ کے متعلق کام کر رہا تھا اُس گروہ میں مارک کا نام بھی شامل تھا اور طارق مارک کے چہرے کو اچھی طرح پہچان گیا تھا۔

''کیا وہ لوگ مجھ پر حملہ کرنے آئے تھے؟'' طارق خود سے سوال کر رہا تھا۔ اگر وہ میری تلاش میں آئے تھے تو وہ نگینہ کا گھیراؤ کیوں کیے ہوئے تھے؟

نگینہ خوف سے بے ہوش ہوگئی تھی۔ اس لیے جلد ہی اُسے ہوش آ گیا۔

''طارق بھائی!'' نگینہ ایک دَم طارق کے کندھے سے لگ کر رونے لگی۔ طارق جو اُس کے بے ہوش ہونے پر، پریشان تھا اُس کے اتنے قریب آنے پر مسکرا دیا۔ ہَوا میں ہاتھ اُٹھائے وہ اپنا ضبط آزما رہا تھا۔ جی تو چاہتا تھا کہ اِس کانچ کی گڑیا کو اپنی پناہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے لے۔

''نِکی۔'' طارق نے اُس کا سر سہلایا۔

''یار گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے میں ہوں نا!''

''ہوں!'' نِکی نے سوں سوں کرتے اُس کی ہی شرٹ سے منہ پونچھ لیا۔

''ارے۔'' طارق کو اپنی مسکراہٹ ضبط کرنی مشکل ہوگئی، حُسن کی معصوم ادائیں جان لیوا ہوتی ہیں۔ صبر کے لیے آزمائش ہوتی ہے، طارق اچھی طرح جان گیا تھا۔

''یار تمہارے آنسو پونچھنے کے لیے کیا یہ رومال کافی رہے گا یا پھر کسی چادر وادر کا انتظام کرنا پڑے گا؟'' طارق نے ہلکے سے شرارتی موڈ میں کہا۔

''بھائی آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے میری تو ساری جان نکل گئی ہے۔'' نِکی نے نروٹھے لہجے میں کہا۔

''ایک تو یہ حسینہ بھائی بھائی کہہ کر خوب چھریاں چلاتی ہے۔'' طارق منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

''جی؟'' نِکی کچھ سُن نہ پائی۔

''کچھ نہیں یار! چلو گھر چلتے ہیں۔ انکل آنٹی پریشان ہو رہے ہوں گے۔'' طارق نے اُسے اُس کی چادر تھماتے ہوئے کہا۔

جب نِکی اور طارق گھر پہنچے تو عبدالولی روشن آرا کو لے کر مُسکان سے ملوانے جا رہا تھا۔ نِکی اور طارق کے پہنچنے سے کچھ دیر پہلے ڈرائیور نے آ کر نِکی کے لاپتا ہونے کی دِل دہلا دینے والی خبر سنا دی، روشن آرا تو وہیں لان چیئرز پر ڈھے گئیں، وہ تو اچھا ہوا کہ چند منٹ بعد ہی طارق نِکی کو لیے وہاں پہنچ گیا اور صورتِ حال سنبھل گئی۔

روشن آرا نِکی کو سینے سے لگائے رو رہی تھیں اور نِکی اُن سے زیادہ جوش سے رونے میں مصروف تھی۔

''خدا کے لیے امّاں جان بس کریں اِس طرح تو آپ دونوں کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' عبدالولی نے نِکی کی جانب اشارہ کیا جو مسلسل رو رو کر نڈھال ہو رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں تم دونوں ہی اللہ کا مال ہو، لیکن میں کیا کروں، اُس اللہ ہی نے میرے دِل میں تمہارے لیے اتنی تڑپ اور محبت رکھ دی ہے کہ مجھ سے تم دونوں کی جدائی برداشت نہیں ہوتی۔'' روشن آرا بیگم نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

''عبدالولی، نِکی تم دونوں میری کوکھ کی بہار ہو، کبھی ہم سے بدگمان ہو کر دور نہ جانا۔'' روشن آرا بیگم نے آئندہ آنے والے دنوں کے وسوسوں سے گھبرا کر کہا۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں امّاں جان!'' ولی نے اُن کا ہاتھ تھام کر بوسہ لے کر کہا۔ طارق نے بہت رشک سے روشن آرا بیگم کو دیکھا۔

''کاش میری ماں زندہ ہوتی! کاش میرا باپ زندہ ہوتا!'' طارق کے دِل میں ہوک اُٹھی، اُسی پَل مین گیٹ سے گاڑی داخل ہوئی۔ گاڑی سے احمد شاہ اور شہباز دونوں اکٹھے اُترے تھے۔

''مجھے راستے میں ڈرائیور نے فون کر کے ساری بات بتا دی تھی، نِکی خیریت سے ہے نا؟'' احمد شاہ فکرمندی سے آگے بڑھے۔ پھر عبدالولی سے ساری بات سُن کر طارق کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

''ارے نہیں انکل! شکریے کی کیا بات ہے؟'' طارق نے مسکرا کر کہا۔

''اب میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ نِکی میری بہنوں کی طرح ہے، وہ بس سب کی بہن ہے سوائے میرے!'' طارق نے دِل ہی دِل میں کہا۔

''کیا خیال ہے، کیا ہمیں اِس حادثے کے متعلق پولیس کو خبر دینی چاہیے؟'' ولی نے طارق سے مشورہ لیا۔

''میرا خیال ہے اِس کی ضرورت تو نہیں ہے اگر آپ لوگ خبر کرنا چاہیں تو اِس میں بھی کوئی پرابلم بھی نہیں ہے!'' طارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے تم میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلو تا کہ وہ نگینہ کا بیان وغیرہ لینے پر اصرار نہ کریں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبدالولی نے اُسے ساتھ چلنے کو کہا۔

''اوکے! جس طرح تمہارا دِل چاہے!'' طارق اندر سے کچھ پریشان تھا۔

''بابا سائیں ہم ذرا پولیس اسٹیشن ہو آئیں۔'' عبدالولی نے اجازت لیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے!'' احمد شاہ نے جواب دیا۔ عبدالولی اور طارق دونوں ایک ساتھ باہر نکلے۔

''بھائی صاحب آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' روشن آرا کی نگاہ ایک دَم شہباز صاحب پر پڑی، جن کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔

''شہباز تم اِدھر بیٹھو!'' احمد شاہ جو اُن کے رازداں بھی تھے انہوں نے نہایت فکرمندی سے کہا۔

''تم خود پر کنٹرول رکھو اِس طرح تو تمہاری طبیعت بگڑ جائے گی۔''

''احمد! میری تو ساری زندگی تباہ ہو چکی ہے اب اور کون سے خسارے باقی ہیں!'' شہباز صاحب سے اب اپنے بچوں کے لیے صبر کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''احمد! مجھ سے اب مزید صبر نہیں ہوتا، مجھے اپنے بچوں سے ملنا ہے۔'' وہ ضدی بچوں کی طرح مچلے۔

''میرا خیال ہے کہ میں خود طارق سے اِس معاملے پر بات کرتا ہوں تاکہ اگر اُس کے دِل میں کوئی بد گمانی ہے تو اُسے ختم کیا جا سکے۔'' احمد شاہ نے شہباز صاحب کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''وعدہ کرو احمد! تم مجھ سے میرے بچوں کو ملواؤ گے!'' شہباز صاحب نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''وعدہ!'' احمد شاہ نے شہباز صاحب کا ہاتھ گرم جوشی سے دباتے ہوئے کہا تو شہباز صاحب کو لگا کہ اُن کے مرتے ہوئے وجود میں توانائی دوڑنے لگی ہے۔ ایک باپ کو آس ہونے لگی تھی اور وہ اِس آس کا دامن پکڑے قسمت کی مہربانی کا منتظر تھا۔

❖❖❍❖❖

''بلڈ پریشر بہت ہائی ہے۔'' ڈاکٹر نے قاسم علوی کو باہر آ کر اطلاع دی۔ وہ اِس وقت ہسپتال میں تھے زبیدہ کو پھر اٹیک ہوا تھا۔ گھر میں ملازموں کے سوا کوئی اور نہ تھا اس لیے زبیدہ کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی۔

''کیا زیادہ خطرے کی بات ہے؟'' قاسم علوی نے تھکے تھکے لہجے میں ڈاکٹر سے پوچھا۔ زندگی تو بس اِک مشقت بن گئی تھی۔

''آپ حوصلہ رکھیے! فی الحال ہم انہیں آئی سی یو میں ہی رکھیں گے۔'' ڈاکٹر درست صورتِ حال بتانے کے بجائے کچھ ٹال مٹول کر گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ باہر کھڑے متعلقین مریض سے زیادہ تکلیف میں ہوتے ہیں۔

''پاپا آپ تو میرا حوصلہ ہیں، آپ کو دیکھ کر مجھے جینے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اتنے مشکل حالات میں بھی کبھی آپ نہیں گھبرائے تو پھر اب کیوں حوصلہ و ہمت ہارے جا رہے ہیں؟'' سمعان نے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''یار! پن کشن میں پن کھبونے کی ایک خاص حد ہوتی ہے۔ جب پن کشن پنوں سے بھر کر اپنے اندر مزید پنز کی جگہ نہیں رکھتا تو پھر میں کون ہوں۔ میں تو ایک بہت عام سا انسان ہوں، ایسا انسان جو دُکھوں

کو پیتے پیتے اب تھک گیا ہے۔'' قاسم علوی نے ایک بینچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پاپا یو نیڈ سم چینج!'' سمعان نے اپنے باپ کا تھکا ہوا چہرہ دیکھ کر کہا۔

''نو! لیکن شاید یس! تم ٹھیک کہتے ہو۔''

''مجھے اب شادی کا سوچنا ہوگا!'' قاسم علوی نے سمعان کے سر پر دھماکا ہی تو کیا تھا۔

''واٹ! اِس عمر میں شادی کریں گے؟ شادی کرنی تھی تو پہلے کر لینی تھی اب اِس ڈھلتی عمر میں آپ کو شادی کرتے شرم نہیں آئے گی۔'' سمعان باہر کا تعلیم یافتہ اور بات کہنے میں بے حد بے باک تھا۔

''اب ایسی کون سی تمہاری عمر بڑھ گئی ہے، جو تم شادی سے انکاری ہو۔'' قاسم صاحب نے کہا۔

''کیا! آپ میری شادی کے متعلق بات کر رہے تھے؟'' سمعان نے شرمندہ ہو کر پوچھا۔

''تو اور کیا میں اپنی شادی کی بات کروں گا!'' قاسم صاحب نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''ویسے اِس میں کوئی حرج نہیں اگر کوئی سوبر سی خاتون مل جائے۔'' سمعان نے اپنی شرمندگی مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

''وہ سوبر سی خاتون مجھے برسوں پہلے مل گئی تھی اب تو مجھے اپنی بہو رانی کی ضرورت ہے، جو میرا گھر میرے پوتے پوتیوں سے بھر دے۔'' قاسم علوی وقتی طور پر ساری پریشانی بھول کر آنے والے دِنوں کے تصور میں کھو گئے تھے۔ اِس تصور میں اُن کی دنیا آباد تھی۔

''میری شادی۔'' سمعان کچھ مسکرایا۔

''ہاں تمہاری شادی! اور تمہاری شادی کے لیے ضروری ہے کہ کوئی لڑکی ہو اور اگر تمہیں پسند ہے تو بتا دو ورنہ میری پسند سے گزارہ کرنے کو تیار ہو جاؤ۔'' قاسم صاحب کے لہجے میں پیار بھری دھمکی شامل تھی۔

''لڑکی! ہوں۔'' سمعان نے ہوں کو کھینچتے ہوئے باپ کو دیکھا، سامنے وہ باپ کھڑا تھا، جو بیٹے کی ایک ایک نبض کو جانتا تھا۔ قاسم صاحب جان گئے تھے کہ سمعان کے دل میں کوئی موجود ہے۔ اُس کی آنکھوں کی چمک میں کسی کا عکس نظر آ رہا تھا۔

''ہاں! اب مجھے اُس کا نام پتا بتا دو تاکہ میں اپنی بہو رانی کو جلد سے جلد گھر لے آؤں۔ کم از کم تمہاری ماں کے پاس کوئی اپنا تو رہے، جو اُس کی دیکھ بھال کر سکے، اُسے خالص اور بے لوث محبت دے سکے۔'' قاسم صاحب کا لہجہ بات کے اختتام تک بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''پاپا!''

''وہ ہے!'' سمعان اعتراف کرتے ہچکچا رہا تھا۔

''وہ ہے، یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔'' قاسم صاحب نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔

''ہاں پاپا! وہ.....'' سمعان، جو بات کہنے سننے میں خاصا بولڈ تھا، شرما گیا۔

''یار بول بھی چکو کیا نام ہے لڑکی کا؟'' قاسم صاحب نے بے تابی سے پوچھا۔

''مُسکان! مُسکان ہے نام اُس کا۔'' سمعان علوی نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''کہاں رہتی ہے اور کس کی بیٹی ہے؟'' قاسم صاحب نے اگلا سوال کیا۔

"لاہور میں رہتی ہے اور اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔" سمعان کے پاس بہت ادھوری انفارمیشن تھی۔

"تم اس سے محبت کرتے ہو!" قاسم صاحب کے لہجے میں بے چینی تھی۔ محبت کے نام پر جو روگ وہ سہہ رہے تھے اُن کی خواہش تھی کہ اُن کا بیٹا اِس چکر میں نہ پڑے اور زندگی میں اُس کی پریکٹیکل اپروچ ہو۔

"محبت اگر کسی کے اچھا لگنے کو کہتے ہیں تو شاید مجھے محبت ہے۔" سمعان خود بھی شیور نہ تھا۔

"نہیں! محبت کسی کے صرف اچھے لگنے کو نہیں کہتے وہ تو Infatuation ہوتی ہے۔ محبت تو وہ ہوتی ہے جس میں محبوب کا نا محبوب بھی اچھا لگتا ہے، محبت وہ ہوتی ہے جس میں آپ کسی کو اُس کی برائیوں سمیت پیار کرتے ہوں، محبت وہ ہوتی ہے کہ آپ محبوب کے بغیر رہ نہیں سکتے اور آپ کا وجود اُسے گمشدہ ٹکڑے کی طرح ہر وقت تلاش کرتا رہتا ہے، تب تک جب تک وجود کا گمشدہ ٹکڑا اُس سے آن نہ ملے۔" قاسم صاحب کھوئے کھوئے انداز میں بولے جا رہے تھے۔

"پاپا کیا آپ نے بھی محبت کی تھی؟" سمعان سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"میری محبت اپنے پچھتاووں سے اندر لڑ رہی ہے۔" قاسم صاحب ایک دم فکرمند اور اُداس ہو گئے۔

"پاپا آپ کی محبت تو بہت گریٹ ہے، جو اتنے برسوں سے وفا کی بلندیوں پر کھڑی ہے، میں آپ کی محبت کو سلام کرتا ہوں، جس کی وجہ سے آپ نے اپنی ذات کی قربانی تک دے دی۔" سمعان کے لہجے میں سچائی تھی۔

"لیکن! لیکن میری محبت میں ابھی کوئی عروج نہیں ہے کیوں کہ یہ ابھی تک شدید پسندیدگی تک محدود ہے اور... اور شاید یہ پسندیدگی بھی یک طرفہ ہے۔" سمعان نے بنا کچھ چھپائے سب کچھ بتا دیا۔

"کیا وہ تمہیں پسند نہیں کرتی؟"

"کرتی تو ہے لیکن ایک دوست کی طرح! اِس سے زیادہ وہ میرے لیے سوچتی ہے یا نہیں میں ابھی تک جان نہیں سکا۔" سمعان اتنے عرصے سے مُسکان کو پسند کر رہا تھا لیکن نہ اپنے جذبات اُسے بتا سکا تھا اور نہ اُس کے جذبات جان سکا تھا۔

"اُس کے گھر بار کا ایڈریس لو اور ہو سکے تو اُس کے دِل کی خبر لو کہ وہ تمہارے لیے کیسے جذبات رکھتی ہے تاکہ ہم اپنے گھر کی رونق کو جلد از جلد گھر لے آئیں۔" قاسم علوی نے کہا۔

"پاپا! یہ سب کچھ آپ ماما کے لیے کر رہے ہیں نا!" سمعان نے اُن کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سمعان! آج تک جو کچھ اُس کے لیے کرتا آیا ہوں وہ ایکچوئلی میں اپنے لیے ہی کرتا ہوں۔ زبیدہ میرے دِل میں رہتی ہے اور وہ میرا حصّہ تو ہے نا۔" قاسم صاحب نے کہا۔

"پاپا میں ہمیشہ وِش کرتا ہوں کہ میں آپ کے جیسا بنوں!" سمعان نے کہا۔

"لیکن میں ہمیشہ دعا کروں گا کہ تم بے شک میرے جیسے بنو لیکن تمہاری قسمت میرے جیسی ہرگز نہ ہو۔" قاسم صاحب نے دِل ہی دِل میں کہا۔

❖❖○❖❖

"امی جان! منزہ کو بہت دیر ہو گئی ہے۔" علیزے نے عصر کی نماز پڑھ کر ماں سے پوچھا جو خود بھی بے حد متفکر بیٹھی تھیں۔

"اللہ جانے اس لڑکی کے دماغ میں اتنی بغاوت کیوں ہے، جس کام سے روکو اِس کو ہمیشہ وہ ہی کام کرنا ہوتا ہے۔ اب یہ موا بیوٹی پارلر کا کام کیا خاندانی ہے؟ ہمارے دور کے جتنے حجام نائی تھے وہ سیلون کھول کر بیٹھ گئے ہیں اور اُن کی خاندان کی عورتیں ہی زیادہ تر اِس کام میں ملوث ہیں۔" حسن آرا بیگم کو آج اپنا غصّہ نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ منزہ کے کام کے سخت خلاف تھیں۔ کچھ بیماری کے بعد وہ کافی چڑچڑی بھی ہو گئی تھیں۔

"امی! اللہ کی ذات کرم کرے گی آپ فکرمند نہ ہوں۔" ماں کی بگڑتی طبیعت دیکھ کر علیزے فوراً گھبرا کر بولی۔ اُسے منزہ کا ذکر کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔

"علیزے! زندگی اِس قدر مشکل ہو گئی ہے کہ جیا نہیں جاتا۔" حسن آرا جو ساری عمر انوار صاحب کی بُری بھلی اور تلخ سنتی آ رہی تھیں اب دھیرے دھیرے اُن کے اندر سے برداشت کا مادہ ختم ہو گیا تھا۔

"امی! آپ کیسی باتیں کرتی ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت، تندرستی اور طویل زندگی عطا فرمائے۔" علیزے ماں کی مایوسی دیکھ کر روہانسی ہو گئی۔

"کاشف اور منزہ میری پہلی بڑی اولادیں تھیں۔ انور صاحب کی تلخیاں اور سخت رویے نے مجھے میری اولاد کی طرف زیادہ راغب کر دیا تھا۔ کاشف اور منزہ سے میری توقعات بھی زیادہ تھیں اب جب اُن کو میں خود سے اور اپنے ماحول سے بیزار دیکھتی ہوں تو بے حد دکھ ہوتا ہے۔" حسن آرا کو گذشتہ دنوں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ کاشف کو دیر سے گھر آنے سے روکنے پر کاشف نے اُن کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔ وہ ناخوش تھا! وہ اپنے گھر اور اپنے اسٹیٹس سے ناخوش تھا اسی لیے وہ گھر سے اور اُن سب سے فرار حاصل کر رہا تھا۔ ایسے میں حسن آرا بیگم کے دِل پر اتنا بوجھ آیا کہ وہ سہار ہی نہ سکیں اور انہیں ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ اب علیزے کی کوشش ہوتی تھی کہ انہیں ٹینشن سے بچائے رکھے۔

"امی پلیز آپ نہ اِس طرح کی باتیں کریں اور نہ ہی اِس طرح کی باتیں سوچیں۔" علیزے دوڑ کر پانی لے آئی۔

"کچھ نہیں ہوا بیٹا! مجھے پانی کی طلب نہیں ہے۔ میرا تو دِل کڑھتا ہے جس اولاد کی خاطر میں نے اب ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزاری جو کانٹے کی طرح ساری عمر الجھتا ہی رہا، وہ ہی اولاد آج میرے قبضے میں نہیں ہے۔ تم آج کی بات یاد رکھنا کہ منزہ کی یہ نوکری کوئی نہ کوئی چاند ضرور چڑھائے گی۔ یہ جو میرا دِل ہے نا اس کی نوکری سے کبھی مطمئن نہیں ہوا۔ ہمیشہ وسوسہ ہی آتا ہے میرے دِل میں، دیکھنا تم علیزے!" حسن آرا بیگم ایک دم ہانپنے لگیں اور سامنے پڑا پانی پینے لگیں۔

"امی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟" علیزے نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔ وہ تو ہمیشہ دُعا کرتی تھیں لیکن آج پہلی بار اپنی اولاد کے متعلق ہدایت کی دُعا کرنے کے علاوہ پیش گوئی کر رہی تھیں۔

"میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گئی ہوں، آج ہوں شاید کل نہ ہوں اور یہ اولاد..." حسن آرا بیگم رونے لگیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''علیزے تم زندگی میں میری بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ کمزور عورت کا بچہ تو زندگی میں کامیاب ہوسکتا ہے لیکن کمزور ماں کا بچہ زندگی میں کامیابی کبھی حاصل نہیں کرسکتا۔ اولاد کی محبت ہمیشہ میرے لیے کمزوری رہی ہے میں اُن کی جائز ناجائز سب مانتی آئی ہوں اور آج وہ وقت آ گیا کہ میری رائے یا نصیحت اُن کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی اُن کے لیے اپنی رائے اور سوچ ہی اہم ہے۔ جو وہ ایک بار سوچ لیتے ہیں وہ کرتے ہیں، چاہے اس میں کتنا ہی نقصان اُٹھانا پڑے۔''

''امی جان! آپ پلیز یوں مایوس ہونے کے بجائے ہم سب کے لیے دعا کیا کریں۔ ماں کی دعا قسمت بدل دیتی ہے دیکھیے گا آپ کی دعاؤں کے نتیجے میں کاشف بھائی اور منزہ دونوں ہی راہ راست پر آجائیں گے۔'' علیزے نے اُن کو تسلی دی۔

''اللہ کرے!'' انہوں نے تھک کر سر تخت پر رکھے تکیے پر ٹکا لیا۔ اُسی پل منزہ بیرونی دروازے سے برآمد ہوئی۔

''لیں وہ آ گئی اب تو پریشان ہونا بند کریں۔'' علیزے نے مسکرا کر کہا۔ مغرب کی اذان شروع ہوچکی تھی۔

''جو لڑکیاں سورج غروب ہونے کا انتظار کریں اور پھر گھر میں واپس آئیں، وہ پریشانی کے علاوہ کیا ہوسکتی ہیں؟ امی نے منزہ کے قریب آتے ہی کہا۔

''اُف! پھر نصیحت نامہ شروع۔'' منزہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''یار علیزے! جلدی سے کھانا کھلا دو، خالی پیٹ صرف نصیحت سے نہیں بھر سکتا۔'' منزہ نے پاس کھڑی علیزے سے کہا جو بہن کی زبان درازی سے خائف کھڑی تھی۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ ماں کے ساتھ اس طرح کی گفتگو کرنے سے اُن کی طبیعت کس قدر بگڑ سکتی ہے، اولاد اِس قدر بے حس کیسے ہوجاتی ہے!' علیزے نے دِل ہی دِل میں کہا۔ وہ منزہ کے ساتھ منہ ماری کر کے ماں کو مزید ٹینشن میں مبتلا نہیں کرانا چاہتی تھی۔

''کھانا۔'' منزہ نے شور مچانا شروع کردیا۔

''اچھا! تم ہاتھ منہ دھولو میں لاتی ہوں۔'' علیزے نے ہمیشہ کی طرح اپنا غصہ دبا کر صلح جُو انداز میں کہا۔ وہ اُسے ماں کی نظروں کے سامنے سے ہٹانا چاہتی تھی۔

''تم کھانا تو لاؤ، ہاتھ بھی دھل جائیں گے۔'' منزہ کے اندر بے صبری بہت تھی، اُسی پل باہر بیل ہوئی۔

''لو یہ کون آ گیا اور بیل کیوں دے رہا ہے؟'' منزہ کے اِسی قسم کے بے وجہ اعتراض ہوتے تھے۔

''کون ہے بھئی؟ گڈو باہر دیکھو۔'' انور صاحب جو اندر کمرے میں سوئے ہوئے تھے شاید بیل کی آواز سے اُن کی آنکھ کھل گئی تھی۔

علیزے نے کچن سے منہ نکال کر باہر دیکھا۔ منزہ واش بیسن پر کھڑی منہ دھو رہی تھی اور اُس کا ارادہ دروازے پر دیکھنے کا بالکل نہ تھا وہ یوں ہی ہر چیز سے بے نیاز رہتی تھی۔

''حد ہوگئی!'' علیزے نے چولہا بند کر کے دروازے کی جانب جاتے ہوئے کہا۔

''آپ کو کیا واچ مین کی ڈیوٹی گھر والوں نے سونپ رکھی ہے؟'' ولی نے جس چہرے کو شدت سے دیکھنے کی خواہش کی تھی اُسے دیکھ کر وہ اندر تک خوش ہوگیا تھا۔

''جی؟'' علیزے ہمیشہ اِس شخص کی ذومعنی باتوں پر پریشان ہوجاتی تھی۔

''ویسے یہ صرف ہماری خوش نصیبی ہے یا واقعی گھر والوں نے دروازہ کھولنے کی ڈیوٹی آپ کو سونپ رکھی ہے؟''

''آپ اندر آجائیے!'' علیزے کے پاس عبدالولی کے اس طرح کے سوالوں کا جواب تو تھا لیکن وہ کیا کرتی وہ اُس کی ماں کا اکلوتا بھانجا تھا۔

''حُسن خالہ اب کیسی ہیں؟'' عبدالولی نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

''امی اندر ہی ہیں آپ پلیز اندر آجائیں۔ وہ آپ کا سنیں گی تو آپ کے ملے بغیر جانے پر خفا ہوں گی۔'' علیزے کا خیال تھا کہ شاید پچھلی مرتبہ کی طرح وہ ایک بار پھر دروازے سے رخصت ہونے والا ہے۔

''یہ آپ کو کس نے کہا کہ میں واپس جارہا ہوں؟''

''وہ میں تو...'' علیزے اُس کے یوں اونچا بولنے پر گھبرا گئی۔

''کیا آپ چاہ رہی ہیں کہ میں چلا جاؤں؟'' ولی کو اُس کا گھبرایا چہرہ مزہ دے رہا تھا۔

''نہیں! میں نے ایسا تو کچھ بھی نہیں کہا۔'' علیزے باقاعدہ گھبرا گئی، ولی جو بے حد ذہین آدمی تھا اسے ہمیشہ سے ذہانت ہی اٹریکٹ کرتی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس کا دِل بالکل ایک سادہ سی لڑکی میں اُلجھ جائے گا۔

''تم عام سی لڑکی نہیں ہو، تم تو بہت خاص ہو کیوں کہ تم میں میری ماں کی مشابہت بہت زیادہ ہے اور میری ماں دنیا کی بہترین عورت ہے۔'' ولی نے علیزے کو غور سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

''تو پھر آپ نے کیا کہا ہے؟'' ولی نے سامنے گلی میں آتے ہوئے ڈرائیور کو پاس آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''پلیز آپ اندر آجائیں۔'' علیزے نے شرمندگی سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

میرا کہنا بالکل درست ہے یہ لڑکی واقعی سرخ و سفید رنگ میں خود کفیل ہے بار بار سرخ پڑجاتی ہے۔ ولی نے ایک نگاہ علیزے پر اور دوسری ڈرائیور پر ڈالی، جو ہاتھوں میں بڑے شاپرز لیے قریب آ گیا تھا۔

ولی نے شاپرز ڈرائیور کے ہاتھ سے لے کر اُسے جانے کا اشارہ کیا۔

''چلیں محترمہ۔'' ولی دروازے کی اوٹ میں کھڑی علیزے سے مخاطب ہوا جو اتنے ڈھیر سارے شاپرز کو ناپسندیدگی سے دیکھ رہی تھی۔

''کون ہے باہر؟'' حُسن آرا بیگم مغرب کی نماز کا وضو کر کے غسل خانے سے نکلی تھیں۔

''السلام علیکم خالہ جان۔'' ولی نے ایک دم سامنے آ کر اپنا سر آگے جھکا دیا۔

''جیتے رہو! شاد رہو! اللہ تمہیں عرشوں پر بھاگ لگائے۔'' حسن آرا بیگم نے خوش ہو کر ولی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" ولی شاپرز وہیں رکھ کر اُن کے کندھے کے گرد بازو حمائل کرکے ساتھ ساتھ چلتا صحن میں رکھے تخت پر جا بیٹھا۔

"تمہیں دیکھ کر تو میں بالکل ٹھیک ہوگئی ہوں۔" حسن آرا بیگم نے دِل ہی دِل میں اپنے خوبرو بھانجے کی نظر اُتارتے ہوئے کہا۔

اُس کی تابع داری، آنکھوں کی حیا حسن آرا بیگم کو بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ اپنی بہن پر رشک کرتی تھیں جس کی اتنی تابع دار اولاد تھی، اس قدر دولت کے باوجود اُن کے وجود میں عاجزی بھری ہوئی تھی۔

"اگر میرا وجود دوا کا کام کرتا ہے تو میں صبح دوپہر شام دست یاب ہوں، پلیز آپ جلدی جلدی ٹھیک ہوجائیں۔" ولی نے اُن کا ہاتھ محبت سے تھام کر کہا۔

"آپ چائے لیں گے یا ٹھنڈا؟" علیزے نے اپنی ماں کا ہشاش بشاش چہرہ دیکھ کر ولی کو بہت نرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جو آپ کا دِل چاہے!" ولی نے مسکرا کر کہا۔

ولی کا یہ روپ مُسکان دیکھ لیتی تو شاید مر ہی جاتی۔ وہ جو کبھی کبھی مسکرایا کرتا تھا آج مسکراہٹ اُس کے چہرے کے ساتھ چپک گئی تھی۔

"علیزے میڈم کھانا؟" منزہ بدتمیزی سے کہتی کمرے سے باہر نکلی لیکن ولی کو دیکھ کر اُس کی بولتی بند ہوگئی تھی۔ اُس کے بیزار چہرے پر بہت خوش گوار مسکراہٹ دَر آئی۔

"ارے! بڑے لوگ ہمارے غریب خانے پر کیسے تشریف لے آئے۔" منزہ ایک کرسی کھینچ کر اُس کے سامنے آ بیٹھی۔

ولی کو اپنی اِس کزن سے اُلجھن ہوتی تھی، جو بغیر وجہ کے بہت زیادہ فری ہونے کی کوشش کرتی تھی۔

علیزے بہت تیزی سے کچن سے نکلی، ایک ٹرے میں تین گلاسوں میں بوتلیں اور منزہ کا کھانا رکھ کر لے آئی تھی۔ چھوٹی سی میز اُن کے سامنے گھسیٹ کر اُس نے وہ ٹرے اُن کے سامنے رکھ دی۔

"امی جان! میں نماز پڑھ لوں آپ بھی پڑھ لیں پھر بیٹھ کر تسلی سے باتیں کرلیجیے گا۔" علیزے نے ماں کو مخاطب کیا۔

"بیٹا میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔" حسن آرا بیگم، ولی کے کندھے پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

"مجھے بھی نماز پڑھنا ہے، جانماز دے دیں۔" ولی نے فوراً اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے آپ آرام سے بیٹھیں۔ علیزے کو تو پرانی بیماری ہے ایک ایک بندے کو اس کے کام سے ڈسٹرب کرکے نماز پڑھنے کا کہنا۔" منزہ کو ولی کا اُٹھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، ولی کے دِل میں ایک ناگوار لہر اُٹھی۔

"میرا خیال ہے نماز کی دعوت دینا تو بہت اچھا کام ہے!"

"لیکن اگر کوئی کھانا کھا رہا ہے یا کسی مہمان کے پاس بیٹھا ہے اور مہمان بھی وہ جو دُور سے چل کر آیا ہو، کم از کم انسان اُس کو تو ڈسٹرب نہ کرے۔" منزہ نے ماتھے پر تیوری ڈال کر کہا۔

"ہمارے ہر کام سے ضروری اللہ کا ذکر ہے، انسان کو وہ اتنی نعمتیں دیتا ہے کیا اُس بڑی ذات کا شکر

ادا کرنا ہم سب پر واجب نہیں ہے؟" ولی کو اُس لڑکی سے بحث کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن وہ کیسے برداشت کرلیتا کہ جس بڑی ذات کی محبت میں اُس نے ساری عمر اپنے والدین کو پور پور ڈوبے دیکھا اور ہمیشہ اُن جیسا بننے کی خواہش کی تھی۔ اُس بڑی ذات کے متعلق وہ کچھ اُلٹ کیسے سن سکتا تھا۔

"آپ تو شدت پسند ہو رہے ہیں؟" منزہ نے صلح جُو انداز میں کہا۔

"یہ ہی تو ہم سب کا پرابلم ہے کہ اگر غلط بات کو غلط کہیں گے تو انتہا پسند کا ٹیگ لگا دیا جاتا ہے۔ فی زمانہ کیا ہم اپنے مذہب کے متعلق اپنی محبت کا کُھل کر اظہار بھی نہیں کرسکتے؟" ولی نے بدمزہ ہو کر اُٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ شخص کس قدر مشکل ہے۔" منزہ نے ولی کو ناراض ہوتے دیکھ کر سوچا۔

"پانی تو پی لیں، کیا نماز کھانے پینے سے پرہیز بتاتی ہے؟" منزہ نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"ضرور پی لیتا ہوں۔ لیکن پلیز آپ بار بار نماز کو درمیان میں نہ لائیں ہم سارا دن ایسے کام کرتے ہیں، جن سے پرہیز کرنے کو کہا جاتا ہے تو کیا وہ بھی ہم نماز کے کھاتے میں ڈال دیں گے؟" منزہ کی ہر تیج سوچ اور کم وژن ولی کا سامنا نہیں کرسکتا تھا، اِس لیے وہ چپ ہوگئی۔

منزہ کا بہت کم مردوں سے واسطہ پڑا تھا لیکن جتنے بھی لوگوں سے واسطہ پڑا تھا، وہ اُس کے حُسن کے آگے ہاتھ باندھ کر منزہ کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ لیکن یہ ولی تھا جو آئرن مین کہلاتا تھا اُس کے نزدیک اچھا لگنے کا پیرا میٹر خوب صورتی ہرگز نہیں تھی۔ وہ بہت چوزی تھا زندگی میں اور زندگی کے رشتوں میں پیوریٹی اُس کے نزدیک بے حد اہم تھی۔ اور منزہ اُس پیوریٹی سے بہت فاصلے پر کھڑی تھی۔

"یہ کون لایا ہے؟" انور صاحب جو کمرے سے باہر نکلے تھے، سامنے پڑے ڈھیروں شاپرز دیکھ کر بولے۔

"ولی لائے ہیں!" منزہ نے صحن کے کونے میں نماز پڑھتے ولی کی جانب اشارہ کیا۔

"اوہ!" انور صاحب لفافوں کی جانب بے حد اشتیاق سے بڑھے، اُن کی کاہل اور لالچی طبیعت بے حد بے حس تھی۔ شاپرز میں مردانہ زنانہ قیمتی کپڑے اور پھل وغیرہ تھے۔

"السّلام علیکم۔" ولی نے سلام پھیر کر لفافوں کی تلاشی لیتے انور صاحب سے کہا۔

"وعلیکم السّلام! کب آئے؟"

"ابھی! اور یہ آپ کی امانت! بابا سائیں کہہ رہے تھے کہ آپ کے اسٹور میں جو نقصان چل رہا ہے اُن سے کچھ مال وغیرہ ڈلوالیں۔" ولی نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر سامنے کی۔

"کتنے ہیں؟" انور صاحب کا چہرہ ایک دم کِھل گیا۔

"دو لاکھ!" ولی کو اُن کا چہرہ دیکھ کر اُلجھن سی ہوئی۔

"بس!" انور صاحب نے کُھلم کُھلا کہا۔

علیزے جو ابھی ابھی نماز پڑھ کر باہر آئی تھی، شرمندگی سے اُس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی۔

"اگر احمد شاہ صاحب غریبوں کی مدد کرنا ہی چاہتے ہیں تو پوری طرح کیا کریں، تھوڑی رقم سے کچھ نہیں بنتا۔" انور صاحب نے پیسا ہاتھ میں پکڑ بھی لیا پھر بھی شکوہ کر رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ولی سے اُن کی باتیں سمجھنا مشکل ہو رہی تھیں۔ روشن آرا بیگم نے انور صاحب کا یہ روپ آج تک کسی کو نہیں بتایا تھا۔

''آپ پلیز یہ رقم لے جائیں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہمیں کسی طرح کی کوئی رقم درکار نہیں۔'' علیزے نے آگے بڑھ کر باپ کے ہاتھ سے پیسے پکڑ کر واپس لیے۔

انور صاحب نے بیٹی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''یہ پیسے بابا سائیں نے بھیجے ہیں آپ کو کچھ کہنا ہے تو بابا سائیں سے کہیے گا۔'' ولی کو علیزے کی ا اچھی تو لگی لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ پیسے انور صاحب کے لیے کس قدر ضروری تھے۔

''ہاں بیٹا! تم درست کہہ رہے ہو یہ میرا اور احمد شاہ کا معاملہ ہے۔'' انور صاحب نے فٹافٹ پیسوں کی گڈی ہاتھ میں تھام کر کہا۔

''ہمیں نہیں چاہئیں یہ پیسے، برائے مہربانی آپ یہ واپس لے جائیے گا!'' علیزے شدید غصّے میں اپنے آپ میں نہ تھی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے، تمہارا کیا کام کہ بڑوں کی باتوں میں بولو۔'' انور صاحب نے چلّا کر علیزے کو ڈانٹا۔ حسن آرا بیگم گھبرا کر باہر نکلیں جب کہ منزہ بے حد پُرسکون انداز میں بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

اُس کا غصّہ نکل رہا تھا کیوں کہ جس طرح علیزے ایک پلیٹ میں آلو شوربہ اور چپاتی لے کر ولی کے سامنے اُس کا کھانا لائی تھی۔ منزہ کو بے حد شرمندگی کا احساس ہوا تھا کہ وہ کیا سوچے گا کہ ہم کیسی غذا کھاتے ہیں۔ ولی کے جانے کے بعد منزہ کا پکا ارادہ تھا کہ وہ علیزے کی خبر لے گی لیکن اُس سے پہلے ہی وہ اپنی خودداری کی وجہ سے انور صاحب کے جلال کو آواز دے چکی تھی۔

''میرا خیال ہے میں چلتا ہوں، مجھے اجازت دیجیے۔'' ولی کو وہاں کھڑے رہنا مناسب نہ لگا۔

''بیٹھو نا بیٹا!'' حسن آرا بیگم ابھی تک کوئی بات سمجھ نہ سکی تھیں۔

''نہیں خالہ! میں پھر چکر لگالوں گا۔'' ولی نے سنجیدگی سے کہا۔

''زُکیں ولی! یہ کچھ اُٹھا کر لے جائیں۔'' علیزے نے ضدی لہجے میں کہا۔

''یہ سب امّاں جان نے آپ سب کے لیے تحفے بھیجے ہیں اور تحفے واپس نہیں کیے جاتے۔'' عبدالولی نے تحمّل سے جواب دیا اور حسن آرا بیگم سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم میرے معاملات میں بولو۔'' انور صاحب کی اونچی آواز نے ولی کا پیچھا کیا تھا۔ ولی کے قدم وہیں تھم گئے، یہ ڈانٹ علیزے کو پڑ رہی تھی اور ولی کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''ابو! آپ کو یہ رقم واپس کرنی ہوگی ہم کب تک امداد لیتے رہیں گے؟'' علیزے نے اُن کو اُن کی غیر ذمّے داری کا احساس دلایا۔

''باپ کے سامنے زبان چلاتی ہو، تمہیں عقل، ڈر یا خوف کوئی ہے؟'' انور صاحب غصّے سے پاگل ہو رہے تھے۔

''میں آپ کو یہ پیسے نہیں لینے دوں گی اگر آپ یہ پیسے خود واپس نہیں کریں گے تو میں کر دوں گی۔'' علیزے نے چلّا کر کہا۔

''بے غیرت، بدتمیز!'' انور صاحب کے منہ سے گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ انہوں نے علیزے کے بال پکڑ کر اُس کو مارنا شروع کر دیا۔

''کیا کرتے ہیں؟'' حُسن آرا نے اُن کے بیچ میں آ کر کہا۔

ولی کے کان سب سُن رہے تھے اور دِل پر بے تحاشا بوجھ آن گرا تھا اُس نے بیرونی دروازے کو بے مضبوطی سے تھام لیا۔ جیسے وہ اپنے اندر کے غصّے اور بے چینی کو ضبط کرنا چاہتا ہو۔ اُس سے یہاں ٹھہرنا د مشکل ہو رہا تھا، وہ بے حد تیزی سے باہر نکلا۔ وہ یہ سب تو ہرگز نہ چاہتا تھا اور مار کھاتی علیزے دل میں ولی کے لیے نفرت کی شدید لہر اُٹھی تھی۔ وہ شخص نہ صرف اُس کی انا کو ٹھیس پہنچا کر گیا تھا اُس کی وجہ سے آج اُس نے اپنے باپ کے ہاتھوں پہلی بار مار کھائی تھی۔

''زہر لگتے ہو تم مجھے!''

''بہت بُرے ہو تم! میں دوبارہ تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔'' علیزے نے اپنے زخم سہلاتے ہوئے ا۔

❖❖○❖❖

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟'' مُسکان نے چند دنوں بعد جب شہر واپس جانے کا کہا تو سیّد از اُسے منع کر کے چلے گئے۔

''یہ تم اپنے باپ سے پوچھو۔'' آیا امّاں کے پاس فوری کوئی اور جواب نہ تھا۔

''بابا سائیں! پلیز مجھے بتائیں کہ آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں، میری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔'' ن ایک بار پھر سیّد سرفراز کے سامنے کھڑی سوال کر رہی تھی۔

''تم ٹھیک نہیں تھیں اِس لیے!'' سیّد سرفراز علی نے کہا۔

''اب تو میں ٹھیک ہوں! لیٹ می گو بابا!'' مُسکان کا ولی کو دیکھے بغیر نشہ ٹوٹ رہا تھا۔

''نہیں! ابھی تم ٹھیک نہیں ہو!'' سیّد سرفراز علی نے سنجیدگی سے کہا۔

''آیا امّاں! آپ ہی بابا کو بتائیں کہ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' مُسکان نے آیا امّاں کو بیچ میں ٹا۔

''ہاں سرفراز صاحب! مُسکان صحت کے معاملے میں اب بالکل ٹھیک ہے۔'' آیا امّاں نے مُسکان کی الی دی۔

''دیکھ لیں بابا سائیں! آیا امّاں بھی کہہ رہی ہیں اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' مُسکان نے مسکرا کر سیّد از کے کندھے پر سر رکھ کر کہا۔

سیّد سرفراز نے ایک نظر مُسکان کی بیماری کی وجہ سے پیلی رنگت کو دیکھا پھر ایک دم سے نظریں الیں۔ مُسکان اُن کی اولادوں میں واحد تھی، جس کے لیے اللہ نے اُن کے دِل میں عجیب سی محبت لی تھی، جس کے آگے وہ خود کو بے بس سمجھتے تھے لیکن وہ خود کو مُسکان کی محبت میں کمزور کر لیتے تو ری عمر کے لیے اُن کی خاندانی روایت ٹوٹ جاتی اور اِس طرح اُن کی لمبی چوڑی جاگیر حصوں میں جاتی جو وہ مر کر بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ جس زمین کے لیے انہوں نے باپ بھائی بہنوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قربانی دے دی اُس کو اولاد کی محبت سے کمزور ہو کر کیسے گنوا سکتے تھے۔

''مُسکان! تم اب شہر کو بھول جاؤ۔'' سیّد سرفراز نے اپنا آپ مُسکان سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

''مطلب۔'' مُسکان کو باپ کا چہرہ ایک دم اجنبی لگا۔

''مطلب یہ کہ ہم تمہاری شادی کررہے ہیں۔''

''شادی؟'' مُسکان کے سر پر بم پھٹا تھا۔

''ہاں۔'' سیّد سرفراز نے بِنا نظر ملائے کہا۔

''کس سے؟'' مُسکان نے لبوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

''سیّد اظہر علی سے۔'' ایک اور بم دھماکا ہوا۔

''کیا؟'' مُسکان نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس کی نگاہوں میں بہت تھی یہ اُس کے باپ کا کون سا روپ تھا، جس سے وہ ہمیشہ انجان رہی تھی۔

مُسکان نے سیّد سرفراز علی کو غور سے دیکھا وہاں پر ہر طرح کی نرمی، شفقت ختم ہو چکی تھی نگاہوں اور رویے والا اجنبی چہرہ اُس کے باپ کا تو نہ تھا۔ وہ تو کوئی اجنبی تھا۔ ایسا اجنبی، جسے تھی اور اُس کا سہا ہوا دِل جاننا بھی نہ چاہتا تھا۔

ندگی تو عذاب لگتی ہے
اب حقیقت بھی خواب لگتی ہے
جس پہ لکھا تھا ہم نے تیرا نام
اب وہ خالی کتاب لگتی ہے
روز ہوتے ہیں سانحے ایسے
ندگی اضطراب لگتی ہے
کس کو الزام بے وفائی دیں
قسمت اپنی ہی خراب لگتی ہے
اد کرتے ہیں اِس قدر تم کو
ندگی آب آب لگتی ہے

اس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں، خالی نگاہوں سے وہ دیوار تکے جارہی تھی۔ اُس کی ساری لباسی جانے کہاں کھو گئی تھی۔ بڑی سی مسہری کے پیچھے وہ ٹیک لگائے خود میں گم بیٹھی تھی۔ آپا امّاں کا جیسے ایک دَم پھٹنے کو آیا تھا۔ ستارہ جیسی جگ مگ آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی، اُن میں اتنی بے اور حیرت تھی کہ آپا امّاں کی ہمت نہ پڑ رہی تھی کہ اُس سے بات کریں۔

''مُسکان! کتنا پیارا اور چھوٹا سا نام رکھا تھا انہوں نے۔ وہ کبھی نہیں روئے گی، ہمیشہ خوش رہے گی لائے گی۔'' انہوں نے اُسے گود میں لے کر صائمہ بی بی سے وعدہ کیا تھا، آج وہ وعدہ انہیں دکھائی دے رہا تھا۔

''میں کیسے تمہاری قسمت بدلوں؟ اِس حویلی کی ہر بیٹی کی قسمت ایک جیسی کیوں ہوتی ہے؟ کیوں اِس لی کی بیٹی کی قسمت میں صرف درد ہی سہنا لکھا ہے؟'' آپا امّاں نے بے اختیار شکوہ کیا۔

''اے اللہ! میں تو بے حد گناہ گار ہوں! تو اِس گناہ گار کی دُعا قبول کر لے، مسکان کو اُس کے جیون کی ل مل جائے۔'' آپا امّاں دِل ہی دِل میں گڑگڑا کر دُعا مانگ رہی تھیں۔

''مسکان!'' انہوں نے اُسے پکارا لیکن وہ کچھ نہ بولی، آپا امّاں گھبرا کر اُس کی جانب بڑھیں۔

''مسکان چندا! میری جان کچھ تو بول ورنہ تیری ماں مرجائے گی۔'' آپا امّاں نے اُس کا سر اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کندھے سے لگایا تو وہ ایک دَم پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''امّاں! امّاں!'' سسکیوں میں اُس سے بولنا مشکل ہورہا۔

''امّاں! میں کتنی بدنصیب ہوں نا! میں نے زندگی میں صرف دو ہی مردوں سے پیار کیا، ایک میرے اعتبار کو دھوکا دیا اور ایک خود سراب، نکلا۔

''امّاں! آخر یہ میرے ساتھ ہی کیوں ہوا، میں نے تو آج تک... آج تک کسی کو دُکھ نہیں دیا پھر ا نا قابلِ برداشت دُکھ میرے ہی حصّے میں کیوں آیا، امّاں میرا کیا قصور ہے؟'' مُسکان اِس قدر شدت روئی کہ آیا امّاں کو اُسے سنبھالنا مشکل ہوگیا۔

''قصور تمہارا نہیں، تمہاری قسمت کا ہے کہ تم اِس عالی شان حویلی میں پیدا ہوئیں، اگر تم کسی جھونپڑے میں پیدا ہوتیں تو شاید تم زندگی کی سچی خوشیاں حاصل کرسکتیں! آیا امّاں نے دھیمی آواز میں دِل بہلایا۔

''اِس حویلی کی سب بیٹیوں کی قسمت ایک جیسی ہے۔'' آیا امّاں نے با آواز بلند سوچتے ہوئے کہا۔

''امّاں! وہ، وہ میرے بابا نہیں ہوسکتے۔ وہ کیسے ... کیسے میری مرضی کے خلاف میری شادی کرسکتے ہیں؟ وہ کیسے ایک دم مجھے اِس حویلی میں قید کرکے بھول سکتے ہیں۔'' اتنے بہت سے دِنوں میں مسکان کو یہ یقین دلانا مشکل ہورہا تھا کہ یہ سب اُس کا باپ کررہا ہے، جو اُس کی چھوٹی سے چھوٹی خواہش پورا کرنے کے لیے ہمیشہ اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔

''تم کو تو اُس نے اپنی عادت اور روایات کے خلاف بہت چاہا ہے! تم تو بہت خوش نصیب ہو، جس کو بہت سی چیزیں بن مانگے ملیں، سید سرفراز علی کے دِل میں اللہ نے تمہارے لیے بے حد نرم گوشہ رکھا ہے ورنہ جو غلطی تم کر بیٹھی ہو، وہ یہاں نا قابلِ معافی ہے۔'' آیا امّاں تھکے تھکے لہجے میں کہتیں اُٹھیں اور پانی کا گلاس بھر کر مسکان کو دیا۔

''مسکان پانی پیو، اپنے آپ کو رو رو کر ہلکان نہ کرو۔''

''مجھے نہیں پینا اور نہ ہی کچھ کھانا ہے!'' مُسکان نے ایک دَم ضدی ہوکر کہا۔ ضد تو اس کی نسل کی پہچان تھی۔

''مجھے یہاں سے واپس جانا ہے!'' وہ بے حد ضدی ہورہی تھی۔ آیا امّاں نے بوکھلا کر اُس کا چہرہ دیکھا۔

''ایسے کیسے چلے گا مسکان؟'' آیا امّاں نے اُسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''مجھے واپس جانا ہے! نہیں رہنا مجھے یہاں ...'' وہ پورا حلق پھاڑ کے چلاّئی۔

''مجھے ولی کے پاس جانا ہے!'' اُس کا لہجہ ایک دَم ٹوٹ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''بھول جاؤ اُسے!'' آیا امّاں نے سختی سے کہا۔

''نہیں! میں اُس کے بِنا مرجاؤں گی!'' مسکان جنونی ہورہی تھی۔

''کیا وہ تم کو چاہتا ہے؟'' آیا امّاں نے بے بس ہوکر پوچھا۔

''نہیں! وہ تو کسی علیزے نامی لڑکی کو چاہتا ہے۔'' مسکان نے سچ بولا۔ آیا امّاں کو ایک پَل کو اُس کی

اغی حالت پر شبہ ہوا۔

''یہ یک طرفہ محبت ! تم اِس کے متعلق تو پہلے بھی بتا چکی ہو، لیکن بیٹا اگر کوئی آپ کے متعلق ویسے ذبات نہ رکھے، جیسے کہ آپ اُس کے لیے رکھتے ہو تو کیا ہم اُس کے ساتھ زبردستی کریں گے؟''

''نہیں! یہ زبردستی نہیں ہوسکتی۔''

''میری جان! یہ تو دِلوں کے سودے ہوتے ہیں! یہ زبردستی کے مول کبھی نہیں ملتے، تم خود کو اور ہم کو مشکل میں نہ ڈالو وہ تمہاری قسمت میں نہیں ہے! تم اگر اِس طرح کی حماقتیں کرتی رہیں تو سید رفراز کوئی سخت قدم اُٹھا سکتا ہے۔''

''سید اظہر علی سے تو میں تمہارا بیاہ نہیں ہونے دوں گی لیکن میں تمہاری شادی ولی سے بھی نہیں کروا سکتی۔'' آیا امّاں نے اُسے حقیقت بتائی۔

''امّاں میں مرجاؤں گی! میرے دِل میں بھانبھڑ اُٹھ رہے ہیں، مجھ سے اِس آگ میں اور نہیں جھلسا اتا۔'' مسکان کی بے بسی بے اختیار تھی۔

''مسکان! تو نے تو انسانوں کو بھی اپنا پسندیدہ کھلونا سمجھ لیا ہے، جس طرح تو اپنے پسند کے کھلونے پر لا کرتی تھی ٹھیک اُسی طرح تم ولی کے لیے ضدی ہوگئی ہو۔ لیکن بیٹا وہ جیتا جاگتا انسان ہے اُس پر تیری اہش کا بس کیسے چلے گا؟ پھر تیرا باپ بھی تو ایسا کبھی نہ ہونے دے گا۔'' آیا امّاں اُسے نفع نقصان بھانا چاہ رہی تھیں لیکن مُسکان کچھ نہ سمجھنا چاہ رہی تھی۔

''اگر... اگر مجھے ولی نہ ملا تو میں مرجاؤں گی یہ آپ بابا سائیں کو بھی بتا دیجیے گا! میں مسکان سرفراز علی لی محبت سے کبھی بھی دست بردار نہ ہوں گی۔'' مسکان کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا، جس پہ آیا امّاں بے تیار چونکی تھیں۔

ایسی ہی چمک آج سے سالوں پہلے انہوں نے کسی اور کی آنکھوں میں بھی دیکھی تھی اُس کا انجام کیسا ہلا دینے والا تھا، تو کیا واقعی تاریخ بار بار خود کو دُہراتی ہے؟ یہ سوال اُن کے ہی دِل نے کیا تھا اور خود ہی ہا جا رہا تھا۔

❖❖ ◯ ❖❖

پاگل لڑکی!
خواب نہ دیکھو
درد ہی درد عذاب نہ دیکھو
خواب تو بہت رُلاتے ہیں
خواب بہت تڑپاتے ہیں
پاگل لڑکی!
خواب نہ دیکھو
سورج کو پا لینے کی خواہش
اپنی آنکھیں کھو بیٹھو گی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنا آپ گنوا بیٹھو گی
سچ کی آنکھ میں آنکھیں ڈالو
خواب نہ دیکھو
پاگل لڑکی!

"تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ تم اگر کچھ سوچتی ہو تو کم از کم اُسے بولا تو نہ کرو، سارے فنکشن میں میڈم کا موڈ تم سے خراب رہا تھا۔" ماہی نے ترنم سے کہا۔

ترنم کو اِس وقت ڈرپ لگی ہوئی تھی... ڈرگز کی ڈوز زیادہ لینے کی وجہ سے اُس کا معدہ واش کیا گیا تھا اور اب وہ ہسپتال کے پرائیویٹ روم میں لیٹی چُپ چاپ ماہی کی ڈانٹ سُن رہی تھی۔

"ماہی! کیا موت جیسی چیز ہوتی بھی ہے کہ نہیں؟" ترنم نے اُس کی لمبی چوڑی تقریر کے جواب میں پوچھا۔

ماہی نے ایک دَم اپنا سر تھام لیا!

"میں موت کے پیچھے بھاگتی ہوں لیکن مجھے موت نہیں آتی، میری سزا میرا آبِ حیات بن گئی ہے مجھے اب تا عمر اپنی سزا یہیں سہنی ہوگی۔" ترنم خود میں بالکل نہ تھی۔

"کاش میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی!" ماہی نے بے حد دُکھ سے ترنم کو دیکھا، اُس کی سرخ و سفید رنگت پھیکی پڑ چکی تھی لیکن پھر بھی وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔

"ترنم! تم جانتی ہو کہ تم کسی بھی حال میں ہو پھر بھی بے حد حسین نظر آتی ہو۔" ماہی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"میری ماں اکثر کہتی تھی کہ ربّ اگر چنگی شکل دے تو ساتھ چنگی قسمت بھی دے، میں بہت نا سمجھ تھی مجھے اُس کی بات سے ہمیشہ اختلاف ہوتا تھا۔ میں نے اپنی شکل پر بے حد غرور کیا تھا، خود کو ہمیشہ شہزادی ہی جانا، لیکن کیا... کیا صرف شکل ہی وہ ایسا پھندا نہیں ہے، جو میرے گلے میں گذشتہ چھ سال سے بندھا ہوا ہے۔ اگر میری قسمت اچھی ہوتی تو کیا یہ پھندا میرے گلے پھنستا؟" ترنم نے ایک دم ماہی سے سوال کیا۔

"تم اور تمہاری باتیں دونوں ہی ڈسٹرب ہیں، میرا خیال ہے تم کسی اچھے ماہرِ نفسیات سے وقت لے کر اپنے آپ کو دکھاؤ، تمہارے اعصاب اچھا فیل کریں گے۔" ماہی نے اُسے مشورہ دیا۔

"کوئی ماہرِ نفسیات میرے اعمال نامے سے میرے گناہ، میری کوتاہیاں دھو سکتا ہے کیا؟" ترنم نے نقاہت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"تم ہر وقت اس طرح کی باتیں کیوں کرتی ہو؟"

"دیکھو ترنم! تمہاری زندگی میں اب کبھی ریورس گیئر نہیں لگ سکتا، اِس لیے تم اپنی موجودہ زندگی سے خوش رہنا اور اِسے سہولت سے گزارنے کا گر سیکھ لو، ورنہ جس طرح تم روز مرتی اور جیتی ہو تو کسی دن میڈم چاندنی اور راگنی تمہیں Expired دوا کی طرح ڈسٹ بن میں پھینک دیں گی، اپنے آئندہ دنوں کے لیے کچھ جوڑ لو اور یوں ہر وقت ناشکری نہ کیا کرو، جس طرح کی زندگی اور سہولتیں ہمیں میسر ہیں وہ

ہمارے معاشرے میں اَپر کلاس کے پاس ہوتی ہیں تمہیں ان سہولتوں کے بغیر رہنا پڑا تو تمہارے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔" ماہی اپنی موجودہ زندگی سے بے حد خوش تھی اور اپنی زندگی کے لیے کچھ سرمایہ بھی جوڑ رہی تھی۔

"کیا بس یہی زندگی ہے! کیا تم نے صرف اِس کے لیے سرمایہ جوڑا ہے؟" ترنم نے نقاہت سے پوچھا۔

"مطلب؟" ماہی نے بیزاری سے ماتھے پر بَل ڈال کر پوچھا۔

"مطلب تمہاری ماں زندہ ہے کیا؟" ترنم نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" ماہی نے جواب دیا۔

"اور تمہاری نانی؟"

"نہیں! وہ کہاں زندہ ہے۔" ماہی نے کچھ اُلجھ کر جواب دیا۔

"اور تمہاری نانی کی ماں؟" ترنم کا سوال شاید ابھی تک پورا نہ ہوا تھا۔

"کمال کرتی ہو۔ یہ کس طرح کی گفتگو ہے کوئی اِتنا جی سکتا ہے؟ میری نانی کی ماں! میری نانی مر چکی ہیں اور میری ماں بے چاری دس سال پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں مر گئی تھی۔ لیکن اِس ساری گفتگو کا مقصد کیا ہے؟"

"انہوں نے اپنے اپنے دور میں اپنے اِس بزنس سے خاصا پیسا بھی کمایا ہوگا، اپنے مستقبل کے لئے جمع بھی کیا ہوگا!" ترنم نے ماہی سے مزید سوال کیا۔

"ہاں نا کیا تھا۔ ظاہر ہے ہر سمجھ دار شخص ایسا ہی کرتا ہے۔"

"کیا وہ اپنے جمع کیے گئے پیسے کو استعمال کر سکیں؟"

"نہیں! لیکن تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" ماہی جواب دیتے ہوئے ایک دَم رُک کر بولی۔

"میری جان! یہ زندگی بہت مختصر ہے اِس زندگی کو تو موت آ ہی جانی ہے لیکن اگلی زندگی کو کبھی موت نہیں آنی وہاں تو ہمیں اپنے کیے کا بھگتنا ہے یہ دُنیا تو ایک ایگزامی نیشن روم ہے کوئی۔ اگر کوئی میری طرح فیل ہو جاتا ہے تو اُس کی سزا کا عمل اِسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے میں نے اپنی زندگی کو کھلونا جان کر برباد کر دیا، اب یہ پچھتاوا مجھے نہ جینے دیتا ہے نہ مرنے! ہاں مجھے آس کی اِس اُمید کی تلاش ہے جو ایک سچا راستا دکھاتی ہے۔" ترنم سے بولنا دُشوار ہو رہا تھا۔

"سُنا ہے بڑے مالک کے ہاں آمرزش ملتی ہے! میں اِس قابل تو نہیں ہوں لیکن کیا مجھے بھی یہ نعمت مل سکتی ہے؟" ترنم نے ایک دَم ماہی کو دیکھا، جیسے وہ بتا سکتی ہو۔

"اِس لیے ماہی میں کچھ جوڑنا نہیں چاہتی، کچھ پانا نہیں چاہتی جب یہاں رہنا ہی نہیں ہے لیکن میرا دل اِس بات کا ضرور طلب گار ہے کہ مجھے ربّ کائنات کی صفائی مل جائے، معافی کی طلب گار کب سے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے، اب یہ اُس مالک کی مرضی کہ وہ قبول کرے یا نہ کرے۔"

"تو تیری باتیں مجھے بہت ڈسٹرب کرنے لگی ہیں، پلیز میرے سامنے اِس طرح کی باتیں نہ کیا کرو کہیں میری ذہنی حالت بھی تیری طرح نہ ہو جائے۔" ماہی کو ترنم کی باتوں سے خوف آنے لگا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ترنم نے نہایت تاسف بھری نگاہ اُس پر ڈالی۔

''میری سہیلی! یہ جو احساس مجھ سے لپٹ کر مجھے ڈس رہا ہے نا، یہ ہر کسی کو زندگی کی کسی نہ کسی اسٹیج ہو ہی جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ پچھتاوا آخری لمحوں میں ہوتا ہے تب نہ معافی ملتی ہے نہ قبولیت کا دروازہ کھلا ہے اور پھر سب دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں جو تم مجھے پاگل سمجھتی ہو؟ میں تو بس وہ ایک دروازہ کھٹکھٹانے کی کوشش کرتی ہوں، جہاں سے مجھے یہ نوید مل سکتی ہو کہ میرے گناہ معاف ہوگئے، یہ تو ایک احساس ہے! لیکن جب میں اپنا گندا وجود جو گندگی میں پور پور ڈوبا ہے دیکھتی ہوں تو مجھے اتنی شرمندگی ہوتی ہے کہ میں تو اِس معافی کے لائق بھی نہیں ہوں، اور یہ ہی شرمساری مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں ایک ایسی دُنیا میں چلی جاؤں، جہاں ہوش گم ہو جاتے ہیں، جہاں ڈرگز استعمال کرکے کبوتر کی طرح کچھ دیر کو آنکھیں بند کی جاسکتی ہیں لیکن جب آنکھ کھلتی ہے تو پھر وہی میں اور یہ سانپوں کی دنیا! ایسے میں موت کی تمنا پر موت بھی نہیں ملتی!'' ترنم اتنی لمبی بات کرنے پر کھانسنے لگی، ماہی نے دوڑ کر اُسے پانی پلایا۔

ماہی کی آنکھوں میں ترنم کے لیے ترحم تھا۔

''یہ دِل کی لگی جانے کہاں کہاں خوار کروائے گی!'' ترنم نے بہت دھیمی سرگوشی میں کہا اور آنکھیں موندھ لیں، دو آنسو اُس کی حسین آنکھوں سے نکل کر کنپٹیوں سے گزرتے ہوئے بالوں میں جذب ہوگئے۔

اُسی پَل دروازے پر دستک ہوئی۔

''السلام علیکم!'' سسٹر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا، وی آئی پی رومز میں اسٹاف کا رویّہ بے حد کرٹسی لیے ہوتا ہے۔

''آپ پلیز کچھ دیر کے لیے باہر چلیں۔'' سسٹر نے ماہی سے کہا۔ ماہی نے خیال جانا شاید وہ آیا کو بلوا کر ترنم کے کپڑے بدلنے جارہی ہے اِس لیے وہ باہر نکل آئی۔

اُس کی رحمت کی بھلا آخری حد کیا ہوگی
دوست کی طرح جو دشمن کو دعا دیتا ہے

ترنم نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں، سسٹر اُس کو ہی دیکھ رہی تھی۔ سسٹر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ ترنم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن کچھ بول نہ سکی۔

''جب تک تم اُس سے تعلق نہیں بناؤ گی، تب تک تم کیسے معافی حاصل کرسکتی ہو؟'' سسٹر نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ایک برقی رو تھی جو ترنم کے سکتے مردہ وجود میں دوڑی تھی۔

''کیا واقعی کبھی وہ اِس قابل ہوسکتی ہے کہ اللہ سے کوئی رشتہ بنا سکے۔''

''ہاں تم رشتہ بنا سکتی ہو!'' وہ اُس کی سوچ پڑھ گئی تھی۔

''میں تو گندگی میں لتھڑی ہوئی ہوں۔ کیا وہ اللہ میرے ساتھ تعلق رکھیں گے؟''

''وہ بڑا رحمٰن ہے یہ ساری دُنیا اُس نے بنائی ہے، ہم اُس کو بھول سکتے ہیں لیکن وہ ہمیں نہیں بھول سکتا؟ گناہ گار کا رشتہ اللہ سے بہت قریب ہوتا ہے اگر وہ معافی مانگ لے تو وہ ولی بن جاتا ہے، اللہ کا

دوست بن جاتا ہے۔'' ترنم کو لگا کہ اُس کے نقاہت بھرے وجود میں ایک دَم توانائی بھرگئی ہو۔

''میں... میں کیسے معافی مانگوں؟ اُس کو جانے کیسا انداز پسند ہے اور مجھے تو معافی مانگنے کا ڈھب بھی نہیں آتا۔'' ترنم کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔

''تُو بس جھک جا! اُسے عاجزی پسند ہے!''

''اُس کے پاس سب کچھ ہے لیکن عاجزی نہیں ہے اس لیے اُس کو وہ پسند ہے، جو عاجزی سے جھک کر اُس سے مانگ لیتا ہے۔'' ترنم کا رُواں رُواں کان بن کر اُسے سُن رہا تھا۔

''جب جب انسان اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرتا ہے تب تب اُس کے لیے معافی کے دروازے کھل جاتے ہیں، تمہیں بھی زندگی میں موقع ملے گا۔ یہ موقع ہر انسان کو ملتا ہے اب یہ تم پر ہے کہ تم اِس موقعے کو پہچان کر کیسے حاصل کرتی ہو۔'' سسٹر نے اپنا سامان اکٹھا کیا، اُس نے قدم دروازے کی جانب بڑھائے پھر ایک دَم پلٹی۔

''بس اب تم نے بہت شور مچالیا، پہلے تم جانتی نہ تھی کہ تم کو کیا کرنا ہے اب تم کو بتادیا گیا ہے کہ تم کو کیا کرنا ہے آج سے تم خود اپنے لیے معافی کے دروازے کھولوگی۔'' سسٹر کی آواز میں عجیب ساسحر تھا۔

''تم نے جو کیا وہ بڑا ظلم تھا اور جن اچھے لوگوں کے ساتھ کیا وہ اُس سے بھی بڑا ظلم تھا۔''

''لیکن کیسی عجیب بات ہے اُن ہی لوگوں کی گریہ زاری آج تمہارے کام آگئی، تمہاری ماں کا ایک ایک آنسو تمہاری لگائی آگ بُجھا رہا ہے لیکن اب تمہیں بھی کچھ کرنا ہوگا!''

''سسٹر... سسٹر کیا کرنا ہے؟'' ترنم بے تابی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کفارہ!'' سسٹر نے مختصر سا جواب دیا اور باہر نکل گئی اور اُس کے جاتے ہی ترنم ہوش میں آگئی۔ فضا میں جو سحر تھا، وہ ایک دَم ٹوٹ گیا۔

''کون تھی وہ!'' ترنم کو پہلا خیال آیا۔

''اور... اور وہ میرے دِل کی ہر بات کیسے جانتی تھی؟''

ترنم نے ڈرپ کی سوئی بے دردی سے اُتاری اور لڑکھڑاتی ہوئی باہر کی جانب بھاگی۔ ترنم نے باہر دیکھا لمبا کوریڈور بالکل صاف اور خاموش تھا، پل بھر میں وہ سسٹر غائب ہوگئی تھی۔ ماہی ہاتھ میں موبائل تھامے کسی سے بات کرتی سامنے سے آرہی تھی۔

''ارے تم!'' ماہی نے موبائل بند کرکے ترنم کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

''مائی گاڈ! تمہارے تو ہاتھ سے خون نکل رہا ہے پاگل لڑکی تم نے خود سے کیوں ڈرپ اُتاری کسی سسٹر سے کہتیں۔'' ماہی نے پرس سے ٹشو پیپر نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھا جب کہ ترنم مسلسل اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

''کسے تلاش کررہی ہو؟'' ماہی نے ترنم کی بے چینی کو دیکھ کر پوچھا۔

''ماہی وہ... وہ سسٹر، وہ کدھر گئی؟'' ترنم نے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''یہیں کسی کمرے میں گئی ہوگی۔ اُدھر کوریڈور کے اینڈ پر تو میں کھڑی کتنی دیر سے فون پر بات کررہی تھی، میرے سامنے تو وہ گزر کر نہیں گئی۔'' ماہی کو ترنم کی بے چینی سمجھ نہ آرہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ماہی پلیز! اُسے ڈھونڈو، میرا اُس سے ملنا بے حد ضروری ہے۔" ترنم نے روتے ہوئے کہا۔

ماہی نے ترنم کی بے چینی اور پریشانی دیکھتے ہوئے ہر کمرے میں دستک دے کر سسٹر کو دیکھا لیکن وہ کہیں بھی نہ تھی۔

"حیرت ہے وہ کہاں چلی گئی؟" ماہی نے ترنم کے پاس واپس آ کر کہا۔

"تو پھر ہسپتال کی انتظامیہ سے پوچھو، آخر آج اُس کی ڈیوٹی ہے وہ ہمیں مل ہی جائے گی۔" ترنم نے ماہی کو کاؤنٹر پر بھیجا۔

ماہی کچھ دیر بعد واپس آ گئی۔

"وہاں تو ایسی کوئی نرس آن ڈیوٹی ہے ہی نہیں، میرے کہنے پر انہوں نے ڈیوٹی پر موجود ساری سسٹرز کو مجھ سے ملوایا لیکن وہ سسٹر اُن میں نہ تھی۔" ماہی خود بہت پریشان تھی۔

"تم کسی کو بلا کر لاؤ میں خود بات کروں گی، بھلا یہ کیا بات ہوئی۔" ترنم نے بے چینی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم لیٹو۔ کہیں گر گرا نہ جاؤ۔ میں دیکھتی ہوں۔" ماہی کہہ کر واپس پلٹی۔

کچھ ہی دیر بعد ماہی اپنے ساتھ ایک چالیس پینتالیس سال کے آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

"میڈم! جس طرح کا حلیہ آپ بتا رہی ہیں، وہ سسٹر ہمارے ہاں کام تو کرتی تھی لیکن آج سے تین سال پہلے وہ اپنے شوہر، جو یہاں کے بڑے اچھے قابل ڈاکٹر تھے اُن کے ساتھ باہر چلی گئی تھیں۔ وہ بہت نیک دِل اور بے حد لگن سے کام کرنے والی سسٹر تھیں۔ چوں کہ اُن کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اِس لیے وہ اپنی ساری تنخواہ چلڈرن وارڈ میں مستحق بچوں کے لیے دے دیتی تھیں۔ لیکن آج سے تین سال پہلے ڈاکٹر صدیق اپنے کسی کورس کے لیے باہر جا رہے تھے اِس لیے وہ اور اُن کی اہلیہ استعفیٰ دے کر چلے گئے۔" وہ شخص ایڈمنسٹریشن میں تھا اور اُس کی بات کو ٹالا نہ جا سکتا تھا۔

جہاں ترنم حیران و پریشان تھی، وہیں ماہی خوف زدہ کھڑی تھی۔ اگر وہ تین سال پہلے ہسپتال چھوڑ کر جا چکی تھی تو اچانک یہاں کیسے آ گئی اور اُن کے کمرے میں کیا کر رہی تھی۔

"کفارہ! تم کو اب کفارہ ادا کرنا ہوگا، تم کو اپنے لیے معافی کے دروازے خود کھولنے ہوں گے۔" ترنم کے کانوں میں سسٹر کی آواز گونج رہی تھی۔

"تم کو اپنا تعلق خود بنانا ہوگا!" ترنم نے گہری سانس لی۔

"کچھ ضرور ایسا ہوا تھا۔" اُس کا پھڑکتا ہوا دِل ایک دَم ٹھہر سا گیا۔

❖❖○❖❖

"زندگی کہاں رُکتی ہے اُس کا کام تو آگے اور آگے ہی بڑھنا ہے۔ آج میری دوست کو گئے ہوئے دو ماہ ہونے کو ہیں لیکن کسی کو کوئی فرق نہیں پڑا، میں نے اُسے کتنے فون کیے لیکن وہ ملی ہی نہیں، جانے کہاں ہوگی وہ؟" سائرہ بے حد اُداسی سے سوچتی ایگزیبیشن گیلری میں داخل ہوئی۔

آج فائنل والوں کا کام ڈسپلے کے لیے لگ رہا تھا۔

سارے کالج کے کمروں، ہال، بیسمنٹ، اُوپر والے کمروں یہاں تک کہ بہت سارے کوریڈور تک ٹک

تھے۔ کوریڈورز کو ایک جانب سے بند کر کے لڑکے لڑکیوں نے ڈسپلے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ چوں کہ زیادہ تر کلاسوں اور اسٹوڈیوز میں تھیسز ڈسپلے ہونے جا رہا تھا اِس لیے باقی کالج کے اسٹوڈنٹس یا تو آؤٹ ورک کر رہے تھے یا اِدھر اُدھر خوش گپیوں میں مگن تھے ایسے میں سائرہ کو مُسکان کی کمی شدّت سے محسوس ہوئی۔

"یار یہ کیا ہے؟ اب سر بٹ نے مزید پخ لگا دی۔" ٹی ٹو جھنجلایا سا سائرہ سے ملا۔

"کیا ہوا؟" سائرہ نے گلے میں لٹکا کیمرا سائیڈ پر رکھتے ہوئے پوچھا، جونیئرز عموماً سینئرز کے کام کی فوٹوگرافی اُن کی اجازت لے کر کرتے تھے تا کہ آئندہ انہیں اپنا ڈسپلے کرتے ہوئے مدد مل سکے۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ جتنا کام کیا ہے اُس کا ڈسپلے بھی کریں۔ یار میں تو اسائنمنٹ کرنے کے بعد جب جب اُس کی مارکنگ ہو جاتی تھی، اُسے اسٹور میں ڈال دیتا تھا اب میرے کام کا تو حشر ہو چکا ہوگا۔" ٹی ٹو بے حد جھنجلایا ہوا تھا۔

"اوہ! واقعی بات تو پریشانی کی ہے۔" سائرہ نے کہا۔

"اب کیا کریں گے؟" سائرہ نے اُس سے پوچھا۔

"کرنا کیا ہے یار! عبدالولی صاحب کی منت کریں گے کہ وہ اپنا کچھ کام اُدھار دے دیں ورنہ میرے ڈسپلے میں اُلّو بولیں گے۔" ٹی ٹو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تو ولی بھائی کیا کریں گے؟"

"یار وہ ایک اسائنمنٹ کو تین، چار میڈیاز میں کرتا آ رہا ہے اُس کے پاس تو ایک کے ساتھ تین تین فری اسائنمنٹ ہوتی ہیں۔ اگر کچھ کام وہ مجھے دے دے گا تو اُس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔" ٹی ٹو نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"حد ہو گئی!" سائرہ نے ٹی ٹو کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"ولی بھائی کہاں ڈسپلے کر رہے ہیں؟" سائرہ نے پوچھا۔

"اُسے تو سر بٹ نے اپنے آفس کے ساتھ ٹیچرز گیلری میں جگہ دی ہے اور کیوں نہ دیں خیر سے چہیتا طالب علم ہے اُن کا..."

ٹیچرز گیلری بے حد خوب صورت تھی۔ وہاں لائٹس کا مکمل انتظام تھا اِس لیے وہاں پر لگا ہوا کام بے حد اچھا لگتا تھا۔

"یہ تو ہم ہیں جو کالج کی بدرنگ دیواروں کو چُھپانے کے لیے پہلے کپڑا لا کر بیک گراؤنڈ تیار کریں گے پھر لائٹس کرائے پر لائیں گے، راستے کی خوب صورتی کے لیے گھر سے گملے بھی اُٹھا کر لا رہی ہیں یہ لڑکیاں تو۔ اللہ جانے اِن لڑکیوں سے آسان کام کیوں نہیں ہوتے۔" ٹی ٹو نے بیزاری سے کہا۔

"سدرہ اور صائمہ عبدالغنی تو اپنا ڈسپلے روم اتنا سجا چکی ہیں کہ کیا کسی کی شادی سیج سجی ہوگی، اِن لڑکیوں نے تو اپنے سارے ارمان اِس غیر ضروری ڈسپلے پر لگا دیے۔ اللہ جانے اپنی باقی زندگی کے لیے بھی کچھ ارمان بچا رکھے ہیں کہ نہیں۔" ٹی ٹو واقعی چڑا بیٹھا تھا سائرہ کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔

"لو کر لو گل! کڑی ہنسے جا رہی ہے! ہنس لو ہنس لو، یہ زمانہ تو ستم کر کے ہمیشہ ہنستا ہے!" ٹی ٹو نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصنوعی غمگین شکل بنا کر کہا۔

''ہیں! کس نے آپ پر ستم کیا؟'' سائرہ کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

''اتنی قاتلانہ ہنسی سے آپ ہمیں شہیدوں میں شامل کرنے آئی ہیں۔'' ٹی ٹو نے روانی سے کہا۔

''توبہ ہے ٹی ٹو صاحب آپ بھی نا۔'' سائرہ کو اُس کی بے تکی باتوں پر ہمیشہ ہنسی آتی تھی۔

''اللہ... ٹی ٹو صاحب!''

''ارے اتنے پیار سے صاحب نہ کہیں ہم تو پہلے ہی دِل و جان سے فدا ہیں، ویسے ہم آپ کے صاحب بننے کو تیار ہیں اگر آپ ہماری بیگم بننے کو تیار ہیں تو۔'' ٹی ٹو نے حسبِ عادت کہا۔

''کبھی تو کسی کو بخش دیا کرو یار! تمہیں تو بس کوئی لڑکی ملنی چاہیے فلرٹ کرنے کے لیے۔'' اُسی پَل ولی نے اندر داخل ہوکر کہا۔ غالباً وہ ٹی ٹو کی باتیں سُن چکا تھا۔

''لو آ گئے لیڈی کِلر! اب ہماری دال تو کیا سبزی بھی نہیں گلے گی۔'' ٹی ٹو نے عبدالولی سے یوں گلے ملتے ہوئے کہا، جیسے وہ ولی سے برسوں کا بچھڑا ہوا تھا۔

عبدالولی کے چہرے کو بڑی دھیمی سی مسکراہٹ چھوکر گئی۔ سائرہ نے اُسے غور سے دیکھا۔ وہ واقعی بہت مختلف کشش رکھتا تھا اُس میں بہت ساری خاص باتیں تھیں، جن میں ٹاپ آف دی لسٹ اُس کی بے نیازی شامل تھی، جو صنف مخالف کے لیے چیلنج بن جاتی تھی۔

''کیا انہیں کچھ احساس ہے کہ کوئی اِن کی خاطر اپنی زندگی سے کھیل گیا؟'' سائرہ عبدالولی کو دیکھتے سوچ رہی تھی۔

''ہائے ربّا! یہ کس قدر ظلم وستم ہے۔'' ٹی ٹو کی آواز نے سائرہ کی سوچ کا ارتکاز توڑا۔

''اب کیا ہوا؟'' ولی جو اپنے کام کے بُروشر چیک کررہا تھا اُس نے حیرت سے ٹی ٹو سے پوچھا۔

''بھائی میاں آخر کیا مسئلہ ہے، کیا آپ کوئی خاص قسم کی ''ریز'' چھوڑتے ہیں، جو لڑکیاں آپ کو ''بھائی بھائی'' کہتی ہیں وہ بھی صرف آپ کو دیکھتی ہیں۔ اب یہ خاتون ہمارے دِل پر چھریاں چلا کر مسلسل آپ کو دیکھ رہی ہیں، اللہ جانے ہر لڑکی آپ کو ایسے کیوں دیکھتی ہے، جیسے آپ کو دیکھنا ''عین ثواب'' ہو۔'' ٹی ٹو نے سائرہ کی چوری پکڑلی تھی۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' سائرہ اور عبدالولی نے اکٹھے کہا۔

''میں اپنے کِسی خیال میں مگن تھی، آپ جانے کیا کیا سوچنے لگتے ہیں۔'' سائرہ نے خجل ہوکر کہا۔

''یہ مگن مگن خیال وسوچیں اِس غریب کے چہرے کو دیکھ کر کیوں نہیں آتیں یعنی ہم تو اتنے احساس کمتری میں مبتلا ہوگئے کہ عبدالولی صاحب کے ساتھ رہتے رہتے، لڑکیوں کی بے نیازیاں سہتے سہتے اپنا منہ، فٹے منہ لگنے لگا ہے! بقول شاعر،

اب وہ منہ ہی کیا ہے جس پہ صنف نازک کی نگاہ نہ پڑے
ایسے ہی منہ کو فٹے منہ کہا جاتا ہے

واہ! واہ! ٹی ٹو نے سر کو گھما گھما کر خود کو داد دی۔''

''ہیں یہ کون سا شاعر ہے؟ یہ یقیناً آپ کا اپنا شعر لگتا ہے۔'' سائرہ نے کہا۔

''لاحول ولاقوۃ! یک نہ شد دو شد۔'' عبدالولی نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''یار سائرہ! تم ایسے جملوں کو کیسے شعر کہہ سکتی ہو شاعری کو ایسے جملوں سے اذیت تو مل سکتی ہے، لیکن شاعری کا درجہ نہیں مل سکتا، اچھا چھوڑو اِن باتوں کو یہ میرے کام کا بروشر ہے دیکھو کیسا ہے!'' عبدالولی نے اپنے کام کی ساری فوٹو گرافی کر کے اُس کا پہلے سے بروشر بنالیا تھا۔

''واؤ! اِٹس ریئلی امیزنگ۔'' سائرہ نے بے اختیار کہا۔

ابھی تک کسی اسٹوڈنٹ کو یہ آئیڈیا نہ آیا تھا۔ ایسے کمال آئیڈیاز صرف عبدالولی کو ہی سوجھتے تھے۔

اُس نے اپنے فائنل ایئر کے کام سے لے کر اپنے شروع کے کام تک کی فوٹو گرافی کر کے ایک الگ بروشر بنایا تھا۔ اس کے دو فائدے تھے ایک تو اُسے کسی ایجنسی کو جوائن کرنے کے لیے پورٹ فولیو اُٹھا کر لے جانا پڑتا تھا۔ دُوسرے ایگزبیشن دیکھنے والوں کو اُس کا سارا گذشتہ کام اکٹھا دیکھنے کو مل جاتا، اِس طرح مختلف کمپنیز کے سربراہ جو اِس ایگزبیشن کو دیکھنے کے لیے خاص طور پر بلائے جاتے تھے وہ اپنی پسند کا کام اور بندہ سلیکٹ کر کے لے جاتے تھے۔

عبدالولی کا کام تو خود سے بولتا تھا اُس پر اُس کی زبردست قسم کی پریذنٹیشن تھی۔ اِس قدر ڈرامیٹک ماحول تخلیق کرنا ہر کسی کے بس کی بات کہاں تھا سب اسٹوڈنٹس کا خیال تھا کہ ہر مرتبہ کی طرح اس بار بھی عبدالولی ہی ٹاپ کرے گا۔

''آپ کو میرا کام پسند آیا؟'' عبدالولی نے وہیں رکھی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''بے حد! ان فیکٹ آپ کا کام ہے ہی بے حد امپریسو۔'' سائرہ نے سچائی سے تعریف کی۔

''یار ٹی ٹو! وہ ماسٹر صاحب تمہارا پوچھ رہے ہیں اسکلپچر روم میں تمہارے مولڈز تیار رکھے ہیں اُن کو اُٹھوالو، ماسٹر صاحب لوڈ آف ورک کی وجہ سے آؤٹ آف کنٹرول ہورہے ہیں کوئی پتا نہیں وہ اُٹھا کر باہر پھینک دیں۔'' کاشف نے دروازے کے پاس کھڑے ہوکر کہا تو ٹی ٹو سب کچھ چھوڑ چھاڑ باہر کی جانب بھاگا۔

''ولی بھائی ایک بات پوچھوں؟'' سائرہ نے ٹی ٹو کو باہر جاتے دیکھ کر عبدالولی سے پوچھا۔

''ہاں ضرور!'' عبدالولی ہاتھ میں پکڑی ٹرانسپرنسیز لائٹ کے سامنے کر کے دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ اپنے کام میں اِس قدر مگن تھا کہ وہ سائرہ کی سنجیدہ شکل کو نوٹ ہی نہ کرسکا ورنہ وہ فوراً جان جاتا کہ سائرہ کس کے متعلق پوچھنے والی تھی۔

''آپ کے آئندہ پلانز کیا ہیں؟'' جانے کیوں سائرہ اُس سے ڈائریکٹ کچھ نہ پوچھ سکی۔

''شاید کوئی ایجنسی جوائن کروں گا یا پھر اپنا خود کا کام اسٹارٹ کرلوں گا۔'' ولی نے مگن سے انداز میں جواب دیا۔

''نہیں ولی بھائی! میں آپ سے کچھ اور پوچھنا چاہ رہی تھی۔ میرا مطلب ہے کہ آپ اپنے لائف پارٹنر کے متعلق!'' سائرہ نے آخر بات کرنے کا فیصلہ کرہی لیا۔

وہ ٹاپک جس پر عبدالولی کبھی بات نہ کرنا چاہتا تھا وہ آج اُس کے سامنے آخر کار سوال بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے کسی کو آس نہیں دلائی سائرہ! تم اچھی طرح جانتی ہو۔" عبدالولی نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

اِس بار باری بوکھلانے اور حیران ہونے کی سائرہ کی تھی۔

"کیا...؟ اِس کا مطلب ہے آپ جانتے تھے کہ مسکان آپ کو پسند..." سائرہ کا لہجہ بے حد تاسف سے بھرا ہوا تھا۔

"ہاں! اُس دِن ریہرسل روم میں، میں نے اُس کا اقرارِ محبت سُن لیا تھا۔" عبدالولی نے نگاہ چُراتے ہوئے کہا۔

"تو... تو پھر بھی آپ بے خبر، بے نیاز بنے رہے۔ کیوں ولی بھائی؟ ایک لڑکی آپ کی خاطر تڑپتی رہی لیکن آپ بے حس بنے رہے۔" سائرہ کو واقعی بے حد دُکھ تھا۔

"سائرہ! میں عورت ذات کی بے حد عزت کرتا ہوں، میں نے مسکان کو آج تک کوئی آس نہ دلائی اِس لیے میرا رویّہ بے حس ہرگز نہ تھا۔ میں اُس کا بھرم نہیں توڑنا چاہتا تھا اگر وہ میرا انکار منہ پر سُن لیتی تو اُسے زیادہ دُکھ ہوتا، میری بے نیازی سے بھی زیادہ جسے تم اب بے حسی کا نام دے رہی ہو۔"

"لیکن مسکان میں کیا کمی تھی؟" سائرہ نے کہا۔

"وجہ صرف کمی نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ میں نے اُس کو کبھی اِس نظر سے دیکھا ہی نہیں، پھر جانے مجھے ایک دِن کیسے ایک لڑکی اچھی لگنے لگی۔ ایسے میں مسکان کے کسی بھی جذبے کی پذیرائی کرنا میرے لیے بے حد مشکل تھا۔ یہ جو دِل کے معاملات ہوتے ہیں نا یہ اگر خالص رہیں تو اچھا ہے۔ میں جس لڑکی کو پسند کرتا ہوں وہ میری خالہ زاد ہے، میں نے اُس پر اپنی پسندیدگی لفظوں میں کبھی ظاہر نہیں کی، لالہ میرے ایگزام کے بعد وہاں پر پوزل لے کر جانے والی ہیں اگر اُس لڑکی کے دِل میں کوئی اور خیال ہوا تو میں ہرگز سختی نہ کروں گا۔ دِل مانے بغیر کبھی زندگی کے فیصلے کامیاب نہیں ہوتے! یہ تم اپنی دوست کو بھی سمجھانا۔" عبدالولی نے سائرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ غریب تو جانے کس حال میں ہوگی، میں نے جب، جب اُس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مجھ سے اُس کی بات نہ ہوسکی۔ اُس کے بابا کا یہاں سے جاتے ہوئے رویہ بے حد عجیب سا تھا۔" سائرہ بے حد فکرمندی سے کہا۔

"مطلب؟" ولی نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب یہ ولی بھائی کہ اُس کے بابا اُسے گاؤں واپس لے گئے ہیں اور اب شاید وہ کبھی واپس نہ آسکے۔ اُس کی آیا اماں سے میری بہت مشکل سے بات ہوئی تھی انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ اُس کے ابا کو جیسے ہی پتا چلا کہ مسکان کسی لڑکے میں دِل چسپی رکھتی ہے تو وہ غصّے سے اُسے واپس لے گئے اور اس کی تعلیم بھی ختم کروادی۔ اُسے کسی گناہ کے بغیر جانے کیوں اتنی سزا دی گئی۔" سائرہ نے بے حد دُکھ سے کہا۔

"واٹ نان سینس! یہ تو سراسر اُس لڑکی پر زیادتی ہے جب اُس کا جذبہ یک طرفہ تھا تو پھر کیوں اُسے اِس طرح سزا دی گئی؟" ولی کو واقعتاً مسکان کی تعلیم ختم ہونے کا دُکھ ہوا تھا۔ بے شک وہ اپنے اندر

حد بے چینی محسوس کررہا تھا، بنا کچھ کیے بھی اُسے اپنا آپ مجرم لگ رہا تھا۔

باضمیر لوگ ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہیں، ولی نے بھی کبھی نہ سوچا تھا کہ اُس کی ذات سے کسی کو دُکھ ملے۔

"جانے وہ کس حال میں ہوگی!" سائرہ نے بے حد دُکھ سے اپنی بات دوبارہ دُہرائی۔

"میری دُعا ہے کہ وہ خیریت سے ہو، اِس کے علاوہ میں اُس کے لیے اور کچھ نہیں کرسکتا۔" ولی ایک دَم بے حد بے چین ہوگیا، اُس سے اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہورہا تھا اس لیے وہ یک دَم سے اُٹھ کھڑا ہوا اور باہر نکل گیا۔

سائرہ نے اُسے جاتے دیکھا اور ایک طویل سانس بھر کر رہ گئی۔

دو کناروں میں صرف اِک رشتہ بنتا ہے۔ وہ ہے فاصلے کا اور دوری کا رشتہ۔

❖❖○❖❖

"تم سے ایک ذرا سا کام ٹھیک سے نہ ہوسکا۔" میڈم راگنی مارک پر چلارہی تھی اور مارک حقیقتاً شرمندہ تھا۔ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ وہ کسی کام کو ٹھیک سے نہ کر پایا تھا اِس لیے وہ خود بھی جنونی ہورہا تھا۔ ایسے میں وہ میڈم راگنی کے احکامات کا منتظر تھا کہ اب وہ لڑکی کو دوبارہ کب اُٹھانے جائیں۔

"میڈم پلیز! گیومی این آدر چانس! اِس بار کوئی غلطی نہ ہوگی، ہم نے اُس لڑکی کو دیکھ لیا ہے اب تو کہیں بھی اُس پر ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔"

"نہیں! فی الحال تم رُک جاؤ اور کچھ دِن کے لیے انڈر گراؤنڈ چلے جاؤ، ہمیں اطلاع ملی ہے کہ طارق تمہیں پہچان گیا ہے اور تمہارا اسکیچ اُس نے تھانے میں بھی جمع کروادیا ہے۔ وہ تو اپنے بھائی بند تھانے میں بیٹھے ہوئے ہیں اس لیے ہر اطلاع ہمیں مِل جاتی ہے۔" میڈم راگنی کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔ اُس کے موبائل پر خاص نمبر آرہا تھا۔

"اچھا اب تم جاؤ۔" وہ تیزی سے اپنے خاص کمرے کی طرف بڑھی، جس کے بیسمنٹ میں کنٹرول روم تھا جہاں نہایت حساس کیمرے لگے ہوئے تھے۔ وہ یہیں پر بگ باس کے احکامات وصول کرتی تھی۔

"یس سر!" میڈم راگنی نے نہایت مہذب لہجے میں کہا۔

"تمہیں ایک نیا ٹاسک دیا جارہا ہے تم اِس پر فوراً کام شروع کردو۔" وہاں سے انگریزی میں احکامات ملے تھے۔

"اوکے سر! میڈم راگنی نے تابع داری سے کہا۔

اور پھر بگ باس نے جو کچھ اُس سے کہا تھا، میڈم راگنی کے چہرے پر بے حد شاطر مسکراہٹ دَر آئی تھی۔ راگنی نے بات ختم کرکے ہیڈ فون سر سے اُتارا اور کوڈ ملا کر رابطہ بند کیا۔ وہ اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی اوپر اپنے کمرے میں چلی آئی، مووایبل دیوار نے سیڑھیوں تک جانے والے راستے کو چھپا لیا تھا۔

اُس نے فریج سے وائن کا ٹن نکالا اور اُس کا ڈھکنا کھولا تو کمرے میں شوں کی آواز آئی، وائن کے ٹھنڈے چھینٹے اُچھل کر اُس کے چہرے پر آئے۔ میڈم راگنی نے ٹھنڈا یخ گھونٹ بھرا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یو... پاکستانیز! اب تم لوگوں کو تمہارا خدا بھی نہیں بچا سکتا۔'' وہ پاکستانیوں کو گندی سی گالی دے کر خود ہی ہنسنے لگی۔

میڈم راگنی کی مکروہ ہنسی اُس کے مکروہ ارادوں کو ظاہر کر رہی تھی۔ اب وہ کوئی بہت بڑی تباہی کا انتظام کرنے جا رہی تھی۔

❖❖○❖❖

''جی انکل آپ کے فون نے تو باقاعدہ پریشان کر دیا تھا، خیریت ہے نا؟'' طارق نے احمد شاہ سے ملتے ہی فکرمندی سے پوچھا، وہ واقعی احمد شاہ کے فوراً بلاوے پر پریشان ہو گیا تھا۔

''ارے ارے اِٹس آل رائیٹ! تم پلیز بیٹھو!'' احمد شاہ نے اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

طارق صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

''تم سے اب کبھی تفصیلی ملاقات ہی نہیں ہو پاتی۔ اللہ جنت نصیب کرے تمہارے نانا مرحوم جب انگلینڈ آتے تھے ہم سے ضرور ملنے آتے تھے۔ لیکن میں نے کبھی پوچھا ہی نہیں کہ تمہارے والد والدہ کبھی آپ سے ملنے نہیں آتے۔''

طارق اور ولی دونوں پیٹر اینڈ کیتھرائن میں اکٹھے پڑھتے تھے، طارق تو ہوسٹل میں ہوتا اِس لیے ہر ویک اینڈ پر ولی اُسے گھر لے آتا تھا۔ طارق سے اُس کے نانا جب ملنے آتے، ولی کے لیے بھی پاکستانی سوغاتیں لاتے، ولی کی وجہ سے طارق اُن کا ایک فیملی ممبر بن گیا تھا پھر وہ اپنے نانا کی وفات کے بعد واپس پاکستان چلا گیا۔ لیکن پھر بھی ولی اور طارق کا ٹیلی فون پر ہمیشہ رابطہ رہا، پاکستان واپس آ کر ولی، طارق سے ملنے لگا تھا۔ اُن دونوں کی دوستی ہی ایسی تھی کہ چاہے مہینوں ایک دوسرے سے دور رہتے لیکن اُن کی دوستی میں کبھی فرق نہ پڑا تھا۔

''میرے والدین کی ڈیتھ ہو چکی ہے! کیا ولی نے کبھی آپ سے ذکر نہیں کیا؟'' طارق نے حیرت سے پوچھا۔

''میری آنی نے ہماری پرورش کی ہے، روشن آنٹی سے تو اُن کی بارہا ملاقات ہوئی ہے۔'' طارق واقعی حیران تھا کہ احمد انکل اتنی Basic بات اُن کے متعلق نہ جانتے تھے۔

''طارق بیٹا! ہے تو کچھ پرسنل سی بات، لیکن جانے کیوں میرا دِل تم سے کچھ پرسنل سی باتیں کرنے کو...'' احمد شاہ کی بات پر طارق ایک دَم کھل سا گیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں اُن کی نظر میں ہوں! طارق میاں لگتا ہے ہونے والے سُسر انٹرویو کے موڈ میں ہیں۔'' طارق نے دِل میں ہنستے ہوئے کہا۔

''نیور مائنڈ سر!'' طارق نے پرسکون ہو کر صوفے کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''آپ کو اپنے فادر کی کچھ یاد ہے؟'' احمد شاہ نے ملازم کے ہاتھ سے چائے لے کر پہلے طارق کے ہاتھ میں تھمائی اور دوسرا کپ اپنے لیے تھام لیا۔

''نہیں! میں نے اپنے ہوش میں ابو کو کبھی نہیں دیکھا، وہ میرے بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ میں جب بڑا ہوا تو میں نے اپنی امی کو ہمیشہ بیمار ہی دیکھا وہ ابو کو بہت یاد کرتی تھیں۔ میری آنی ابو کے لیے

کچھ اچھی Feelings نہیں رکھتیں اِس لیے ہمارے ہاں اُن کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔'' طارق نے بے حد سچائی سے انہیں بتایا۔

''اور آپ کی اپنی Feelings کیا ہیں، اپنے فادر کے لیے؟'' احمد شاہ نے اُسے بہ غور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میری...؟'' طارق واقعی شش و پنج میں تھا کیوں کہ وہ خود اپنے باپ کے لیے اچھی Feelings نہ رکھتا تھا لیکن کسی دوسرے کے سامنے اپنا بھرم توڑنا بھی اُسے پسند نہ تھا۔ وہ اپنے باپ کو دوسروں کے سامنے ڈی گریڈ نہ کرنا چاہتا تھا کیوں کہ اُس کی رائے ہی اُس کے باپ کی عزت یا بے عزتی کا سبب بن سکتی تھی۔

''ہاں بیٹا! میں آپ کے احساسات جاننا چاہتا ہوں۔'' احمد شاہ مسلسل اُس کا چہرہ پڑھ رہے تھے اُن کی اتنی عمر گزر گئی تھی، اب وہ چہروں کو پڑھنے کا فن جان گئے تھے اور طارق کے چہرے پر لکھا تھا کہ وہ اپنے باپ کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتا تھا۔

''میرا خیال ہے انکل! ہمیں اِس ٹاپک پر بات نہیں کرنی چاہیے، وہ اب اِس دنیا میں نہیں ہیں، ہماری زندگی میں نہیں ہیں تو اُن کا ذکر بھی نہیں ہونا چاہیے۔'' طارق نے طویل سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''تو کیا جو لوگ ہماری دنیا سے چلے جاتے ہیں وہ ہمارے دِلوں سے بھی چلے جاتے ہیں؟'' احمد شاہ کا سوال طارق کو گڑبڑا گیا۔

''جو لوگ ہمارے دِلوں میں بستے ہوں، وہ چاہے دُنیا سے چلے جائیں لیکن پھر بھی ہمیشہ ہمارے دِلوں میں رہتے ہیں!'' طارق نے طویل سانس بھری۔

''تو تم یہ مانتے ہو!'' احمد شاہ نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں!''

''تو پھر تمہارے فادر....!'' احمد شاہ نے جان بوجھ کر جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

''میرے فادر اِس قابل نہ تھے کہ وہ ہمارے دِلوں میں رہتے!'' طارق نے جھنجلا کر تیزی سے کہا۔

''کیوں؟''

''اِس لیے کہ انہوں نے بغیر کسی وجہ کے میری مدر کو طلاق دی تھی جس کے غم میں وہ ہمیشہ کی بیمار ہو گئیں اور یہ ہی روگ اُن کی زندگی لے گیا اور ہمیں اِس دنیا میں ہمیشہ کے لیے تنہا کر گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ میری مدر کی تباہی کا ذمے دار صرف اور صرف میرا باپ تھا۔'' طارق کے لہجے میں بہت کچھ کھو دینے کا دُکھ تھا۔ اُن دونوں بہن بھائیوں نے نہ باپ کی شفقت دیکھی تھی اور ماں کی ممتا سے وہ محروم کر دیے گئے تھے ایسا انہیں اُن کی آنی نے ہی بتایا تھا۔

''کیا تم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ جیسا تمہیں بتایا گیا وہ ہی درست تھا؟'' احمد شاہ نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے اُس کے پاس بیٹھ کر کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''سر! ہم ہمیشہ اُسے ہی سچ جانتے ہیں جو ہمیں ہمارے بڑے بتاتے ہیں، جیسے وہ ہمیں مختلف چیزوں کی پہچان کے لیے اُن کے نام بتاتے ہیں اِسی طرح کا معاملہ رشتوں کے متعلق بھی ہوتا ہے۔'' طارق کو احمد شاہ کی اِس بحث سے اُلجھن ہونے لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بیٹا! باپ کسی چڑیا، کوّے یا پھر میز کرسی جیسی چیزوں کی پہچان نہیں ہے کہ جو جس نے جتنا بتایا اُس پر اعتبار کرلیا۔ باپ کا رشتہ تو بے حد اہم ہوتا ہے، بچے تو صرف اُس کے متعلق بتانے پر راضی نہیں ہوتے اُن کے اندر کھوج ہوتی ہے۔ کیا آپ کو کبھی تجسس نہیں ہوا!" احمد شاہ کا سوال طارق کو بے چین کرگیا۔

"ہوتا تھا لیکن ہمارے لیے ہمارے موجودہ رشتے اہم تھے، ہم کون سا رشتوں کے معاملے میں امیر تھے، گنے چنے لوگ میرے نانا اور میری خالہ تھے اگر ہمارے سوال ہمارے شک اُن کو بھی ہم سے دور کردیتے تو ہم سوشلی کبھی سروائیو نہ کرسکتے۔ انکل زندگی میں کبھی کبھی ایسی اسٹیج بھی آتی ہے جب انسان کو مجبوراً نفع نقصان دیکھنا ہی پڑتا ہے۔" طارق کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا، وہ جو ہمیشہ سے مضبوط اور سنجیدہ نظر آتا تھا آج اُس سے بالکل الگ دکھائی دے رہا تھا۔ اِس خول کے نیچے آج بھی اُس کی محرومی بول رہی تھی۔

"میرے نانا کہتے تھے کہ انسان اگر بوڑھا بھی ہوجائے تو بھی اُسے اپنے ماں باپ کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے، انکل ہماری زندگیوں میں ماں باپ کا خانہ خالی ہے اور اِس خلا کو کوئی پورا بھی نہیں کرسکتا۔"

"اگر میں کہوں کہ آپ کی زندگی میں یہ خلا پر ہوسکتا ہے تو...؟" احمد شاہ نے بہ غور اُس کا چہرہ دیکھا۔

"مطلب...؟" طارق نے نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"اگر میں کہوں کہ آپ کے والد زندہ ہیں تو...؟" احمد شاہ کی بات سے طارق کے وجود میں زلزلے سے آگئے۔

"سر! کیا میں اِس مذاق کا متحمل ہوسکتا ہوں؟ میں آپ کی بے انتہا عزت کرتا ہوں لیکن اِس طرح کی باتیں مجھے ہرٹ کررہی ہیں۔" طارق نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"میں اب چلتا ہوں سر! مجھے بے حد ضروری کام ہے۔" طارق کا چہرہ بے حد پھیکا پڑچکا تھا۔

"بیٹا! میں معذرت خواہ ہوں کہ میری باتوں سے آپ کا دِل دُکھا لیکن میں تو صرف تصویر کا دُوسرا رُخ آپ کو دکھانا چاہتا تھا۔ آپ پلیز اپنا دِل نہ بُرا کریں۔" احمد شاہ کو واقعتاً طارق کی فکر تھی۔

"سر آپ کے کہنے کا کیا مطلب ہے؟" طارق نے اُلجھ کر اُن سے پوچھا۔

"یہی کہ تمہارے والد زندہ ہیں اور بے حد اچھے انسان ہیں انہوں نے آپ کی والدہ کو اُن کے مجبور کرنے پر چھوڑا تھا۔ آپ لوگوں سے قطع رابطہ کی فرمائش بھی آپ کی والدہ اور خالہ کی تھی۔ چوں کہ آپ کے والد آپ کی والدہ سے بے حد محبت کرتے تھے اِس لیے انہوں نے اُن کی خوشی کی خاطر اپنے بچوں کی بھی قربانی دے دی۔ آپ کی والدہ سے محبت کرنا اُن کا سب سے بڑا قصور بن گیا تھا وہ اِس دوران آپ لوگوں کا خرچ مسلسل بھجواتے رہے ہیں۔ آپ کی خالہ نے اُن کو بھی اطلاع نہیں دی کہ آپ کی والدہ وفات پاچکی ہیں ورنہ وہ کب کا آپ لوگوں کو اپنے پاس بلالیتے۔ اب جب کہ انہیں اچانک ساری صورت حال کا پتہ چل چکا ہے تو وہ آپ سے ملنے کے لیے بے حد تڑپ رہے ہیں۔"

"طارق بیٹا! میں جانتا ہوں کہ ایک دَم سے آپ کے لیے یہ سب کچھ قبول کرنا بے حد مشکل ہوگا۔ لیکن یہ سچ ہے کیا آپ ایک تڑپتے ہوئے باپ کی باپتا کو ٹھنڈک نہیں دو گے؟ یہ ٹھنڈک اُسے صرف اپنے

بیٹے کے سینے سے لگ کر ہی حاصل ہوسکتی ہے!"

"آپ... آپ یہ سب کیسے جانتے ہیں؟" طارق نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

"کیوں کہ آپ کے والد میرے بہت اچھے دوست ہیں اور الحمدللہ وہ زندہ ہیں۔"

"کیا ابو زندہ ہیں؟" طارق کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے تھے، یہ دو آنسو کتنی محرومیوں سے بھرے ہوئے تھے یہ صرف وہ ہی جانتا تھا۔

"ہاں! یہ سچ ہے۔" احمد شاہ نے اُس کا کندھا تھپتھپا کر کہا۔

طارق نے احمد شاہ کو غور سے دیکھا، کتنی عجیب بات تھی کہ ایک اجنبی شخص اُسے بتارہا تھا کہ اُس کا باپ زندہ ہے اور وہ اُس سے بے حد پیار کرتا ہے۔

"آنی... کیا آنی ہم سے جھوٹ بولتی رہیں؟" ایک ناگ کی طرح کا سوال تھا، جس کے اندر بے حد زہر تھا۔ طارق کو اپنے اندر لاوا اُبلتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

❖❖○❖❖

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ...؟" عبدالولی نے بے حد دھیمی آواز میں کہا۔

"ارے آپ...؟" علیزے ایک دَم سے بوکھلا گئی۔

علیزے اسکول سے آنے کے بعد بنا کچھ کھائے پیے سوگئی تھی ابھی ابھی وہ سوکر اُٹھی تھی۔ بغیر دوپٹے میں بے خیالی سے وہ باہر آئی تو سامنے عبدالولی امی کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

"جی!" ولی نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔ اُس نے ایک کے بعد دُوسری نگاہ اُس پر نہ ڈالی۔

علیزے فوراً اندر بھاگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سلیقے سے دوپٹا اوڑھے باہر آئی۔

"امی جان کھانا بنانا ہے؟" علیزے نے ماں کے کان میں سرگوشی کی۔

حالاں کہ وہ دیکھ رہی تھی کہ منزہ نے ٹھیک ٹھاک خرچا کرکے چائے کے لوازمات اُس کے سامنے اکٹھے کررکھے تھے۔ لیکن چوں کہ اُس کی ماں ولی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتی تھیں اِس لیے اُس نے ماں سے ولی کے لیے کھانے کا پوچھا تھا۔ علیزے کے دِل میں ولی کے متعلق بے حد غبار تھا۔ وہ اُسے ایک دم سے بُرا لگنے لگا تھا۔

"نہیں خالہ! مزید تکلف نہ کریں میں بس اب چلتا ہوں۔" ولی نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

علیزے نے بھی صرف اپنی ماں کے لیے پوچھنا تھا اِس لیے وہ خاموشی سے کچن میں چلی آئی جہاں منزہ زور شور سے گڈو کو مختلف ہدایات دے رہی تھی، وہ ولی کے لیے کھانا باہر سے منگوارہی تھی۔

"رہنے دیں، وہ آپ کے کزن تو تشریف لے کر جارہے ہیں۔" علیزے نے کولر سے پانی بھرتے ہوئے بہن کو اطلاع دی۔

"کیا... اتنی جلدی؟ تم رُکو گڈو، میں ذرا پوچھ کر آؤں کہ اتنی جلدی کس بات کی ہے ابھی تو آئے تھے۔" منزہ تیزی سے باہر نکلی۔

"ہونہہ! شہزادہ چارلس ہے نا جس کا پروٹوکول بہت ضروری ہے۔" علیزے منہ ہی منہ میں بڑبڑائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِس شخص کی وجہ سے اُس نے زندگی میں پہلی بار اپنے باپ کی مار کھائی تھی۔

علیزے نے بچی ہوئی چائے کیتلی سے کپ میں انڈیلی اور دو بسکٹ نکال کر پلیٹ میں رکھے اور اندر چلی آئی۔ اُس نے کمرے میں جاتے ہوئے ولی پر نگاہ بھی نہ ڈالی، لیکن امی کی آواز سے لگتا تھا کہ وہ جانے کے لیے بالکل تیار تھا۔ علیزے کے دِل پر ایک بار پھر نامحسوس طریقے سے بوجھ آن گرا تھا۔ اُس دِن کی انسلٹ کے بعد ولی سے اُس کا دِل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھٹا ہو گیا تھا۔

''آپی!'' گڈو کچھ دیر بعد اُس کے سر پر کھڑا پکار رہا تھا۔ علیزے ایک دَم چونکی۔

''ہاں!'' علیزے نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے پوچھا جانے آج اُس پر سستی کیوں سوار تھی، کسی کام میں دِل نہ لگ رہا تھا۔

''آپی! یہ ولی بھائی آپ کے لیے دے کر گئے ہیں، کہہ رہے تھے کہ اُن کے کام کی نمائش لگی ہے آپ ضرور دیکھنے آئیں۔'' علیزے نے مجبوراً اُس سے کارڈ لے کر تھام لیا۔

کارڈ کے باہر ولی کی تصویر اسکیچ کی صورت اور اُس کے کام کی ایک تصویر پرنٹ تھی، کارڈ بے شک بہت خوب صورت اور اٹریکٹیو تھا۔ علیزے نے بے خیالی میں اُسے کھولا تو ایک خط ایک دَم سے اُس کی جھولی میں آن گرا۔

''یہ کیا ہے؟'' علیزے نے خط کھولا۔

پیاری کزن! السلام علیکم!

''ہیں یہ کس کے نام خط ہے۔'' علیزے نے حیرت سے سوچا۔

''میں نے کبھی کسی کو دانستہ دُکھ نہیں دیا میری شعوری، لاشعوری کوشش رہی ہے کہ میں ہمیشہ دوسروں کے لیے سُکھ کا باعث بنوں، ایسا میری ماں کی تربیت میں شامل تھا۔ لیکن پھر ایک دِن یہ کوشش ناکام ہو گئی میں بے حد دُکھی ہوا۔ آپ کی انا کو جو زخم لگا اُس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ کو زندگی کی ہر خوشی ملے آپ کے چہرے پر اطمینان آپ کے نقوش میں شامل ہو جائے۔ کبھی کبھی ہماری زندگی میں ناخوش گوار واقعات ہماری کوشش کے باوجود ہو جاتے ہیں لیکن بڑے دِل والے معاف کر دیتے ہیں۔ زندگی میں معافی کی گنجائش ہی زندگی کو خوشیوں سے بھرتی ہے، میں نے کچھ نہیں کیا لیکن پھر بھی آپ کے ماتھے کے بَل کی وجہ بنا ہوں، یہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ میں جہاں سے شروعات کی توقع رکھتا ہوں وہیں ہی بدمزگی پیدا ہو، یہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔

تو ڈیئر کزن! کیا آپ کی وہ دھیمی سی مہمان نواز مسکراہٹ دوبارہ نہیں مل سکتی؟ میں اپنے ڈسپلے میں ہر روز آپ کا انتظار کروں گا۔ یقین جانیے آپ وہ واحد مہمان ہیں، جس کا میں انتظار کروں گا، آپ آئیں گی تو میں سمجھوں گا کہ آپ کے دِل سے میرے لیے بدگمانی ختم ہو گئی۔ آپ آئیں گی نا؟

منتظر

محمد عبدالولی۔''

علیزے نے حیرت سے خط کو دوبارہ سہ بارہ پڑھ ڈالا۔

''کیا ولی کو الہام ہوا تھا کہ میں اُس سے بے حد بدگمان ہو چکی ہوں۔'' علیزے کو حیرت تھی کہ ولی

اُس کی دلی کیفیت کیسے جان گیا؟ خط کیا تھا ایک عجیب سی اَدبی تحریر تھی جو کچھ کہتے کہتے سب کچھ چھپا رہی تھی، بہ ظاہر خط میں کوئی بھی بات کھلی ڈلی نہ تھی لیکن علیزے کو خط کے لفظوں سے اِک عجیب طرح کی خوشبو آ رہی تھی، وہ اِس احساس کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی البتہ یہ تھا کہ اُس کے دِل پر موجود سارا غبار ایک دَم سے دھل گیا تھا۔

علیزے کیا کانوں میں مسلسل ایک ہی جملہ گھوم رہا تھا۔

''آپ آئیں گی نا؟''

''ہاں میں آؤں گی!'' علیزے کے چہرے کا تناؤ ختم ہو چکا تھا ایک عجیب سے احساس میں وہ گھری ہوئی تھی۔ دل میں ایک عجیب سی کسک سی اُٹھ رہی تھی جس کا الگ ہی مزا تھا۔

''مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' علیزے نے گھبرا کر خود سے سوال کیا، لیکن ابھی تک وہ اپنی کیفیت کو پہچان نہ پا رہی تھی۔

❖❖○❖❖

''بی بی جی... بی بی جی وہ... وہ مسکان بی بی کو جانے کیا ہو گیا ہے۔'' ملازمہ دوڑتی آپا اماں کے پاس آئی۔

آپا اماں جو وضو کر کے غسل خانے سے نکلی تھیں، ننگے پاؤں مسکان کے کمرے کی جانب دوڑیں۔

''مُسکان!'' آپا اماں کی چیخ بے اختیار تھی۔

''مُسکان!'' سید سرفراز علی کو بھی کسی نے اطلاع کر دی تھی وہ بھی پریشانی سے بھاگے آئے۔

مسکان کی ناک سے خون بہنے لگا تھا۔

''میرے اللہ!'' آپا اماں نے روتے ہوئے مسکان کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''مسکان میری جان آنکھیں کھولو۔'' آپا اماں نے بے سدھ مسکان کو ہلاتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا ہے اِسے...؟'' سید سرفراز علی کی آواز دُکھ سے پھٹ رہی تھی۔ مسکان کی تکلیف کو دیکھ کر اُن کا دِل ڈوبنے لگا، جانے کیوں اِس بچی میں اُن کی جان بند تھی۔

''تم نے ہی اِسے اِس مقام تک پہنچایا ہے اب مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ اِسے کیا ہوا ہے۔'' آپا اماں نے روتے ہوئے کہا۔

''صدیق کو کہو گاڑی نکالے، مسکان کو ہسپتال لے جانا ہے۔'' سید سرفراز نے چلّا کر ملازمہ سے کہا۔

''سید سرفراز! تم ایک اور سدرہ بی بی کو جنم دے چکے ہو، تمہارے فیصلے کب تک اِس حویلی کی بیٹیوں کو ماریں گے؟'' آپا اماں نے چلا کر کہا۔

''سدرہ! سدرہ...؟'' سید سرفراز نے ایک پَل کو ٹھٹک کر آپا اماں کو دیکھا۔ انہوں نے بے اختیار مُسکان کا چہرہ دیکھا جو ہو بہو سدرہ جیسا لگنے لگا تھا۔

ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئیں پیلی پھیکی رنگت، ہڈیوں کا ڈھانچا! سید سرفراز علی کو ایک دم جھرجھری آ گئی، یہ تو اُن کی اپنی بیٹی تھی۔ چند ہی دِنوں میں مسکان کا چہرہ اُتر کر رہ گیا تھا۔

''تو کیا واقعی مسکان بھی سدرہ کے انجام تک پہنچ جائے گی...؟'' سید سرفراز علی بے چینی کے اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عروج کو محسوس کر رہے تھے، جہاں سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

❖❖○❖❖

سید سرفراز علی کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا سدرہ اُن کے پلان کے متعلق جان گئی تھی۔ سدرہ کی زبان بند کرنا بے حد ضروری تھا لیکن فی الحال سید سرفراز علی سدرہ سے اُلجھ کر اپنا بھرم نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

"میرے تو ستارے ہی گردش میں ہیں، عبداللہ کا ایک دَم زمینوں کے معاملات میں دخل دینا، عائشہ کا عبداللہ سے نکاح ہونا! اب اُس کی ساری زمین عبداللہ کے ہاتھ لگنے والی تھی۔ اب جب اُس نے عبداللہ کو مروانے کا پلان طے کروایا تھا تو ڈاکٹر فیصل سامنے آ گیا اور آج یہ سدرہ سامنے آ گئی تھی۔

"سید سرفراز! تم کو یہ حملہ روکنا ہوگا ورنہ سدرہ منہ کھول دے گی اور وہ بات خطرناک ہو جائے گی۔" سید سرفراز کے پاس وقت بہت تھوڑا تھا۔ سید نوازش علی نے پیغام بھجوایا تھا کہ وہ باہر آ جائے گاڑیاں روانگی کے لیے بالکل تیار تھیں۔

"لمّاں جان! میرا کام کروادیں گی لیکن کیا وہ اِس بات پر خفا نہ ہوں گی کہ گاڑی میں بابا سائیں کی موجودگی کے باوجود میں نے حملہ کروایا۔" سید سرفراز نے پریشانی سے ماتھا مسلا، وہ بُری طرح پھنس گیا تھا۔ اُس نے اپنے خاص بندے کو بلایا تھا وہ اپنے کمرے میں اُس کا انتظار کر رہا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ اُس نے کسی آدمی کو اپنے کمرے میں بلایا ہو۔

بختاور کو سید سرفراز کے کمرے میں جاتے سدرہ نے دیکھا تو دبے پاؤں وہ بھی سرفراز کے کمرے کے دروازے کے باہر جا کھڑی ہوئی۔ سید سرفراز علی بے حد بوکھلایا ہوا تھا اُس نے ہر طرح کے حملے سے منع کر دیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ بھائی صاحب اپنے ہی بھائی اور باپ کی جان کے دشمن بن گئے۔ لیکن بھائی صاحب! میں آپ کے ارادے پورے ہرگز نہ ہونے دوں گی۔" سدرہ تیزی سے وہاں سے ہٹی۔

"اللہ میاں! میں کیا کروں کہ سید سرفراز اپنے ارادوں سے باز آ جائے!" سدرہ تیزی سے سید عبداللہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔

سید عبداللہ غالباً نکل چکا تھا اُس کا کمرا خالی تھا۔

"ہائے ربا! بھائی تو نکل گیا۔" سدرہ باہر بھاگی، نذیراں دیکھو بابا سائیں نکل گئے ہیں اگر نہیں تو عبداللہ بھائی کو اندر بھیجو میری بات سننے کے لیے۔" سدرہ نے جلدی سے ملازمہ کو باہر بھیجا۔

"اگر وہ نکل گئے تو...!" وہ بے حد فکرمند ہو رہی تھی۔

"یا میرے اللہ! میرے ویر کی خیر کرنا۔" سدرہ نے دِل سے دُعا کی، ویسے فی الحال سرفراز نے حملے سے منع کر دیا ہے لیکن اگر آئندہ اُس نے عبداللہ بھائی کو سفر کے دوران ہی.... " سدرہ کو جھرجھری آنے لگی۔

"اللہ نہ کرے!" اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"بی بی جی! وہ ابھی ابھی نکلے ہیں۔" نذیراں نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"اچھا!"

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔" سدرہ کا رُخ اب اپنی ماں کے کمرے کی جانب تھا۔

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے نا، تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" زلیخا بی بی سدرہ کا پیلا فق چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گئیں، سدرہ اُن کے کندھے سے لگ کر ایک دَم پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور ساتھ ہی ساری بات کہہ سنائی۔

"یا میرے اللہ!" زلیخا بی بی کا وجود اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ لالچ وہ بلا ہے، جو دُکھ سُکھ اور سانجھ کا ہر رشتہ کھا جاتی ہے۔ حرص وہ دیمک ہے، جو انسان میں سے انسانیت کو کھا جاتی ہے اور پیچھے بس حیوانیت باقی رہتی ہے اور حیوان تو ہوتا ہی شیطان کے قریب ہے، سید سرفراز کا لالچ اور حرص بھی اُسے شیطان کا روپ دے گئے تھے۔

"لمّاں جان! کچھ کریں، بھائی کی جان کو مسلسل خطرہ ہے۔"

"سدرہ بیٹی! تم ٹھیک کہتی ہو اب مجھے کچھ کرنا ہی ہوگا اور وہ کرنا ہوگا، جو مجھے بہت شروع میں کرنا چاہیے تھا۔" زلیخا بی بی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

"آپ... آپ کیا کریں گی؟" سدرہ نے اپنی سُرخ آنکھوں کو چادر سے رگڑتے ہوئے کہا۔

"میں اب بٹوارہ کروں گی، بڑی اولاد اور چھوٹی اولاد کے درمیان حویلیاں اور زمین برابر تقسیم ہوں گی اور میری زمین صرف اور صرف میرے بیٹے اور بیٹیوں کے نام ہے، سرفراز نے میری نرمی کا ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے زمین اور حکم رانی کے نشے میں وہ میرے ہی بچے کا دشمن ہو گیا وہ یہ بھول گیا کہ اصل مالک صرف اور صرف عبداللہ ہے۔ زمینوں کی معاملات کی دیکھ بھال کرنے سے کوئی اُس کا مالک کیسے بن سکتا ہے؟ میرے بچے کو خدانخواستہ ایک خراش بھی آئی تو سرفراز کو اُس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔" زلیخا بی بی شیرنی کی طرح بپھری ہوئی تھیں ایک عورت بے شک کمزور ہو سکتی ہے لیکن ایک ماں ہرگز کمزور نہیں ہوتی۔

"اگر میرے بچے کو کچھ ہوا تو سید سرفراز علی... تم کو ایک دھیلا نہیں ملے گا!" زلیخا بی بی کا لہجہ ہی نہیں پورا وجود جل رہا تھا۔

"بشیراں کو کہو گاڑی تیار کروائے کہ بڑی بی بی اپنے بھائی کے ہاں جائیں گی۔" زلیخا بی بی نے سدرہ سے کہا، زلیخا بی بی کے اپنے تو کوئی بھائی نہ تھے، سات عدد چچا زاد تھے، زلیخا بی بی کے بابا نے اُن سب کی پرورش کی تھی۔ زلیخا بی بی کو وہ اپنی سگی بہن مانتے تھے۔

"سرفراز! میں سات بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں۔ میرے باپ سے اُن کی اتنی شدید محبت تھی کہ وہ میرے لیے اپنی جان تک قربان کر سکتے ہیں۔ میں عبداللہ کے گرد اللہ اور اُس کے رسولؐ کے بعد اپنے بھائیوں کی ایک ایسی مضبوط دیوار بنادوں گی کہ تم کبھی میرے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔" زلیخا بی بی نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سوچا اُن کے چہرے پر بے حد تاسف بکھرا ہوا تھا۔

"جس بچے کو انہوں نے ہمیشہ اپنے بیٹے کی طرح جانا، وہ جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لقمے کھلا کر بڑا کیا تھا، اُن کی گود میں سوتا تھا آج لالچ و حرص میں آ کر اُن کی گود اُجاڑنے کے درپہ تھا۔" زلیخا بی بی کی آنکھوں سے دو آنسو بے اختیار ٹپکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب جب اعتبار ٹوٹتے ہیں تب تب وہ دنیا بھی تو ٹوٹ جاتی ہے جو کسی پر اعتبار کر کے آپ بناتے ہیں۔'' زلیخا بی بی کے دِل کی دنیا میں ہلچل مچی تھی۔

''سرفراز! تم اگر منہ سے مانگ لیتے تو کیا تمہاری چھوٹی ماں تم کو زمین نہ دیتی، کاش تم میرا اعتبار توڑنے سے پہلے مجھ پر اعتبار کر لیتے۔'' زلیخا بی بی کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

''اللہ سوہنے میرے عبداللہ کی حفاظت کرنا۔'' انہوں نے بے اختیار دُعا کی۔

❖❖○❖❖

تمام عمر تمہیں زندگی کا پیار ملے
خدا کرے یہ خوشی تم کو بار بار ملے
کِھلے رہیں یہ سدا پھول تیری راہوں میں
قدم قدم پر تجھے موسمِ بہار ملے

یہ کارڈ چاند نے زبیدہ کو اُس کی اٹھارہویں سالگرہ پر دیا تھا۔ کس قدر وہ اُس کا خیال کرتا تھا اُس کا بہترین دوست تھا۔ اب اُس کی آنکھوں میں ہر وقت نفرت کی لہریں اُٹھتی تھیں، زبیدہ جو سید سرفراز کی بے وفائی سے پہلے ہی ٹوٹ چکی تھی ایسے میں چاند کی سردمہری اُسے مزید توڑ رہی تھی۔ وہ جہاں جاتی وہ وہاں سے اُٹھ جاتا، اگر تائی جی اُسے مجبور کر کے کھانے کی میز تک لے آتیں تو چاند کسی نہ کسی بہانے فوراً وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ وہ زبیدہ سے یوں کتراتا، جیسے وہ اُس کا چہرہ نہ دیکھنا چاہتا ہو۔

''اگر میرا بچپن کا ساتھی، میرا دوست مجھ سے اِس قدر نفرت کر سکتا ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ جس کسی کو میرے حالات پتا چلیں گے وہ مجھ سے نفرت کرے گا۔ میں نے کام ہی قابلِ نفرت کیا ہے! لیکن میں نے تو صرف محبت کی تھی جو لوگ زندگی کے معاملات میں حد توڑتے ہیں وہ ہی باغی ہوتے ہیں وہ ہی نہ ماننے والے، وہی منکر ہوتے ہیں اور سزا تو منکروں کو ہی ملتی ہے۔

ہر چیز کی حد ہوتی ہے، ہر بات کا ایک دائرہ ہوتا ہے اور دائرے سے نکلی ہوئی بات اُس خراب پینٹنگ کی طرح لگتی ہے جس کا رنگ باہر نکل آیا ہو۔

''میرے اللہ! کس قدر مشکل احساس ہے ایک ناپاکیزگی کا احساس! میں نے محبت کے نام پر دھوکا کھایا میں نے یقین کی حد پار کر دی میں، میں گناہ گار ہوں!'' زبیدہ فرسٹریشن کی حدود کراس کر رہی تھی، سوچوں اور پچھتاووں نے اُسے ادھ موا کر دیا تھا۔

رات میں سوتے ہوئے جو خواب اُسے رنگین دنیا میں لے جاتے تھے اب اُن خوابوں کا ہیرو ایک دَم بھیانک شکل والا وِلن بن گیا تھا۔ اُس کی ڈراؤنی شکل اُسے سوتے جاگتے، جب جب یاد آتی وہ بُری طرح ڈر جاتی تھی۔

وہ سید سرفراز کا لمس! اب یوں لگتا تھا کہ اُس کے جسم پر ہر وقت ناگ سرسراتے رہتے ہیں، سانپوں کے سرسرانے کے تصور سے اُسے کراہیت آنے لگی، اپنا آپ اُسے بے حد گندا لگا کرتا تھا۔

''زبیدہ! زبیدہ بیٹے!'' تائی امی اُسے ڈھونڈتی ہوئی اُس کے کمرے میں داخل ہوئیں، وہ کمرے میں نہ تھی۔

''زبیدہ!'' انہوں نے اُسے دوبارہ آواز دی۔

''شاید غسل خانے میں ہے۔'' انہوں نے غسل خانے میں چلتے ہوئے پانی کی آواز سُن کر سوچا۔

''زبیدہ!'' انہوں نے باتھ روم کے کھلے دروازے سے جھانک کر اُسے پکارا۔ وہ یوں کھڑی تھی جیسے اُس نے اُن کی آواز سنی ہی نہ ہو، وہ بہت مگن انداز میں مسلسل صابن مل مل کر ہاتھ دھو رہی تھی۔

تائی امی نے جب کافی دیر سے اُسے فارغ نہ ہوتے دیکھا تو وہ آگے بڑھیں۔

''بیٹا کیا لگ گیا ہے ہاتھوں پر جو مسلسل دھوئے جارہی ہو۔'' تائی امی نے اُس کے غیر معمولی تاثرات والے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔ جب کہ زبیدہ اپنے کام میں مسلسل مگن تھی۔ اُس نے صابن سے ہاتھ دھو دھو کر صابن تقریباً ختم کر دیا تھا۔

''زبیدہ! میں تم سے بات کر رہی ہوں بیٹا! کیا ہوا ہے جو ہاتھ دھوئے جارہی ہو۔''

''تائی امی! میرے ہاتھ گندے ہو گئے ہیں وہ دھو رہی تھی!'' زبیدہ نے سرسراتی آواز میں کہا۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ تھی۔ پھر وہ ایک دَم باتھ ٹب پر بیٹھ کر صابن اپنے جسم پر ملنے لگی۔

''ارے... ارے یہ کیا کر رہی ہو۔'' تائی امی نے پریشانی سے پوچھا۔

''گندگی صاف کر رہی ہوں، میرے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ میرا وجود بھی گندا ہو گیا ہے۔'' زبیدہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

''زبیدہ! تمہارا دماغ ٹھیک ہے، اُٹھو بیمار پڑنا ہے کیا؟'' تائی امی نے اُسے گھسیٹ کر اُٹھانا چاہا۔

''نہیں، نہیں! مجھے گند اُتارنے دو۔'' زبیدہ نے اصرار کیا۔

دماغ خراب ہو گیا ہے زبیدہ! کہاں لگی ہے گندگی اور کیسے لگ گئی گندگی؟'' تائی امی نے زبیدہ کو ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔

''دماغ نہیں، قسمت خراب ہو گئی ہے تائی امی!'' زبیدہ ایک دَم صابن لگے ہاتھوں کو منہ پر رکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

تائی امی کی جھنجلاہٹ گہرے تفکر میں بدل گئی۔

''زبیدہ بیٹا کیا ہوا؟ اللہ نہ کرے تمہاری قسمت خراب ہو۔'' تائی امی کا لہجہ رُندھ گیا۔ بیوگی کی کرب ناک زندگی گزارتے وہ بے حد کمزور دل اور کمزور اعصاب کی مالک ہو گئی تھیں۔

''تائی امی! سب کچھ برباد ہو گیا! سب کچھ گندا ہو گیا!'' زبیدہ نے شاور کے نیچے کھڑے ہو کر پانی کھول دیا، خود تو وہ جو بھیگ رہی ہی تھی دروازے میں کھڑی تائی امی کو بھی بھگو دیا۔

تائی امی پر سے تو جیسے ٹرین گزر گئی تھی، زبیدہ کے جملے عام سے جملے ہرگز نہ تھے وہ اِن جملوں کے جو معنی جو سمجھ رہی تھیں اللہ نہ کرے اُس کے معنی وہ ہوں۔'' انہوں نے دھڑکتے دِل سے زبیدہ کو دیکھا۔

''زبیدہ! کیا، کیا ہے تم نے۔'' اُن کا لہجہ سرسرا رہا تھا۔ وہ اُسے گھسیٹ کر باہر لے آئیں۔

''میں! میں گناہ گار ہوں۔'' زبیدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میرا پورا وجود گندا ہو گیا ہے۔''

''زبیدہ ٹھیک سے بولو، میرا دِل تو بیٹھا جارہا ہے۔'' تائی امی نے اُس کا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے

پوچھا۔

''تائی امی! میں... مجھ سے، محبت کے دھوکے میں بہت بڑی بھول ہوگئی اب... اب آپ کی زبیدہ پہلے جیسی پاکیزہ نہیں رہی!'' ساتھ ہی زبیدہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

زبیدہ کا جملہ کسی بلڈوزر کی طرح کچلتا ہوا تائی امی کے پورے وجود کو تہس نہس کر گیا۔

''نہیں...!'' باتھ روم میں ان کی چیخ گونجی۔

تائی امی کی شدتِ دُکھ سے آنکھیں پھٹی جارہی تھیں۔

❀

''کہیں پہ نگاہیں کہیں پہ نشانہ!'' ٹی ٹو، ولی کے پاس آ کر گنگنایا۔

''مطلب؟'' ولی نے فشنگ وائر سے ایک ہورڈنگ کو دیوار سے لٹکاتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب صاف ظاہر ہے، روبن نیل کی طرح شفاف چمک دار کہ جناب کو کسی کا انتظار ہے تب ہی تو نگاہیں دیوار کے ساتھ صمد بانڈ کی طرح چپک گئی ہیں اور ہر آنے والی لڑکی کو یوں دیکھتے ہیں جیسے چاکلیٹ کے بجائے ڈسپرین کی گولی منہ میں آ گئی ہو۔''

''یار کیا بکواس ہے!'' ولی بےساختہ مسکرایا۔

''تمہاری بے تکی باتوں کا میرے پاس تو کوئی جواب نہیں ہے البتہ تم ڈیزائن کی تھیوری پڑھ پڑھ کر اب پروڈکٹ یاد کر کے بیٹھے ہو۔''

''ارے چھوڑیئے، اس بڑھاپے میں بوڑھے طوطے آخر کیا پڑھیں گے۔ رٹا لگا کر دماغ پولا (پلپلا) ہوگیا ہے۔'' ٹی ٹو نے ہاتھ میں پکڑا ہوا برگر کھاتے ہوئے کہا۔

''لگ رہا ہے کہ تمہارا دماغ کس قدر پولا ہو چکا ہے، یار کبھی تمہارا پیٹ کھا کھا کر پولا نہیں ہوتا۔'' ولی واقعی حیران ہوتا تھا کہ ٹی ٹو اتنا کھا کیسے لیتا ہے۔

''جب مجھے شدید ٹینشن ہوتی ہے تو میں کھانا کھا کر اپنی ٹینشن دور کرتا ہوں، لیکن آپ یہ سب باتیں چھوڑیں اور اصل بات بتائیں کہ آج آپ کو کس کا انتظار ہے؟'' ٹی ٹو گھوم پھر کر واپس اصل موضوع پر آگیا تھا۔

''ارے نہیں! تم کو یہ کس نے کہہ دیا۔'' ولی نے صاف مکرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری آنکھوں نے یار! اب تم مجھ سے چھپاؤ گے تو میں باقاعدہ ناراض ہو جاؤں گا۔'' ٹی ٹو نے منہ پھلا کر کہا۔

''اچھا وہ آئے گی تو خود دیکھ لینا۔'' ولی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بلے او بلے! تو ہمارے پرنس کو بھی وہ مرض لگ ہی گیا، جس سے وہ ساری عمر پرہیز کرتے رہے، اگر وہ ہے کون؟ کیا وہی ڈیئر کزن، جس کا نام سن کر بے چاری مسکان مرنے کے قریب پہنچ گئی تھی۔'' ٹی ٹو نے مذاق، مذاق میں ولی کو کچھ احساس دلانے کی کوشش کی۔

''یہاں مسکان کا کیا ذکر؟'' ولی کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہوگئی۔

''کیا تمہارے انکار سے حقیقت بدل جائے گی؟ تم نے تو اُس معصوم لڑکی کو مڑ کر بھی نہ پوچھا۔'' ٹی ٹو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو سائرہ نے ساری بات بتادی تھی۔

"اُس معصوم لڑکی کو میں نے نہیں کہا تھا کہ مجھ سے محبت کرے۔" ولی نے اپنا ماتھا مسل کر کہا۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی مسکان کے نام سے، اُس کے ذکر پہ بے چین ہو جاتا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ تم کچھ زیادہ روڈ ہو رہے ہو۔" ٹی ٹو نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں روڈ نہیں ہو رہا، میں تو... میں تو یار! کیا مصیبت ہے، بنا کسی قصور کے سب مجھے ہی قصور وار ٹھہرانے لگے ہیں۔ ٹھیک ہے وہ بہت اچھی لڑکی ہے لیکن میں اُس کے لیے کسی دوسری قسم کی سوچ نہیں رکھتا۔" ولی کا موڈ ایک دم پھر خراب ہو گیا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ دلوں کے سودے زبردستی کے مول نہیں ملتے۔ پھر یہ کوئی ایک آدھ دن کی بات تو نہیں تھی ساری زندگی کا مسئلہ تھا، تم پلیز مجھے آئندہ اِس مسئلے میں شامل نہ کرنا۔" ولی اسٹول سے اُتر کر تیزی سے باہر نکلا اور سامنے کسی سے بُری طرح ٹکرا گیا۔

"یا وحشت! کیا آنکھیں نہیں ہیں۔" ولی خلاف مزاج بولا، لیکن سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر اُس کی ساری کوفت اُڑن چھو ہو گئی، دِل میں مسکان والے قصّے کی وجہ سے جو کڑی دھوپ جیسا موسم تھا، اُس پہ بڑی ٹھنڈی میٹھی پھوار پڑی تھی اور ولی کے لب خود بہ خود مسکرائے تھے۔

"آپ؟" ولی نے اپنی مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"آپ ہی نے تو یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔" علیزے نے دھیمی سی مسکان کے ساتھ جواب دیا۔ وہ کچھ بوکھلائی ہوئی تھی، جس لڑکی نے ساری عمر کو ایجوکیشن کی شکل نہ دیکھی تھی وہ ایک دم سے ایسے ماحول کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی، جہاں لڑکے لڑکیاں اکٹھے بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔

یہ تو کوئی اور ہی دنیا تھی، خود اعتمادی اور بولڈنیس یہاں کے طالب علموں کا خاصا تھی۔ ایسے میں ذرا لم وژن والا بندہ اپنے آپ کو بدھو ہی تصور کرتا تھا۔ علیزے کی سفید رنگت بے حد سرخ ہو رہی تھی اور وہ جب جب گھبراتی یا شرمندہ ہوتی اُس کے چہرے کی رنگت ایک دم سے بدل جاتی تھی۔

"آئیے اندر آئیے میں آپ کو اپنا کام دکھاؤں۔" ولی نے اُس کو دِل چسپی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ دِل! یہ دِل انسان کو کہاں کہاں نہیں خوار کرتا، ولی جیسا جینئس انسان کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُسے اتنی سادہ اور عام سی لڑکی بھا جائے گی، جو یوں کو ایجوکیشن والے ادارے میں پہنچ کر بوکھلا جائے گی جیسے کسی اور سیارے میں آ گئی ہو۔

"تم جو بڑے بڑے جینئس قسم کے جنوں کو کچھ نہیں سمجھتے، تمہاری ہونے والی شریکِ زندگی میں تو خود اعتمادی اتنی سی ہے کہ یہاں آتے آتے اُس کا سانس پھولا ہوا ہے۔" ولی نے علیزے کو دیکھتے ہوئے سوچا، جو ڈری ہوئی ہرنی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ واقعی آپ نے بنایا ہے اتنا کچھ!" حُسن حیرت سے پوچھتے قیامت لگ رہا تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" ولی نے اُس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ اُونچے لمبے ولی کے سامنے وہ گڑیا سی لگ رہی تھی۔

"آپ تو اتنے چھوٹے سے ہیں، یقین نہیں آتا کہ یہ کام آپ نے خود کیا ہوگا۔" علیزے نے

معصومیت سے جواب دیا۔

"چھوٹا سا ہوں! مطلب؟" ولی نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے آپ تو کم عمر ہیں یہ تو کسی میچور اور بڑی عمر کے آرٹسٹ کا کام لگتا ہے۔" علیزے نے آٹھ نو فٹ بلند ایک بڑے سے اسکیچر کو دیکھتے ہوئے کہا، جسے ولی نے بڑی بڑی سنگل نما زنجیروں سے باندھ کر چھت کے ساتھ لٹکایا تھا۔ یہ مجسمہ تھری ڈی بنایا گیا تھا ہومین والکینس ٹاپک تھا اور یہ بے حد شان دار تھا۔

"اچھا کام کرنے کے لیے کسی کا بڑی عمر کا ہونا شرط نہیں ہوتا، اس کے لیے اندر سے کری ایٹو ہونا اور لگن رکھنا ضروری ہے۔" ولی نے دھیرے سے جواب دیا۔

"لیکن اتنا پرفیکٹ کام واقعی حیران کر رہا ہے۔" علیزے نے تعریفی نگاہوں سے بڑے سے ہال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ہمیشہ کوشش کرتا ہوں کہ کوئی بھی کام کروں اُسے پرفیکٹ کروں۔" ولی نے کسی قدر شدت سے جواب دیا۔

"کبھی کبھی انسان کو سب کچھ پرفیکٹ نہیں بھی ملتا۔" علیزے نے بہت گہری بات کی، ولی کے چلتے ہوئے قدم رُک گئے۔

"آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں، میں نے آپ سے یہ نہیں کہا کہ میں ہمیشہ پرفیکٹ چیز کی ڈیمانڈ کرتا ہوں۔ میں نے تو آپ سے یہ کہا ہے کہ میں پرفیکٹ کام کرنے کی کوشش کرتا ہوں آپ اندازہ لگانے میں جلدی نہ کیا کریں۔"

"سوری! آپ کو میری بات بُری لگی۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے، لیکن مجھے آپ کی جلد بازی بُری لگی ہے۔ آپ رائے بہت جلد بنا لیتی ہیں۔"

"مطلب؟" علیزے نے پہلی بار ولی کو باقاعدہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ آپ جس طرح پہلے مجھ سے ناراض ہوئی تھیں کیا وہ انصاف تھا۔"

"لیکن اُس سب کی وجہ تو آپ ہی بنے تھے نا! نہ آپ اتنے سارے پیسے لے کر آتے نہ یہ جھگڑا پیدا ہوتا۔" علیزے نے صاف گوئی سے کہا۔

"دیکھو ڈیئر کزن! میں اپنے والدین کے حکم سے آیا تھا، وہ برسوں سے اپنی بہن کو کچھ نہ کچھ تحفے کے طور پر دیتے آئے ہیں یہ کوئی صدقہ خیرات نہیں ہوتا، جس پر بُرا مانا جائے۔ صدقہ خیرات کے لیے ہر کافی مستحق لوگ موجود ہیں۔"

"ولی صاحب! تحفہ برابر کا ہوتا ہے، تحفہ وہ ہی قبول کیا جاتا ہے، جتنا انسان لوٹا سکے۔" علیزے نے بے دبے غصّے سے جواب دیا۔

"تحفہ بدلہ لینے کے لیے نہیں دیا جاتا۔" ولی نے کہا۔

"اگر یہ صدقہ خیرات نہیں ہے تو رشتے داری میں لین دین برابر کا ہو تو بات آگے چلتی ہے۔"

"کیا کوئی اپنے غریب بہن بھائی کی مدد نہیں کر سکتا... اُس کو وہ رقم تحفے کے طور پر نہیں دے سکتا تا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُسے شرمندگی نہ ہو۔" ولی کو علیزے کو رام کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"دے لیکن وہاں، جہاں ساری عمر کا مسئلہ ہو، وہاں دینے سے گریز کرنا چاہیے۔" علیزے نے پھولے پھولے منہ کے ساتھ کہا۔

"مطلب؟" ولی نے نا سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب آپ نہیں جانتے میرے ابو اِس باہر سے آنے والی امداد کی وجہ سے بالکل لاپروا ہو چکے ہیں۔ وہ محنت نہیں کرتے بس جو لگی بندھی تنخواہ آتی ہے وہ ہی برسوں سے چل رہی ہے۔ اگر انکل ام یوں ہر سال چھ ماہ بعد لاکھ ڈیڑھ لاکھ نہ دیا کرتے تو شاید ابو کی سدا کی کاہلی ختم ہو جاتی، نہ آپ اسپون فیڈنگ بند کرتے ہیں اور نہ ہی ہمارے گھر کے حالات سُدھرتے ہیں اور اپنے گھر کے بگڑے ہوئے حالات دیکھ کر مجھے غصہ ہی آئے گا نا۔" علیزے نے نہایت صاف گوئی سے کہا۔

ولی نے بہت غور سے اُسے دیکھا، ایسے ہی تو تمہارا دِل اِس لڑکی کا حامی نہیں ہوا۔ اِس لڑکی میں خود اعتمادی نہ تھی تو کیا ہوا! She was the Girl with the values! اور صرف Values ہی ہوتی ہیں جو کسی معاشرے کو کسی گھر کو کھڑا رکھتی ہیں۔ ولی بھی اپنی شریکِ زندگی کو اتنا ہی خود دار دیکھنا چاہتا تھا اور وہ اتنی ہی سچی ہونی چاہیے تھی جو بلا خوف اپنے اور اپنے اِرد گرد کے متعلق سچ بول سکتی ہو۔

"ٹھیک ہے علیزے! آپ درست کہہ رہی ہیں۔" ولی نے اُسے بے حد غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ایک دیوار گیر میورل کے پاس کھڑے تھے۔

"آپ اِس کو غور سے دیکھیں، میں چاہتا ہوں کہ اِس کو آپ جانیں کہ یہ میورل کیا کہہ رہا ہے؟" ولی نے لہجے کے ساتھ ایک دم ٹاپک بھی بدل دیا۔

علیزے نے اُس کے کہنے پر بہ غور اُس میورل کو دیکھا اور پھر ایک دم سے چونک گئی۔

"یہ... یہ تو میں ہوں!" علیزے کی حیرت ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"لیکن آپ نے یہ زبانی کیسے بنائی؟" علیزے نے حیرت سے پوچھا۔

"جن کی تصویر دِل میں موجود ہو انہیں کاغذ پر اُتارنا مشکل نہیں ہوتا۔" ولی اقرار کر رہا تھا۔

علیزے سے نگاہ اُٹھانا مشکل ہو گیا تھا۔

"علیزے! میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں بھی کبھی دِل کا تابع دار ہو جاؤں گا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ تم نے اِس دِل کو جو سب کے لیے غیر مفتوحہ قلعہ رہا، فتح کر لیا ہے۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنی زندگی کے آنے والے سال تمہارے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔" ولی نے بے حد دھیمی آواز میں کہا۔ اِرد گرد بہت سے لوگ نمائش دیکھ رہے تھے لیکن ولی کو کسی کا کوئی ڈر خوف نہ تھا۔

"جی!!" علیزے نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ حیرت سے پوچھا۔

"حیران بعد میں ہو لینا، پہلے میرے سوال کا جواب دو..." ولی نے اُس سے کچھ ڈپٹ کر کہا۔

"میں... میں بھلا خود سے کیسے کوئی فیصلہ کر سکتی ہوں۔" علیزے نے دھڑ دھڑ کرتے دِل کے ساتھ جواب دیا۔ وہ جو آسمان کا چاند تھا، اُس کی جھولی میں گرنے کو بے تاب تھا۔ علیزے کو اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"مجھے تم سے پہلے ہاں سننا ہے، پھر میں امّاں جان کو تمہارے گھر بھیجوں گا۔" ولی نے اُس کو بہ غور دیکھا، علیزے کو بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

"یہ میں نے تمہارے لیے لی ہے اگر تم اس کو پہن لو گی تو میں تمہارا جواب ہاں میں سمجھوں گا۔" ولی نے ایک خوب صورت سی گولڈ کی پائل اُس کے سامنے کی۔

"یہ... یہ کیا ہے؟" علیزے نے بے حد حیرت سے اُس گولڈ کی خوب صورت پائل کو دیکھا۔

"یہ میں نے بہت برس پہلے سنگاپور سے خریدی تھی۔ یہ مجھے بے حد یونیک لگی تھی ظاہر ہے یہ میں نے امّاں یا بُنکی کے لیے نہیں خریدی تھی، جس طرح کی یہ یونیک سی تھی میرے خیال میں آیا تھا کہ میں اسے اپنی زندگی میں آنے والی اہم شخصیت کو دوں گا۔ اور تم ہی ہو وہ، جو میرے تصور پر پوری اُترتی ہو اور یہ تمہارے ہی لیے ہے۔" ولی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر پائل اُسے تھما دی، ڈیڑھ دو انچ چوڑی یہ پائل بے حد بھاری تھی۔

"یہ... اِس قدر قیمتی چیز میں کیسے لے سکتی ہوں۔" علیزے نے بوکھلا کر کہا۔

"اِس لیے کہ مجھے تمہارا جواب ہاں میں سننا ہے۔" ولی نے شوخی سے کہا۔

"نہیں! میں یہ نہیں لے سکتی۔" علیزے کے ایک دم کہنے سے ولی کے چہرے پر سایہ لہرا گیا۔

"تو تمہیں میں نہیں پسند!" ولی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں! میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" علیزے نے ایک دم پریشان ہو کر کہا۔

"تو پھر بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو؟"

"نہیں! آپ تو مجھے پسند ہیں لیکن میری ہاں کے ساتھ یہ تحفہ مشروط نہ کریں، میں یہ تحفہ تب ہی پہنوں گی، جب میں اس کی باقاعدہ حق دار ہو جاؤں گی۔" علیزے نے نگاہیں جھکائے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے آپ اس کو میری امانت جان کر رکھ لیں اور جب آپ اس کی حق دار بن جائیں تب پہن کر مجھے دکھا دیجیے گا۔" ولی نے ہاتھ پیچھے کر کے پائل لینے سے انکار کر دیا۔

"اچھی زبردستی ہے!" علیزے نے پریشان ہو کر کہا۔

"صرف آپ سے۔" ولی نے بے ساختہ کہا، علیزے بھی ایک دم مسکرا دی۔

"تو پھر میں امّاں کو بھیجوں؟" ولی نے اُسے بہ غور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں!" علیزے نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" اُس نے ایک دم کہا۔

"لیکن آپ جائیں گی کیسے؟" ولی نے فکر مندی سے پوچھا۔

"جیسے آئی تھی، میری کولیگ کی کزن بھی یہاں پڑھتی ہے وہ بھی اُس کا کام دیکھنے آئی ہے میں بھی اُس کے ساتھ ہی آئی تھی اب اُس کے ساتھ ہی جاؤں گی، اُس کی کزن کا کام تو کالج میں داخل ہوتے ہی سامنے کوریڈور میں لگا ہوا ہے، وہ میرا وہیں انتظار کر رہی ہوگی۔"

"چلیے میں آپ کو وہاں تک چھوڑ آتا ہوں۔" ولی نے اُس سے کہا۔

"ٹی ٹو میں ابھی آتا ہوں۔" ولی نے کچھ فاصلے پر بیٹھے ٹی ٹو سے کہا، جو اتنی دیر سے مسلسل اُسے

ہر پرواہ نہ کی تھی۔ آج جانے کیوں اُن کو یہ آواز کسی بھوت کی طرح اپنا پیچھا کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

''بابا سائیں!'' بلال نے اُن کو دوبارہ پکارا تو وہ ایک دم چونکے۔

''نہیں! میں سب کچھ غلط کر سکتا ہوں، میری اولاد کو ہر خوشی ملے گی، مسکان کی ایک بار سید اظہر علی کے ہاں شادی ہوگئی تو وہ سب کچھ بھول جائے گی، سید اظہر علی دولت و طاقت میں مجھ سے دُگنا ہے وہ مسکان کو مجھ سے زیادہ خوش رکھے گا۔'' سید سرفراز علی ایک بار پھر سوچ کے مطابق سوچ رہے تھے۔

''بابا سائیں آپی کو کیا ہوا ہے؟'' بلال کی سوئی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا، تم کیوں اتنا پریشان ہو رہے ہو؟''

''وہ ہی تو ہیں جو میری ہر بات کا اعتبار کرتی ہیں، میں جب جب اُن کو بتاتا ہوں کہ میں ٹھیک نہیں ہوں میرے اندر آگ سی لگی ہے تو وہ میرے لیے فکر مند ہوتی ہیں۔'' صرف مسکان تھی جو بلال کی تکلیف کو وہم کے زمرے میں نہ لاتی تھی۔

''اُسے کچھ نہیں ہوا اور نہ ہی تمہارے بابا سائیں اُسے کچھ ہونے دیں گے، تم بالکل بے فکر رہو۔'' سید سرفراز علی نے بلال کو دِلاسا دیا اور خود موبائل پر کسی کا نمبر ملایا۔

''السلام علیکم بھائی اظہر! ہاں، ہاں! بالکل خیریت ہے، میں نے پہلے بھی انکار نہ کیا تھا۔ ٹھیک ہے نکاح اِس جمعے کو کر لیتے ہیں رخصتی کچھ عرصے بعد دھوم دھڑکے سے کر لیں گے۔ پھر آپ تیاری کریں پرسوں پہلے آپ کا اور مسکان کا نکاح ہوگا اور جمعے کو بلال اور مدثرہ بیٹی کا نکاح ہوگا۔'' سید سرفراز علی نے کھڑے کھڑے سارے پروگرام طے کر لیے۔ وہ اِس وقت خود کو خدا سمجھتے ہوئے ہر طرح کے فیصلے کیے جارہا تھا۔

''اب سب ٹھیک ہو جائے گا!'' انہوں نے فون بند کر کے سوچا۔ حالاں کہ یہ ایسا ''ٹھیک'' تھا جو ہر ٹھیک کو نہ ٹھیک کرنے جا رہا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اُن کی بیٹی کی تو سانسوں تک کا تعلق ولی سے جڑ چکا ہے۔

اگر وہ اُس کا تعلق ولی سے ختم کرنے جا رہے تھے تو اِس کا مطلب تھا کہ وہ اُس کی سانسوں کو ختم کرنے جا رہے تھے۔

❖❖○❖❖

''آج میں بہت خوش ہوں! کہیں میں خوشی سے مر ہی نہ جاؤں!'' حُسن آرا بیگم نے روشن آرا بیگم کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''بھائی صاحب کو تو اِس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں؟'' احمد شاہ نے انور میاں کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا!'' انور میاں کی تو باچھیں کھل رہی تھیں، ولی روشن آپا کی واحد اولادِ نرینہ تھی، سب کچھ ولی کو ملنا تھا اور ولی کو سب کچھ ملنے کا مطلب تھا کہ سب کچھ علیزے کا ہونے والا تھا اور علیزے تو اُن کی سب سے ہمدرد بیٹی تھی آخر وہ اپنے والدین کی مدد کیے بنا کیسے رہ سکتی تھی۔ انور میاں تو بہت دُور کی سوچ رہے تھے۔

خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تم ذرا اپنی ڈیئر کزن کو چھوڑ آؤ تو کرتا ہوں تمہارا حساب کتاب، حد ہوگئی یعنی کہ اپنے فاسٹ فرینڈ سے بھی اتنی پردے داری، بالا ہی بالا اُس خاتون سے باتیں کی جا رہی تھیں اور تو اور اُسے تم نے جیب سے نکال کر کچھ دیا بھی تھا۔'' ٹی ٹو نے لڑاکا عورتوں کی طرح کہا تو ولی بے ساختہ ہنس پڑا۔

''توبہ ہے اگر اتنے غور سے سُن اور دیکھ رہے تھے تو پاس آجاتے۔''

''کیوں! میں، کیوں بن بلائی ہڈی بنتا۔'' ٹی ٹو منہ پھلا کر بولا۔

''تو تم مانتے ہو نا کہ اُس وقت تم وہاں صرف ہڈی ہی بن سکتے تھے۔'' ولی نے شرارت سے کہا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے، کرلو باتیں!'' ٹی ٹو نے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

''کم آن یار! میں نے کون سا تم سے چوری چوری شادی کر ڈالی۔ تمہارے بغیر میں کوئی کام نہیں کروں گا پکا وعدہ، اب تم یہ پھولا ہوا منہ سیدھا کرو میں ابھی آتا ہوں۔'' ولی کہہ کر تیزی سے علیزے کی جانب بڑھا، جو بڑی سی کالی چادر میں لپٹی کھڑی تھی۔ اُس کا دمکتا ہوا خوب صورت چہرہ کالی چادر میں چاند کی طرح لگ رہا تھا۔

''کم بخت نے چُن کر بے حد خوب صورت لڑکی کا انتخاب کیا ہے، کیا کمال لڑکی ہے! میں نے یہ تو سنا تھا کہ پیسا، پیسے کو کھینچتا ہے لیکن یہاں تو خوب صورتی نے خوب صورتی کو کھینچا ہے۔ ولی کیا کم تھا، جو یہ حسینہ بھی اُس کی زندگی میں آگئی۔ واہ مولا! واقعی سچ ہے کہ صبر والے کو پھل میٹھا ملتا ہے، ہم جیسے بے صبروں کو کہاں ایسا میٹھا پھل ملتا تھا۔ ولی نے تو واقعی بڑے صبر کے ساتھ اِس قدر خاصے کی چیز حاصل کر لی ہے۔'' ٹی ٹو مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔

''واقعی یار ولی! تم نے کیا قسمت پائی ہے ایک وہ مسکان تھی، جو بے حد خوب صورت تھی اور اب یہ ہے، تم کو تو ہمیشہ اللہ نے صرف نوازا ہی نوازا ہے!''

❖❖○❖❖

''مسکان کی خواہش اِس بار لاحاصل خواہش تھی۔ وہ دو دِن سے بے سُدھ پڑی تھی، جیسے جینے کی تمنا ختم کر چکی ہو۔ سید سرفراز نے بس ایک بار مسکان کو دیکھا تھا۔ اُن کو یوں لگتا تھا کہ مسکان کی یہ حالت دیکھ کر وہ بے حد کمزور پڑ جائیں گے۔

''بابا سائیں! آپی کو کیا ہوا؟'' بلال نے بے حد معصومیت سے سوال کیا۔ آج وہ کچھ ہوش میں تھا ورنہ وہ جس مشکل میں تھا اور جس طرح کے روگ میں مبتلا تھا وہ اُسے اِردگرد کا ہوش کہاں لینے دیتا تھا۔

''ہوں...'' سید سرفراز علی نے چونک کر اُسے دیکھا۔

کبھی بلال کی رنگت سُرخ و سفید ہوا کرتی تھی، اب جب سے اُسے بجلی کے جھٹکے دیے جانے لگے تھے اُس کا رنگ گندمی رنگ میں بدل گیا تھا شیو بڑھی ہوئی تھی اور کسرتی بدن روز بروز کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ سید سرفراز علی نے پہلی بار شاید بلال کو اتنے غور سے دیکھا تھا۔

''تجھے کبھی اولاد کا سکھ نصیب نہ ہو! تُو نے مجھے اور میری اولاد کو جو روگ لگایا ہے، وہ تیرے آگے آئے!'' سید سرفراز علی کے کانوں میں ایک بھولی بھٹکی آواز گونجی، اُس وقت تو اُس نے اُس آواز کی رتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو پھر ہم آج ہی علیزے کا شگن کرنا چاہ رہے ہیں، آج جمعے کا مبارک دن ہے، میں علیزے کو ا
ہی منگنی کی انگوٹھی پہنانا چاہ رہی ہوں۔'' روشن آرا بیگم نے علیزے کو بڑھ کر گلے لگایا، جو چھوئی ۱
ہوئے جارہی تھی۔

''تو ٹھیک ہے! جیسا آپ کا دِل چاہے۔'' انور میاں نے فوراً حامی بھری۔

''آپا! میں کہہ رہی تھی کہ آپ ایک آدھ دِن رُک جاتیں، ہم بھی ولی کے لیے کچھ خرید لیتے
حُسن آرا بیگم نے پریشان ہوکر انور میاں کو دیکھتے ہوئے روشن آرا سے کہا۔

''ارے سب کچھ ہوجائے گا، تم کیوں فکر کرتی ہو، تم بس تیار ہوکر ہال میں آجانا، میں علیزے کی خا
بھی تو لگتی ہوں اگر تمہیں علیزے کے دولہا کا کچھ خریدنا ہے تو مٹھائی، شگن کے طور پر میرا حق بنتا ہے ا
میں اپنی بھانجی کے لیے کچھ خریدوں۔'' روشن آرا بیگم نے ہر طرح سے اپنی بہن کی انا اور خرچے کو بچا
کی کوشش کی۔

''ہاں، ہاں! آپا بیگم بالکل درست کہہ رہی ہیں۔'' انور میاں نے ایک دم آگے بڑھ کر کہا۔

حسن آرا بیگم کے دِل میں جو تھا، وہ زبان تک آتے آتے رہ گیا۔ انہیں اور علیزے کو انور میاں
رویّے سے بے حد شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے شام کو، نہیں! میرا خیال ہے رات نو بجے کا وقت رکھ لیتے ہیں، ابھی میں اپنے
ملنے والوں کو مدعو کروں گی تو کوئی آئے گا نا۔ اگر بیچ کا وقت اتنا کم رکھیں گے تو لوگ آ نہیں سکیں گے۔ تم
بھی اپنے ملنے والوں میں سے کسی کو کہنا چاہتی ہو تو کہہ دو۔'' روشن آرا بیگم بے حد پُرجوش تھیں۔

اُن کے لاڈلے بیٹے کی پہلی پہلی خوشی تھی۔ وہ ہر کام دھوم دھام سے کرنا چاہ رہی تھیں اُن کی خوشی اِس
لیے بھی سوا تھی کیوں کہ علیزے اُن کی دِل پسند بہو بننے جارہی تھی۔

''آپا اتنی جلدی کیسے سب کچھ ہوگا!'' حسن آرا بیگم بے حد بوکھلا گئی تھیں۔

''یہ تم بس مجھ پر چھوڑ دو، سب کے کپڑوں کی شاپنگ اُن ہی دو گھنٹوں میں ہوگی اور پی سی میں بکنگ
کوئی مسئلہ نہیں، ولی کے بابا کے بہت اچھے دوست انتظامیہ میں ہیں۔ چلو تم لوگ تو ڈرائیور کے ساتھ فوراً
شاپنگ پر نکلو۔'' روشن آرا بیگم نے نِگی اور علیزے کو فوراً اُٹھایا۔

''یعنی کہ حد ہوگئی، ہم کیا پہنیں گے تینوں چھوٹے بچے لائن میں کھڑے تھے؟''

''تم لوگوں کے بھی بہترین کپڑے آئیں گے۔'' نِگی نے پیار سے گڈو کا گال تھپکا۔

''چلیں بھابی؟'' نِگی نے مسکرا کر علیزے کو دیکھا۔

علیزے لفظ بھابی پر ایک بار پھر بیر بہوٹی بن گئی تھی۔

''اللہ، آپ کتنی پیاری ہیں نا!'' نِگی بے ساختہ مسکرائی۔

''میری بھابی بہت پیاری ہیں!'' وہ خوشی خوشی علیزے کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گئی۔

❖❖○❖❖

''کیا نام ہے اُس کا؟'' مسکان نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''علیزے!'' سائرہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''تو وہ جانتا تھا کہ میں اُس سے محبت کرتی ہوں!'' مسکان نے سائرہ سے پوچھا۔

''ہاں!'' دو آنسو ٹپ سے مسکان کی آنکھوں سے نکلے۔

''پھر بھی وہ بے خبر بنا رہا، اُس نے مجھے ٹھکرایا! کیوں؟ کیا کمی تھی مجھ میں؟'' مسکان کے لہجے میں بے
درد دُکھ تھا۔

''مسکان، میری جان! یہ یک طرفہ محبت ہمیشہ دُکھ دیتی ہے۔''

''تم اپنی جان ہلکان نہ کرو، اللہ تم کو بہت بہترین نعم البدل دے گا۔'' مسکان کا دِل کرچی کرچی
ہو رہا تھا اُسے کسی کی تسلی سکون نہ دے رہی تھی وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''جب تم ہی قسمت میں نہ تھے تو اب قسمت اچھی ہو یا بری! مجھے اِس سے کیا لینا!'' مسکان موبائل
اُن پکڑے پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''مسکان، مسکان!'' سائرہ اُسے پکار رہی تھی لیکن مسکان مایوسی کی اُس دنیا میں چلی گئی، جہاں اُسے
کسی کی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔ ایک عجیب سی بے حسی اُس کے حواسوں پر طاری ہوئی جارہی تھی۔

''میں نے ولی کو کھودیا! میں نے اپنی محبت کو کھودیا! وہ تو میرا پہلا پیار تھا! میرا پہلا پیار ادھورا رہ گیا!''
مسکان جس کی زندگی میں کوئی خواہش ادھوری نہ رہی تھی۔ آج اُس کی سب سے بڑی تمنا ادھوری رہ گئی
تھی اُسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ خود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ادھوری رہ گئی ہے۔

''مسکان بیٹا! خود کو سنبھالو۔'' آپا امّاں نے فون اُس کے ہاتھ سے پکڑ کر اُسے گلے لگالیا۔

''تم کیوں نہیں مانتیں میری بات، کیوں خود کو برباد کیے جارہی ہو؟ چلو اُٹھو ہمیں یہاں سے جلد از جلد
نکلنا ہوگا۔'' ورنہ سید سرفراز تمہارا نکاح اُس بڑی عمر کے آدمی سید اظہر علی سے کرڈالے گا اور تم ہمیشہ
کے لیے بندگی میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاؤ گی اور یہ میں ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔'' آپا امّاں نے
مسکان کو اُٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں! مجھے کہیں نہیں جانا!'' مسکان نے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''مسکان میری جان! کیا پاگل پن ہے!'' آپا امّاں نے پریشانی سے اُسے دیکھا۔ انہوں نے بہت
مشکل سے یہاں سے نکلنے کا انتظام کیا تھا اُن کے پاس وقت بے حد کم تھا۔ سید سرفراز جو کسی کام سے شہر
گیا ہوا تھا، کسی وقت بھی واپس آجاتا اور پھر یہاں سے نکلنا ناممکن تھا۔

''ہاں میں ہوگئی ہوں پاگل!'' مسکان ایک دم سے چیخی۔

''میں ولی کے عشق میں پاگل ہوگئی ہوں اور پاگلوں کو تو پتھر ہی پڑا کرتے ہیں، مجھے بھی پتھر پڑنے
چاہئیں۔ ہاں آپا امّاں پاگلوں کو تو پتھر ہی پڑتے ہیں نا!'' مسکان نے روتے ہوئے کہا۔

''باؤلی ہوگئی ہے کیا؟ اُٹھو ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔'' آپا امّاں نے اُس کا بازو کھینچ کر اُٹھانے
کی کوشش کی۔

''آپا امّاں پلیز مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''تم کو معلوم ہے نا کہ آج سید اظہر سے تمہارا نکاح ہونے والا ہے۔'' آپا امّاں نے اُسے جھنجوڑا،
جیسے وہ ہوش میں نہ ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جب وہی نہیں تو کوئی بھی سہی!" مسکان بے حد ٹوٹ گئی تھی۔

"پاگل یہ تو سراسر خودکشی ہے!" آپا لمّاں بھی رو پڑیں۔

"تو میں کون سا زندہ ہوں!" مسکان نے بے حسی سے کہا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا، میں تم کو کبھی اِس آگ میں نہیں کودنے دوں گی۔" آپا لمّاں نے چلا کر کہا۔

"جس آگ میں، میں جل رہی ہوں اُس سے بڑی اور آگ کیا ہوگی۔" مسکان تیزی سے وہاں سے اُٹھی اور دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر بند ہوگئی۔

مسکان نے سمندر میں عین طوفان کے وقت اپنی کشتی کے چپو پانی میں پھینک کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اب اُسے بس ایک ہی بات کا انتظار تھا کہ اُس کی کشتی کب ڈوبے گی!

"یہ کس کا ہے؟" گرے اور لائٹ بلیو شیڈ کا لہنگا دیکھ کر منزہ نے حیرت سے پوچھا۔ وہ ابھی ابھی پارلر سے آئی تھی، گھر میں اِس قدر گہما گہمی دیکھ کر اُسے خاصی حیرت ہوئی۔

"آپی کی منگنی ہو رہی ہے یہ اُن کا ہی سوٹ ہے!" چھوٹی بہن نے اطلاع دی۔

"ہیں منگنی؟ صبح تک تو اِس طرح کی خبر نہیں تھی یہ اچانک اتنی ایمرجنسی میں منگنی کیسے ہو رہی ہے۔" منزہ کی حیرت بجا تھی۔

"اتنے زیادہ امیر لوگ ہیں، پیسے سے کچھ بھی کر سکتے ہیں، چند گھنٹوں میں انہوں نے جو سوچا وہ کر ڈالا۔ میں نہ کہتا تھا کہ پیسے میں بڑی طاقت ہے مہینوں کے کام گھنٹوں میں ہو جاتے ہیں۔" کاشف نے اپنا شان دار پینٹ کوٹ منزہ کے سامنے لہرایا۔ روشن آرا خالہ نے اُسے اُس کے کپڑوں کی خریداری کے لیے الگ رقم دی تھی اور اتنی مہنگی شاپنگ کر کے وہ بے حد خوش تھا۔

"لیکن علیزے جیسی دبو لڑکی کو کون سے بے وقوف امیر ٹکر گئے، جو اُسے بہو بنانے جا رہے ہیں۔" منزہ کو واقعی اندر سے دھچکا لگا تھا کہ بڑی بہن کے ہوتے چھوٹی بہن کی منگنی ہونے جا رہی تھی۔ اِس لیے اُس نے بے اختیار جل کر پوچھا۔

"اور مجھے کسی نے اہم نہیں جانا کہ کوئی مجھے بھی بتاتا۔" منزہ نے ایک دم منہ پھلا لیا تھا۔

"تمہارے پارلر فون کیا تھا لیکن تمہاری مالکن نے کہا کہ تم دلہن تیار کر رہی ہو، اِس لیے بات نہیں ہو سکتی۔ پھر میں نے کہا کہ آج جمعہ ہے، ہاف ڈے ہے تم جلدی آ جاتی ہو تو تمہیں گھر آنے پر ہی اطلاع دے دوں گی۔" حسن آرا بیگم نے با قاعدہ وضاحت کی۔ منزہ کا جس طرح کا شعلہ جوالا قسم کا مزاج تھا وہ اُس سے ہمیشہ ڈرتی تھیں۔

"لیکن امی! آخر ایسی کیا مصیبت پڑ گئی تھی کہ اتنی ایمرجنسی میں منگنی ہونے جا رہی ہے۔" منزہ نے بیزار لہجے میں کہا۔ اُسے واقعی علیزے کے آگے بڑھ جانے پر دُکھ ہو رہا تھا۔ اُسے اپنے والدین پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ وہ بڑی بیٹی کو چھوڑ کر چھوٹی بیٹی کی شادی کا کیسے سوچ رہے تھے۔

"وہ دراصل آپا تو پہلے بھی علیزے کو مانگ چکی تھیں، بچپن ہی سے اُن کا سارا رُجحان علیزے کی طرف تھا۔ اب وہ با قاعدہ رشتہ مانگنے آئیں اور اتنا اصرار کیا کہ منگنی آج ہی ہوگی، کیوں کہ آج جمعے کا مبارک دن ہے تو اُن کے اتنے اصرار اور پیار کی وجہ سے ہم انکار نہ کر سکے۔" حسن آرا بیگم نے ایک بار پھر تفصیل سے اُسے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ک... کون؟ علیزے کی منگنی ولی سے ہو رہی ہے؟" منزہ کو سانس لینا دُشوار ہو رہا تھا۔

"کاش! یہ خبر غلط ہو!" اُس کا دِل گڑگڑایا۔

"ہاں علیزے کی منگنی ولی سے ہو رہی ہے۔" حسن آرا بیگم نے حیرت سے بیٹی کے چہرے تاثرات دیکھے۔ اُس کا ردِعمل زیادہ خطرناک تھا۔

"لیکن تمہیں کیا ہوا؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"کیا ہوا...؟ یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔ گھر میں جو پہلا رشتہ آتا ہے کیا آپ نہیں جانتیں کہ اُس پر بڑی بیٹی کا حق ہوتا ہے۔" منزہ نے پوری طاقت سے چلاتے ہوئے کہا۔

"منزہ! بیٹیاں اپنے ماں باپ سے ایسے باتیں نہیں کرتیں، تم کیسے اِس قدر منہ زور ہو سکتی ہو؟" حسن آرا کو اُس کا رویّہ بے حد بُرا لگا۔

"اور ماں باپ ایسا کر سکتے ہیں؟" منزہ نے روتے ہوئے کہا۔

"آپ کو میرا خیال کیوں نہیں آیا؟ کیا علیزے آپ کو مجھ سے زیادہ پیاری ہو گئی۔" منزہ روتے روتے پھر چیخنے لگی۔

"منزہ! انہوں نے اپنے منہ سے علیزے کو مانگا تھا پھر میں کیسے تمہارا نام لے سکتی تھی؟" حسن آرا بیگم نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کو میں عزیز ہوتی تو آپ اُن سے کہہ سکتی تھیں کہ آپ بڑی کی موجودگی میں کیسے چھوٹی کا رشتہ طے کر سکتی ہیں۔ لیکن نہیں آپ کو تو ہمیشہ سے علیزے ہی پیاری رہی ہے۔" منزہ نے بستر پر پڑے سب کپڑے اُٹھا کر دور پھینک دیے۔

"تم سب میں سے کسی کو میری خوشی عزیز نہیں، سب کے سب بے حِس ہیں۔" منزہ غصّے سے کف اُڑانے لگی۔

"اچھا بیٹا! غصّہ تھوک دو اور تیار ہو جاؤ، آخر تمہاری بہن کا فنکشن ہے۔" انور صاحب نے بھی منزہ کو منانے کی کوشش کی۔

"نہیں جانا مجھے کہیں۔" منزہ دھپ دھپ پاؤں مارتی باہر نکل گئی۔

"تم سب میری شکل کیا دیکھ رہے ہو، تیار ہو جلدی سے۔" انور صاحب نے سب کو ڈانٹا۔

"لیکن منزہ؟" حسن آرا بیگم نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ابھی اُس کا موڈ خراب ہے بعد میں ٹھیک ہو جائے گا میں بھابی رخسانہ کو اُس کے پاس چھوڑ جاؤں گا۔ ہمارے آنے تک وہ اُس کا خیال رکھ لیں گی۔" انور میاں، احمد شاہ سے رشتے داری پر اِس قدر خوش تھے کہ زندگی میں پہلی بار انہیں اپنی لاڈلی بیٹی منزہ کی ناراضی بھی نظر نہ آئی۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ نہایت عمدہ اور اُن کا پسندیدہ تھا اور وہ اِس میں کسی قسم کی رکاوٹ برداشت کرنے والے نہ تھے۔

❖❖○❖❖

لفظوں کی جستجو میں سب کچھ گنوا دیا!
وہ چل دیا، میں طرز ادا ڈھونڈتا رہا

اِس کو کسی نے ربّ سے لیا مانگ اور میں
سجدے میں گر کے حرفِ دعا ڈھونڈتا رہا!

آپا امّاں کی سسکیاں بھی مسکان کے پتھر وجود میں زندگی دوڑا نہ سکیں۔

"میں ہار گئی مسکان! میں ہار گئی، میں تم سے ہار گئی مسکان! اب میں اللہ کے ہاں جا کر صائمہ بی بی کو کیا جواب دوں گی؟.........تم نے ایسا کیوں کیا؟......... جب میں تمہاری ماں، تمہارے ساتھ تھی تو تم نے یہ خودکشی کا فیصلہ کیوں کیا؟"

آپا امّاں نے زندگی میں خود کو ایک بار پھر اِس قدر بے بس پایا تھا کہ اُن کا دل چاہ رہا تھا دیواروں کے ساتھ سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائیں۔

"آپا امّاں! کیوں روتی ہیں میں نے یہ فیصلہ پورے ہوش و حواس میں قبول کیا ہے۔" مسکان نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم ہوش میں ہی تو نہیں ہو، کیا کوئی ہوش مند اس طرح اپنی زندگی سے کھیلتا ہے؟"

"آج وہ بھی تو کسی کا ہو گیا ہو گا، وہ، جسے میں نے عبادت کی طرح ہر پَل یاد کیا، وہ جسے میں نے ہمیشہ چاہا، وہ آج کسی اور کو اپنے ساتھ زندگی میں شامل کر رہا ہو گا۔ اُس کے پہلو میں وہ لڑکی میری ہی طرح سج سنور کر دلہن بن کر بیٹھی ہو گی۔" مسکان پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"میں نے یہ روپ صرف اور صرف اُس کے لیے سنوارنے کا خواب دیکھا تھا۔ لیکن اُس نے میری جگہ کسی اور کو یہ سارے حق دے کر میرے خواب چکنا چور کر دیے، تو آپا امّاں جب وہ نہ ملا تو چاہے کوئی بھی اِس لاش کو لے جائے۔" مسکان نے مایوسی سے کہا۔

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم نے ایک شخص کی محبت کی خاطر خود کو برباد کر لیا۔"

"آپ ہی تو کہتی تھیں کہ ہر ایک صرف ایک کے لیے ہی ہوتا ہے۔"

"لیکن تمہاری زندگی اِن سب سے زیادہ اہم تھی۔" آپا امّاں نے یوں ہاتھ ملے، جیسے وہ اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی ہوں، انہوں نے کس قدر کوشش کی تھی کہ مسکان سید اظہر علی سے نکاح نہ کرے لیکن اُس نے کسی بات، کسی فریاد کو نہ سُنا اور ضد میں آ کر اپنا آپ برباد کر لیا تھا۔

"یا میرے اللہ!" آپا امّاں کا دِل بُری طرح ڈوبا اور وہ ایک دم لہرا کر گر پڑیں۔

"آپا امّاں!" مسکان اُن کی جانب بڑھی۔

"کوئی ہے؟" مسکان نے دروازے کی جانب منہ کر کے ملازمہ کو پکارا... مسکان لاکھ اپنے ساتھ بُرا کر لیتی لیکن آپا امّاں اُس کے لیے بے حد اہم تھیں، وہ اُن کے ساتھ تو بے حسی نہ دکھا سکتی تھی۔ آپا امّاں کا چہرہ بُری طرح پیلا پڑ رہا تھا! آپا امّاں جس کی خاطر جی رہی تھیں آج اُس نے اپنے متعلق ایک غلط فیصلہ کر کے اُن کے جینے کا مقصد ختم کر دیا تھا۔

❖❖○❖❖

"علیزے!" ولی نے ایک دم اُس کا ہاتھ تھام کر پکارا... وہ آج کسی دیس کی شہزادی لگ رہی تھی، جو رستا بھول کر اِس جہاں میں نکل آئی ہو۔ محبت کے اعجاز نے اُس کے روپ کو سنہرا کر ڈالا تھا۔ دیکھنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والوں کی نگاہ اِس خوب صورت جوڑی پر ٹھہر نہ رہی تھی۔

"جی!" علیزے کے چہرے پر الگ ہی طرح کی دھیمی سی شرمیلی مسکان تھی۔

"اب تو مجھے حق ہے نا کہ میں تمہارے پیروں میں وہ پائل دیکھ سکوں؟"

"بالکل آپ کو حق ہے!" علیزے نے اپنا دایاں پاؤں آگے کر دیا، کھُسّے کے اندر اُس کے پاؤں بہت پیارے لگ رہے تھے اور وہ پائل اُس کے پاؤں میں جا کر سج گئی تھی۔

"تمہیں پسند آئی؟"

"بہت زیادہ!" علیزے نے کھلے دِل سے تعریف کی۔

"لو، یہ تمہارے لیے۔" ولی نے ایک فریم اُس کے آگے کیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"خود ہی کھول کر دیکھ لو۔" ولی نے اُسے بہت پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے خدا! یہ تو، یہ تو میں ہوں! لیکن آپ نے کِس قدر خوب صورتی سے اِسے پینٹ کیا ہے؟"

علیزے کے آدھے چہرے پر دوپٹے کی باریک جالی تھی اور وہ اپنے ہاتھوں پر اپنا چہرہ رکھے کہیں کھوئی ہوئی تھی۔ اُس کے بالکل سامنے چھوٹی سی گلاب کی کلی پڑی تھی اور اُس کے نیچے کپڑے کے ساتھ کولاج کر کے ایک شاہی طرز کا خط کھلا ہوا تھا اور اُس پر ایک غزل کے چند اشعار لکھے تھے۔

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کردو
میں کہ صدیوں سے اُدھورا ہوں مکمل کردو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اِس قدر ٹوٹ کے چاہو، مجھے پاگل کردو
تم ہتھیلی کو مرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں مرے نام کا کاجل کردو

"کیسا لگا میرا تحفہ؟"

"ایک بہت یونیک اور قیمتی احساس کو میں اپنے اِردگرد محسوس کر رہی ہوں۔ میرا دِل شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ مغرور ہو رہا ہے کہ مجھے اِس قدر چاہنے والا شخص ملا، وہ شخص جو کسی کا بھی خواب ہو سکتا ہے!" علیزے نے دِل ہی دِل میں کہا۔

"میں بیان نہیں کر سکتی کہ یہ آپ نے کس قدر پیارا بنایا ہے!" علیزے نے معصومیت سے کہا۔

"یہ بتاؤ تمہیں اِس میں موجود میسج بھی نظر آیا یا خالی خولی اپنی ہی تصویر کی تعریف کیے جاؤ گی۔" ولی نے شرارت سے پوچھا۔

آج وہ بے حد خوش تھا۔ اُس نے جو چاہا وہ پالیا تھا۔

"حضرت اینڈ خاتون! ملاقات کا وقت ختم ہوا آپ دونوں کو اماں جان بلا رہی ہیں۔" نگی اُن دونوں کو جو ہوٹل کے اِس فلور کے ٹیرس پر کھڑے تھے ہاتھ پکڑ کر واپس محفل میں لے آئی اِس چند منٹ کی ملاقات کا اہتمام بھی نگی نے ہی کیا تھا۔

❖❖○❖❖

"کیا بات ہے آپ کا موڈ بہت آف ہے؟" نگی نے سائرہ سے پوچھا۔

"بس ایسے ہی!" سائرہ تکلفاً بھی نہ مسکرا سکی۔

"طارق بھائی بھی چپ چپ سے ہیں!" نگی نے دونوں بہن بھائی کی خاموشی کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ طارق تو احمد شاہ کی اُس گفتگو کے بعد سے ڈسٹرب تھا، جب کہ سائرہ کو مسکان کا دُکھ تھا اِس لیے دونوں بہن بھائی جو ہمیشہ چہکتے تھے ایک دم چُپ سے ہو گئے تھے۔

"ہاں طارق! میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ تم بہت اپ سیٹ سے ہو۔" ولی نے ڈنر سوٹ میں ملبوس طارق کو بہ غور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نک سک سے ہمیشہ تیار رہنے والا طارق آج بڑھی ہوئی شیو کی وجہ سے رف اینڈ ٹف لگ رہا تھا۔

"کبھی کبھی چپ رہ کر بھی دیکھنا چاہیے، اِس طرح دوسروں کو سننے کا موقع ملتا ہے!" طارق نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

آنی کچھ عرصے کے لیے باہر گئی ہوئی تھیں اور طارق کو ایک ایک پَل کاٹنا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔ ایسے میں وہ خود سے لڑتا جھگڑتا تھکنے لگا تھا۔

"ارے!" ولی نے چونک کر طارق کو دیکھا۔ اس کی خالی خالی آنکھیں ولی کو ایک دم پریشان کر گئیں۔

"ایکسکیوزمی!" ولی سب کو کہتا ہوا طارق کا ہاتھ پکڑ کر اُسے ایک کونے میں لے آیا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

"کیوں کیا ہوا؟" طارق نے نگاہ چراتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے اپنی خوشیاں چھپا لینا، میں نہیں روکوں گا لیکن مجھ سے اپنا کوئی دُکھ نہ چھپانا، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔" ولی نے طارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تمہارا رویّہ کبھی اجنبی ہوا تو میں برداشت نہ کر سکوں گا۔" ولی نے بے حد فکرمندی سے کہا۔

"میں تم سے کبھی کچھ نہیں چھپاتا تم جانتے ہو، لیکن یہ وجہ ایسی ہے کہ میں خود سے بھی کھل کر کچھ کہہ نہیں پا رہا، کبھی کبھی اپنے بے حد قریب رہنے والے بھی تو دھوکا دے جاتے ہیں نا!" طارق نے لوگوں کے خوش باش چہرے دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا اور پھر ایک دم چونک کر ولی کو دیکھا۔

"کم آن! تم کون سی پریشانی لے کر بیٹھ گئے۔ ٹوڈے از یور بگ ڈے۔ اِس کو یوں بدمزہ نہ کرو۔"

"اب تم بات کو ٹال رہے ہو۔" ولی نے اُس کی آنکھیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"میں بھلا بات کو کیوں ٹالوں گا! میں وعدہ کرتا ہوں، جیسے ہی میں اپنی اندر کی اُلجھن کو سلجھا لوں گا میں تمہیں ساری بات بتا دوں گا۔" طارق نے ولی کو کھینچ کر محفل میں لاتے ہوئے کہا۔

"تو اِس اُلجھن کو سلجھانے کے لیے تمہیں اپنا کوئی دوست نہیں چاہیے۔" ولی کو طارق کا یوں ٹالنا اچھا نہ لگا۔

"پلیز ولی!" طارق نے اُس سے درخواست کی۔

"او کے!" ولی نے دیکھا کہ وہ کچھ بتانا نہیں چاہ رہا تو اُسے انتظار کر لینا چاہیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہیں یہ نیا رشتہ بہت مبارک ہو، ماشاء اللہ بہت پیارا جوڑا ہے تم دونوں کا، مجھے تو بھابی کی عادتیں بھی بہت اچھی لگیں۔'' طارق نے ولی کو مبارک باد دی۔

''شکریہ... ویسے یہ میری اماں کی پسند پہلے ہیں اور بعد میں میری اور ماں کی دُعا ہو یا پسند دونوں ہی بیٹے کے بھاگ جگا دیتی ہیں۔'' ولی نے پُریقین لہجے میں کہا۔

''تو تم بھابی کو بھاگ بھری کہہ رہے ہو!'' طارق نے شرارتی لہجے میں کہا۔

''نہیں! میں اپنی ماں کے متعلق کہہ رہا ہوں کہ وہ میرے لیے صرف اچھا ہی نہیں بلکہ بہترین سلیکٹ کریں گی۔'' وَلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا آؤ میں تم کو بابا سائیں سے ملوادوں وہ بیسیوں بار تمہارا پوچھ چکے ہیں۔'' طارق کا دِل ایک دم اپنی رفتار سے زیادہ دھڑکا۔

ولی کے ساتھ ساتھ چلتے وہ مسلسل کئی باتیں اکٹھی سوچ رہا تھا۔ احمد شاہ اُس کی زندگی کے ایک بہت اہم راز کے امین تھے، وہ اُن سے گھبرانے لگا تھا۔ اُس کا دِل و دماغ اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

''ارے طارق بیٹا! السلام علیکم!'' احمد شاہ کی پرانی عادت تھی کہ وہ ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔

''السلام علیکم سر!'' طارق نے آگے بڑھ کر اُن سے مصافحہ کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو، اللہ تمہارا بخت بلند کرے۔'' انہوں نے مسکرا کر اُسے دُعا دی۔

طارق کے بے چین جلتے کڑھتے دِل پر اُن کی دعا سے ٹھنڈی میٹھی پھوار پڑی۔

''طارق بیٹا! میں تمہیں کسی سے ملوانا چاہتا تھا۔'' طارق کا دِل ایک بار پھر شدت سے دھڑکا۔

''سر پلیز۔'' طارق ایک دم واپس مُڑا۔

''طارق بیٹا! تم کب تک اپنے وجود سے انکار کرسکتے ہو، وہ تمہارے وجود کا سبب ہے، وہ تمہاری اصل پہچان ہے، تمہیں اُس سے بھاگنا نہیں چاہیے اور ایسے میں جب کہ اُس کا کوئی قصور بھی نہیں ہے۔'' احمد شاہ نے طارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روکا، ولی نے حیرت سے اُن دونوں کو دیکھا۔

''آخر معاملہ کیا تھا۔''

''پلیز انکل! میں ابھی اُن سے ملنا نہیں چاہتا!''

برسوں سے اپنے باپ کے متعلق غلط سنتے سنتے اُس کے دِل میں اپنے باپ کے لیے بے حد بدگمانی تھی۔ سچائی سننے کے بعد وہ اُن سے فوراً ملنا چاہتا تھا لیکن اُس نے خود کو روک لیا تھا۔ اپنے باپ سے ملنے کے بعد جو سوال اور غصہ اُس کا آنی کی طرف نکلتا تھا کہیں وہ ٹھنڈا نہ پڑ جائے۔ جب کہ وہ آنی کے ساتھ اِس ساری سازش کا حساب کرنا چاہتا تھا کہ انہوں نے کیوں اُن کے سارے گھر کو تباہ کر ڈالا۔

''کیا تم اب بھی اُس سے بدگمان ہو؟'' احمد شاہ نے پوچھا۔

''نہیں سر! لیکن میں ابھی اُن سے ملنا نہیں چاہتا، مجھے کچھ وقت دیں پلیز!'' طارق کہہ کر تیزی سے سائرہ کی جانب بڑھا اور اُسے لیے باہر نکل گیا۔

''احمد! کیا وہ مجھ سے کبھی نہیں ملے گا؟'' احمد شاہ کو اپنی پشت پر شہباز علی کی بے قرار آواز سنائی دی۔

''نہیں شہباز! تم فکر نہ کرو، وہ تمہارے پاس ضرور آئے گا۔ تم نے شاید اُس کی آنکھیں نہیں دیکھیں جب میں پہلے دِن اُس سے ملا تھا تو اُس کی آنکھوں میں تمہارے لیے نفرت تھی اور آج اُن آنکھوں میں، میں نے بے حد نرم تاثر دیکھا ہے۔''

''شہباز تمہاری سچائی کی جیت ہوگی۔'' احمد شاہ نے پُریقین ہوکر اُن کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو نا!'' شہباز صاحب کے لہجے میں بے حد آس تھی۔

''مجھے میرے اللہ پر یقین ہے، وہ تمہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کروائے گا۔'' احمد شاہ نے شہباز صاحب کو تسلی دلائی۔

''انشاء اللہ!'' شہباز صاحب کا لہجہ دُعائیہ تھا۔

''آخر درخت کو اپنی جڑوں کی ہی جانب جھکنا ہوتا ہے، وہ کب تک تم سے بے نیاز رہ سکتا ہے!'' احمد شاہ کا جملہ شہباز صاحب کے تھکے ہوئے وجود میں توانائی بھر گیا۔

❖❖○❖❖

''کیسی ہو سائرہ؟'' سمعان نے اُسے فون کیا تھا۔

''خیریت ہے، آج مہا کنجوس نے پیسے خرچ کرکے فون کیسے کرلیا؟'' سائرہ کے اُداس چہرے پر جانے کتنے دِنوں بعد مسکراہٹ آئی تھی۔

''چلو میں نے تو مہا کنجوس ہوکر پھر بھی فون کرلیا لیکن تم تو مہا کنجوس کی مہارانی لگتی ہو تم سے تو اتنا بھی نہ ہوسکا کہ مجھے فون کرلیتیں۔'' سمعان نے بھی اُس سے شکوہ کیا۔ اُس نے سائرہ کو فون مسکان کا پوچھنے کے لیے کیا تھا اُس کے گھر کوئی فون اٹینڈ نہیں کررہا تھا۔

''بس میں کچھ پریشان تھی ایسے میں، میں نے کسی سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔''

''خیریت؟''

''بس مسکان کے یہاں سے جانے کے بعد میں اِس قدر ڈسٹرب رہی کہ مجھے کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا۔''

''کیا ہوا مسکان کو، کہاں چلی گئی وہ؟'' سمعان نے پریشان ہوکر پوچھا۔

''اُس کے بابا اُسے ہمیشہ کے لیے گاؤں لے گئے تھے اور...'' سائرہ نے سرد آہ بھری۔

''اور کیا ہوا...؟'' سمعان نے بے چینی سے پوچھا۔

''اور لاسٹ فرائی ڈے کو اُس کا نکاح باپ کی عمر سے بھی زیادہ ایک شخص سے کردیا گیا۔'' ایک بم سا تھا ہی تو تھا، جو سائرہ کے الفاظ نے کیا تھا۔ سمعان کو اپنا وجود کرچی کرچی ہوتے محسوس ہوا۔

''ہیلو... ہیلو۔'' سائرہ اُس کو پکار رہی تھی لیکن اُس نے چپ چاپ فون بند کردیا۔

''کیا ہوا؟'' سمعان علوی نے حیرت سے اپنی پشت پر مڑ کر دیکھا، سمعان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ یہ زبیدہ بیگم تھیں اُس کی ماں، اُس کی بے نیاز ماں! جس کو اِس گھر میں کیا چل رہا ہے کبھی پروا نہ ہوتی تھی۔ بچپن میں وہ ماں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے چیخ چیخ کر رویا کرتا تھا لیکن اُسے زبیدہ بیگم کی گود کیا ایک اپنائیت بھری نگاہ تک نہ ملتی تھی۔ آج اُس کی ماں نے اُس کے کندھے کو چھو کر پوچھا تھا کہ ''کیا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟''

''مما!''سمعان شدّت جذبات سے بول بھی نہ پار ہا تھا۔

''ہوں!'' زبیدہ بیگم نے اُس کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

''مما! آپ نے مجھے بلایا، مجھے چھوا!''سمعان نے بے یقینی سے زبیدہ بیگم کو دیکھا۔ زبیدہ بیگم بنا کسی وہم کے اُسے چھو چکی تھیں۔

''ہاں!'' زبیدہ بیگم نے کہا۔

''اوہ مما!''سمعان اُن کے گلے لگ گیا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا، جیسے برسوں بعد ایک ننھا بچہ اپنی بچھڑی ماں سے ملا ہو۔

''تم رو رہے ہو!'' زبیدہ بیگم نے دھیرے سے پوچھا۔

''پلیز مما! آج مجھے رونے دیں میری برسوں کی پیاسی روح آپ کے لیے ترسی ہوئی تھی۔ اللہ سے کچھ دیر پہلے مجھے بے حد شکوہ تھا کہ اُس نے میری محبت جس کا بیج ابھی ننھا منا پودا ہی بنا تھا مجھ سے ہمیشہ کے لیے چھین لی، لیکن اُس کا دیا غم میرے لیے تو Blessing بن گیا۔ آج میری ماں نے میرے دِل کی چوٹ کو محسوس کر کے مجھے بلایا ہی نہیں مجھے چھوا بھی ہے۔''سمعان بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گیا۔ زبیدہ بیگم کے چہرے پر پھر وہ ہی اجنبی تاثر تھا۔ سمعان کا دِل اُس معصوم بچے کی طرح سہم گیا جسے اُس کی دِل پسند چیز دے کر چھین لی گئی ہو۔

''پرے ہٹو!'' زبیدہ بیگم کے لہجے میں نہایت سرد مہری تھی۔

''کیوں مما! آخر کب تک آپ مجھ سے دور رہیں گی۔''سمعان نے اُن کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

''تمہیں کتنی بار کہا ہے میں نے کہ مجھے ہاتھ نہ لگایا کرو، تم نے مجھے گندا کر دیا ہے!''سمعان کا چہرہ ایک دم سیاہ پڑ گیا۔

''تم نے مجھے گندا کر دیا۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھیں، سمعان جانتا تھا کہ وہ اب کیا کریں گی۔

''وہ اب باتھ روم میں بند ہو کر گھنٹوں صابن مل مل کر خود کو دھوئیں گی۔''سمعان کسی ہارے ہوئے انسان کی طرح ڈھے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''سمعان تم پھر دُکھی ہو گئے؟'' قاسم علوی نے اُس کے پاس آ کر پوچھا۔

''آپ نے دیکھا نا، اُن کو کچھ لمحے پہلے وہ کس طرح اپنی تھیں اور صرف چند لمحوں میں وہ ایک بار پھر ہم سے دور جا کھڑی ہوئیں۔''سمعان نے دُکھ سے کہا۔

''ہاں میں نے دیکھا اور میں بہت خوش بھی ہوں۔'' قاسم علوی نے کہا۔

''کس بات پر؟''سمعان نے بے حد خراب موڈ میں پوچھا۔

''تم نے دیکھا کہ اُس کا خول پہلی بار چٹخا تھا۔ یہ کس قدر خوشی کی بات ہے۔''

''وہ ایک دم ہمارے پاس کیسے آئے گی؟ اُسے اتنا وقت لگا اور آج پہلی بار تمہارے لیے کوئی احساس اُس کے دِل میں پیدا ہوا، اُسے کچھ اور وقت دو... آج مجھے اُمید ہو گئی ہے کہ جس سوکھے سڑے پودے سے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نا اُمید ہو گیا تھا کہ یہ کبھی ہرا نہیں ہو سکتا چاہے لاکھ توجہ، محبت، تحفظ کا پانی اور کھاد ڈال لوں... وہ ہرا ہونے لگا ہے، ہاں سمعان وہ ہرا ہونے لگا ہے!''

''اِس کا مطلب ہے زبیدہ کے مردہ دِل میں زندگی نے دروازہ کھول کر قدم رکھ لیا ہے۔''

''سمعان میں جیت گیا! میں جیت گیا! دیکھو میں نے سید سرفراز علی کو ہرا دیا۔'' قاسم علوی اپنے آپ میں نہ تھے۔

سمعان نے حیرت سے قاسم علوی کو دیکھا۔

''کون سید سرفراز علی؟''سمعان نے حیرت سے پوچھا۔

قاسم علوی کو ایک دم سانپ سونگھ گیا، وہ پریشان سے سمعان کو دیکھ رہے تھے کہ جذبات میں آ کر انھوں نے اُس موذی کا نام کیسے لے لیا؟

''کوئی نہیں بیٹا! کوئی بھی نہیں... تم صرف میرے بیٹے ہو صرف میرے بیٹے!'' انہوں نے ایک دم سمعان کو گلے لگا کر کہا۔

''سمعان بے حد حیران پریشان تھا کہ اُس کے باپ کا رویّہ ایک دم اِس قدر عجیب سا ہو گیا تھا۔ وہ اُسے گلے لگائے بس ایک ہی تکرار کیے جا رہے تھے کہ تم صرف میرے بیٹے ہو... تم صرف میرے بیٹے ہو!''

لیکن اب اُس نے زیادہ سوال کرنے چھوڑ دیے تھے وہ بچپن سے ہی اِس قدر ابنارمل رویوں کے ساتھ رہا تھا کہ اب اُسے کوئی چیز بہت زیادہ حیران و پریشان نہ کرتی تھی۔

❖❖○❖❖

دُکھ کا پہاڑ تائی امّاں پر ٹوٹا تھا۔

''زبیدہ!'' تائی امی نے بے حد دُکھ سے اُسے دیکھا۔

''بولو وہ کون ہے، تم کو ایک بار بھی اپنے خاندان اور اپنے باپ کی عزت کا خیال نہ آیا؟ زبیدہ میرا دل کرتا ہے کہ میں تم کو شوٹ کر کے خود کو بھی مار ڈالوں۔'' تائی امی نے بے حد بے بسی سے کہا۔

''یہ دیکھو تائی امی! میرا سارا وجود گندا ہو گیا ہے!'' زبیدہ دھیرے دھیرے ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتی جا رہی تھی۔

''زبیدہ!'' تائی امی نے اُسے زور سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

''بند کرو یہ ڈراما اور مجھے اُس گھٹیا شخص کا نام بتاؤ، جس کے ساتھ تم نے منہ کالا کیا ہے۔'' تائی امی نے اُسے باتھ روم سے لا کر بیڈ روم پر پٹخا۔

''میں نے... تو... میں نے تو اُس سے محبت کی تھی!'' زبیدہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اُس نے محبت کی آڑ میں میرا سب کچھ لوٹ لیا! میرا اعتبار، میری عزت!'' تائی امی سر تھام کر وہیں بیٹھ گئیں۔

''یا میرے اللہ! میں بھائی صاحب کو کیا جواب دوں گی کہ میں نے اُن کی بیٹی کی کیسی تربیت کی۔'' تائی امی بے بسی کی شدت سے ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی گناہ نہیں کیا، میں نے تو سید سرفراز سے صرف محبت کی تھی۔'' زبیدہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''کون؟ سید سرفراز علی سے تم!''

''یا میرے اللہ! یہ اِس نے کیا کر ڈالا۔ میں صرف اُس کو گناہ گار نہیں سمجھتی تم کو بھی اِس گناہ میں برابر کی شریک سمجھتی ہوں۔ تمہیں پتا ہے نا کہ ہمارے مذہب میں زانی اور زانیا کی کیا سزا ہے۔'' تائی امی کی بات پر زبیدہ نے دہل کر انہیں دیکھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا کہ اُس کے اندر کوئی چیز کٹ کٹ کر ختم ہورہی ہے، اُس کا دِل اس قدر شدت سے گھبرایا کہ اُسے اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہوگیا، وہ لہرا کر گر گئی تائی امان نے بجائے اُسے سنبھالنے کے وہیں کھڑے کھڑے اُسے دیکھا، وہ بے شک بہت برسوں سے خود میں گم رہنے لگی تھیں لیکن وہ ایک جہاں دیدہ عورت تھیں اور جو بات اُن کو نظر آرہی تھی وہ اِس قدر خوف ناک تھی کہ وہ وہیں کھڑے کھڑے بت بن گئی تھیں۔

زبیدہ کی پیلی رنگت چیخ چیخ کر اُن کے وہم کی تصدیق کررہی تھی۔ وہ طوفان جس کا اُن کو خدشہ تھا آ گیا تھا۔ اب وہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ بھیانک طوفان اِس گھر اور اس کے افراد کو کتنا تباہ کر ڈالے گا۔

''اِس طوفان کی خبر اگر بھائی صاحب کو ہوگئی تو؟'' زبیدہ کے بھائی اپنی اولاد کو جس قدر لاڈ اور پیار سے رکھنے والے تھے اُس سے کہیں زیادہ بے حد غصّے والے اور با اصول بھی تھے۔

تائی امی کو زبیدہ کے والد کا تصوّر ہی لرزا دے رہا تھا۔

''یا اللہ خیر کرنا!'' انہوں نے بے اختیار دُعا کی۔

❖❖○❖❖

کتنی خواہش ہے کہ اِک شخص
مجھے ترجمہ کرے
اتنے حسین لفظوں میں
کہ میری ذات کا ہر اِک رنگ
پھول بن کے کِھل جائے
اور اس پھول کی خوشبو
محرومیوں کے جنگل سے
مردہ جذبوں کی کہنہ باس کو
کہیں دور لے جائے
کتنی خواہش ہے!

سدرہ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور پھر آنکھیں بند کر کے وہ ہچکیوں میں رو پڑی۔

''یا میرے اللہ!'' میں جانتی ہوں کہ میرے نصیب کی بارش میرے صحرائے دِل پر کبھی نہیں برس سکتی، تو پھر یہ دِل اُس کے لیے کیوں مچلتا ہے؟ یہ دِل منہ زور گھوڑے کی طرح بے لگام ہوکر مجھے، میرے دائرے سے میری حدود سے نکالنے لگا ہے، اب میں بے بس ہونے لگی ہوں۔ اے اللہ میں تو مزید کسی

آزمائش کے قابل نہ تھی پھر تو نے محبت مجھے دی بھی تو وہ بھی کسی آزمائش کی طرح... کیوں اللہ جی۔ ایسی خواہشیں تُو وہاں کیوں اُگاتا ہے، جہاں وہ خواہش پانی کو ترس ترس کر مرجھا کر کانٹا بن جاتی ہے اور پھر یہ کانٹا سدا دِل میں چبھتا رہتا ہے۔'' سدرہ کی آنکھوں سے آنسو کسی لڑی کی طرح بہہ رہے تھے۔

''وہ مجھے بھولتا کیوں نہیں!'' سدرہ نے اپنے رب سے شکوہ کیا۔

وہ جانے کتنی ہی دیر سے آنکھیں بند کر کے کھڑی تھی۔ پھر ایک دم اُس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں، وہ بالکل سامنے کھڑا تھا۔

''یا اللہ! کیا یہ میرا تصور ہے؟'' اُس نے خود سے سوال کیا۔

مزار کے دو راستے تھے ایک عورتوں کے لیے اور ایک مردوں کے لیے، وہ دُوسری جانب کھڑا تھا۔

جب وہ مسلسل آنکھیں جھپک جھپک کر اُسے دیکھتی رہی اور وہ کسی تصور کی طرح غائب نہ ہوا تو اُسے یقین ہو چلا کہ یہ سچ مچ ڈاکٹر فیصل ہی ہے! وہ گھبرا کر باہر نکل آئی اور اُس نے بشیراں کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔

''کملی جانے کِدھر نکل گئی ہے؟'' اُسے گاڑی تک اکیلے جانا دُشوار لگ رہا تھا اور یہاں کھڑے رہنا اُس سے بھی دُشوار لگ رہا تھا۔

''موتیا! اُس کی پشت پر وہ آواز آخر اُسے سنائی دے ہی گئی، جو اُسے پتھر کا بت بنا کر وہاں ٹھہرنے پر مجبور کر چکی تھی۔

سدرہ نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا، کہیں کوئی دیکھ نہ لے لیکن وہاں دُور دُور تک کوئی نہ تھا۔ بشیراں چُن کر اُسے ایسے وقت میں درگاہ میں لائی تھی، جب وہاں صرف اِکا دُکا لوگ موجود تھے اب جانے وہ خود بھی کہاں غائب ہوگئی تھی۔

''موتیا پلیز رُکو!'' ڈاکٹر فیصل نے اُسے وہاں سے جاتے دیکھ کر پیچھے سے آواز دی، سدرہ کو لگا کہ اُس کے پاؤں وہیں زمین سے جُڑ گئے ہیں۔

''تم جتنا مجھ سے دور بھاگتی ہو اُس سے دگنا میں تم کو اپنے دِل کے قریب محسوس کرتا ہوں!''

''تم کیوں میرے صبر اور میری چاہت کا امتحان لیتی ہو۔'' اُس نے اُس کے بالکل سامنے آ کر پوچھا۔

''میں... بھلا آپ کو کیا کہتی ہوں؟'' سدرہ نے نگاہیں نیچی کر کے کہا۔

''میں بتاؤں تم کو کہ تم نے مجھے کسی کام جوگے نہیں رکھا۔ میرا دِل کسی لوہے کی طرح تمہارے مقناطیسی وجود کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور تم ہو کہ چند پَل بھی میرے لیے نہیں رکتیں ہر بار دامن چھڑا کر بھاگ جاتی ہو۔'' ڈاکٹر فیصل نے اُس کی بڑی بڑی اُداس آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم مجھ کو اتنے عزیز اگر نہ ہوتے تو میں تم سے کبھی نہ بھاگتی!'' سدرہ نے دِل ہی دِل میں کہا۔

''تمہاری زندگی کی خیر چاہتی ہوں، اس لیے تو اپنے بم جیسے وجود سے تم کو دُور رکھتی ہوں کیوں کہ میرے قریب آنے والا ہر شخص تباہ و برباد ہوجائے گا اور تم مجھے بے حد عزیز ہو، میں کیسے تم کو اپنے وجود کے ساتھ لگی موت دے دوں؟'' سدرہ نے آخر اُس سے کہہ ہی دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو تم مانتی ہو کہ تم بھی مجھے چاہتی ہو، اس کا مطلب ہے کہ میری محبت اِس راہ میں تنہا نہیں ہے۔" فیصل نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا فرق پڑتا ہے اِس سے؟ میں اگر تمہیں چاہتی بھی ہوں تو بھی کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم دونوں میں صرف ایک ہی رشتہ بن سکتا ہے دو کناروں کا، جن کے نصیب میں سوائے فاصلے اور جدائی کے کچھ نہیں ہوتا۔ جب ہم مل نہیں سکتے تو کیا فرق پڑتا ہے کہ تم مجھے کتنا چاہتے ہو اور میں تم کو کتنا چاہتی ہوں؟" سدرہ نے بے حد اُداسی سے کہا۔

"فرق پڑتا ہے موتیا! کیوں نہیں پڑتا! یک طرفہ محبت کو وہ عزت نہیں ملتی وہ نام نہیں ملتا اور وہ مقام نہیں ملتا جو محبوب کے دِل میں ہوتا ہے، وہ ہمیشہ لاوارث رہتی ہے۔ تم نہیں جانتیں کہ تمہارے اقرار نے میرے اِس مقدس جذبے کو لاوارث نہیں ہونے دیا۔" فیصل نے اُس کو بہ غور دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اب چلتی ہوں۔" سدرہ نے گھبرا کے کہا۔

"بھاگ لو مجھ سے... کتنا بھاگو گی، کیا تم اپنی پرچھائیں سے بھاگ سکتی ہو، میں تمہاری پرچھائیں بن جاؤں گا۔" فیصل نے جذب سے کہا۔

"یاد رہے پرچھائیاں جب تک روشنی رہے، تب تک ساتھ رہتی ہیں اور اندھیروں میں تنہا کر جاتی ہیں۔" سدرہ نے بہت گہری بات کہی۔

"تو پھر میں تمہاری آنکھوں کی روشنی تمہارے دِل کی دھڑکن بن جاؤں گا کہ جب جب تم آنکھیں کھول کر کچھ دیکھنا چاہو، تو میں تمہیں نظر آؤں اور جب تم اپنے دِل کی دھڑکن کو سنو تو صرف میری آواز کو سن سکو۔"

سدرہ کو لگا کہ وہ چند پَل مزید وہاں رُک گئی تو موم کی طرح پگھل کر رہ جائے گی۔

"فیصل باؤ! سرابوں کے پیچھے جوانیاں نہیں گالتے (برباد) رب تمہاری جوانی کو مان کرے میں تو بد دعا ہوں، اگر کسی کے ساتھ رہ جاؤں گی تو اُسے بھی بنجر کر دوں گی۔ میرا وجود ہر مرد کے لیے سوائے موت کے کچھ نہیں۔" سدرہ ایک دم چیخ کر بولی اور تیزی سے نکل گئی اور فیصل ایک بار پھر بے بسی سے ہاتھ ملتا رہ گیا۔

یہ دل پاگل
یہ دل سودائی
مار بھی سہے، خار بھی سہے
یہ دِل پاگل
یہ دِل سودائی! وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مسکرایا۔

❖❖○❖❖

"زلیخا بہن! تم فکر نہ کرو، عبداللہ پتر کا تو کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔" زلیخا بی بی کے چچا زاد نے اُن کو تسلی دی۔

"میرا بیٹا دنیاوی معاملوں سے بے نیاز رہتا ہے، اُس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کا حق بھی مارا جائے

اور اُس کو مارنے کے منصوبے بھی بنائے جائیں۔" زلیخا بی بی باقاعدہ غصے سے بپھری ہوئی تھیں۔ یہ اُن کے اکلوتے عزیز از جان بیٹے کی زندگی کا سوال تھا۔

"بی بی سائیں، بی بی سائیں!" ملازمہ حواس باختہ دوڑتی آئی۔

"کیا ہوا؟ دم تو لو آرام سے بات کرو۔" زلیخا بی بی نے ملازمہ کو ٹوکا۔

"بی بی وہ..." ملازمہ کو بات کرنی مشکل ہو رہی تھی۔

"بول کملی کیا وہ.. وہ لگا رکھی ہے۔" سید غضنفر نے بیزار ہو کر کہا۔

"سائیں... وہ سید عاشق علی کے ہاں سے سید نوازش علی جب واپس آ رہے تھے تو کسی نے اُن کی جیپ پر حملہ کر دیا۔"

"ڈرائیور تو تھا (وہیں) تے مر گیا جب کہ بڑے سائیں اور عبداللہ سائیں ہسپتال وچ ہیں۔" ملازمہ نے آخر روح فرسا خبر سُنا ہی دی۔

"ہائے میرے ربا!" زلیخا بی بی سینے پر دوہتھڑ مار کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ویرے (بھائی) ظالم نے تو وار کر بھی ڈالا..." اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

سید غضنفر غصے سے دھپ دھپ پاؤں مارتے تیزی سے باہر نکلے... یوں لگتا تھا کہ اعلان جنگ ہو چکا ہے اور اب سب کو اپنے اپنے حصّے کی لڑائی لڑنی ہے۔ اور یہ اعلان جنگ سید سرفراز علی نے کیا تھا اور بہت بُرا کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے ربّ کائنات
اِک دُعا ہے
شاید کہ آخری ہو
میری زندگی، اور موت
تیرے ہاتھ میں ہے
نہیں جانتی، کہ اگلا لمحہ
میری زندگی کا سفینہ
لے ڈوبے گا
یا پھر! موت کے طوفان سے بچا کے
میری ناؤ کو کنارے لگا دے گا
کاش!
میرے تشنہ تکمیل خوابوں کو
حقیقت مل جائے
اِس لیے تو یہی خواہش سر اُٹھاتی ہے
کہ اے اللہ
مجھے نئی زندگی مل جائے
میرے وعدے، میرے ارادے
سب پورے ہو جائیں
کسی کی دعائیں، نیک تمنائیں
میری آس کے بجھتے دیے کو
پھر سے روشنی دکھا جائیں
بے شک
میری تنہائی کا مداوا نہ ہو
مجھے مادی آسائشوں سے

کوئی سروکار نہیں
بس!!!
میں اپنے گناہوں کا بوجھ کچھ کم کرلوں
تیری بارگاہ میں سر جھکانے کے قابل ہو جاؤں
کہ تیری معافی، میری رہائی
تیری رضا، میری زندگی
مجھے پھر سے
نئی زندگی دے!!

ترنم کی آنکھوں میں تو ہمیشہ ہی برسات کا موسم ٹھہرا رہتا تھا۔ آج سے پہلے وہ جب جب روئی اپنے پچھتاوے اُسے رلاتے تھے۔ اپنے جرم، اپنے گناہ اور گزرا ہوا وقت اُسے رُلاتا تھا وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ بے بسی اُسے رُلاتی تھی۔

لیکن آج اُس کا تڑپتا، سُلگتا دِل ایک دم سے راہ پا گیا تھا۔

ہے دنیا میں کوئی ایسا رشتہ جو اپنی ناراضی یوں ختم کر دے کہ بال برابر بھی اپنے دِل میں ناراضی نہ رکھے اور نئے سرے سے یوں تعلق بنائے کہ جیسے کبھی کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو؟

ایک ماں کے پاس بھی کوئی بچہ جاتا ہے نا اور کہتا ہے کہ اے ماں مجھے معاف کر دے تو وہ معاف کرنے سے پہلے سو بار جتاتی ہے پھر معاف کرتی ہے جب کہ اللہ اتنا رحمان ہے کہ وہ بندے کی ہر خطا معاف کرنے کو ہر پل تیار رہتا ہے۔

ترنم کے دِل میں جو معافی کی آس تھی، اب وہ اُسے پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ آج وہ اپنے کفارے کی پہلی قسط ادا کرنے جا رہی تھی۔ رات کے دو بجے اُس نے پہلے رو رو کر معافی مانگی اور دو نفل حاجت کے پڑھ کر وہ اپنے آپ کو اُس کام کے لیے تیار کر چکی تھی کہ اگر وہ پکڑی جاتی تو بھیانک موت اور بھیانک زندگی اُس کا نصیب بنتا تھی۔

وہ شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے جا رہی تھی

''ہیلو!''

''یہ میں ہوں!'' ترنم نے موبائل پر کسی سے سرگوشی میں بات کی۔

''جی۔ جی!''

''میں آپ کو ایک ایڈریس لکھواتی ہوں آپ پلیز جلدی سے نوٹ کریں۔'' ترنم کی آواز اور ہاتھ دونوں کانپ رہے تھے۔ کسی پَل بھی میڈم چاندنی کے خاص بندے مارک کو ہوش آ سکتا تھا۔ ترنم سالوں سے جو کام میڈم چاندنی اور راگنی کے لیے کر رہی تھی، آج اُس نے وہ ہی کام اُن کے خلاف کیا تھا۔ فرق بس اتنا تھا کہ آج بستر پر کسی سرکاری افسر کا وجود بے ہوش نہ پڑا تھا بلکہ وہاں مارک تھا اور وہ اس وقت مارک کے لیپ ٹاپ سے انتہائی خفیہ معلومات کو چُرا کر اپنی فلاپی میں فیڈ کر چکی تھی۔ اب وہ اس فلاپی کو ایک نہایت ایمان دار افسر کو ہینڈ اوور کرنے والی تھی جس کا نام طارق تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طارق کے ایک ماتحت آصف کو ایک بار وہ بے وقوف بنا کر اُس سے معلومات چُرا کر لائی تھی۔ ... آصف کے ذریعے ہی طارق کو جانتی تھی کہ وہ ہی اُن کا افسر ہے، چند روز پہلے اُس نے طارق کو فون کر کے اپنی مدد کی پیش کش کی اور اپنی پہچان کو وہ چھپا گئی تھی۔ طارق ہی نے اُسے مارک کے لیپ ٹاپ سے کسی فائل کے چرانے کا کہا تھا۔

تین دن مسلسل مارک کے ساتھ رہنے سے آخر ترنم آج کامیاب ہو ہی گئی تھی۔

''نہیں پلیز! آپ خود آئیے گا میں آپ کے علاوہ کسی پر اعتبار نہیں کر سکتی۔'' ترنم نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی مارک کے پاس آئی، مارک بے سُدھ پڑا تھا۔ یہ نشہ خالی شراب کا نشہ نہ تھا یہ ایک بہت اسٹرونگ قسم کا نشہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ڈرگ لینے والے شخص پر یہ نشہ عام آدمی کی نسبت کچھ کم اثر کرتا ہے لیکن پھر بھی مارک کو اگلے چار گھنٹے ہوش نہیں آنے والا تھا۔ ترنم نے تیزی سے اپنے جوتے پہنے اور باہر نکل گئی، جانے سے پہلے وہ باتھ روم کا لاک لگانا اور پانی کھولنا نہ بھولی تھی۔

اِس قدر شدید سردی میں بھی اُس کا سارا وجود شدید پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کہاں رہ گیا یہ بندہ؟'' اُس نے گاڑی مطلوبہ جگہ پر روک کر اِدھر اُدھر دیکھ کر گھڑی کی جانب پریشانی سے دیکھا، اگر پیچھے سے مارک کو ہوش آ جاتا تو غضب ہو جاتا تھا۔

''یا اللہ! اُسے بھیج دے!'' ترنم نے گڑگڑا کر دُعا کی۔

گزرتا ہوا ہر پل اُسے بدحواس کر رہا تھا۔

❖❖○❖❖

''اوہ نو!'' طارق نے غصّے سے جیپ کو کک ماری، پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ اِس گاڑی سے اُلجھ رہا تھا جو ایک دم چلتے چلتے رُک گئی تھی اور اب تک چلنے کو آمادہ نہ ہوئی تھی۔

''اب کیا کروں؟ کوئی رکشا یا ٹیکسی وغیرہ؟'' طارق سوچ رہا تھا، لیکن وہ جس جگہ کھڑا تھا، وہاں سے کنوینس ملنا مشکل تھی۔

''یار خالد! جلدی سے پہنچو!'' طارق نے اپنے اسسٹنٹ کو فون کیا۔ اُسے یہاں تک آنے میں کم از کم آدھا گھنٹہ ضرور لگ جاتا جب کہ طارق کا اپنی منزل تک پہنچنا بے حد ضروری تھا، لیکن اب سوائے انتظار کے اُس کے پاس کوئی راہ نہ تھی۔

''تم۔ تم بے وفا، تم کو بھی ابھی خراب ہونا تھا۔'' طارق بڑبڑا رہا تھا۔

''ایکسکیوزمی! اگر آپ کو بُرا نہ لگے تو میں آپ کو ڈراپ کر دوں؟'' طارق کو اپنی پشت پر بہت مانوس سی آواز سنائی دی۔

''آ.. آپ؟ آپ کو شاید میں نے احمد انکل کے گھر دیکھا ہے!'' طارق نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''جی میرا نام شہباز ہے!'' شہباز علی صاحب نے یک ٹک طارق کو دیکھتے ہوئے کہا۔ طارق کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ کیا وہ بھول سکتا تھا کہ وہ سالوں سے اپنے ہر ڈاکومنٹ پر ولدیت کے خانے میں شہباز علی نامی شخص کا نام لکھتا آ رہا تھا۔

''آپ؟'' طارق کنفرم کرنے کے لیے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا۔ (کیا یہ ہی احمد انکل کے وہ دوست ہیں؟)

''میں احمد شاہ کا دوست ہوں بیٹا! آپ کو میں نے وہاں ایک فنکشن میں دیکھا تھا۔'' شہباز علی صاحب جیسا بزدل انسان طارق کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہی گھبرا گیا تھا۔ اب وہ تھکے تھکے لہجے میں اپنا ادھورا تعارف کروا رہے تھے۔

''اوہ!'' طارق کے تنے ہوئے اعصاب ایک دم ریلیکس ہو گئے۔

طارق زندگی کی اِس سچائی سے یوں بھاگ رہا تھا، جیسے کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

''آؤ بیٹا! میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' انہوں نے دوبارہ اصرار کیا تو طارق نے کچھ سوچ کر قدم بڑھا دیے۔

فرنٹ سیٹ پر باوردی ڈرائیور بیٹھا تھا۔ طارق، شہباز صاحب کے ساتھ پیچھے بیٹھ گیا۔ طارق نے ڈرائیور کو اپنی مطلوبہ جگہ بتا کر شہباز صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

جب کہ وہ چپ چاپ اُسے پیاسی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ سمندر سامنے ہو اور پیاس سے جان نکل رہی ہو اور ایسے میں بھی انسان کو صبر کرنا پڑے یہ زندگی کی بے حد کٹھن اور کڑی گھڑی ہوتی ہے، شہباز صاحب بھی اِس مشکل منزل سے گزر رہے تھے۔

''انکل آر یو اوکے؟'' طارق اُن کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر پوچھے بنا رہ نہ سکا۔

''آں۔ ہاں!'' شہباز صاحب ایک دم واپس آئے۔ ورنہ جس طرح وہ طارق کو دیکھ کر کھو سے جاتے تھے بہت مشکل ہوتا تھا ان کو خود پر قابو پانا۔

''بیٹا آپ کیا کرتے ہیں؟'' شہباز صاحب نے اُس سے گفتگو کرنے کی خاطر بات بڑھائی۔

''جی... وہ... میں؟'' طارق کو اپنی جاب بتاتے ہمیشہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

''جی میں صحافت میں ہوں!'' طارق نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ یہ سچ تھا کیوں کہ اُن کے سارے اسٹاف کو فرنٹ ڈیسک پر جو جاب دی گئی تھیں، وہ صحافت کے متعلق ہی تھیں۔

''اچھا۔ اچھا!'' شہباز صاحب نے بلاوجہ خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! آپ کے والدین کہاں ہوتے ہیں؟'' طارق کے اعصاب ایک دم پھر سے تن گئے۔

''وہ دونوں اب اِس دنیا میں نہیں ہیں۔'' طارق کا جملہ شہباز صاحب پر کسی بم کی طرح گرا۔

احمد شاہ کے اُمید افزا جملے اُن کو خوابوں کی ایک الگ رنگین دنیا دکھاتے رہے تھے۔ لیکن طارق کا جملہ اُن کو کرچی کرچی کر گیا سب سچائی جاننے کے باوجود اُس نے باپ کے وجود کو مردہ ہی رکھا تھا۔

''کیوں! کیا وہ معافی کے قابل نہ تھے۔'' اُن کو ایک دم اپنے سینے کے دائیں جانب شدید درد محسوس ہوا۔

''بس یہیں اُتار دو!'' طارق نے ڈرائیور کو کہا۔

''تھینک یو انکل! مجھے جس قدر جلدی ہے آپ نے واقعی میری بہت بڑی مدد کی۔'' طارق عجلت میں شکریہ کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے ایک گلی میں مڑ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"صاحب چلیں؟" ڈرائیور نے مڑ کر پوچھا اور پھر ایک دم اُچھل پڑا، شہباز صاحب کی تکلیف سے آنکھیں باہر نکل رہی تھیں۔

"صاحب؟" ڈرائیور دوڑ کر پچھلی سیٹ پر آیا۔

"صاحب کیا ہوا؟" ڈرائیور نے پسینے پسینے ہوتے شہباز صاحب کو پوچھا۔

"گولیاں!" شہباز صاحب نے اپنے چھوٹے سے بریف کیس کی جانب اشارہ کر کے ڈرائیور کو گولیاں نکالنے کے لیے کہا۔

ڈرائیور نے جلدی سے بریف کیس سے گولیاں نکال کر شہباز صاحب کو دیں وہ، یہ گولیاں اکثر صاحب کو استعمال کرتے دیکھ چکا تھا۔

"صاحب... صاحب منہ کھولو!" ڈرائیور نے گولیاں نکال کر شہباز صاحب کی زبان کے نیچے رکھ دیں۔

شہباز صاحب نڈھال ہو کر سیٹ پر گر سے گئے۔

"صاحب، صاحب!" ڈرائیور نے پریشانی سے انہیں آواز دی۔

"ہوں۔" شہباز صاحب نے آنکھیں بند کیے ہوئے ہاتھ سے ٹھیک ہونے کا اشارہ کیا۔

"سارہ، طارق، میرے بچے!"

"طارق! سائرہ!" شہباز صاحب کے منہ سے یہ نام سسکیوں کی طرح نکل رہے تھے۔

"صاحب!" ڈرائیور ایک بار پھر گھبرا گیا، اُس نے شہباز صاحب کو سیٹ پر لٹا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اب اُس کا رُخ ہسپتال کی جانب تھا۔

شہباز صاحب کا چہرہ بے حد پیلا پڑتا جا رہا تھا۔

❖❖○❖❖

"السلام علیکم!" طارق نے ترنم کے پاس جا کر کہا۔

ترنم نے ہاتھ سے اسکارف کے ساتھ چہرہ چھپا رکھا تھا اُس نے ایک دم چونک کر ہاتھ نیچے کر دیا۔

"آپ؟" طارق اُسے فوراً پہچان گیا تھا۔

"جی۔" ترنم نے گہری سانس بھری، اب اپنی پہچان چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا وہ اُسے دیکھ چکا تھا۔

"لیکن آپ! آپ تو نگی کی دوست؟" طارق کو یہ بات ہضم کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"پلیز طارق صاحب! یہ اِن باتوں کا وقت نہیں ہے میرا ایک ایک پل بہت قیمتی ہے میں اپنی جان مصیبت میں ڈال کر یہاں تک آئی ہوں۔ یہ لیں آپ کی امانت، اُمید ہے اس میں آپ کو اپنی مطلوبہ ساری معلومات مل جائیں گی، ترنم نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک چھوٹا سا لفافہ نکال کر حوالے کیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کے اِس تعاون کے پیچھے کیا مقصد ہے؟" طارق کے لیے یہ جاننا ضروری تھا کہ میڈم راگنی اور چاندنی جیسی بلاؤں سے یہ لڑکی کیوں پنگا لے رہی ہے؟ جس کے متعلق وہ جانتی تھی کہ اُس کی سزا صرف اور صرف موت ہے!

"ظاہر ہے اِس غداری کی سزا تو ہو سکتی ہے لیکن اِس کا مجھے انعام تو نہیں ملے گا پھر بھی آپ مجھ پر

شک کر رہے ہیں۔" ترنم نے گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے استہزائیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"تو پھر اتنا بڑا رسک، اتنا بڑا قدم کیوں اُٹھایا؟" طارق کا انداز ابھی بھی تفتیش لیے ہوئے تھا۔

"طارق صاحب! ساری زندگی میں نے ہر چیز کھونے میں گزار دی، چاہے وہ میرے خود کے رشتے تھے یا پھر میں خود، اب کسی کی رضا پانا چاہتی ہوں!"

"معافی چاہتی ہوں!"

"کفارہ سمجھتے ہیں آپ؟"

"اگر سمجھتے ہیں تو بس اتنا سمجھ لیجیے کہ میں نے بھی کچھ ایسا کرنے کے لیے کیا ہے۔"

"اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر تیزی سے گاڑی بھگا لے گئی۔

طارق کتنی ہی دیر گاڑی کے پیچھے اُڑتی دھول کو دیکھتا رہا، وہ اُس کی مبہم سی باتوں میں کھو گیا تھا۔ اُسے ایک دم وہ رات یاد آئی جب اُس نے ترنم کو پہلی بار ولی کی گاڑی میں دیکھا تھا۔ ہوش و حواس سے بیگانہ وہ خوب صورت لڑکی کسی پری کی طرح دکھائی دیتی تھی، پہلی نظر میں ہی اُس لڑکی کا غیر معمولی حُسن اور اُس کی غیر معمولی حد تک اُداس آنکھیں دیکھنے والے کو چونکا دیتی تھیں۔ کچھ بہت مختلف ہے اِس لڑکی میں!

"لیکن! اینی وے! ہمارے لیے تو بہت کام کی لڑکی نکلی۔" طارق نے لفافے کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا۔

"میڈم! اب دیکھتا ہوں کہ تم کیسے ہماری سرزمین پر گندگی پھیلاتی ہو!" طارق نے دِل ہی دِل میں میڈم چاندنی کو مخاطب کیا۔

"بس اب بہت ہو گیا!" طارق نے مضبوطی سے سوچا۔

❖❖○❖❖

ساتھیا بِن ترے جئیں کیسے
درد جو دے دیا سہیں کیسے
سرمئی سردیوں کی شامیں ہیں
پگلا من بس میں ہم کریں کیسے
کل تلک خواب تھے محبت کے
سپنے اب ہجر کے بُنیں کیسے
فاصلے مانگتے جدائی ہیں
ہم تجھے ہم سفر چنیں کیسے
آنکھ نم دِل پہ پہرہ یادوں کا
زخم ہوں گہرے تو سئیں کیسے
مانا جاں بِن ترے ہے جینا اب
جینے کا زہر پر پئیں کیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم بن جئیں کیسے؟؟

مُسکان خالی کاغذ پر آڑھی ٹیڑھی پنسل سے لکیریں کھینچ رہی تھی اُس کی اپنی زندگی بھی تو اِن لائنوں ا طرح اُلجھی اور گتھم گتھا ہوگئی تھی۔

''مسکان'' آپا امّاں کی نحیف آواز اُس کے کھوئے ہوئے وجود کو ایک دم چونکا گئی۔

''جی اماں جان۔'' وہ آگے بڑھ کر پوچھنے لگی۔

آپا امّاں کا بی پی خطرناک حد تک ہائی رہنے لگا تھا۔ کتنے ہی دِن تو اُن کو ہسپتال میں رکھا گیا تھا، ا اُن کو گھر میں شفٹ کردیا گیا تھا۔ مسکان آپا امّاں کا سایہ بنی رہتی تھی، کہیں کہیں اُس کے دِل میں تھا یہ سب کچھ اُس کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ اپنی زندگی کو بے معنی جان کر بے قدرا کر کے تباہ کرنے جارہی تھی اا یہ آپا امّاں کو بالکل برداشت نہ ہوا تھا۔

''تم نے یہ کیا کیا؟'' آپا امّاں کو بے حد پچھتاوا ہورہا تھا کہ کاش وہ مسکان کو اِس غلط فیصلے سے بچا سکتیں۔

کتنے نازوں سے اُسے پالا تھا۔ ہمیشہ دنیا کی ہر اچھی چیز اُسے دِلائی تھی اور جب زندگی کا اتنا اہم فیصلہ سر پر آیا تو اُس نے کھوٹے سکوں سے اپنی جھولی بھرلی۔

''یہ میری قسمت تھی! جب میں اپنی قسمت کو نہ بدل سکی تو کوئی بھی کیا کرلیتا۔ میری وجہ سے آپ بابا سائیں کی دشمنی مول لے لیتیں لیکن پھر بھی ہم کہاں اُن سے بچ پاتے؟ آپ جانتی ہیں کہ بابا سائیں کی اپروچ کس قدر ہے ہم اگر یہاں سے بھاگ بھی جاتے تو بھی بیچ راستے میں دھر لیے جاتے۔ کیا فائدہ تھا ایسی دوڑ کا، پھر میں کس کے لیے یہ کرتی؟ جس کو میں چاہتی تھی، جب وہ ہی نہ ملا تو کوئی بھی سہی!'' مسکان نے بے حد گہری سانس بھری۔

''مسکان! تم نہیں جانتی کہ تم نے ضد میں آکر کس قدر بڑی بھول کرڈالی ہے، تم نے اپنی زندگی کی بے حد ناقدری کی ہے! ارے تم نہیں جانتیں کہ اس زندگی کے لیے میں نے کتنوں کو تڑپتے سسکتے دیکھا۔'' آپا امّاں کی آنکھوں میں کچھ درد بھرے مناظر ایک دم ہی سے آگے آگئے۔

سدرہ بی بی کس قدر تڑپی تھی، کاش وہ زندہ رہ جاتی!

صائمہ بی بی، عائشہ بی بی سب نے جوانی میں موت کا مزہ چکھ لیا تھا۔

''آپا امّاں پلیز! میرا دِل اس قدر ٹوٹا ہوا ہے کہ مجھے اب مزید کوئی دُکھ، دُکھ نہیں لگتا۔''

''تم نے سید سرفراز کی بات مان کر بہت بُرا کیا۔''

''اُن کا نام نہ لیں، میں نہ اُن کا نام سننا چاہتی ہوں اور نہ ہی اُن کی شکل دیکھنا چاہتی ہوں!'' مسکان نے بے حد نفرت سے کہا۔

باہر کھڑے سید سرفراز ایک دم لرز گئے، اُن کی پیاری بیٹی اُن سے نفرت کرنے لگی تھی۔

''ہی واز مائی آئیڈیل! ہی واز مائی فرسٹ لو!'' لیکن انہوں نے مجھے دھوکا دیا! انہوں نے مجھے اُڑنے کے لیے پہلے آسمان دیا اور پھر ایک دم میرے پر کاٹ لیے۔'' مسکان نے اپنے دونوں بازو لپیٹ کرسسکی بھری۔

''کیوں آپا امّاں! پہلے وہ اتنے اچھے کیوں بنے؟ کیوں مجھے تعلیم دلوائی ساری برادری سے جھگڑ کر! اگر مجھے پڑھانا ہی تھا تو مجھے اِسی گاؤں میں پڑھا دیتے، کسی عام سے کالج سے بی اے کروادیتے، کیا ضروری تھا کہ مجھے شہر کے اسکولوں اور اعلیٰ کالج میں تعلیم دلائی جاتی، پھر مجھے کو ایجوکیشن میں پڑھنے یونیورسٹی بھیج دیا۔ میں نے جب ہر طرح کی آزادی اور بڑے وژن کو محسوس کرلیا تو وہ ایک بار پھر مجھے واپس حویلی لے آئے اور اِس چار دیواری میں لاکر بند کردیا۔ اگر سید اظہر سے میری شادی کرواکر انہوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے تو اُس سے بڑا ظلم انہوں نے مجھے اِس چار دیواری کے باہر دنیا دکھا کر کیا ہے۔ بلی کو اگر دودھ پر ہی رکھنا ہو تو اُسے کبھی گوشت نہیں کھلانا چاہیے۔'' مسکان پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''لوگ اپنے جانوروں تک کی نفسیات کا اتنا خیال کرتے ہیں ایک میرا باپ ہے، جس نے میرے ساتھ کسی کھلونے کی طرح کھیلا، کیوں، کیوں مجھے باہر نکالا، کیوں؟ اگر یہ چار دیواری ہی ہمارا مقدر ہے تو انہوں نے خود کو اچھا ثابت کرنے کے لیے میرے ساتھ ہی کیوں یہ گیم کھیلا؟ وہ ایک ظالم کھلاڑی ہیں۔'' مسکان اپنی نفرت اگل رہی تھی۔

''آئی ہیٹ ہم۔''

اور سید سرفراز کے اندر جاتے قدم ایک دم سے رک گئے، اپنے پاؤں اُن کو اِس قدر وزنی محسوس ہورہے تھے کہ انہیں واپس مڑنا بھی بے حد مشکل لگ رہا تھا۔ زندگی میں انہوں نے بہت سی عورتوں، لڑکیوں کی آنکھوں میں ڈر، خوف اور نفرت دیکھی تھی، اُن کو یہ سب بہت مزہ دیتا تھا لیکن آج پہلی بار اُن کو یہ سب بہت بُرا لگ رہا تھا، اتنا بُرا کہ برداشت بھی نہ ہورہا تھا۔ اگر انہوں نے آج تک کسی کو محبت جیسا جذبہ دیا تھا تو وہ صرف مسکان کا وجود تھا۔ اور اُن کی محبت بھی اُن کی بے وفائی اور ظلم کی طرح نکلے گی وہ نہ جانتے تھے۔

بعض لوگ خالی کنویں ہوتے ہیں جتنا بھی بانس ڈالو وہاں سے پانی نہیں نکلتا۔

''آئی ہیٹ ہم'' سید سرفراز کے کانوں میں گرم سیسہ پگھل پگھل کر گر رہا تھا۔

❖❖○❖❖

''بابا سائیں! پلیز آپ بیٹھ جائیں!'' ولی نے مسلسل ٹہلتے ہوئے احمد شاہ سے کہا۔

''نہیں بیٹا! میرے دِل کو سکون نہیں ہے۔'' احمد شاہ نے بے چینی سے کہا۔

''پلیز بابا سائیں! کہیں آپ بیمار نہ پڑ جائیں۔'' ولی کو ہر چیز سے زیادہ اپنے باپ کی فکر تھی۔

''میرا دوست اندر بنا کسی قصور کے اپنی سزا بھگت رہا ہے میں کیسے سکون سے بیٹھ جاؤں؟'' احمد شاہ نے بے چینی سے کہا۔

''آخر شہباز انکل کو کیا ٹینشن ہے جو اُن کو اتنی جلدی جلدی دو ہارٹ اٹیک ہوئے۔'' ولی نے اپنے باپ کے فکر مند چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے وقت آگیا ہے کہ ہم شہباز کے راستے کے کانٹے چُنیں، یہ ہمارا اخلاقی فرض بھی بنتا ہے۔'' احمد شاہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھا نہیں بابا سائیں؟'' ولی نے پوچھا۔

''بیٹا! میرا دوست ایک بہت معصوم انسان ہے، اُس نے اپنی بیوی کو بہت پیار دیا، اُن کا گھرانہ ایک مثالی گھرانہ تھا۔ شہباز کی بیوی سارہ ایک جذباتی لڑکی تھی۔ شہباز اُن کا پھوپھو زاد تھا، سارہ بھابی کے والد صاحب نے شہباز کی پرورش کی، لکھایا پڑھایا، وہ چاہتے تھے کہ شہباز ہمیشہ اُن کے ساتھ رہے، انہوں نے اپنی دونوں بیٹیوں سارہ اور نیلوفر کے رشتے شہباز کے سامنے رکھے تاکہ وہ اُن سے ہمیشہ جُڑا رہے، شہباز نے چھوٹی بہن سارہ کا رشتہ قبول کرلیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ نیلوفر جس کو وہ اپنی بہت اچھی بہن اور دوست کا درجہ دیتا تھا وہ دِل ہی دِل میں اُسے پسند کرتی تھی، شہباز کے سارہ کے رشتے کو قبول کرنے اور اُس کو انکار کرنے پر اپنا عزت کا مسئلہ بنالیا۔ اُسے اپنی انسلٹ محسوس ہوئی اور اُس نے اپنی انسلٹ کا بدلہ شہباز سے اس طرح لیا کہ اپنی بہن کو اُسی سے متنفر کرنا شروع کردیا۔ اُن دونوں کے بیچ روز نئی غلط فہمی پیدا کرنی شروع کردی۔ دھیرے دھیرے سارہ کی بدگمانی کی دیواریں اِس قدر اونچی ہوگئیں کہ اُن کو شہباز علی اور اُس کی محبت دکھائی دینا بند ہوگئی۔ یوں نیلوفر اپنی چال میں کامیاب ہوگئی اور اُن دونوں کی ازدواجی زندگی ناکام ہوگئی۔ شہباز مایوس ہوکر کچھ عرصے کے لیے باہر چلا گیا اور نیلوفر نے اپنا آخری وار بھی کر ڈالا اور اُن دونوں کی غلط فہمیوں اور جدائی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن میں طلاق کروا کر اُن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدائی ڈال دی!'' احمد شاہ نے ایک طویل تھکن بھری سانس لی۔

''اُس ظالم عورت نے اپنی انا کی خاطر دو معصوم لوگوں اور ان کے دو معصوم بچوں کی زندگی تباہ کر ڈالی۔'' دھیرے دھیرے جھوٹی چالوں اور سازشوں پر سے جب پردہ اُٹھا تو سارہ کو پچھتاووں نے گھیرلیا، اُسے اپنی حماقتوں اور اپنی بہن پر بے حد غصہ آیا کہ اُس نے کیوں نہ شہباز علی کی بات سُنی اور اس طرح اپنے پچھتاوے اُس کی جان لے گئے۔ اِس ساری کشمکش میں شہباز کو اُس کے بچوں سے کبھی ملنے نہ دیا گیا۔ شروع میں وہ سارہ کی وجہ سے بچوں سے نہیں ملتا تھا کہ عدم تحفظ کا شکار نہ ہوجائے لیکن بعد میں وہ ہرممکن کوشش میں رہا کہ نیلوفر اُسے اُس کے بچوں سے ملنے دے لیکن اُس عورت نے انتقام کی آگ میں اُس کے بچوں کو نا صرف دور رکھا بلکہ انہیں بدگمان بھی کردیا۔'' احمد شاہ اتنی طویل بات کرکے شاید تھک سے گئے تھے، اِس لیے چپ سے ہوگئے۔

''لیکن بابا سائیں! آپ مجھے کیوں یہ سب کچھ اتنی وضاحت سے سنا رہے ہیں؟'' ولی کا حیرت بجا تھی۔

''اِس لیے کہ تمہارا بھی شہباز سے رشتہ ہے اور تم اُس کی مدد کرسکتے ہو۔''

''مطلب؟ میں سمجھا نہیں، میرا اُن سے کیسا رشتہ؟ اور اور میں اُن کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟''

''شہباز علی کے بیٹے کا نام طارق ہے اور بیٹی کا نام سائرہ!'' احمد شاہ نے انکشاف کیا۔

''کیا؟'' ولی واقعتا بے حد حیران ہوا تھا۔

''طارق اور سائرہ تو ہمیشہ یہ ہی بتاتے آئے ہیں کہ اُن کے والدین حیات نہیں ہیں۔'' ولی نے بے حد تاسف سے کہا۔

''اِس میں اُن کا قصور نہیں ہے، یہ سب کچھ وہ تھا جو اُن کو بتایا گیا تھا۔'' احمد شاہ نے بیٹے کو تسلی دی، آخر طارق اُس کا بے حد عزیز دوست تھا۔

''اوہ!'' ولی نے گہری سانس بھری۔

''اب؟'' ولی نے سوالیہ نگاہوں سے باپ کو دیکھا۔

''اب یہ کہ تم طارق اور سائرہ کو بھی بلا لو۔ میں طارق کو ساری سچائی بتا چکا ہوں لیکن جانے کیوں وہ اپنے باپ کا سامنا کرنے میں ہچکچا رہا ہے، تم اُس کو بہتر طریقے سے سمجھا سکو گے، جاؤ کہیں وقت اُن سے اپنے باپ سے ملنے کی مہلت نہ چھین لے۔'' احمد شاہ نے ولی کو بھیجا۔

''نہیں بابا سائیں! انشاء اللہ سب اچھا ہوگا۔'' ولی نے باپ کو تسلی دی۔

''اللہ کرے!'' احمد شاہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔

❖❖○❖❖

''آپ لوگوں نے میرے ساتھ بے حد زیادتی کی ہے۔'' منزہ بے حد ناراض تھی۔

''بیٹا! کیا تم اپنی بہن کی منگنی پر ناخوش ہو؟'' حُسن آرا بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

''ہونہہ منگنی!'' منزہ کا خوب صورت چہرہ غصے سے عجیب وغریب ہوگیا تھا۔

آپ نے ہمیشہ علیزے کو سب سے زیادہ پیار کیا اور آج جب اس رشتے پر پہلا حق میرا تھا تو آپ نے ایک بار پھر علیزے کو مجھ پر اہمیت دی۔'' منزہ کے شکوے بے شک خود ساختہ تھے۔ بھلا کوئی ماں اپنی اولاد میں بھی فرق کرسکتی ہے۔

''تم کو میں ایک بار پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ آپا نے علیزے کا رشتہ اپنے منہ سے مانگا تھا۔ اِس میں ہمارا دخل نہیں ہے۔'' حُسن آرا بیگم بلا وجہ صفائیاں پیش کررہی تھیں۔

''میں سب کچھ تباہ کردوں گی!'' منزہ دروازے کو ٹھوکر مار کر باہر نکل گئی۔

''منزہ!'' حسن آرا بیگم نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا اِس لڑکی کے تیور اچھے نہیں ہیں خدانخواستہ واقعتا کوئی نقصان نہ کر بیٹھے۔'' حسن آرا بیگم کو ایک دم سے پریشانی نے گھیرلیا۔

❖❖○❖❖

''طارق۔'' ولی نے طارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے پکارا۔

وہ کتنی ہی دیر سے گم سم بیٹھا تھا، کمرے میں صرف سائرہ کی ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔

''طارق!'' ولی نے اُسے ایک بار پھر پکارا۔

''ہوں!'' طارق جیسے گہری نیند سے چونکا۔

''لالہ! اگر ابو جی زندہ تھے تو آنی نے یہ سب کیوں کیا؟'' سائرہ سسکی۔

آنی کی شخصیت کو انہوں نے ہمیشہ اتنے اونچے مقام پر رکھا تھا کہ خود طارق کو سچائی بتاتے تکلیف ہورہی تھی۔

''سائرہ، طارق! یہ وقت حساب کتاب کرنے کا نہیں، تم لوگ فوراً انکل کے پاس چلو، زندگی میں اِس قدر بے اعتباریاں دیکھنے والے شخص کا اس بار زندگی سے اعتبار اُٹھنے والا ہے۔ اگر تم لوگ چلو تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے بیمار دِل میں مزید زندہ رہنے کی اُمنگ کو پاسکیں' ولی نے دونوں کو اُٹھایا۔

''میرے، میرے ابو زندہ ہیں!'' تمام راستے سائرہ بے یقینی سے بس یہ ہی ایک جملہ بول کر کبھی ہنس دیتی اور کبھی رو دیتی۔

''جاؤ طارق! اُس گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دو!'' ولی نے آئی سی یو کے دروازے کے پاس کھڑے ہوکر طارق سے کہا۔

طارق کی شدّت ضبط سے آنکھیں سُرخ ہورہی تھیں وہ مرد تھا اور کبھی مرد بھی اپنے غم پر رویا کرتے ہیں، لیکن وہ ایک بیٹا بھی تو تھا جس کا دِل اپنے باپ کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔

''ابو!'' سائرہ شہباز صاحب کے سرہانے کھڑی ہوکر سسکی۔ طارق اُن کی پائنتی پر کھڑا سر جھکائے بے حد خاموش تھا۔

ٹپ۔ٹپ! دو آنسو اُس کی آنکھوں سے نکل کر شہباز صاحب کے پیروں پر پڑے۔

''طارق!'' شہباز صاحب سارا وقت نیم بے ہوشی میں بس اُس کا ہی نام پکارتے رہے تھے۔

''ابو!'' طارق نے اپنا سر اُن کے پیروں پر گرادیا۔

''کون، طارق!'' شہباز صاحب نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ یہ خواب نہ تھا، حقیقت تھی۔ اُن کا بیٹا اُن کے سامنے کھڑا تھا۔

''یا اللہ! کیا یہ سچ ہے؟'' سائرہ کو بھی اپنے پاس کھڑے دیکھ کر انہوں نے بے یقینی سے دھیرے سے کہا۔ اُن کا دِل ایک دم اپنی رفتار سے تیز دھڑکنے لگا، مشین ایک دم بول اُٹھی۔

''پلیز مریض کے لیے یہ سب کچھ خطرناک ہے۔'' سسٹر نے ایک دم آگے بڑھ کر کہا۔ سائرہ نے سوالیہ نگاہوں سے بھائی کو دیکھا وہ کسی طور باہر جانے کو آمادہ نہ تھی۔

''سسٹر پلیز! میرے بچوں کو میرے پاس رہنے دو۔'' شہباز صاحب نے اٹک اٹک کر کہا۔

''دیکھیں! ابھی آپ کا اتنا بولنا اچھا نہیں ہے۔'' سسٹر نے سختی سے کہا۔

''سسٹر! ہم اِن سے زیادہ نہیں بولیں گے، پلیز دو منٹ ہمیں دے دیں۔'' طارق نے درخواست کی تو سسٹر وارن کرکے بُرے بُرے منہ بنا کر باہر چلی گئی۔

''ابو جی!'' سائرہ نے اُن کا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگایا۔

''سائرہ، میری گڑیا۔'' شہباز صاحب نے اُس کے ہاتھ پر بوسہ لیا۔

''تم ہو بہو سارہ جیسی ہو!'' انہوں نے دِل ہی دِل میں اپنی بیٹی کو دیکھ کر کہا۔

''ابو جان!'' طارق اُن کی دوسری جانب آ کھڑا ہوا۔

''تم اپنے باپ سے اِس قدر ناراض ہو کہ سب جانتے ہوئے بھی اُسے مرا کہتے رہے۔'' شہباز صاحب کے لبوں پر آخر وہ شکوہ آ ہی گیا، جس کی وجہ سے اُن کی حالت آج اِس قدر خراب ہوئی تھی۔

''یہ درست ہے، میں پہلے کچھ فیصلہ نہ کرپا رہا تھا۔ مجھے معاف کردیں ابو، انجانے میں، میں نے آپ کا بہت دِل دُکھایا ہے۔'' طارق نے اُن کے بے حد قریب آ کر کہا۔

''مجھے میری بچے مل گئے اب مجھے کسی سے اور زندگی سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔'' شہباز صاحب نے ل رُک کر کہا۔

بے شک انہیں بولنے میں دقت ہورہی تھی لیکن وہ بے حد خوش تھے۔

''ابو جان! آپ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں پھر ہم ساتھ ساتھ رہیں گے۔'' سائرہ نے آنکھیں پونچھ رکہا۔

''ہاں گڑیا! اب تو میرا بھی دِل چاہتا ہے جینے کو، تم دونوں کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارنے کو، ب میں جینا چاہتا ہوں طارق! میں بہت سارا جینا چاہتا ہوں!'' شہباز صاحب نے بہ مشکل مسکرا کر کہا ں کو بولنے، مسکرانے سب میں بے حد تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''دیکھا شہباز! میں نہ کہتا تھا کہ درخت آخر اپنی جڑوں کی ہی جانب جھکتا ہے۔'' احمد شاہ نے قریب کر کہا۔

''احمد! مجھے آج اِس قدر خوشیاں ملی ہیں کہ یوں لگتا ہے کہیں آج میں خوشی سے مر ہی نہ جاؤں۔'' ہباز صاحب کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر اُن کی کنپٹیوں میں جذب ہوگئے۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں ابو، ابھی تو ہم مل کر بیٹھے تک نہیں اور آپ پھر جدائیوں کی بات کرنے لگے۔'' طارق نے تڑپ کر کہا۔

کس قدر سسکا تھا وہ اپنے اِس قیمتی رشتے کے لیے۔

''آپ پلیز فوراً کمرے سے باہر چلے جائیں، بڑے ڈاکٹر صاحب آ گئے تو آئی سی یو میں اتنے ۂے جمع دیکھ کر مجھے تو نوکری سے فارغ کروادیں گے۔'' سسٹر بڑبڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

کمرے میں موجود ہر شخص کے چہرے پر ہلکی سے مسکراہٹ در آئی۔ سسٹر اگر عام طور پر اتنا چڑتی تو ایدکوئی مائنڈ بھی کرلیتا لیکن یہاں سب اِس قدر خوش تھے کہ کسی نے کسی بات کا بُرا نہ منایا۔

''چلو بیٹا! اپنے باپ کو آرام کرنے دو۔'' احمد شاہ سب کو لیے باہر آ گئے۔

''لالہ! آنی نے ہم سے ہمارے باپ کو دُور رکھ کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔'' سائرہ نے باہر آ کر بے حد لگتے لہجے میں طارق سے کہا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو! اتنے دِنوں کا روکا ہوا غصّہ طارق کے اندر پھر لاوا بن کر اُبلنے کو تیار تھا۔

''آنی کل پاکستان واپس آ رہی ہیں۔'' سائرہ نے کہا۔

''اِس بار اُن کو ہمارے ہر سوال کا جواب دینا ہوگا۔ کیا وہ ہماری نفرت کا جواب دے پائیں گی۔'' ائرہ کے دِل میں اُبال اُٹھ رہے تھے۔

''آنی! یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ جو ہم دونوں کی آئیڈیل تھیں، آپ جو دنیا کی سب سے اچھی آنی یں میں نہیں جانتی تھی کہ آپ تو دنیا کی سب سے بُری آنی تھیں۔''

❖❖○❖❖

کاش!
ہم پیار نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل لگی ہی کرتے سجن
تجھ کو اِک خواب سمجھ کر ہی
بھلا دیتے مگر
ہم نے تو پیار کیا
تیرا یقیں یار کیا
کاش!
ہم خود کو فنا
اِس طرح نہ کرتے سجن
تجھ کو اِک بھول سمجھ کر ہی
بھلا دیتے مگر
جینا دُشوار کیا
ویری یہ سنسار کیا
کاش!
ہم تیری طرح
بے وفا ہی ہوتے سجن
تجھ کو اِک شام سمجھ کر ہی
بھلا دیتے مگر
کاش!
ہم پیار نہیں
دل لگی ہی کرتے سجن

اِس تحریر کے ساتھ ولی کی وہ کھوئی ہوئی چین بھی تھی، جس کو وہ کتنے ہی روز بہت بے قراری سے ڈھونڈتا رہا تھا۔ بچپن سے یہ چین لاکٹ اُس کے گلے میں تھے ان کے کھو جانے سے وہ اکثر ایک اُدھورا پن محسوس کرتا تھا۔

''یہ تحریر کس کی ہے؟'' ولی نے لفافے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا، یہ ڈاک کہاں سے آئی تھی، پھر ایک دم ولی بہت بے چینی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ یہ خط مسکان کا تھا، ڈاک اسٹیمپ اُس کے گاؤں کی تھی۔

کتنی عجیب بات ہے نا کہ اِس گاؤں کا نام ہمیشہ مجھے بہت کشش لیے محسوس ہوتا ہے۔ شاید اس لیے کہ بابا جی کا گاؤں بھی وہیں قریب ہے! ولی نے اپنے دِل و دماغ کو اِدھر اُدھر لگانے کی کوشش کی لیکن بے سود، دو پُر شوق نگاہیں اُسے مسلسل ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

''پاگل۔ احمق۔ دیوانی!'' ولی نے مسکان کو مخاطب کیا۔

''تم کسی قدر دان سے دِل لگاتیں، کیوں تم نے خالی تھالی سے آس لگالی کہ تم کو وہاں سے کھانے کو مل جائے گا۔'' ولی مسلسل بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

اُس کی بے نیازی، اُس کا اسٹریٹ فارورڈ رویّہ اکثر لوگوں کو لگتا کہ وہ نہایت خود پرست ہے۔

''ہونہہ! کیا میں بے حس ہوں؟''

''وہ سائرہ اور ٹی ٹو تو مجھے سمجھتے ہی بے حس ہیں، لیکن میں تو اُس لڑکی کی زندگی برباد ہونے سے بچانا چاہتا تھا۔ لیکن اُس دیوانی نے تو خود پاگل پن کی انتہا کر ڈالی ہے اور میرا قصور نہ ہونے کے باوجود سارا قصور میرے سر آ پڑا ہے۔'' ولی نے بے اختیار ماتھا مسلا۔

ایک بار پھر دو پُر شوق نگاہیں اُس کے ذہن کے پردے پر لہرائیں، اِس بار اِن آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے، ولی کو بے حد دُکھ محسوس ہوا تھا اس نے ایک لمبی سانس بھری۔

''آئی ایم سوری!''

''آئی ایم ریئلی سوری مسکان!'' ولی نے لب بھینچ کر کہا۔ میں تم کو کبھی دُکھ نہ دینا چاہتا تھا اِس لیے ہمیشہ تم سے دور رہا، لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ یہ دوری ہی تمہارا دُکھ بن جائے گا، یہ دوری تمہارا پاگل پن بڑھا دے گی۔

''آئی ایم ریئلی سوری مسکان!'' میں چاہ کر بھی تمہاری چاہت کا قدر دان نہ بن سکا کیوں کہ اِس دِل کے آئینے پر تو کسی اور کا سراپا لہرا رہا تھا۔''

''تم! اے اچھی لڑکی! خود کو اذیت نہ دو اور مجھے معاف کر دو!'' ولی نے تحریر پر نگاہ ڈال کر بے حد دُکھ سے با آواز بلند کہا اور کاغذ طے لگا کر اپنی دراز میں رکھ دیا۔

حسیں میری چاہت کا انجام کر دو
کہ تم نام اپنا میرے نام کر دو
چرا لو مری ساری صبحوں کو اب کے
میرا ہر پہر اپنی ہر شام کر دو

ولی نے دوسرا کاغذ بھی بے حد احتیاط سے بند کر کے پہلے کاغذ کے ساتھ رکھ دیا۔

دِل کی رگیں ٹوٹتی ہیں
یاد اتنا بھی کوئی نہ آئے

یہ تیسرا کاغذ تھا اور جس قدر بے قراری سے بھرا تھا ولی سے پکڑے رکھنا دُشوار ہو گیا تھا۔

''دیوانی!'' ولی کو تاسف نے آن گھیرا، وہ عورت ذات کا بے حد احترام کرتا تھا کسی لڑکی کے جذبات وہ کبھی بھی یوں پامال نہ کرنا چاہتا تھا۔

جو ہے لکھا دِل کی لکیر میں
میری سانس سے بھی قریب ہے
کروں کیسے پھر یہ یقین میں
کسی اور کا وہ نصیب ہے
مجھے کیسے دِل کی یہ پیاس بھی
گھڑے خشک ہیں تیری دید سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں لٹک رہی ہوں اُتار دے، ترا انتظار صلیب ہے

اُس میں مزید آگے پڑھنے کی ہمت نہ تھی، اُس نے باقی کاغذ بِنا پڑھے ہی لپیٹ کر باقی کاغذوں کے ساتھ رکھ دیے۔ دِل پر ایک عجیب سا بوجھ تھا، جس کو وہ کوئی نام نہ دے پا رہا تھا۔ ولی نے بیڈ پر گر کر آنکھیں موندھ لیں۔ دو پُر شوق ذہین آنکھیں نمی سے بھری اُس کے سامنے تھیں۔

''آئی ایم ریئلی سوری مسکان! آئی کین فیل Sympathy (ہمدردی) فار یو لیکن آئی کانٹ لو یو!''

''کہا جاتا ہے کہ چوٹی پر جگہ ہمیشہ خالی رہتی ہے!''

''کیوں؟''

''اِس لیے کہ جب نام ور افراد چوٹی تک پہنچتے ہیں تو وہ اِس کی بلندی کو اور بڑھا دیتے ہیں نئے مہم جُو کے لیے، نئے فاتح کے لیے بلندی منتظر رہتی ہے اِس لیے کہ کسی بھی کام میں حرف آخر کوئی نہیں ہے، آخری حرف ہمیشہ لکھا جانا ہوتا ہے!'' سر بٹ نے بہت سے مایوس چہروں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تھیسز کی مارکنگ شروع ہو چکی تھی اور بہت سے طالب علم External ایگزامنر کے رویّے سے بُری طرح ڈِس کرتیج ہوئے تھے، خاص طور پر کچھ لڑکیاں وائیوا کے بعد باقاعدہ رونے بیٹھ گئی تھیں۔ سر بٹ بے حد قابل اور ذہین اُستاد تھے انہوں نے ساری عمر حوصلہ بانٹا تھا، وہ کیوں کر برداشت کر سکتے تھے کہ اُن کی کلاس ہمت ہار بیٹھے اور ایسے وقت میں جب وہ اپنی تعلیم کو مکمل کر کے عملی زندگی میں قدم رکھنے جا رہے تھے۔ آج اگر وہ لوگ حوصلہ ہار جاتے تو ساری عمر کے لیے خود اعتمادی کو ہارنے والے تھے اور ایسا وہ ہونے نہیں دے سکتے تھے۔

''سر! میرے کام کا وہ سر عمر نے اِس قدر مذاق اڑایا کہ اور تو اور وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے کاپی ورک کیا ہے!'' مہوش باقاعدہ سوں سوں کرتے رو پڑی۔

''گائز! آئی ڈونٹ وانٹ ٹو سی اے سنگل ٹیر! اب غور سے سنو، اگر تم میں سے کوئی لڑکی ملکہ جذبات بن کر نشو یا شبنم کی طرح آہیں بھرتے ہوئے روتی مجھے نظر آئی تو بلیوی میں وہ پہلا شخص ہوں گا، جو تمہارے نمبرز کاٹ لوں گا۔ انسان بنو، کیا چار سال تم نے سوتے گزارے ہیں کہ تم لوگ کچھ سیکھ ہی نہیں سکے۔ خبردار جو اب کوئی طالب علم مجھے اپنا کانفیڈنس لوز کرتا نظر آیا۔ تم لوگ نوجوان ہو، تم لوگوں کو زندگی کے سمندر میں مگرمچھوں جیسے ظالم چیلنج اور وہیل کی طرح منہ زور حالات کا سامنا کرنا ہوگا، تو کیا مرنے کے لیے خود کو اُن کے حوالے کر دو گے؟ اگر تمہارے کام میں کوئی ویک پوائنٹ ہے تو مان لیا کہ تمہارے Skill میں کمی ہے، لیکن اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تم لوگ کری ایٹو نہیں ہو، اپنے آپ کو اور اپنے کام کو بول کر ثابت کرو، اب وائیوا میں چوزوں کی طرح نحیف آواز میں چوں چوں کرتا مجھے کوئی نظر آیا تو اُس کی خیر نہیں۔ ارے یہ External ایگزامنر تو ہوتے ہی کنفیوز کرنے کے لیے ہیں پروا نہ کرو، بس خود کو ثابت کرو۔'' سر بٹ نے سب کی ہمت بڑھائی۔

جبران نے کہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی بہت بڑا ہنر رکھنا تو دور کی بات ہے اگر آپ بانسری کی اچھی تان اُٹھا لیتے ہیں، کرسی مرمت کرنے کا کام ہی دوسروں سے بہتر کر لیتے ہیں یا برتن پختہ کرنے کے بارے میں دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں، اگر اور کچھ نہیں تو صحیح طریقے سے دُعا دینا ہی جانتے ہیں تو چاہے آپ جنگل میں بھی جا بسیں، ایک پگڈنڈی خود بخود آپ کی جھونپڑے تک پہنچ جائے گی۔"

"ایسی ہی ایک پگڈنڈی آپ لوگوں تک بھی پہنچ سکتی ہے، آپ کی بہترین کوشش پر کامیابی کا موڑ وے گھوم کر آپ کی طرف ہی آئے گا۔" سر بٹ کے جملے مایوس اور نڈھال طالب علموں میں توانائی بن کر دوڑے، بہت سارے چہروں کی روشنی واپس آ گئی تھی۔

ولی نے اپنے اِرد گرد سب طالب علموں کو دیکھا، وہ نئے سرے سے پُر جوش ہو چکے تھے۔ ہر اچھی بات مومن کی میراث ہی تو ہوتی ہے، ولی نے بھی شدت سے خواہش کی کہ اُس کا وجود بھی سر بٹ کی طرح ہمیشہ آسانیاں بانٹنے والا بنے۔

"اوہ ینگ مین مبارک۔" سر بٹ کی نظر ولی پر پڑی تو وہ بہت گرم جوشی سے اُس سے ملے۔

ولی دھیمی سی مسکراہٹ لیے اُن کے پُر جوش چہرے کو دیکھ رہا تھا وہ اپنے طالب علموں کی خوشیاں بھی یوں سیلیبریٹ کرتے تھے، جیسے یہ اُن کی خود کی کامیابی ہو۔

"تھینکس سر!" ولی نے اُن کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیشہ میرا فخر رہے ہو، میں نے جتنا سکھایا تم نے اُس سے بڑھ کر دکھایا، یہاں پر تیس چالیس کی کلاس میں بہ مشکل دس پندرہ لوگ ہی اپنی فیلڈ میں کچھ کام کرتے ہیں اور اِن دس پندرہ لوگوں میں کوئی ایک طالب علم سالوں بعد ایسا آتا ہے جو کہ بورن آرٹسٹ ہوتا ہے، جس کو کچھ سکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ ہمیں خود اُس کے کام سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔" سر بٹ دھیرے دھیرے چلتے اپنے دفتر کی جانب جا رہے تھے اُن کا اپنا کمرہ بھی ایک ڈسپلے روم بنا رہتا تھا، وہ ہر وقت کچھ نیا تخلیق کرتے رہتے تھے۔

"سر! آپ کی باتیں میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں ہیں۔" ولی نے اُن کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم کو کچھ کچھ اندازہ تو ہو ہی چکا ہوگا اپنے رزلٹ کا؟" سر بٹ نے ایک دم اُس سے سوال کیا۔

"جی! لیکن جب تک رزلٹ سامنے نہیں آ جاتا، میں کیسے کچھ شیور ہو کر کہہ سکتا ہوں، پھر مصطفیٰ کا کام بھی بے حد اچھا ہے، ہم میں مقابلہ تو ہمیشہ سے رہا ہے۔" ولی نے سچائی سے کہا۔

"وہ تو بالکل ٹھیک ہے مصطفیٰ بہت محنتی ہے اس لیے آج وہ اِس مقام پر ہے کہ تمہارے بعد اگر کسی کا کام قابلِ تعریف ہے تو اُس کا ہے، لیکن مائی ڈیئر! محنتی آرٹسٹ اور بورن آرٹسٹ کی کامیابی میں ہمیشہ بہت فرق رہا ہے۔"

"بورن آرٹسٹ کے آئیڈیاز ہمیشہ اُسے کام میں یونیک اور زندہ رکھتے ہیں، جب کہ محنتی آرٹسٹ پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ Saturation پر رُک جاتا ہے، وہ مزید کچھ نیا نہیں کر پاتا۔" سر بٹ نے اپنا نظریہ پیش کیا۔

"اور تم کو میں ہمیشہ سے بتاتا آیا ہوں کہ تم ایک بورن آرٹسٹ ہو۔" سر بٹ شاید جاتے جاتے کوئی بھی پردہ نہ رکھنا چاہتے تھے، اِس لیے وہ آج کھل کر اُس کی تعریف کر رہے تھے۔ سر بٹ اُس کے سامنے کبھی تعریف نہ کرتے تھے تب شاید اُن کو خطرہ تھا کہ ولی تعریف سُن کر ایک ہی جگہ نہ ٹِک جائے، وہ اُس کے کام میں ہمیشہ امپرومنٹ کی گنجائش نکالتے آئے تھے، لیکن آج پہلی بار انہوں نے سب کچھ کھل کر کہا تھا۔

"سر! آپ کی محنت نے اِس ہیرے کو تراش کر قابلِ دید بنایا ہے، مجھے بھی یہ کہنے دیں۔" ولی نے الیکٹرک کیٹل کا بٹن دبا کر اپنی اور اُن کی چائے کا پانی گرم کرنے کے لیے رکھا، ولی اُن کا واحد بے تکلف طالب علم تھا، جو اُن کے کمرے میں گھنٹوں گزارتا تھا اور اُن کے ساتھ دوستوں کی طرح وقت گزارتا تھا۔

"ولی! میں تمہیں وقت سے پہلے ایک خبر دینا چاہتا ہوں اور میری وِش ہے کہ تم اِس موقعے کو ضرور حاصل کرو۔" سر بٹ نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی سر۔" ولی نے اُن کی جانب متوجہ ہو کر پوچھا۔

"اگر تمہیں Distination کے ساتھ یہاں ٹیچنگ کی آفر ہو تو تم انکار نہ کرنا۔ میں جانتا ہوں تم ایک رئیس خاندان سے بی لونگ کرتے ہو، لیکن تمہاری ضرورت اِس ڈیپارٹمنٹ کو زیادہ ہے، کسی ایجنسی میں کام کر کے تم اپنے لیے ایک شاندار کیریئر بے شک بنالو گے لیکن تمہارے جیسے آرٹسٹ کی ضرورت ہم سب کو ہے۔" آنے والے طالب علموں میں ایک اور ولی کو تلاش کرنے کے لیے سر بٹ نے دھیرے دھیرے کہا۔

"سر۔" ولی سوچ میں پڑ گیا ابھی کل ہی تو بابا سائیں اُسے اُس کے دفتر لے کر گئے تھے۔ اُس کے آفس کو بنانے اور وہاں اسٹاف رکھنے تک انہوں نے ہر کام بے حد چاؤ سے کیا تھا۔

"سر! اگر ایسی بات ہے تو مجھے پہلے اپنے فادر سے ڈسکس کرنا ہوگی۔ میں کوئی بھی قدم اُن کی اجازت کے بغیر نہیں اُٹھانا چاہتا۔" ولی نے بے حد سچائی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، تم اُن سے ضرور بات کرو لیکن میری خواہش کی سفارش کرتے ہوئے، میں تم کو یہاں اِس ڈیپارٹمنٹ کا حصّہ بنے دیکھنا چاہتا ہوں۔" سر بٹ نے تمنا کی۔

"اگر اللہ کو ایسا منظور ہوا تو ضرور سر۔" ولی نے مسکرا کر کہا۔

❖❖○❖❖

"تم کالج نہیں گئیں چندا؟" آنی نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

وہ صبح چار بجے کی فلائٹ سے واپس آئی تھیں اور آتے ہی اپنے کمرے میں گھس کر سو گئی تھیں اب دس بجے وہ نہا دھو کر آفس کے لیے تیار ناشتے کے لیے ٹیبل پر آئیں تو سائرہ کو وہاں اپنا انتظار کرتے دیکھ کر چونک گئیں۔

"نہیں آنی! میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" سائرہ نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ! میری لعل ڈول! میری جان میرے لیے ویٹ کر رہی تھی۔" آنی نے حسبِ عادت بے حساب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیار دکھاتے ہوئے کہا۔

"آنی! ہمیں آپ سے کچھ پوچھنا ہے!" صوفے پر بیٹھے طارق نے کہا۔

"اینی تھنگ اسپیشل؟ تنگی کا تو کوئی پرابلم نہیں، میرا خیال ہے کہ ہمیں اتنی اچھی لڑکی کے لیے اتنا ڈیلے نہیں کرنا چاہیے، تم دونوں گھر میں میرا ویٹ کر رہے ہو، کوئی بہت اہم بات ہے؟" آنی گیس کرتی ہوئی طارق کے مقابل آ بیٹھیں۔

"بولو جانو کیا مسئلہ ہے؟ اور یہ کیا ہے، کون جا رہا ہے اور اِس قدر سامان؟ کس کا ہے یہ سامان؟" آنی نے حیرت سے ڈھیروں سوال کر ڈالے۔

"ہم جا رہے ہیں آنی!" سائرہ نے سامنے کے صوفے پر آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کا کہیں سیر کا پروگرام ہے؟ لیکن چندا مجھے بتانا تو تھا تا کہ میں بھی تم لوگوں کو جوائن کر سکتی۔" آنی نزاکت سے اپنے سرخی مائل شولڈر کٹ بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں آنی! ہم کہیں بھی سیر کرنے نہیں جا رہے!" سائرہ بے حد سنجیدگی سے بولی تو آنی پہلی بار بُری طرح چونکیں۔ انہوں نے سائرہ کو کبھی اِس قدر سنجیدہ اور طارق کو اِس قدر خاموش نہ دیکھا تھا۔

"آنی پلیز! آپ سے جو کچھ میں پوچھوں وہ سچ سچ بتائیے گا۔" طارق کا دِل چیخ چیخ کر پکار رہا تھا کہ کاش اُس کے دونوں رشتے بچ جائیں، اگر اُن کو ایک رشتہ ملا تھا تو وہ دُوسرا رشتہ کھونے جا رہے تھے۔

"طارق! یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟" نیلوفر نے حیرت سے پوچھا۔ اُن کے اندر کسی انہونی کا الارم بجنے لگا تھا۔ لیکن کیا؟

"آنی! کیا ہمارے ابو زندہ ہیں؟" طارق سپاٹ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"یہ کیسا سوال ہے؟" نیلوفر نے گھبرا کر غصّے سے پوچھا۔

"آنی! آئی ایم ٹاکنگ اباؤٹ مائی فادر۔" طارق نے ایک دم کھڑے ہو کر کہا۔

"کیا تم نہیں جانتے؟" آنی نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

"نہیں!" طارق نے اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"وہ سائرہ کی پیدائش پر تمہاری ماں کو طلاق دے کر چلے گئے تھے۔ تمہاری ماں اُن کی بے وفائی کے غم میں گھل گھل کر مرگئی۔ وہ شخص دراصل کسی عورت کے پیچھے تھا۔ جب وہ عورت اُس کو چھوڑ گئی تو وہ تم لوگوں کو لینے کا مطالبہ کرتا رہا لیکن ابا جی نے اُس کو تم لوگوں کی قیمت دے کر اُس کا منہ بند کر دیا۔ ارے وہ تم لوگوں کا باپ تھا نہایت کم ظرف اور گھٹیا... اُس نے تم لوگوں کا سودا کیا، مرگیا کم بخت، بہت اچھا ہوا، نمک حرام!"

"بس آنی بس!" طارق ایک دم چلایا۔ اُس کی آنکھوں میں جس طرح کی لالی تیر رہی تھی اُسے دیکھ کر نیلوفر کو کچھ دیر کو لگا کہ کوئی طوفان ہے، کوئی لاوا ہے جو اگر بہہ نکلا تو سب کو تباہ کر کے اپنے ساتھ بہا لے جائے گا۔

"آنی! آپ کے لفظ میرے ضبط کی حدود پار کر گئے ہیں، اب بس کریں۔" طارق کے لہجے میں بے حد تاسف تھا، ایک مدت اُس نے اِس عورت کو ماں کی طرح چاہا تھا اب ایک دم وہ اتنے نیچے مقام پر

آ کھڑی ہوئی تھی، طارق سے اُس کا یہ مقام بھی برداشت نہ ہو رہا تھا۔

"آنی! آپ سے آئندہ اگر محبت کرنا مشکل ہوگا تو اتنا ہی آپ سے نفرت کرنا بھی مشکل ہوگا! کیوں! کیوں آخر! آپ نے ایسا کیا؟ کیا کوئی عورت بھی بدلے اور انا کی آگ میں اتنی پاگل ہو سکتی ہے کہ وہ اُس آگ میں اپنی سگی بہن کی زندگی اور گھر کو آگ لگا دے۔" سائرہ کی آواز دُکھ سے پھٹنے لگی تھی۔

"میرے اللہ۔" سائرہ نے روتے ہوئے ماتھا پکڑ کر سر جھکا لیا۔

"میری ماں نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی، مجھے ہر وقت اپنی ماں کی کھوئی کھوئی شکل یاد آتی ہے کہ کیسے وہ گھنٹوں برگد تلے بیٹھ کر گیٹ کو دیکھتی رہتی تھی، ہوا کی سرسراہٹوں میں کسی کے قدموں کی آہٹ کو تلاش کرتی رہتی تھی۔ آپ کو اپنی بہن پر بھی ترس نہ آیا؟" طارق کا چہرہ شدتِ ضبط سے سُرخ ہونے لگا تھا۔

"آپ میری ماں کی قاتل ہیں!" سائرہ نے اُن کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ آنی کا چہرہ ایک دم تاریک ہو گیا۔

"آپ نے ہمارا باپ جیتے جی چھین لیا، آپ دھوکے باز ہیں۔" طارق نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"آپ نے ہمیں والدین جیسے رشتے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔ آپ ایک ظالم عورت ہیں۔" سائرہ مزید گویا ہوئی، آنی سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

"یہ کیا ہوا؟ وہ کیسے ایک پل میں ہی بازی ہار گئیں۔"

"نہیں، نہیں! میں یہ بازی کبھی نہیں ہاروں گی، میں نے اِن بچوں کو اپنی زندگی کے قیمتی ترین سال دیے ہیں، یہ بچے مجھے کیوں کر چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔" اُن کے اندر سے کوئی بولا۔

"یہ سب جھوٹ ہے! تم لوگوں کو کس نے بہکایا ہے؟" نیلوفر نے اپنا دشمن سوچا کہ کس نے اِس قدر دشمنی نبھائی ہے کہ اُن کی بنائی ہوئی دنیا کو تہس نہس کر دیا۔

"آنی! آپ کو کیا لگتا ہے کہ ہم چھوٹے بچے ہیں جن کو کوئی لالی پاپ دے کر بہلا لے گا اور دھمکا کر بھگا دے گا۔" سائرہ کا بس نہ چل رہا تھا کہ اِس عورت کو نوچ ڈالے، جس نے اُن کی ماں کی زندگی کی ہر خوشی حسد میں آ کر نوچ ڈالی تھی۔

"طا۔ طارق جانو! تم۔ تم تو بہت سمجھ دار ہو، تم ہی سوچو میں بھلا ایسا کیوں کروں گی؟" نیلوفر نے طارق کی جانب مُڑ کر کہا۔ جواباً طارق نے جن نگاہوں سے آنی کو دیکھا تھا وہ اندر تک لرز گئی تھیں اُن کی چلتی ہوئی زبان ایک دم سے رُک گئی۔

"آنی! شہباز علی ہی میرے ابو کا نام ہے نا؟"

"ہوں!" نیلوفر نے سہمے سہمے انداز میں جواب دیا۔

"یا اللہ! یہ سب کیا ہے میں پندرہ دن کے لیے ملک سے باہر گئی تھی اور میرے پیچھے یہ سب!"

"ابو زندہ ہیں نا؟" طارق نے بے حد دھیمے لہجے میں پوچھا۔ اُس کی آواز اِس قدر دھیمی تھی کہ نیلوفر بہ مشکل سُن پائیں۔

"طارق وہ۔" نیلوفر کچھ اور کہنے جا رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آنی! ہاں یا نا!" طارق نے ٹھوس لہجے میں پوچھا۔

"وہ۔" نیلوفر منمنائیں، سب مہرے پٹ گئے تھے، نیلوفر کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔

"آنی! ہاں یا نا؟" طارق کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

نیلوفر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ محسوس ہوئی، اُسے طارق اور سارہ دور کنارے پر کھڑے نظر آئے۔

"ہاں!" آنی نے بے حد شکست خوردہ انداز میں جواب دیا۔

"آپ نے ہم سے جھوٹ بولا تھا۔" طارق کی آنکھوں میں ایک دم مرچیں بھر گئیں، اُس سے بولنا مشکل ہوگیا۔ دِل اتنا عرصہ اِس عورت کو بہت بڑے مقام پر بٹھاتا آیا تھا آج ایک دم سے وہ عورت اتنے اونچے قد سے نیچے آ گئی تھی، آنی کا سر جھک گیا تھا۔

"آنی آپ نے اچھا نہیں کیا!" سارہ نے ایک دم اپنا شولڈر بیگ کندھے پر ڈالا۔

"میں آپ کی شکل اب کبھی دیکھنا نہیں چاہوں گی۔ لالہ میں گاڑی میں بیٹھتی ہوں، ڈرائیور کو باقی کا سامان اُٹھانے کے لیے بھیج رہی ہوں۔" سارہ وہاں سے یوں بھاگی، جیسے اگر چند پل بھی ٹھہر جاتی تو شاید آکسیجن کی کمی سے اُس کا دم گھٹ جاتا۔

"تم! تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟" آنی نے ہراساں ہوکر پوچھا۔

"آپ کو چھوڑ کر کہیں بھی جا رہے ہیں۔" طارق نے ایک ایک کر کے بیگ، اٹیچی کیس اُٹھا کر ملازم کو دیے۔

"اور ہاں! اِن بیگز میں ہمارے کپڑے، ہماری کتابیں اور ہماری ماں کی کچھ یادیں ہیں، آپ کی دی ہوئی ہر چیز سوائے اُن زخموں کے، جو آپ نے ہمیں دیے سب کچھ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

"یہ گھر نانا جان نے ہم دونوں بہن بھائی کے نام کیا تھا۔ یہ گھر اور فیکٹری کا آدھا حصّہ سب میں نے اور سارہ نے آپ کو دے دیا ہے۔ میں نے صرف فارم ہاؤس والا گھر اپنے پاس رکھا ہے کیوں کہ وہ گھر ماما کو بہت عزیز تھا۔" طارق سب حساب کھڑے کھڑے نمٹا رہا تھا، آنی کا دِل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب رہا تھا۔

"طارق! یوں ہر تعلق تو توڑ کر نہ جاؤ۔ میں، میں تم لوگوں کے بغیر کیسے جیوں گی؟" نیلوفر نے دیوانوں کی طرح اُس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔ طارق نے منہ موڑ لیا۔

"آنی! اب تو میرا دِل آپ کو آنی کہنے کو بھی نہیں چاہ رہا۔" طارق نے دُکھ سے کہا۔

"جو کچھ آپ نے کیا ہے ہم اُس کا بدلہ نہیں لے سکتے، بدلہ لے کر جو نقصان ہماری زندگیوں کا ہوا ہے اُس کی تلافی ہو بھی نہیں سکتی، لیکن ہم آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہی آپ کی سزا ہے! اور یہی ہمارا بدلہ!" طارق نے ایک دم اپنا ہاتھ اُن سے چھڑایا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"طا۔ طارق۔ طارق جانو! سنو۔ سنو، رک جاؤ! تم اس طرح اپنی آنی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" نیلوفر چلائیں اور دوڑ کر آگے بڑھیں لیکن اپنی ہی ساڑی کے پلو میں اُن کا پاؤں اُلجھا تو وہ ایک دم لڑ

کھڑا گئیں۔

اُن کا غرور اُن کا تنفر جانے کہاں جا سویا تھا اِس وقت تو وہ کچھ کھو جانے کے ڈر سے ایک ڈری ہوئی عورت لگ رہی تھیں۔

"تم اپنی آنی کو کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہو!" آنی رو دیں،

"اب اِس گھر میں ہمارا کوئی اپنا نہیں رہتا۔" طارق نے ایک دم مڑ کر کہا اور پھر تیزی سے شیشے کے دروازے کو دھکیلتا ہوا باہر نکل گیا۔

"طا.. طارق!" آنی کے لبوں سے سسکی نکلی، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُسے جاتا دیکھتی رہیں۔

اُن کا پلو گر کر نیچے آ رہا تھا، بال ایک دم پریشان ہوکر اُن کے چہرے پر بکھر گئے تھے۔ ساری عمر جیتنے والی عورت آج ایک ہاری ہوئی عورت نظر آ رہی تھی۔ اُن کے وجود کا مضبوط قلعہ ایک دم مسمار ہوکر بکھر گیا تھا۔

پھر وہ ایک دم نیچے بیٹھتی چلی گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

❖❖○❖❖

پرندوں کو فضا میں
کون ہے جو تھام لیتا ہے
ابابیلوں سے ہاتھی مارنے کا
کام لیتا ہے
تھکے لوگوں کو شب بھر نیند سے آرام دیتا ہے
شب تاریک میں جو صبح کا پیغام دیتا ہے
زمیں پہ کوہساروں کی جو میخیں گاڑ دیتا ہے
وہی جھرنوں کے نغموں کے لیے
اِن پربتوں کو پھاڑ دیتا ہے
یہ کس نے آسماں کو بے ستوں تعمیر کر ڈالا
"کوئی تو ہے"
جو کالی رات کی تاریکیوں میں
اِک سیاہ پتھر پہ
کالے ناتواں کیڑے کو چلتا دیکھ لیتا ہے!

ترنم ساری رات شب بے داری کے بعد وہیں ڈریسنگ روم میں بچھی چادر پر لیٹی رہی، اُس کے چہرے پر سالوں بعد کچھ سکون نظر آ رہا تھا۔ اس کے اندر کی سائیں سائیں لحہ بہ لحہ کم ہو رہی تھی۔ اُس نے بہت سارا عرصہ بھٹکتے اور پچھتاوے میں گزارا تھا، وہ دور بھی جہنم کی بدترین شکل تھا۔

اب اُسے راہ مل گئی تھی، جیسے جیسے وہ کفارے کی جانب بڑھ رہی تھی میڈم چاندنی اور راگنی کے لیے خطرہ بنتی جا رہی تھی۔ بے شک سامنے موت ہے!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اِس ساری بغاوت کی سزا بھیانک زندگی اور بھیانک موت ہے!'' کوئی اُس کے اندر بولتے ہوئے اُسے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''جس طرح کے دور سے میں گزر رہی ہوں، کیا اُس سے بھی بھیانک زندگی یا بھیانک موت ہوگی؟'' ترنم ہنستی چلی گئی، ہنستے ہنستے اُس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''لیکن اے اللہ! اب کسی بات کا ڈر نہیں ہے تُو جو میرے ساتھ ہے!'' ترنم کے اندر اِس ساتھ کے احساس نے بہت اطمینان بھر دیا تھا۔ اُسی پل اُس کے موبائل پر ایک نمبر جگمگایا۔

ترنم کے چہرے پر بہت عجیب قسم کے تاثرات تھے۔

''جی؟'' ترنم کا دِل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

''آپ نے ہمارا کام کیا ہے، آپ بدلے میں ہم سے جو چاہتی تھیں، ہم نے وہ کام شروع کر دیا ہے لیکن آپ کے لیے ایک بُری خبر بھی ہے!'' طارق کی آواز بے حد سنجیدہ تھی۔

''جی۔!'' ترنم کا دِل جیسے تیز دوڑتے دوڑتے ایک دم سے مدھم ہوگیا۔

''کیا؟'' وہ اتنا تو جانتی تھی کہ وہ جب بھی پیچھے مڑ کر دیکھے گی اُس کی پھیلائی تباہی سے سب کچھ تباہ ہو چکا ہوگا لیکن پھر بھی کوئی خوش گمانی تھی کہ شاید وہ اُن کے متعلق کوئی اچھی خبر سُن لے۔

''آپ کے والد صاحب کا دماغ کی شریان پھٹنے سے آج سے چار سال پہلے انتقال ہو چکا ہے۔''

''آہ!'' ترنم کی سِسکی بے اختیار تھی۔

''وہ نرم گرم، مضبوط آغوش! اُن کا شفقت بھرا لمس۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خواب ہوگیا تھا، آہ میں نے اپنی جنت کھو دی۔'' آنسو اُس کے حلق میں گرنے لگے۔

''اور... اور امّاں؟'' وہ بُری طرح رو دی۔

''اُن کا دماغی توازن بگڑ چکا تھا، اکثر وہ گھر سے نکل جاتی تھیں ایک دن ایسی نکلیں کہ پھر کبھی واپس نہ آسکیں اُن کی گمشدگی سے اگلے ہی دن آپ کے والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ وہ یہ دکھ برداشت نہ کر سکے تھے۔ گھر محلے داروں نے بند کر رکھا ہے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ آپ کی والدہ کا پتا جلد از جلد لگ جائے۔'' وہ جانے اور کچھ بھی کہہ رہا تھا لیکن ترنم کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''میری گڑیا!'' بابا کی آواز اُس کے اِرد گرد خوشبو کی طرح پھیلی تھی۔

''آہ! میں نے کیسے ہیرے موتی جیسے لوگوں کو مٹی میں رول دیا۔'' پچھتاوے کے سانپ ایک بار پھر اُس کے گرد گھیرا تنگ کر رہے تھے۔

❖❖❖○❖❖❖

''مبارک ہو ولی بھائی!'' سائرہ نے ولی اور ٹی ٹو کے پاس آ کر کہا۔

''خیر مبارک!'' ولی نے نہایت خوش دلی سے کہا۔

''ارے کچھ مبارک باد کا حصہ ہمارے لیے بھی رکھ لیں، گو کہ اِن صاحب کے سامنے ہماری موم بتی بھی نہیں جلتی لیکن بہر حال حقیقت یہ ہے کہ معرکہ مسٹر عبدالولی نے نہیں بلکہ مسٹر افضل خان نے مارا

ہے۔'' ٹی ٹو حسبِ عادت بول رہا تھا۔

''ہیں؟ کون افضل خان؟'' سائرہ نے حیرت سے پوچھا۔

سائرہ کے سوال پر ولی کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

''اُڑالو... اُڑالو میرا مذاق! خیر سے ٹاپ جو کر لیا ہے۔'' ٹی ٹو نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''ٹی ٹو کا نام افضل خان ہے!'' ولی نے وضاحت کی تو سائرہ کے منہ سے حیرت سے بے اختیار اوہ! نکلا تھا۔

''آپ کو بھی مبارک ہو، آپ بھی تو پاس آؤٹ ہوگئے ہیں۔'' سائرہ نے سادگی سے کہا۔

''ہاں بھئی ہمیں یہ ہی تو ہمیشہ خطرہ تھا کہ اگر کبھی ہم پاس ہوگئے تو کالج سے آؤٹ ہو جائیں گے، آخر میں یہی ہوا آپ سب نے مل کر مجھے میرے پیارے کالج اور یہاں کے دوستوں سے جُدا کر دیا۔'' ٹی ٹو باقاعدہ افسردہ تھا۔

''حیرت ہے کہ آپ پاس ہونے پر غمگین ہیں، میں نے پہلا بندہ دیکھا ہے، جس کے پاس ہونے پر یہ تاثرات ہیں۔'' سائرہ کی حیرت بجا تھی۔

''میں پاس ہونے پر نہیں بلکہ پاس ہو کر ''آؤٹ'' ہونے پر افسردہ ہوں۔''

''ارے شکر کیا ہوگا کالج والوں نے کب سے ایک سیٹ پر تم نے مسلسل قبضہ کیا ہوا تھا۔'' کاشف نے قریب آ کر گفتگو میں حصہ لیا۔

''اب تو کالج والے کہہ رہے تھے کہ بس ٹی ٹو کو امتحان میں بٹھانا ہے۔ چاہے یہ امتحان میں خالی پرچے دے یا ڈسپلے میں کچھ بھی نہ لگائے، لیکن اِس کو پاس کر دینا ہے بس اس کی حاضری ضروری ہے۔'' کاشف نے بتایا تو سب کے چہروں پر سوائے ٹی ٹو کے بے اختیار مسکراہٹ دَر آئی تھی۔

''خدا حافظ!''

''خدا حافظ اے پیارے کالج!'' ٹی ٹو نے دونوں بازو اُٹھا کر با آواز بلند کہا۔

کاشف، اسد، جواد، حامد، ریحان، منزہ، عائشہ، صائمہ، سدرہ، ہادیہ سب کے سب اُن کے گرد آ کھڑے ہوئے۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، ہم تو روز مل سکتے ہیں اور ظاہر ہے ٹیلی فون پر بھی رابطہ رہے گا لیکن...''

''لیکن یوں ہر روز صبح صبح ملنا تو نہ ہوگا۔''

ایک جو پہلے آ جاتا تھا وہ سب کا انتظار کرتا تھا یہ خوشی کے دن، یہ دوستی کے دن، میری زندگی کی خوب صورت یاد بن کر رہیں گے۔'' منزہ نے جذب سے کہا۔

''کیا ساری لڑکیاں اتنی ہی جذباتی ہوتی ہیں؟'' ولی نے خوش دلی سے مسکرا کر پوچھا۔

''آپ کو یہ سوال کرنے کی ضرورت ویسے ہے تو نہیں!'' سائرہ کا لہجہ بے اختیار کاٹ دار ہوگیا تھا۔

''ایک لڑکی جو آپ کے لیے بے حد جذباتی تھی آپ نے اُس کے جذبات کے ساتھ کیا کیا؟ اُسے اُس اندھے کنویں میں سڑنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا۔'' سائرہ کی سرگوشی بے حد دھیمی تھی لیکن اُس کا بولا ہوا زہر ولی سُن اور محسوس کر سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ولی کے چہرے سے خوشی اور مسکراہٹ یوں غائب ہوئی جیسے کسی نے بلاٹینگ پیپر رکھ کر سب چوس لیا ہو۔

وہ بہت خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

سائرہ کو اپنی بدسلوکی کا احساس ایک دم سے ہوا وہ تیزی سے ولی کے پیچھے بھاگی۔

''ولی بھائی!'' اُس نے پیچھے سے آواز لگائی۔

ولی رُکا ضرور تھا لیکن اُس نے مڑ کر نہ دیکھا۔

''آپ... آپ مائنڈ کر گئے؟'' سائرہ پھولی سانسوں کو ہموار کرنے لگی۔

''کیوں... کیا میں Stuff ٹوائے ہوں؟'' ولی واقعی بے حد غصّے میں تھا۔

''آئی ایم سوری!'' سائرہ نے گہری سانس بھر کر کہا۔

''میں مسکان کو بے حد مِس کرتی ہوں اور جو کچھ اُس کے ساتھ ہوا میرا دِل کہیں نہ کہیں آپ کو اُس کا قصور وار ٹھہراتا ہے۔ اُس کے فادر نے ایک پرچھائی کی اُسے اتنی سزا دے دی کہ اُس کی زندگی تباہ ہوگئی!''

''اور... اور وہ پرچھائی آپ کی تھی۔''

''نہ وہ آپ کی اِس قدر بے نیازی سہتی نہ وہ آپ کی جانب اِس قدر اٹریکٹ ہوتی اور نہ آپ اُس کی زندگی کی خوشی بننے کے بجائے اُس کا روگ بنتے!'' سائرہ بے حد روہانسی ہو رہی تھی۔

''شی واز لائک مائی سِسٹر!''

''میں اُس کو بہت مِس کرتی ہوں!'' سائرہ نے گہری طویل سانس بھری۔

''اگر... اگر میں آپ کو اپنی محبت میں کچھ کہہ جاتی ہوں تو یہ واقعی میرے بس میں نہیں ہے!'' سائرہ کی سیاہ آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے۔

''وہ ہنستی مسکراتی گڑیا سی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر پرجوش ہوجانے اور چھوٹے چھوٹے خواب رکھنے والی لڑکی یوں برباد ہوجائے گی، میں نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔'' ولی نے بے اختیار گہری سانس بھری۔

اُس کے دل میں مسکان کے دکھ پر بہت ساری ہمدردی ہمکی تھی۔

لیکن مسکان! وہ ضدی لڑکی، ولی سے ہمدردی نہیں اُس کا دل چاہتی تھی اور یہاں آ کر ولی خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔

''مجھے بھی بے حد دُکھ ہے لیکن یہ سچ ہے کہ ہم میں سے کوئی اُس کی مدد نہیں کرسکتا۔''

ولی کو محسوس ہوا کہ وہ سائرہ سے یہ کہہ کر جان نہیں چھڑا سکتا کہ اُس کا دِل مسکان کے لیے ویسے جذبات نہ رکھتا تھا، جیسے کہ مسکان اُس کے لیے رکھتی تھی۔

''اوکے... میں چلتا ہوں، پھر ملاقات ہوگی۔'' ولی کہہ کر مُڑا اور پھر ایک دم رُکا۔

''سائرہ تمہیں کچھ بتانا تھا۔'' وہ مسکرایا۔

''میں نے یہاں جوائن کرلیا ہے!'' ولی نے اُسے اطلاع دی۔

''اوہ رئیلی!'' سائرہ نے بے حد خوش دلی سے کہا۔ اُس کے روئے روئے چہرے پر مسکراہٹ بہت بھلی لگ رہی تھی۔ ولی نے آگے بڑھ کر اُس کا سر تھپتھپایا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ سائرہ اُسے دور جاتا دیکھتی رہی۔

اُسے ولی کے آس پاس مسکان کی خوشبو محسوس ہونے لگی تھی۔ اُس نے ولی کو اِس قدر چاہا تھا کہ مسکان، ولی کا حوالہ محسوس ہونے لگی تھی۔

اکثر پیار کرنے والے اپنے محبوب کے اندر جذب ہو کر خود اُس کی پرچھائی ہی تو لگنے لگتے ہیں۔

❖❖○❖❖

کٹھن ہے زندگی کتنی، سفر دُشوار کتنا ہے
کبھی پاؤں نہیں چلتے کبھی راستے نہیں ملتے
ہمارا ساتھ دے پائے کوئی ایسا نہیں ملتا
فقط ایسے گزراوں تو
یہ روز و شب نہیں کٹتے
یہ کٹتے تھے کبھی پہلے
مگر ہاں اب نہیں کٹتے
مجھے پھر بھی میرے مالک کوئی شکوہ نہیں تجھ سے
میں جاں پر کھیل سکتا ہوں میں ہر دُکھ جھیل سکتا ہوں
اگر تو آج ہی کر دے محبت ہم سفر میری

مُسکان ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی، اُس نے ولی کو خواب میں اپنے بے حد قریب دیکھا تھا۔

''یا اللہ!'' مسکان کو ایک دم اُچھو لگ گیا، سانس اٹکنے لگی۔

''یا اللہ!'' مسکان نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل سے گلاس اُٹھا کر پانی لبوں کو لگالیا۔

محبت میں عشق کی شدت اللہ جی نے ہر انسان میں رکھی ہے۔

انسان بہت بے خبر ہے، وہ جب انسان کے ساتھ اپنی ساری محبت خرچ کر دیتا ہے تو پھر یوں ہی خالی ہاتھ بے قرار ہو کر پھرتا ہے۔ محبت میں عشق کی شدت صرف اللہ جی کی ذات حق دار کو ہے!

''کیا ہوا بیٹا؟'' آپا امّاں گھبرا کر کمرے میں داخل ہوئیں۔

''کچھ نہیں!'' مسکان نے بیزاری سے کہا۔ ملگجے کپڑے، اُلجھے بال وہ کس قدر بکھر گئی تھی۔

''میری جان! تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ ایسے تو تم مزید بیمار ہو جاؤ گی۔'' آپا امّاں نے بے حد فکرمندی سے کہا۔

''ہنہ بیمار! کیا ہو جائے گا مجھے؟''

''بیمار ہوں، پھر مزید بیمار ہو جاؤں گی اور اِس کے بعد مر جاؤں گی، دی اینڈ۔''

''مسکان مسز اظہر کی اسٹوری کی دی اینڈ!'' مسکان نے کھوکھلا قہقہہ لگایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک آپ ہی ہیں، جس کو میری فکر ہے، میری پروا ہے! جو میرے اُجڑنے پر روتی ہیں، وہ جو میرا سگا باپ ہے اُسے تو کوئی پروانہیں کہ میں جیوں یا مروں؟'' مسکان کے لہجے میں بے انتہا نفرت پھنکار رہی تھی۔

''وہ شہر بانو کو اگلے اتوار رخصت کروا کر لا رہا ہے!'' آپا امّاں نے سرد لہجے میں کہا۔

''تو؟ جب بلال کے ساتھ شہر بانو کا نکاح ہو ہی گیا ہے تو آخر اُس نے رخصت ہو کر ایک نہ ایک دن آنا ہی تھا۔'' مسکان نے لاپروائی سے کہا۔

اِک عجیب سی بے حسی اُس کی خود کی ذات کے لیے اُس پر طاری تھی۔

''شہر بانو اِس حویلی میں رخصت ہو کر آئے گی تو تمہیں اِس حویلی سے رخصت ہو کر جانا ہوگا!'' آپا امّاں نے آخر وہ بم دھماکا کر ڈالا، کمرے میں موجود نفوس کو اِس خبر نے چکنا چُور کر دیا تھا۔

لاکھ مسکان نے ضد میں آ کر نکاح کے لیے ہاں کر دی تھی لیکن رخصت ہو کر کسی کی بیوی بن کر اُس کے ساتھ رہنے کا تصور کس قدر لرزا دینے والا تھا۔ اُس کا پاپی دل تو ابھی تک ولی کے حصار سے نہ نکلا تھا۔ اُس کا دل اور اُس کا جسم سوائے ولی کے کسی کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔

سید اظہر!

عبدالولی! دونوں نام مکس ہو گئے تھے۔

مسکان کو ایک بار پھر زبردست قسم کا اُچھو لگا۔ وہ کھانستے کھانستے ادھ موئی ہو رہی تھی، آپا امّاں نے پانی کا گلاس اُس کے لبوں سے لگایا، کمر سہلائی لیکن مسکان کی حالت نہ سنبھلی۔

''سید اظہر کے ساتھ رخصتی کی خبر سے اِس کی یہ حالت ہوگئی ہے تو پھر آئندہ کیا ہوگا؟'' آپا امّاں نے ہاتھ میں پکڑے پانی کی جانب دیکھ کر سوچا۔

''اب اور کیا ہوگا؟''

''اب کون سی نئی قیامت منتظر ہے؟'' امّاں اندر سے کانپ گئی تھیں۔